6

مرقاۃ المفاتیح

شرح اردو

مشکوٰۃ المصابیح

للعلامہ الشیخ القاری علی بن سلطان محمد القاری

مترجم: مولانا راؤ محمد ندیم

مکتبۃ رحمانیۃ

مرقاۃ المفاتیح اردو

للعلامہ الشیخ القاری علی بن سلطان محمد القاری ہجری ۱۰۱۴

شرح

مشکوٰۃ المصابیح

للامام العلامۃ محمد بن عبداللہ الخطیب التبریزی المتوفی ۷۴۱

مترجم: مولانا راؤ محمد ندیم

جلد ششم

مکتبہ رحمانیہ

اقرأ سنٹر، غزنی سٹریٹ، اردو بازار، لاہور

فون: 042-37224228-37355743

MAKTABA-E-REHMANIA

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم

MAKTABA-E-REHMANIA

مکتبہ رحمانیہ

نام کتاب:---------------- مرقاۃ المفاتیح اُردو (جلد ششم)

مترجم :---------------- مولانا راؤ محمد ندیم

ناشر:---------------- مکتبہ رحمانیہ

مطبع:---------------- لٹل سٹار پرنٹرز لاہور

استدعا

اللہ تعالیٰ کے فضل وکرم سے انسانی طاقت اور بساط کے مطابق کتابت، طباعت، تصحیح اور جلد سازی میں پوری پوری احتیاط کی گئی ہے۔
بشری تقاضے سے اگر کوئی غلطی نظر آئے یا صفحات درست نہ ہوں تو ازراہ کرم مطلع فرما دیں۔ ان شاء اللہ ازالہ کیا جائے گا۔ نشاندہی کے لیے ہم بے حد شکر گزار ہوں گے۔ (ادارہ)

فہرست

الموضوع

كِتَابُ النِّكَاحِ

نکاح کا بیان

الفصل الاول:

نکاح کی دینی ودُنیاوی فوائد

٣٠٨٠: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَةَ فَلْيَتَزَوَّجْ فَإِنَّهُ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَاَحْصَنُ لِلْفَرْجِ وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ۔ (متفق عليه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ٩/١١٢ الحديث رقم ٥٠٦٦ ومسلم فی ٢/١٠١٨ الحديث رقم (١-١٤٠٠) وابو داؤد فی السنن ٢/٥٣٨ الحديث رقم ٢٠٤٦ والترمذی فی ٣/٣٩٢ الحديث رقم ١٨٤٥ والنسائی فی ٤/١٧٠ الحديث رقم ٢٢٤٢ وابن ماجه ١/٥٩٢ الحديث رقم ١٨٤٥ والدارمی فی ٢/١٧٧ الحديث رقم ٢١٦٥ واحمد فی المسند ١/٤٣٢

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا: اے جوانوں کی جماعت! تم میں سے جو شخص جماع اور نکاح کے لوازمات (یعنی بیوی بچوں کا نفقہ اور مہر ادا کرنے) کی طاقت رکھتا ہو تو اسے چاہئے کہ وہ نکاح کرلے' کیونکہ نکاح کرنا نظر کو جھکاتا ہے اور شرم گاہ کو بہت محفوظ رکھتا ہے (یعنی نکاح کر لینے سے اجنبی عورت کی طرف نظر مائل نہیں ہوتی اور انسان حرام کاری سے محفوظ رکھتا ہے) اور جو شخص (جماع اور نکاح کے لوازمات کی) طاقت نہ رکھتا ہو' اسے چاہئے کہ وہ روزہ رکھے کیونکہ روزہ رکھنا اس کے لئے خصی کرنے کا (یعنی شہوت کو کم کرنے کا) فائدہ دے گا (یعنی جس طرح خصی ہو جانے سے جنسی میلان ختم ہو جاتا ہے' اسی طرح روزہ رکھنے سے بھی جنسی میلان ماند پڑ جاتا ہے)۔'' (بخاری و مسلم)

تشریح: قوله: يَا مَعْشَرَ الشَّبَابِ مَنِ اسْتَطَاعَ مِنْكُمُ الْبَاءَ ةَ فَلْيَتَزَوَّجْ :

''معشر'' اس گروہ اور جماعت کو کہتے ہیں جو ایک وصف میں شریک ہو جیسے شباب شیخخة، بنوة وغیرہ۔

الشباب: شین کے فتحہ اور باء کی تخفیف کے ساتھ ہے، ''شاب'' کی جمع ہے وہ بالغ جس کی عمر تیس سال سے متجاوز نہ ہو اس کو ''شاب'' کہتے ہیں۔

الباء ة :مداور ھاء کے ساتھ ہے۔ یہ لغت یہ فصیح مشہور اور صحیح ہے۔ دوسری لغت بغیر مد کے ہے۔ تیسری لغت مد کے ساتھ بغیر ھاء کے ہے۔ چوتھی لغت دو ھاء کے ساتھ الباھه ہے،

اس کا معنی ہے ''جماع''۔ یہ مشتق ہے ''الباہ بمعنی منزل'' سے، پھر عقد نکاح کو ''باہ'' کہا جانے لگا اس لئے کہ جو عورت سے نکاح کرتا ہے اس کو گھر میں اتارتا ہے،

یہاں مضاف محذوف ہے۔ ای مؤنة الباء ة، یعنی مہر اور نفقہ، امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ تاویل کرنا ضروری ہے اس لئے کہ ''ومن لم یستطع'' کا عطف ''من استطاع'' پر ہے۔ اگر ''الباء ة'' کو جماع پر حمل کیا جائے تو پھر ''فعلیه بالصوم......'' کا مطلب درست نہیں بنے گا۔ اس لئے کہ جماع سے عاجز کو یہ نہیں کہا جاتا اس کا مطلب اس وقت درست ہوگا جب کہا جائے کہ اے قدرت والے شہوت رکھنے والے، اگر تو نکاح کا بوجھ برداشت کر سکتا ہے تو نکاح کر لے ورنہ روزے رکھ۔ اسی راز کی وجہ سے نداء کو جوانوں کے ساتھ خاص کیا ہے۔

الوجاء: واؤ کے کسرہ اور مد کے ساتھ ہے اس کے معنی ہیں توڑنا۔ وجاء کے اصل معنی ہیں فحولت اور شہوت کمزور کرنے کیلئے خصیتین کو رگڑنا اور کوٹنا ۔

فلیتزوج: بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہاں امر وجوب کیلئے ہے، اس لئے کہ یہ حالت ''توقان'' پر محمول ہے۔ ''یا معشر الشباب'' اس قول میں اس کی طرف اشارہ ہے اس لئے کہ ''جوان'' فطرت سلیمہ پر شوق اور شہوت والے ہوتے ہیں۔

قوله: فَإِنَّهُ اَغَضُّ لِلْبَصَرِ وَاَحْصَنُ لِلْفَرْجِ:

اغض للبصر : یعنی جھکانے والا اور دور کرنے والا ہے شادی شدہ کی نظروں کو اجنبی عورت سے، یہ غض طرفه سے ماخوذ ہے۔

قوله: وَمَنْ لَّمْ يَسْتَطِعْ فَعَلَيْهِ بِالصَّوْمِ فَإِنَّهُ لَهُ وِجَاءٌ :

بعض کہتے ہیں کہ یہ اغراء غائب ہے اور ''من استطاع منکم'' کو مقدم کرنے سے یہ حاضر کی طرح ہو گیا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ بالصوم میں ''با'' زائدہ ہے، یعنی اصل ''فعلیه الصوم'' ہے۔ پس حدیث خبر کے معنی میں ہے نہ کہ بمعنی امر ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ اغراء مخاطب ہے ای اُشیر واعلیه بالصوم کہ اس کو روزہ رکھنے کا مشورہ دو۔

فانه: یعنی روزہ۔ جماع پر قادر وہ شخص جو شادی پر قادر نہ ہو فقر کی وجہ سے۔ مطلب یہ ہے کہ روزہ شہوت کو ختم کر دیتا ہے اور منی کے شر کو دفع کرتا ہے۔ یہ ایسا ہے جیسے خصی کرنا۔

امام طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ بظاہر ''فعليه بالجوع وقلة ما يزيد فی الشهوة و طغيان الماء من الطغام''

کہنا چاہئے تھا۔لیکن یہاں صوم کی طرف عدول کیا،اس لئے کہ یہ عبادت کے معنیٰ میں آیا ہے جو خود مقصود ہے اور یہ بتانے کیلئے کہ روزہ سے مطلوب جوع اور کسر شہوت ہے،اور بہت سارے روزے داروں کی انتڑیاں بھری ہوتی ہیں(انتھیٰ)۔
اور یہ بھی احتمال ہے کہ روزہ میں یہ راز اور نفع اسی مرض کیلئے ہو اگر چہ وہ زیادہ کھائے پیئے بشرطیکہ اس کی نیت صحیح ہو،اس لئے کہ بعض اوقات بھوکا رہنا اور بعض اوقات سیر ہونا یہ جماع کی تقویت میں ہمیشہ سیر رہنے کی طرح نہیں ہوتا۔واللہ تعالیٰ اعلم

ترکِ نکاح کی ممانعت

۳۰۸۱:وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ قَالَ رَدَّ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّم عَلٰی عُثْمَانَ بْنِ مَظْعُوْنٍ اَلتَّبَتُّلَ وَلَوْ اَذِنَ لَہٗ لَاخْتَصَیْنَا۔ (متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۱۱۷/۹ الحدیث رقم ۵۰۷۳ومسلم فی ۱۰۲۰/۲ الحدیث رقم (۶۔۱۴۵۲) والترمذی فی السنن ۳۹۴/۳ الحدیث رقم ۱۰۸۳ والنسائی فی ۵۸/۶ الحدیث رقم ۳۲۱۳وابن ماجه فی ۵۹۳/۲ الحدیث رقم ۱۸۴۸ والدارمی فی ۱۷۸/۲ الحدیث رقم ۲۱۶۷ واحمد فی المسند ۱۷۵/۱

ترجمه:''اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ''رسول اللہ ﷺ نے حضرت عثمان بن مظعون رضی اللہ عنہ کو تبتل (یعنی ترک نکاح کی سوچ) کو رد فرما دیا تھا'اگر آپ ﷺ ان کو تبتل کی اجازت دے دیتے تو ہم بھی خصی ہو جاتے''۔(بخاری و مسلم)

قوله :رد رسول الله صلی الله علیه وسلم علی عثمان بن مظعون التبتل:

تشریح: التبتل :عورتوں سے انقطاع،اور نصاریٰ کے دین میں تبتل پسندیدہ فعل تھا۔نبی کریم ﷺ نے اس فعل سے اپنی اُمت کو روکا ہے،تاکہ نسل بڑھے اور جہاد ہمیشہ کیلئے جاری رہے۔

ولو اذن له لا ختصینا : امام طیبی فرماتے ہیں کہ بظاہر تو اس طرح کہنا چاہئے تھا''لو اذن لتبتلنا'' لیکن اس سے عدول کیا''اختصینا'' کی طرف'مبالغہ کے ارادہ سے،یعنی اگر اس کی اجازت دیتے تو ہم تبتل میں مبالغہ کرتے،یہاں تک کہ خصی ہو جاتے۔ اس سے مراد حقیقت میں خصی ہونا نہیں ہے اس لئے کہ یہ ناجائز ہے۔
امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ ان کی طرف سے خصی ہونے کے جواز کے گمان پر تھا،لیکن یہ گمان موافق شرع نہ تھا اس لئے کہ بنی آدمی میں خصی ہونا حرام ہے چاہے چھوٹا ہو یا بڑا ہو۔اور اسی طرح ہر اس حیوان کو خصی کرنا حرام ہے جس کا گوشت نہ کھایا جاتا ہو،اور جس کا گوشت کھایا جاتا ہو تو چھوٹے کو خصی کرنا جائز ہے اور بڑے کو خصی کرنا حرام ہے۔

تجرّد افضل ہے کہ نکاح؟

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ امام شافعی کے ہاں تجرّد افضل ہے اور دلیل یہ آیت ہے:﴿وسیدا وحصورا﴾[آل عمران ۳۹] کہ اس میں یحییٰ علیہ السلام کی مدح ہے کہ قدرت کے باوجود عورتوں سے دور رہے اس لئے کہ''حصور''کا معنیٰ یہی ہے۔

اس کے خلاف پر حسب ذیل دلائل سے استدلال کیا گیا ہے: پہلی دلیل آپ ﷺ کی یہ حدیث ہے: أربع من سنن المرسلین :الحیاء والتعطر والسواك والنكاح۔ ''چار چیزیں انبیاء کی سنتوں میں سے ہیں:

① حیاء۔ ② عطر۔ ③ مسواک۔ ④ نکاح''۔

اس حدیث کوامام ترمذی نے روایت کیا ہےاور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔

دوسری دلیل آپ علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے: ''جس کو چار چیزیں دے دی گئیں تو اس کو دنیا کی تمام بھلائیاں دے دی گئیں:

① شاکر دل، ② ذاکر زبان، ③ مصائب پر صبر کرنے والا بدن، ④ اور ایسی بیوی جو اپنے نفس اور شوہر کے مال میں خیانت نہیں کرتی''۔ اس حدیث کو طبرانی نے اوسط اور کبیر میں روایت کیا ہے۔ ان میں سے ایک کی سند جید ہے۔

امام شافعی کی طرف سے جواب یہ ہے کہ میں حسن نیت کے ساتھ نکاح کی فضیلت کا انکار نہیں کرتا بلکہ میں یہ کہتا ہوں کہ عبادت کے لئے خالی اور فارغ ہونا افضل ہے۔ اس کے جواب میں بہتر یہ ہے کہ آپ علیہ السلام کی حالت سے استدلال کیا جائے، اور آپ کا ان لوگوں پر رد کرنا جنہوں نے عبادت کیلئے خالی ہونے کا ارادہ کیا تھا' اس متنازع فیہ مسئلہ کے تعین میں بالکل صریح ہے۔ صحیحین میں ہے کہ آپ کے صحابہ میں سے چند آدمیوں نے آپ کی ازواج سے آپؐ کے پوشیدہ اعمال کے بارے میں پوچھا، چنانچہ بعض نے کہا کہ میں عورتوں سے نکاح نہیں کروں گا، اور کسی نے کہا کہ میں گوشت نہیں کھاؤں گا، اور کسی نے کہا کہ میں بستر پر نہیں سوؤں گا۔ آپ علیہ السلام کو جب یہ خبر پہنچی تو آپ نے اللہ کی حمد وثناء بیان کی اور پھر فرمایا کہ لوگوں کو کیا ہوا کہ وہ اس طرح کی باتیں کرتے ہیں، لیکن میں نماز (بھی) پڑھتا ہوں' سوتا (بھی) ہوں' روزے (بھی) رکھتا ہوں' افطار (بھی) کرتا ہوں، اور عورتوں سے نکاح (بھی) کرتا ہوں، پس جس نے میری سنت سے اعراض کیا وہ مجھ سے نہیں ہے۔

آپؐ نے اس حالت کی تاکید کے ساتھ تردید کی، یہاں تک کہ اس سے براءت کا اعلان کیا، اور بالجملہ افضلیت اتباع میں ہے نہ کہ نفس کے تخیل میں کہ وہ ظاہری عبادت کو دیکھ کر افضل کہے۔ اور اللہ پاک نے اپنے انبیاء میں سے سب سے اشرف نبی کیلئے سب سے بہتر حالت کو پسند کیا ہے۔ اور ان کی حالت وفات تک نکاح کی تھی۔ تو یہ محال ہے اللہ تعالیٰ نے کہ آپ ﷺ کو پوری زندگی ایک افضل عمل کے ترک پر برقرار رکھا ہو۔ باقی یحییٰ بن زکریا علیہ السلام کی حالت اس شریعت میں افضل تھی' ہمارے دین میں رہبانیت منسوخ ہو چکی ہے، اور اگر دونوں حالتوں کے درمیان تعارض آجائے تو پھر نبی علیہ السلام کی حالت سے استدلال کیا جائے گا۔

حضرت ابن عباسؓ سے منقول ہے: تزوجوا فان خیر هذه الأمة أكثرها نساء۔ ''تم لوگ نکاح کرو اس لئے کہ اس اُمت کا زیادہ بہترین شخص زیادہ عورتوں والا شخص ہے''۔ اور اگر غور کیا جائے تو نکاح بہت سے فوائد پر مشتمل ہے۔ تہذیب اخلاق اور اولاد کے معاشرہ میں اپنے اندر برداشت پیدا کرنا، اولاد کی تربیت اور ایسے مسلمان کے مصالح کا قیام اور ضروریات کو سرانجام دینا جو خود اس سے عاجز ہے۔ اسی طرح رشتہ داروں اور کمزوروں پر خرچ کرنا، اور ان کو اور اپنے آپ کو حرام سے پاک رکھنا، اور ان کو اور اپنے آپ کو فتنوں سے دور رکھنا، اور عورتوں سے رزق کی تنگی دور کرنا، ان کو روکنے کے ساتھ کہ ان کے باہر نکلنے کے بوجھ کیلئے کافی ہو جانا، نفس کی تأدیب اور اس کو عبادت کیلئے تیار کرنا، اور اسی طرح دوسرے کو عبادت کیلئے تیار کرنا اور نماز کا

ظلم کرنا، تو یہ فرائض بہت زیادہ ہیں' یقین کے ساتھ نکاح کا عبادت کیلئے خالی ہونے سے افضل ہونا ان پر موقوف نہیں ہے۔ بخلاف اس صورت کے کہ جب اس کو ظلم کا خوف ہو، اس لئے کہ کلام اس کے بارے میں نہیں ہے، بلکہ حالت اعتدال میں فرائض اور سنتوں کے اداء کرنے کے ساتھ ہے۔

اور ہم نے ذکر کیا ہے کہ اگر نکاح کے ساتھ حسن نیت نہ ہو تو اس صورت میں امام شافعی کے نزدیک نکاح مباح ہے اس لئے کہ اس صورت میں نکاح سے مقصود صرف خواہشات پورا کرنا ہے، اور عبادت کی بنیاد اس کے خلاف ہے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس صورت میں بھی اس میں ایک جہت سے فضیلت ہے کہ وہ اس پر قادر ہے کہ خواہشات کو ناجائز طریقے سے پورا کرے، پھر اس کا اس طریقے سے نکاح کی طرف عدول کرنا باوجود یکہ اس کو معلوم ہے کہ اس میں کتنی مشکلات ہیں، تو گناہ کو چھوڑنے کا قصد ہے اور اس پر اس کو ثواب ملے گا، اور اللہ کی طرف سے مدد کا وعدہ بھی ہے اس لئے کہ یہ حالت اس کے نزدیک مستحسن ہے۔

بوقتِ نکاہ افضلیت کس چیز کو دی جائے؟

۳۰۸۲: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ تُنْكَحُ الْمَرْاَةُ لِاَرْبَعٍ لِمَالِهَا وَلِحَسَبِهَا وَلِجَمَالِهَا وَلِدِیْنِهَا فَاظْفَرْ بِذَاتِ الدِّیْنِ تَرِبَتْ یَدَاكَ۔ (متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۱۳۲/۹ الحدیث رقم ۵۰۹۰ ومسلم فی ۱۰۸۶/۲ الحدیث رقم (۵۳-۱۴۶۶) وابو داؤد فی السنن ۵۳۹/۲ الحدیث رقم ۲۰۴۷ والنسائی فی ۶۸/۶ الحدیث رقم ۳۲۳۰ وابن ماجه فی ۵۹۷/۱ الحدیث رقم ۱۸۵۸ والدارمی فی ۱۷۹/۲ الحدیث رقم ۲۱۷۰ واحمد فی المسند ۴۲۸/۲

ترجمہ: ''اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کسی عورت سے نکاح کرنے کے بارے میں چار چیزوں کا خیال رکھا جاتا ہے: ① اس کا مالدار ہونا' ② اس کا حسب نسب ہونا' ③ اس کا حسین وجمیل ہونا اور ④ اس کا دین دار ہونا کو ملحوظ رکھا جاتا ہے۔ تمہارے ہاتھ خاک آلود ہوں! تم دیندار عورت سے نکاح کر کے کامیابی حاصل کرو''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: حسبها: حاء اور سین کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ یہ کہتے ہیں کسی شخص کی ذات میں اور اس کے باپ دادا کی وہ خصلتیں ہوں جو شرعاً یا عرفاً اچھی ہوں۔ یہ ماخوذ ہے ''حساب'' سے، اس لئے کہ عرب جب ایک دوسرے پر فخر کرتے تھے تو ہر ایک اپنے مناقب اور اپنے آباء کے آثار گنتا تھا۔

تربت: ترب الرجل کا معنیٰ ہے فقیر ہونا، گویا کہ یوں کہا ہے: تلصق بالتراب

امام طیبی فرماتے ہیں کہ ''لمالها'' سے آخر تک 'اربع' سے بدل ہے اعادہ عامل کے ساتھ، اور صحیح مسلم میں چاروں خصلتوں کے ساتھ لام مکرر ہے۔ (انتھیٰ)۔ اور کتاب کی روایت مسلم کے موافق ہے۔

قولہ: فاظفر بذات الدین تربیت یداك: قاضی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لوگوں کی عادت یہ ہے کہ وہ عورتوں کی طرف

راغب ہوتے ہیں اور ان کو پسند کرتے ہیں چار خصلتوں کی وجہ سے جن کو حدیث میں ذکر کیا گیا ہے، لیکن با مروت' دین دار اور دیانت دار لوگوں کو چاہئے کہ کاموں کے کرنے اور نہ کرنے میں ان کا مطمع نظر دین ہو، خصوصاً ایسے معاملات میں جو دائمی ہیں اور بہت اہم ہیں۔

تربت یداك :اس سے مراد بددعا نہیں ہے بلکہ جس چیز کا حکم دیا ہے اس کی طلب پر ابھارنا اور تیار کرنا ہے۔ **بعض** کہتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے کہ تو محروم ہو جائے بھلائی سے اگر تو نے نہ کیا وہ کام جس کا میں نے تجھے حکم دیا ہے، اور تو نے دین دار عورت سے حسن و جمال والی کی طرف تجاوز کیا۔ دین سے مراد اسلام اور تقویٰ ہے' یہ کفو کی رعایت پر دلالت کر رہا ہے، اور کفو میں جن چیزوں کا اعتبار کیا جاتا ہے ان میں سب سے اولیٰ دین ہے۔

علامہ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ عورت کے ساتھ صرف اس کی عزت یا مال اور نصب کی وجہ سے نکاح کرنا شرعاً منع ہے۔ آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے:

''جس نے کسی عورت کے ساتھ صرف اس کی عزت کی وجہ سے نکاح کیا تو اللہ اس کیلئے سوائے ذلت کے اور کچھ زیادہ نہیں کرے گا، اور جس نے صرف مال کیلئے نکاح کیا تو اللہ اس کے لئے سوائے فقر کے اور کچھ زیادہ نہیں کرے گا، اور جس نے صرف نسب کی وجہ سے نکاح کیا تو اللہ اس کیلئے سوائے گھٹیا پن کے اور کچھ زیادہ نہیں کرے گا۔ اور جس نے کسی عورت کے ساتھ صرف نظروں کی حفاظت اور شرم گاہ کی حفاظت کیلئے نکاح کیا، یا صلہ رحمی کیلئے نکاح کیا تو اللہ اس کیلئے اس عورت میں برکت ڈالے گا اور اس عورت کیلئے اس مرد میں برکت ڈالے گا۔'' اس کو طبرانی نے اوسط میں روایت کیا ہے۔

آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''عورتوں سے ان کے حسن کی وجہ سے نکاح نہ کرو' قریب ہے کہ ان کا حسن ان کو ہلاکت میں ڈال دے' اور نہ ان کے مال کی وجہ سے ان سے نکاح کرو' قریب ہے کہ وہ مال ان کو سرکش بنا دے' بلکہ دین کی بناء پر ان سے شادی کرو، اور دین دا' کان ناک کٹی اور کالی افضل ہے۔'' اس کو ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

شرح السنہ میں ہے کہ ایک آدمی حسن بصریؒ کے پاس آیا اور کہنے لگا کہ میری ایک بیٹی ہے اور بہت سارے لوگوں نے اس کے بارے میں پیغام نکاح دیا ہے، تو آپ کس کے بارے میں مشورہ دیتے ہیں کہ میں اس کے ساتھ اس کی شادی کرادوں۔ حسن بصری نے فرمایا کہ ایسے شخص سے اس کی شادی کرا جو اللہ سے ڈرتا ہو، اس لئے کہ اگر اس کو وہ پسند آ گئی تو اس کی قدردانی کرے گا اور اگر ناپسند ہوئی تو اس پر ظلم نہیں کرے گا۔

تخریج: اس کو ابوداوٗد، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔

بہترین متاع نیک بخت بیوی

۳۰۸۳: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدُّنْيَا كُلُّهَا مَتَاعٌ وَخَيْرُ مَتَاعِ الدُّنْيَا الْمَرْأَةُ الصَّالِحَةُ۔ (رواہ مسلم)

اخرجه فى صحيحه ١٠٩٠/٢ الحديث رقم (٦٤-١٤٦٧) والنسائى فى ١٩٥٩/٦ الحديث رقم ٣٢٣٢

واحمد فی المسند ۲/۱٦۸۔

ترجمہ: ''اور حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: پوری دنیا ایک متاع ہے اور دنیا کی بہترین متاع نیک بخت بیوی ہے''۔ (مسلم)

تشریح: قوله الدنیا کلها متاع :یعنی ایسی متاع کہتے ہیں جس سے تھوڑا سا فائدہ اٹھایا جائے اور پھر فناء ہو جائے۔اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:﴿قل متاع الدنیا قلیل﴾[النساء :۷۷] (آپ فرمادیجئے! کہ دنیا کا تمتع محض چندروزہ ہے)۔ اور آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے: اگر اللہ کے ہاں دنیا مچھر کے پر کے برابر وزن رکھتی، تو کافر اس میں سے ایک گھونٹ پانی بھی نہ پیتا۔

وخیر متاع الدنیا : یعنی جن چیزوں سے دنیا میں فائدہ اٹھایا جاتا ہے ان میں سے بہترین متاع نیک عورت ہے۔ اس لئے کہ وہ آخرت کے کاموں میں بہت مددگار ثابت ہوتی ہے، اور اسی وجہ سے حضرت علی نے اس آیت: ربنا آتنا فی الدنیا حسنة میں ''حسنہ'' کی تفسیر نیک عورت کے ساتھ کی ہے اور وفی الآخرة حسنة میں ''حسنہ'' کی تفسیر حورعین کے ساتھ کی ہے۔اور وقنا عذاب النار میں ''عذاب نار'' کی تفسیر زبان دراز عورت کے ساتھ کی ہے۔

امام طیبی فرماتے ہیں کہ صالحہ کی قید سے معلوم ہوتا ہے کہ عورت اصل میں شر ہے اگر اس صفت پر نہ ہو۔

قریشی عورتوں کی افضلیت

۳۰۸۴:وَعَنْ اَبِی هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم خَيْرُ نِسَاءٍ رَكِبْنَ الْإِبِلَ صَالِحُ نِسَاءِ قُرَيْشٍ اَحْنَاهُ عَلٰى وَلَدٍ فِی صِغْرِهٖ وَاَرْعَاهُ عَلٰى زَوْجٍ فِی ذَاتِ يَدِهٖ (متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۹/۱۲۵ الحدیث رقم ۵۰۸۲ومسلم فی (۱۹۵۹/٤ واحمد فی المسند ۲/۲٦۹۰۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اونٹوں پر سوار ہونے والی عورتوں میں بہترین عورتیں قریش کی نیک عورتیں ہیں جو چھوٹے بچوں پر نہایت شفیق ہوتی ہیں اور اپنے شوہر کے مال کی جوان کے قبضہ میں ہوتا ہے بہت زیادہ حفاظت کرتی ہیں''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: قوله:احناه علی ولد فی صغره :

أحنا: حاء مہملہ کے ساتھ اسم تفضیل ہے، حنو سے مشتق ہے اس کے معنی ہیں شفقت اور مہربانی، یہ استناف ہے اس شخص کے جواب میں جو یہ کہے کہ ان کے بہتر ہونے کا کیا سبب ہے؟ یعنی جنس نساء میں زیادہ شفیق اور مہربان ہیں۔

خیر النسآء رکبن الابل :''خیر'' مبتدا ہے اور ''رکبن الا بل'' صفت ہے۔

صالح نساء قریش :''صالح'' خبر ہے، اور اس کو مذکر ذکر کیا ہے لفظ پر جاری کرنے کی وجہ سے۔

احناه : ضمیر کو واحد لایا ہے معنی کی رعایت کی وجہ سے۔امام طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ضمیر کو مذکر لانا اس تاویل کی بناء پر ہے: ''احنی هذ الصنف'' اور ''احنی من یرکب الابل'' اور ''یتزوج'' یا اس قسم کی کوئی اور تاویل کی جائے گی۔

اس کے بعد علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ بخاری اور مصابیح کے بعض نسخوں میں "صالح نساء قریش" کے الفاظ ہیں، اس صورت میں تکلف کی ضرورت نہیں ہے، اس لئے کہ "احناہ" کی ضمیر اس صورت میں مضاف کی طرف راجع ہے۔ (انتھی)۔

امام طیبی کے نسخہ میں "صالح" کا لفظ متروک ہے، ورنہ تو مشکوۃ کے تمام نسخوں میں اور تمام اصول میں یہ لفظ موجود ہے، اور شاید کہ مسلم اور مصابیح کی بعض روایات سے یہ لفظ ساقط ہو گیا ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

ذات یدہ : ضمیر کو مذکر لایا ہے ارعی کے لفظ کی رعایت کرتے ہوئے۔

خیر نساء رکبن الابل : مراد اس سے عرب کی عورتیں ہیں، اس لئے کہ اونٹوں پر سوار ہونا ان کے ساتھ خاص ہے، تو اس پر مریم بنت عمران سے اعتراض نہ ہوگا۔ یا تقدیر یوں ہے من خیر النسآء۔

صالح نساء قریش علی ولد فی صغرہ : "ولد" کو نکرہ لایا گیا ہے یہ فائدہ دے رہا ہے کہ وہ شفیق ہے ہر بچے پر اگرچہ شوہر کا وہ بچہ اس کے علاوہ کسی اور عورت کا ہو۔

امام طیبی فرماتے ہیں کہ "ولد" کو "صغر" کے ساتھ متصف کرنا یہ دلالت کر رہا ہے کہ ان کی یہ شفقت صغر کے ساتھ معلل ہے اور صغر ہی شفقت کا باعث ہے، لہٰذا جہاں بھی یہ وصف پایا جائے وہاں ان کی شفقت پائی جائے گی۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ "حانیہ" اس عورت کو کہتے ہیں کہ جو اپنے بچے کی یتیم ہونے کے بعد دیکھ بھال کرے اور اس کی وجہ سے شادی بھی نہ کرے، اور اگر شادی کر لے تو وہ "حانیہ" نہیں ہے۔

یعنی اس کے ان اموال کی جو اس کے ہاتھ میں ہیں یا اس مال کی جو شوہر کی ملکیت اور تصرف میں ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ کنایہ ہے ان چیزوں سے جن کا شوہر مالک ہے یعنی یہ عورتوں میں سے شوہروں کے مال کی سب سے زیادہ حفاظت کرنے والی ہے۔ اور زیادہ اہتمام کرنے والی ہے ان سے ان کا بوجھ ہلکا کرنے میں۔

بعض کہتے ہیں کہ یہ کنایہ ہے بضع سے جو شوہر کی ملکیت ہے، یعنی وہ شوہر کیلئے اپنی شرمگاہ کی حفاظت کرتی ہیں۔ چنانچہ پہلی صورت میں ان کی امانت داری کی مدح ہے اور دوسری صورت میں ان کی عفت کی تعریف ہے اور دونوں پر حمل کریں تو ان کی کمال دیانت کی مدحت ہے۔

تخریج: احمد نے بھی روایت کیا ہے۔

عورت کا فتنہ

۳۰۸۵: وَعَنْ اُسَامَةَ بْنِ زَيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَرَكْتُ بَعْدِىْ فِتْنَةً اَضَرَّ عَلَى الرِّجَالِ مِنَ النِّسَاءِ۔ (متفق علیہ)

اخرجه البخاري في صحيحه ۹/۱۳۷ الحديث رقم ۵۰۹۶ ومسلم في ۴/۲۰۹۷ الحديث رقم (۹۷-۲۷۴۰) والترمذي في السنن ۵/۹۵ الحديث رقم ۲۷۸۰ وابن ماجه في ۲/۱۳۲۵ الحديث رقم ۳۹۹۸ واحمد في المسند ۵/۲۰۰۔

ترجمہ: ''اور حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے اپنے مردوں کے حق میں عورتوں کے فتنہ سے زیادہ ضرر رساں کوئی فتنہ نہیں چھوڑا''۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: ما ترکت بعدی اس کو ماضی کے ساتھ تعبیر کیا چونکہ موت کے متحقق ہے۔

اس لئے کہ مردوں کی طبائع عورتوں کی طرف زیادہ مائل ہوتی ہیں اور ان کی وجہ سے وہ حرام میں پڑتے ہیں، اور عورتوں ہی کی وجہ سے آپس میں لڑائی جھگڑے نفرت و عداوت میں مبتلا ہوتے ہیں۔ اور کم از کم اتنی بات تو بہر حال ہے کہ ان کی وجہ سے دنیا کی طرف راغب ہو جاتے ہیں، اور دنیا داری سے زیادہ ضرر رساں چیز کیا ہو سکتی ہے، دنیا کی محبت تو تمام برائیوں کی جڑ ہے۔ اور ''میرے بعد'' کے الفاظ سے ثابت ہوا کہ عورتوں کے فتنوں کا ظہور آنحضرتؐ کے بعد ہوا۔

تخریج: اس کو احمد، ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔

دُنیا کی شیرینی اور بنی اسرائیل کا اولین فتنہ

۳۰۸۶: وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدِ نِالْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الدُّنْيَا حُلْوَةٌ خَضِرَةٌ وَاِنَّ اللّٰهَ مُسْتَخْلِفُكُمْ فِيْهَا فَيَنْظُرُ كَيْفَ تَعْمَلُوْنَ فَاتَّقُوا الدُّنْيَا وَاتَّقُوا النِّسَاءَ فَاِنَّ اَوَّلَ فِتْنَةِ بَنِيْ اِسْرَائِيْلَ كَانَتْ فِي النِّسَاءِ۔ (رواه مسلم)

اخرجه مسلم فى صحيحه ٢٠٩٨/٤ الحديث رقم (٩٩-٢٧٤٢) والترمذى فى السنن ٤١٩/٤ الحديث رقم ٢١٩١ وابن ماجه فى ١٣٢٥/٢ الحديث رقم ٤٠٠٠ واحمد فى المسند٢٢/٣۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دنیا شیریں اور سرسبز و شاداب (جاذب نظر) ہے اور بے شک اللہ تعالیٰ تمہیں اس دنیا کا خلیفہ بنانے والا ہے اس لئے وہ (ہر وقت) دیکھتا ہے کہ تم اس دنیا میں کیسے عمل کرتے ہو لہٰذا دنیا سے بچو اور عورتوں (کے فتنہ) سے بچو کیونکہ بنی اسرائیل (کی تباہی کا) پہلا فتنہ عورتوں کی صورت میں ظاہر ہوا تھا''۔ (مسلم)

تشریح: قوله :الدنيا حلوة خضرة : حاء کے ضمہ کے ساتھ ہے۔

خضرة :خاء کے فتحہ اور ضاد کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

یک روایت میں ''رطبة'' کے الفاظ ہیں، یعنی تمہاری آنکھوں اور تمہارے دلوں میں مزین ہے۔ اور اس کا وصف سرسبز وشاداب بیان کیا، اس لئے کہ عرب ہر اچھی چیز کو سرسبز و شاداب سے تعبیر کرتے ہیں، یا سبزیوں کے ساتھ مشابہت دی ہے اور وجہ تشبیہ جلدی ختم ہونا ہے۔

وان الله مستخلفكم فيها : یعنی اللہ نے تمہیں دنیا کا خلیفہ بنایا ہے گویا اس دنیا کے تصرفات میں تمہیں اپنا وکیل بنایا ہے، اور یہ دنیا حقیقت میں اللہ تعالیٰ کی ملکیت ہے۔

فينظر كيف تعملون : اس لئے وہ دیکھتا ہے کہ تم کیسا تصرف کرتے ہو؟ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ جو لوگ تم سے پہلے

جا چکے ہیں اللہ تعالیٰ نے تمہیں ان کا خلیفہ بنایا ہے لہٰذا ان کے پاس جو کچھ تھا وہ سب تم کو دے دیا ہے، اب تمہیں دیکھتا ہے کہ تم ان کے احوال اور انجام سے کس طرح عبرت پکڑتے ہو۔

امام طیبی فرماتے ہیں کہ استخلاف کہتے ہیں کسی کو اپنی جگہ کھڑا کرنا اور اپنا قائم مقام بنانا، یعنی اللہ تعالیٰ نے دنیا تمہارے لیے مزین بنا دی ہے آزمائش کیلئے، کہ کیا تم اس میں اس طرح تصرف کرتے ہو جیسے وہ چاہے اور پسند کرے؟ یا تم اس کو ناراض کرتے ہو اور ایسا تصرف کرتے ہو، جو وہ نہ چاہے اور ناپسند کرے؟

فاتقوا الدنیا : یعنی اس کے جاہ و مال کے دھوکے سے بچو۔ اس لئے کہ یہ دنیا فناء ہونے والی چیز ہے، اور اس میں قناعت کرو اس چیز پر جو تمہاری مدد کرے اچھے مال اور خاتمہ پر، اس لئے کہ اس کی حلال چیزوں کا حساب دینا ہوگا' اور اس کی حرام چیزوں پر عذاب ہوگا۔

واتقوا النسآء :یعنی ان سے بچو ایسا نہ ہو کہ ان کی وجہ سے تم ممنوعات کی طرف مائل ہو جاؤ' اور ان کے فتنہ کی وجہ سے دین کے فتنوں میں پڑ جاؤ۔

قوله :فان اول فتنة بنی اسرائیل کانت فی النسآء : یہاں مضاف محذوف ہے۔ **)أی فی شانهن وأمرهن**
امام طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عورتوں کی طرف ناجائز میلان سے بچو اور یہ کہ تم ان کی باتوں کو قبول کرلو۔ اس لئے کہ یہ ناقصات العقل ہیں عام طور پر ان کی باتوں میں کوئی خیر نہیں ہوتی۔ (انتھیٰ)

یہ تخصیص بعد از تعمیم ہے۔ اشارہ ہے کہ عورت دنیا میں تمام فتنوں سے زیادہ ضرر رساں ہے۔ اور دیلمی کی روایت میں ہے کہ حضرت معاذؓ سے منقول ہے: ''دنیا سے بچو اور عورتوں سے بچو، اس لئے کہ ابلیس تجربہ کار ہے اور گھات لگائے ہوئے ہے۔ اور عورتوں سے بڑھ کر اس کے حال میں پھنسانے والی کوئی چیز نہیں ہے۔''

حکایت :مروی ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک آدمی تھا' اس سے اس کے بھتیجے یا چچا کے بیٹے نے مطالبہ کیا کہ وہ اپنی بیٹی کا نکاح اس کے ساتھ کرا دے، اس نے انکار کیا، مطالبہ کرنے والے نے اس کو قتل کر دیا تا کہ اس کی بیٹی یا اس کی بیوی سے نکاح کر سکے۔ یہ وہی شخص ہے جس کے بارے میں بقرہ کا قصہ نازل ہوا تھا، اس کو ابن الملک نے طیبی کی اتباع کرتے ہوئے ذکر کیا ہے۔

حکایت :اور بقرہ کا مشہور قصہ بغوی نے معالم التنزیل میں ذکر کیا ہے کہ بنی اسرائیل میں ایک مالدار آدمی تھا، اس کا ایک چچا زاد تھا جو فقیر تھا، اور اس کے سوا اس کا کوئی وارث نہیں تھا۔ جب اس کی زندگی لمبی ہوگئی تو اس نے اس کو قتل کر دیا، تا کہ اس کا وارث بن جائے۔ (انتھیٰ)۔ ان دونوں روایتوں کے درمیان جمع کرنا ممکن ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ لیکن حدیث کو اس قصہ پر حمل کرنا یہ محتاج ہے اس کی صحت نقل اور ثبوت روایت کا۔ ہاں بغوی نے اس آیت کی تفسیر میں ذکر کیا ہے: ﴿**واتل علیهم نبأ الذی آتیناه آیاتنا**﴾ [الأعراف:۱۷۵] (اور ان لوگوں کو اس شخص کا حال پڑھ کر سنایئے کہ اُسکو ہم نے اپنی آیتیں دیں)۔ ان آیات کا قصہ ابن عباس، ابن اسحٰق اور سدی وغیرہ کے مطابق یہ ہے کہ موسیٰ علیہ السلام نے جب جباروں سے لڑنے کا قصد کیا اور علاقہ شام میں واقع بنی کنعان کے ایک حصہ میں خیمہ زن ہوئے تو بلعام کی قوم بلعام کے پاس آئی بلعام کے پاس اسم اعظم تھا۔ وہ لوگ بولے موسیٰ اپنے پیروکاروں کا ایک عظیم لشکر لے کر ہمیں (اس علاقہ سے) نکالنے اور قتل کیلئے آئے ہیں۔ تا کہ اس (جگہ)

کو بنی اسرائیل کے لئے حلال کرسکیں۔ تم مستجاب الدعوۃ ہو۔ پس تم نکلو اور اللہ تعالیٰ سے دعا کرو کہ وہ ہم سے واپس لوٹ جائیں۔ بلعام نے جواب دیا تمہارا استیاناس ہو بھلا میں خدا کے پیغمبر اور اس کے ماننے والوں کے حق میں بددعا کیسے کرسکتا ہوں؟ اگر میں ان کیلئے بددعا کرتا ہوں تو میری دنیا اور آخرت دونوں تباہ ہو جائیں گی۔ پس قوم کے لوگوں نے بہت منت سماجت کی دعا کرنے پر اصرار کرتے رہے تو بلعام نے کہا (اچھا انتظار کرو) حتیٰ کہ میں اپنے رب سے استخارہ کرلوں گا۔ بلعام کا یہ معمول تھا کہ وہ بغیر استخارہ دعا کرتا تھا۔ چنانچہ جب اس نے استخارہ کیا تو خواب میں کہا گیا کہ ان کے حق میں بددعا مت کرنا۔ بلعام نے اس خواب سے اپنی قوم کو مطلع کیا۔ اور بددعا نہ کرنے کیلئے پھر اپنا ارادہ ظاہر کیا۔ قوم کے لوگ اپنے ساتھ بیش قیمت تحفے لے کر بلعم کے پاس آئے۔ چنانچہ وہ بددعا کرنے کی غرض سے اپنے گدھے پر سوار ہو کر حتبان پہاڑ کی طرف چلا۔ جس کے قریب حضرت موسیٰ علیہ السلام کا لشکر مقیم تھا۔ راستہ میں کئی دفعہ گدھا گرا جس کو وہ مار مار کر اُٹھاتا رہا۔ یہاں تک کہ جب یہ سلسلہ دراز ہوا اور بلعم بھی اپنے گدھے کو مار مار کر اُٹھاتا ہوا پریشان ہو گیا تو حق تعالیٰ نے اپنی قدرتِ کاملہ سے گدھے کو گویائی عطاء کی۔ چنانچہ گدھا بولا: "ناوان! تجھ پر افسوس ہے، کیا تو یہ نہیں دیکھتا کہ تو کہاں جارہا ہے۔ تو مجھے آگے چلانے کی کوشش کر رہا ہے اور فرشتے میرے آگے آکر مجھے پیچھے دھکیل رہے ہیں"۔ بلعم نے جب چشم حیرت سے گدھے کو بولتے ہوئے دیکھا تو بجائے اس کے کہ اس تنبیہ پر اپنے ارادے سے باز آجاتا، گدھے کو وہیں چھوڑا' پیادہ پا پہاڑ پر چڑھ گیا۔ اور وہاں بدُعا کرنے لگا۔ مگر وہاں پر قدرتِ خداوندی نے اپنا کرشمہ دکھایا کہ بلعم اپنی دُعا میں جب بھی حضرت موسیٰ اور ان کے لشکر کا نام لینا چاہتا، اس کی زبان سے بنی اسرائیل کے بجائے بلعم کی قوم کا نام نکلتا۔ یہ سن کر اس کی قوم کے لوگوں نے کہا کہ بلعم یہ کیا حرکت ہے۔ بنی اسرائیل کی بجائے ہمارے حق میں بدُعا کر رہے ہو۔ بلعم نے کہا:

اب میں کیا کروں حق تعالیٰ میرے قصد وارادہ کے بغیر میری زبان سے تمہارا نام نکلوا رہا ہے۔ لیکن بلعم پھر بھی اپنی بدُعا سے باز نہ آیا۔ اور اپنی سی کوشش کرتا رہا۔ یہاں تک کہ عذاب الٰہی کی وجہ سے بلعم کی زبان اس کے منہ سے نکل کر سینہ پر آپڑی۔ پھر تو گویا بلعم کی عقل بالکل ہی ماری گئی۔ اور دیوانہ وار کہنے لگا کہ:

لواب تو میری دنیا و آخرت دونوں ہی تباہ ہو گئیں۔ اس لئے اب ہمیں بنی اسرائیل کی تباہی کیلئے کوئی دوسرا جال تیار کرنا پڑے گا۔ پھر اس نے مشورہ دیا کہ تم لوگ اپنی اپنی عورتوں کو اچھی طرح آراستہ پیراستہ کر کے ان کے ہاتھوں میں کچھ چیزیں دے دو' ان چیزوں کو فروخت کرنے کے بہانے سے عورتوں کو بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیج دو، اور ان سے کہہ دو کہ اگر بنی اسرائیل کا کوئی شخص تم کو اپنے پاس بلائے تو انکار نہ کرنا۔ یاد رکھو اگر بنی اسرائیل کا ایک شخص بھی کسی عورت کے ساتھ حرام کاری میں مبتلا ہو گیا تو تمہاری ساری کوششیں کامیاب ہو جائیں گی۔ چنانچہ بلعم کی اس قوم نے اس مشورہ پر عمل کیا اور اپنی عورتوں کو بنا سنوار کر بنی اسرائیل کے لشکر میں بھیج دیا۔ وہ عورتیں جب لشکر میں پہنچیں اور ان میں سے ایک عورت، بنی اسرائیل کے ایک سردار کے سامنے سے گزری تو وہ اس کے حسن وجمال کا اسیر ہو گیا۔ اور اس کا ہاتھ پکڑ کر حضرت موسیٰ علیہ السلام کے پاس لے گیا اور ان سے کہا کیا آپؑ اس عورت کو میرے لئے حرام قرار دیتے ہیں؟ حضرت موسیٰ نے فرمایا: ہاں۔ اس عورت کے پاس مت جانا۔ تو زمزم نے کہا کہ میں اس بارے میں آپ کا حکم نہیں مانوں گا۔ چنانچہ وہ اس عورت کو اپنے خیمہ میں لے گیا اور وہاں اس کے ساتھ بدکاری کی۔

پس اللہ تعالیٰ نے اسی وقت بنی اسرائیل پر طاعون کی بیماری نازل کردی۔

۳۰۸۷: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الشُّؤْمُ فِي الْمَرْأَةِ وَالدَّارِ وَالْفَرَسِ (متفق عليه وفي رواية) الشُّؤْمُ فِيْ ثَلَاثَةٍ فِي الْمَرْأَةِ وَالْمَسْكَنِ وَالدَّابَّةِ.

اخرجه البخاری فی صحيحه ۱۳۷/۹ الحديث رقم ۵۰۹۳ ومسلم فی ۱۷۴۵/۴ الحديث رقم (۱۱۵-۲۲۲۵) وابو داؤد فی السنن ۲۳۷/۴ الحديث رقم ۳۹۲۲ والترمذی فی ۱۱۶/۵ الحديث رقم ۲۸۲۴ والنسائی فی ۲۲۰/۶ الحديث رقم ۳۵۶۹ ومالك فی الموطأ ۹۷۲/۱ الحديث رقم ۲۲ من كتاب الاستئذان ابو داؤد فی السنن ۲۳۸/۴ الحديث رقم ۳۹۲۴

ترجمه: ''اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''عورت' گھر اور گھوڑے میں نحوست (یعنی بے برکتی) ہوتی ہے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ: نحوست تین چیزوں میں ہوتی ہے عورتوں میں' مکان میں اور جانور میں''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: قوله: الشُّؤْمُ فِي الْمَرْأَةِ وَالدَّارِ وَالْفَرَسِ:

الشؤم: اس میں ہمزہ کو واؤ سے تبدیل کیا گیا ہے۔ یہ یمن کی ضد ہے جو بمعنی برکت ہے۔ نہایہ میں ہے کہ کہا جاتا ہے **تشاء مت وتيمنت،شوم واؤ** اصل میں ہمزہ تھا لیکن اس میں تخفیف کی گئی تو واؤ ہو گیا۔ اور اس میں تخفیف اس قدر غالب ہے کہ اس کو ہمزہ کے ساتھ نہیں پڑھا جاتا۔

قوله: الشُّؤْمُ فِيْ ثَلَاثَةٍ: فِي الْمَرْأَةِ وَالْمَسْكَنِ وَالدَّابَّةِ:

المرأة: عادہ جار کے ساتھ ''ثلاثة'' سے بدل ہے۔

عورت کی نحوست اس کا بانجھ ہونا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ مہر کی زیادتی اور اس کی بدمزاجی ہے۔

مکان کی نحوست سے گھر کی تنگی اور بری ہمسائیگی مراد ہے۔

گھوڑے کی نحوست یہ ہے کہ اس پر سوار ہو کر جہاد نہ کر سکے اور بعض کہتے ہیں کہ اس کا شوخ ہونا اور بدمزاج ہونا ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ اس ارشاد گرامی کے ذریعہ دراصل اُمت کے لوگوں کو یہ تعلیم دی گئی ہے کہ اگر کسی کے پاس ایسا مکان ہو جس میں رہنا وہ ناپسند کرتا ہو یا کسی کی ایسی بیوی ہو جس کے ساتھ صحبت و مباشرت اسے ناگوار ہو، یا کسی کے پاس ایسا گھوڑا ہو، جو اسے اچھا معلوم نہ ہوتا ہو، تو ان صورتوں میں یہ چیزیں چھوڑ دینی چاہئیں، یعنی مکان والا اس مکان سے منتقل ہو جائے بیوی والا اس کو طلاق دے دے، اور گھوڑے والا گھوڑا بیچ ڈالے۔ پس یہ ارشاد گرامی بدشگونی لینے کی ممانعت کے منافی نہیں ہے۔ یہ اس طرح ہے جیسا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا ارشاد ہے: ''**ذروها ذميمة**''۔

امام طیبی فرماتے ہیں کہ اسی وجہ سے اس کو آپ علیہ السلام نے اپنے اس ارشاد میں بدشگونی میں سے قرار دیا ہے' علی سبیل الفرضیۃ اگر نحوست کسی چیز میں ہے تو عورت، گھر اور گھوڑے میں ہے۔

علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ ان تین چیزوں کا اپنی ذات اور طبع کے اعتبار سے کوئی اثر نہیں ہے بلکہ یہ سب کچھ اللہ کی مشیئت

اور فیصلے کے ساتھ ہے اور ان چیزوں کے ذکر کو خاص کیا اس لئے کہ عام طور پر لوگ ان کا زیادہ اہتمام کرتے ہیں اور چونکہ ان چیزوں کا واسطہ انسان کے ساتھ ضرور پڑتا ہے اس لئے نحوست کی اضافت ان کی طرف کی ہے یہ اضافت مکان ومحل ہے۔(انتھی)۔

لفظ "الدابة" گھوڑے اور اس کے علاوہ کو بھی شامل ہے۔

اور یہ کہنا بھی ممکن ہے، یہ چیزیں عام طور پر بدمزاجی کے اسباب بنتی ہیں، اور بدمزاجی ہی نحوست ہے، اسی لئے نحوست کی نسبت ان کی طرف کر دی۔ چنانچہ امام احمد وغیرہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی ایک حدیث نقل کی ہے جس میں یہ الفاظ آئے ہیں: الشوم وسوء الخلق:

تخریج: اس حدیث کو مالک، احمد، بخاری، اور ابن ماجہ نے سہل بن سعد سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

"ان کان شؤم فی شیء ففی الدار والمرأة، والفرس"۔

۳۰۸۸: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ كُنَّا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةٍ فَلَمَّا قَفَلْنَا كُنَّا قَرِيْبًا مِنَ الْمَدِيْنَةِ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّي حَدِيْثُ عَهْدٍ بِعُرْسٍ قَالَ تَزَوَّجْتَ قُلْتُ نَعَمْ قَالَ اَبِكْرٌ اَمْ ثَيِّبٌ قُلْتُ بَلْ ثَيِّبٌ قَالَ فَهَلَّا بِكْرًا تُلَاعِبُهَا وَتُلَاعِبُكَ فَلَمَّا قَدِمْنَا ذَهَبْنَا لِنَدْخُلَ فَقَالَ اَمْهِلُوْا حَتّٰى نَدْخُلَ لَيْلًا اَيْ عِشَاءً لِكَيْ تَمْتَشِطَ الشَّعِثَةُ وَتَسْتَحِدَّ الْمُغِيْبَةُ۔ (متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۳۴۲/۹ الحدیث رقم ۵۲۴۷ ومسلم فی ۱۰۸۸/۲ الحدیث رقم (۵۷_۱۴۶۶) وابو داؤد فی السنن ۵۴۰/۳ الحدیث رقم الحدیث رقم ۲۰۴۸ النسائی فی ۶۵/۶ الحدیث رقم ۳۲۲۶ وابن ماجه فی ۵۹۸/۱ الحدیث رقم ۱۸۶۰ والدارمی فی ۱۹۷/۲ الحدیث رقم ۲۲۱۶۔

ترجمہ: "اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک جہاد میں ہم نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھے چنانچہ جب ہم (جہاد سے) واپس ہوئے اور مدینہ کے قریب پہنچے تو میں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! میں نے نئی شادی کی ہے (اس کے بعد میں جہاد میں چلا گیا اب اگر حکم ہو تو میں آگے چلا جاؤں تا کہ اپنے گھر والوں کے پاس جلد سے جلد پہنچ سکوں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "تم نے نکاح کر لیا؟ میں نے عرض کیا کہ ہاں! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا کنواری سے نکاح کیا ہے بیوہ سے؟ میں نے عرض کیا کہ "بیوہ سے"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "تو تم نے کنواری سے کیوں نکاح نہیں کیا تا کہ تم اس کے ساتھ کھیلتے اور وہ تمہارے ساتھ کھیلتی" پھر جب ہم مدینہ پہنچ گئے اور ہم سب نے اپنے اپنے گھروں میں جانے کا ارادہ کیا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ابھی ٹھہر جاؤ" یہاں تک کہ رات میں (یعنی عشاء کے وقت) گھروں میں داخل ہوں گے تا کہ جس عورت کے بال پراگندہ ہوں وہ کنگھی چوٹی کر لے اور وہ عورت جس کا خاوند موجود نہیں تھا (بلکہ ہمارے ساتھ جہاد میں گیا ہوا تھا) اپنے زیر ناف بال صاف کر لے"۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: قوله: فلما قفلنا كنا ...... تلاعبها و تلاعبك۔

قفلنا: "رجعنا" کے معنی میں ہے، اور اسی سے "قافله" ہے "قافلہ" کو "قافلہ" بطور تفاؤل کہا جاتا ہے۔

کنا :یہ حال ہے اور تقدیری عبارت یوں ہے:وقد کنا۔

أبکرام ثیب أی أھی بکر :ایک نسخہ میں "بکرٌ" اور "ثیبٌ" دونوں نصب کے ساتھ ہیں۔اس صورت میں تقدیری عبارت یوں ہوگی:اتزوجت بکرا ام ثیباً۔

بل ثیب :برفع اور نصب دونوں کے ساتھ ہے۔

أبکر :مبتدا محذوف ہے جو "ھی" ہے۔ای أھی بکرام ثیب؟

قال :بطور توبیخ اور ندامت کے کہا۔

فھلا بکرا ای فھلا تزوجت بکرا:(یعنی تو نے کنواری سے کیوں شادی نہیں کی؟)

تلاعبھا وتلاعبك :اس سے معلوم ہوا کہ کنواری سے شادی کرنا زیادہ بہتر ہے،اور شوہر کے ساتھ کھیلنا مندوب ہے۔ امام طیبی فرماتے ہیں کہ یہ الفت تامہ سے عبارت ہے،اس لئے کہ ثیبہ کا دل کبھی شوہر اول کے ساتھ معلق ہوتا ہے جس کی وجہ سے شوہر ثانی کے ساتھ۔اس کی محبت کامل نہیں ہوتی،برخلاف کنواری کے۔اور اسی کے متعلق یہ حدیث وارد ہے:

"علیکم بالأبکار فانھن اشد حبا واقل خباً"

"تم کنواریوں کو لازم پکڑو اس لئے کہ وہ زیادہ محبت کرنے والی اور کم دھوکہ دینے والی ہوتی ہیں۔"

حتی ندخل لیلا ای عشاء :"عشاءً" یہ حضرت جابر یا ان کے بعد کے کسی راوی کی طرف سے تفسیر ہے۔

تستحد المغیبة ای تستعمل الحدیدة ای الموسی لحلق العانة۔بعض کہتے ہیں کہ یہ کنایہ ہے بال اکھیڑنے اور ہڑتال وغیرہ کے استعمال کے ذریعہ بال ختم کرنے سے،اس لئے کہ عورتیں لوہا(یعنی استرہ وغیرہ)استعمال نہیں کرتیں۔

الشعثة :شین کے فتحہ اور عین کے کسرہ ہے۔پراگندہ مال

المغیبة :میم کے ضمہ اور غین کے کسرہ کے ساتھ ہے۔وہ عورت جس کا شوہر غائب ہو۔

أمھلوا:(مفعول محذوف ہے،) ای اھلیکم۔

مطلب یہ ہے کہ یہاں تک کہ وہ شوہر کیلئے بناؤ سنگار کر کے تیار ہو جائیں،تاکہ شوہر اس سے فائدہ حاصل کر سکیں،پس سنت یہ ہے کہ مسافر اپنے گھر میں اس وقت تک داخل نہ ہو جب تک اس کے آنے کی خبر نہ ہوئی ہو،باقی جو گھر آنے والے مسافر کو رات کے وقت گھر میں داخل ہونے سے منع فرمایا ہے،اس کا تعلق اس صورت کے ساتھ ہے کہ جب بغیر اطلاع کے گھر آیا ہو۔

الفصل الثانی:

جن کے لئے اللہ کی مدد لازم ہے

۳۰۸۹:عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثَةٌ حَقٌّ عَلَی اللّٰهِ عَوْنُهُمْ اَلْمُكَاتَبُ الَّذِیْ یُرِیْدُ الْاَدَاءَ وَالنَّاكِحُ الَّذِیْ یُرِیْدُ الْعَفَافَ وَالْمُجَاهِدُ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ۔

(رواه الترمذی والنسائی وابن ماجة)

اخرجه الترمذی فی السنن ۱۵۷/٤ الحدیث رقم ۱٦۵۵ والنسائی فی ٦۱/٦ الحدیث رقم ۳۲۱۸وابن ماجه فی ۸٤۱/۲ الحدیث رقم ۲۵۸۱

ترجمه: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین شخص ایسے ہیں جن کی مدد اللہ پر (اس کے وعدہ کے مطابق) واجب ہے ایک تو وہ مکاتب غلام جو اپنا بدل کتابت ادا کرنے کا ارادہ رکھتا ہو' دوسرا وہ نکاح کرنے والا شخص جو حرام کاری سے بچنے کی نیت رکھتا ہو اور تیسرا اللہ کی راہ میں جہاد کرنے والا''۔

تشریح: قوله :ثلاثه حق علی الله عونهم :(''حق'' بمعنی ''ثابت'' ہے'' (ترمذی' نسائی' ابن ماجہ) بمعنی ''واجب'' ہے۔) ای ثابت عنده اعانتهم أو واجب علیه یعنی اس کے ہاں ان کی معاونت اور مدد ثابت ہے یا اس کے وعدہ کے مقتضا کے مطابق اس پر ان کی مدد واجب ہے۔

قوله :والمجاهد فی سبیل الله :

امام طیبی فرماتے ہیں کہ اس صیغہ کو ترجیح دی' یہ بتلانے کے لئے کہ یہ امور انتہائی مشکل امور ہیں جو انسان کو بوجھل کر دیتے ہیں اور اس کی کمر توڑ دیتے ہیں۔ اگر اللہ کی معاونت ان کے ساتھ نہ ہو تو وہ ان کو انجام نہیں دے سکتا اور ان میں سب سے مشکل کام پاک دامنی ہے اس لئے کہ اس میں شہوت کو توڑنا پڑتا ہے جو جبلت کے اندر مرکوز ہے یہ بہمیت کا مقتضی ہے' جو اسفل السافلین میں نازل ہوئی ہے جب وہ پاک دامنی اختیار کرتا ہے اور اللہ کی مدد اس کو پالیتی ہے تو وہ فرشتوں کے درجہ اور اعلیٰ علیین کی طرف ترقی کر جاتا ہے۔

تخریج: اسی طرح احمد' اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔

اسنادی حیثیت : ابن ہمام فرماتے ہیں کہ حاکم اور ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

دینی اعتبار سے پسندیدہ شخص کا پیغام نکاح نہ ٹھکرانا چاہیے

۳۰۹۰:وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَطَبَ اِلَيْكُمْ مَّنْ تَرْضَوْنَ دِيْنَهٗ وَخُلُقَهٗ فَزَوِّجُوْهُ اِنْ لَا تَفْعَلُوْهُ تَكُنْ فِتْنَةٌ فِي الْاَرْضِ وَفَسَادٌ عَرِيْضٌ (رواه الترمذی)

اخرجه الترمذی فی السنن ۳۹٤/۳ الحدیث رقم ۱۰۸٤وابن ماجه فی ٦۳۲/۱ الحدیث رقم ۱۹٦۷۔

ترجمه: ''اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تمہارے پاس کوئی شخص نکاح کا پیغام بھیجے اور تم اس شخص کی دینداری اور اس کے اخلاق (یعنی معاشرت) سے راضی ہو تو (اس کا پیغام منظور کر کے) اس سے (بچی کا) نکاح کر دو۔ اگر ایسا نہ کرو گے تو زمین پر فتنہ اور بڑا فساد برپا ہو جائے گا''۔ (ترمذی)

تشریح: اذا خطب الیکم :یعنی تم سے مطالبہ کرے کہ تم اپنی اولاد یا رشتہ داروں میں سے کسی عورت کا نکاح ان سے کرادو۔

من ترضون :یعنی پسند کرو۔

و خلقه :یعنی اس کی معاشرت کو۔

ان لا تفعلوه :یعنی اگر تم نکاح نہیں کراؤ گے۔

تکن فتنة فی الارض وفساد عریض :

اس لئے کہ اگر تم اس کی شادی صرف مالدار یا جاہ ومنصب والے سے کراؤ گے تو تمہاری بہت ساری عورتیں بغیر شوہر کے رہ جائیں گی اور بہت سارے مرد بغیر بیویوں کے رہ جائیں گے۔اس کی وجہ سے بدکاری کا فتنہ عام ہو جائے گا،اور بعض مرتبہ اولیاء کو عار لاحق ہوتی ہے اس سے فتنہ اور فساد برپا ہوں گے،اور اس کا نتیجہ قطع نسل،اصلاح اور پاک دامنی کی قلت کی صورت میں نکلے گا۔

طیبیؒ کہتے ہیں کہ یہ حدیث امام مالکؒ کی دلیل ہے جو یہ کہتے ہیں کہ کفاءت (زوجین میں سے ایک دوسرے کا کفو ہونے) کا لحاظ صرف دین کے وصف میں کیا جائے گا،گویا ان کے نزدیک ایک دوسرے کا کفو صرف دین میں ہو سکتا ہے،جبکہ علماء کی اکثریت کا مسلک یہ ہے کہ ان چار اوصاف میں ایک دوسرے کا کفو (ہم پلہ) ہونے کا لحاظ کیا جائے:① دین ② حریت ③ نسب ④ پیشہ۔

چنانچہ کسی مسلمان عورت کا نکاح کافر سے نہ کیا جائے۔نہ کسی غیر معلوم النسب سے کیا جائے۔اور کسی سوداگر یا اچھے پیشے والے کی بیٹی کا نکاح کسی حرام یا مکروہ پیشہ والے سے نہ کیا جائے کہ اگر کسی عورت کا ولی اور خود وہ عورت کسی غیر کفو والے سے نکاح پر راضی ہو جائیں تو نکاح صحیح ہو جائے گا۔

نکاح کے متعلق خاص ہدایت

۳۰۹۱:وَعَنْ مَعْقِلِ بْنِ يَسَارٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَزَوَّجُوا الْوَدُوْدَ الْوَلُوْدَ فَإِنِّي مُكَاثِرٌ بِكُمُ الْاُمَمَ۔ (رواه ابوداود والنسائی)

اخرجه ابو داوٗد فی السنن ۲/۵٤۲ الحديث رقم ۲۰۵۰ والنسائی فی ٦/٦٥ الحديث رقم ۳۲۲۷

ترجمہ: ''اور حضرت معقل بن یسار رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:تم ایسی عورت سے نکاح کرو جو اپنے خاوند سے محبت کرنے والی ہو اور زیادہ بچوں کو جنم دینے والی ہو' کیونکہ میں دوسری امتوں کے مقابلہ میں تمہاری کثرت پر فخر کروں گا''۔(ابوداؤد'نسائی)

تشریح: قوله: تزوجوا الودود الولود:

ان دو وصفوں کے ساتھ اس لئے مقید کیا ہے کہ اگر کسی عورت کے ہاں بچے تو بہت پیدا ہوتے ہوں مگر وہ اپنے خاوند سے

محبت کم کرتی ہو، تو اس صورت میں خاوند کو اس کی طرف رغبت کم ہوگی۔ اور اگر کوئی عورت خاوند سے محبت تو بہت کرے مگر اس کے یہاں بچے زیادہ نہ ہوں تو اس صورت میں مطلوب حاصل نہ ہوگا۔ اور مطلوب اُمت محمدیہ صلی اللہ علیہ وسلم کی کثرت ہے، جو ظاہر ہے کہ زیادہ بچے ہونے کی صورت میں ممکن ہے اور یہ دو وصف کنواری لڑکیوں میں ان کے خاندان اور کنبہ سے معلوم کیے جا سکتے ہیں۔ عام طور پر چونکہ اقرباء کے طبعی اوصاف ایک دوسرے میں سرایت کئے ہوئے ہوتے ہیں۔ ایک احتمال یہ بھی ہے (واللہ اعلم) کہ یہاں نکاح کرنے سے مراد یہ تعلیم دینا ہے کہ تمہاری جن بیویوں میں یہ اوصاف موجود ہوں ان کے ساتھ زوجیت کے تعلق کو ہمیشہ قائم رکھو۔

قوله: فاني مكاثر بكم الأمم :

یعنی تمہارے سبب سے تمام اُمتوں پر فخر کروں گا، چونکہ میرے متبعین زیادہ ہوں گے۔

اسنادی حیثیت: ابن الہمام فرماتے ہیں کہ حاکم نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔ انہوں نے معقل سے یوں نقل کیا ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آیا اور کہا، یا رسول اللہ! میں نے ایک نسب اور منصب والی مال دار عورت پائی ہے لیکن وہ بانجھ ہے، تو کیا میں اس سے شادی کرلوں؟ تو آپ نے ان کو منع کیا۔ وہ دوسری مرتبہ آیا، تو آپؐ نے اس کو وہی جواب دیا۔ پھر تیسری مرتبہ آیا، تو آپ نے فرمایا: ”تزوّجوا الودود الولود فاني مكاثر بكم الأمم“۔

کنواری عورت سے نکاح کی ترغیب

۳۰۹۲: وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَالِمِ بْنِ عُتْبَةَ بْنِ عُوَيْمِ بْنِ سَاعِدَةَ الْاَنْصَارِيِّ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلَيْكُمْ بِالْاَبْكَارِ فَاِنَّهُنَّ اَعْذَبُ اَفْوَاهًا وَاَنْتَقُ اَرْحَامًا وَاَرْضٰى بِالْيَسِيْرِ۔ (رواه ابن ماجة مرسلا)

اخرجه ابن ماجه في ١/ ٥٩٨ الحديث رقم ١٨٦١

ترجمہ: ”اور حضرت عبدالرحمٰن بن سالم بن عتبہ بن عویم بن ساعدہ انصاری اپنے والد حضرت سالم سے اور وہ عبدالرحمٰن کے دادا (یعنی حضرت عتبہؓ تابعی) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ”تم کنواری لڑکیوں سے شادی کرو کیونکہ وہ شیریں دہن ہوتی ہیں (یعنی کنواری عورتیں شیریں زبان وخوش کلام ہوتی ہیں کہ وہ بدزبانی فحش گوئی میں مبتلا نہیں ہوتیں) اور زیادہ بچے جننے والی نیز تھوڑے پر راضی رہنے والی ہوتی ہیں (یعنی تھوڑا مال واسباب پانے پر بھی راضی رہتی ہیں) اس روایت کو ابن ماجہ نے بطریق ارسال نقل کیا ہے“۔

حالاتِ راوی:

عویم بن ساعدۃ: یہ عویم بن ساعدہ انصاری اوسی ہیں۔ بیعت عقبہ اولیٰ ثانیہ غزوۂ بدر اور تمام غزوات میں شریک ہے۔ آنحضور صلی اللہ علیہ وسلم کی حیات طیبہ ہی میں انتقال فرمایا بعض کا خیال ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی خلافت کے دور میں مدینہ میں

انتقال فرمایا جب کہ ان کی عمر ۶۵ یا ۶۶ سال کی تھی۔ان سے حضرت عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں۔عویم "عام" کی تصغیر ہے۔

تشریح: یہ روایت عبدالرحمٰن کے دادا عتبہ سے مروی ہے اس کی دلیل وہ مرسل روایت ہے جس میں ہے: "او جدہ الکبیر او جد ابیه، وهو عویم"۔جیسا کہ عنقریب آئے گا۔

قوله :علیکم بالابکار :اس میں کنواریوں سے نکاح کرنے کی ترغیب ہے۔

قوله :فانهن اعذب :امام طیبی فرماتے ہیں کہ یہاں خبر کو مفرد و مذکر ذکر کیا ہے، "هن" کی تقدیر پر۔جیسے اس آیت میں ہے:﴿هولآء بناتی هن اطهرلكم﴾۔[هود:۷۸]

أفواهًا :فاہ کی جمع ہے۔یہ کنایہ ہے ان کے بوسہ سے باتوں کے عمدہ ہونے سے اور کلام کے لذیذ ہونے سے، اور فحش گوئی کی قلت اور شوہر پر زبان درازی نہ کرنے سے بوجہ اس کی حیاء کے باقی ہونے کے۔اور بعض کہتے ہیں کہ اس سے مراد ان کے لعاب کا میٹھا ہونا ہے۔

وأنتق ارحاما :یعنی زیادہ بچے جننے والی ہوتی ہیں۔ارحام کا اطلاق اولاد پر کیا ہے دونوں کے درمیان ملابست کی وجہ سے، کیوں کہ اس کے رحم میں حرارت زیادہ ہوتی ہے اس لئے وہ مرد کا مادہ تولید بہت جلد قبول کر لیتی ہے۔یا ان کی شہوت زیادہ ہونے کی وجہ سے۔لیکن یہ چیز محض ظاہری اسباب کے درجہ کی ہیں حکم الٰہی کے بغیر ان کی کوئی اہمیت نہیں۔

امام طیبی فرماتے ہیں کہ کہا جاتا ہے نتقت المرأة یعنی اس کی اولاد زیادہ ہوئی۔فهو ناتق بچوں کو پھینک رہی ہے، مراد کثرت سے جننا ہے۔

وارضٰی بالیسیر :بعض کہتے ہیں کہ تھوڑے جماع پر بوجہ شوہر سے حیاء کرنے کے۔اور بعض کہتے ہیں تھوڑے کھانے ؟ پینے اور تنعم کے اسباب پر راضی ہو جاتی ہے۔

بعض روایات میں "اقل خبا" کے الفاظ ہیں، خاء کے کسرہ اور باء کی تشدید کے ساتھ۔"حب"

اور ایک روایت میں ہے کہ وہ زیادہ متوجہ کرنے والی اور کم چیز پر راضی ہونے والی ہوتی ہیں۔

کنواری سے نکاح کے فوائد:

احیاء العلوم میں ہے کہ کنواری کے فوائد میں سے یہ ہے کہ وہ شوہر سے محبت کرتی ہے اور ان کے درمیان الفت ہوتی ہے، اس سے "ود" کے معنی میں اثر پیدا ہوتا ہے، اور طبائع میں پہلی الفت سے انس پیدا ہوتا ہے۔جو عورت مردوں کو جانچ چکی ہو اور حالات کا جائزہ لے چکی تو اکثر وہ ان اوصاف کو جو اس کے اوصاف مالوفہ کے خلاف ہوں وہ پسند نہیں کرتی اور شوہر سے بُغض رکھتی ہے اور اسی طرح شوہر بھی ان سے محبت نہیں کرتا اس لئے کہ طبیعت اس عورت سے نفرت کرتی ہے جس کو شوہر کے علاوہ کسی کا ہاتھ لگا ہو۔اور جب اس کا ذکر ہو تو طبیعت پر گراں گزرتا ہے اور بعض طبائع اس سے بہت زیادہ نفرت کرتی ہیں۔

تخریج: اس حدیث کو سیوطی رحمہ اللہ نے الجامع الصغیر میں ذکر کیا ہے اور فرمایا ہے کہ اس کو روایت کیا ہے ابن ماجہ اور بیہقی

نے عویم بن ساعدہ سے، پس یہ حدیث متصل ہے۔

الفصل الثالث:

نکاح ذریعہ محبت

۳۰۹۳: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَمْ تَرَ لِلْمُتَحَابَّیْنِ مِثْلَ النِّکَاحِ۔

اخرجه ابن ماجه فی ۱/۵۹۷ الحدیث رقم ۱۸۶۲

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''(اے شخص!) تو نے نکاح (یعنی شوہر وبیوی) کی مانند دو آپس میں محبت کرنے والے نہیں دیکھے ہوں گے''۔

تشریح: قولہ: لم تر للتحابین مثل النکاح : لم تر للمتحابین: صیغہ تثنیہ کے ساتھ ہے، اور خطاب عام ہے اور اس کا مفعول اول محذوف ہے۔ اور سیوطی نے اس حدیث کو اپنی جامع میں ذکر کیا ہے، اس میں ''ولم یر'' صیغہ مجہول مذکر کے ساتھ ہے اور ''مثل النکاح'' رفع کے ساتھ ہے۔

یعنی جب دو محبت کرنے والوں کے درمیان خارجی طور پر ملاپ ہوتا تو اس سے باطنی وصل زیادہ ہو جاتا ہے۔ بعض کہتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ جب آدمی کسی اجنبی عورت کو دیکھے اور وہ اس کا دل لے جائے تو اس کا نکاح مزید محبت کو پیدا کر دیتا ہے۔ اور اس کے ساتھ بدکاری بُغض اور دشمنی پیدا کر دیتی ہے۔

نجاست زنا سے پاکیزگی کا ذریعہ نکاح

۳۰۹۴: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ مَنْ اَرَادَ اَنْ یَّلْقَى اللّٰہَ طَاهِرًا مُطَهَّرًا فَلْیَتَزَوَّجِ الْحَرَائِرَ۔

اخرجه ابن ماجه فی ۱/۵۹۷ الحدیث رقم ۱۸۶۲

ترجمہ: ''اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص اس بات کا خواہشمند ہو کہ وہ (زنا کی نجاست سے) پاکی اور پاکیزہ حالت میں اللہ تعالیٰ سے ملاقات کرے تو اسے چاہئے کہ آزاد عورتوں سے نکاح کرے''۔

تشریح: قولہ: من اراد ان یلقی اللّٰہ...... مطھرا: تفعیل سے اسم مفعول کا صیغہ ہے۔ اور ایک نسخہ میں ''متطھرا'' ہے اسم فاعل کے صیغہ کے ساتھ باب تفعل سے۔

مطھرا: ''طاھرا'' کے بعد ''مطھرا'' ارشاد فرمایا پاکیزگی میں مبالغہ کے لئے ہے۔

فلیتزوج الحرائر: آزاد عورتوں کا ذکر کیا ہے اس لئے کہ لونڈیاں گھٹیا اور بے ادب ہوتی ہے اس لئے منقول ہے:

الحرائر صلاح البیت والا ماء فساد البیت۔ آزاد عورتیں گھر کی اصلاح ہیں اور لونڈیاں گھر کا فساد ہیں جیسا کہ مسند فردوس میں حضرت ابوہریرہ سے مرفوع روایت ہے۔

تورپشتی فرماتے ہیں کہ "حرائر" کو اس لئے خاص کیا کہ لونڈیوں کی آمدورفت بہت ہی زیادہ ہوتی ہے اور پردہ بھی نہیں کرتیں چنانچہ جب وہ خود باادب نہیں تو وہ اولاد کو نہ ادب سکھا سکتی ہیں اور نہ تربیت کرسکتی ہیں، برخلاف آزاد عورتوں کے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ حرائر کو معنی پر محمول کیا جائے جیسے حماسی نے کہا ہے:

ولا یکشف الغماء الا ابن حرة
یریٰ غمرات الموت ثم یزروھا

اور کشف غماء نہیں کرسکتا مگر آزاد عورت کا بیٹا، وہ موت کی سختیاں دیکھتا ہے پھر اس کی زیارت کرتا ہے۔

حریت کی قسمیں:

امام راغب فرماتے ہیں کہ حریت کی دو قسمیں ہیں:

① وہ شخص جو قیدی نہ ہو۔ ② وہ ہے کہ جس میں مذموم قوی اور صفات ایسی غالب نہ ہوں یہ ان کا غلام ہو جائے، جیسا کہ حدیث میں ہے: "تعس عبد الدینار تعس عبد الدرھم" ہلاک ہو جائے دینار کا غلام ہلاک ہو جائے درہم کا۔

شاعر کہتا ہے:

ورق ذوی الأطماع رق مخلد
طمع اور لالچ کی غلامی، ہمیشہ کی غلامی ہے۔

اور کہا گیا ہے: "عبد الشھوة اذل من عبد الرق"۔ خواہشات کا غلام، رقیت کے غلام سے زیادہ ذلیل ہے۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ آزاد وہ ہے جس کو اس کی خواہشات نے غلام نہ بنایا ہو، اور نہ اس کی دنیا نے اس کو اپنا غلام بنایا ہو۔

اور شاعر نے کہا ہے:

اتمنی علی الزمان محالا
ان تریٰ مقلتای طلعة حر

تقویٰ کے بعد سب سے بہتر انعام

۳۰۹۵: وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ یَقُوْلُ مَا اسْتَفَادَ الْمُؤْمِنُ بَعْدَ تَقْوَی اللّٰهِ خَیْرًا لَّهٗ مِنْ زَوْجَةٍ صَالِحَةٍ اِنْ اَمَرَهَا اَطَاعَتْهُ وَاِنْ نَظَرَ اِلَیْهَا سَرَّتْهُ وَاِنْ اَقْسَمَ عَلَیْهَا اَبَرَّتْهُ وَاِنْ غَابَ عَنْهَا نَصَحَتْهُ فِیْ نَفْسِهَا وَمَالِهٖ (روی ابن ماجة الا حادیث الثلاثة)

اخرجه ابن ماجه فی ۱/۵۹۶ الحدیث رقم ۱۸۵۷۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: مؤمن نے اللہ تعالیٰ کے تقویٰ کے بعد جو سب سے بہتر چیز اپنے لئے منتخب کی۔ وہ نیک بیوی ہے۔ (ایسی بیوی کی خصوصیت یہ ہے کہ) اگر اس (شوہر) نے اس کو حکم دیا تو اس (بیوی) نے اس کی تعمیل کی۔ اگر اس نے اس کی طرف نگاہ کی تو اس نے (اپنے حسن اور پاکیزگی اور اپنی خوش سلیقگی و پاک سیرتی سے) اس کا دل خوش کر دیا ہے' اگر اس نے اس کو قسم دی تو اس قسم کو پورا کر دیا اور اگر وہ اس کے پاس سے چلا گیا تو اس نے اپنی جان اور اس کے مال میں اس سے خیر خواہی کی۔ مذکورہ بالا تینوں حدیثیں ابن ماجہؒ نے نقل کی ہیں''۔

تشریح: قوله :ما استفاد المؤمن بعد ...... اللہ تعالیٰ کے احکام کی بجا آوری اور ممنوعات سے بچنے کو تقویٰ کہتے ہیں۔

ان امرها اطاعته :یعنی اس کی تعمیل کرے' ان چیزوں میں جو گناہ و معصیت کا باعث نہیں ہوتیں۔ اس لئے کہ: ''لا طاعة لمخلوق فی معصية الخالق'' کہ مخلوق کی اطاعت خالق کی نافرمانی میں نہیں ہے۔ جیسے کہ اس کو روایت کیا ہے احمد نے۔

وان اقسم عليها أبرته : یعنی ایسے کام کی قسم کھاتا ہے کہ جس کا کرنا وہ ناپسند کرتی ہو یا اس کا چھوڑنا ناپسند کرتی ہو اور شوہر اس کو چاہتا ہو، تو وہ شوہر کی خواہش اپنی خواہش پر مقدم کرتی ہے۔

یعنی اس کو قسم میں بری کر دیتی ہے یا اس کی قسم کو مقبول بنا دیتی ہے اس کی خواہش کی موافقت سے اور ترک مخالفت کے ذریعے اس کی خواہش کو ترجیح دے کر۔

تکمیل دین کا ذریعہ

۳۰۹۶ :وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اِذَا تَزَوَّجَ الْعَبْدُ فَقَدِ اسْتَكْمَلَ نِصْفَ الدِّيْنِ فَلْيَتَّقِ اللّٰهَ فِي النِّصْفِ الْبَاقِي ۔

ترجمہ: ''اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب بندہ نے نکاح کیا تو اس نے اپنا آدھا دین مکمل کر لیا اب اسے چاہئے کہ باقی آدھے کے بارے میں اللہ سے ڈرے''۔

تشریح: ''نصف'': منصوب ہے ''استکمل'' بمعنیٰ '' اکمل '' ہے۔ اور یہ اس کیلئے مفعول ہے' ''نصف'' کو مرفوع پڑھنا بھی درست ہے اس صورت میں تقدیری عبارت یوں ہوگی: تكمل نصفه، اور اس کا عطف شرط پر ہے، اور جزاء یہ قول ہے: ''فليتق الله......''۔

قوله :اذا تزوج العبد فقد استكمل نصف الدين: نکاح کو نصف دین قرار دیا ہے، یہ مبالغہ کیلئے ہے تاکہ نکاح کی ترغیب ہو۔

امام غزالیؒ فرماتے ہیں کہ عام طور پر دین کو فاسد کرنے والی دو چیزیں ہیں شرمگاہ اور پیٹ، شادی کرنے سے ان میں سے

ایک کی کفایت ہوگی۔ شادی کے ذریعہ آدمی شیطان سے بچ جاتا ہے اور شہوت ٹوٹتی ہے۔ اور شہوت کی آفتوں کو دور کرتا ہے اور نظر جھک جاتی ہے اور شرمگاہ کی حفاظت ہوتی ہے۔

۳۰۹۷ وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَعْظَمَ النِّكَاحِ بَرَكَةً اَيْسَرُهُ مُؤْنَةً۔

رواھما البیھقی فی شعب الایمان۔

ترجمہ: ''اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''بلاشبہ وہ نکاح سب سے زیادہ بابرکت ہے جو محنت کے لحاظ سے آسان ہو'' (یعنی جس میں مالی لحاظ سے اخراجات کم ہوں)۔ یہ دونوں روایتیں بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کی ہیں''۔

تشریح: ای ان اعظم افراد النکاح او انواعہ۔ یعنی نکاح کی انواع اور اقسام میں سے زیادہ عظیم الشان نکاح وہ ہے۔

ایسرہ : جو کم خرچ اور آسان ہو۔

مؤنۃ : یعنی مہر اور نان ونفقہ میں سہولت والا ہو اس لئے کہ یہ قناعت پر دلالت کرتا ہے اور قناعت ایسا خزانہ ہے جو نہ ختم ہونے والا ہے۔

بَابُ النَّظْرِ اِلَى الْمَخْطُوْبَةِ وَبَيَانُ الْعَوْرَاتِ

منسوبہ کو دیکھنے اور جن اعضاء کو چھپانا واجب ہے ان کا بیان

"العورات" واؤ کے سکون کے ساتھ ہے۔جس کا آنکھوں سے چھپانا ضروری ہو۔ امام طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں "عورت" انسان کی شرمگاہ کو کہتے ہیں۔اس کی اصل "عار" ہے۔ یہ کنایہ ہے اس لئے کہ اس کے ظاہر ہونے سے مذموم عار لاحق ہوتی ہے اور اس کو حیا آتی ہے جب یہ ظاہر ہو، اسی وجہ سے خواتین کو "عورت" کہا جاتا ہے، اور اسی وجہ سے برے کلمہ کو "عوراء" کہا جاتا ہے۔

عرضِ مرتب:

① مخطوبہ سے مراد وہ عورت ہے جس کو پیغامِ نکاح دیا ہو۔ ستر سے مراد وہ اعضاء ہیں جن کا چھپانا شرعاً ضروری ہے۔ ② نکاح سے پہلے مخطوبہ کو ایک نگاہ دیکھنا امام ابوحنیفہ' امام شافعی' امام احمد اور اکثر علماء رحمہم اللہ کے نزدیک جائز ہے۔ خواہ مخطوبہ کی طرف سے اس کی اجازت ہو یا نہ ہو۔ لیکن ایک نظر سے زیادہ دیکھنا یا کلام کرنا یا چھونا یا خلوت وغیرہ کرنا ناجائز ہے۔ امام مالک رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک مخطوبہ کے اذن سے اس کو دیکھنا جائز ہے بلکہ ایک روایت کے مطابق ان کے ہاں دیکھنا مطلقاً ممنوع ہے۔ ③ اگر ماہر اور امانت دار عورت کو اس سلسلے میں بھیجا جائے تو زیادہ بہتر ہے۔

الفصل الاول:

مشورے میں اظہارِ عیب گناہ نہیں

۳۰۹۸: عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّي تَزَوَّجْتُ امْرَأَةً مِنَ الْاَنْصَارِ قَالَ فَانْظُرْ اِلَيْهَا فَاِنَّ فِي اَعْيُنِ الْاَنْصَارِ شَيْئًا۔ (رواہ مسلم)

اخرجه فی صحیحه ۲/ ۱۰۴۰ الحدیث رقم (۷۴۔۱۴۲۴) واحمد فی المسند ۲/ ۲۹۹۔

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کرنے لگا کہ میں ایک انصاری عورت سے نکاح کرنے کا ارادہ رکھتا ہوں (اس بارے میں آپ ﷺ کی کیا رائے ہے؟) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تم اس عورت کو دیکھ لو (تو اچھا ہے) کیونکہ (بعض) انصاریوں کی آنکھوں میں کچھ خرابی ہوتی ہے"۔ (مسلم)

تشریح: انی تزوجت امرأة من الانصار :یعنی میں نے اس کے ساتھ نکاح کرنے کا ارادہ کیا ہے، یا مطالبہ کیا ہے۔

فانظر الیھا :ابن الملک فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ اپنی مسنوبہ کے چہرے اور ہتھیلیوں کے ظاہر و باطن کو دیکھنا جائز ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ الباری فرماتے ہیں کہ حدیث کا منسوبہ کی ہتھیلیوں کی طرف دیکھنے کے جواز پر دلالت محل نظر ہے، اور دیکھنے کی جو علت اگلے قول میں ذکر کی ہے وہ بھی اس کے خلاف ہے۔

قولہ :فان فی اعین الانصار شیئا :یعنی جس سے طبیعت نفرت کرتی ہے اور اس کو اچھا نہیں سمجھتی۔ اس لئے کہ آپ نے وہ عیب مردوں کی آنکھوں میں دیکھا تھا تو عورتوں کو ان پر قیاس کیا اس لئے کہ عورتیں مردوں کی نظیر ہیں۔ اسی لئے آپ نے مطلقاً انصار کا ذکر کیا۔ یا لوگوں کے بیان کرنے کی وجہ سے آپ ﷺ کو معلوم ہوا تھا، یا وحی کے ذریعہ معلوم ہوا تھا۔

قاضی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے ''تزوجت'' بمعنیٰ ''خطبت'' ہو، یعنی میں نے نکاح کے پیغام کا ارادہ کیا ہے، تا کہ اس کی طرف دیکھنے کے حکم کا فائدہ حاصل ہو، اور جس عورت سے نکاح کا ارادہ ہو اس کی طرف دیکھنے کے جواز میں علماء کا اختلاف ہے۔ اوزاعی، ثوری، امام ابوحنیفہ امام شافعی، احمد اور اسحٰق رحمہم اللہ نے مطلقاً جائز قرار دیا ہے۔ چاہے وہ عورت اس کی اجازت دے یا نہ دے۔ ان کی دلیل حضرت جابر اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کی دو حدیثیں ہیں جو حسان کے شروع میں مذکور ہیں۔

اور امام مالک نے عورت کی اجازت کے ساتھ جائز قرار دیا ہے، اور ان سے ایک روایت مطلقاً ممانعت کی بھی ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے ''شیئًا'' کا معنی یہ بیان کیا ہے کہ ان کی آنکھیں کیری، یا کرنجی ہوتی ہیں۔

اس سے یہ بات ثابت ہوئی کہ خیر خواہی کے نکتہ نظر سے کسی چیز کا عیب و نقصان بیان کر دینا جائز ہے۔

اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ نکاح کے پیغام سے پہلے اپنی منسوبہ کو دیکھنا مستحب ہے تا کہ اگر اس کو پسند نہ آئے تو بغیر کسی ایذاء رسانی کے اس کو چھوڑ سکے، بخلاف اس صورت کے کہ پیغام کے بعد اس کو چھوڑے۔

جب اپنی منسوبہ کی طرف دیکھنا ممکن نہ ہو تو کسی عورت کو اس کے پاس بھیجے تا کہ وہ عورت اس کو اس کے اوصاف بیان کر دے۔

عورت کے چہرے اور اس کی ہتھیلیاں دیکھنے کو جو جائز قرار دیا ہے یہ کافی ہے اس لئے کہ اس کے حق میں یہ دونوں عضاء ''ستر'' کے حکم میں نہیں ہیں۔ پس چہرے سے اس کی خوبصورتی اور بدصورتی پر استدلال ہوگا اور ہتھیلیوں سے تمام اعضاء کے نرم اور کھردرے ہونے پر استدلال ہوگا۔ (انتھی)۔

اور اس کے ظاہر سے چھونے کا جواز بھی معلوم ہوتا ہے اس لئے کہ چھونے سے اعضاء کی نرمی اور اس کی ضد معلوم ہو جاتی ہے۔ لیکن یہ مسئلہ حدیث سے مستفاد نہیں ہو رہا۔

ایک عورت کا دوسری عورت سے ننگا جسم لگانا باعثِ فتنہ ہے

۳۰۹۹: وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُبَاشِرُ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ فَتَنْعَتَهَا لِزَوْجِهَا كَاَنَّهٗ يَنْظُرُ اِلَيْهَا۔ (متفق علیہ)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۹/۳۳۸ الحدیث رقم ۵۲۴۰ وابوداوٗد فی السنن ۲/۶۱۰ الحدیث رقم ۲۱۵۰ والترمذی فی ۵/۱۰۱ الحدیث رقم ۲۷۹۲ واحمد فی المسند ۱/۳۸۷۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کوئی عورت اپنا جسم کسی دوسری عورت کے جسم کے ساتھ نہ لگائے اور پھر اس عورت کے جسم کا حال اپنے شوہر کے سامنے بیان کرے (کیونکہ اپنے شوہر کے سامنے کسی اجنبی عورت کے جسم کا حال بیان کرنا ایسا ہی ہے) جیسا کہ اس کا شوہر اس عورت (کے جسم) کو خود دیکھ رہا ہو''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: ''لا تباشر'': بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ ''لا'' نافیہ ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ ناہیہ ہے۔

مباشرۃ'' کے معنی ہیں مخالطۃ اور ملامسۃ۔ اس کی اصل ''لمس البشرۃ البشرۃ'' ہے۔ اور بشرہ انسان کی ظاہری جلد کو کہتے ہیں۔

''فتنعتها'': رفع اور نصب دونوں کے ساتھ ہے۔

قوله : لا تباشرة المرأة المرأة۔لزوجها كانه ينظر اليها : (اور اس کی ممانعت کی حکمت یہ ہے کہ) اس کا دل اس عورت کے ساتھ اٹک جائے گا اور اس کی وجہ سے فتنہ میں پڑ جائے گا۔ اور ممنوع حقیقت میں وصف مذکور ہے۔

امام طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کے مطابق حدیث یہ ہوگا کہ ممانعت ''مس مع نظر'' کی ہے، یعنی وہ اس کے ظاہر کو دیکھے یعنی چہرے اور ہتھیلیاں وغیرہ اور اس کے باطن کو معلوم کرے مس کرنے کے ذریعے اور اس کی نازکی اور فربہی پر واقف ہو۔ پس ''فتنعتها'' کا عطف ''تباشر'' پر ہے اور نہی دونوں پر ایک ساتھ ہے۔ پس اس کے اوصاف بیان کئے بغیر مباشرت جسم جائز ہے۔

شرح اکمل میں ہے کہ فقہاء نے اس حدیث سے حیوان کی بیع سلم کے جواز پر استدلال کیا ہے، اس لئے کہ آپ ﷺ نے خبر دی ہے کہ کسی چیز کے اوصاف بیان کرنا' اس کے معائینہ کی طرح ہوتا ہے۔ تو اس کی صفات اور مقدار کی معرفت کا ضبط ممکن ہو جاتا ہے، جیسے محسوس مشاہد چیز میں ممکن ہوتا ہے حالت بیع میں اور جس چیز کی صفات اور مقدار کی معرفت کا ضبط کرنا ممکن ہو تو اس میں بالاتفاق بیع سلم جائز ہے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ آپ کا خبر دینا دلالت کر رہا ہے کہ وصف شی اس کو کالمعاینۃ بنا دیتا ہے ان چیزوں میں جو دیکھنے کی ہوں، اور اس پر دلیل یہ قول ہے: ''كانه ينظر اليها''۔

اور حیوان میں سلم کا عدم جواز امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ کے ہاں اس جہت سے نہیں ہے، بلکہ اس وجہ سے ہے کہ حیوان باطنی اور پوشیدہ اوصاف پر بھی مشتمل ہوتا ہے جس پر آدمی دیکھنے سے مطلع نہیں ہو سکتا، تو گویا کہ حیوان ان چیزوں میں سے ہوا جن کے وصف کا ضبط کرنا ممکن نہیں ہے' اور جن چیزوں کے وصف کا ضبط ممکن نہ ہو ان میں سلم جائز نہیں ہے۔

تخریج: سیوطی رحمہ اللہ الجامع الصغیر میں فرماتے ہیں کہ اس کو روایت کیا ہے احمد، بخاری، ابوداؤد، ترمذی نے، (انتھی)۔ اور شاید کہ مسلم نے دوسرے الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہو جو بخاری کے موافق ہوں معنی میں۔ واللہ اعلم۔

۳۱۰۰: وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ لَا یَنْظُرُ الرَّجُلُ اِلٰی عَوْرَۃِ الرَّجُلِ وَلَا الْمَرْاَۃُ اِلٰی عَوْرَۃِ الْمَرْاَۃِ وَلَا یُفْضِی الرَّجُلُ اِلَی الرَّجُلِ فِیْ ثَوْبٍ وَاحِدٍ وَلَا تُفْضِی الْمَرْاَۃُ اِلَی الْمَرْاَۃِ فِیْ ثَوْبٍ وَّاحِدٍ (رواہ مسلم)

اخرجه مسلم في صحيحه ١/٢٦٦ الحديث رقم (٧٤_٣٣٨) والترمذي في السنن ٥/١٠١ الحديث رقم ٢٧٩٣ واحمد في المسند ٣/٦٣

ترجمہ: ''اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کوئی مرد کسی دوسرے مرد کے ستر کی طرف نہ دیکھے اور نہ کوئی عورت کسی دوسری عورت کے ستر کی طرف دیکھے' نہ ہی مرد' مرد کے ساتھ ایک کپڑے میں جمع ہو اور نہ ہی عورت' عورت کے ساتھ ایک کپڑے میں جمع ہو۔'' (مسلم)

تشریح: قوله :لا ينظر الرجل الى عورة الرجل...... ''یفضی'': یاء کے ضمہ کے ساتھ ہے ''یصل'' کے معنیٰ میں ہے۔

''لا ینظر الرجل'': خبر ہے بمعنی نہی۔

ولا تفضی المرأة الی المرأة فی ثوب واحد: ابن الملک فرماتے ہیں کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ ایک کا برہنہ جسم دوسرے کے برہنہ جسم کو نہ لگے ایک کپڑے میں، کہ اس میں ان کے درمیان کسی فاحشہ کے ظاہر ہونے کا خوف ہے۔

شیخ مظہر فرماتے ہیں کہ جس نے اس طرح کیا تو اس کو بطور تعزیر سزا دی جائے گی اور حد نہیں لگائی جائے گی۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ ستر کی طرف دیکھنا حرام ہے۔ اور مرد کا ستر زیر ناف سے لے کر گھٹنوں تک ہے اور اسی طرح اجنبی مرد کے حق میں عورت کا پورا بدن ستر ہے، سوائے چہرے اور ہتھیلیوں کے، ضرورت کے وقت جیسے کہ اقرار کا سننا یا پیغام نکاح کے وقت جیسا کہ ماقبل گزرا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں، کہ مرد کا اجنبیہ عورت کے بدن کے کسی بھی حصے کو دیکھنا حرام ہے اور اسی طرح عورت کا مرد کو دیکھنا' چاہے نفسی ہیجان کے ساتھ ہو یا اس کے بغیر ہو، اور اسی طرح بے ریش لڑکے کی طرف دیکھنا بھی حرام ہے، اگر وہ خوبصورت ہو، چاہے فتنہ کا خوف ہو یا نہ ہو، محققین کے ہاں یہی صحیح مختار مذہب ہے۔

اس کی امام شافعی اور ان کے شاگردوں نے تصریح کی ہے۔ یہ اس لئے کہ امرد عورت کی طرح ہوتا ہے، کہ اس سے اشتہاء ہوتی ہے اور اس کی صورت حسن و جمال میں عورت کی صورت کی طرح ہوتی ہے بلکہ بہت سے لڑکے بہت سی عورتوں سے زیادہ حسین ہوتے ہیں۔ بلکہ ان کی طرف دیکھنے کی حرمت بطریق اولیٰ ہے اس لئے کہ ان میں شر کے وہ طریقے ممکن ہوتے ہیں جو عورتوں کے حق میں ممکن نہیں ہیں۔ (انتھی)

ہمارا اور جمہور کا مذہب یہ ہے کہ امرد کی طرف دیکھنا اس وقت حرام ہے جب بطور شہوت کے ہو، اور جو امام نوویؒ نے ذکر کیا ہے وہ دین میں احتیاط کے باب سے ہے اس لئے کہ جو چراگاہ کے قریب مویشی چراتا ہے تو قریب ہے کہ وہ چراگاہ میں چر جائیں۔

غیر محرم سے تنہائی کی شدید ممانعت

۳۱۰۱: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْ لُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلَا لَا يَبِيْتَنَّ رَجُلٌ عِنْدَ امْرَأَةٍ ثَيِّبٍ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ نَاكِحًا اَوْ ذَا مَحْرَمٍ۔ (رواہ مسلم)

اخرجه فی صحیحه ٤/١٧١٠ الحدیث رقم (١٩۔٢١٧١)

ترجمہ: ''اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''خبردار! کوئی مرد کسی ثیبہ عورت کے ساتھ رات نہ گزارے مگر یہ کہ وہ (اس ثیبہ عورت کا) خاوند ہو یا (اس کا) محرم ہو''۔ (مسلم)

تشریح: لا يبيتن رجل عند امرأة ثيب :یعنی ایسی جگہ جہاں ثیبہ عورت ہو، رات گزارنے سے مراد یہاں تنہائی میں ملنا ہے، خواہ رات ہو یا دن۔ یہاں ثیبہ کی تخصیص اس لئے کی ہے کہ کنواری زیادہ حیاء والی اور اپنے نفس پر زیادہ ڈرنے والی ہوتی ہے اور اس لئے کہ وہ عام طور پر محفوظ ہوتی ہے۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ثیبہ سے مراد وہ ہے جس کا خاوند نہ ہو۔

قوله :الا ان یکون ناکحًا :

او ذا محرم :یعنی جس پر اس عورت کے ساتھ نکاح کرنا ابدی طور پر حرام ہو، اگرچہ دودھ کے رشتہ کی وجہ سے ہو، اور اسی وجہ سے ''ذا رحم محرم'' نہیں کہا۔

دیور کو موت سے تعبیر فرمایا

۳۱۰۲: وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِيَّاكُمْ وَالدُّخُوْلَ عَلَى النِّسَاءِ فَقَالَ رَجُلٌ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَاَيْتَ الْحَمْوَ قَالَ الْحَمْوُ الْمَوْتُ (متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ٩/٣٣٠ الحدیث رقم ٥٢٣٢ ومسلم فی ٤/١٧١١ الحدیث رقم (٢٠۔٢١٧٢) والترمذی فی السنن ٣/٤٧٤ الحدیث رقم ١١٧١ والدارمی فی ٢/٣٦١ الحدیث رقم ٢٦٤٢ واحمد فی المسند ٤/١٤٩۔

ترجمہ: ''اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (اجنبی) عورتوں کے نزدیک جانے سے اجتناب کرو (جب کہ وہ تنہائی میں ہوں یا بے پردہ بیٹھی ہوں) ایک شخص نے (یہ سن کر) عرض کیا کہ یا رسول اللہ (صلی اللہ علیہ وسلم!) حمو (دیور) کے بارے میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا کیا حکم ہے؟ (کیا ان کے لئے بھی یہ ممانعت ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''دیور'' تو موت ہے''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: قوله یا رسول اللہ أرایت الحمو: ''الحمو'': حاء کے فتحہ اور میم کے سکون کے ساتھ اور اس کے بعد ملفوظ ہمزہ ہے واحد ہے ''الاحماء'' کا۔ ''حمو'' شوہر کے قریبی رشتہ داروں کو کہتے ہیں، باپ، دادا اور بیٹوں کے علاوہ کو۔

ابن الملک فرماتے ہیں کہ تقدیری عبارت یوں ہے ''اخبر نی عن دخول الحمو علیھن''۔

قاضی کہتے ہیں کہ "حمو" قریب الزوج کو کہتے ہیں جیسے اس کا بیٹا اور بھائی۔ اس میں بہت ساری لغات ہیں:
① حمًا، جیسے عصًا، ② حمو یہ اصل پر ہے ③ "حمو" میم کے ضمہ اور واؤ کے سکون کے ساتھ۔ ④ "حمٔ" أب کی طرح ⑤ حمٔ ہمزہ اور میم کے سکون کے ساتھ۔ جمع "احماء" ہے۔

قوله الحمو الموت :یعنی اس کا داخل ہونا موت کی طرح مہلک ہے۔ یعنی اس کی وجہ سے فتنے زیادہ سر اٹھاتے ہیں چونکہ لوگ اس کے ساتھ اختلاط کو اہمیت نہیں دیتے۔ یہ جملہ "الحمو الموت" دراصل اس محاورہ کی بنیاد پر ہے جو اہل عرب کے ہاں عام طور پر کسی خطرناک چیز سے خوف دلانے کے موقع پر استعمال کیا جاتا ہے۔ کہ شیر مرگ ہے یا بادشاہ آگ ہے، یعنی ان کے قریب جانا مرگ اور آگ کی طرح ہے پس اس سے بچنا چاہئے جیسے کہ موت سے ڈرتے ہیں۔

ابوعبیدہ کہتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو چاہئے کہ وہ مرجائے لیکن یہ کام نہ کرے۔ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ آدمی کا بھائی کے ساتھ تنہائی اختیار کرنا زنا کی طرف لے جاتا ہے۔ اور یہ زنا اس کو رجم کی طرف لے جاتا ہے۔

شرح السنہ میں ہے کہ یہ وجوہ تفسیر اس وقت درست ہیں جب "حمو" کی تفسیر شوہر کے بھائی یا جو اس کے مشابہ ہے اس کے اقارب میں سے جیسے چچا اور بھتیجا وغیرہ سے کی جائے۔ اور جنہوں نے اس کی تفسیر خاوند کے باپ سے کی ہے تو انہوں نے اس کو محمول کیا ہے مبالغہ پر، کہ جب اس کے دیکھنے کا یہ عالم ہے جب کہ وہ محرم ہے تو اوروں کی کیا بات ہوگی یا اس کے پاس تنہائی میں داخل ہونے کا یہ حال ہے تو غیروں کا کیا حال ہوگا۔ بعض کہتے ہیں کہ جب سائل نے ایک مجمل لفظ کو ذکر کیا جو محرم اور غیر محرم دونوں کا احتمال رکھتا تھا، تو آپؐ نے اس کے سوال کا جواب بھی تعمیم کے ساتھ دیا جیسے ایک غضبناک شخص اپنے پر نکیر کرنے والے کے سوال کا جواب دیتا ہے۔

ملاعلی قاری فرماتے ہیں کہ یا اس کا مطلب یہ ہے کہ یہ حکم بطور تغلیب واقع ہوا ہے، یا بعض لوگ اس سے شرعاً مستثنیٰ ہیں، جو ان کو معلوم تھے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "حمو" سے مراد یہاں خاوند کے اقارب ہیں باپ دادا کے علاوہ۔ اس لئے کہ قرابت داروں سے خوف اور فتنے کا وقوع زیادہ ہوتا ہے اس لئے کہ ان کیلئے اس کا حصول زیادہ ممکن ہوتا ہے اور تنہائی میں ان کے پاس جانا بغیر کسی نکیر کے ان کیلئے ممکن ہوتا ہے، برخلاف غیروں کے۔ اور عام طور پر لوگ اس کو اہمیت نہیں دیتے۔ تو بھائی کی تنہائی اپنے بھائی کی بیوی کے ساتھ یہی موت ہے۔ اور الفائق میں ہے کہ اس کا معنیٰ ہے کہ عورت کا دیور شر اور فساد کی انتہاء ہے، تو اس کو موت کے ساتھ تشبیہ دی۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ اس عورت کیلئے بطور بددُعاء کہا ہو، کہ اس کی موت اس طرح ہو کہ جس طرح اس پر داخل ہونے والا دیور ہے اگر وہ اس کے آنے پر راضی ہو۔ ملاعلی قاری فرماتے ہیں کہ قول اول کی تائید عامۃ الناس کے اس مقولہ سے بھی ہوتی ہے: الحما حمی، کہ دیور بخار ہے۔

امام طیبی فرماتے ہیں کہ اگر آپ یہاں یہ اعتراض وارد کریں کہ اخبار اور دعاء میں کیا فرق ہے؟ تو جواب یہ ہے کہ اخبار میں اداۃ تشبیہ ہوتے ہیں، اور یہ اس کی پوشیدہ ہوتی ہے۔ یعنی الحمو کالموت فی الشر والضرر، کہ دیور موت کی

طرح ہے شر اور نقصان میں۔ اور دعاء میں یہ ادعاء ہے کہ حمو کی دو قسمیں ہیں۔ ایک متعارف وہ قریبی رشتہ دار ہے اور ایک غیر متعارف ہے وہ موت ہے۔ تو آپؐ نے اس کیلئے غیر متعارف طلب کیا جب اس آدمی نے متعارف کے بارے میں سوال کیا، مبالغۃ۔

طبیب کا متاثرہ حصہ پر نظر ڈالنا

۳۱۰۳: وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ اُمَّ سَلَمَةَ اسْتَأْذَنَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْحِجَامَةِ فَاَمَرَ اَبَا طَيْبَةَ اَنْ يَّحْجُمَهَا قَالَ حَسِبْتُ اَنَّهٗ كَانَ اَخَاهَا مِنَ الرَّضَاعَةِ اَوْ غُلَامًا لَمْ يَحْتَلِمْ۔ (رواہ مسلم)

اخرجه في صحيحه ٤/١٧٣٠ الحديث رقم (٧٢-٢٢٠٦)۔

ترجمہ: ''اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے رسول اللہ ﷺ سے سینگی کھینچوانے کی اجازت طلب کی تو آپ ﷺ نے حضرت ابوطیبہ رضی اللہ عنہ کو سینگی کھینچنے کا حکم فرمایا۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ حضرت ابوطیبہ رضی اللہ عنہ (کو سینگی کھینچنے کا حکم دینے کی وجہ یہ تھی کہ وہ) حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی بھائی تھے یا ابھی نابالغ تھے''۔ (مسلم)

تشریح: قوله ان ام سلمة استاذنت رسول الله......

''الحجامة'': حاء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

''ان يحجمها'': جیم کے ضمہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ ہے۔

''الرضاعة'': راء کے فتحہ کے ساتھ ہے اور کسرہ بھی دیا جاتا ہے۔

ہمارے علماء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ غیر محرم بھی ضرورت کے وقت سینگی کھینچ سکتا ہے' فصد کھول سکتا ہے اور ختنہ کر سکتا ہے۔

مسئلہ: امام طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ضرورت اور معالجہ کے وقت اجنبی شخص عورت کے پورے جسم کو دیکھ سکتا ہے۔

۳۱۰۴: وَعَنْ جَرِيْرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ سَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ نَظَرِ الْفُجَاءَةِ فَاَمَرَنِيْ اَنْ اَصْرِفَ بَصَرِيْ۔ (رواہ مسلم)

اخرجه في صحيحه ٣/١٦٩٩ الحديث رقم ٤٥-٢١٥٩ وابوداوٗد في السنن ٢/٦٠٩ الحديث رقم ٢١٤٨ والترمذي في ٥/٩٣ الحديث رقم ٢٧٧٦ واحمد في لمسند ٤/٣٥٨۔

ترجمہ: ''اور حضرت جریر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے (کسی اجنبی عورت پر) اچانک نگاہ پڑ جانے کے بارے میں سوال کیا تو آپ ﷺ نے مجھے یہ حکم دیا کہ میں اپنی نگاہ (فورا) ہٹالوں''۔ (مسلم)

تشریح: ''الفجاءة'': فاء کے ضمہ اور مد کے ساتھ ہے' اور فاء کے فتحہ اور جیم کے سکون کے ساتھ بھی ہے، جیسا کہ نہایہ

میں ہے۔ اور یہ (فجاءة) بغتةً کے معنیٰ میں ہے۔ زین العرب فرماتے ہیں کہ فجاءة، ضمہ اور مد کے ساتھ، اور فجأة، اس وقت کہتے ہیں جب بغیر تقدم سبب کے ناگہاں آ پڑے۔ اور بعض نے اس کو صیغہ ''مرة'' کے ساتھ مقید کیا ہے۔

یعنی آپؐ نے مجھے حکم دیا کہ میں دوبارہ نہ دیکھوں کیونکہ پہلی نظر جو بلا قصد وارادہ ہو وہ معاف ہے، پس اگر وہ نظر کو جمائے رکھے تو گناہ گار ہوگا۔ چنانچہ قرآن کریم کی اس آیت میں بھی یہی حکم ہے: ﴿قل للمؤمنين يغضوا من ابصارهم﴾ [النور: ۳۰] (آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچی رکھیں)۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں دلیل ہے کہ عورت کیلئے چہرہ ڈھانکنا واجب نہیں ہے بلکہ یہ اس کیلئے سنت اور مستحب ہے۔ اور مردوں پر ہر حال میں اپنی نگاہیں عورتوں سے جھکانا واجب ہے، مگر کسی صحیح شرعی مقصود کے وقت دیکھنا درست ہے۔

صحبتِ غلط کی خواہش کا علاج

۳۱۰۵: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَرْاَةَ تُقْبِلُ فِيْ صُوْرَةِ شَيْطَانٍ وَتُدْبِرُ فِيْ صُوْرَةِ شَيْطَانٍ اِذَا اَحَدُكُمْ اَعْجَبَتْهُ الْمَرْاَةُ فَوَقَعَتْ فِيْ قَلْبِهٖ فَلْيَعْمِدْ اِلٰى امْرَاَتِهٖ فَلْيُوَاقِعْهَا فَاِنَّ ذٰلِكَ يَرُدُّ مَا فِيْ نَفْسِهٖ۔ (رواه مسلم)

اخرجه فی صحیحه ۲/ ۱۰۲۱ الحدیث رقم (۹-۱۴۰۳) واحمد فی المسند ۳/ ۳۴۱۔

ترجمہ: ''اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: عورت شیطان کی شکل میں سامنے آتی ہے اور شیطان کی شکل میں واپس جاتی ہے۔ لہٰذا جب تم میں سے کسی کو کوئی (اجنبی) عورت اچھی معلوم ہو اور وہ اس کے دل میں گھر کر جائے تو اسے چاہئے کہ وہ فوراً اپنی بیوی کے پاس چلا جائے اور اس سے مباشرت کرلے کیونکہ یہ (مباشرت) اس چیز (یعنی جنسی خواہش) کو ختم کردے گی جو اس کے دل میں واقع ہوگئی ہے''۔ (مسلم)

تشریح: قوله: ان المرأة قبل...... فی صورة شیطان ''تدبر'': ادبار سے ہے۔

''تقبل'': اقبال سے ہے۔

''فلیعمد'': میم کے کسرہ کے ساتھ ہے بمعنیٰ ''یقصد''۔

''یرد ما فی نفسه'': یائے مثناة تحتیہ کے ساتھ ''الرد'' سے ماخوذ ہے۔ صاحب نہایہ کہتے ہیں کہ باء کے ساتھ ہے یعنی ''برد'' ہے ''البرد'' سے۔ (اس کو ذکر کیا ہے سیوطی نے)۔

ابن الملک رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''یرد'' یاء کے ساتھ صیغہ مضارع ہے، الرد سے۔ اور باء کے ساتھ بھی روایت کیا گیا ہے صیغہ ماضی کے ساتھ تبرید سے۔ اور مشہور پہلی روایت ہے۔

قولہ :اذا احدکم اعجبتہ......:

"احدکم": منصوب ہے قول مختار کے مطابق اور رفع کے ساتھ بھی جائز ہے۔

"اعجبتہ المرأۃ": تقدیری عبارت یوں ہے:اذا اعجبت احدکم المرأۃ،اور فعل مذکور اس کی تفسیر ہے۔

ابوداؤد اور احمد نے اس کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

"فاذا رأی احدکم امرأۃ فأعجبتہ فلیأت اھلہ فان ذلک یرد ما فی نفسہ"۔

"فی صورۃ شیطان": عورت کو شیطان کے ساتھ تشبیہ دی ہے بڑے وسوسوں اور گمراہ کرنے والے خیالات کی صفت میں چونکہ عورت کو دیکھنا ہر جہت سے فساد کو دعوت دیتا ہے۔"اعجبتہ": یعنی اس کو اچھی لگے اس لئے کہ متعجب منہ کی رؤیت کی انتہاء اچھا اور عظیم لگتا ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علماء اس حدیث کا مطلب یہ بیان فرماتے ہیں کہ یہ اشارہ خواہشات اور فتنہ کی طرف دعوت دینے والی چیز کی طرف جو اللہ پاک نے مردوں کے دلوں میں رکھی ہے بسبب عورتوں کی طرف میلان اور ان کی طرف نظر لذت کے حاصل کرنے کے ساتھ اور حواس کے ساتھ متعلق ہے۔پس شر کی طرف دعوت دینے میں عورت شیطان کے مشابہ ہے۔

فوائد حدیث:

① اس سے یہ مسئلہ اخذ کیا ہے کہ عورت کو تو یہ چاہئے کہ وہ بلا ضرور گھر سے باہر نہ نکلے۔

② اگر کسی ضرورت کے تحت نکلے تو لباس فاخرہ پہن کر مت نکلے

③ مرد کو چاہئے کہ وہ عورت کی طرف نہ دیکھے اور نہ اس کے کپڑوں کی طرف نظر کرے۔

④ اس حدیث سے یہ مسئلہ بھی اخذ کیا جاتا ہے کہ اس بات میں کوئی مضائقہ نہیں ہے کہ مرد اپنی بیوی کو مباشرت کیلئے دن میں اپنے پاس بلائے،اگر چہ بیوی کسی ایسے کام میں مشغول ہو،جس کو اس وقت چھوڑ دینا ممکن نہ ہو۔کیونکہ بسا اوقات مرد پر جنسی ہیجان کا غلبہ ہوتا ہے۔مباشرت میں تاخیر اس کے بدن یا دل کی تکلیف کا باعث بن سکتی ہے۔

الفصل الثانی:

نکاح سے پہلے منکوحہ کو دیکھنے کی اجازت

۳۱۰۶:وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا خَطَبَ اَحَدُكُمُ الْمَرْاَةَ فَاِنِ اسْتَطَاعَ اَنْ يَّنْظُرَ اِلٰى مَا يَدْعُوْهُ اِلٰى نِكَاحِهَا فَلْيَفْعَلْ. (رواہ ابوداود)

اخرجہ ابو داؤد فی السنن ۲/۵۶۵ الحدیث رقم ۲۰۸۲

ترجمہ:"حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:"جب تم میں سے کوئی شخص کسی عورت کو نکاح کا پیغام بھیجے تو اگر وہ اس (عورت کے ان اعضاء) کو دیکھنے پر قادر ہو جو اس کے ساتھ نکاح کی رغبت

دلاتے ہیں (یعنی ہاتھ اور چہرہ وغیرہ) تو اسے چاہیے کہ (اس عورت کو) ایک نظر دیکھ لے"۔ (ابوداؤد)

تشریح: خطبة": خاء کے کسرہ کے ساتھ۔ نکاح کے معاملہ کے مقدمات کلام کو کہا جاتا ہے اور" خطبة" خاء کے ضمہ کے ساتھ "عقد" کو کہا جاتا ہے۔

منسوبہ کو نکاح کا پیغام بھیجنے سے پہلے ایک نظر دیکھ لینا مستحب ہے کیونکہ یہ تحصیل نکاح کا سبب ہے، اور نکاح سنت مؤکدہ ہے۔ اور بدکاری سے بچنا جو نکاح سے مطلوب ہے وہ بغیر منکوحہ میں رغبت کے حاصل نہیں ہوسکتا۔ اور حسن و جمال کی وجہ سے عورت کے ساتھ نکاح کرنے سے جو نہی ہے وہ اس وقت ہے جب مقصود محض حسن و جمال ہو۔ (اس کو ابن الملک نے ذکر کیا ہے۔) اور اس سے یہ معلوم ہوا کہ حسن کا قصد وارادہ مباح ہے اور نہی خلافِ اولیٰ پر محمول ہے۔ اس لئے کہ بہتر یہ ہے کہ مباح سے مقصود اچھی نیت ہوتا کہ وہ عبادت بن جائے۔

امام طیبی فرماتے ہیں کہ نکاح کی طرف رغبت دلانے والی چیز مال، حسب، جمال یا دین ہے۔ پس جس کی غرض جمال ہو تو اس نے جس عضو کی طرف دیکھنے کا ارادہ کیا ہے تو اس کے بارے میں غور کر لے اس طور پر کہ یا تو اس کی طرف دیکھنے میں اپنے نفس پر اکتفاء کر لے یا کسی کو بھیجے جو اس کے سامنے اس کے اوصاف بیان کر لے۔ اور استطاعت کا مطلب یہی ہے۔

اور یہ بھی ممکن ہے کہ داعی کو کسر شہوت اور غیر محارم سے نگاہ نیچے کرنے پر محمول کیا جائے، تو اس وقت حسن و جمال اس کا مطلوب ہوگا۔ اس لئے کہ اسی کے ذریعے گناہ سے بچا جا سکتا ہے اور طبیعت عام طور پر بدصورت پر اکتفاء نہیں کرتی۔ اور کیسے اکتفاء کر سکتی ہے جبکہ عام طور پر حسن اخلاق، اور حسن خلق جدا نہیں ہوتے۔ اور یہ جو روایت کیا گیا ہے کہ کسی عورت سے اس کے حسن و جمال کی وجہ سے نکاح نہ کیا جائے، تو یہ رعایت جمال سے ممانعت مقصود نہیں ہے، بلکہ وہ ممانعت تب ہے جب نکاح سے مقصود محض حسن و جمال ہو اور اس میں دین کا نقصان بھی ہو۔

تخریج: اس حدیث کو امام احمد، اور طبرانی نے سند حسن کے ساتھ ابوحمید ساعدی سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

"اذا خطب احدکم المرأة فلا جناح علیه ان ینظر الیها اذا کان انما ینظر الیها لخطبته وان کانت لا تعلم"۔

پیغامِ نکاح سے پہلے دیکھنا مناسب ہے

۳۱۰۷: وَعَنِ الْمُغِيرَةِ بْنِ شُعْبَةَ قَالَ خَطَبْتُ امْرَأَةً فَقَالَ لِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ نَظَرْتَ إِلَيْهَا قُلْتُ لَا قَالَ فَانْظُرْ إِلَيْهَا فَإِنَّهُ أَحْرٰى أَنْ يُؤْدَمَ بَيْنَكُمَا۔

(رواه احمد والترمذی والنسائی وابن ماجة والدارمی)

اخرجه الترمذی فی السنن ۳/۳۹۷ الحدیث رقم ۱۰۸۷ والنسائی فی ۶/۶۹ الحدیث رقم ۳۲۳۵ وابن ماجه فی ۱/۵۹۹ الحدیث رقم ۱۸۶۵ والدارمی فی ۲/۱۸۰ الحدیث رقم ۲۱۷۲ واحمد فی المسند ۴/۲۴۶۔

ترجمہ: "اور حضرت مغیرہ بن شعبہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ایک عورت کو نکاح کا پیغام بھیجا تو رسول

اللہ ﷺ نے مجھ سے فرمایا: ''کیا تم نے اس عورت کو دیکھا ہے؟'' میں نے عرض کیا کہ ''نہیں''۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم اس عورت کو ایک نظر دیکھ لو کیونکہ دیکھ لینا بہت مناسب و بہتر ہے تا کہ تم دونوں کے درمیان الف و محبت ڈال دی جائے۔'' (احمد، ترمذی، نسائی، سنن ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: ''ان یودم'': ابن الملک فرماتے ہیں کہ عرب کہتے ہیں ادم اللّٰہ بینکما یأدم، أدمًا، سکون کے ساتھ۔ ای اصلح وألف اور اسی طرح ''آدم'' ہے۔ فائق میں ہے کہ الأدم اور الایدام، اصلاح اور توفیق کے معنی میں ہے اور یہ ماخوذ ہے ''أدم الطعام'' سے یعنی کھانے کی اصلاح کرنا سالن کے ساتھ اور اس کو کھانے والے کے مزاج کے موافق بنانا۔

''أن یؤدم'': تقدیری عبارت ''یؤدم بہ'' ہے۔ جار اور مجرور کو فاعل کا قائم مقام بنایا اور پھر حذف کر دیا' یا متعدی بمنزلہ لازم کے کر دیا۔ تو تقدیر یوں ہوگی: یوقع الادم بینکما۔ بعض کہتے ہیں کہ بینکما نائب فاعل ہے جیسے اس آیت میں ہے: ﴿تقطع بینکم﴾ رفع کے ساتھ۔

فائدہ: منسوبہ کو دیکھنے کے بعد نکاح کیا جائے تو تو عام طور پر کوئی پچھتاوا نہیں ہوتا۔

وقتی وسوسے کا فوری علاج

۳۱۰۸: وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ رَأَى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ امْرَأَةً فَاَعْجَبَتْهُ فَاَتٰى سَوْدَةَ وَهِيَ تَصْنَعُ طِيْبًا وَعِنْدَهَا نِسَاءٌ فَاَخْلَيْنَهُ فَقَضٰى حَاجَتَهُ ثُمَّ قَالَ اَيُّمَا رَجُلٍ رَأَى امْرَأَةً تُعْجِبُهُ فَلْيَقُمْ اِلٰى اَهْلِهٖ فَاِنَّ مَعَهَا مِثْلَ الَّذِيْ مَعَهَا۔ (رواه الدارمی)

اخرجه الدارمی فی ۲/۱۹۶ الحدیث رقم ۲۲۱۵۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ نے ایک عورت کو (اچانک) دیکھا تو وہ آپ ﷺ کو اچھی لگی' چنانچہ آپ (فوراً) اُم المؤمنین حضرت سودہ رضی اللہ عنہ کے پاس تشریف لائے وہ اس وقت خوشبو تیار کر رہی تھیں اور چند عورتیں ان کے پاس بیٹھی ہوئی تھیں' ان عورتوں نے خلوت کر دی (یعنی حضرت سودہ رضی اللہ عنہ کے پاس سے اٹھ کر باہر آ گئیں) پھر آپ ﷺ نے (حضرت سودہؓ سے) اپنی ضرورت پوری فرمائی (یعنی حضرت سودہ رضی اللہ عنہ سے مجامعت فرمائی) اور فرمایا کہ ''جو مرد کسی ایسی عورت کو دیکھے جو اسے اچھی لگے تو اسے چاہئے کہ وہ (فوراً) اپنی بیوی کے پاس چلا جائے (اور اس سے مجامعت کر کے جنسی تسکین حاصل کر لے تا کہ اس کی جنسی خواہش پوری ہو جائے اور برے خیالات میں مبتلا ہونے کا اندیشہ نہ ہو) کیونکہ اس (کی بیوی) کے پاس بھی وہی چیز ہے جو اس عورت کے پاس ہے''۔ (دارمی)

تشریح: '' قولہ :وھی تضع طیبًا وعندھا نسآء'': یہ دونوں جملے حالیہ ہیں۔

یعنی جب کسی عورت پر نظر پڑ جائے تو فوراً اپنی گھر والی کے پاس آ جائے اور اس سے جماع کر لے، تا کہ جنسی تسکین ہو جائے اور برے خیالات ختم ہو جائیں۔ اس لئے کہ اس کے پاس اسی طرح کی شرمگاہ ہے جو اس عورت کے پاس ہے۔

امام طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ مراد یہ ہے کہ اس نظر کا مقصود یہ فعل ہے لیکن اس غایت اور مقصد میں تفاوت اللہ کی ناراضگی کا سبب بن جاتا ہے۔ اور یہ اس کے برخلاف ہے۔ اور آپ کا یہ فعل عورتوں کے سامنے ان کے اور ان کے شوہروں کیلئے راہنمائی کے طور پر تھا کہ ایسی صورتحال میں ان کو چاہئے کہ اس طرح کریں۔

عورت ستر ہے

۳۱۰۹: وَعَنْهُ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمَرْأَةُ عَوْرَةٌ فَإِذَا خَرَجَتْ اِسْتَشْرَفَهَا الشَّيْطَانُ.

(رواہ الترمذی)

اخرجه الترمذی فی السنن ۳/۴۷۶ الحديث رقم ۱۱۷۳۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''عورت پردہ (میں رہنے کی چیز) ہے' چنانچہ جب وہ (اپنے پردہ سے باہر) نکلتی ہے تو شیطان اس کو (مردوں کی نظر میں) خوبصورت کر کے دکھاتا ہے''۔ (ترمذی)

تشریح: '' قوله استشرفها الشيطان'':

یعنی مردوں کی نظر میں اس کو مزین کر دیتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ اس کا معنیٰ ہے کہ اس کی طرف دیکھتا ہے تا کہ اس کو گمراہ کر دے اور اس کے ذریعے کسی کو گمراہ کر دے۔ اور اصل میں ''استشراف'' کہتے ہیں کسی شئے کی طرف دیکھنے کیلئے نگاہ اٹھانا اور آبرو کے اوپر ہتھیلی کا سائبان بنانا۔

''العورة'': شرمگاہ کو کہتے ہیں اور ہر اس چیز کو کہتے ہیں جس کے ظاہر کرنے سے حیاء آتی ہے۔

بعض کہتے ہیں کہ تقدیری عبارت یوں ہے ''المرأة ذات عورة''۔

یعنی عورت کا پردے سے نکلنا بہت قبیح حرکت ہے اور جب یہ نکلتی ہے تو شیطان نظریں اس کی طرف متوجہ کر دیتا ہے تا کہ اس کو کسی ذریعے سے گمراہ کر دے اور کسی کو اس کے ذریعے سے گمراہ کر دے۔ پس دونوں کو یا کسی ایک کو فتنہ میں ڈال دیتا ہے۔ یا شیطان سے مراد انسانی شیطان ہے، یعنی اہل فسق یعنی جب وہ عورت کو دیکھ لیتے ہیں تو نگاہیں اس کی طرف متوجہ کر دیتے ہیں بوجہ اس شر کے جو شیطان نے ان کے نفسوں میں پھیلایا ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ پردے سے نکلنے کے بعد شیطان اس کو دیکھ لیتا ہے نکلنے کی وجہ سے۔ یہ ''خبیثات'' میں سے ہو جاتی ہے حالانکہ وہ طیبات'' میں سے تھی۔

دوبارہ نظر کی ممانعت

۳۱۱۰: وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِعَلِيٍّ يَا عَلِيُّ لَا تُتْبِعُ النَّظْرَةَ النَّظْرَةَ فَإِنَّ لَكَ الْأُوْلٰى وَلَيْسَتْ لَكَ الْآخِرَةُ. (رواہ احمد والترمذی وابوداود)

اخرجه ابو داوٗد فی السنن ۲/ ۶۱۰ الحدیث رقم ۲۱۴۹ والترمذی فی ۵/ ۹۴ الحدیث رقم ۲۷۷۷ والدارمی فی ۲/ ۳۸۶ الحدیث رقم ۲۷۰۹ واحمد فی المسند ۵/ ۳۵۳۔

ترجمہ: ''اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا: ''اے علی! ایک نگاہ کے بعد دوبارہ نگاہ نہ ڈالو (یعنی اگر کسی عورت پر اچانک نظر پڑ جائے تو پھر اس کے بعد دوبارہ اس کی طرف نگاہ نہ کرو) کیونکہ تمہارے لئے پہلی نگاہ تو جائز ہے (جبکہ اس میں قصد وارادہ کو قطعاً دخل نہ ہو) مگر دوسری نگاہ جائز نہیں ہے''۔ (احمد ترمذی ابوداؤد داری)

تشریح: ''لا تتبع'': اتباع سے ہے، بمعنی پیچھا کرنا۔

پہلی نظر جو بغیر قصد وارادہ کے ہو، وہ تو جائز ہے، لیکن اس کے بعد دوسری نظر جو انسان کے اختیار میں ہے وہ ناجائز ہے۔ امام طیبی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ پہلی نظر نافع ہے جیسا کہ دوسری نظر مضر ہے، اس لئے کہ دیکھنے والا جب اپنی نظر کی لگام کو روکتا ہے اور دوسری مرتبہ نظر نہیں کرتا تو اس کو اجر دیا جاتا ہے۔

کسی اور سے باندی کا نکاح کر دینے سے وہ مالک کے لئے حرام ہو جاتی ہے

۳۱۱۱: وَعَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا زَوَّجَ اَحَدُكُمْ عَبْدَهٗ اَمَتَهٗ فَلَا يَنْظُرَنَّ اِلٰى عَوْرَتِهَا (وَفِيْ رِوَايَةٍ) فَلَا يَنْظُرَنَّ اِلٰى مَا دُوْنَ السُّرَّةِ وَفَوْقَ الرُّكْبَةِ۔ (رواہ ابوداود)

اخرجه ابو داوٗد فی السنن ٤/ ۳٦۲ الحدیث رقم ٤۱۱۳ واحمد فی المسند ۲/ ۱۸۷۔

ترجمہ: ''اور عمرو بن شعیبؒ اپنے والد سے اور وہ دادا سے نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب تم میں سے کوئی شخص اپنے غلام کا نکاح اپنی باندی سے کر دے تو پھر اس لونڈی کے ستر (شرمگاہ) کو نہ دیکھے (کیونکہ نکاح کے بعد وہ اپنے آقا کے لئے حرام ہو جاتی ہے) اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ ''تو وہ (اس باندی کے جسم کے) اس حصہ کو نہ دیکھے جو زیر ناف اور زانو کے اوپر ہے''۔ (ابوداؤد)

تشریح: قولہ: اذا زوج احدکم ...... الی عورتھا:

جب اپنے غلام کے ساتھ نکاح کر دینے کا یہ حکم ہے، تو پھر کسی دوسرے کے غلام کے ساتھ نکاح کر دینے کی صورت میں یہ حکم بطریق اولیٰ ہوگا۔ پس اس کی شرم گاہ کی طرف دیکھنا منع ہے۔ چہ جائیکہ وہ اس کو مس کرے اس لئے کہ وہ لونڈی اس پر حرام ہو گئی ہے۔

قولہ: ''فلا ینظرن الی ما دون السرۃ...... '': یہ ''عورۃ'' کی تفسیر ہے۔ ظاہر حدیث سے تو معلوم ہوتا ہے کہ ناف اور گھٹنہ دونوں ستر میں داخل نہیں ہے اور اسی طرح بعض احادیث میں واقع ہے: ''ما بین السرۃ و الرکبۃ'' یعنی ناف اور گھٹنے کے درمیان ستر ہے۔

"کتاب الرحمة فی اختلاف الامة" میں ذکر کیا ہے کہ علماء کا اتفاق ہے کہ مرد کی ناف ستر میں سے نہیں ہے اور گھٹنہ امام مالک، شافعی اور احمد رحمہم اللہ کے نزدیک "ستر" نہیں ہے۔ امام ابوحنیفہ اور بعض اصحاب شافعی فرماتے ہیں کہ گھٹنا "ستر" میں داخل نہیں ہے، باقی لونڈی کا "ستر" امام مالک اور شافعی فرماتے ہیں کہ مرد کے "ستر" کی طرح ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے پیٹ اور پیٹھ کو بھی "ستر" میں شمار کیا ہے۔

ران ستر ہے

۳۱۱۲: وَعَنْ جَرْهَدٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ الْفَخِذَ عَوْرَةٌ

(رواہ الترمذی وابوداود)

اخرجه البخاری تعلیقا ۱/۴۷۸ کتاب الصلاة باب ما یذکر فی الفخذ وابوداؤد فی السنن ۴/۳۰۳ الحدیث رقم ۴۰۱۴ والترمذی فی ۵/۱۰۲ الحدیث رقم ۲۷۹۵ واحمد فی المسند ۳/۴۷۸۔

ترجمہ: "اور حضرت جرہد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "کیا تم نہیں جانتے کہ ران ستر کا حصہ ہے (یعنی ران جسم کا وہ حصہ ہے جسے چھپانا ضروری ہے"۔ (ترمذی، ابوداؤد)

حالات راوی:

جرہد بن خویلد۔ یہ جرہد بن خویلد مدنی اسلمی ہیں۔ اہل صفہ میں ان کا شمار ہوتا ہے۔ ۶۱ھ میں ان کی وفات ہوئی۔ ان کے بیٹوں عبداللہ، عبدالرحمٰن، سلیمان اور مسلم نے ان سے روایت کی ہے۔

تشریح: "جرہد" میں جیم اور ہاء دونوں پر زبر ہے۔

قولہ: "اما علمت": اس میں ہمزہ استفہام انکاری ہے جو توبیخ کیلئے ہے یعنی یہ بتانے کیلئے ہے کہ یہ آنے والی بات ان باتوں میں سے ہے جس کا جاننا واجب ہے اس لئے کہ یہ ضروریات دین میں سے ہے۔

قولہ: "الفخذ عورة": یہ (حدیث) ان لوگوں کے خلاف حجت ہے جو کہتے ہیں کہ ران "ستر کا حصہ نہیں ہے۔ یہ امام مالک اور احمد رحمہما اللہ سے بھی ایک روایت ہے۔

زندہ اور مردہ کا ستر ایک جیسا ہے

۳۱۱۳: وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَهٗ يَا عَلِيُّ لَا تُبْرِزْ فَخِذَكَ وَلَا تَنْظُرْ اِلٰى فَخِذِ حَيٍّ وَّلَا مَيِّتٍ (رواہ ابوداود وابن ماجة)

اخرجه ابوداؤد فی السنن ۳/۵۰۱ الحدیث رقم ۳۱۴۰ وابن ماجه فی ۱/۴۶۹ الحدیث رقم ۱۴۶۰ واحمد فی المسند ۱/۵۰۱

ترجمہ: ''اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے ارشاد فرمایا: ''اے علی! اپنی ران کو (لوگوں کے سامنے) مت ظاہر کرو اور نہ ہی کسی زندہ و مردہ شخص کی ران دیکھو''۔ (ابوداؤد' ابن ماجہ)

تشریح: ''لا تبرز'': ابراز سے ہے یعنی اس کو ظاہر نہ کرو۔

تخریج: اس حدیث کو امام حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔

۳۱۱۴: وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ جَحْشٍ قَالَ مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم عَلٰى مَعْمَرٍ وَفَخِذَاهُ مَكْشُوْفَتَانِ فَقَالَ يَا مَعْمَرُ غَطِّ فَخِذَيْكَ فَإِنَّ الْفَخِذَيْنِ عَوْرَةٌ

اخرجه احمد في المسند ٥/٢٩٠۔

ترجمہ: ''اور حضرت محمد بن جحش رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم حضرت معمر رضی اللہ عنہ کے پاس سے اس حال میں گزرے کہ ان کی دونوں رانیں کھلی ہوئی تھیں چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''اے معمر! اپنی دونوں رانوں کو ڈھانپو کیونکہ دونوں رانیں ستر کا حصہ ہیں''۔ (شرح السنۃ)

تشریح: قوله: ''وفخذاه مكشوفتان'': یہ جملہ حالیہ ہے۔

عام حالات میں بھی ستر کھولنے کی ممانعت

۳۱۱۵: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم إِيَّاكُمْ وَالتَّعَرِّيَ فَإِنَّ مَعَكُمْ مَنْ لَا يُفَارِقُكُمْ إِلَّا عِنْدَ الْغَائِطِ وَحِيْنَ يُفْضِ الرَّجُلُ إِلٰى أَهْلِهِ فَاسْتَحْيُوْهُمْ وَأَكْرِمُوْهُمْ۔ (رواه الترمذی)

اخرجه الترمذی فی السنن ٥/١٠٤ الحديث رقم ٢٨٠٠۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم برہنہ ہونے سے اجتناب کرو (اگرچہ تنہائی کیوں نہ ہو) کیونکہ تمہارے ساتھ وہ (فرشتے) ہیں جو تم سے کبھی جدا نہیں ہوتے' سوائے قضائے حاجت کے وقت اور اس وقت جب مرد اپنی بیوی کے پاس (مجامعت کے لئے) جاتا ہے لہٰذا تم ان (فرشتوں) سے شرم کرو اور ان کی تعظیم کرو''۔ (ترمذی)

تشریح: قوله اياكم والتری فان معكم ''من لا يفارقكم'': امام طیبی فرماتے ہیں کہ اس سے مراد حفاظت کرنے والے کراماً کاتبین فرشتے ہیں۔

مسئلہ فقہیہ: ابن الملک کہتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی ضرورت مثلاً مجامعت یا رفع حاجت وغیرہ کے علاوہ ستر کھولنا جائز نہیں ہے۔

کیا عورت مرد کو دیکھ سکتی ہے؟

۳۱۱۶: وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّهَا كَانَتْ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَمَيْمُوْنَةَ اِذْ اَقْبَلَ ابْنُ اُمِّ مَكْتُوْمٍ فَدَخَلَ عَلَيْهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْتَجِبَا مِنْهُ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ ﷺ اَلَيْسَ هُوَ اَعْمٰى لَا يُبْصِرُنَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفَعَمْيَاوَانِ اَنْتُمَا اَلَسْتُمَا تُبْصِرَانِهِ ۔ (رواه احمد والترمذی وابوداود)

اخرجه ابو داؤد فی المسند ٤/٣٦١ الحديث رقم ٤١١٢ والترمذی فی ٥/٩٤ الحديث رقم ٢٧٧٨ واحمد فی المسند ٦/٢٩٦

ترجمہ: ''اور حضرت اُمّ المؤمنین اُم سلمہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ (ایک مرتبہ) وہ اور اُم المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا رسول اللہ ﷺ کے پاس موجود تھیں کہ اچانک ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ (جو ایک نابینا صحابی تھے) آ گئے' رسول اللہ ﷺ نے (ابن اُم مکتوم رضی اللہ عنہ کو دیکھ کر ان دونوں ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے) فرمایا کہ ''تم دونوں ان سے پردہ کرو' ' اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ ﷺ کا یہ حکم سن کر) میں نے عرض کیا کہ ''کیا وہ نابینا نہیں ہیں وہ ہمیں نہیں دیکھ سکتے' رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا تم دونوں بھی نابینا ہو؟ کیا تم ان کو نہیں دیکھ رہی ہو؟ (یعنی اگر وہ نابینا ہیں تو تم تو نابینا نہیں ہو' ۔ (احمد' ترمذی' ابوداؤد)

تشریح: قوله : "انها كانت عند رسول اللّٰه وميمونة": '' ميمونة'' کے اعراب میں تین وجوہ ہیں:

① رفع کے ساتھ ہے ''كانت'' کی ضمیر مستتر پر عطف ہے۔ فاصل نے اس عطف کو جائز کر دیا ہے۔

② اس کو منصوب بھی روایت کیا گیا ہے کہ اس کا عطف ہو ''انّ'' کے اسم پر۔

③ مجرور بھی روایت کیا گیا ہے کہ اس کا عطف ہو'' رسول اللّٰه '' پر' (یہ وجوہ اعراب قاضی نے ذکر کیے ہیں۔)

امام طیبی فرماتے ہیں کہ زیادہ بہتر صورت یہ ہے کہ اس کا عطف اسم ''ان'' پر ہو' تاکہ اس سے معلوم ہو کہ آپ علیہ السلام حضرت امّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے گھر میں تھے اور میمونہ رضی اللہ عنہا ان کے پاس آئی تھیں' اس لئے کہ معطوف کی تاخیر اور درمیان میں فاصلہ لانا دلالت کرتا ہے پہلے کے اصل ہونے اور دوسرے کے تابع ہونے پر جیسے اس آیت میں ہے: ﴿وَاِذْ يَرْفَعُ اِبْرٰهٖمُ الْقَوَاعِدَ مِنَ الْبَيْتِ وَاِسْمٰعِيْلُ﴾ [البقرة : ١٢٧] ''اور ابراہیم اور اسماعیل بیت اللہ کی بنیادیں اونچی کر رہے تھے' 'یہاں معطوف علیہ اور معطوف کے درمیان فعل لایا گیا ہے تاکہ یہ دلالت کرے کہ اسماعیل'' رفع قواعد'' میں ابراہیمؑ کے تابع تھے۔ اگر بغیر فاصل کے عطف کرتے تو وہم شرکت کا ہوتا۔

ابن ام مکتومؓ یہ وہی صحابی ہیں جن کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿اَنْ جَآءَهُ الْاَعْمٰى﴾ [عبس: ٢] '' کہ انکے پاس ایک نابینا آیا''۔

قوله :احتجبي امنه......

''عمیاوان'': تثنیہ ہے''عمیآء'' کا جو مؤنث ہے''اعمٰی'' کا۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس روایت سے معلوم ہوا کہ عورت کا کسی اجنبی مرد کو مطلقاً دیکھنا حرام ہے۔ اور بعض حضرات نے اس کو خاص کیا ہے خوف فتنہ کے ساتھ تا کہ یہ حدیث اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول آپس میں جمع ہو جائیں: **كنت انظر الى الحبشه وهم يلعبون بحرابهم في المسجد**: ''میں حبشیوں کو دیکھ رہی تھی جب وہ مسجد میں نیزہ بازی کر رہے تھے''۔

جن حضرات نے مطلقاً حرام کہا ہے وہ کہتے ہیں کہ حبش کی طرف دیکھنے کا واقعہ پردے کا حکم نازل ہونے سے پہلے کا ہے، لیکن صحیح یہ ہے کہ عورت مرد کو بغیر جنسی خواہش کے دیکھ سکتی ہے' لیکن ناف سے زانوں تک کے حصہ پر نظر ڈالنا جائز نہیں ہے' اور یہ ارشاد گرامی ورع اور تقویٰ پر محمول ہے۔

سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا حبشیوں کو دیکھنا یہ ۹ھ کی بات ہے جبکہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر ۱۶ سال تھی اور پردہ کا حکم نازل ہو چکا تھا، پس اس سے عورت کے مرد کو دیکھنے کے جواز پر استدلال کیا جا سکتا ہے۔ (انتھی)۔

اس کی دلیل یہ بھی ہے کہ عورتیں رسول اللہ کے ساتھ مسجد میں نماز کیلئے حاضر ہوتی تھی، اور ان کی نظر کا مردوں پر پڑے بغیر کوئی چارہ کار نہ تھا، اگر یہ جائز نہ ہوتا تو ان کو مسجد اور عیدگاہ جانے کا حکم نہ دیا جاتا۔ اور اس وجہ سے بھی کہ عورتوں کو مردوں سے پردے کا حکم دیا ہے لیکن مردوں کو عورتوں سے پردہ کرنے کا حکم نہیں دیا ہے۔

امام طیبی فرماتے ہیں کہ ابو حامد نے سعید ابن مسیب سے نقل کیا ہے وہ فرماتے ہیں جب کہ اس وقت ان کی عمر ۸۴ سال کی تھی' ایک آنکھ کی بینائی ختم ہو چکی تھی اور دوسری کی کمزور تھی کہ میرے نزدیک عورتوں سے زیادہ خطرناک کوئی چیز نہیں ہے۔

اسنادی حیثیت:

عسقلانی فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی صحت میں اختلاف ہے۔

اللہ تعالیٰ حیاء کا زیادہ حقدار ہے

۳۱۱۷: وَعَنْ بَهْزِ بْنِ حَكِيْمٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ احْفَظْ عَوْرَتَكَ اِلَّا مِنْ زَوْجَتِكَ اَوْمَا مَلَكَتْ يَمِيْنُكَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَرَأَيْتَ اِذَا كَانَ الرَّجُلُ خَالِيًا قَالَ فَاللّٰهُ اَحَقُّ اَنْ يُّسْتَحْيٰ مِنْهُ۔ (رواه الترمذی وابوداود وابن ماجة)

اخرجه ابوداؤدفی السنن ٤/ ٣٠٤ الحديث رقم ٤٠١٧ والترمذی فی ٥/ ١٠٢ الحديث رقم ٢٧٩٤ وابن ماجه فی ١/ ٦١٨ الحديث رقم ١٩٢٠ واحمد فی المسند ٥/ ٣

ترجمہ: ''اور حضرت بہز ابن حکیمؒ اپنے والد مکرم (حضرت حکیمؒ) سے اور وہ بہز کے دادا (حضرت معاویہ بن حیدہ رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اپنی بیوی اور اپنی باندی کے علاوہ اپنے

ستر کی حفاظت کرو (یعنی ستر کو چھپا کر رکھو) (حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ) میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! مجھے بتائیے کہ آدمی جب خلوت (تنہائی) میں ہو؟ (تو کیا وہاں بھی اپنا ستر چھپائے رکھے؟) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ تعالیٰ زیادہ لائق تر ہے کہ اس سے حیاء کی جائے''۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: ما ملکت یمینك سے مراد لونڈیاں ہیں۔ یہ حدیث اس بات پر دلالت کر رہی ہے کہ ملک اور نکاح جانبین (یعنی مرد و عورت) کے لئے ایک دوسرے کے ستر کی طرف دیکھنے کو مباح قرار دیتے ہیں۔ اور یہ حدیث اس آیت سے اقتباس ہے:

﴿وَالَّذِينَ هُمْ لِفُرُوجِهِمْ حٰفِظُونَ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ فَاِنَّهُمْ غَيْرُ مَلُوْمِيْنَ﴾

[المؤمنون: ٥-٦]

''اور جو اپنی شرمگاہوں کو محفوظ رکھنے والے ہیں، لیکن اپنی بیبیوں سے یا اپنی لونڈیوں سے کیونکہ ان پر کوئی الزام نہیں۔''

لہٰذا اس سے معلوم ہوا کہ خلوت میں بھی ستر کو چھپائے رکھنا ضروری ہے، ہاں کسی ضرورت کے بناء پر کھولنا جائز ہے۔

تخریج: الجامع الصغیر میں ہے کہ اس حدیث کو امام احمد، اصحاب کتب اربعہ، بیہقی اور حاکم نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: ''احفظ عورتك الا من زوجتك او ما ملكت يمينك، قيل: اذا كان القوم بعضهم في بعض، قال: ان استطعت ان لا يرينها احد فلا يرينها قيل: اذا كان احدنا خاليا قال: الله احق ان يستحي منه من الناس''۔

۳۱۱۸: وَعَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم قَالَ لَا يَخْلُوَنَّ رَجُلٌ بِامْرَأَةٍ اِلَّا كَانَ ثَالِثَهُمَا الشَّيْطَانُ۔ (رواه الترمذی)

اخرجه الترمذی فی السنن ٣/٤٧٤ الحديث رقم ١١٧١ واحمد فی المسند ١/٢٦

ترجمہ: ''اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب بھی کوئی مرد کسی اجنبی عورت کے ساتھ تنہائی میں ہوتا ہے تو ان دونوں میں کا تیسرا شیطان ہوتا ہے''۔ (ترمذی)

تشریح: ''عن النبی'': ایک صحیح نسخہ میں ''ان النبی'' ہے۔

قوله لا يخلون رجل بامراة:

''الا كان ثالثهما الشيطان'': پہلے (یعنی ثالثهما) کے رفع اور دوسرے (یعنی الشیطان) کے نصب کے ساتھ ہے اور اس کا عکس بھی جائز ہے۔ اور یہ استثناء مفرغ ہے۔

امام طیبی فرماتے ہیں کہ ''لا یخلون'' جواب قسم ہے اور اس کی تائید استثناء سے ہوتی ہے، اس لئے کہ استثناء اس کے نہی ہونے سے مانع ہے۔ اور تقدیری عبارت یوں ہے: ''لا يخلون رجل بامراة كائنين على حال من الاحوال الا على هذه الحالة''۔

مطلب یہ ہے کہ شیطان ان دونوں کے جنسی جذبات کو برانگیختہ کرتا رہتا ہے، یہاں تک کہ ان کو بدکاری میں مبتلا کر دیتا

ہے۔اس حدیث میں کسی اجنبیہ عورت کے ساتھ خلوت میں خلوت اختیار کرنے پر بہت بڑی تنبیہ ہے۔

شیطان کا رگ و پے میں سرایت کرنا

۳۱۱۹: وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تَلِجُوْا عَلَى الْمُغِيْبَاتِ فَإِنَّ الشَّيْطَانَ يَجْرِيْ مِنْ اَحَدِكُمْ مَجْرَى الدَّمِ قُلْنَا وَمِنْكَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ وَمِنِّي وَلٰكِنَّ اللّٰهَ اَعَانَنِيْ عَلَيْهِ فَاَسْلَمَ۔ (رواہ الترمذی)

اخرجه الترمذی فی السنن ۳/ ٤٧٥ الحديث رقم ۱۱۷۲ واحمد فی المسند ۳/ ۳۰۹۔

ترجمہ: ''اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ان (اجنبی) عورتوں کے پاس (تنہائی میں) نہ جاؤ جن کے خاوند موجود نہ ہوں کیونکہ شیطان تمہارے (جسموں) میں ایسے دوڑتا ہے جیسے (رگوں میں) خون دوڑتا ہے (یعنی شیطان کا بہکاوا اور اس کا تصرف انسان کے تمام رگ و پوست میں سرایت کرتا ہے) ہم نے عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ! کیا شیطان آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جسم میں بھی دوڑتا ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہاں! میرے جسم میں بھی دوڑتا ہے لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف میری مدد فرمائی چنانچہ وہ (میرا) مطیع ہو گیا میں (اس سے) محفوظ ہو گیا ہوں۔'' (ترمذی)

تشریح: قوله: لا تلجوا على المغيبات...... مجرى الدم۔

''تلجوا'': یہ ولوج سے ہے بمعنی لا تدخلوا مجری'' الام: میم کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

''فاسلم'': ماضی کا صیغہ ہے اور مضارع متکلم کا بھی ہے، دونوں روایتیں صحیح ہیں۔

''لكن الله'': ''لکن'' تشدید کے ساتھ بھی ہے اور تخفیف کے ساتھ بھی۔

''ومنك'': اور ایک صحیح نسخہ میں اس کے ساتھ ''یا رسول الله'' بھی ہے۔

اس روایت کی تشریح ''باب الوسوسۃ'' میں گزر چکی ہے۔

یعنی تمہارے اندر شیطان اس طرح دوڑتا ہے، جس طرح تمہاری رگوں میں خون دوڑتا ہے جو تمہیں نظر نہیں آتا۔

مالکہ کے لئے اپنے غلام حکم

۳۱۲۰: وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَتٰى فَاطِمَةَ بِعَبْدٍ قَدْ وَهَبَهٗ لَهَا وَعَلٰى فَاطِمَةَ ثَوْبٌ اِذَا قَنَّعَتْ بِهٖ رَاسَهَا لَمْ يَبْلُغْ رِجْلَيْهَا وَاِذَا غَطَّتْ بِهٖ رِجْلَيْهَا لَمْ يَبْلُغْ رَأْسَهَا فَلَمَّا رَاٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا تَلْقٰى قَالَ اِنَّهٗ لَيْسَ عَلَيْكِ بَأْسٌ اِنَّمَا هُوَ اَبُوْكِ وَغُلَامُكِ۔ (رواہ ابوداود)

اخرجه ابو داؤد فی السنن ٤/ ۳۵۹ الحديث رقم ٤١٠٦۔

ترجمہ: ''اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس ایک غلام لے کر تشریف لائے۔ جس کو آپ ﷺ نے ان کو بطور ہبہ عطا فرمایا تھا اور حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کے جسم پر ایک ایسا (چھوٹا) کپڑا تھا کہ جب وہ اس سے اپنے سر کو ڈھانپتیں تو وہ ان کے پاؤں تک نہ پہنچتا (یعنی ان کے پاؤں کھلے رہ جاتے) اور جب اس سے اپنے پاؤں کو چھپاتیں تو وہ ان کے سر تک نہ پہنچتا' چنانچہ جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اس پریشانی میں دیکھا (کہ وہ شرم وحیا کی وجہ سے اپنے پورے جسم کو چھپانے کی غیر معمولی کوشش میں کامیاب نہیں ہو رہی ہیں) تو فرمایا کہ'' (فاطمہؓ اتنا کیوں پریشان ہوتی ہو' چہرہ نہ بھی چھپاؤ تو) اس میں تم پر کوئی گناہ نہیں ہے کیونکہ (جس سے تم اتنا شرما رہی ہو وہ کوئی غیر نہیں ہے بلکہ) وہ تمہارا باپ ہے اور دوسرا تمہارا غلام ہے''۔ (ابوداؤد)

تشریح: قوله :انه ليس عليك بأس ......

''قال انه'': ضمیر ''ضمیر شان'' ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ حدیث صریح ہے اس بات میں کہ اپنی محارم عورتوں کے ناف سے اوپر کے بدن کو دیکھنا جائز ہے اور یہ کہ کسی عورت کا غلام اس کا محرم ہوا کرتا ہے۔ امام شافعی یہی فرماتے ہیں ,اس میں امام ابوحنیفہ کا اختلاف ہے۔

ملا علی قاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا ان باتوں پر دلالت کرنا غیر صحیح ہے چہ جائیکہ صریح ہو۔ اور اس حدیث کا جواب یہ ہے کہ وہ غلام شاید نابالغ ہو، یا وہ مظنۂ شہوت نہ ہو۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ غلام اپنی آزاد مالکہ کی طرف دیکھنے میں جن کے درمیان کوئی رشتہ داری نہ ہو، اجنبی مرد کی طرح ہے کہ اس کے چہرے اور ہتھیلیوں کو دیکھ سکتا ہے' اور بدن کے ان حصوں کو نہیں دیکھ سکتا جن کو اجنبی مرد نہیں دیکھ سکتا، چاہے وہ غلام خصی ہو، یا غیر خصی ہو' جب وہ حد بلوغ کو پہنچ گیا ہو۔

''مجبوب'' جس کا مادہ منویہ خشک ہو چکا ہو، ہمارے بعض مشائخ نے عورتوں کے ساتھ اس کے اختلاط کو جائز قرار دیا ہے، لیکن اصح یہ ہے کہ اس کو اجازت نہ دی جائے اور اختلاط سے منع کیا جائے۔

غلام کو اپنی مالکہ کے پاس بغیر اجازت کے جانا جائز ہے' اجماعاً۔ امام شافعی کا ایک قول یہ ہے کہ غلام کے لئے اپنی مالکہ سے وہ سب کچھ مباح ہے جو محرم مرد کے لئے اپنی محارم عورتوں سے مباح ہے۔ (انتھی)

ممکن ہے کہ امام شافعی کا ماٰ خذ اس حدیث کے علاوہ ہو۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

الفصل الثالث:

مخنث کے گھروں میں آنے کی ممانعت

۳۱۲۱: عَنْ اُمِّ سَلَمَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم كَانَ عِنْدَهَا وَفِي الْبَيْتِ مُخَنَّثٌ فَقَالَ لِعَبْدِ اللّٰهِ

ابْنِ اَبِي اُمَيَّةَ اَخِيْ اُمِّ سَلَمَةَ يَا عَبْدَاللّٰهِ اِنْ فَتَحَ اللّٰهُ لَكُمْ غَدًا الطَّائِفَ فَاِنِّي اَدُلُّكَ عَلٰى ابْنَةِ غَيْلَانَ فَاِنَّهَا تُقْبِلُ بِاَرْبَعٍ وَتُدْبِرُ بِثَمَانٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَدْخُلَنَّ هٰؤُلَاءِ عَلَيْكُمْ.

(متفق عليه)

اخرجه البخاري في صحيحه الحديث رقم ٤٣٢٤ ومسلم في صحيحه ٤/١٧١٥ الحديث رقم (٣٢-٢١٨٠)

ترجمہ: ''اُم المؤمنین حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس تشریف فرما تھے اور گھر میں ایک مخنث (ہیجڑا) (بھی موجود) تھا اس نے حضرت عبداللہ بن امیہ رضی اللہ عنہ سے جو کہ حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کے بھائی تھے کہا کہ ''اے عبداللہ! اگر اللہ تعالیٰ نے کل آپ لوگوں کو طائف پر فتح بخشی تو میں آپ کو غیلان کی بیٹی دکھاؤں گا جو چار کے ساتھ آتی ہے (یعنی جب وہ آتی ہے تو اس کے پیٹ پر چار بل پڑتے ہیں) اور آٹھ کے ساتھ جاتی ہے (یعنی جب وہ جاتی ہے تو اس پر آٹھ بل پڑتے ہیں)''۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (جب اس مخنث کی یہ بات سنی تو) فرمایا کہ ''یہ مخنث تمہارے پاس نہ آیا کریں''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: ''مخنث'': نون کے کسرہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ پڑھا جاتا ہے لیکن زیادہ صحیح کسرہ کے ساتھ ہے جب کہ مشہور فتحہ کے ساتھ ہے جیسا کہ تہذیب الاسماء میں ہے۔

''غیلان'': غین کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

''لا یدخلن'': نون تاکید ثقلیہ کے ساتھ ہے۔

مخنث اس شخص کو کہا جاتا ہے جو عادات واطوار، بول چال، اور حرکات وسکنات میں عورتوں کے مشابہ ہو۔ یہ مشابہت کبھی تو خلقی طور پر ہوتی ہے اس میں کوئی گناہ نہیں ہے، اس لیے نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے پہلے ان کو گھروں میں داخل ہونے سے منع نہیں کیا۔ اور کبھی یہ مشابہت مصنوعی طور پر ہوتی ہے اور یہ شخص ملعون ہے' کیونکہ حدیث میں آیا ہے کہ ان عورتوں پر اللہ کی لعنت ہو جو مردوں کی مشابہت اختیار کرتی ہیں اور ان مردوں پر اللہ کی لعنت ہو جو عورتوں کی مشابہت اختیار کرتے ہیں۔

یہ مخنث پہلے ازواج مطہرات کے گھروں میں آیا جایا کرتا تھا، کیونکہ ازواج کا گمان یہ تھا کہ یہ خلقی طور پر جذبات نفسانی سے خالی ہے یعنی ''غیر اولی الاربة'' میں سے ہے۔ مگر جب آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی آنے والی بات سنی تو اندازہ ہوا کہ یہ مخنث ''اولی الاربۃ'' میں سے ہے۔ تو آپ نے اس کو گھروں میں جانے سے منع کر دیا۔ یا اس وجہ سے منع کر دیا کہ اس کے گھروں میں جانے سے فساد پیدا ہوتا ہے کہ وہ عورتوں کے اوصاف اجنبی مردوں کے سامنے بیان کرتا ہے۔

قوله : فإنها: ''تقبل باربع'': کیونکہ عام طور پر جس شخص کا جسم فربہ ہوتا ہے اس کے پیٹ پر چار شکنیں پڑی ہوتی ہیں جو سامنے سے چار ہی نظر آتی ہیں مگر پیچھے دیکھنے سے وہ آٹھ نظر آتی ہیں، بایں طور کہ ان چاروں شکنوں کے سرے دونوں پہلوؤں کی طرف نمایاں ہوتے ہیں۔ یہاں باربع وبثمان کہا ہے ''اربعة'' اور ''ثمانية'' نہیں کہا ہے اگرچہ ''طرف مذکر ہے اس لئے کہ اطراف مذکور نہیں ہیں۔ یہ اس قول کی طرح ہے: هذا الثوب سبع وثمانون، مراد اس سے اشبار (بالشت) لیتے ہیں، اور جیسا کہ حدیث میں ہے: ''من صام رمضان واتبعه بست من شوال''۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ اس مخنث کا نام "ھیت" تھا۔ ھاء کے کسرہ کے ساتھ ہے اور بعض کہتے ہیں "ھبن" تھا' نون اور باء کے ساتھ۔

قوله : فقال: "لعبد الله ابن ابی أمية اخی ام سلمة": اخی ام سلمة، یہ بدل ہے عبداللہ سے یا عطف بیان ہے۔

قوله: لايد خلن هولاء عليكم :امام طیبی فرماتے ہیں کہ دلالت کرتا ہے کہ مخنث وخصی اور مجبوب تینوں کیلئے گھروں میں جانا ممنوع ہے۔ هولاء سے جنس حاضر اور جو اس کے معنیٰ میں ہو اس کی طرف اشارہ ہے، اور صیغہ جمع کے ساتھ خطاب امہات المؤمنین کی تعظیم کی وجہ سے ہے۔

بلا ستر چلنے کی ممانعت

۳۱۲۲ :وَعَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ قَالَ حَمَلْتُ حَجَرًا ثَقِيلاً فَبَيْنَا اَنَا اَمْشِيْ سَقَطَ عَنِّي ثَوْبِي فَلَمْ اَسْتَطِعْ اَخْذَهُ فَرَانِي رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لِيْ خُذْ عَلَيْكَ ثَوْبَكَ وَلَا تَمْشُوْا عُرَاةً (رواه مسلم)

اخرجه مسلم فی صحيحه ١/٢٦٨ الحديث رقم (٧٨۔٣٤١)وابوداوٗد فی السنن ٤/٣٠٤ الحديث رقم ٤٠١٦۔

ترجمہ: "اور حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن اپنی کسی ضرورت کے تحت) میں نے ایک بڑا بھاری پتھر اٹھایا اور اسی دوران میں چل رہا تھا کہ (راستہ میں) میرا کپڑا (یعنی تہبند) میرے بدن سے گر پڑا (جس کی وجہ سے میرا ستر کھل گیا) مگر میں (بوجھ کی وجہ سے فوری طور پر) اسے (ستر کو چھپانے کے لئے) اٹھا نہ سکا اور اسی دوران رسول اللہ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے مجھے (برہنگی کی حالت میں) دیکھ لیا' چنانچہ آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے ارشاد فرمایا کہ (فوراً) اپنے اوپر کپڑا اوڑھ لو (اور ستر پوشی کرو) اور (پھر آپ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ نے یہ عام حکم دیا کہ) برہنہ حالت میں نہ چلا کرو"۔ (مسلم)

تشریح: مسور :میم کے کسرہ اور سین کے سکون کے ساتھ ہے۔

مخرمة :میم کے فتحہ' خاء کے سکون اور راء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

عراة :"عار" کی جمع ہے جیسے "قضاۃ" قاضی کی جمع ہے۔

ولا تمشوا عراة...... :عام خطاب فرمایا یہ بتلانے کے لئے کہ یہ حکم عام ہے۔ اور مشی یعنی چلنے کی قید واقعی ہے۔ یا اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ ننگے چلنا زیادہ قبیح ہے۔

کمالِ حیاء

۳۱۲۳: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ مَا نَظَرْتُ اَوْمَا رَأَيْتُ فَرْجَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَطُّ.

(رواه ابن ماجة)

اخرجه ابن ماجه في السنن ۱/۶۱۹ الحديث رقم ۱۹۲۲ واحمد في المسند ۶/۶۳۔

ترجمه: ''اور اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کا ستر کبھی نہیں دیکھا''۔

(ابن ماجہ)

تشریح: ان کا ایک دوسرے کی شرمگاہ کو نہ دیکھنا حیاء کی وجہ سے تھا۔

تخریج: اس روایت کو ترمذی نے شمائل میں ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:

''ما نظرت الى فرج رسول الله او قالت: ما رأيت فرج رسول الله صلى الله عليه وسلم''

تنبیہ: لفظ ''نظرت'' اور ''رأیت'' میں شک ہے نہ کہ ''قط'' میں شک ہے، بلکہ ظاہر یہ ہے کہ لفظ ''قط'' دونوں روایتوں میں ذکر کیا ہے اور ایک روایت میں ہے: ''ما رأيت منه ولا رأى منى''۔

تخریج: اس حدیث کو ترمذی نے باب الحیاء علیہ الصلوٰۃ والسلام میں ذکر کیا ہے۔

عبادت کا مزہ پانے والا

۳۱۲۴: وَعَنْ اَبِيْ اُمَامَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَا مِنْ مُسْلِمٍ يَنْظُرُ اِلٰى مَحَاسِنِ امْرَأَةٍ اَوَّلَ مَرَّةٍ ثُمَّ يَغُضُّ بَصَرَهٗ اِلَّا اَحْدَثَ اللّٰهُ لَهٗ عِبَادَةً يَجِدُ حَلَاوَتَهَا۔ (رواه احمد)

اخرجه احمد في المسند ۵/۲۶۴

ترجمه: ''اور حضرت ابوامامہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو مسلمان پہلی مرتبہ (بلا قصد و ارادہ) کسی عورت کے حسن و جمال کی طرف نگاہ ڈالتا ہے اور پھر وہ (فوراً) اپنی نگاہ کو جھکا لیتا ہے تو اللہ تعالیٰ اس کو ایک ایسی عبادت کی توفیق بخشے گا جس کی وہ شخص مٹھاس محسوس کرے گا''۔ (احمد)

تشریح: محاسن: ''حسن'' کی جمع ہے یا ''محسن'' کی جمع ہے، حسن والی جگہ کو کہتے ہیں۔

چونکہ اس شخص نے اپنے رب کے حکم کی موافقت میں اپنی نفسانی خواہش اور طبیعت کے خلاف کرنے کی کڑواہٹ برداشت کی، اس لئے یہ اس کی لذت دل میں پائے گا۔ امام طیبی فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے آپ علیہ السلام نے اس آیت کی طرف اشارہ کیا ہے: ﴿قُلْ لِّلْمُؤْمِنِيْنَ يَغُضُّوْا مِنْ اَبْصَارِهِمْ وَيَحْفَظُوْا فُرُوْجَهُمْ ۗ ذٰلِكَ اَزْكٰى لَهُمْ﴾ [النور: ۳۰] ''آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے کہ اپنی نگاہیں نیچے رکھیں اور اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کریں یہ ان کے لئے زیادہ صفائی کی بات ہے۔'' اس لئے

کہ ''زکاۃ'' کا معنی بڑھنا ہے' یا پاکی ہے اور پاکی کی نسبت بڑھنے کی طرف بھی ہوتی ہے۔ اور انسان میں اس سے کامل اور افضل بڑھنا کیا ہے کہ اللہ اس میں ایک ایسی صفت پیدا کر دے جس کی وجہ سے اس کو عبادت کی توفیق ہو اور اس عبادت کا کمال یہ ہے کہ عابد اس کی لذت دل میں پائے گا' جس سے اطاعت کی تھکاوٹ دور ہو جائے گی اور اطاعت کی مشکلات ختم ہو جائیں گی۔ یہ وہ مقام ہے جس کی طرف آپ علیہ السلام نے اپنے اس ارشاد گرامی میں اشارہ کیا ہے ''قرة عيني في الصلاة، وارحنا بها يا بلال ''۔ میری آنکھوں کی ٹھنڈک نماز میں ہے، اے بلال ہمیں راحت پہنچا اس کے ذریعے۔

تخریج: طبرانی نے اس روایت کو ان الفاظ کے ساتھ نقل کیا ہے:

''ما من مسلم ينظر الى امرأة أول رمقة ثم يغض بصره الا احدث الله تعالٰى له عباده يجد حلاوتها في قلبه''۔

نظر بازی کرنے والے پر اللہ عز و جل کی پھٹکار

۳۱۲۵: وَعَنِ الْحَسَنِ مُرْسَلاً قَالَ بَلَغَنِیْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَعَنَ اللّٰهُ النَّاظِرَ وَالْمَنْظُوْرَ اِلَيْهِ ۔ (رواه البيهقي في شعب الا يمان)

البيهقي في شعب الايمان ٦/١٦٢ الحديث رقم ٧٧٨٨

ترجمہ: ''اور حضرت حسن بصریؒ سے بطریق ارسال روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ مجھے (صحابہؓ سے) یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''(بلا عذر و اضطرار و ستر) دیکھنے والے پر اور دکھانے والے پر اللہ لعنت کرے۔'' (بیہقی)

تشریح: ''الناظر'' کے مفعول کو حذف کیا ہے ''تفخيم شأن'' کی وجہ سے تا کہ یہ ان تمام مواضع کو شامل ہو جائے جن کو دیکھنا جائز نہیں ہے۔

بَابُ الْوَلِيِّ فِي النِّكَاحِ وَاسْتِيْذَانِ الْمَرْأَةِ

نکاح کے ولی اور عورت سے نکاح کی اجازت لینے کا بیان

"استیذان" کا عطف ہے:" الولی" پر، نہایہ میں ہے: والوی المرأۃ ،عورت کے نکاح کے متولی اور ذمہ دار کو کہتے ہیں۔ ابن الہمام فرماتے ہیں کہ ولی کے لئے عاقل، بالغ، وارث ہونا ضروری ہے۔ چنانچہ اس قید سے نابالغ، پاگل، غلام، اور کافر کو مسلمہ پر ولایت حاصل نہ ہوگی۔

نکاح میں ولایت دو قسم پر ہے:

① ولایت مندوب ومستحب: وہ ولایت جو عاقلہ بالغہ پر حاصل ہو چکا ہے وہ باکرہ (کنواری) ہو یا ثیبہ ہو۔

② ولایت اجبار: ولایت جو صغیرہ یعنی نابالغہ پر حاصل ہو چکا ہے وہ باکرہ ہو یا ثیبہ ہو خواہ کبیرہ ہو معتوھہ ہو یا لونڈی ہو۔

الفصل الاول:

باکرہ بالغہ سے اجازت طلب کی جائے مگر......

۳۱۲۶: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تُنْكَحُ الْاَيِّمُ حَتّٰى تُسْتَأْمَرَ وَلَا تُنْكَحُ الْبِكْرُ حَتّٰى تُسْتَاْذَنَ قَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ وَكَيْفَ اِذْنُهَا قَالَ اَنْ تَسْكُتَ (متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۱۲/۳۳۹ الحدیث رقم ۶۹۶۸ ومسلم فی ۲/۱۰۳۶ الحدیث رقم (۶۴-۱۴۱۹) وابوداؤد فی السنن ۲/۵۷۳ الحدیث رقم ۲۰۹۲ والترمذی فی ۳/۴۱۵ الحدیث رقم ۱۱۰۷ والنسائی فی ۶/۸۶ الحدیث رقم ۳۲۶۷ وابن ماجه فی ۲/۶۰۱ الحدیث رقم ۱۱۸۷۱ والدارمی فی ۲/۱۸۶ الحدیث رقم ۲۱۸۶ واحمد فی المسند ۲/۲۵۰

ترجمه: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ایم (یعنی بیوہ بالغہ) کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس کا مشورہ طلب نہ کر لیا جائے' اسی طرح کنواری عورت (یعنی کنواری بالغہ) کا نکاح نہ کیا جائے جب تک کہ اس کی اجازت طلب نہ کر لی جائے (یہ سن کر) صحابہؓ نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ! اس (کنواری عورت) کی اجازت کیسے حاصل ہوگی؟ (کیونکہ کنواری عورت تو بہت شرم وحیا کرتی ہے) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا اس طرح کہ وہ خاموش رہے (یعنی کوئی کنواری عورت اپنے نکاح کی اجازت مانگے جانے پر اگر بسبب شرم وحیا زبان سے ہاں نہ کرے بلکہ خاموش رہے تو اس کی یہ خاموشی بھی اس کی اجازت تصور کی جائے گی"۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: قوله :لا تنکح الایمن حتی تستأمر :

"لا تنکح": صیغہ مجہول کے ساتھ ہے۔

"الایم": یائے مکسورہ کی تشدید کے ساتھ ہے، عورت جس کا شوہر نہ ہو چاہے وہ بڑی ہو یا چھوٹی ہو۔ یہ ابن (ملک نے کہا ہے۔) اور بظاہر یہاں اس سے مراد ثیبہ بالغہ ہے۔

"تستأمر": مبنی للمفعول ہے۔

یعنی اس سے صریح اجازت حاصل کی جائے۔ اس لئے کہ "استیمار" طلب امر کو کہتے ہیں۔ اور امر بغیر نطق کے نہیں ہوتا۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ روایت تقاضا کرتی ہے کہ وہ باکرہ جس کی بکارت زنا یا کودنے یا کسی اور وجہ سے زائل ہوگئی ہو تو اس کی اجازت میں نطق شرط ہے۔ اس لئے کہ وہ ثیبہ ہے اور الایم سے مراد ثیب ہے۔

لیکن امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک ایسا نہیں ہے اس لئے کہ ان کے نزدیک یہ باکرہ کے حکم میں ہے کہ اس کی خاموشی اس کی طرف سے اجازت ہے۔

اور اس حدیث کا یہ جواب دیا گیا ہے کہ یہ عام ہے اور اس سے مجنونہ، نابالغہ، اور لونڈی کو خاص کیا گیا ہے، تو اس سے وہ عورت بھی خاص ہوگئی جس کی بکارۃ نکاح کے بغیر زائل ہوگئی ہو۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ حدیث اپنے اطلاق کے ساتھ حجت ہے امام شافعی کیلئے' کہ ولی کے لئے ثیب صغیرہ کے نکاح پر اجبار جائز نہیں ہے۔ اجبار کا مطلب یہ ہے کہ وہ عقد نکاح کرلے اور اس کو نافذ کردے وہ چاہے یا نہ چاہے۔ حنفی علماء کے نزدیک ولایت کا مدار صغر پر ہے چاہے وہ کنواری ہو، یا بیوہ۔ اور امام شافعی کے نزدیک ولایت کا مدار بکارت پر ہے چاہے وہ عورت بالغہ ہو یا نابالغہ ہو۔

قولہ: ولا تنکح البکر حتی تستأذن:

مطلب یہ ہے کہ اس سے اجازت طلب کی جائے' اور دلیل یہ ہے **اذنها صماتها**، کہ اس کی اجازت اس کی خاموشی ہے۔ اور بعض حضرات کہتے ہیں کہ اجازت سے مراد اعلام ہے۔ اور یہ حدیث مطلق ہونے کی وجہ سے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی حجت ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے اس قول کے خلاف کہ باکرہ عاقلہ پر اجبار جائز نہیں ہے۔

قولہ: یا رسول اللہ کیف اذنها:

قال ان تسکت: علماء کا اختلاف ہے کہ کنواری کا سکوت اس کی اجازت کے قائم مقام ہے، یہ تمام اولیاء کے حق میں ہے یا صرف والد اور دادا کے حق میں، نہ کہ ان کے علاوہ کے حق میں' پہلے قول کی طرف اکثر علماء گئے ہیں، حدیث کے ظاہر کی بناء پر۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظاہر حدیث دلالت کرتا ہے اس بات پر کہ ولی کیلئے جائز نہیں ہے کہ وہ اپنی مولیہ (جو اس کے ولایت میں ہو) کا نکاح کرے بغیر اس کی اجازت حاصل کرنے اور اس سے رجوع کرنے اور اطلاع دینے کے کہ وہ س پر راضی ہے صریح اجازت کے ساتھ اگر وہ بیوہ ہے، یا سکوت کے ساتھ ہو اگر وہ کنواری ہے۔ اس لئے کہ کنواری عام طور پر یاء کی وجہ سے نکاح کا ارادہ ظاہر نہیں کرتی۔

اس کی تفصیل میں علماء کا اختلاف ہے۔

ثیب بالغہ کے بارے میں متفقہ طور پر تمام علماء کا کہنا ہے کہ اس کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے۔ اور ثیب صغیرہ کا نکاح اس کا والد اور دادا کرا سکتا ہے۔ اس کو اس حدیث سے خاص کیا ہے۔ اس روایت کی وجہ سے کہ جس میں ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کرایا اور یہ اس وقت نابالغہ تھیں۔ اور ان دو کے علاوہ میں علماء کا اختلاف ہے۔

ایم کو ولی سے زیادہ اپنے نفس پر حق حاصل ہے

٣١٢٧: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلْاَيِّمُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبِكْرُ تُسْتَأْذَنُ فِيْ نَفْسِهَا وَاِذْنُهَا صُمَاتُهَا (وَفِيْ رِوَايَةٍ) قَالَ الثَّيِّبُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبِكْرُ تُسْتَأْمَرُ وَاِذْنُهَا سُكُوْتُهَا (وَفِي رِوَايَةٍ) قَالَ اَلثَّيِّبُ اَحَقُّ بِنَفْسِهَا مِنْ وَلِيِّهَا وَالْبِكْرُ يَسْتَأْذِنُهَا اَبُوْهَا فِيْ نَفْسِهَا وَاِذْنُهَا صُمَاتُهَا۔ (رواہ مسلم)

اخرجه في صحيحه ٢/١٠٣٧ الحديث رقم (٦٦-١٤٢١) وابو داوٗد في السنن ٢/٥٧٧ الحديث رقم ٢٠٩٨ والترمذي في ٣/٤١٦ والحديث رقم ١١٠٨ والنسائي في ٦/٨٥ الحديث رقم ٣٢٦٥ وابن ماجه في ٢/٦٠١ الحديث رقم ١٨٧٠ والدارمي في ٢/١٨٦ الحديث رقم ٢١٩٠ ومالك في الموطأ ٢/٥٢٤ الحديث رقم ٤/من كتاب النكاح، واحمد في المسند ١/٢١٩

ترجمہ: ''اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ایم (یعنی وہ عورت جو بیوہ بالغہ اور عاقلہ ہو) اپنی ذات کے بارے میں اپنے ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے اور کنواری لڑکی (جو بالغ ہو) بھی اپنی ذات کے بارے میں حق رکھتی ہے کہ اس سے اجازت طلب کی جائے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے۔ (یعنی یہ ضروری نہیں ہے کہ وہ اپنی زبان سے اجازت دے بلکہ اس کی شرم و حیا کے پیش نظر اس کا خاموش رہنا ہی اس کی اجازت کے لئے کافی ہے)۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ثیب (یعنی بیوہ عورت) اپنی ذات کے بارے میں اپنے ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے اور کنواری لڑکی سے بھی (اس کے نکاح کی) اجازت طلب کی جائے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے۔ اور ایک روایت میں اس طرح ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ثیب اپنی ذات کے بارے میں اپنے ولی سے زیادہ حق رکھتی ہے اور کنواری لڑکی سے بھی اس کا باپ اس کے نکاح کے بارے میں اجازت طلب کرے اور اس کی اجازت اس کا خاموش رہنا ہے''۔ (مسلم)

تشریح: ''الایم'': ابن ہمام فرماتے ہیں کہ ''ایم'' سے مراد وہ عورت ہے جس کا شوہر نہ ہو خواہ وہ کنواری ہو خواہ وہ ثیبہ ہو۔ اھ لیکن اس کے باوجود بلوغ اور عقل کی قید ضروری ہے اگلے الفاظ حدیث کی بناء پر۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ کوفیین اور زفر کہتے ہیں کہ ''ایم'' سے مراد یہاں پر وہ عورت ~~ہے جس کا~~ شوہر نہ ہو چاہے کنواری ہو یا ثیبہ ہو جیسا کہ لغت کا تقاضا ہے۔

ہر بالغ عورت کو اپنے نکاح کا اختیار اپنے ولی سے زیادہ حاصل ہے اور اس کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ اپنا نکاح خود کر سکے۔ یہی شعبی اور زہری کا قول ہے۔ ولی صحت نکاح کے ارکان میں سے نہیں ہے بلکہ تمام نکاح کے ارکان میں سے بھی نہیں ہے۔

بنفسها میں دو احتمال ہیں

ایک یہ کہ وہ عقد نکاح وغیرہ میں ولی سے خود زیادہ اختیار رکھتی ہے جیسا کہ امام ابوحنیفہ اور داؤد رحمہما اللہ نے کہا ہے، دوسرا احتمال یہ ہے کہ وہ رضامندی کی زیادہ حقدار ہے، یہاں تک کہ اس کی اجازت کے بغیر اس کا نکاح نہیں کرایا جائے گا، بر خلاف کنواری کے۔ لیکن جب لا نکاح الا بولی اور اس طرح کی دیگر احادیث ثابت ہیں، جو ولی کے شرط ہونے پر دال ہیں تو احتمال ثانی متعین ہو گیا۔ پس جب یہ ثابت ہو گیا تو اب "احق" کا معنیٰ جو مشارکت کا تقاضا کرتا ہے یہ ہے کہ اس کو اپنے نکاح کا حق حاصل ہے اور اس کے ولی کو بھی اختیار حاصل ہے۔ اور لڑکی کا حق ولی کے حق سے زیادہ مؤکد ہے' اس لئے کہ اگر ولی اس کے کفو میں نکاح کرانے کا ارادہ کرلے اور لڑکی انکار کردے تو اس پر جبر نہیں کیا جائے گا۔ اور اگر وہ کفو میں نکاح کرنے کا ارادہ کرے اور ولی اس کو منع کرے تو ولی پر جبر کیا جائے گا۔ اور اگر ولی (اپنے منع کرنے پر) مصر رہے تو پھر قاضی لڑکی کا نکاح کرے گا۔

قوله والبكر تستأذن في نفسها واذنها اصماتها: یعنی کنواری کی صریح اجازت کی ضرورت نہیں ہے بلکہ اس کی خاموشی پر اکتفاء کیا جائے اس کی کثرت حیاء کی وجہ سے لیکن اس کی خاموشی کے رضا پر دلالت کرنے میں اس بات کا اعتبار ہوگا کہ اس کو شوہر کا نام اس طور پر ذکر کیا جائے کہ لڑکی اس کو پہچان لے مثلاً یوں کہے کہ میں فلاں سے تیرا نکاح کرنا چاہتا ہوں' یا عام بات کے ضمن میں ذکر کرے جیسے اپنے پڑوسیوں میں سے یا، اپنے چچازادوں میں سے' جب کہ وہ محدود و معروف ہوں، کیونکہ اس صورت میں اس کی خاموشی کے رضامندی پر دلالت کرنے کا کوئی معارض نہیں ہوگا، برخلاف اس صورت یہ کہ وہ کہے بنی تمیم میں سے کسی کے ساتھ نکاح کرنا چاہتا ہوں، یا کسی مرد سے نکاح کرانا چاہتا ہوں، کیونکہ اس کا نام نہ ہونے سے گمان کمزور ہو جاتا ہے۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اس حدیث: "احق بنفسها من وليها والبكر يستأمر ابوها في نفسها" سے استدلال کرتے ہوئے ثیب کو خاص کیا گیا ہے کہ وہ زیادہ اختیار والی ہے، اس سے معلوم ہوا کہ کنواری اپنے ولی سے زیادہ اختیار نہیں رکھتی۔ یہ بات بطور مفہوم مخالف کے معلوم ہوتی ہے اور مفہوم مخالف ہمارے نزدیک حجت نہیں ہے' اور اگر مان لیا جائے تو پھر مفہوم مخالف اس صریح بات کا معارض نہیں بن سکتا جو عنقریب آرہی ہے۔ اور اگر یہ بات مان بھی لی جائے تو حدیث کے باقی الفاظ مفہوم کے مخالف ہیں اور وہ یہ ہیں: "والبكر يستأمرها ابوها......" کیونکہ اجازت کا واجب ہونا جیسا کہ لفظ خبر سے معلوم ہوتا ہے، اجبار کے منافی ہے گویا کہ اس نے امر یا اجازت کو طلب کیا ہے اور اس کا ظاہری فائدہ صرف یہی ہے کہ اس کی رضا اور عدم رضا معلوم ہو جائے، تو اسی کے موافق عمل کیا جائے گا۔ یہ طلب اجازت کا ظاہری مطلب ہے اور اس کو مفہوم پر مقدم کرنا ضروری ہے اگر مفہوم اس کا معارض ہو۔

خلاصہ کلام یہ ہوا کہ ثیب کے لئے اپنے نکاح کا خود زیادہ اختیار والی ہونا ثابت ہے مطلقاً اور پھر اس جیسا حق کنواری

کے لئے ثابت ہے جیسا کہ اس سے اجازت لینے کا حق اس کے لئے ثابت کیا ہے زیادہ سے زیادہ یہ بات ہے کہ بیوہ اور کنواری میں سے ہر ایک کے لئے خود زیادہ اختیار والی ہونا ثابت ہے اس لفظ سے جوان کے ساتھ خاص ہے۔ گویا کہ یوں فرمایا: الثیب احق بنفسھا والبکر احق بنفسھا ایضا ، مگر یہ کہ کنواری کے زیادہ حقدار ہونے کو "استیمار" کے ضمن میں ثابت کیا ہے وجہ یہ ہے کہ عام طور پر کنواری کو خود نکاح کا پیغام نہیں دیا جاتا، بلکہ اس کے ولی کو دیا جاتا ہے، برخلاف بیوہ کے۔ پس جب حالت یہ ہے کہ وہ اپنے نکاح کی زیادہ حقدار ہے اور پیغام نکاح اس کے ولی کو دیا جاتا ہے تو اس سے اجازت لینے کے لازم ہونے کی تصریح کردی کہ پیغام نکاح دینے والے پر اس کے راضی ہونے سے پہلے اس کے نکاح کا فیصلہ نہ ہو گا۔

تخریج: اس حدیث کو امام مالک واحمد اور اصحاب سنن اربعہ نے بھی روایت کیا ہے۔ یہ الفاظ ابن عباس کے ہیں۔
لیس للولی مع الثیب أمر، والیتیمة تسأمر، وصمتها اقرارھا"۔

ثیبہ کا بلا اذن نکاح رد کر دیا گیا

۳۱۲۸: وَعَنْ خَنْسَاءَ بِنْتِ خِذَامٍ اَنَّ اَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ ثَيِّبٌ فَكَرِهَتْ ذٰلِكَ فَاَتَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَرَدَّ نِكَاحَهَا (رواہ البخاری وفی روایة ابن ماجة) نِكَاحَ اَبِيْهَا۔

اخرجه البخاری فی صحیحه ۹/۱۹۴ الحدیث رقم ۵۱۳۸ وابو داؤد فی السنن ۲/۵۷۹ الحدیث رقم ۲۱۰۱ والنسائی فی ۶/۷۶ الحدیث رقم ۳۲۶۸ وابن ماجه فی ۲/۶۰۲ الحدیث رقم ۱۸۷۳ والدارمی فی ۲/۱۸۷ الحدیث رقم ۲۱۹۲ واحمد فی المسند ۶/۳۲۸۔

ترجمہ: "اور حضرت خنساء بنت خذام رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ ان کے والد نے ان کا نکاح (ان کی اجازت حاصل کئے بغیر) کر دیا جب کہ وہ بیوہ (اور بالغہ) تھیں چنانچہ انہوں نے اس نکاح کو پسند نہ کیا اور رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں (اپنا معاملہ لے کر) حاضر ہوئیں' لہٰذا آپ ﷺ نے ان کا نکاح (جوان کے والد نے کروایا تھا کو) رد کر دیا"۔ (بخاری) اور ابن ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے ان کا نکاح جوان کے والد نے کیا تھا' رد کر دیا"۔

حالاتِ راوی:

خنساء بنت خذام۔ یہ "خنساء" خذام ابن خالد کی بیٹی ہیں۔ انصاریہ اسدیہ ہیں۔ ان کی حدیث مدینہ والوں میں مشہور ہے۔ ان سے ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم نے روایت کی ہے۔ "خنساء" میں خاء معجمہ پر فتحہ نون ساکن سین مہملہ اور مد ہے بروزن حمراء ہے۔ خذام میں خائے معجمہ مکسور اور ذال معجمہ بغیر تشدید کے ہے اور بعض محدثین نے دال مہملہ کے ساتھ صحیح بتایا ہے۔

تشریح: "فرد نکاحه": امام طیبی فرماتے ہیں کہ اسی طرح بخاری، حمیدی، دارمی، جامع الاصول اور مسند شافعی میں

ہے۔ اور مصابیح کے نسخوں میں "نکاحھا" ہے۔

"خنساء": خاء معجمہ کے فتحہ نون اور سین مہملہ کے ساتھ "حمراء" کے وزن پر ہے۔

" خذام": خاء کے کسرہ کے ساتھ ہے اور اس کے بعد ذال معجمہ ہے۔

قوله :ان أباها زوجها وهي ثيب......

جیسا کہ صحیح نسخوں میں ہے، اور یہ مؤلف کے اسماء الرجال کے موافق ہے۔ اور ایک صحیح نسخہ میں دال مہملہ کے ساتھ ہے۔ میرک فرماتے ہیں کہ جامع الاصول اور بخاری کی شرح کرمانی میں ذال معجمہ کے ساتھ صحیح قرار دیا ہے، اور عسقلانی نے ان دونوں کی مخالفت کرتے ہوئے دال مہملہ کے ساتھ صحیح قرار دیا ہے۔

فرد نكاحه :اس میں دلیل ہے کہ ثیبہ کا نکاح اس کی اجازت کے بغیر جائز نہیں ہے۔

امام طیبی فرماتے ہیں کہ باپ اور دادا کے لئے کنواری نابالغہ کا نکاح کروانا بالا جماع جائز ہے، اور (بلوغ کے بعد) اس کو اختیار حاصل نہیں ہے سوائے بعض عراقیوں کے اور ان دونوں کے علاوہ دیگر اولیاء کے لئے اس کا نکاح کرانا، امام شافعی اور مالک کے نزدیک جائز نہیں ہے، اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ جائز ہے اور (بعد البلوغ) اس کو اختیار ہوگا۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی نکاح کے وقت عمر

۳۱۲۹ :وَعَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم تَزَوَّجَهَا وَهِيَ بِنْتُ سَبْعِ سِنِيْنَ وَزُفَّتْ اِلَيْهِ وَهِيَ بِنْتُ تِسْعِ سِنِيْنَ وَلُعَبُهَا مَعَهَا وَمَاتَ عَنْهَا وَهِيَ بِنْتُ ثَمَانِيَ عَشَرَةَ (رواه مسلم)

اخرجه في صحيحه ٢/ ١٠٣٩ الحديث رقم (٧١ـ١٤٢٢)

ترجمہ: "اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے اس وقت نکاح کیا جب کہ ان کی عمر سات سال کی تھی اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہاں ان کی رخصتی ہوئی تو ان کی عمر نو سال کی تھی اور ان کے (کھیلنے کے لئے) کھلونے ان کے ساتھ تھے اور جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس دنیا سے تشریف لے گئے تو اس وقت ان کی عمر اٹھارہ سال تھی"۔ (مسلم)

تشریح: "وهي بنت سبع سنين": امام نووی فرماتے ہیں کہ اکثر روایات میں "بنت ست سنين" ہے۔ (لہٰذا تعارض ہوا کہ بوقت نکاح عمر سات سال تھی یا چھ سال تھی؟)

تطبیق کی صورت یہ ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی عمر چھ سال سے کچھ زائد تھی۔ پس ایک روایت میں صرف چھ پر اکتفاء کیا گیا ہے اور ایک روایت میں وہ سال بھی شمار کیا ہے جس میں داخل تھیں۔

قوله :وزفت اليه ...... ولعبها معها ـ

"زفت": مجہول کا صیغہ ہے "زفاف" سے ماخوذ ہے۔

"لعبها": لام کے ضمہ اور عین کے فتحہ کے ساتھ ہے، "لعبة" کی جمع ہے کھلونے کو کہتے ہیں۔

تور پشتی کہتے ہیں کہ "لعب بروزن رکب" جمع "لعبة" اور ہر کھلونے کو "لعبه" کہتے ہیں لام کے فتحہ کے ساتھ "لعبة" ایک مرتبہ کھیلنے کو کہتے ہیں۔ اور لام کے کسرہ کے ساتھ "لعبة" کھیلنے والے کی حالت جو کھیل کے وقت ہوتی ہے۔

"عشرة": شین کے سکون اور کسرہ دونوں کے ساتھ ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں کھلونوں سے مراد وہ گڑیاں ہیں جن سے چھوٹی بچیاں کھیلتی ہیں، یہاں مقصد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی صغرسنی پر تنبیہ ہے۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ گڑیاں بنانا جائز ہے اور بچیوں کا گڑیوں سے کھیلنا مباح ہے۔ اور ایک روایت میں ہے کہ آپ نے یہ سب دیکھا اور اس پر نکیر نہیں کی۔ اس کا سبب علماء نے یہ لکھا ہے کہ اس سے بچیاں اولاد کی پرورش اور گھر کی اصلاح اور انتظام کی تربیت حاصل کرتی ہیں (انتھی)۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ تصویر بنانے سے ممانعت والی احادیث سے اس کو خاص کیا گیا ہو۔ مصلحت مذکورہ کی وجہ سے، تاہم یہ بھی احتمال ہے کہ یہ واقعہ ابتداء ہجرت کا ہو تصویر کی تحریج سے پہلے کا ہو۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ ولی کے لئے نابالغ بچے اور بچی کا نکاح کرانا جائز ہے۔ دلیل یہ آیت ہے: ﴿واللائی لم یحضن﴾ اس آیت میں صغیرہ کے لئے عدۃ کو ثابت کیا گیا ہے جو فرع ہے اس کے نکاح کی تصور شرعی کی اس سے ابن شرمہ اور ابوبکر اصم کا اس کو منع قرار دینا بھی باطل ہو گیا۔ حضرت ابوبکر کا عائشہ رضی اللہ عنہا کا نکاح کرانا جب کہ وہ چھ سال کی بچی تھیں یہ ایسی نص ہے جو تواتر کے قریب ہے۔ قدامہ مطعون نے حضرت زبیر کی بیٹی سے اس کی ولادت کے دن نکاح کیا' صحابہ کی موجودگی میں' یہ نص ہے کہ صحابہ رضی اللہ عنہم حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے صغرسنی میں نکاح کو ان کی خصوصیت نہیں سمجھتے تھے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ مسلمانوں کا اجماع ہے کہ باپ کا اپنی نابالغ کنواری بیٹی کا نکاح کرانا جائز ہے۔ اور دلیل یہ حدیث ہے اور جب وہ لڑکی بالغ ہو جائے تو اس کو فسخ نکاح کا اختیار نہیں ہوگا۔ امام مالک' امام شافعی رحمہما اللہ اہل حجاز کے ہاں اور اہل عراق کے نزدیک بلوغ کے بعد اس کو اختیار حاصل ہوگا۔ اور باپ دادا کے علاوہ اولیاء کے لئے امام شافعی کے نزدیک صغیرہ باکرہ کا نکاح کرانا جائز نہیں ہے۔ امام اوزاعی، امام ابوحنیفہ اور دوسرے حضرات کے نزدیک تمام اولیاء کے لئے جائز ہے اور بعد البلوغ فسخ نکاح کا اختیار بھی ہوگا، سوائے امام ابو یوسف رحمہ اللہ کے کہ ان کے نزدیک اختیار نہ ہوگا۔

فائدہ: حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی وفات مدینہ میں ۵۷ ہجری کو ہوئی۔

الفصل الثانی:

حق ولایت

۳۱۳۰: عَنْ أَبِي مُوسٰى عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا نِكَاحَ إِلَّا بِوَلِيٍّ

(رواہ احمد و الترمذی و ابوداود و ابن ماجة و الدارمی)

اخرجه ابو داؤد فی السنن ٢/ ٥٦٨ الحديث رقم ٢٠٨٥ والترمذی فی ٣/ ٤٠٧ الحديث رقم ١١٠١ وابن ماجه فی ١/ ٦٠٥ الحديث رقم ١٨٨١ والدارمی فی ٢/ ١٨٥ الحديث رقم ٣١٨٣ واحمد فی المسند ٤/ ٣٩٤

ترجمه: ''حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ولی (کی اجازت) کے بغیر نکاح نہیں ہوتا''۔ (احمد' ترمذی' ابوداؤد' سنن ابن ماجہ' دارمی)

تشریح: ابن الملک فرماتے ہیں کہ امام شافعی اور امام احمد نے اس حدیث کے ظاہری الفاظ پر عمل کیا ہے، چنانچہ وہ کہتے ہیں کہ نکاح اسی وقت صحیح ہوتا ہے جب کہ ولی عقد کرے اور عورتوں کی عبارت سے نکاح منعقد نہیں ہوتا' عورت خواہ اصیلہ ہو خواہ وکیلہ ہو۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں اس سے مراد وہ نکاح ہے جو عقد ولی کے بغیر صحیح نہیں ہوتا' جیسے کمسن لڑکی اور دیوانی کا نکاح (کہ ان کے ولی کی اجازت کے بغیر نہیں ہوتا۔)

علامہ سیوطی کہتے ہیں کہ اس حدیث کو جمہور علماء نے نفی صحت پر اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ نے نفی کمال پر محمول کیا ہے۔ زین العرب کہتے ہیں کہ امام مالک کے نزدیک اگر عورت گھٹیا ہو تو اس کا اپنا نکاح از خود کرانا یا کسی کو اپنے نکاح کا وکیل بنانا جائز ہے، اور اگر عورت شریفہ ہو تو اس کے لئے ولی کی اجازت ضروری ہے۔

ابن الہمام فرماتے ہیں کہ اجازت ولی کے بارے میں ہمارے علماء کے سات اقوال ہیں۔ دو روایات امام ابوحنیفہؒ سے منقول ہیں کہ عاقلہ بالغہ کے لئے اپنا نکاح کرانا اور کسی کا نکاح کرانا مطلقاً جائز ہے مگر خلاف مستحب ہے، یہ ظاہر مذہب ہے۔ اور ایک روایت میں حسن نے امام صاحب سے نقل کیا ہے کہ اگر عورت نے نکاح کفو میں کیا ہے تو جائز ہے اور غیر کفو میں کیا ہے تو جائز نہیں ہے۔ اور فتوی کے لئے یہی قول مفتی بہ ہے، وجہ یہ ہے کہ بہت سے عقد ایسے ہوتے ہیں ہر ولی معاملہ کو عدالت میں لے جانے اور خصومت کی صلاحیت نہیں رکھتا' اور نہ ہر قاضی انصاف کا فیصلہ کرتا ہے' اور اگر ولی معاملہ کو اٹھانے کی صلاحیت بھی رکھتا ہو اور قاضی انصاف کا فیصلہ بھی کرتا ہو، تو پھر وہ نفقہ چھوڑ دیتا ہے خصومات کے بوجھ اور حکام کے دروازوں پر چکر لگانے اور نفس خصومات کو بوجھ سمجھنے کی وجہ سے۔ پس ضرر ہمیشہ کے لئے برقرار رہتا ہے لہٰذا یہ منع اس ضرر کو دفع کرنے کے لئے ہے۔ اور چاہیے کہ عدم صحت کے قول کا مفتی بہ ہونا مقید ہو، اولیاء کے زندہ ہونے کی قید کے ساتھ، اس لئے کہ عدم صحت کی جو وجہ بیان کی گئی وہ اولیاء کا ضرر ہے، باقی عورت نے اپنا حق غیر کفو میں نکاح پر رضامندی کی وجہ سے ساقط کر دیا ہے۔

ابن الہمام فرماتے ہیں کہ حدیث مذکور اور اس جیسی دوسری روایات اس حدیث کے معارض ہیں: ''**الايم احق بنفسها من وليها**'' (رواہ مسلم) **وابوداؤد والترمذی والنسائی ومالك فی المؤطا**) اور ایم کہتے ہیں جس کا شوہر نہ ہو خواہ کنواری ہو خواہ شادی شدہ ہو۔ طریقہ استدلال اس طرح ہے کہ اس حدیث میں ''احق'' کے ضمن میں عورت اور ولی میں سے ہر ایک کے لئے حق کو ثابت کیا ہے، اور یہ بھی معلوم ہے کہ ولی کو صرف عقد کرنے کا اختیار ہے جب وہ لڑکی راضی ہو' اور اس حدیث میں عورت کو عقد ولی سے زیادہ حقدار قرار دیا ہے۔ اب اس کے بعد یا تو اس حدیث اور ان کی پیش کردہ روایت کے درمیان معارضہ اور ترجیح کا حکم جاری ہوگا۔ یا جمع کا۔

پس پہلی صورت کے مطابق اس حدیث کو قوۃ سند اور صحت میں اختلاف نہ ہونے کی وجہ سے ترجیح دی جائے گی، برخلاف حدیث "لا نکاح الا بولی" کے کہ وہ ضعیف ہے' اس کی سند میں اضطراب ہے اور اس کے وصل وارسال میں اضطراب ہے۔
اور اس طرح حضرت عائشہؓ کی اگلی حدیث ہے جس کی سند یہ ہے عن ابن جریج عن سلیمان بن موسیٰ عن الزہری عن عروۃ عن عائشہ۔ زہری نے اس کو منکر قرار دیا ہے۔ طحاوی فرماتے ہیں کہ ابن جریج نے ذکر کیا ہے کہ انہوں نے ابن شہاب سے اس حدیث کے بارے میں پوچھا تو ان کو یہ معلوم نہ تھی۔ طحاوی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: حدثنا بذلك ابن ابی عمران' حدثنا یحیٰی بن معین عن ابن علیة عن ابن جریج بذلك۔
دوسری صورت جمع ہے تو اس کے عموم کو خصوص پر حمل کیا جائے گا' اور یہ طریقہ عام ہے' اس سے ابوی کی حدیث خاص ہو جائے گی' بعد اس کے کہ اس کو نفی کمال کے لئے لینا بھی جائز ہے' اور یہی حضرت عائشہؓ کے قول کا محل ہے، کہ عورت نہ ولی بن سکتی ہے
اور نہ نکاح کر سکتی ہے اور بیہقی کی روایت میں کہ ولی سے مراد وہ شخص لیا جائے جس کی اجازت پر نکاح موقوف ہے' یعنی نکاح جائز نہیں ہے مگر اس کی اجازت سے جس کو ولایت حاصل ہے، تا کہ اس سے کافر کا نکاح کرانا کسی مسلمان عورت کا اور اسی طرح دیوانی اور باندی اور غلام کے نکاح کی نفی ہو جائے گی، اس لئے کہ حدیث میں نکاح عام ہے مقید نہیں ہے۔ اور حدیث عائشہ رضی اللہ عنہا کو خاص کیا جائے گا اس عورت کے ساتھ جو غیر کفوء میں نکاح کر لے۔ اور باطل سے مراد معنیٰ حقیقی ہوگا ان لوگوں کے قول کے مطابق جو غیر کفوء میں نکاح کو جائز قرار نہیں دیتے۔ یا اس کا حکم مراد ہوگا ان کے قول کے مطابق جو غیر کفوء کے نکاح کو صحیح قرار دیتے ہیں، اور ولی کے لئے اس کے فسخ کرنے کے لئے حق خصومت ثابت کرتے ہیں، اور نصوص کے اطلاقات میں یہ تمام طریقے جائز ہیں بین الاحادیث معارضہ ختم کرنے کے لئے اس کا ارتکاب لازمی ہے باوجود یکہ یہ حدیث ان کے مذہب کے خلاف ہے، اس لئے کہ اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اگر وہ عورت ولی کی اجازت سے اپنا نکاح کرا دے تو نکاح درست ہوگا۔ حالانکہ یہ ان کے مذہب کے خلاف ہے۔ پس منقول کے ساتھ ایک معنوی وجہ ثابت ہوگئی، اور وہ یہ ہے کہ اس عورت نے خالص اپنے حق میں تصرف کیا ہے اور وہ اس کا نفس ہے' اور یہ عورت تصرف کی اہل بھی ہے جیسے مال میں' تو اس تصرف کا صحیح قرار دینا لازم ہے باوجود یکہ یہ خلاف اولیٰ ہے۔

تخریج: وفی الجامع الصغیر: رواہ احمد والاربعة وابن حبان عن ابی موسیٰ وابن ماجه عن ابن عباس۔

حقِ ولایت اور بطلانِ نکاح

٣١٣١: وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَيُّمَا امْرَأَةٍ نَكَحَتْ نَفْسَهَا بِغَيْرِ اِذْنِ وَلِيِّهَا فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَنِكَاحُهَا بَاطِلٌ فَاِنْ دَخَلَ بِهَا فَلَهَا الْمَهْرُ بِمَا اسْتَحَلَّ مِنْ

فَرْجِهَا فَإِنِ اشْتَجَرُوا فَالسُّلْطَانُ وَلِيُّ مَنْ لَا وَلِيَّ لَهُ۔ (رواه احمد والترمذی وابوداود وابن ماجة والدارمی)

اخرجه ابوداوٗد فی السنن ٢/٥٦٦ الحديث رقم ٢٠٨٣۔ والترمذی فی ٣/٤٠٧ الحديث رقم ١١٠٢۔ وابن ماجه فی ١/٦٠٥ الحديث رقم ١٨٧٩۔ والدارمی فی ٢/١٨٥ الحديث رقم ٢١٨٤ واحمد فی المسند ٦/١٦٦۔

ترجمہ: ''اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس عورت نے اپنا نکاح اپنے ولی کی اجازت کے بغیر کیا تو اس کا نکاح باطل ہے' اس کا نکاح باطل ہے' اس کا نکاح باطل ہے' پھر اگر شوہر نے اس کے ساتھ جماع کیا تو وہ مہر کی حق دار ہے کیونکہ شوہر نے اس کی شرم گاہ سے فائدہ اٹھایا ہے اور اگر کسی عورت کے ولی باہم اختلاف کریں تو جس کا کوئی ولی نہ ہو تو بادشاہ اس کا ولی ہے''۔ (احمد' ترمذی' ابوداؤد' ابن ماجہ' داری)

تشریح: "فنكاحها باطل": تین مرتبہ مکرر لایا برائے تاکید ومبالغہ۔

لفظ 'ایما' الفاظ عموم میں سے ہے عورتوں سے سلب ولایت میں بغیر کسی تخصیص کے، کہ یہ بعض کے ساتھ خاص ہے بعض کو چھوڑ کر۔

یہ حدیث آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد گرامی: ''الايم احق بنفسها'' کے معارض ہے۔ پس اس کو خاص کیا گیا ہے کہ جو عورت ولی کی اجازت کے بغیر غیر کفو میں نکاح کرے تو اس کا نکاح باطل ہے جیسا کہ اس کی تشریح گزر چکی ہے اور شرح جمع الجوامع میں ہے کہ حنفیہ نے اس کو محمول کیا ہے صغیرہ، لونڈی اور مکاتبہ پر۔

فنكاحها باطل :ابن الملک فرماتے ہیں کہ یہ بطلان کے کنارے پر ہے اور بطلان کی طرف جانے والا ہے اگر ولی نے اعتراض کیا عورت پر اگر وہ اپنا نکاح غیر کفو میں کرلے۔

قوله :فان اشتجروا.......

حدیث کے آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ جب کسی عورت کے ولی آپس میں اختلاف ونزاع کریں اور کسی فیصلہ پر متفق نہ ہو پائیں تو وہ سب کالعدم ہو جاتے ہیں' اور اس صورت میں ولایت کا حق بادشاہ کو حاصل ہو جاتا ہے۔ اس لئے کہ جب ولی نکاح کرانے سے انکار کر دے تو گویا کہ اس لڑکی کا کوئی ولی ہی نہیں ہے' ورنہ یہ تو معلوم ہی ہے کہ ولی کی موجودگی میں بادشاہ کو ولایت کا حق حاصل نہیں ہوتا۔

ريما امرأة نكحت: ایک نسخہ میں (ايما امرأة نكحت) نفسها'' (کا اضافہ) ہے۔

اس حدیث کو طبرانی نے ابن عمرو سے یوں روایت کیا ہے: ''ايما امرأة نكحت بغير اذن وليها فنكاحها باطل' فان كان دخل بها فلها صداقها بما استحل من فرجها ويفرق بينهما، وان كان لم يدخل بها فرق بينهما' والسلطان ولي من لا ولي له''۔

تخریج: وكذا رواه النسائی، والحاكم۔

نکاح میں شہادت کی ضرورت

۳۱۳۲: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم قَالَ الْبَغَایَا اللَّاتِیْ یُنْکِحْنَ اَنْفُسَهُنَّ بِغَیْرِ بَیِّنَةٍ وَالْاَصَحُّ اَنَّهٗ مَوْقُوْفٌ عَلٰی ابْنِ عَبَّاسٍ۔ (رواہ الترمذی)

اخرجه الترمذی فی السنن ۴۱۱/۳ الحدیث رقم ۱۱۰۳۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''وہ عورتیں زانیہ ہیں جو بغیر گواہوں کے اپنا نکاح کر لیتی ہیں''۔ اس روایت کے بارے میں زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ یہ روایت حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما پر موقوف ہے (یعنی یہ آنحضرت ﷺ کا ارشاد نہیں ہے بلکہ خود حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کا قول ہے)''۔ (ترمذی)

تشریح: ''البغایا'': جمع ہے ''بغی'' کی اور ''بغی'' زانیہ کو کہتے ہیں، ماخوذ ہے ''بغاء'' سے جس کے معنی ہیں زناء کے۔

''ینکحن'': یاء کے ضمہ کے ساتھ ہے۔

''البغایا'' مبتدا ہے، اور ''اللاتی ینکحن'' اس کی خبر ہے۔

امام طیبی فرماتے ہیں کہ ''بینة'' سے مراد گواہ ہوں تو بغیر گواہوں کے نکاح امام شافعی اور امام ابوحنیفہ رحمہما اللہ دونوں کے نزدیک زنا ہے۔ یا بینہ سے ولی مراد ہے، اس لئے کہ ولی سے نکاح واضح ہو جاتا ہے، تو اس صورت میں ان کو ''بغایا'' کہنا تشدید پر محمول ہے، اس لئے کہ بغیر ولی کے نکاح کرنے والی ''بغایا'' کے مشابہ ہوتی ہے اھ۔ اور یہ مخفی نہیں ہے کہ اول معنیٰ ہی ظاہر ہے، اس لیے کہ ولی پر بینہ کا اطلاق نہ عرفاً معروف ہے اور نہ ہی شرعاً معہود ہے۔

شرح السنہ میں حدیث کے اس جملے: ''فان دخل بها فلها المهر المثل'' کے تحت لکھا ہے کہ یہ دلیل ہے اس بات کی کہ وطی بالشبہ مہر کو لازم کر دیتی ہے اس سے حد لازم نہیں ہوتی۔ اور نسب ثابت ہوتا ہے۔ اور جس نے بغیر گواہوں کے قصداً تو نکاح کیا تو اس کو تعزیراً سزا دی جائے گی۔ اکثر اہل علم کے نزدیک بغیر گواہوں کے نکاح منعقد نہیں ہوتا، اور اس میں صحابہ اور ان کے بعد تابعین وغیرہ کے درمیان کوئی اختلاف ظاہر نہیں ہے، سوائے متأخرین میں سے کچھ لوگوں کے، جیسے ابو ثور۔

اجازتِ نکاح کی حیثیت

۳۱۳۳: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم اَلْیَتِیْمَةُ تُسْتَاْمَرُ فِیْ نَفْسِهَا فَاِنْ صَمَتَتْ فَهُوَ اِذْنُهَا وَاِنْ اَبَتْ فَلَا جَوَازَ عَلَیْهَا۔ (رواہ الترمذی وابوداود والنسائی)

اخرجه ابوداود فی السنن ۵۷۳/۲ الحدیث رقم ۲۰۹۳ والترمذی فی ۴۱۷/۳ الحدیث رقم ۱۱۰۹ والنسائی

فی ۸۷/۶ الحدیث رقم ۳۲۷۰ واحمد فی المسند ۲۵۹/۲۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''(بالغہ) یتیم لڑکی سے اس کی ذات کے بارے میں اجازت طلب کی جائے اور اگر وہ (طلب اجازت کے وقت) خاموش رہے تو اس کی خاموشی ہی اس کی اجازت ہے اور اگر وہ انکار کر دے تو اس پر زور زبردستی نہ کی جائے۔ (ترمذی' ابوداؤد' نسائی)

تشریح: ''جواز'': جیم کے فتحہ کے ساتھ' تعدی اور جبر کے معنیٰ میں ہے۔

''یتیمة'': وہ بچی جس کا باپ نہ ہو۔ یتیمہ سے مراد یہاں بالغہ کنواری عورت ہے۔ اور یتیمہ باعتبار ''ما کان'' کے کہا ہے۔ جیسے ﴿وَاٰتُوا الْیَتٰمٰٓی اَمْوَالَھُمْ﴾ [النساء:۲] میں ہے اور یتیمہ کہنے کا فائدہ یہ ہے کہ اس کے حق کی مکمل رعایت رکھی جائے اور اس کی کفالت' اصلاح شفقت کے ساتھ کی جائے، چونکہ یتیمہ نرمی اور مہربانی کا محل ہوا کرتی ہے۔

بلوغ سے پہلے یتیمہ کی اجازت اور انکار کا کوئی معنیٰ نہیں بنتا، تو گویا کہ آپ علیہ السلام نے اس کے بلوغ کو شرط قرار دیا ہے یعنی یتیمہ کا نکاح نہیں ہوتا یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے اور اجازت دے۔

شرح السنہ میں ہے کہ اس بارے میں اختلاف ہے کہ جب یتیمہ کا نکاح اس کے والد اور دادا کے علاوہ کوئی کرائے۔ تو علماء کی ایک جماعت کا موقف یہ ہے کہ یہ نکاح صحیح ہے، اور بلوغ کے بعد اس کو نکاح فسخ کرنے اور برقرار رکھنے کی اجازت ہو گی۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے اصحاب کا قول ہے۔ ایک جماعت کا کہنا ہے کہ یہ نکاح باطل ہے' یہی امام شافعی کا قول ہے' انہوں نے ظاہر حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اکثر علماء کا مسلک یہ ہے کہ وصی کو موصی کے بیٹوں پر ولایت حاصل نہیں ہوتی' اگرچہ موصی نے ولایت ان کو سونپ دی ہو۔ حماد بن ابی سلیمان کہتے ہیں کہ وصی یتیمہ کے بلوغ سے پہلے اس کا نکاح کر سکتا ہے اور ابوشریح سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے اس کی اجازت دی ہے اولیاء کے ناپسند کرنے کے باوجود بھی۔ اور امام مالک نے اس کی اجازت دی ہے اگر والد نے ولایت وصی کو سونپی ہو۔

۳۱۳۴: وَرَوَاہُ الدَّارِمِیُّ عَنْ اَبِیْ مُوْسٰی۔

اخرجه الدارمی فی السنن ۱۸۵/۲ الحدیث رقم ۲۱۸۵۔

ترجمہ: دارمی نے اس روایت کو حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے''۔

غلام کو اپنے نکاح کے لئے مالک کی اجازت لازم ہے

۳۱۳۵: وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ قَالَ اَیُّمَا عَبْدٍ تَزَوَّجَ بِغَیْرِ اِذْنِ سَیِّدِہٖ فَھُوَ عَاھِرٌ۔ (رواہ الترمذی وابوداود والدارمی)

اخرجه ابوداوٗد فی ۵۶۳/۲ الحدیث رقم ۲۰۷۸ والترمذی فی ۴۱۹/۳ الحدیث رقم ۱۱۱۱ وابن ماجه فی ۶۳۰/۱ الحدیث رقم ۱۹۵۹ ۱۹۶۰' والدارمی فی ۲ / ۲۰۳ الحدیث رقم ۲۲۳ واحمد فی المسند ۳ / ۷۷' أخرجه ابن ماجه فی السنن ۶۳۰/۱

ترجمہ: ''اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو غلام اپنے آقا کی اجازت کے بغیر نکاح کرے وہ زانی ہے''۔ (ترمذی ابوداؤد دارمی)

تشریح: مظہر فرماتے ہیں کہ مملوک کا نکاح مالک کی اجازت کے بغیر صحیح نہیں ہوتا۔ چنانچہ امام شافعی اور امام احمد کا یہی مسلک ہے اور نکاح کے بعد اگر آقا اجازت دیدے تو بھی وہ عقد صحیح نہیں ہوتا۔ جب کہ امام اعظم اور امام مالک کا مسلک یہ ہے کہ اگر آقا اجازت دیدے تو نکاح صحیح ہو جائے گا۔

ابن ماجہ نے یہ حدیث ابن عمرؓ ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے: ''ایما عبد تزوج بغیر اذن موالیه فهو زان''۔

الفصل الثالث:

فسخِ نکاح کا اختیار

۳۱۳۶: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ إِنَّ جَارِيَةً بِكْرًا اَتَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ اَنَّ اَبَاهَا زَوَّجَهَا وَهِيَ كَارِهَةٌ فَخَيَّرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ۔ (رواه ابوداود)

اخرجه ابو داود فی السنن ۲/۵۷۶ الحديث رقم ۲۰۹۶ وابن ماجه فی ۱/۶۰۳ الحديث رقم ۱۸۷۵۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ (ایک دن) ایک کنواری لڑکی (جو بالغ تھی) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی کہ اس کے والد نے اس کا نکاح کر دیا ہے جبکہ وہ اس (نکاح) کو ناپسند کرتی ہے، چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اسے اختیار دے دیا (کہ چاہے تو وہ نکاح کو باقی رکھے اور چاہے تو فسخ کر دے)''۔ (ابوداؤد)

تشریح: اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ولی کو یہ حق نہیں ہے کہ وہ نکاح کے معاملے میں عورت پر جبر کرے اگرچہ وہ باکرہ ہی کیوں نہ ہو، یہی حنفیہ کا مسلک ہے۔

امام طیبی فرماتے ہیں کہ اس کو قید بکارت کے ساتھ مقید کیا ہے نہ کہ صغر کے ساتھ، اس کی ناپسندیدگی کا لحاظ کر کے اگر وہ صغیرہ ہو تو پھر اس کی ناپسندیدگی کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔ اس لئے کہ ''وهی كارهة'' حال ہے، اور بیان ہے ہیئت مفعول کے لئے نکاح کے وقت۔ ابن قطان فرماتے ہیں کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ یہ کنواری خنساء بنت حذام نہیں ہیں جن کا نکاح ان کے والد نے کیا تھا، وہ ثیبہ تھیں، تو اس نے اس نکاح کو ناپسند کیا۔ تو نبیؐ نے ان کے نکاح کو ختم کر دیا لہٰذا۔ اس حدیث میں جس کا ذکر ہے یہ کنواری تھی اور وہ ثیبہ تھی، (انتھی)۔

لیکن روایت کے مطابق خنساء بھی کنواری تھیں امام نسائی نے اپنی سنن میں ان کی حدیث کو نقل کیا ہے: ''انها كانت بكرا''، لیکن بخاری کی روایت کو ترجیح دی جائے گی۔ ابن قطان فرماتے ہیں کہ یہ دو عورتیں تھیں، اس کی دلیل وہ حدیث ہے جو دار قطنیؒ نے ابن عباسؓ سے نقل کی ہے: ''ان النبی رد نکاح ثیب وبکر انکحهما ابو هما وهما کارهتان''۔

ایک عورت دوسری عورت کا نکاح نہ کرے

۳۱۳۷: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم لَا تُزَوِّجِ الْمَرْأَةُ الْمَرْأَةَ وَلَا تُزَوِّجِ الْمَرْأَةُ نَفْسَهَا فَاِنَّ الزَّانِيَةَ هِيَ الَّتِيْ تُزَوِّجُ نَفْسَهَا (رواه ابن ماجة)

اخرجه ابن ماجه فی السنن ۱/ ۶۰۶ الحدیث رقم ۱۸۸۲۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''کوئی عورت کسی عورت کا نکاح نہ کروائے اور نہ کوئی عورت خود اپنا نکاح کرے کیونکہ وہ عورت زانیہ ہے جو اپنا نکاح خود کرتی ہے''۔ (ابن ماجہ)

تشریح: خطیب نے حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مرفوع روایت نقل کی ہے: "ايما امرأة زوجت نفسها من غير ولی فهی زانية"۔

حدیث میں نفی بمعنی نہی ہے' اور بعض کہتے ہیں کہ یہ نہی ہے نفی۔ احناف کے نزدیک یہ نہی تنزیہی پر محمول ہے۔ کیونکہ عورت کا ولی موجود ہو تو اس عورت کا نکاح کرانا اسی کو مستحب ہے' اور اگر کسی کا کوئی ولی موجود نہ ہو تو پھر اس کا ولی قاضی ہوتا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ کوئی عورت بغیر گواہوں کے اپنا نکاح کسی سے بھی نہ کرے یا بغیر کفو میں اپنا نکاح نہ کرے۔ جب کہ امام شافعی کے نزدیک مراد یہ ہے کہ کوئی عورت اپنے ولی کے بغیر نکاح نہ کرے۔

اختلافاتِ روایات:

خطیب نے حضرت معاذ سے مرفوع روایت نقل کی ہے "ايما امرأة روجت نفسها من غير ولی فهی زانية"۔

حدیث میں نفی بمعنی نہی کے ہے اور بعض کہتے ہیں کہ یہ ہے ہی نہی۔ احناف کے نزدیک یہ نہی تنزیہی پر محمول ہے۔ کیونکہ عورت کا ولی موجود ہو تو اس عورت کا نکاح اسی کو کرانا مستحب ہے اور اگر کسی کا کوئی ولی موجود نہ ہو تو پھر اس کا ولی قاضی ہوتا ہے۔

حنفیہ کے نزدیک اس ممانعت کی مراد یہ ہے کہ کوئی عورت بغیر گواہوں کے اور بغیر کفو کو اپنا نکاح نہ کرے۔ جب کہ امام شافعی کے نزدیک مراد یہ ہے کہ کوئی عورت اپنے ولی کے بغیر نکاح نہ کریں۔

بلوغت کے بعد جلد نکاح کر دینا چاہیئے

۳۱۳۸: وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدٍ وَابْنِ عَبَّاسٍ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم مَنْ وُلِدَ لَهٗ وَلَدٌ فَلْيُحْسِنِ اسْمَهٗ وَاَدَبَهٗ فَاِذَا بَلَغَ فَلْيُزَوِّجْهُ فَاِنْ بَلَغَ وَلَمْ يُزَوِّجْهُ فَاَصَابَ اِثْمًا فَاِنَّمَا اِثْمُهٗ عَلٰى اَبِيْهِ۔

اخرجه البيهقی فی شعب الايمان ۶/ ۴۰۰ الحدیث رقم ۸۶۶۶۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے ہاں بچہ کی پیدائش ہو تو اس کو چاہئے کہ وہ اس کا اچھا نام رکھے اور اسے نیک ادب سکھائے

بَابُ اِعْلَانِ النِّكَاحِ وَالْخُطْبَةِ وَالشَّرْطِ

نکاح کا اعلان اور نکاح کے خطبہ وشرط کا بیان

یہاں ''نکاح'' سے عقد نکاح مراد ہے۔''خطبة'' خاء کے ضمہ کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔اس صورت میں اس کا عطف ''نکاح'' پر بھی ہو سکتا ہے اور'' اعلان'' پر بھی ہو سکتا ہے''خطبة'' خاء کسرہ کے ساتھ بھی روایت کیا گیا ہے اس صورت میں اس کا عطف''اعلان'' پر ہی ہوگا۔''الشرط''کا عطف''اعلان'' پر ہے۔

عرضِ مرتب:

① نکاح کا اعلان مستحب ہے آپ نے فرمایا: اِعْلِنُوا النِّكَاحَ کہ نکاح کو علانیہ کرو اگر چہ دف بجانے سے اعلان ہو۔

② دف کے متعلق علماء کا اختلاف ہے نمبر ا بعض نے حرام قرار دیا نمبر ۲ دوسروں نے مطلق طور پر مکروہ کہا نمبر ۳ بعض نے مباح قرار دیا صحیح یہ ہے کہ ان تین اوقات میں مباح ہے اور اس کے علاوہ حرام ہے۔مثلاً عید کے موقع پر مسافر کی آمد پر نکاح کے وقت۔

خطبہ: خطبہ اگر خاء کے کسرہ کے ساتھ ہو تو خطبہ پیغام نکاح بھیجنے کو کہتے ہیں اور اگر خاء کے ضمہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد وہ خطبہ ہوگا جو نکاح کے موقعہ پر پڑھا جاتا ہے۔اس باب میں ضمہ خاء والا مراد ہے۔صاحب قاموس کے ہاں خطبہ سے مراد ایسا کلام مسجع ہے جو بصورت نثر ہو اور وہ حمد ثناء درود شریف وعظ نصیحت پر مشتمل ہو۔

خطبہ کی حیثیت:

نکاح میں خطبہ سنت ہے امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں ہر عقد میں خطبہ سنت ہے مثلاً بیع شراء وغیرہ۔

(۴) شرط:

شرائط سے مراد وہ شرائط ہیں جو نکاح میں ذکر کی جائیں خواہ وہ صحیح ہوں یا فاسد۔(ح)

(۵) گزشتہ سطور میں خطبہ کا جو معنی ذکر کیا گیا وہ امام شافعی رحمۃ اللہ کے ہاں ہے۔امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے ہاں خطبہ مطلق ذکر کو کہا جاتا ہے۔خواہ وہ ایک مرتبہ تسبیح تحمید یا تکبیر وغیرہ ہو اور صاحبین کے ہاں خطبہ طویل ذکر کو کہا جاتا ہے اور اس کی کم سے کم مقدار تشہد کی بقدر ہے۔(درمختار)

(۶) صرف دف اگر نکاح کے موقعہ پر بجایا جائے تو کچھ حرج نہیں۔اسی طرح عیدین کے مواقع پر دف بجانے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔یہ محققین نے ذکر کیا ہے۔

بَابُ اِعْلَانِ النِّكَاحِ وَالْخُطْبَةِ وَالشَّرْطِ

نکاح کا اعلان اور نکاح کے خطبہ وشرط کا بیان

یہاں "نکاح" سے عقد نکاح مراد ہے۔ "خطبة" خاء کے ضمہ کے ساتھ روایت کیا گیا ہے۔ اس صورت میں اس کا عطف "نکاح" پر بھی ہو سکتا ہے اور "اعلان" پر بھی ہو سکتا ہے "خطبة" خاء کسرہ کے ساتھ بھی روایت کیا گیا ہے اس صورت میں اس کا عطف "اعلان" پر ہی ہوگا۔ "الشرط" کا عطف "اعلان" پر ہے۔

عرضِ مرتب:

① نکاح کا اعلان مستحب ہے آپ نے فرمایا: اِعْلِنُوا النِّكَاحَ کہ نکاح کو علانیہ کرو اگرچہ دف بجانے سے اعلان ہو۔

② دف کے متعلق علماء کا اختلاف ہے نمبر ا بعض نے حرام قرار دیا نمبر ۲ دوسروں نے مطلق طور پر مکروہ کہا نمبر ۳ بعض نے مباح قرار دیا صحیح یہ ہے کہ ان تین اوقات میں مباح ہے اور اس کے علاوہ حرام ہے۔ مثلاً عید کے موقع پر' مسافر کی آمد پر' نکاح کے وقت۔

خطبہ: خطبہ اگر خاء کے کسرہ کے ساتھ ہو تو خطبہ پیغام نکاح بھیجنے کو کہتے ہیں اور اگر خاء کے ضمہ کے ساتھ ہو تو اس سے مراد وہ خطبہ ہوگا جو نکاح کے موقعہ پر پڑھا جاتا ہے۔ اس باب میں ضمہ خاء والا مراد ہے۔ صاحب قاموس کے ہاں خطبہ سے مراد ایسا کلام مسجع ہے جو بصورت نثر ہو اور وہ حمد' ثناء درود شریف' وعظ' نصیحت پر مشتمل ہو۔

خطبہ کی حیثیت:

نکاح میں خطبہ سنت ہے' امام شافعی رحمہ اللہ کے ہاں ہر عقد میں خطبہ سنت ہے مثلاً بیع' شراء وغیرہ۔

(۴) شرط:

شرائط سے مراد وہ شرائط ہیں جو نکاح میں ذکر کی جائیں خواہ وہ صحیح ہوں یا فاسد۔ (ح)

(۵) گزشتہ سطور میں خطبہ کا جو معنی ذکر کیا گیا وہ امام شافعی رحمۃ اللہ کے ہاں ہے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے ہاں خطبہ مطلق ذکر کو کہا جاتا ہے۔ خواہ وہ ایک مرتبہ تسبیح' تحمید یا تکبیر وغیرہ ہو اور صاحبین کے ہاں خطبہ طویل ذکر کو کہا جاتا ہے اور اس کی کم سے کم مقدار تشہد کی بقدر ہے۔ (درمختار)

(۶) صرف دف اگر نکاح کے موقعہ پر بجایا جائے تو کچھ حرج نہیں۔ اسی طرح عیدین کے مواقع پر دف بجانے میں کچھ مضائقہ نہیں ہے۔ یہ محققین نے ذکر کیا ہے۔

(۷) شیخ الاسلام رحمۃ اللہ علیہ کا فرمان:

ہمارے ائمہ کے نزدیک یہ تمام چیزیں مکروہ ہیں اور اجنبی عورت سے صرف گیت کا سننا اور اسی طرح مرد سے بھی سننا جائز نہیں اور اگر کسی گیت میں شباب کا تذکرہ' عورتوں کے محاسن' امردوں کی خوبیاں مذکور ہوں یا کلمات کفر مذکور ہوں وہ بھی حرام ہو جاتا ہے یعنی صرف گیت ہو۔ دف ساتھ نہ بھی ہو مگر اس گیت میں یہ خباثت پائی جائیں تو اس کا سننا حرام ہے۔

(۸) بدعاتِ نکاح:

باجے گاجے اور مزامیر کا استعمال' کھیل کی اشیاء' کٹھ پتلیوں کا ناچ کرانا' زینت کے لئے مکان کی دیواروں کا کپڑوں سے ڈھانپنا' گھوڑے پر سواری' بارات لے کر شہر میں بلاضرورت گھومنا کہ جس کے متعلق یہ ارشادِ الٰہی وارد ہے: لا تکونوا کالذین خرجوا من دیارھم بطرًا...... گویا یہ ان لوگوں کی مشابہت ہے۔''

اسی طرح بارات میں گانے والوں اور گانے والیوں کو شامل کرنا بڑی بے حیائی ہے۔ اسی طرح دولہا کا ڈھول اور باجے کے ساتھ بارات کا جلوس نکالنا۔ آتش بازی کرنا جس میں بے جا مال کو اڑانا اور جلانا ہے اور کاغذ کا ضیاع ہے۔ مردوں کے سامنے عورتوں کی جلوہ نمائی یہ تمام برائی کے کام اور حرام ہیں۔

(۹) مزید محرماتِ نکاح:

نکاح کی مجلس میں مستور چیزوں کو ظاہر کرنا دکھلاوے کے لئے مختلف اشیاء کا معاینہ کراتے پھرنا' دولہا کو ریشمی مسند پر بٹھانا' دولہا کی پگڑی یا قد کو ڈوری سے ناپ کر پھر مسافر اور ٹوٹکے والے کو دینا تاکہ وہ میاں بیوی میں محبت کا ٹوٹکہ کر دے۔ سونے' چاندی کے برتنوں میں پانی پینا یا کھانا کھلانا خاوند اور اس کے رشتہ داروں کی بہت تعریف کرنا' عورت کے قرابت داروں کی حد سے زیادہ تعریف کرنا جو کہ جھوٹ' خوشامد اور چاپلوسی میں داخل ہے۔ اللہ تعالیٰ نے ایسے لوگوں کے متعلق ارشاد فرمایا: یحبون ان یحمدوا بما لم یفعلوا...... یعنی وہ ایسی بات پر تعریف چاہتے ہیں جو انہوں نے نہیں کی''

(۱۰) یہ بھی حرام ہے:

کہ دولہا کو ریشم یا زعفران سے رنگا ہوا کپڑا پہننا یا جائے نیز یہ شادی اور شادی کے علاوہ بھی پہننا حرام ہے۔ اسی طرح سر سے پگڑی اتار کر اس کو عورت کے سر پر رکھنا بھی حرام ہے۔ اسی طرح دولہا کا دلہن کے گرد سات چکر کاٹنا اور اجنبی عورتوں کا دولہا کے سامنے آنا اور اس سے گفتگو کرنا حرام ہے۔ اسی طرح دولہا کے ناک' کان کو چھونا اور بے حیائی کی باتوں کا اس کے سامنے ذکر کرنا حرام ہے۔ خاوند کے انگوٹھے کو عورت کے دودھ کے ساتھ دھلانا خاوند کو شکر و چینی کھلانا اور دولہا کو دودھ پلانا یہ سب حرام و ناجائز ہیں۔

اسی طرح مصری کی ڈلی عورت کے بدن پر رکھ کر دولہا کو منہ سے اس کے اٹھانے کے لئے کہنا ناجائز ہے۔ مرد عورت کی

خلوت کے وقت عورتوں کا اس کے مکان کا گھراؤ یہ تمام باتیں بدعات قبیحہ اور حرام ہیں ان سے اپنے آپ کو بچانا ضروری ہے۔

(۱۱) ان بدعات پر مزید روشنی کے لئے قاضی ضیاء الدین سنامی کا رسالہ نکاح اور سید آدم بنوری رحمہ اللہ کی کتاب علم الہدیٰ کو ملاحظہ کرلیں۔

سیّد آدم بنوری کا ارشاد:

نکاح میں کئی مروجہ اشیاء کفر ہیں اور بعض ایسی اشیاء ہیں کہ جن میں کفر کا خطرہ ہے اور بعض ایسی چیزیں ہیں جو بدعت ہیں۔

پس ان رسومات کو اختیار کرنے والا نکاح کرنے کے باوجود علاقہ زوجیت سے محروم رہے گا۔ ایسا نکاح اہل اسلام کا نہیں، اس سے پیدا ہونے والی اولاد کا نسب اس سے ثابت نہیں ہوگا۔ بلکہ وہ حرام کی اولاد ہوگی۔ ایسی رسومات میں سے ایک رسم یہ ہے:

① سرسوں اور ہرل کے چند دانے اور ہلدی، لوہے کا چھلا کپڑے میں باندھ کر دولہا اور دلہن کے ہاتھ پر باندھ دیتے ہیں اسے ہندی میں کنگنا کہتے ہیں اس رسم کو کرنے والا صریح کفر کا مرتکب ہے اور اس کو پسند کرنے والا بھی کافر ہوجاتا ہے۔

② چھوٹے مٹکے پر پھول باندھے جاتے ہیں پھر صندل پیس کر اس پر لگاتے ہیں یہ آتش پرستوں کی رسومات سے ہونے کی بناء پر ممنوع ہے کہ تشبہ بالکفار ہے۔

③ دلہن اپنی جلوہ نمائی کرتی ہے۔ جو بہت سی قباحتوں اور فضیحتوں کا مجموعہ ہے۔

④ دولہا کے سر پر ماں یا بہن یا اور عورتیں آنچل ڈالتی ہیں اور دلہن کے سر پر پگڑی رکھتی ہیں۔ یہ دونوں حرکتیں لعنت کا باعث ہیں کیونکہ جناب رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا اللہ تعالیٰ کی لعنت و پھٹکار ہو ان مردوں پر جو عورتوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والے ہیں اور ان عورتوں پر اللہ تعالیٰ کی پھٹکار ہو جو مردوں کے ساتھ مشابہت اختیار کرنے والیاں ہیں۔

⑤ دلہن کا انگوٹھا دودھ اور پانی میں دھوکر دولہا کو پلایا جاتا ہے۔ یہ آتش پرستوں کی رسومات سے ہے اس میں کفر کا خطرہ ہے۔

⑥ مصری کی ڈلیاں دلہن کے بدن پر رکھ دولہا کو چننے کے لئے کہنا یہ فسق ہے۔ آتش پرستوں کی رسومات میں سے ہے اور چار پایوں سے مشابہت ہے۔

⑦ دولہا کے جلوہ کے وقت ازار بند لایا جاتا ہے اور کنگھی پٹی کرنے والی عورت دولہا کو تخت پر بٹھا کر اس کے آلہ تناسل کو ناپتی ہے اور دوسری عورتیں اس پر ہنستی ہیں۔ یہ افعال قبیحہ سے ہے جو کہ لعنت کا سبب ہے۔

⑧ عورتیں بے نقط سناتی ہیں جس میں مسجد، محراب اور پگڑی کی توہین کے کلمات بھی ہوتے ہیں ان چیزوں کی تحقیر کفر ہے۔

⑨ دولہا کا دلہن کے ساتھ پھیرے دینا یہ رسم کفار ہے جس سے کفر کا خطرہ ہے۔

⑩ عورت کی شرم گاہ کو شربت سے دھویا جاتا ہے اور بسا اوقات عورتیں اس میں پیشاب بھی کردیتی ہیں وہ مشروب مرد کو پلایا جاتا ہے۔ اس میں بھی کفر کا خطرہ ہے

⑪ مرد کو عورتیں کاجل لگاتی ہیں یہ بالاتفاق مکروہ ہے۔
⑫ عورتیں گاتی' دف بجاتی' رباب' شہنائی بجاتی' اور تالیاں پیٹتی اور ناچ گانا کرتی ہیں یہ بالاتفاق حرام ہے اور کفر کی راہ پر چلنا ہے۔
⑬ دولہا کے ہولے بند باندھنا بھی حرام ہے۔
⑭ کاغذ کے پھول اور کئی چیزیں بنائی جاتی ہیں جو کہ کاغذ کا ضیاع ہے۔ یہ لوگ قیامت کے دن عذاب میں مبتلا ہوں گے۔
⑮ دولہا کے سر پر پھولوں کی پٹی باندھنا بدعت ہے اور آتش پرستوں کا طریقہ ہے۔
⑯ مردوں کو چاندی کا زیور اور عورتوں کا لباس پہنانا بدعت سیئہ ہے (مختلف علاقوں میں مختلف رسومات قبیحہ مروج ہیں کچھ پرانی مٹ کرنئی اس کی جگہ پکڑ رہی ہیں اس قسم کی چیزیں جو سابقہ دور میں تھیں یا نئی رائج ہوئیں وہ درجہ بدرجہ ان تین اقسام میں شامل ہونے کی وجہ سے غلط اور ناجائز ہیں)

مثلاً پیسوں کے ہار ڈالنا' بارات بازاروں میں سج دھج سے لے جانا مسجد کے قریب مصنوعی ذکر کرنا' فلم بنانا' بڑی دکھلاوے والی دعوتیں' وغیرہ ان گنت رسومات) اعاذنا اللّٰه منها۔

الفصل الاول :

حضرت ربیع رضی اللہ عنہا پر شفقتِ رحمۃ للعالمین صلی اللہ علیہ وسلم

۳۱۴۰: عَنِ الرُّبَيِّعِ بِنْتِ مُعَوِّذِ بْنِ عَفْرَاءَ قَالَتْ جَاءَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم فَدَخَلَ حِيْنَ بُنِيَ عَلَيَّ فَجَلَسَ عَلٰى فِرَاشِيْ كَمَجْلِسِكَ مِنِّي فَجَعَلَتْ جُوَيْرِيَاتٌ لَنَا يَضْرِبْنَ بِالدُّفِّ وَيَنْدُبْنَ مَنْ قُتِلَ مِنْ اٰبَائِيْ يَوْمَ بَدْرٍ اِذْ قَالَتْ اِحْدَاهُنَّ وَفِيْنَا نَبِيٌّ يَعْلَمُ مَا فِيْ غَدٍ فَقَالَ دَعِيْ هٰذِهٖ وَقُوْلِيْ بِالَّذِيْ كُنْتِ تَقُوْلِيْنَ ۔ (رواہ البخاری)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۲۰۲/۹ الحدیث رقم ۵۱۴۷ وابن ماجه فی ۶۱۱/۱ الحدیث رقم ۱۸۹۷۔

ترجمہ: ''حضرت ربیع بن معوذ بن عفراء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب مجھے (نکاح کے بعد) اپنے شوہر کے گھر رخصت کر کے لایا گیا تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے اور میرے بستر پر اس طرح بیٹھ گئے جس طرح آپ (حدیث کے راوی خالد بن ذکوان) میرے بستر پر بیٹھے ہیں اور ہمارے خاندان کی بچیوں نے (جو اس وقت ہمارے گھر میں موجود تھیں) دف بجانے لگیں اور ہمارے آباء میں سے جو لوگ بدر کے دن شہید ہو گئے تھے ان کی خوبیاں بیان کرنے لگیں' اسی دوران ان میں سے ایک بچی نے یہ کہا کہ ''اور ہمارے درمیان وہ نبی ہیں جو کل ہونے والی بات کو جانتے ہیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ''اس بات کو چھوڑ دو (یعنی اس قسم کی باتیں نہ کہو) بلکہ جو بات پہلے کہہ رہی تھیں''۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: "قوله :عن الربيع بنت معوذ ...... كمجلسك منى :

"ربيع": راء کے ضمہ' باء موحدہ کے فتحہ اور یاء مکسورہ کے شد کے ساتھ ہے۔

"بنى": صیغہ مجہول کے ساتھ ہے۔

قوله :فجعلت جويريات ...... ما فى غد:

"جعلت": یہاں افعال شروع میں سے ہے۔

"جويريات": تصغیر کے ساتھ ہے۔

"الدف": اکمل الدین فرماتے ہیں کہ "دف" دال کے ضمہ کے ساتھ زیادہ مشہور اور زیادہ فصیح ہے' اور فتحہ کے ساتھ بھی مروی ہے۔

"يندبن": دال کے ضمہ کے ساتھ ندب سے ماخوذ ہے۔ یعنی میت کی خصلتوں اور محاسن کو شمار کرنا، یعنی مرثیہ پڑھنا۔

"غد": تنوین کے ساتھ ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ دال کے اشباع کے ساتھ ہے۔

عفراء حضرت معوذ کی والدہ کا نام ہے۔ "جویریات" سے مراد انصار کی وہ چھوٹی بچیاں ہیں کہا گیا ہے کہ یہ حد بلوغ تک نہیں پہنچی تھیں' باندیاں مراد نہیں ہیں۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام کا ربیع کے ساتھ اس طرح بیٹھنا یہ حجاب سے پہلے کا واقعہ ہے۔ شیخ ابن حجرؒ فرماتے ہیں کہ ہمیں مضبوط دلائل سے یہ بات معلوم ہوئی ہے کہ آپ علیہ السلام کی خصوصیات میں سے یہ بات بھی تھی کہ آپ ؐ کے لئے اجنبی عورتوں کے ساتھ تنہائی میں بیٹھنا اور ان کی طرف دیکھنا جائز تھا۔ جیسا کہ علامہ سیوطی نے بخاری کے حاشیہ میں ذکر کیا ہے۔ لیکن یہ بات عجیب ہے۔ اس لئے کہ حدیث میں ان کے چہرہ کے کھلے ہونے پر اور تنہائی میں بیٹھنے پر کوئی دلالت نہیں ہے۔ بلکہ زفاف کا مقام از خود اس کے منافی ہے اور اس طرح یہ جملہ "فجعلت......" بھی اس کے منافی ہے۔

اکمل الدین نے کہا ہے کہ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ بوقت نکاح اور زفاف کے اعلان کے لئے دف بجانا جائز ہے، پھر بعض علماء نے اس جواز میں ختنہ، عیدین، مسافر کی آمد، اور تقریب مسرت میں احباب واعزہ کے اجتماع کو بھی شامل کیا ہے۔ (یعنی نکاح کی طرح ان مواقع میں بھی دف بجانا جائز ہے۔) لیکن دف سے مراد وہ دف ہے جو متقدمین کے زمانہ میں ہوتی تھی، کیونکہ جھانج دار دف بجانا متفقہ طور پر مکروہ ہونی چاہئے۔

حدیث کے آخری جملے کا مطلب یہ ہے کہ وہ بچیاں اپنے آباء حضرت معاذ اور ان کے بھائی جو بدر میں شہید ہوئے تھے' کے بہادرانہ کارناموں پر شجاعت کے گیت گا رہی تھیں۔ تو اسی دوران ایک بچی نے آپ علیہ السلام کی مدح میں یہ کہا کہ ہمارے درمیان میں وہ نبیؐ موجود ہیں، جو کہ آنے والے کل کی خبر دیتے ہیں اور اسی کے مطابق ہوتا ہے۔

قوله :وقولى بالذى كنت تقولين": ایک روایت میں "**وقولى ما كنت تقولين**" ہے۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ جن اشعار میں شریعت کے خلاف اور عقائد کے منافی کوئی بات نہ ہو، اور فحش و کذب شامل نہ ہو، انہیں پڑھنا سننا جائز ہے، باقی آپ ؐ نے جو بچی کو منع کیا تھا، تو وہ اس بات سے تھا جو وہ کہہ رہی تھی کہ **فينا نبىٌ ......**،

نہ کہ شعر سے۔ کیونکہ اس نے علم غیب کی نسبت آنحضرت کی طرف کی تھی، حالانکہ غیب کی باتوں کو اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا۔ ہاں یہ اور بات ہے کہ غیب کی جن باتوں کو اللہ چاہتا ہے اپنے رسولؐ پر منکشف کر دیتا ہے۔ یا اس وجہ سے منع کیا کہ آپؐ نے یہ ناپسند کیا کہ آپؐ کا ذکر دف اور مردوں کے مرثیہ کے دوران ہو، اس لئے کہ آپؐ کا منصب اس سے بہت اونچا تھا۔

شادی کے موقعہ پر دِل بہلاوے کے گیت

۳۱۴۱: وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ زُفَّتِ امْرَأَةٌ إِلٰى رَجُلٍ مِنَ الْاَنْصَارِ فَقَالَ نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ: مَا كَانَ مَعَكُمْ لَهْوٌ فَاِنَّ الْاَنْصَارَ يُعْجِبُهُمُ اللَّهْوُ۔ (رواه البخاری)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۹/۲۲۵ الحدیث رقم ۵۱۶۲

ترجمہ: ''اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک عورت کو نکاح کے بعد رخصت کرا کر انصار میں سے شخص کے ہاں لایا گیا تو نبی کریم ﷺ نے (اس شخص سے) فرمایا کہ ''کیا تمہارے ساتھ کھیل (یعنی دف اور گانا) نہیں ہے (یعنی شریعت نے شادی بیاہ میں جس دف کے بجانے کی اجازت دی ہے اور جس قسم کے گیت جائز قرار دیئے ہیں تمہاری شادی کی تعریف چیزوں سے خالی کیوں ہے؟ کیونکہ انصار کو کھیل (یعنی دف اور گانا) اچھا لگتا ہے''۔ (بخاری)

تشریح: "ما كان معكم": "ما" نافیہ ہے، اور ہمزہ انکاری مقدر ہے۔

یعنی وہ جس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ یہ رخصت شادی کے موقع پر ہے جیسے کہ کہا گیا۔ اور زیادہ ظاہر وہ ہے جو امام طیبی نے فرمایا ہے کہ اس میں تخصیص ہے، جیسا کہ حضرت عائشہؓ کی حدیث میں ہے: "الا ارسلتم معهم من يقول: اتيناكم"۔ (ملاحظہ فرمائیے حدیث: ۳۱۵۵)

کیا تمہارے پاس نہیں ہے دف بجانا اور شعر کا پڑھنا نہیں ہے۔ یعنی وہ جس میں کوئی گناہ نہیں ہے۔ یہ رخصت شادی کے موقع پر ہے جیسے کہ کہا گیا۔ اور زیادہ ظاہر وہ ہے جو علامہ طیبی نے فرمایا ہے کہ اس میں تخصیص ہے، جیسے کہ حضرت عائشہؓ کے حدیث میں ہے "الا ارسلتم فعهم من يقول، آتيناكم"۔

امورِ نحویہ: "ما كان معكم": ما نافیہ ہے، اور ہمزہ انکاری مقدر ہے۔

ماہِ شوال میں نکاح کا متبرک ہونا

۳۱۴۲: وَعَنْهَا قَالَتْ تَزَوَّجَنِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ شَوَّالٍ وَبَنٰى بِيْ فِيْ شَوَّالٍ فَاَيُّ نِسَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ اَحْظٰى عِنْدَهٗ مِنِّيْ۔ (رواه مسلم)

اخرجه مسلم فی صحیحه ۲/۱۰۳۹ الحدیث رقم (۷۳-۱۴۲۳) والترمذی فی السنن ۳/۴۰۱ الحدیث رقم ۱۰۹۳ وابن ماجه فی ۱/۶۴۱ الحدیث رقم ۱۹۹۰ والدارمی فی ۲/۱۹۵ الحدیث رقم ۲۲۱۱ واحمد فی المسند ۶/۵۴

ترجمہ: ''اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے شوال کے مہینے میں نکاح کیا اور پھر (تین سال کے بعد) شوال ہی کے مہینے میں مجھے رخصت کرا کر اپنے گھر لائے۔ اب (تم ہی بتاؤ) رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات میں کون سی زوجہ ایسی تھی جسے آپ ﷺ کے ہاں مجھ سے زیادہ اہم مقام حاصل تھا؟''۔ (مسلم)

تشریح: **قوله :و بنى فى شوال :**

جوہری فرماتے ہیں کہا جاتا ہے: **بنٰى علٰى اهله بناءً اى زفها** اور عام لوگ کہتے ہیں: "**بنٰى اهله**" تو یہ خطا ہے اس کی اصل یہ ہے کہ پہلی رات بیوی کے پاس جانے والا اس کے لئے قبہ بناتا تھا پھر مطلقاً بیوی کے پاس جانے کے لئے استعمال ہونے لگا اور اسی کے مطابق شیخ تورپشتی اور قاضی رحمۃ اللہ علیہ کا کلام ہے۔ انہوں نے خطا قرار دینے میں مبالغہ کیا ہے حتی کہ راوی کی خطا قرار دینے میں تجاوز کر گئے۔

امام طیبی فرماتے ہیں کہ "**بنى عليها**" ابتداء میں "**زف بها**" کے لئے بطور کنایہ استعمال ہوتا تھا پس جب اس کا استعمال "**زفاف**" میں زیادہ ہونے لگا، تو اس سے "**زفاف**" کا معنیٰ ہی سمجھا جانے لگا اگر چہ وہاں بناء نہ ہو تو کونسی خرابی ہے کہ یہ معنی ثانی سے تیسرے معنی کی طرف منتقل ہو جائے، چنانچہ پھر یہ "**اعرس بی**" کے معنیٰ میں استعمال ہونے لگا۔ اور اس کی وضاحت صاحب مغرب کے قول سے ہوتی ہے، کہ اس کا اصل یہ ہے کہ دولہا شب زفاف میں بیوی کے لئے خیمہ تیار کرتا تھا پھر اس کا استعمال زیادہ ہوا، یہاں تک کہ یہ وطی سے کنایہ ہونے لگا۔

قوله :فاى نساء رسول الله ﷺ۔

"**كان احظى**": شرح السنہ میں ہے کہ یہاں "**كان احظى**" مذکر کے صیغہ کے ساتھ ذکر کیا ہے، لفظ "أيٌّ" کو دیکھتے ہوئے۔ بظاہر "**اية امرأة**" کہنا چاہئے تھا، لیکن یہاں اضافت میں جمع کا اعتبار کیا اور مذکر ذکر کیا۔ تا کہ یہ دلالت کرے، آپ کی ان عورتوں کی کثرت پر جن پر فضیلت دی گئی ہے اور (اس پر بھی دلالت کرے کہ) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا آپؐ کے ہاں ان میں سے ہر ایک سے زیادہ قریب اور زیادہ حصہ پانے والی ہیں۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے یہ فرما کر زمانہ جاہلیت کے لوگوں پر رد کیا ہے کہ وہ حج کے مہینوں میں شادی، بیاہ کو بے برکتی سمجھتے تھے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ یہ اس لئے فرمایا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بعض لوگوں کو سنا کہ وہ شوال میں شادی اور رخصتی سے بدی فال لیتے تھے چونکہ ان کو وہم تھا کہ "شوال" مشتق ہے "اَشال" بمعنیٰ "اُزال" سے، تو حضرت عائشہؓ نے اس کو رد کرنے اور ان کے وہم کو ختم کرنے کے لئے یہ بات نقل کی۔

شرح النقایہ لابی المکارم میں ہے کہ بعض روافض دو عیدوں کے درمیان نکاح کو ناپسند سمجھتے ہیں۔ علامہ سیوطی رحمۃ اللہ علیہ نے مسلم کے حاشیہ میں لکھا ہے کہ ابن سعد رحمۃ اللہ علیہ نے طبقات میں ابو حاتم سے روایت کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں لوگ شوال میں شادی کو ناپسند کرتے ہیں، اس طاعون کی بیماری کی وجہ سے جو پہلے زمانے میں ماہ شوال میں واقع ہوئی تھی۔ (انتھیٰ)

امام نووی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ شادی، رخصتی اور شب زفاف شوال میں مستحب ہے۔ ہمارے

علماء نے اس کی تصریح کی ہے، اور حدیث مذکور سے اس پر استدلال کیا ہے کہ حضرت عائشہؓ نے اس سے زمانہ جاہلیت کے نظریہ پر رد فرمایا ہے' اور ان تخیلات پر جو آج کل بعض عوام میں پائے جاتے ہیں۔

شرائط لائق وفاء

۳۱۴۳: وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ أَحَقُّ الشُّرُوْطِ اَنْ تُوْفُوْا بِهِ مَا اسْتَحْلَلْتُمْ بِهِ الْفُرُوْجَ۔ (متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۲۱۷/۹ الحدیث رقم ۵۱۵۱ ومسلم فی ۱۰۳۵/۲ الحدیث رقم (۶۳۔۱۴۱۸) وابو داؤد فی السنن ۲۵۴/۲ الحدیث رقم ۲۱۳۹ والترمذی فی ۴۳۴/۳ الحدیث رقم ۱۱۲۷ والنسائی فی ۹۲/۶ الحدیث رقم ۳۲۸۱ وابن ماجه فی ۲۸/۱ الحدیث رقم ۱۹۵۴۔احمد فی المسند۱۴۴/۴۔

ترجمہ: ''اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان شرطوں کو پورا کرنا ضروری ہے جن کے ذریعہ تم نے شرمگاہوں کو حلال کیا ہے''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: قوله :احق الشروط ان توفوا به......

''توفوا'': فاء کی تخفیف اور تشدید دونوں کے ساتھ درست ہے۔

''احق الشروط'': مبتدا ہے، ''أن توفوا به'' الشروط سے بدل ہے، اور ''ما استحللتم به الفروج'' خبر ہے مبتدا کیلئے۔

قاضی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہاں ''شروط'' سے مراد مہر ہے، اس لئے کہ یہ شرمگاہ کے مقابلے میں مشروط ہوتا ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے مراد تمام وہ امور ہیں جن کی عورت مستحق ہوتی ہے نکاح اور زوجیت کی وجہ سے' جیسے مہر، حسن سلوک، نان ونفقہ، اسلئے کہ عقد نکاح کے ذریعہ یہ چیزیں شوہر نے اپنے اوپر لازم کر لی ہیں، گویا کہ نکاح میں ان کی شرط لگائی گئی ہے۔

بعض حضرات فرماتے ہیں کہ اس سے مراد ہر وہ چیز ہے جس چیز کی شرط شوہر نے عورت کو نکاح کی طرف راغب کرنے کے لئے لگائی ہو، جب تک کہ وہ ناجائز نہ ہو۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اکثر علماء کی رائے یہ ہے کہ یہ اس شرط پر محمول ہے جو مقتضی نکاح کے منافی نہ ہو، اور نکاح کے مقاصد میں سے ہو' جیسے حسن معاشرت' نفقہ' کسوہ سکنی اور عورت کی طرف سے یہ ہو کہ وہ شوہر کی اجازت کے بغیر اس کے گھر سے نہ نکلے' اس کی اجازت کے بغیر نفلی روزے نہ رکھے، اس کی اجازت کے بغیر اس کے گھر میں کسی کو آنے کی اجازت نہ دے، اور اس کے مال میں اس کی رضاء کے بغیر تصرف نہ کرے، وغیرہ ذلک۔ باقی وہ شرائط جو مقتضی نکاح کے مخالف ہوں' جیسے کہ شوہر کہے کہ وہ اس عورت کے لئے باری مقرر نہیں کرے گا، اس کے ساتھ ہم خوابی نہیں کرے گا' اس پر خرچ نہیں کرے گا' اور اس کو سفر میں ساتھ لے کر نہیں جائے گا وغیرہ تو ایسی شرائط کا پورا کرنا لازم نہیں ہے، بلکہ ایسی شرائط لغو ہو جاتی ہیں اور نکاح مہر مثل کے عوض

صحیح ہو جاتا ہے۔امام احمد فرماتے ہیں کہ ہر شرط کو پورا کرنا لازم ہے۔

امام طیبی فرماتے ہیں کہ اس کے مطابق "ما استحللتم" میں خطاب تغلیب کے لئے ہوگا۔اور اس میں مرد اور عورتیں دونوں داخل ہوں گے۔اور اس پر یہ روایت دلالت کر رہی ہے: ما استحلت به الفروج۔

کسی کے پیغامِ نکاح پر پیغام بھیجنا درست نہیں

۳۱۴۴: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم لَا يَخْطُبُ الرَّجُلُ عَلٰى خِطْبَةِ اَخِيْهِ حَتّٰى يَنْكِحَ اَوْيَتْرُكَ. (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۱۹۹/۹ الحديث رقم ۵۱۴۴۔ومسلم في ۱۰۳۳/۲ الحديث رقم (۵۲۔۱۴۱۳) وأبو داؤد في السنن ۵۶۴/۲ الحديث رقم ۲۰۸۰ والترمذي في ۴۴۰/۳ الحديث رقم ۲۱۷۵ والنسائي في ۷۳/۶ الحديث رقم ۳۲۴۱ وابن ماجه في ۶۰۰/۱ الحديث رقم ۱۸۶۷ والدارمي في ۱۸۱/۲ الحديث رقم ۲۱۷۵ ومالك في الموطأ ۵۲۳/۲ الحديث رقم ۱ من كتاب النكاح واحمد في المسند۔

ترجمہ: "اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کوئی مرد اپنے کسی مسلمان بھائی کے پیغام پر نکاح کا پیغام نہ بھیجے یہاں تک کہ وہ اس سے نکاح کر لے یا اس چھوڑ دے"۔(بخاری ومسلم)

تشریح: قوله :لا يخطب الرجل على خطبه ......

"خطبة": خاء کے کسرہ کے ساتھ ہے

"لا يخطب": باء کے ضمہ کے ساتھ ہے اور "لا" نافیہ ہے، یا باء کے کسرہ کے ساتھ ہے اور "لا" ناہیہ ہے۔

علامہ سیوطی فرماتے ہیں کہ کسرہ اور نصب دونوں صورتوں میں "لا ناہیہ" ہے، کسرہ اس وجہ سے ہے کہ ساکن کو حرکت دینے میں اصل کسرہ ہے اور فتحہ اس وجہ سے کہ یہ اخف الحرکات ہے۔اور رفع کی صورت میں لا نافیہ ہوگا۔(انتهى)۔لیکن فتحہ غیر معروف ہے روایۃً بھی اور درایۃً بھی۔

بعض حضرات کا کہنا ہے کہ پیغام نکاح اس وقت منع ہے کہ جب وہ مرد اور عورت دونوں راضی ہو چکے ہوں اور مہر متعین ہو گیا ہو، لیکن پھر بھی اگر دوسرے مرد نے اس عورت سے نکاح کر لیا پہلے کی اجازت کے بغیر تو نکاح درست ہو جائے گا' لیکن وہ گناہگار ہوگا۔

کسی عورت کو طلاق دلوانا قابلِ مذمت ہے

۳۱۴۵: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم لَا تَسْأَلِ الْمَرْاَةُ طَلَاقَ اُخْتِهَا لِتَسْتَفْرِغَ صَحْفَتَهَا وَلْتَنْكِحْ فَاِنَّ لَهَا مَا قُدِّرَ لَهَا. (متفق عليه)

أخرجه البخاري في صحيحه ۲۱۹/۹ الحديث رقم ۵۱۵۲ ومسلم في ۱۰۲۹/۲ الحديث رقم (۳۸۔۱۴۰۸)

وابوداوٗد فی ۲/ ۶۳۰ الحدیث رقم ۲۱۷۶ والترمذی فی ۴/ ۴۹۵ الحدیث رقم ۱۱۹۰ والنسائی فی ۶/ ۷۱ وابن ماجه فی ۱/ ۶۰۶ الحدیث رقم ۳۲۳۹

ترجمہ: ''اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کوئی عورت (کسی شخص سے) اپنی کسی (دینی) بہن کے بارے میں طلاق کا مطالبہ نہ کرے تا کہ وہ اس کے پیالہ کو خالی کر دے (یعنی اس کو طلاق دلوا کر اس کے سارے حقوق خود سمیٹ لے) اور اس کے شوہر سے خود نکاح کر لے کیونکہ اس کے لئے وہی ہے جو اس کے مقدر میں لکھا جا چکا ہے''۔ (بخاری ومسلم)

قوله :لا تسأل المرأة طلاق اختها لتستفرغ صحفتها:

تشریح: ''لاتسأل'': جزم اور رفع دونوں کے ساتھ ہے۔

اختها: سے مراد سوکن ہے، اور ''اخت'' دین کے لحاظ سے کہا ہے، یا اس وجہ سے کہ دونوں آدم اور حواء کی بیٹیاں ہیں۔ اور ''اخت'' کہا تا کہ یہ اس کی طرف مائل ہو اور اس پر مہربان ہو اور جس خصلت سے منع کیا گیا ہے، اس کی قباحت ظاہر ہو۔ اس لئے کہ حدیث میں ہے: ''لا یؤمن احد کم حتٰی یحب لاخیه ما یحب لنفسه''۔ اس کا مفہوم مخالف یہ ہے کہ اس چیز کو ناپسند کرے اپنے بھائی کے لئے جو وہ ناپسند کرتا ہے اپنے لئے۔

مطلب اس جملے کا یہ ہے کہ ''مخطوبہ'' خاطب سے یہ مطالبہ نہ کرے کہ وہ اپنی پہلی بیوی کو طلاق دے تا کہ یہ اکیلی اس سے فائدہ حاصل کرے۔ اور یہی مطلب ہے اگلے جملہ: ''لتستفرغ صحفتها'' کا۔ یعنی کہ وہ اپنی بہن کے برتن کو خالی کر دے اس کھانے سے جو اس میں ہے۔ یہ ایک ضرب مثل ہے جو بیان کی ہے عورت کا اپنی سوکن کا حق اپنے لئے لینے کے لئے۔ امام طیبی فرماتے ہیں تا کہ وہ اس کے حصے پر کامیابی حاصل کرے۔

''ولتنکح'': صیغہ معلوم کے ساتھ ہو تو اس کا عطف ''لا تسأل'' پر ہے۔ اور صیغہ امر ہو خواہ معلوم ہو یا مجہول ہو تو اس کا عطف ''لا تسأل'' پر ہے۔ ہر ایک صورت کی تفصیل تشریح میں آ رہی ہے۔

''ولتنکح'': اس کا عطف اگر لتستفرغ پر ہو تو مطلب یہ ہوگا تا کہ نکاح کر لے یہ اس کے شوہر کے ساتھ اور شوہر کا تمام مال اس طالبہ کے لئے ہو جائے۔ یعنی صرف یہی عورت اس شوہر سے نکاح کرے اور نکاح کی نسبت عورت کی طرف عام ہے، جیسے اللہ کے اس ارشاد میں ہے: ﴿حتى تنكح زوجًا غيره﴾ [البقرة: ۲۳۰] یعنی تا کہ طلاق کا مطالبہ کرنے والی نکاح کر لے مطلقہ کے شوہر کے ساتھ، اور اگر طالبہ اور مطلوبہ ایک ہی شخص کے نکاح میں ہوں تو پھر یہ احتمال بھی ہے کہ ضمیر مطلوبہ کی طرف راجع ہو، اور معنی یہ ہو کہ اس کی سوکن دوسرے شوہر سے نکاح کر لے وہ سوکن اس کے ساتھ اس شوہر میں شریک نہ ہو۔

اور تسأل پر عطف کی صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ تا کہ کسی اور کے شوہر سے نکاح کر لے، اور بعض کہتے ہیں کہ یہ صیغہ مجہول کے ساتھ ہے، ای لتجعل منکوحة له۔ ابن الملک شرح مشارق میں فرماتے ہیں کہ اس کو صیغہ امر کے ساتھ معروف اور مجہول لا تسأل پر عطف کے ساتھ بھی روایت کیا گیا ہے اس صورت میں مطلب یہ ہوگا، کہ منکوحہ اس نکاح پر ثابت قدم رہے جو سوکن کے نکاح پر کیا ہے اور جو اس نکاح میں اس کو مل رہا ہے اس پر قناعت کرے۔

یا مطلب یہ ہے کہ یہ عورت جو منکوحہ نہیں ہے یہ اپنی بہن کے شوہر کے علاوہ کسی اور شوہر سے نکاح کرلے، اور اس شوہر کو چھوڑ دے۔

یا مطلب یہ ہے کہ یہ مخطوبہ اپنی بہن کے شوہر سے نکاح کرلے اور اس کی سوکن بن جائے، جب اس کے ساتھ جمع ہونے کی صلاحیت رکھتی ہو، اور اپنی بہن کو طلاق دینے کا مطالبہ نہ کرے۔

لها...... یعنی اس کی باری سے نہ کم ہوگا اور نہ زیادہ ہوگا، وہ جو اس کے لئے مقدر ہے۔

مصابیح میں ہے: "فان ما لها ما قدر لها"۔ ابن الملک رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ "مالها" میں "ما" موصولہ ہے۔ اور جملہ ظرفیہ اس کے لئے صلہ ہے۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ "مال" اسم جنس ہو اور ھاء کی طرف مضاف ہو، اور بعض نسخوں "فانما" ہے اس صورت یہ "ما" کافہ ہے۔

نکاحِ شغار کی مذمت

۳۱۴۶: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نَهٰى عَنِ الشِّغَارِ وَ الشِّغَارُ اَنْ تُزَوِّجَ الرَّجُلُ ابْنَتَهٗ عَلٰى اَنْ يُّزَوِّجَهُ الْاٰخَرُ بِنْتَهٗ وَلَيْسَ بَيْنَهُمَا صَدَاقٌ (متفق عليه وفي رواية لمسلم) قَالَ لَاشِغَارَ فِي الْاِسْلَامِ۔

: اخرجه البخارى فى الصحيحة ١٦٢/٥ الحديث رقم ٥١١٢ و مسلم فى ١٠٣٤/٢ الحديث رقم (٥٧-١٤١٥) و ابوداؤد فى ٥٦٠/٢ الحديث رقم ٢٠٧٤ والنسائى فى ١١٢/٦ الحديث رقم ٣٣٣٧ وابن ماجه فى ٦٠٦/١ الحديث رقم ١٨٨٣ والدارمى فى ٨٣/٢ الحديث رقم ٢١٨٠ ومالك فى الموطأ ٥٣٥/٢ الحديث رقم ٢٤ من كتاب النكاح، واحمد فى المسند ١٩/٢

ترجمہ: "اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے نکاحِ شغار سے منع فرمایا ہے اور شغار یہ ہے کہ کوئی شخص (کسی دوسرے آدمی سے) اپنی بیٹی کا نکاح اس شرط پر کردے کہ وہ دوسرا شخص اپنی بیٹی کا نکاح اس سے کردے اور دونوں میں مہر کچھ نہ ہو۔ (بخاری و مسلم) اور مسلم کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اسلام میں شغار (جائز) نہیں ہے"۔

تشریح: قوله: نهى الشغار......

"الشغار": شین کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

"صداق": کے کسرہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ ہے، بمعنی مہر۔

صاحب ہدایہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جب کوئی آدمی اپنی بیٹی کا نکاح کسی سے اس شرط پر کرے کہ وہ اپنی بیٹی یا بہن کا نکاح اس سے کرائے گا تا کہ ایک عقد دوسرے کا عوض ہو یعنی مہر بن جائے۔ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اس قید کے ساتھ اس لئے مقید کیا کہ اگر وہ یہ نہ کہے کہ ہر ایک بضع دوسرے کے لیے مہر ہوگا یا اس کے ہم معنی الفاظ نہ کہے بلکہ اس طرح کہے کہ میں نے اپنی بیٹی

کا نکاح تجھ سے اس شرط پر کیا کہ تو اپنی بیٹی کا نکاح مجھ سے کرائے گا۔ اور اس سے زیادہ کچھ نہ کہے تو کہا گیا ہے کہ یہ نکاح بالاتفاق جائز ہے اور نکاح شغار نہیں ہے اور اگر یہ کہے کہ میری بیٹی کی بضع تیری بیٹی کا مہر ہوگا اور دوسرے نے قبول نہیں کیا بلکہ اس نے اس کے ساتھ اپنی بیٹی کا نکاح کیا اور اس کو اس کی بیٹی کیلئے مہر نہیں بنایا۔ تو نکاح ثانی بالاتفاق صحیح ہو جائے گا اور نکاح اول میں وہی اختلاف ہوگا۔

نکاح شغار کا حکم ہمارے نزدیک یہ ہے کہ یہ نکاح درست ہے، اور فساد تسمیہ ہوگا چنانچہ مہر مثل لازم ہوگا۔

اور امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ یہ عقد باطل ہے، ابن عمرؓ کی اس حدیث کی بناء پر جو کتب ستہ میں منقول ہے: **"نهى رسول عن نكاح الشغار، وهو ان يزوج الرجل ابنته او اخته من الرجل على ان يزوجه ابنته او اخته وليس بينهما صداق"**۔ آپ علیہ السلام نے شغار سے منع فرمایا ہے، اور نہی منھی عنہ کے فساد کا تقاضا کرتی ہے، اور اس عقد میں فساد بالاتفاق مفید ملک نہیں ہوتا۔ ایک اور حدیث میں ہے **"لا شغار في الاسلام"** "اسلام میں شغار نہیں ہے۔

اور اسی سے تعدی معلوم ہوتی ہے یعنی ہر ولی جس نے اپنی "مولیہ" کا نکاح کرایا اس شرط پر کہ دوسرا اپنی مولیہ کا نکاح اس سے کرائے گا۔ مثلاً باندی کا مولیٰ اپنی باندی کا نکاح کرے اس شرط پر کہ دوسرا اپنی باندی کا نکاح اس سے کرے۔ تو یہ بھی اسی طرح باطل ہے۔

ہماری طرف سے جواب یہ ہے کہ نہی اور نفی دونوں کا متعلق مسمیٰ شغار ہے (یعنی مقرر کردہ مہر) اور شغار کے مفہوم میں اس کا مہر سے خالی ہونا اور بضع کا مہر ہونا ہے اور ہم اس ماہیت اور جو اس پر شرعاً صادق آئے اس کی نفی کے قائل ہیں، پس ہم نکاح کو اس طرح ثابت نہیں کرتے، بلکہ ہم اس کو باطل قرار دیتے ہیں، پس باقی رہ جائے گا ایسا نکاح جس میں ایسی چیز کو مقرر کیا گیا ہے جو مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ پس یہ نکاح منعقد ہو جائے گا اس حال میں کہ مہر مثل کو لازم کرنے والا ہوگا۔ اس نکاح کی طرح جس میں شراب یا خنزیر کو مہر مقرر کیا گیا ہو۔ تو جو چیز نہی کا متعلق ہے ہم اس کو ثابت نہیں کرتے اور جس چیز کو ہم ثابت کرتے ہیں اس کے ساتھ نہی کا تعلق نہیں ہے بلکہ عمومات اس کی صحت کا تقاضا کرتی ہیں، یعنی وہ نکاح جو مہر مثل کے ساتھ منعقد ہو جاتے ہیں مہر مقرر نہ کرنے کی صورت میں یا ایسی چیز کو مہر مقرر کرنے کی صورت میں جو مہر بننے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔ پس ظاہر ہوا کہ ہم منقول کے موجب کے قائل ہیں جہاں ہم نے اس کی نفی کی ہے۔

متعہ کی بزبان علی رضی اللہ عنہ ممانعت

۳۱۴۷: وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى عَنْ مُتْعَةِ النِّسَاءِ يَوْمَ خَيْبَرَ وَعَنْ اَكْلِ لُحُوْمِ الْحُمُرِ الْاِنْسِيَّةِ. (متفق عليه)

اخرجه البخاری فی صحيحه ٤٨١/٧ الحديث رقم ٤٢١٦ ومسلم فی صحيحه ١٠٢٧/٢ الحديث رقم (٢٩_١٤٠٧) والترمذی فی السنن ٤٢٩/٣ الحديث رقم ١١٢١ والنسائی فی ١٢٦/٦ الحديث رقم ٣٣٦٦ والدارمی فی ١٨٩/٢ الحديث رقم ٢٤٩٧ ومالک فی الموطأ ٥٤٢/٢ الحديث رقم ٤١۔

ترجمہ: ''اور حضرت علی کرم ﷲ وجہہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے خیبر کے دن عورتوں کے ساتھ متعہ کرنے اور گھریلو گدھوں کا گوشت کھانے سے منع فرمایا۔ (گھریلو گدھوں سے مراد وہ گدھے ہیں جو لوگوں کے پاس رہتے ہیں اور بار برداری وغیرہ کے کام آتے ہیں' جنگلی گدھا کہ جس کو گورخر کہتے ہیں حلال ہے اس کا گوشت کھایا جا سکتا ہے)''۔

تشریح: قولہ :و عن اکل لحوم الحمر الانسیة:

'' خیبر '': غیر منصرف ہے اور بعض کہتے ہیں کہ منصرف ہے۔

''متعہ'' کہتے ہیں کہ کہ آدمی عورت سے کہے کہ میں اتنی مدت اتنے مال کے عوض تجھ سے فائدہ حاصل کروں گا۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ مختار قول کے مطابق متعہ کی حلت وحرمت دو مرتبہ ہوئی ہے غزوہ خیبر سے پہلے متعہ حلال تھا پھر خیبر کے دن حرام ہوا۔ پھر فتح مکہ کے دن حلال کر دیا گیا۔ فتح مکہ کو ''عام اوطاس'' بھی کہتے ہیں چونکہ دونوں متصل واقع ہوئے تھے۔ پھر تین دن کے بعد ہمیشہ کے لئے قیامت تک حرام کر دیا گیا۔ (انتھی)۔

اس سے معلوم ہوا کہ فتح مکہ اور عام اوطاس ایک ہی ہے' اس لئے کہ غزوہ اوطاس تھوڑی مدت بعد واقع ہوا تھا۔ اس کی مزید تفصیل آنے والی حدیث میں آئے گی۔

''الحمر'': حاء اور میم دونوں کے ضمہ کے ساتھ'' حمار'' کی جمع ہے۔

''الا نسیة'': ہمزہ کے کسرہ اور نون کے سکون کے ساتھ ہے، اور ایک نسخہ میں دونوں کے فتحہ کے ساتھ ہے، اور ایک اور نسخہ میں ہمزہ کے ضمہ اور نون کے سکون کے ساتھ ہے بمعنی ''الاھلیة' یہ ضد ہے ''الوحشیة'' کی۔ عسقلانی فرماتے ہیں کہ ابن اوس نے دونوں کے فتحہ کے ساتھ روایت کیا ہے، اور مشہور ہمزہ کے کسرہ اور نون کے سکون کے ساتھ ہے، اور ''اِنس'' ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ''انسان'' کو کہتے ہیں۔ (انتھی)۔

اور قاموس میں ہے کہ ''الانس'' ضمہ اور حرکت کے ساتھ اور'' الانسیة '' حرکت کے ساتھ' ضد ہے ''الوحشة'' کی۔ صاحب نہایہ فرماتے ہیں کہ ''الحمر الانسیة'' ان کو کہتے ہیں جو گھروں کے ساتھ مانوف ہوں، اور مشہور اس میں ہمزہ کا کسرہ ہے ''انس'' کی طرف نسبت ہے، اور ''انس'' بنی آدم کو کہتے ہیں' اس کا واحد ''انسی'' ہے' بعض کہتے ہیں کہ ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ نسبت ہے ''انس'' کی طرف جو ضد ہے ''وحشت''۔ اور ہمزہ اور نون کے فتحہ کے ساتھ بھی روایت کیا ہے یہ نسبت ہے'' الانس '' کی طرف' جو کہ مصدر ہے ''انست بہ'' کا۔

۳۱۴۸: وَعَنْ سَلَمَةَ بْنِ الْاَکْوَعِ قَالَ رَخَّصَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ اَوْطَاسٍ فِي الْمُتْعَةِ ثَلَاثًا ثُمَّ نَهٰى عَنْهَا. (رواه مسلم)

اخرجه فى صحيحه ١٠٢٣/٢ الحديث رقم (١٨٠-١٤٠٥) واحمد فى المسند ٥٥/٤

ترجمہ: ''اور حضرت سلمہ بن اکوع رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جنگ اوطاس کے موقع پر تین دن کے لئے متعہ کی اجازت دی پھر اس سے (ہمیشہ کے لئے) منع فرما دیا''۔ (مسلم)

تشریح: قوله :رخص رسول الله ﷺ عام اوطاس :

"اوطاس": اس کو منصرف اور غیر منصرف دونوں طرح پڑھتے ہیں۔ طائف میں ایک جگہ ہے بعض کہتے ہیں کہ یہ ایک وادی کا نام ہے، دیار ہوازن میں سے ہے جہاں رسول اللہؐ نے حنین کا مال غنیمت تقسیم کیا تھا۔

بعض شراح فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ اس غزوہ میں تین راتوں کے لئے متعہ کی اجازت دی تھی۔ منع کے وقت میں جو راویوں کا اختلاف ہے یہ ان تک خبر پہنچنے میں تفاوت کی وجہ سے ہے۔ اس حدیث اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کی حدیث: "انه رخص عام اوطاس بعد ما نهى عنه نصرورة دعت اليها" میں تطبیق یہ ہے کہ اس سے پھر دوبارہ منع کیا تھا اور اس پر "ورخص فى المتعة ثلاثا" دلالت کر رہا ہے۔

ہدایہ میں ہے کہ امام مالک نے کہا ہے کہ متعہ جائز ہے۔ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اس کی نسبت امام مالک کی طرف غلط ہے۔ لانه كان مباحًا فيبقى الى ان يظهر النسخ هذا متمسك من يقول بها كابن عباس قلنا قد ثبت النسخ باجماع الصحابة۔

یہ مصنف کی عبارت ہے لیکن اس عبارت میں (باجماع) باء سببیت کے لئے نہیں ہے، چونکہ صحیح یہ ہے کہ اجماع ناسخ نہیں بن سکتا، ہاں اگر یہاں محذوف نکالا جائے اور تقدیری عبارت یوں ہو: بسبب العلم باجماعهم، یعنی جب متعہ سے منع کرنے پر صحابہ کا اجماع معلوم ہوا، تو اس کا نسخ معلوم ہوا کسی دلیل نسخ سے، یا باء مصاحبت کے لئے ہے ای لما ثبت اجما عهم على المنع علم معه النسخ یعنی جب صحابہ کا اجماع معلوم ہوا متعہ سے منع پر تو اس کے ساتھ اس کا نسخ بھی معلوم ہوا۔ اور دلیل نسخ بعینہ وہ حدیث ہے جو صحیح مسلم میں ہے کہ آپ ﷺ نے فتح کے دن اس کو حرام قرار دیا تھا۔

اور صحیحین میں ہے کہ آپؐ نے خیبر کے دن متعہ کو حرام قرار دیا تھا دونوں احادیث کے درمیان تطبیق یہ ہے کہ یہ دو مرتبہ حرام ہوا ہے۔ بعض حضرات فرماتے ہیں کہ تین چیزیں ایسی ہیں کہ جو دو مرتبہ حرام ہوئی ہیں: ① متعہ۔ ② گھریلو گدھے کا گوشت ③ بیت المقدس کی طرف نماز میں رُخ۔ بعض حضرات کہتے ہیں کہ ناسخ کی ضرورت ہی نہیں ہے، اس لئے کہ آپ علیہ السلام نے تین دن کے لئے اس کو مباح قرار دیا تھا، تو تین دن کے گزرنے سے اباحت خود بخود ختم ہوگئی، اور اس کی دلیل وہ ہے جو محمد بن الحسن نے اصل میں روایت کی ہے: "بلغنا عن رسول الله صلى الله عليه وسلم، انه احل المتعة ثلاثة ايام من الدهر فى غزاة غزاها' اشتد على الناس فيها العزوبة ثم نهى عنها" لیکن یہ روایت اس کا فائدہ نہیں دیتی کہ اباحت جب صادر ہوئی تو وہ تین دن کے ساتھ مقید تھی اسی وجہ سے "ثم نهى عنها" فرمایا (ورنہ اس کی ضرورت نہیں تھی) یہ اس روایت کے مشابہ ہے جو صحیح مسلم میں شبرمہ بن معبد الجہنی سے مروی ہے۔

رسولؐ نے ہمیں متعہ کی اجازت دی، پس میں اور ایک اور آدمی بنی عامر کی ایک عورت کے پاس گئے،۔ ہم نے اس پر اپنے آپ کو پیش کیا تو وہ کہنے لگی آپ مجھے کیا دیں گے؟ تو میں نے کہا میں اپنی چادر دوں گا' میرے ساتھی نے کہا کہ میں اپنی چادر دوں گا اور اس کی چادر میری چادر سے اچھی تھی اور میں اس سے خوبصورت تھا۔ پس وہ عورت جب میرے ساتھی کی چادر کی طرف دیکھتی تو وہ اسے اچھی لگتی اور جب میری طرف دیکھتی تو میں اسے اچھا لگتا۔ پھر وہ کہنے لگی تو اور تیری چادر میرے لئے کافی ہے۔

میں اس کے ساتھ تین دن تک ٹھہرا رہا، پھر رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: جس کے پاس ان عورتوں میں سے کوئی عورت ہو جس سے متعہ کیا جاتا ہے وہ اس کو چھوڑ دے۔

اور صحیح مسلم میں آپ علیہ السلام کی یہ حدیث نقل کی ہے: "میں نے تمہیں عورتوں سے متعہ کرنے کی اجازت دی تھی اور اب اللہ پاک نے اسے قیامت تک کے لئے حرام کر دیا ہے"۔ اس بارے میں بہت ساری مشہور احادیث ہیں اور ابن عباس سے متعہ کی اباحت کی شہرت کے بعد اس سے رجوع صحیح طور پر ثابت ہے۔ ابن عباسؓ سے یہ نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے اس کی اجازت حالت اضطرار اور سفر میں مشقت کے وقت دی تھی۔ اسی وجہ سے حازمی نے کہا ہے کہ آپ علیہ السلام نے صحابہ کو متعہ کی اجازت اس وقت نہیں دی تھی جب وہ اپنے گھروں اور وطن میں تھے' ان کو بعض اوقات میں ضرورت کے مطابق اجازت دی تھی یہاں تک کہ آخری سال حجۃ الوداع کے موقع پر اس کو حرام قرار دیا یہ حرمت ہمیشہ کے لئے تھی اس میں ائمہ وعلماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے، سوائے شیعوں کے ایک گروہ کے۔ (انتھی)۔

قاضی عیاض فرماتے ہیں اباحت متعہ کی احادیث صحابہ کے سفر جہاد میں عورتوں کی عدم موجودگی کے مواقع پر وارد ہوئی ہیں، باوجود یہ کہ ان کے علاقے گرم تھے اور عورتوں سے صبر ان میں بہت کم تھا۔

ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں مذکور ہے کہ ابتداء اسلام میں اس کی اجازت تھی اس شخص کے لئے جو مجبور ہوتا تھا، جیسے مردار وغیرہ کی اجازت ہے۔ پھر علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جب بھی نکاح متعہ واقع ہو جائے اس کے باطل ہونے کا فیصلہ کیا جائے گا چاہے قبل از دخول ہو یا بعد از دخول ہو۔ سوائے امام زفر کے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جس نے نکاح متعہ کیا تو اس کا نکاح مؤبد (یعنی ہمیشہ کے لئے) ہوگا۔ گویا کہ امام زفر نے تأجیل (یعنی ذکر مدت) کو نکاح میں شروط فاسدہ کے باب سے شمار کیا ہے، کہ شروط فاسدہ لغو ہو جاتی ہیں اور نکاح صحیح ہو جاتا ہے۔ (انتھی)۔

یہ محل نظر ہے' چونکہ امام زفر رحمۃ اللہ علیہ نے نکاح مؤقت اور متعہ میں فرق کیا ہے، پس نکاح متعہ بالاتفاق باطل ہے۔ متعہ وہ ہوتا ہے جو لفظ "متعہ" اور لفظ "تمتیع" سے ہو، خواہ مؤقت ہو یا نہ ہو۔ مؤقت وہ ہوتا ہے جو لفظ "نکاح" اور لفظ "زواج" کے ساتھ ہو، اور زمانہ معین کے ساتھ مقید ہو۔

قاضی عیاض رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ علماء کا اس بات پر اجماع ہے کہ جس نے مطلقاً نکاح کیا اور نیت اس کی یہ تھی کہ وہ ایک خاص مدت تک اس کے ساتھ رہے گا، تو اس کا نکاح درست ہے۔

الفصل الثانی:

خطبہ نکاح

۳۱۴۹: عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ عَلَّمَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ التَّشَهُّدَ فِي الصَّلَاةِ وَالتَّشَهُّدَ فِي الْحَاجَةِ قَالَ التَّشَهُّدُ فِي الصَّلٰوةِ اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّيِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَيْكَ

اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِینَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَالتَّشَهُّدُ فِی الْحَاجَةِ اَنِ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَسْتَعِینُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ وَیَقْرَأُ ثَلَاثَ اٰیَاتٍ یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقَاتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَاءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا یَا اَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا رواه احمد والترمذی وابوداود والنسائی وابن ماجة والدارمی وفی جامع التر مذی فسر الآیات الثلا ث سفیان الثوری وزاد ابن ماجة بَعْدَ قَوْلِهٖ اَنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَحْمَدُهٗ وَبَعْدَ قَوْلِهٖ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا وَمِنْ سَیِّئَاتِ اَعْمَالِنَا وَالدَّارِمِیُّ بَعْدَ قَوْلِهٖ عَظِیْمًا ثُمَّ یَتَكَلَّمُ بِحَاجَتِهٖ وروی فی شرح السنة عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ فِیْ خُطْبَةِ الْحَاجَةِ مِنَ النِّكَاحِ وَغَیْرِهٖ۔

اخرجه ابود اود فی السنن ۵۹۱/۲ الحدیث رقم ۲۱۱۸ ولترمذی فی ۴۱۳/۳ الحدیث رقم ۱۱۰۵ والنسائی فی ۸۹/۶ الحدیث رقم ۳۲۷۷ وابن ماجه فی ۶۰۹/۱ الحدیث رقم ۱۸۹۲ والدارمی فی ۱۹۱/۲ الحدیث رقم ۲۲۰۲ واحمد فی المسند ۳۹۲/۱

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ہمیں نماز (میں پڑھا جانے) والاتشہد اور حاجت کے وقت پڑھا جانے والاتشہد سکھایا۔ نماز والاتشہد یہ ہے: اَلتَّحِیَّاتُ لِلّٰهِ وَالصَّلَوَاتُ وَالطَّیِّبَاتُ اَلسَّلَامُ عَلَیْكَ اَیُّهَا النَّبِیُّ وَرَحْمَةُ اللّٰهِ وَبَرَكَاتُهُ اَلسَّلَامُ عَلَیْنَا وَعَلٰی عِبَادِ اللّٰهِ الصَّالِحِیْنَ اَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ۔ ''زبان کی عبادتیں' بدنی عبادتیں اور مالی عبادتیں سب اللہ کے لئے ہیں۔ اے نبی (ﷺ) آپ پر سلامتی ہو اور اللہ کی رحمت و برکت ہو اور ہم پر اور اللہ کے تمام نیک بندوں پر بھی سلامتی ہو' میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اس بات کی بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں'' اور کسی حاجت و ضرورت کے وقت پڑھا جانے والاتشہد یہ ہے: اِنَّ الْحَمْدَ لِلّٰهِ نَسْتَعِیْنُهٗ وَنَسْتَغْفِرُهٗ وَنَعُوْذُ بِاللّٰهِ مِنْ شُرُوْرِ اَنْفُسِنَا مَنْ یَّهْدِهِ اللّٰهُ فَلَا مُضِلَّ لَهٗ وَمَنْ یُّضْلِلْهُ فَلَا هَادِیَ لَهٗ وَاَشْهَدُ اَنْ لَّا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَاَشْهَدُ اَنَّ مُحَمَّدًا عَبْدُهٗ وَرَسُوْلُهٗ ۔ ''تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں' ہم اس سے مدد چاہتے ہیں اور اسی سے بخشش طلب کرتے ہیں اور ہم اپنے نفس کی ہر برائی سے اللہ کی پناہ چاہتے ہیں' جس کو اللہ ہدایت (کی توفیق) دے دے اس کو کوئی گمراہ کرنے والا نہیں (یعنی نہ شیطان بہکا سکتا ہے نہ نفس گمراہ کر سکتا ہے اور نہ کوئی اور گمراہی میں مبتلا کر سکتا ہے) اور جس کو اللہ تعالیٰ گمراہ کر دے اس کو کوئی ہدایت دینے والا نہیں میں گواہی دیتا ہوں کہ اللہ کے سوا کوئی معبود نہیں اور میں اس بات کی

بھی گواہی دیتا ہوں کہ محمد (ﷺ) اللہ کے بندے اور اس کے رسول ہیں" پھر (اس تشہد کے بعد) آپ ﷺ قرآن کریم کی تین آیات کی تلاوت فرماتے: یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ حَقَّ تُقٰتِهٖ وَلَا تَمُوْتُنَّ اِلَّا وَاَنْتُمْ مُّسْلِمُوْنَ۔ "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرو جیسا کہ اس سے ڈرنے کا حق ہے اور تم اس حال میں مرنا کہ تم مسلمان ہو"۔ دوسری آیت یہ ہے: یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَیْكُمْ رَقِیْبًا ۔ "اے لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک جان (یعنی حضرت آدم علیہ السلام) سے پیدا کیا اور اسی سے اس کا جوڑ پیدا کیا اور ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت کو روئے زمین پر پھیلا دیا اور اللہ سے ڈرو جس سے تم اپنی ضروریات کا سوال کرتے ہو اور قطع رحمی سے بچو۔ بے شک اللہ تمہیں دیکھ رہا ہے"۔ تیسری آیت یہ ہے: یٰاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوا اتَّقُوا اللّٰهَ وَقُوْلُوْا قَوْلًا سَدِیْدًا یُّصْلِحْ لَكُمْ اَعْمَالَكُمْ وَیَغْفِرْ لَكُمْ ذُنُوْبَكُمْ وَمَنْ یُّطِعِ اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ فَقَدْ فَازَ فَوْزًا عَظِیْمًا ۔ "اے ایمان والو! اللہ سے ڈرا کرو اور بات سیدھی کہا کرو۔ وہ تمہارے تمام اعمال کی اصلاح کر دے گا اور تمہارے گناہ بخش دے گا اور جو شخص اللہ اور اس کے رسول کی فرمانبرداری کرے گا تو بے شک بڑی مراد پائے گا" اور جامع ترمذی میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ "ان تینوں آیتوں کو سفیان ثوریؒ نے بیان کیا ہے اور ابن ماجہؒ نے ان الحمد للّٰہ کے بعد نحمدہ اور من شرور انفسنا کے بعد ومن سیئات اعمالنا کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے اور دارمیؒ نے اپنی روایت میں "عظیما" کے بعد یہ اضافہ کیا ہے کہ (یہ تشہد اور آیتیں پڑھنے کے بعد) اپنی حاجت (یعنی عقد کے الفاظ) بیان کرے اور شرح السنہ میں ابن مسعود رضی اللہ عنہ کی اس روایت کو نقل کیا ہے اس میں خطبہ حاجت کی وضاحت نکاح وغیرہ سے کی گئی ہے (یعنی شرح السنہ نے لفظ "حاجت" کی توضیح میں من النکاح کے الفاظ کا اضافہ کیا ہے)"۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: "تسآء لون": ایک تاء حذف ہے اصل میں "تستاء لون" تھا اور سین کی تشدید کے ساتھ بھی ہے دونوں قراتیں متواتر ہیں۔

"ان الحمد لله": ان "تخفیف کے ساتھ اور "الحمد" رفع کے ساتھ ہے اور ایک نسخہ میں "ان" تشدید کے ساتھ اور "الحمد" نصب کے ساتھ ہے۔ جزری تصحیح المصابیح میں فرماتے ہیں کہ "ان" میں تخفیف اور تشدید دونوں جائز ہیں۔ تشدید کی صورت میں "الحمد" کا رفع اور نصب دونوں درست ہیں اور اسی کے مطابق ہم نے اس کو روایت کیا ہے۔ (انتھی)۔ تشدید کی صورت میں الحمد" کا رفع اعراب حکائی ہوگا۔ امام طیبی فرماتے ہیں کہ "التشهد" مبتدا ہے اور "ان الحمد لله" اس کی خبر ہے۔ اور" ان " مخففہ من المثقلہ ہے جیسے کہ اس آیت میں ہے: ﴿واخر دعواهم ان الحمد لله رب العلمين﴾ [یونس-۱۰]

"نستعينه": یہ اور اس کے مابعد، جملے مستانفہ ہیں۔ "حامدین" کے احوال بیان کر رہے ہیں۔

"من يهده الله": اثبات ضمیر کے ساتھ ہے۔

"وزاد ابن ماجه بعد قوله ان الحمد لله نحمده": "نحمدہ" زاد کے لئے مفعول ہے، اور" ومن سيئات اعمالنا" یہ بھی" زاد" کے لئے مفعول ہے۔

"والدارمی": اس کا عطف "ابن ماجه" پر ہے۔ای وزاد دارمی۔
"ثم یتکلم بحاجة": مفعول ہے" زاد" مقدر کے لئے۔
"وروی": ضمیر بغوی کی طرف لوٹ رہی ہے۔جو معہود فی الذہن ہے۔

تشہد کا معنیٰ ہے، ① اظهار الشهادة بالایمان، ② طلب التشہد اور یہ حلاوۃ ایمان ہے۔ ③ طلب الشهود. وهو الحضور والوفاء فی مقام الاحسان. تشهد فی الصلاة کی تشریح پہلے گزر چکی ہے۔

ان الحمد: حمد کو یہاں ثناء جمیل یعنی ایسی اچھی تعریف پر حمل کیا جائے گا جو نعمت کے مقابلے میں ہو، یا نہ ہو اور اوصاف کمال، جلال، جمال، اکرام اور افعال عظام میں سے ہو، اور الف لام تعریف استغراق جنس کے لئے ہے۔ تو اس کا معنیٰ ہوگا کہ تمام نعمتیں دنیوی اور اُخروی اللہ کی طرف سے ہیں اور ہر صفت کمال اور تمام فضائل اعمال اسی کے لئے ہے اور اسی سے ہے۔ تا کہ اس پر مرتب ہوں، اس کے بعد آنے والے افعال متناسقہ استعانۃ، استغفار اور استعاذہ وغیرہ میں سے۔

من شرور انفسنا: اپنے ردی اخلاق کے شر کے ظاہر ہونے سے اور اپنی گھٹیا خواہشات کی طبیعتوں کے احوال سے۔
فلا هادی له: نہ عقل کی طرف سے نہ نقل کی جہت سے، نہ کوئی ولی اور نہ کوئی نبی۔ امام طیبی فرماتے ہیں کہ پہلے ضلال کی نسبت نفسوں کی طرف کی کسباً اور پھر اضلال کی نسبت اللہ کی طرف کی خلقاً اور تقدیراً۔
واشهد: یعنی اس کی اعانت اور راہنمائی کے ساتھ۔
ان لا اله الا الله: یعنی عبادت کا مستحق الوہیت میں ثابت اور اپنی ذات وصفات میں یکتا، اس کے علاوہ کوئی نہیں ہے۔
محمداً عبده رسوله: یعنی جو تمام مخلوقات کے سردار ہیں اور تمام موجودات کی سند ہیں۔
معالم التنزیل میں ہے کہ ابن مسعودؓ اور ابن عباسؓ نے اس آیت کی تفسیر میں فرمایا ہے "اس کی اطاعت کی جائے، نافرمانی نہ کی جائے اور اسے یاد کیا جائے، بھلایا نہ جائے۔

اہل تفسیر فرماتے ہیں کہ جب یہ آیت نازل ہوئی تو صحابہ پر بہت گراں گزری اور انہوں نے عرض کیا کہ اللہ کے رسول! اس کی طاقت کون رکھتا ہے؟۔ تو اللہ پاک نے یہ آیت نازل کی: ﴿فاتقوا الله ما استطعتم﴾ [التغابن۔۱۶] تو یہ آیت منسوخ ہو گئی۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ آیت منسوخ نہیں ہے، بلکہ اپنی جگہ ثابت ہے اور آیت ثانیہ اس کے لئے مبین اور تفسیر ہے۔

وانتم مسلمون: یہاں "مسلمین" کے یہ تمام معانی مراد ہو سکتے ہیں: ① مؤمن، ② مخلص ہوں، ③ یا اپنے آپ کو اللہ کی طرف سونپنے والے ④ اللہ کے ساتھ حسن ظن رکھنے والے ⑤ بعض نے کہا ہے کہ شادی شدہ۔ ظاہر کلام میں نہی تو موت پر واقع ہے لیکن درحقیقت ان کو اسلام چھوڑنے سے منع کیا ہے۔ اور مطلب اس کا یہ ہے کہ اسلام پر ہمیشہ کے لئے ثابت قدم رہو، یہاں تک کہ تمہیں موت نہ آئے، مگر اس حال میں کہ تم مسلمان ہو۔

قوله: یأیها الذین آمنوا اتقوا الله الذی: یہ آیت مشکوۃ کے نسخوں میں، الاذکار کے نسخوں میں، تیسیر الوصول الی جامع الاصول میں اور الحصن کے بعض نسخوں میں اسی طرح ہے۔ امام طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ شاید مصحف ابن مسعود رضی اللہ عنہ میں اس طرح ہو اس لئے کہ سورۃ نساء کے شروع میں: [واتقوا الله الذی] " یایها الذین آمنوا" کے بغیر ہے۔

بعض حضرات کہتے ہیں کہ شاید یہ تأویل ہو اس کی جو مصحف امام میں ہے، تو یہ اشارہ ہوگا کہ یاایها الناس میں الف لام عہد کیلئے ہے، اور مراد اس سے مؤمنین ہیں۔ (ملا علی قاری فرماتے ہیں) یہ احتمال درست نہیں ہے اس لئے کہ اگر اس طرح ہوتا تو پھر "یاایها الذین آمنوا اتقوا ربکم الذی خلقکم من نفس واحدة" کہتے۔ نیز دونوں اسماء موصولہ تخصیص کے لائق نہیں ہیں۔

قوله: قولوا قولاً سديدا: اس کی توضیح میں علماء کی مختلف آراء ہیں جو حسب ذیل ہیں:

① درست بات کہو۔ ② انصاف کی بات کہو۔ ③ سچی بات کہو۔ ④ سیدھی بات کہو۔ ⑤ لا الہ الا اللہ یعنی اس قول پر قائم ودائم رہو۔

من يطع الله...... :یعنی اوامر پر عمل اور زواجر سے اجتناب کرے گا وہ کامیاب ہوا بہت زیادہ بھلائیوں کے ساتھ اور بڑی حکومت کا مالک ہوا۔

وفي جامع الترمذي.....الثوري :

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ غلطی ان سے سہواً ہوئی ہو۔ پس اولیٰ یہ ہے کہ یہ آیت قراءت متواترہ کے مطابق پڑھی جائے، جیسا کہ الحصن کے بعض نسخوں میں ہے، اور وہ یہ ہے: ﴿يٰٓاَيُّهَا النَّاسُ اتَّقُوْا رَبَّكُمُ الَّذِیْ خَلَقَكُمْ مِّنْ نَّفْسٍ وَّاحِدَةٍ وَّخَلَقَ مِنْهَا زَوْجَهَا وَبَثَّ مِنْهُمَا رِجَالًا كَثِيْرًا وَّنِسَآءً ۚ وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَآءَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ ۭ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا﴾ [النساء:۱] "لوگو! اپنے پروردگار سے ڈرو جس نے تم کو ایک شخص سے پیدا کیا (یعنی اول) اس نے اس کا جوڑا بنایا۔ پھر ان دونوں سے کثرت سے مرد و عورت (پیدا کر کے روئے زمین پر) پھیلا دیئے اور خدا سے جس کے نام کو تم اپنی حاجت براری کا ذریعہ بناتے ہو ڈرو اور (قطع مودت) ارحام سے (بچو) کچھ شک نہیں کہ خدا تمہیں دیکھ رہا ہے۔" یہ آیت حالت نکاح اور اس کے علاوہ ہر حاجات کے لئے بہت زیادہ مناسب ہے۔

قوله : وروى في شرح السنة عن ابن مسعود في الخطبة الحاجة من النكاح وغيره : الحصن سے یوں مفہوم ہوتا ہے کہ ابوداؤد نے "ورسوله" کے بعد یہ الفاظ زیادہ کیے ہیں:

"ارسله بالحق بشيراً ونذيراً بين يدى الساعة من يطع الله ورسوله فقد رشد ومن يعصهما فلا يضر الانفسه ولا يضر الله شيئاً".

صاحب سلاح نے حدیث ابن مسعود کے بعد کہا ہے کہ ابوداؤد نے زہری سے مرسلاً یہ اضافہ نقل کیا ہے:

ونسأل الله ان يجعلنا ممن يطيعه ويطيع رسوله ويتبع رضوانه ويجتنب سخطه فانما نحن به وله۔

تخريج: رواه الحاكم في مستدركه وابو عوانة وقال الترمذي حسن۔

بلا خطبہ نکاح بے برکت ہے

۳۱۵۰: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ خُطْبَةٍ لَيْسَ فِيْهَا تَشَهُّدٌ

فَهِيَ كَالْيَدِ الْجَذْمَاءِ ۔ (رواه الترمذی وقال هذا حديث حسن غريب)

اخرجه ابو داود في السنن ۱۷۳/۵ الحديث رقم ۴۸۴۱، والترمذی فی ۴۱۴/۳ الحديث رقم ۱۱۰۶ واحمد في المسند ۳۴۳/۲۔

ترجمه: ''اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہر وہ خطبہ جس میں تشہد (یعنی اللہ کی حمد وثنا) نہ ہو وہ کٹے ہوئے ہاتھ کی مانند ہے''۔ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے''۔

تشریح: قوله: كُلُّ خُطْبَةٍ لَيْسَ فِيهَا تَشَهُّدٌ فَهِيَ كَالْيَدِ الْجَذْمَاءِ :

ایک دوسری روایت میں ''كل خطبة ليس فيها شهادة فهي كاليدالجذ ماء'' وارد ہوا ہے۔

"الخطبة": بالكسر بمعنى التزوج۔

"الجذماء": بمعنی المقطوعة' کٹا ہوا ہاتھ جس میں آدمی کے لئے کوئی فائدہ نہ ہو۔ جذم تیزی سے کٹنے کو کہتے ہیں اور کہا گیا ہے کہ ''جذ ماء" جذام سے ہے۔ جذام ایک مشہور بیماری ہے جس سے طبیعتیں نفرت کرتی ہیں۔

اس حدیث کی شرح میں شیخ مظہر اور زین العرب نے لکھا ہے کہ '' خطبة "بالكسر طلب التزوج کو کہتے ہیں (انتھی)۔ اس سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں بھی یہ کسرہ کے ساتھ ہے، لیکن شرح ابن حجر سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ ضمہ کے ساتھ ہے اس لئے کہ شیخ نے صنیع بخاری پر اشکال میں اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس سے یہ اشکال بھی ختم ہوا کہ امام بخاری کے نزدیک یہ بالکسر ثابت ہے، یا یہ حدیث ان کے نزدیک صحیح نہیں ہے۔

تشہد، اصل میں اس کلمہ کو کہتے ہیں "اشهد ان لا اله الا الله وأشهد ان محمدا رسول الله". اور کبھی ثناء تشہد تعبیر کیا جاتا ہے۔

روایت مذکورہ کو ابوداؤد نے حضرت ابوہریرہ سے اور سید جمال الدین نے اپنے حاشیہ میں ذکر کیا ہے۔

شان والے کام کو حمد باری تعالیٰ سے شروع کیا جائے

۳۱۵۱: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ اَمْرٍ ذِىْ بَالٍ لَا يُبْدَاُ فِيْهِ بِالْحَمْدُ لِلّٰهِ فَهُوَ اَقْطَعُ ۔ (رواه ابن ماجة)

اخرجه ابو داود في السنن ۱۷۲/۵ الديث رقم ۴۸۴۰ وابن ماجه في ۶۱۰/۱ الحديث رقم ۱۸۹۴ واحمد في المسند ۳۵۹

ترجمه: ''اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہر وہ اہم اور عظیم الشان کام جس کی ابتداء اللہ کی حمد وثنا کے بغیر کی جائے وہ بے برکت ہوتا ہے''۔ (ابن ماجہ)

تشریح: قوله: کل امر ذی بال لايبدا فيه ایک روایت میں لا یبدأ کی جگہ ''لم يبدأ'' ہے اور ایک روایت

اقطع کی جگہ ابتر ہے، اور ایک روایت میں اجذم ہے، اور ایک روایت لا یبدأ فیه بسم الله الرحمن الرحیم ہے۔ دونوں روایتوں میں جمع کی صورت کتاب کی ابتداء میں گزر چکی ہے۔

"بالحمد لله": ہمزہ وصل کے اثبات اور اسقاط دونوں کے ساتھ ہے حکایۃً۔

تخریج: اس حدیث کو ابوداؤد نے، نسائی نے عمل الیوم واللیلۃ میں اور بیہقی نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔

۳۱۵۲: وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْلِنُوْا هٰذَا النِّكَاحَ وَاجْعَلُوْهُ فِي الْمَسَاجِدِ وَاضْرِبُوْا عَلَيْهِ بِالدُّفُوْفِ۔ (رواه الترمذی وقال هذا حديث غريب)

اخرجه الترمذی فی السنن ۳۹۸/۳ الحدیث رقم ۱۰۸۹ وابن ماجه فی ۶۱۱/۱ الحدیث رقم ۱۸۹۰

ترجمہ: "اور اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم نکاح کا اعلان کرو اور نکاح مسجد کے اندر کرو اور نکاح کے موقع پر دف بجالیا کرو"۔ ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے"۔

تشریح: قوله: اعلنوا هذا النکاح: اگر "اعلان" گواہوں کے ساتھ مراد ہو تو پھر یہ امر وجوب کے لئے ہے اور اگر اظہار و تشہیر کے ساتھ مراد ہو تو پھر امر استحباب کے لئے ہے۔ جیسے کہ "وا جعلوه فی المساجد" میں امر استحباب کے لئے ہے۔

واجعلوه فی المساجد: اس میں کئی فوائد ہیں: جن میں سے دو فائدے یہ ہیں:

① مساجد میں نکاح کرنے میں نکاح کا اعلان اچھے طریقے سے ہو جاتا ہے۔

② حصول برکت کے لئے کہ مساجد کی برکت بھی اس میں حاصل ہو جاتی ہے۔

مناسب یہ ہے کہ مکان کے ساتھ زمان کی فضیلت کی بھی رعایت رکھی جائے، تاکہ "نور علی نور" اور "سرور علی سرور" ہو جائے۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ مساجد میں عقد نکاح کرنا مستحب ہے، چونکہ نکاح عبادت ہے۔ عقد نکاح جمعہ کے دن مستحب ہے۔ اھ اس وجہ سے مستحب ہے کہ اس میں اجتماع کے لئے تفاؤل ہے یا اس میں زیادہ ثواب کی توقع ہے اور اس میں اعلان کامل طریقے پر ہو جاتا ہے۔

قوله: واضربوا علیه بالدفوف۔ ابن الملک کا یہ قول بہت عجیب ہے وہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے نکاح کے لئے مسجد میں دف بجانے کا جواز معلوم ہوتا ہے، حالانکہ حدیث میں اس بات پر کوئی دلالت نہیں ہے جیسا کہ ظاہر ہے۔ فقہاء فرماتے ہیں کہ دف سے مراد وہ دف ہے جو بغیر جھانجر کے ہو جیسا کہ ابن ہمام نے ذکر کیا ہے

پھر ابن ہمام فرماتے ہیں کہ نکاح میں گواہوں کی شرط ہونے کی دلیل آپ علیہ السلام کا یہ ارشاد ہے: "لا نکاح الا بشهود" بغیر گواہوں کے نکاح نہیں ہے۔ صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث امام مالک کے خلاف حجت ہے کہ وہ اعلان کو شرط قرار دیتے ہیں، اور گواہی کو شرط قرار نہیں دیتے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ حدیث دونوں باتوں میں امام مالک کے خلاف حجت ہے لیکن مقصود

اصل مسئلہ یعنی شرط اعلان میں ان کے خلاف حجت ہے اور شرط اعلان کا ذکر بطور اتمام اور ان کے مذہب کو ذکر کرنے کیلئے ہے۔

شرط شہادت کی نفی ابن ابی لیلی، عثمان البناء، ابوثور اور اصحاب ظواہر کا قول ہے۔ اور کہا گیا ہے کہ ابن عمر اور حسن رضی اللہ عنہما نے بغیر گواہوں کے نکاح کیا ہے لیکن ان کے خلاف یہ حدیث حجت ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "لا نکاح الا بشھود" اس کو دار قطنی نے روایت کیا ہے۔

ترمذی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کی یہ حدیث نقل کی ہے: "بدکار عورتیں وہ ہیں جو اپنے نفسوں کا نکاح کریں بغیر گواہوں کے"۔ اس حدیث کو عبدالاعلی کے علاوہ کسی نے مرفوع ذکر نہیں کیا ہے۔ عبدالاعلیٰ نے اس کو "کتاب التفسیر" میں مرفوع اور "طلاق" میں موقوف ذکر کیا ہے۔ ابن حبان نے حضرت عائشہؓ سے یہ حدیث روایت کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: نکاح نہیں ہے مگر ولی کے ساتھ اور دو عادل گواہوں کے ساتھ' اور جو نکاح اس کے علاوہ ہو تو وہ باطل ہے' اور اگر وہ اختلاف کریں تو بادشاہ ولی ہے اس کے لئے جس کا کوئی ولی نہ ہو'۔ ابن حبان فرماتے ہیں کہ گواہوں کے باب میں اس حدیث کے علاوہ کوئی صحیح نہیں ہے۔

ابن حبان کے اس قول اور فخر الاسلام کے قول میں بہت بڑا فرق ہے کہ وہ فرماتے ہیں حدیث شہود مشہور ہے، اس کے ذریعے کتاب اللہ: ﴿فَانكِحُوا مَا طَابَ لَكُم مِّنَ النِّسَاءِ﴾ [النساء: ۳] میں تخصیص جائز ہے، فخر الاسلام کے اس قول سے وہ مشہور اشکال بھی ختم ہو گیا کہ خبر واحد کے ذریعے کتاب اللہ پر زیادتی یا تخصیص جائز نہیں ہے۔

مشائخ رحمہم اللہ نے امام مالک سے دو جگہوں میں اختلاف کیا ہے: ایک شہادت میں جو ہم نے ذکر کر دیا اور دوسرا اعلان میں اثبات اعلان میں امام مالک کے لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے استدلال کیا ہے۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ دوسرا اختلاف محل نزاع نہیں ہے اور یہی بات مشائخ کے ان جوابات سے معلوم ہوتی ہے جو اس حدیث کے بارے میں امام مالک کو دیئے ہیں۔ اس لئے کہ مشائخ کا اس پر اتفاق ہے کہ اعلان کے دلائل پر عمل کرنا اشتراط شہادت کے ساتھ ہے اس لئے کہ شہادت سے اعلان ہو جاتا ہے۔ اور کرخی کا یہ قول: سرك ماكان عند امرئ وسر الثلاثه غير الخفي "تیرا راز وہ ہے جو ایک آدمی کے پاس ہو اور تین آدمیوں میں راز کی بات پوشیدہ نہیں ہوتی"۔

یہ قول صریح ہے اس بارے میں جو ہم نے ذکر کیا۔ اور ان کا یہ کہنا کہ "راز کا نکاح وہ ہوتا ہے جس میں گواہ نہ ہوں، اور جب گواہ حاضر ہو جائیں تو نکاح کا اعلان ہو جاتا ہے" پس تحقیق یہ ہے کہ اشتراط اعلان میں کوئی اختلاف نہیں ہے، بلکہ اختلاف اس کے بعد ہے کہ آیا وہ اعلان جو نکاح میں شرط ہے' نفس اشہاد سے حاصل ہو جاتا ہے، بایں طور کہ اگر گواہوں کو یہ وصیت کی جائے کہ آپ نے اس بات کو پوشیدہ رکھنا ہے تو اس سے نکاح میں خلل واقع نہ ہوگا۔ یا نفس اشہاد سے اعلان کا حصول نہیں ہوتا، یہاں تک کہ مذکورہ صورت میں نکاح میں خلل واقع ہوگا۔ تو ہم کہتے ہیں کہ ہاں نفس اشہاد سے اعلان کا مقصد حاصل ہو جاتا ہے اور وہ فرماتے ہیں کہ حاصل نہیں ہوتا۔

اور اگر بغیر گواہوں کے اعلان کر دے تو نکاح درست نہ ہوگا بوجہ ایک اور شرط کے نہ پائے جانے کے جو کہ اشہاد ہے، اور امام مالک کے نزدیک نکاح درست ہو جائے گا۔ حاصل کلام یہ ہوا کہ شرط اشہاد اپنے ضمن میں ایک اور شرط کو لئے ہوئے ہے، لیکن ہر اشہاد اعلان ہے' اس کے برعکس نہیں ہے۔ جیسا کہ لوگ اعلان نکاح کر دیں بچوں اور غلاموں کے سامنے تو نکاح درست

نہ ہوگا۔

تخریج: ابن ہمام نے ترمذی سے نقل کیا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے' واللہ اعلم۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ترمذی کا یہ قول "هذا حديث غريب پوری حدیث کے بارے میں ہے۔ ورنہ حدیث کے پہلے حصے: "اعلنوا النكاح" کو تو بہت سے محدثین نے نقل کیا ہے۔ روایت کیا ہے۔ احمد نے مسند میں، ابن حبان نے اپنی صحیح میں، طبرانی نے کبیر میں، ابونعیم نے الحلیہ میں، اور حاکم نے مستدرک میں ابن زبیر سے نقل کیا ہے۔

شہرتِ نکاح کی حدود

۳۱۵۳: وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ حَاطِبِ الْجُمَحِيِّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فَصْلُ مَا بَيْنَ الْحَلَالِ وَالْحَرَامِ الصَّوْتُ وَالدَّفُّ فِي النِّكَاحِ۔ (رواه احمد والترمذی والنسائی وابن ماجة)

اخرجه الترمذی فی السنن ۳۹۸/۳ الحديث رقم ۱۰۸۸ والنسائی ۱۲۷/۶ الحديث رقم ۳۳۶۹ وابن ماجه

ترجمہ: ''اور حضرت محمد ابن حاطب جمحی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''نکاح کے موقع پر (نکاح کا) اعلان اور دف بجانا حلال اور حرام (نکاح) میں فرق کرتا ہے۔'' (احمد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ)

تشریح: ''صوت'' سے مراد لوگوں میں نکاح کا ذکر اور تشہیر کرنا ہے اور اس سے اعلان نکاح تمام ہو جاتا ہے۔

ابن الملک فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ نہیں ہے کہ حلال اور حرام کے درمیان نکاح میں اس کے علاوہ فرق نہیں ہے' اس لئے کہ فرق تو عقد کے وقت گواہوں کی موجودگی سے بھی حاصل ہو جاتا ہے، بلکہ اس کا مطلب لوگوں کو نکاح کے معاملہ کی تشہیر کی ترغیب دینا ہے، تاکہ دور کے لوگوں پر پوشیدہ نہ رہے، پس سنت یہ ہے کہ نکاح کا اعلان دف بجانے' لوگوں کے ایک دوسرے کو مبارک باد دینے کی آوازوں اور جائز اشعار کے پڑھنے کے آوازوں کے ساتھ ہو۔ بعض لوگوں نے اس سے مراد سماع لیا ہے، جو آج کل لوگوں کے درمیان متعارف ہے، لیکن اس سے سماع مراد لینا غلط ہے۔

تخریج: حاکم نے اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

"فصل ما بين الحلال والحرام ضرب الدف والصوت في النكاح"۔

انصار کے ہاں بوقت نکاح گیت کا رواج تھا

۳۱۵۴: وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كَانَتْ عِنْدِيْ جَارِيَةٌ مِنَ الْاَنْصَارِ زَوَّجْتُهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاعَآئِشَةُ اَلَاتُغَنِّيْنَ فَاِنَّ هٰذَا الْحَيَّ مِنَ الْاَنْصَارِ يُحِبُّوْنَ الْغِنَاءَ ۔ (رواه ابن حبان فی صحيحه)

الهيثمی موارد الظمان' كتاب الادب' باب الغناء واللعب فی العرس' ح ۲۰۱۶۔

ترجمہ: ''اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میرے پاس ایک انصاری لڑکی تھی جب میں نے اس کا نکاح

(کسی سے) کر دیا تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اے عائشہ! کیا تم گانے (اشعار) کے لئے کسی سے نہیں کہہ رہی ہو؟ کیونکہ یہ انصار کا قبیلہ گانے (اشعار) کو بہت پسند کرتا ہے''۔ (اس روایت کو ابن حبان نے اپنی صحیح میں نقل کیا ہے)''۔

تشریح: ''تغنین'': باب تفعیل سے ہے یا تفعل سے ہے، اس لئے کہ ''غنّٰی'' اور تغنّٰی ہم معنیٰ ہے۔ قاموس میں ہے: **غناه الشعر وبه تغنيه تغنّٰى به۔**

امام طیبی فرماتے ہیں ممکن ہے کہ ''تفعل'' بمعنی ''استفعل'' ہو اور یہ نادر بھی نہیں ہے۔ اور اسی سے اللہ کا یہ قول ہے: ﴿**فمن تعجل**﴾ [البقرة:۲۰۳] بمعنی **استعحل** ہے۔ اس صورت میں تکلف کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ اس کی تائید آنے والی حدیث کے ان الفاظ سے ہوتی ہے: ''**فلو بعثتم معها من يقول أتيناكم**'' اس لئے کہ ''تمنی'' میں طلب کا معنیٰ ہے۔

''**الغناء**'': غین کے کسرہ کے ساتھ اور مد کے ساتھ بمعنی تغنی۔

عندي جارية یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی کسی قریبی رشتہ دار کی بچی تھی، جیسا کہ آرہا ہے یا یتیم بچی تھی اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اس کی کفالت کر رہی تھیں۔

اللغات: **الا تغنين**: اس میں احتمال ہے کہ یہ خطاب جماعت کو ہو یا فرد کو ہو۔ تورپشتی فرماتے ہیں کہ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ خطاب صیغہ غائب کے ساتھ عورتوں کی جماعت کو ہو۔ اور مراد اس سے باندیاں اور گھٹیا قسم کی عورتیں ہوتی تھی۔ اس لئے کہ آزاد عورتیں تو اس سے شرم آتی ہے اور یہ بھی احتمال ہے کہ خطاب صیغہ خطاب کے ساتھ امہات المؤمنین کو ہو، اور فعل کی اضافت اس کے حکم دینے والے اور اجازت دینے والے کی طرف ہو۔ (ملا علی قاری) فرماتے ہیں کہ اس کی تائید آنے والی روایت ''**ارسلتم معها من تغنّٰى**'' سے بھی ہوتی ہے اور یہاں خطاب فرد کے لئے لینا درست نہیں ہے، اس لئے کہ اس میں احتمال ہے کہ یہ خطاب حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہو اور صدیقات کا منصب اس سے بہت اونچا ہے کہ وہ بذاتِ خود یہ کام کرے۔

تخریج: (رواه) اصل نسخہ میں یہاں ''بیاض'' ہے۔ اور اس کے ساتھ حاشیہ میں ہے ''**ابن حبان في صحيحه**''۔

نمونہ گیت

۳۱۵۵: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَنْكَحَتْ عَآئِشَةُ ذَاتَ قَرَابَةٍ لَهَا مِنَ الْاَنْصَارِ فَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَهَدَيْتُمُ الْفَتَاةَ قَالُوْا نَعَمْ قَالَ اَرْسَلْتُمْ مَعَهَا مَنْ تُغَنِّيْ قَالَتْ لَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْاَنْصَارَ قَوْمٌ فِيْهِمْ غَزَلٌ فَلَوْ بَعَثْتُمْ مَعَهَا مَنْ يَقُوْلُ اَتَيْنَاكُمْ اَتَيْنَاكُمْ فَحَيَّانَا وَحَيَّاكُمْ. (رواه ابن ماجة)

اخرجه ابن ماجه في السنن ٦١٢/١ الحديث رقم ١٩٠٠ واحمد في المسند ٣٩١/٣۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے انصار میں

سے اپنی رشتہ دار ایک لڑکی کا نکاح کیا چنانچہ جب (نکاح کے بعد) رسول اللہ ﷺ (گھر میں) تشریف لائے تو پوچھا کہ کیا تم نے اس لڑکی کو (کہ جس کا نکاح کیا گیا ہے' اس کے شوہر کے گھر) بھیج دیا ہے؟'' گھر والوں نے کہا کہ ''ہاں!'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''کیا تم نے اس کے ساتھ کسی گانے والی کو بھی بھیجا ہے؟'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ ''نہیں''۔ تو رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: انصار ایک ایسی قوم ہے جس میں گانے کا شوق ہے۔ کاش! تم اسکے ساتھ کسی ایسی عورت کو بھیج دیتیں جو یہ کہتی ہوتی جاتی: أَتَيْنَاكُمْ أَتَيْنَاكُمْ فَحَيَّانَا وَحَيَّاكُمْ (یعنی ہم تمہارے پاس آئے' ہم تمہارے پاس آئے' اللہ تعالیٰ ہمیں بھی اور تمہیں بھی سلامتی کے ساتھ رکھے)''۔ (ابن ماجہ)

تشریح: ''اهديتم'': ہاء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

''الفتاة'': اس سے مراد لڑکی ہے۔ اور ''مهدى اليه'' محذوف ہے۔ تقدیری عبارت یہ ہے: اهديتم الى بعلها۔ امام طیبی فرماتے ہیں کہ ''الهداء'' مصدر ہے هديت المرأة الى زوجها فهي مهدية کا، اور هدىٰ بھی اس کا مصدر ہے۔ قاموس میں ہے: هدىٰ كغنىٰ العروس كالهدية وهداها الىٰ بعلها واهداها واهتداها. (انتھی) للہذا وہ بھی صحیح ہے جو بعض نسخوں میں ضبط کیا ہے: یعنی اهديتم، هاء کے سکون کے ساتھ۔

'' تغني'': تاء کے ضمہ اور نون کے کسرہ کے ساتھ ہے اور ایک نسخہ میں دونوں کے فتحہ کے ساتھ ہے، اس صورت میں ایک تاء حذف ہوگئی ہے۔

قوله :ان الانصار قوم ...... ''الغزل'': غین اور زاء دونوں کے فتحہ کے ساتھ '' ميل الى الغناء ''کے معنیٰ میں ہے۔ جوہری فرماتے ہیں ''مغازلة النسآء فى محدثتهن ومراودتهن' والاسم الغزل.

''السمراء'': حمراء کے معنیٰ میں ہے، اور ''سمراء'' اصل میں سرخی مائل سفیدی کو کہتے ہیں۔

''قالوا'': مذکر کی ضمیر لانے میں تغلیب ہے یعنی وہاں ان کے قریبی رشتہ دار اور خادم وغیرہ بولے یا عورتوں کو اس لڑکی کے حق میں بمنزلہ مردوں کے شمار کیا ہے۔

''فلو بعثتم'': لو تمنى کے لئے ہے اور جواب محذوف ہے، تقدیری عبارت اس طرح ہے: لكان حسناً.

قالت لا :جواب صرف حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اس لئے دیا کہ وہ اس محفل کی رئیسہ تھیں۔

فحيانا وحياكم :یعنی اللہ تمہیں بھی باقی رکھے اور ہمیں بھی باقی رکھے، اور ہمیں بھی سالم رکھے اور تمہیں بھی سالم رکھے۔ یہ خبر دعا کے معنیٰ میں ہے۔ ابن ملک فرماتے ہیں اس کا معنیٰ ہے سلام علينا وعليكم۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ مکمل کلام اس طرح ہے:

ولو لا الحنطة السمراء

اگر سرخ گندم نہ ہوتی

لم تسمن عذراء كم

تو تمہاری کنواری لڑکیاں فربہ نہ ہوتیں۔

۳۱۵۶: وَعَنْ سَمُرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَيُّمَا امْرَأَةٍ زَوَّجَهَا وَلِيَّانِ فَهِيَ لِلْاَوَّلِ مِنْهُمَا وَمَنْ بَاعَ بَيْعًا مِنْ رَجُلَيْنِ فَهُوَ لِلْاَوَّلِ مِنْهُمَا. (رواہ الترمذی وابوداود والنسائی والدارمی)

اخرجه ابود اود ۵۷۱/۲ الحديث رقم ۲۰۸۸ والترمذی فی ۴۱۸/۳ الحديث رقم ۱۱۱۰ والنسائی فی ۳۱۴/۷ الحديث رقم ۴۶۸۲ وابن ماجه فی ۷۳۸/۲ الحديث رقم ۲۱۹۰ والدار می فی ۱۸۷/۲ الحديث رقم ۲۱۹۳ واحمد فی المسند ۸/۵

ترجمہ: ''اور حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس عورت کا نکاح دو ولی کر دیں تو وہ عورت ان دونوں میں سے پہلے والے کے لئے ہے (یعنی جس سے پہلے نکاح ہوا تھا وہ اس کی منکوحہ ہے) اور جو شخص (کسی ایک چیز کو) دو آدمیوں کے ہاتھ فروخت کرے تو وہ چیز ان دونوں میں سے پہلے والے کے لئے ہے (یعنی جس کو وہ چیز پہلے فروخت کی گئی تھی وہ چیز اُسی کی ہے)۔'' (ترمذی، ابوداؤد، نسائی، دارمی)

تشریح: **قوله: ايما امرأة زوجها وليان فهو للأول منهما**...... یعنی اگر دو ولیوں نے عورت کا نکاح کرایا اور دونوں ولایت میں برابر تھے لیکن ایک نے پہلے کرایا اور دوسرے نے بعد میں، تو پہلا عقد درست ہو جائے گا اور دوسرا عقد باطل ہو جائے گا، چاہے دوسرے نے دخول کیا ہو یا نہ کیا ہو، یہی اکثر علماء کا قول ہے۔ عطاء فرماتے ہیں کہ اگر اس کے ساتھ دوسرے نے مباشرت کر لی ہے تو پھر وہ دوسرے کی ہے۔ امام شافعی کے نزدیک ایک قول میں یہ نکاح سرے سے درست ہی نہیں ہے۔ (یہ قول ابن الملک نے نقل کیا ہے۔)

ومن باع بيعًا...... اگر یہ دونوں عقد ایک ساتھ ہوئے ہیں، تو عقد نکاح بالاتفاق باطل ہوگا اور عقد بیع بالاشتراک درست ہو جائے گا۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اگر دو ولیوں نے اس کا نکاح کرایا اور دونوں ولایت میں برابر تھے اور لڑکی خاموش رہی، تو امام محمد رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دونوں عقد باطل ہو جائیں گے۔ جیسا کہ وہ دونوں کو اجازت دے ایک ساتھ، اور یہی قیاس کا تقاضا ہے۔ اور ظاہر جواب یہ ہے کہ یہ دونوں موقوف رہیں گے یہاں تک کہ وہ کسی ایک عقد کو اپنے قول یا فعل سے جائز قرار دے۔

الفصل الثالث:

حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے جوازِ متعہ کے ایک موقعہ کا بیان

۳۱۵۷: عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كُنَّا نَغْزُوْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مَعَنَا نِسَاءٌ فَقُلْنَا اَلَا نَخْتَصِي فَنَهَانَا عَنْ ذٰلِكَ ثُمَّ رَخَّصَ لَنَا اَنْ نَسْتَمْتِعَ فَكَانَ اَحَدُنَا يَنْكِحُ الْمَرْاَةَ بِالثَّوْبِ اِلٰى اَجَلٍ ثُمَّ قَرَأَ عَبْدُاللّٰهِ يٰاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَيِّبَاتِ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ. [متفق علیه]

اخرجه البخاری فی صحيحه ۱۱۷/۹ الحديث رقم ۵۰۷۵ ومسلم فی ۱۰۲۲/۲ الحديث رقم (۱۱-۱۴۰۴)

واحمد فی المسند ۴۳۲/۱

ترجمہ: ''حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک غزوہ کے موقع پر) ہم لوگ رسول اللہ ﷺ کے ساتھ جہاد میں شریک تھے اور اس وقت ہمارے ساتھ ہماری عورتیں (یعنی بیویاں اور لونڈیاں) نہیں تھیں چنانچہ (جب عورتوں کے نہ ہونے کی وجہ سے ہم جنسی ہیجان سے پریشان ہوئے تو) ہم نے کہا کہ کیا ہم خصی نہ ہو جائیں (تاکہ جنسی ہیجان اور شیطان کے وسوسوں سے ہمیں نجات مل جائے) لیکن آپ ﷺ نے ہمیں اس سے منع فرما دیا البتہ ہمیں متعہ کرنے کی رخصت عنایت فرما دی چنانچہ ہم میں سے ایک شخص کپڑے کے عوض ایک معینہ مدت کے لئے عورت سے نکاح (یعنی متعہ) کر لیتا۔ اس کے بعد ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے اس آیت کی تلاوت فرمائی: یٰٓاَیُّهَا الَّذِیْنَ اٰمَنُوْا لَا تُحَرِّمُوْا طَیِّبٰتِ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكُمْ (اے ایمان والو! جن پاک چیزوں کو اللہ تعالیٰ نے تمہارے لئے حلال کیا ہے ان کو حرام قرار نہ دو)''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: لیس معنا نساء :یہ ان کے کمال بہادری ومردانگی قوت قلبی اور اپنے رب پر توکل پر دلالت کر رہا ہے۔

ینکح المراۃ :ظاہر یہ ہے کہ نکاح سے ان کی مراد متعہ ہے، اس لئے کہ فقہاء نے متعہ اور نکاح مؤقت کے درمیان فرق ذکر کیا ہے، اول بالاتفاق باطل ہے، اور ثانی جمہور کے نزدیک باطل ہے۔ (تفصیل گزر چکی ہے۔)

اور ''نہاریات'' کے ساتھ نکاح کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے وہ اس طرح ہے کہ وہ نکاح کریں اس شرط پر کہ وہ دن کے وقت اس کے ساتھ رہے گی نہ کہ رات کو۔ یہ ابن ہمام نے فرمایا ہے۔ (انتھی) ''لیلیات'' کے ساتھ نکاح بطریق اولیٰ جائز ہونا چاہئے جیسا کہ ظاہر ہے۔

ثم قرأ عبد اللہ ...... :امام طیبی فرماتے ہیں کہ اس میں اشارہ ہے کہ ابن عباس کی طرح عبداللہ ابن مسعود بھی متعہ کے جواز کے قائل تھے، مگر ابن عباس نے اپنے قول سے رجوع کر لیا تھا جیسا کہ سعید بن جبیر کا قول آ رہا ہے اور ابن مسعود نے شاید اس کے بعد رجوع کیا ہو۔ اور یہ بھی ممکن ہے جواز پر قائم رہے ہوں اور ان تک نص نہ پہنچی ہو۔ (انتھی)

یہ بھی ممکن ہے ابن مسعود اس کے قائل ہوں کہ ضرورت کے وقت اس کی رخصت ہے جیسا کہ اس پر ان کی حدیث دلالت کر رہی ہے اور یہی ابن عباس کا قول تھا، آخر میں جیسا کہ پہلے گزرا، اور آگے بھی آئے گا۔

متعہ سے متعلق ابن عباس رضی اللہ عنہما کا رجوعی قول

۳۱۵۸: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اِنَّمَا كَانَتِ الْمُتْعَةُ فِي اَوَّلِ الْاِسْلَامِ كَانَ الرَّجُلُ يَقْدَمُ الْبَلْدَةَ لَيْسَ لَهُ بِهَا مَعْرِفَةٌ فَيَتَزَوَّجُ الْمَرْاَةَ بِقَدْرِ مَايُرٰى اَنَّهٗ يُقِيْمُ فَتَحْفَظُ لَهٗ مَتَاعَهٗ وَتُصْلِحُ لَهٗ شَيَّهٗ حَتّٰى اِذَا نَزَلَتِ الْاٰيَةُ اِلَّا عَلٰى اَزْوَاجِهِمْ اَوْمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُهُمْ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَكُلُّ فَرْجٍ سِوَاهُمَا فَهُوَحَرَامٌ.

(رواه الترمذی)

اخرجه الترمذی فی السنن ۴۳۰/۳ الحدیث رقم ۱۱۲۲

ترجمہ: ''اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ متعہ (کا جواز) صرف ابتداء اسلام میں تھا (اور اس وقت متعہ کی ایک صورت یہ ہوتی تھی کہ) جب کوئی مرد کسی شہر میں جاتا اور وہاں (لوگوں سے) اس کی کوئی جان پہچان نہ ہوتی (کہ جن کے ہاں وہ اپنے قیام وطعام کا بندوبست کرتا) تو وہ شخص وہاں اپنے قیام کے اندازے کے مطابق کسی عورت سے نکاح کر لیتا' چنانچہ وہ عورت اس کے سامان کی حفاظت کرتی اور اس کے لئے کھانا پکاتی' یہاں تک کہ یہ آیت نازل ہوئی: اِلَّا عَلٰی اَزْوَاجِھِمْ اَوْمَا مَلَکَتْ اَیْمَانُھُمْ ۔ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ ان دونوں (یعنی بیوی اور لونڈی) کی شرمگاہ کے سوا ہر شرمگاہ حرام ہے''۔ (ترمذیؒ)

تشریح: ''یری'': ضمہ کے ساتھ ''یظن'' کے معنیٰ میں ہے۔

''تشیه'': شین معجمہ کے فتحہ اور یائے تحتیہ کے شد کے ساتھ ''پکانے'' کو کہتے ہیں۔ قاموس میں ہے: **شوی اللحم شیاً فاشتوی**۔ بعض نے اس کا معنیٰ ''اسباب'' ۔ انہوں نے اس میں تصحیف کر کے اس کو ''اشیآء'' کا واحد بنایا ہے۔

او ما ایمانهم ...... : طیبی فرماتے ہیں کہ اللہ پاک اس آیت میں مؤمنین کے اوصاف بیان فرما رہے ہیں کہ وہ اپنی شرمگاہ محفوظ رکھتے ہیں تمام شرمگاہوں سے، سوائے اپنی بیویوں کے اور باندیوں کے، اور ''**مستمتعه**'' بیوی نہیں ہے اس لئے کہ اس کے اور شوہر کے درمیان بالا جماع وراثت جاری نہیں ہوتی، اور نہ ہی وہ باندی ہے، بلکہ وہ اپنے نفس کو چند دنوں کے لئے کرایہ پر دینے والی ہے۔ پس وہ اس حکم کے تحت داخل نہیں ہے۔

امام فخر الدین رازی اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ **مستمتعه** بیوی نہیں ہے، لہٰذا وہ اس کے لئے حلال بھی نہیں ہے، اور یہ جو ہم نے کہا کہ وہ اس کی زوجہ نہیں ہے اس لئے کہ ان کے درمیان وراثت نہیں چلتی بالا جماع، اگر یہ زوجہ ہوتی تو ان کے مابین وراثت بھی چلتی، اللہ کے اس ارشاد کی وجہ سے: ﴿**ولکم نصف ما ترك ازواجکم**﴾ [النساء:۱۲] (اور تم کو آدھا ملے گا اُس ترکہ کا جو تمہاری بیبیاں چھوڑ جاویں) اور جب یہ ثابت ہوا کہ وہ زوجہ نہیں ہے، تو یہ لازم ہے کہ وہ اس کے لئے حلال بھی نہ ہو۔ بوجہ اللہ پاک کے اس ارشاد کے: [**الا علی ازواجهم او ما ملکت ایمانهم**] [المؤمنون:٦] ''مگر اپنی بیویوں یا (کنیزوں سے) جو ان کی ملک ہوتی ہیں کہ (ان سے) مباشرت کرنے سے انہیں ملامت نہیں''۔

قال ابن عباس ...... : ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اس کو محمول کیا جائے گا اس پر کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما کو پتہ چلا کہ اصل حقیقت یہ ہے تو انہوں نے اپنے قول سے رجوع کر لیا، اور یہ کہا (انتھی) ابن عباس کی احادیث سے معلوم ہوتا ہے کہ انہوں نے مطلق جواز سے رجوع کیا تھا اور جواز کو حالت اضطرار میں رخصت کے ساتھ مقید کیا تھا۔ لیکن تعجب ہے روافض پر کہ انہوں نے ابن عباس کے قول کو لیا اور حضرت علیؓ کے مذہب کو ترک کر دیا۔ صحیح مسلم میں ہے کہ حضرت علیؓ نے ابن عباسؓ کے بارے میں سنا کہ وہ عورتوں کے ساتھ متعہ میں نرمی سے کام لیتے ہیں، تو علیؓ نے فرمایا' اے ابن عباس! اس بات سے منع ہو جاؤ، میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو فرماتے ہوئے سنا ہے کہ انہوں نے خیبر کے دن متعہ اور گھریلو گدھوں کے گوشت سے منع فرمایا تھا۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ حضرت علیؓ کی اس بات کے وقت جو صحیح مسلم میں ہے، ابن عباس نے متعہ سے رجوع نہیں کیا تھا۔ صحیح مسلم میں عروہ ابن زبیر سے روایت ہے کہ عبداللہ بن زبیرؓ مکہ میں کھڑے ہوئے اور فرمایا، کہ بعض لوگ

جن کے دلوں کو اللہ نے اندھا کر دیا ہے جیسا کہ ان کے آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے وہ متعہ کے جواز کا فتویٰ دیتے ہیں، پس ایک آدمی اس کے سامنے آیا اور آواز دی اور کہا کہ تو بہت بڑا اجڈ ہے، میری عمر کی قسم امام المتقین ﷺ کے زمانہ میں متعہ کیا جاتا تھا ان کی مراد رسول اللہ ﷺ تھے۔ تو ابن زبیر نے ان سے کہا تو اپنے اوپر تجربہ کر لے، خدا کی قسم! اگر تو نے متعہ کیا، تو میں تمہیں سنگسار کر دونگا۔ اس حدیث کو نسائی نے بھی روایت کیا ہے۔

تجھے یہ بات تردد میں نہ ڈالے کہ وہ آدمی جو سامنے آیا تھا وہ ابن عباس ہی تھے، ان کی آنکھیں نابینا ہو چکی تھیں، اور اس وجہ سے ابن زبیر نے فرمایا، جیسا کہ ان کی آنکھوں کو اندھا کر دیا ہے۔ یہ (واقعہ) حضرت علیؓ کے وفات کے بعد کا ہے۔ اس سے ثابت ہوا کہ وہ اپنے قول پر برقرار رہے تھے اور حضرت علیؓ کے قول کی طرف رجوع نہیں کیا تھا۔

حازمی نے خطابی کے طریق سے منہال کی طرف نسبت کرتے ہوئے سعید بن زبیر سے روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ میں نے ابن عباس سے کہا کہ تیرے فتویٰ سے مسافر خوش ہو گئے اور شعراء نے اس بارے میں اشعار کہے ہیں، ابن عباس بولے انہوں نے کیا کہا ہے؟ میں نے کہا وہ کہتے ہیں : ؎

قد قلت للشيخ لما طال محبسه
يا صاح هل لك في فتوىٰ ابن عباس
هل لك في رخصة الاطراف آنسة
تكون مثواك حتى مصدر الناس

تو ابن عباس ؓ نے کہا، سبحان اللہ میں نے یہ فتویٰ تو نہیں دیا ہے، اور متعہ کی حقیقت نہیں ہے مگر مردار اور خنزیر کی طرح کہ حلال نہیں ہے، مگر مضطر کے لئے۔

گانے کی حرمت کا علم بعض کو تھا اور بعض کو نہیں

۳۱۵۹: وَعَنْ عَامِرِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ دَخَلْتُ عَلٰى قَرَظَةَ بْنِ كَعْبٍ وَاَبِىْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِيِّ فِىْ عُرْسٍ وَاِذَا جَوَارٍ يُغَنِّيْنَ فَقُلْتُ اَىْ صَاحِبَىْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَهْلَ بَدْرٍ يُفْعَلُ هٰذَا عِنْدَكُمْ فَقَالَا اِجْلِسْ اِنْ شِئْتَ فَاسْمَعْ مَعَنَا وَاِنْ شِئْتَ فَاذْهَبْ فَاِنَّهٗ قَدْ رُخِّصَ لَنَا فِى اللَّهْوِ عِنْدَ الْعُرْسِ۔ (رواه النسائی)

اخرجه النسائي في السنن ٦/١٣٤ الحديث رقم ٣٣٨٣

ترجمہ: ''اور حضرت عامر بن سعدؓ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں ایک شادی میں شرکت کے لئے (دو صحابی) حضرت قرظہ بن کعب رضی اللہ عنہ اور حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کے پاس گیا' تو دیکھا کہ چند چھوٹی بچیاں گا رہی ہیں۔ میں نے کہا کہ ''اے رسول اللہ کے ساتھیوں اور جنگ بدر میں شریک رہنے والو! کیا آپ کے پاس یہ (گانا) ہو رہا ہے؟ (یہ سن کر) ان دونوں صحابیوں نے فرمایا کہ ''بیٹھ جاؤ! اگر تم چاہو تو تم بھی ہمارے ساتھ سنو اور اگر چاہو تو

چلے جاؤ' کیونکہ شادی بیاہ کے موقع پر ہمیں گیت (گانے سننے) کی اجازت دی گئی ہے''۔(نسائی)

تشریح: قوله :دخلت على قرظة ...... يفعل هذا عندكم :

''قرظة'': قاف اور راء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

''اى صاحبى'': تثنیہ منصوب ہے نداء کی وجہ سے،اور نون تثنیہ اضافت کی وجہ سے گر گیا ہے۔

''واهل بدر'': اس کا عطف منادی پر ہے۔''عندكم'': بطور تغلیب کہا ہے یا اس وجہ سے کہ جمع کے کم سے کم افراد دو ہیں۔

طیبی فرماتے ہیں کہ صرف ان حضرات کو اس لئے خاص کیا، کہ اہل بدر سابقین اولین مہاجرین وانصار میں سے تھے۔تو گویا کہ یوں کہا گیا کہ آپ کے سامنے یہ کام کیسے کیا جارہا ہے،حالانکہ آپ اجل صحابہ میں سے ہیں اور آپ اس پر نکیر نہیں کررہے یہ آپ سے بعید اور آپ کے حال کے منافی ہے۔

قوله :فانه قد رخص لنا:

فى اللهو عند العرس :یعنی اللہ پاک کو یہ پسند ہے کہ اس کی رخصت پر عمل کیا جائے،جیسا کہ اس کو یہ پسند ہے کہ اس کی عزیمت پر عمل کیا جائے۔

بَابُ الْمُحَرَّمَاتِ

جو عورتیں مرد پر حرام ہیں ان کا بیان

"حرام" جس سے منع کیا ہو۔ مغرب میں ہے کہ "محرم" کا معنیٰ حرام اور حرمت ہے۔ درحقیقت "محرم" حرمت کی جگہ کو کہتے ہیں اور اسی سے ہے "هي له محرم" وهولها محرم وہ اس کی محرم ہے اور وہ اس کا محرم ہے۔

محرمات کو ابن ہمام نے بہترین طریقے سے ضبط کیا ہے میں چاہتا ہوں کہ وہ ذکر کروں۔ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ عورت کا نکاح کے لئے شرعاً محل نہ بننا چند اسباب کی وجہ سے ہے:

پہلا سبب: نسب ہے۔ انسان پر اس کے فروع حرام ہیں۔ جو یہ ہیں اس کی بیٹیاں اور بیٹیوں کی بیٹیاں اس طرح جتنے بھی نیچے ہوں، اور اس کے اصول بھی اس پر حرام ہیں۔ جو یہ ہیں اس کی والدہ' والدہ کی والدہ، والد کی والدہ اور اس طرح جتنے بھی اوپر کی طرف ہوں۔ اور والدین کے فروع بھی اس پر حرام ہیں جتنے بھی نیچے ہوں۔ پس بھائیوں کے بیٹیاں اور بہنوں کی بیٹیاں اس پر حرام ہیں، اور بھائیوں اور بہنوں کی اولاد کی بیٹیاں اس پر حرام ہیں اور جتنے بھی نیچے ہوں اور دادا' دادی اور نانا' نانی کے فروع اگر ایک بطن سے ہوں، لہٰذا پھوپیاں اور خالائیں اس پر حرام ہیں اور چچا' پھوپی' ماموں اور خالہ کی بیٹیاں حلال ہیں۔

دوسرا سبب مصاہرت ہے۔ (یعنی سسرالی رشتہ)۔ پس انسان کے لئے حرام ہے اس مدخول بہا عورتوں کے فروع اس طرح وہ جتنے بھی نیچے ہوں اور بیویوں کی مائیں اور دادیاں بھی اوپر ہو۔ اگرچہ اس نے بیویوں سے صحبت نہ کی ہو۔ اور باپ دادا کی موطوئہ اس کے لئے حرام ہے چاہے وہ موطوئہ زنا کی وجہ سے ہو، یا عقد صحیح کی وجہ سے ہو، اور اس طرح اپنے بیٹیوں کی موطوئہ اس کے لئے حرام ہے' چاہے وہ موطوئہ زنا ہو، یا عقد صحیح کے ساتھ ہو اور جتنے بھی نیچے ہوں۔

تیسرا سبب: رضاع ہے۔ یہ بھی نسب کی طرح حرام ہے (تفصیل آگے آئے گی)۔

چوتھا سبب: جمع بین المحارم ہے۔ یعنی دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا، پھوپی اور اس کی بھتیجی کو جمع کرنا۔ یا اجنبیات کو جمع کرنا جیسے آزاد عورت پر باندی کے ساتھ نکاح کرنا۔

پانچواں سبب: غیر کا حق ہے۔ جیسے غیر کی منکوحہ معتدہ اور حاملہ عورت جس کا حمل ثابت النسب ہو۔

چھٹا سبب: آسمانی دین کا معدوم ہونا ہے۔ جیسے مجوسیہ، مشرکہ وغیرہ۔

ساتواں سبب: نکاح کے ساتھ منافات ہے۔ جیسے آقا کا اپنی لونڈی کے ساتھ نکاح کرنا، مالکہ کا اپنے غلام کے ساتھ نکاح کرنا۔

عرضِ مرتب:

مناسب معلوم ہوا کہ یہاں پر اس بابت مزید تفصیل بیان کر دی جائے اور اسباب حرمت نو ہیں جن کی تفصیل فتاوی

عالمگیری سے نقل کی جاتی ہے۔

نمبر (۱) حرمت کا پہلا سبب نسب ہے۔ نسبی رشتہ سے حرام ہونے والی عورتیں مندرجہ ذیل ہیں۔ ماں‘ بیٹی‘ بہن‘ پھوپھی‘ خالہ‘ بھتیجی‘ بھانجی۔‘‘

ان کا حکم:

ان سے نکاح‘ جماع اور جماع کو تحریک دینے والے افعال مثلاً بوس وکنار وغیرہ سب ہمیشہ کے لئے حرام ہیں

ماں:

ماں سے جہاں اپنی حقیقی ماں مراد ہے وہاں دادی اور نانی خواہ اوپر کے درجہ سے ہوں وہ سب اس میں داخل ہیں اور حرام ہیں۔

بیٹی:

اس سے حقیقی بیٹی تو مراد ہے ہی مگر اس میں پوتی‘ نواسی اور نیچے کے درجہ تک سب شامل ہیں

بہن:

جس طرح حقیقی بہن مراد ہے اسی طرح سوتیلی بہن خواہ صرف باپ شریک خواہ اخیافی بہن صرف ماں شریک ہو یہ سب شامل ہیں اور حرمت میں برابر ہیں۔

بھتیجی‘ بھانجی:

اس میں جس طرح حقیقی بھتیجیاں اور بھانجیاں شامل ہیں وہ دوسری دونوں قسم کے بھائی بہن کی اولاد بھی مراد ہے خواہ وہ نچلے درجہ سے ہو۔ یہ سب ہی حرام ہیں

پھوپھی:

حقیقی پھوپھی کے ساتھ‘ سوتیلی یعنی باپ شریک بہن اور ماں شریک بہن بھی شامل ہے۔ اسی طرح اوپر کے درجہ میں باپ کی پھوپھی‘ دادا کی پھوپھی‘ دادی کی پھوپھی بھی اس میں شامل ہیں اس طرح نانی اور ماں کی پھوپھی بھی اس حرمت میں داخل ہے۔

ایک اختلافی صورت:

پھوپھی کی پھوپھی کی حرمت میں تفصیل ہے۔ اگر کسی کی پھوپھی اس کے والد کی حقیقی بہن ہو یا سوتیلی تو اس پھوپھی کی پھوپھی بھی اس مرد پر حرام ہوگی اور اگر اس کی پھوپھی اس کے والد کی اخیافی یعنی ماں شریک بہن ہو تو پھر اس پھوپھی کی پھوپھی اس شخص کے لئے حرام نہ ہوگی۔

خالہ:

حقیقی خالہ' سوتیلی خالہ' اخیافی خالہ ماں کی باپ شریک بہن یا صرف ماں شریک بہن اسی طرح باپ کی خالہ اور ماں کی خالہ۔ یہ تمام خالائیں بھی حرام ہیں۔

اختلافی صورت:

خالہ کی خالہ میں تفصیل ہے۔ نمبر ۱ اگر خالہ اس شخص کی ماں کی حقیقی بہن ہے یا اخیافی بہن ہے تو اس خالہ کی خالہ اس شخص کے لئے حرام رہے گی۔ نمبر ۲ اگر خالہ اس شخص کی ماں کی سوتیلی یعنی فقط باپ شریک بہن ہے تو اس خالہ کی خالہ مذکور شخص پر حرام نہ ہوگی۔ بلکہ حلال ہوگی۔

حرمت کا دوسرا سبب مصاہرت ہے:

نمبر ۲ حرمت کا دوسرا سبب سسرالی رشتہ داری ہے۔ اس سسرالی رشتہ کی وجہ سے حرام ہونے والی عورت کو چار قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں نمبر ۱ ساس نمبر ۲ بیوی کی بیٹیاں نمبر ۳ بہو نمبر ۴ باپ کی بیویاں۔

① ساس:

بیوی کی ماں' بیوی کی دادی' بیوی کی نانی خواہ اس سے اوپر کے درجہ سے ہو مثلاً بیوی کے ماں باپ کی دادی و نانی وغیرہ اور بیوی کی ماں' دادی وغیرہ صرف نکاح کرنے سے ہی حرام ہو جاتی ہیں۔

② بیٹی جو بیوی سے ہو:

بیوی کی دوسرے خاوند سے بیٹی اور بیوی کے دوسرے خاوند کے بیٹوں کی اولاد خواہ نچلے درجہ سے ہو مثلاً بیوی کی نواسی وغیرہ۔ یہ سب عورتیں حرام ہیں۔

مگر اس میں شرط یہ ہے کہ بیوی سے جماع کر لیا ہو۔ اگر بیوی سے جماع نہیں کیا تو اس کو طلاق دے کر اس کی بیٹی سے نکاح کر سکتا ہے۔ بیوی کی بیٹی کے لئے اس کی پرورش میں ہونے کی پابندی نہیں ہے۔

مسلکِ احناف:

علماء احناف نے بیوی کی بیٹی کی حرمت کے لئے جماع کو ضروری قرار دیا ہے۔ فقط خلوت صحیحہ پر اکتفاء نہیں کیا۔ اگر خلوت تو ہوئی مگر جماع کا موقعہ نہیں ملا تو بیوی کی بیٹی اس کے لئے حرام نہیں ہوئی۔

③ بہو:

اپنے بیٹے کی بیوی یا پوتے کی بیوی' نواسے کی بیوی خواہ نچلے درجہ سے ہو۔ انہوں نے اپنی بیویوں سے جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو بہر صورت حرام ہیں۔

لے پالک:

کی بیوی حرام نہیں بشرطیکہ حرمت کی اور کوئی وجہ نہ ہو۔ اس کے طلاق دینے پر اس سے نکاح ہو سکتا ہے۔

④ باپ کی بیوی:

سوتیلی ماں اسی طرح دادا اور نانا کی بیویاں یعنی سوتیلی دادی' نانی خواہ اوپر کے درجہ سے ہوں محرمات ابدیہ سے ہیں ان سے نکاح و جماع ہر صورت میں حرام ہے۔

حرمت مصاہرت کا ثبوت:

سسرالی رشتہ سے حرمت کا ثبوت اس وقت ہو سکتا ہے جب کہ نکاح صحیح ہو اگر نکاح ہی فاسد ہو تو حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی۔ فاسد نکاح میں فقط عقد سے اس کی ماں حرام نہ ہوگی بلکہ وطی کے سبب حرام ہوتی ہے

نمبر ۲ حرمت مصاہرت صحبت کی وجہ سے ثابت ہوتی ہے

خواہ وہ صحبت حلال ہو یا حرام۔ وہ صحبت شبہہ سے ہو یا زنا سے۔ پس جس شخص نے کسی عورت سے زنا کر لیا تو زانی کے لئے مزنیہ کی اصول و فروع یعنی ماں' دادی' نانی اور بیٹی' پوتی' نواسی سب حرام ہو جائیں گی۔

اسی طرح اس مزنیہ کے لئے اس شخص زانی کے اصول و فروع یعنی باپ دادا' نانا اور اس زانی کا بیٹا' پوتا' نواسہ نچلے درجہ تک سب حرام ہو جاتے ہیں۔

ایک صورت:

اگر کسی شخص نے کسی عورت سے جماع کیا جس کی وجہ سے درمیان والا پردہ پھٹ کر عورت کا پیشاب و پائخانہ کا مقام ایک ہو گیا تو اس صورت میں اس عورت کی ماں اس جماع کرنے والے پر حرام نہ ہوگی۔ کیونکہ اس حالت میں یقین سے نہیں کہا جا سکتا کہ اس شخص نے اس عورت کے مقام بول میں جماع کیا ہے یا پائخانہ والے مقام میں۔

البتہ اگر جماع کے بعد عورت حاملہ ہو گئی اور یہ بھی معلوم ہو گیا کہ یہ حمل اسی شخص کے نطفہ سے ہوا ہے تو اس صورت میں اس عورت کی ماں حرام ہو جائے گی کیونکہ اب بالیقین معلوم ہو گیا کہ جماع بول والے راستے سے ہوا ہے۔

نمبر ۳ جس طرح یہ حرمت مصاہرت صحبت سے ثابت ہو جاتی ہے اسی طرح یہ شہوت کے ساتھ اس عورت کو چھونے' شہوت

سے اس کا بوسہ لینے اور شہوت سے اس کی شرمگاہ کو دیکھنے سے بھی ثابت ہو جاتی ہے۔

علمائے احناف:

یہ چھونا وغیرہ نکاح کی صورت میں ہو یا ملک یمین کی صورت یا گناہ سے ہو۔ تینوں حالتوں کا حکم یکساں ہے کہ اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جاتی ہے۔ البتہ شوافع کے ہاں گناہ سے چھونے یا بوسہ لینے کی صورت میں حرمت ثابت نہ ہوگی۔ ثیبہ اور غیر ثیبہ کا کوئی فرق نہیں دونوں برابر ہیں۔

شہوت سے مرد وعورت کا ایک دوسرے سے جسم ملانا بوسے کا حکم رکھتا ہے اسی طرح معانقہ کا بھی یہی حکم ہے۔ اسی طرح شہوت کے ساتھ دانتوں سے اس کو کاٹا تو اس کا بھی یہی حکم ہے۔ ان تمام صورتوں میں حرمت ثابت ہو جائے گی۔

ایک دوسری صورت:

اگر کسی عورت نے شہوت کے ساتھ کسی مرد کے مخصوص عضو کو دیکھا یا شہوت سے مرد کو چھوا یا ہاتھ لگایا یا اس کا بوسہ لیا تو اس سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی۔

بقیہ اعضاء جسمانی کو شہوت کے ساتھ دیکھنے سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی اس میں سب کا اتفاق ہے۔ اگر شہوت کے بغیر دیگر اعضاء جسمانی کی طرف نظر کی تو اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی۔

ایک صورت:

علماء کہتے ہیں کہ عورت کی شرمگاہ کے ظاہری حصہ کو دیکھنے کا اعتبار نہیں بلکہ فرج داخل کو دیکھنے سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔ علماء کہتے ہیں کہ اگر کوئی مرد عورت کی شرمگاہ کو اس حالت میں دیکھے کہ وہ کھڑی ہو تو اس سے حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی کیونکہ اس سے فرج داخل پر نگاہ نہیں پڑتی۔ فرج داخل پر اس وقت نگاہ پڑتی ہے جب کہ وہ تکیہ لگائے بیٹھی ہو۔

ایک صورت:

اگر کوئی شخص عورت کی فرج داخل کو باریک پردے کے پیچھے یا شیشے کے پیچھے سے دیکھے اور اس میں اس کی فرج نظر آ جائے تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔

دوسری صورت:

اگر کسی نے آئینہ دیکھا اور اس میں اس نے عورت کی فرج داخل کو دیکھا اور اس پر شہوت سے نگاہ ڈالی تو اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی کیونکہ اس نے فرج نہیں بلکہ اس کا عکس دیکھا ہے۔ اس کی وجہ سے اس عورت کی ماں' بیٹی اس پر حرام نہ ہوگی۔

ایک صورت:

اگر عورت حوض کے کنارے پر یا پل پر کھڑی ہو اس کی فرج کو اگر مرد شہوت کے ساتھ پانی میں دیکھے تو اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی۔

برعکس صورت:

اگر کوئی عورت پانی کے اندر کھڑی ہو پس مرد اس کی فرج کو شہوت کے ساتھ دیکھے تو اس سے حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی۔

کوئی فرق نہیں:

جس چھونے سے حرمت ثابت ہوتی ہے اس چھونے میں قصداً نسیان یا زبردستی یا خطا یا سوتے ہوئے تمام حالتوں کا حکم برابر ہے۔مثلاً بیوی کو جماع کے لئے جگانے لگا کہ اس کا ہاتھ بیٹی کی طرف پہنچ گیا تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔

نمبر۱۲ اگر اس نے جماع کے لئے بیوی کو جگایا۔بیٹی پر ہاتھ پڑا اس کی چٹکی اس گمان سے بھر لی کہ یہ اس کی بیوی ہے۔تو بیوی حرام ہوگئی بشرطیکہ وہ لڑکی قابل شہوت یعنی جوان ہو۔تو بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی۔

نمبر۱۳ اگر کسی مرد نے شہوت سے عورت کے ان بالوں کو ہاتھ لگایا جو سر سے متصل ہوں تو اس سے حرمت ثابت ہو جائے گی اور لٹکے ہوئے بالوں کو چھونے سے ثابت نہ ہوگی۔

علامہ ناطفی کا قول:

بالوں کو مطلقاً چھونے سے حرمت ثابت ہو جائے گی خواہ لٹکے ہوئے ہوں یا متصل ہوں۔

نمبر۱۴ اگر عورت کے ناخن کو شہوت کے ساتھ چھوئے تب بھی حرمت ثابت ہو جائیگی۔

چھونے کی نوعیت:

حرمت مصاہرت میں جس چھونے کا تذکرہ ہے اس سے مراد وہ چھونا ہے جو براہ راست ہو۔اگر درمیان میں کپڑا حائل ہو اور بدن کی حرارت محسوس نہ ہو تو حرمت ثابت نہیں ہوگی۔خواہ مرد کے عضو میں ایستادگی کیوں نہ پیدا ہو جائے اور اگر کپڑا اس قدر باریک ہے کہ چھونے سے ہاتھ کو بدن کی حرارت پہنچ گئی تو اس سے حرمت ثابت ہو جائیگی۔

نمبر۱۵ اگر کسی مرد نے عورت کے موزے کا نیچے والا اندرونی حصہ چھوا تو حرمت ثابت ہو جائیگی البتہ اگر موزہ چمڑے کا ہو جس کی وجہ سے چھونے والے کو عورت کے قدم کی نرمی محسوس نہ ہو تو حرمت ثابت نہ ہوگی۔

نمبر۱۶ اگر کسی مرد نے عورت کا اس حال میں بوسہ لیا کہ درمیان میں کپڑا حائل تھا اور بوسہ لینے والے کو عورت کے دانتوں یا

ہونٹوں کی ٹھنڈک محسوس ہوئی تو حرمت ثابت ہو جائیگی ورنہ نہیں۔

ثبوت حرمت کے لئے دوام شرط نہیں:

چھونے کے لئے دیر تک چھونا ضروری نہیں چنانچہ علماء نے لکھا ہے کہ
نمبرا اگر کسی نے شہوت کے ساتھ اپنی بیوی کی طرف ہاتھ اٹھایا مگر وہ ہاتھ بیوی کی بجائے لڑکی کے ناک پر لگ گیا اور اس سے اس کی شہوت میں اضافہ ہو گیا خواہ اس نے اپنا ہاتھ فوراً اٹھا لیا تب بھی اس کی بیوی ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی۔

ثبوتِ حرمت کی شرط:

جس عورت کو ہاتھ لگایا جائے یا بوسہ وغیرہ لیا جائے وہ قابل شہوت ہو مفتٰی بہ قول یہی ہے۔ شہوت کی عمر کم از کم نو ۹ سال بتائی گئی ہے اس سے کم نہیں۔ چنانچہ:
نمبرا اگر کسی مرد نے کسی نابالغہ لڑکی سے جماع کیا جو قابل شہوت نہ تھی تو حرمت ثابت نہ ہوگی۔ اس کے برعکس اگر کوئی عورت اس قدر بوڑھی ہوگئی کہ قابل شہوت نہ رہی تو اس سے جماع کر لینے سے حرمت ثابت ہو جائیگی کیونکہ وہ حدود حرمت میں آ چکی ہے۔
بڑھاپے کے عذر کی وجہ سے اس سے خارج نہ ہوگی۔ اس کے برخلاف نابالغہ حرمت کے حکم میں ابھی داخل ہی نہیں ہوئی۔

ثبوت حرمت کے لئے مرد کا قابل شہوت ہونا بھی ضروری ہے:

اگر چار سال کے بچہ نے اپنے باپ کی منکوحہ سے جماع کر لیا تو اس سے حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی۔
اور اگر جماع کرنے والا بچہ اتنی عمر کا ہے کہ جس عمر کے بچے جماع کے قابل ہو جاتے ہیں تو اس کا حکم بالغ والا ہوگا۔ اس کی پہچان یہ ہے کہ وہ جماع پر قدرت رکھتا ہو اور عورت کی طرف اس کا میلان ہو اور عورتیں اس سے شرم کرتی ہوں۔

وجود شہوت شرط ہے:

ہاتھ لگانے، بوسہ لینے، فرج داخل کی طرف دیکھنے سے حرمت اس وقت ثابت ہوگی جب شہوت سے دیکھے۔ اگر پہلے دیکھا اور شہوت بعد میں پیدا ہوئی تو حرمت ثابت نہ ہوگی۔

مرد کے لئے معیارِ شہوت:

مرد کے لئے شہوت اس طرح ہے کہ اس کے عضو خاص میں تناؤ پیدا ہو جائے اور اگر پہلے سے تناؤ ہو تو اس میں اضافہ ہو جائے۔ یہی مفتی بہ قول ہے۔
اور اگر کسی مرد کے عضو خاص میں تناؤ تھا اس حالت میں اس نے اپنی بیوی کو اپنے پاس بلایا اسی دوران کسی طرح اس کا عضو

لڑکی کی رانوں کے اندر داخل ہوا تو اس صورت میں اگر عضو میں تناؤ زیادہ نہیں ہوا لڑکی کی ماں اس کے لئے حرام نہیں ہوگی۔
جوان یا بوڑھے مرد کے لئے معیارِ شہوت یہ ہے کہ خواہش کے وقت اس کے دل میں حرکت پیدا ہو جب کہ پہلے سے حرکت نہ تھی یا پہلے سے حرکت تھی لیکن اب اس میں اضافہ ہو گیا تو اس کو شہوت آنا شمار کیا جائے گا۔

عورت وغیرہ کے لئے معیارِ شہوت:

عورت یا مجبوب (یعنی وہ شخص جس کا عضو مخصوص کٹا ہوا ہو اس) کے لئے معیارِ شہوت یہ ہے کہ دل میں خواہش پیدا ہو اور ہاتھ لگانے سے جنسی لذت حاصل ہو جب کہ وہ خواہش پہلے موجود نہ تھی اور اگر پہلے سے موجود تھی تو اس میں اضافہ ہو جائے۔
ثبوتِ شہوت کے لئے دونوں میں سے کسی ایک میں شہوت کا ہونا حرمت کے لئے کافی ہے۔

ہاتھ لگانے یا بوسہ وغیرہ سے ثبوت حرمت کی شرط:

یہ ہے کہ انزال نہ ہوا گر ہاتھ لگانے یا شرمگاہ کی طرف دیکھنے سے انزال ہو گیا تو حرمت مصاہرت ثابت نہ ہوگی کیونکہ انزال سے یہ بات ثابت ہو جائیگی کہ یہ چھونا جماع کی طرف بلانے کے لئے نہیں۔
نمبر ۱ اور اگر کسی مرد نے اپنی عورت کے ساتھ لواطت کی تو بھی حرمت ثابت نہ ہوگی۔ اسی طرح مرد کے ساتھ جماع کے افعال کئے تو بھی حرمت ثابت نہیں ہوگی۔ مردہ سے جماع کرنے سے بھی حرمت ثابت نہیں ہوتی

اقرارِ حرمت:

اگر کسی مرد نے اپنی بیوی کے ساتھ حرمت مصاہرت کا اقرار کیا تو اس کا اعتبار کر کے ان کے درمیان جدائی کروائی جائیگی۔
نمبر ۱ اور اگر مرد اپنی بیوی کو زمانہ نکاح سے پہلے کی بات کہے کہ میں نے تمہارے ساتھ نکاح سے پہلے تمہاری ماں سے جماع کیا تھا تب بھی دونوں میں جدائی کر دی جائیگی۔ لیکن مرد پر عورت کا متعینہ مہر واجب ہو جائے گا۔ البتہ عقد لازم نہ ہوگا۔ اس اقرار پر ہمیشگی ضروری نہیں بلکہ ایک مرتبہ کا اقرار بھی کافی ہے بار بار اقرار لازم نہیں۔ اسی وجہ سے اگر کوئی شخص ایک مرتبہ اقرار کر کے رجوع کر لے تو قاضی اس نکاح کو صحیح تسلیم نہیں کرے گا اور قاضی ان کے درمیان جدائی کرا دے گا اگرچہ غلط اقرار کی صورت میں وہ عند اللہ اس کی بیوی رہے گی۔
نمبر ۲ اور اگر کسی نے اپنی بیوی کے بارے میں کہا کہ یہ تو میری رضاعی ماں ہے اور نکاح کے وقت اس بات سے مکر جائے تو اس عورت سے نکاح استحساناً جائز ہے۔
نمبر ۳ اور اگر کسی شخص نے عورت کا بوسہ لیا پھر کہنے لگا کہ یہ شہوت کے ساتھ نہیں تھا یا عورت کو چھوا ہو یا اس کی شرمگاہ کو دیکھا اب کہنے لگا یہ شہوت سے نہیں۔ تو بوسے کی صورت میں حرمت کا فوراً حکم لگا دیا جائے گا جب تک کہ عدم شہوت کا یقین نہ ہو جائے اور دوسری دونوں صورتوں میں حرمت کا فتویٰ اسی وقت دیا جائے گا جب شہوت سے چھونے کا ثبوت مل جائے۔

وجہ فرق:

یہ ہے کہ بوسہ عموماً شہوت سے لیا جاتا ہے اور اس کی بنیاد ہی شہوت پر ہے اور چھونا اور دیکھنا شہوت اور بلاشہوت دونوں طرح سرزد ہوتے ہیں۔مگر یہ یاد رہے کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ شرمگاہ کے علاوہ کسی اور عضو کو چھوئے اگر کسی شخص نے عورت کی شرمگاہ کو چھوا اور پھر کہنے لگا کہ شہوت کے ساتھ نہیں تھا تو اس کی بات کا اعتبار نہیں ہوگا۔اسی طرح اگر عورت کی چھاتی کو پکڑا اور کہنے لگا کہ یہ شہوت کے ساتھ نہیں تو اس کی بات کو سچا نہ سمجھا جائے گا۔

نمبر۴ اور اگر عورت کے ساتھ جانور پر سوار ہوا اور پھر دعویٰ کیا کہ شہوت کے ساتھ سوار نہیں ہوا تو اس کی بات کا اعتبار نہیں ہو گا۔اس کے برعکس اگر دریا کو عبور کرنے کے لئے عورت کی پشت پر سوار ہوا اور اس نے کہا کہ میں شہوت سے سوار نہیں ہوا تھا تو اس کی بات کا اعتبار کیا جائے گا۔

نمبر۵ اور اگر ایک شخص نے لوگوں کے سامنے اعتراف کیا کہ میں نے فلاں عورت کو شہوت کے ساتھ چھوا یا اس کا بوسہ لیا اور لوگوں نے اس کے اقرار کی گواہی بھی دی تو گواہی کو قبول کر لیا جائے گا اور حرمت مصاہرت ثابت ہو جائیگی۔

نمبر۶ اور اگر اسی طرح گواہ یہ کہیں کہ فلاں شخص نے فلاں عورت کو شہوت کے ساتھ چھوا یا بوسہ لیا تو ان کی گواہی کو تسلیم کر لیا جائے گا کیونکہ عضو کے تناؤ کی حرکت یا دیگر علامات سے شہوت معلوم کی جا سکتی ہے۔

قاضی علی سعدی کا قول:

اگر نشہ میں چور شخص نے اپنی لڑکی کو پکڑ کر بدن سے لپٹایا پھر اس کا بوسہ لیا جب جماع کا ارادہ کیا تو لڑکی نے کہا میں تمہاری بیٹی ہوں تو اس نے اسے چھوڑ دیا اس صورت میں بھی اس کی بیوی ہمیشہ ہمیشہ کے لئے اس پر حرام ہوگئی۔

اور اگر کسی شخص سے پوچھا گیا کہ تم نے اپنی ساس کے ساتھ کیا کیا؟ اس نے کہا میں نے جماع کیا تو اس اقرار سے بھی حرمت مصاہرت ثابت ہو جائے گی خواہ سوال کرنے والے نے مذاقاً سوال کیا اور اس نے بھی بطور مذاق جواب دیا اس کے بعد یہ شخص اپنے اقرار سے رجوع بھی کرے تو اس کا کوئی اعتبار نہیں۔اور اگر کسی نے اپنی مملوکہ لونڈی کے بارے میں یہ کہا کہ میں نے اس سے جماع کیا تو وہ لونڈی اس کے لڑکے کے لئے حرام ہو جائے گی۔اور اگر کسی کی مملوکہ لونڈی کے بارے میں جماع کا اقرار کیا تو وہ لڑکے کے لئے حرام نہ ہوگی۔

اور اگر کسی شخص کو باپ کی وراثت میں لونڈی ملی وہ اس کے ساتھ جماع کر سکتا ہے جب تک کہ یقین سے معلوم نہ ہو جائے کہ باپ نے اس لونڈی سے جماع کیا۔

اور اگر کسی شخص نے کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ وہ باکرہ ہے لیکن نکاح کے بعد جماع کے وقت معلوم ہوا کہ وہ باکرہ نہیں عورت سے پوچھنے پر کہ تمہارا پردہ بکارت کیسے زائل ہوا تو عورت نے جواب دیا کہ تمہارے باپ نے زائل کیا۔اب اگر یہ شخص اس کی بات کا اعتبار کرے تو نکاح ختم ہو جائے گا اور عورت مہر کی حقدار بھی نہ ہوگی اور اگر یہ اس عورت کی تکذیب کر دے تو نکاح باقی رہے گا۔

اور اگر کسی عورت نے اپنے شوہر کے لڑکے کے بارے میں کہا کہ اس نے مجھے شہوت سے چھوا ہے تو اس میں عورت کی بات کا اعتبار نہ ہوگا بلکہ شوہر کے لڑکے کا قول معتبر ہوگا۔

اور اگر کسی شخص نے اپنے باپ کی بیوی کا شہوت کے ساتھ زبردستی بوسہ لیا یا کسی سسر نے بہو کا شہوت کے ساتھ زبردستی بوسہ لیا اور پھر یہ کہا کہ یہ عمل شہوت کے ساتھ نہیں ہے تو شوہر کی بات کا اعتبار کیا جائے گا اور وہ عورت اسی کی بیوی رہے گی۔ لیکن اگر شوہر نے اس بوسے کو شہوت والا بوسہ قرار دیا تو میاں بیوی میں جدائی ہو جائے گی اور شوہر پر مہر لازم ہوگا۔ مگر وہ شوہر یہ مہر کی رقم فتنہ پھیلانے والے سے وصول کرے گا اور اگر بوسہ کی بجائے باپ نے اپنی بہو سے یا لڑکے نے اپنی سوتیلی ماں سے جماع کر لیا تو اس صورت میں شوہر مہر میں دی گئی رقم کسی طرح وصول نہیں کر سکتا ہے کیونکہ اس صورت میں حد واجب ہوتی ہے حد کے ساتھ کوئی جرمانہ واجب نہیں ہو سکتا۔

اگر کسی شخص نے دوسرے کی مملوکہ سے نکاح کیا تو خاوند کے جماع سے قبل شوہر کے لڑکے کا بوسہ شہوت سے لیا ہے مگر لونڈی کے مالک نے کہا کہ یہ غلط ہے لیکن یہ کہتا ہے کہ یہ بوسہ شہوت کے ساتھ تھا تو اس صورت میں نکاح ختم ہو جائے گا۔ کیونکہ شوہر نے اس بات کا اقرار کیا کہ میری بیوی نے شہوت سے بوسہ لیا ہے لیکن شوہر پر پورا مہر واجب نہیں ہوگا۔ بلکہ نصف مہر واجب ہوگا کیونکہ باندی کے مالک نے اس کی بات کو رد کر دیا ہے۔ اس بارے میں لونڈی کا قول معتبر نہ ہوگا کہ میں نے شہوت کے ساتھ بوسہ لیا تھا لہٰذا پورا مہر ادا کرو۔

اور اگر کسی عورت نے لڑائی جھگڑے کے دوران اپنے دادا کے عضو مخصوص کو پکڑ لیا اور کہا کہ میں نے شہوت کے ساتھ نہیں پکڑا تو اس کی بات معتبر ہوگی۔

حرمت مصاہرت یا حرمت رضاعت کی وجہ سے نکاح باطل نہیں ہوتا بلکہ فاسد ہو جاتا ہے اس لئے جماع تو حرام ہوتا ہے شوہر کو چاہیئے کہ اس کو طلاق دے یا قاضی اس کے درمیان جدائی کرے۔ چنانچہ جدائی سے پہلے شوہر نے جماع کر لیا تو اس پر حد لازم نہیں ہوگی۔ خواہ جماع شبہ میں مبتلا ہو کر کیا یا بغیر شبہ کے۔ اگر کسی شخص نے ایک عورت سے زنا کیا یا ایسا کوئی بھی فعل کیا جس سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے مثلاً چھونا وغیرہ۔ اگر یہ توبہ بھی کرے تو یہ شخص اس عورت کی لڑکی کا محرم ہی رہے گا۔ اس لئے کہ اس لڑکی سے نکاح کرنا اس کے حق میں حرام ہے یہ اس بات کی دلیل ہوگئی کہ حرمت زنا سے بھی ثابت ہو جاتی ہے اور ان چیزوں سے بھی ثابت ہوتی ہے جن سے حرمت مصاہرت ثابت ہوتی ہے مثلاً چھونا وغیرہ۔

اس بات میں کوئی حرج نہیں کہ اگر کوئی شخص نکاح کرے اور اس کا بیٹا اسی عورت کی بیٹی سے یا اس کی ماں سے نکاح کر لیتا ہے۔ اگر کسی شخص نے اپنے عضو پر کپڑا وغیرہ لپیٹ کر اپنی بیوی سے جماع کیا تو یہ دیکھا جائے گا کہ وہ کپڑا کیسا تھا۔ اگر درمیان میں ایسا کپڑا تھا جو ستر تک حرارت پہنچنے سے مانع نہیں تھا تو یہ عورت خاوند اول کے لئے حلال ہو جائے گی اور اگر کپڑا ایسا تھا کہ اس سے حرارت نہیں پہنچتی تھی تو یہ عورت خاوند اول کے لئے حلال نہ ہوگی۔

حرمت کا تیسرا سبب 'رضاعت ہے:

رضاعت کی وجہ سے وہ تمام رشتے حرام ہو جاتے ہیں جو نسب اور سسرال کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں۔
اگر کسی عورت نے کسی بچہ کو اس کی شیر خوارگی کی عمر میں دودھ پلایا تو ان دونوں میں ماں بیٹے کا تعلق پیدا ہو جائے گا اور دودھ پلانے والی عورت کا خاوند دودھ پینے والے بچے کا رضاعی والد بن جائے گا۔ اس بنیاد پر رضاعی ماں باپ کے وہ تمام رشتے اس بچے پر حرام ہو جائیں گے۔ جو حقیقی ماں باپ کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں۔

ثبوتِ رضاعت:

شیر خوارگی کی عمر میں مطلقاً رضاعت سے یہ حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔ خواہ دودھ کم پیا ہو یا زیادہ کم کی آخری حد یہ ہے کہ مطلقاً دودھ کا پیٹ میں پہنچنا یقین سے معلوم ہو جائے۔

مدتِ شیر خوارگی:

امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ کے نزدیک مدت شیر خوارگی تیس ماہ یعنی اڑھائی سال ہے اور صاحبین رحمہما اللہ کے ہاں دو برس ہے۔
اور اگر کسی بچہ نے شیر خوارگی کی عمر میں دودھ پینا بند کر دیا پھر اس زمانہ شیر خوارگی میں دودھ پیا تو یہ رضاعت کے حکم میں داخل ہوگا۔ کیونکہ یہ دودھ شیر خوارگی کے زمانہ میں پیا گیا۔ رضاعت کا زمانہ گزرنے پر اگر دودھ پیا تو رضاعت ثابت نہ ہوگی۔

مدتِ رضاعت برائے اجرت:

اجرت پر دودھ پلانے والی عورت کو اجرت دینے کے سلسلہ میں مدت دو سال ہی مسلمہ ہے چنانچہ مطلقہ نے دو سال کے بعد والے زمانہ کی اجرت کا مطالبہ کیا تو اس کا مطالبہ قابل تسلیم نہ ہوگا۔ عرصہ دو سال کی اجرت پر تو باپ کو مجبور کیا جائے گا۔ مگر اس سے زائد کی اجرت نہ دی جائے گی۔

حرمت رضاعت کا اثر ماں اور باپ دونوں میں ہے:

حرمت جہاں ماں کے رشتہ داروں میں ثابت ہوگی وہاں باپ کے رشتہ داروں میں بھی ثابت ہوگی کیونکہ دودھ اترنے کا سبب وہ خاوند ہے۔
دودھ پینے والے بچے کے لئے رضاعی ماں باپ اور ان کے اصول اوپر کے درجہ تک اور ان کے فروع نچلے درجہ تک خواہ ان کا تعلق نسب کی وجہ سے ہو یا رضاعت کی وجہ سے ہر دو حرام ٹھہریں گے
رضاعی ماں کی وہ اولاد جو اس رضیع سے پہلے پیدا ہوئی اور جو بعد میں پیدا ہوئی سب حرمت میں برابر ہیں اور وہ اولاد خواہ اس کے رضاعی باپ سے ہو خواہ اس کی رضاعی ماں کے کسی دوسرے شوہر سے ہو یا اس کی رضاعی ماں نے کسی دوسرے شخص کے

بچے کو دودھ پلایا ہو۔ یا اس کے رضاعی باپ کی کسی دوسری بیوی کا ہاں کوئی بچہ پیدا ہوا تو یہ دودھ پینے والے کے رضاعی بہن بھائی شمار ہوں گے۔ اور ان کی اولاد اس کے بھتیجے اور بھانجے شمار ہوں گے۔

رضاعی باپ کا بھائی اس کا چچا کہلائے گا اور رضاعی باپ کی بہن اس کی پھوپھی کہلائے گی اور رضاعی ماں کا بھائی اس کا ماموں اور رضاعی ماں کی بہن اس کی خالہ ہوگی۔ رضاعی باپ کا باپ اس کا دادا اور اس کی بیوی اس کی دادی ہوگی رضاعی ماں کی ماں دودھ پینے والے کی نانی شمار ہوگی۔

رضاعت سے حرمت مصاہرت:

رضاعت سے نسبی رشتوں کی حرمت ثابت ہوتی اسی طرح رضاعت سے سسرالی الشہوت کی حرمت بھی ثابت ہوتی ہے۔ یہ رضاعی باپ کی بیوی اس رضاعی بیٹے پر حرام ہے شیر خوار بچے کی بیوی رضاعی باپ پر حرام ہوگی۔ دوسرے تمام رشتوں کو اسی پر قیاس کرلیا جائے مگر اس میں سے یہ دو صورتیں مستثنیٰ ہیں۔

پہلی صورت:

نسبی رشتہ میں تو نسبی بیٹے کی بہن سے نکاح جائز نہ تھا مگر رضاعت میں رضاعی بیٹے کی بہن سے نکاح درست ہے۔

وجہ فرق:

کیونکہ نسبی بیٹے کی بہن اگر اس کے اپنے نطفہ سے ہو تو وہ اس کی حقیقی بیٹی بنے گی اور اگر اس کے نطفہ سے نہ ہو پھر یہ سوتیلی بیٹی بن جائیگی اس لئے حرمت قائم رہی مگر رضاعت میں یہ دونوں باتیں نہیں پائی جاتیں اس لئے رضاعی بیٹے کی بہن حرام نہیں ہے۔ چنانچہ نسبی رشتہ میں بھی اگر ان دونوں باتوں میں سے ایک بھی بات ثابت نہ پائی جائے تو نکاح درست ہوگا مثلاً کسی لونڈی کے ہاں بچہ پیدا ہوا وہ لونڈی دو آدمیوں میں مشترک ہے وہ دونوں شریک اس بچے کے متعلق دعویٰ کرتے ہیں۔ یہاں تک کہ اس بچے کا نسب ان دونوں سے ثابت ہو گیا ادھر ان کی اپنی بیویوں سے ایک ایک بیٹی ہے اب ان دونوں میں سے ہر ایک کے لئے درست ہے کہ دوسرے شریک کی بیٹی سے اپنا نکاح کر لے۔ کیونکہ اس صورت میں دونوں باتوں میں سے ایک بھی نہیں پائی جاتی۔ باوجودیکہ ان میں سے جس نے بھی دوسرے کی بیٹی سے نکاح کیا ہے تو اس نے گویا اپنے نسبی بیٹے کی بہن سے نکاح کیا۔

دوسری صورت:

اپنے نسبی بھائی کی ماں سے نکاح کسی شخص کو جائز نہیں مگر دودھ کے رشتہ میں یہ جائز ہے۔

وجہ فرق:

نسبی رشتہ میں وہ اخیافی بھائی بنیں گے جبکہ دونوں کی ماں ایک ہوگی یا پھر باپ شریک بھائی بنیں گے۔تو بھائی کی ماں اس کے باپ کی منکوحہ ہوگی۔مگر دودھ کے رشتہ میں ہر دو باتیں نایاب ہیں۔اس لئے بھائی کی ماں سے نکاح کرنا جائز ہے۔

ایک صورت:

دودھ شریک بھائی کی بہن سے نکاح جائز ہے جس طرح کہ نسبی رشتہ میں درست ہے مثلاً زید اور سوتیلے بھائی ہیں عمرو کی ایک اخیافی بہن ہے یعنی صرف ماں شریک تو اس سے زید کا نکاح درست ہے۔

ایک اور صورت:

دودھ شریک بھائی کی ماں محرمات سے نہیں ہے اسی طرح رضاعی چچا' رضاعی ماموں' رضاعی پھوپھی اور رضاعی خالہ کی ماں بھی محرمات سے نہیں ہے۔

ایک صورت:

رضاعی پوتی کی ماں سے نکاح کرنا جائز ہے۔جب کہ اسی طرح رضاعی بیٹے کی دادی اور نانی سے بھی نکاح درست ہے۔ رضاعی بیٹے کی پھوپھی اس کی بہن کی ماں اس کی بھانجی اور اس کی پھوپھی کی بیٹی سے بھی نکاح جائز ہے۔

ایک صورت:

عورت کو اپنی رضاعی بہن کے باپ سے رضاعی بیٹے کے بھائی سے رضاعی پوتے کے باپ سے اور اپنے رضاعی بیٹے کے دادا اور ماموں سے نکاح درست ہے۔حالانکہ نسبی رشتہ میں یہ سب محرمات ہیں۔ان سے نکاح جائز نہیں۔

ایک اور صورت:

اگر کسی شخص نے اپنی بیوی کو جس کو دودھ اترا ہوا طلاق دے دی۔مطلقہ نے عدت کے بعد ایک دوسرے شخص سے نکاح کر لیا۔دوسرے خاوند نے اس سے جماع کیا اور دوسرے خاوند سے بچہ پیدا ہوا تو اس عورت کے دودھ سے پہلے خاوند کا تعلق نہیں رہے گا۔اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

البتہ اگر دوسرے خاوند سے وہ عورت حاملہ نہ ہوئی تو پھر دودھ پہلے خاوند ہی سے سمجھا جائے گا۔یا حاملہ تو ہوئی مگر بچہ پیدا نہ ہوا تب بھی امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے ہاں دودھ پہلے خاوند کا ہی شمار ہوگا۔بچہ جننے کے بعد دوسرے خاوند کا شمار ہوگا۔

ایک صورت:

ایک آدمی نے کسی عورت سے نکاح کیا لیکن اس سے کوئی اولاد پیدا نہ ہوئی۔ اس عورت سے دودھ اتر آیا تو دودھ اس نے کسی دوسرے بچے کو پلایا تو وہ دودھ اسی عورت کا شمار ہوگا۔ خاوند کا اس سے تعلق نہ ہوگا۔ یعنی اس دودھ پینے والے بچے اور اس شخص کی دوسری اولاد جو دوسری بیوی سے ہے ان کے درمیان حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

ایک صورت:

ایک شخص نے کسی عورت سے زنا کیا جس سے بچہ پیدا ہوا اس عورت نے کسی دوسری لڑکی کو دودھ پلایا تو زانی کو اور اس کے باپ دادا اور اس کی اولاد کو اس دودھ پینے والی لڑکی سے نکاح جائز نہیں ہے۔ البتہ زانی کا چچا یا اس کا ماموں نکاح کر سکتا ہے یہ اسی طرح ہے جیسا کہ زنا کے نتیجہ میں پیدا ہونے والی لڑکی سے زانی کا چچا اور ماموں نکاح کر سکتا ہے۔

ایک صورت:

اگر کسی نے ایک عورت سے شبہ میں جماع کیا جس سے حمل ٹھہر گیا۔ پھر اس عورت نے کسی بچے کو دودھ پلایا تو یہ بچہ جماع کرنے والے کا رضاعی بیٹا شمار ہوگا۔

ایک قاعدہ:

جن صورتوں میں بچے کا نسب جماع کرنے والے سے ثابت ہوتا ہے انہی صورتوں میں رشتہ رضاعت بھی ثابت ہوتا ہے اور جن صورتوں میں بچے کا نسب جماع کرنے والے سے ثابت نہیں ہوتا ان صورتوں میں رضاعت کا رشتہ صرف رضاعی ماں سے ثابت ہوگا۔ مثلاً:

ایک صورت:

ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا۔ اس کے ہاں بچہ پیدا ہوا۔ اس عورت نے اپنے بچے کو دودھ پلایا بعد میں دودھ خشک ہو گیا کچھ عرصہ بعد دودھ پھر اتر آیا اس عورت نے پھر دودھ دوسرے لڑکے کو پلایا تو اس دوسرے لڑکے کو اس ناکح کی دوسری بیوی کے بطن سے پیدا ہونے والی اولاد سے نکاح جائز ہوگا۔

ایک صورت:

کسی کنواری لڑکی کو دودھ اتر آیا وہ دودھ اس نے کسی بچی کو پلایا اب یہ لڑکی اس بچی کی رضاعی ماں ہے۔ رضاعت کے تمام احکام اس پر لاگو ہوں گے۔

اگر کسی شخص نے اس کنواری لڑکی سے نکاح کیا پھر جماع سے پہلے طلاق دے دی تو اب اس شخص کو دودھ پینے والی لڑکی

سے نکاح کرنا جائز ہے۔اور اگر جماع کے بعد طلاق دی تو پھر اس لڑکی سے نکاح جائز نہیں۔

ایک اور صورت:

اگر کسی لڑکی کو نو برس سے کم عمر میں دودھ اتر آیا اس نے وہ دودھ ایک لڑکے کو پلایا تو اس سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی کیونکہ حرمت رضاعت کے لئے دودھ نو برس یا اس سے زائد میں اترنا شرط ہے۔

ایک اور صورت:

کسی کنواری لڑکی کی چھاتی میں زرد رنگ کا پانی آ گیا تو اس کے پلانے سے بھی حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔

ایک اور صورت:

کسی عورت نے بچہ کے منہ میں اپنی چھاتی داخل کر دی لیکن بچہ کا دودھ چوسنا معلوم نہ ہوا تو فقط شک کی وجہ سے حرمت رضاعت کا حکم نہ لگائیں گے البتہ بطور احتیاط حرمت ثابت کی جائے گی۔

ایک صورت:

عورت کی چھاتی سے زرد رنگ کی صورت میں بہنے والی پتلی مائع چیز بچے کے منہ میں پہنچ جائے تو اسے معتبر رنگ کا دودھ شمار کر کے حرمت ثابت کر دی جائے گی۔

رضاعت کا حکم دار الحرب اور دار الاسلام میں:

دار الاسلام اور دار الحرب دونوں میں رضاعت کا حکم برابر ہے۔اگر کسی عورت نے حالت کفر میں دار الحرب میں دودھ پلایا ہوگا تو مسلمان ہو کر دار الاسلام میں آنے پر رضاعت کے تمام احکام اس پر نافذ ہوں گے۔

ثبوتِ رضاعت کی مختلف شکلیں:

(۱) جس طرح عورت کی چھاتی سے دودھ پینے سے رضاعت ثابت ہوتی ہے اسی طرح بچے کے منہ میں دودھ ڈالنے یا ناک میں دودھ نچوڑ دینے سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔البتہ کان میں ٹپکانے سے یا عضو مخصوص کے سوراخ میں ڈالنے سے یا حقنہ کے طور پر استعمال کرنے یا دماغ یا پیٹ کے زخم میں ڈالنے سے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوگی۔خواہ دودھ ان زخموں کے ذریعہ پیٹ میں پہنچ جائے۔البتہ امام محمد رحمۃ اللہ کے ہاں حقنہ سے رضاعت ثابت ہو جائے گی۔(۲) اگر غذا کی کسی چیز میں دودھ ڈال دیا گیا پھر اس کو آگ پر رکھ کر پکایا گیا جس کی وجہ سے دودھ کی حقیقت بدل گئی تو اس کو کھانے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی۔اگرچہ دودھ غالب ہو یا مغلوب۔اگر دودھ سے ملی ہوئی چیز کو آگ پر نہیں پکایا گیا اس صورت میں بھی اس کھانے سے حرمت ثابت نہیں ہوگی۔بشرطیکہ دودھ غالب نہ ہو۔اگر دودھ غالب ہو یا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے نزدیک حرمت ثابت نہیں ہو

گی۔ کیونکہ بہنے والی چیز جب جمی ہوئی چیز میں خلط ملط ہوگئی تو بہنے والی چیز اس جمی ہوئی چیز کے تابع بن گئی اور مشروبات میں سے نہ رہی اس وجہ سے علماء نے فرمایا کہ جس چیز میں دودھ مل جائے اگر وہ غالب نہیں مگر بہنے کے قابل ہے تو اس کے بہنے سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔ (۳) اگر عورت کا دودھ کسی جانور کے دودھ میں مل گیا اور عورت کا دودھ غالب ہے تو اسے پینے سے حرمت ثابت ہو جائے گی۔

(۴) اگر عورت نے اپنے دودھ میں روٹی بھگوئی۔ روٹی میں دودھ جذب ہو گیا یا دودھ میں ستو ملایا پھر وہ ستو یا روٹی کسی بچے کو کھلا دی اگر دودھ کا ذائقہ موجود ہو تو حرمت ثابت ہو جائے گی۔ ذائقہ کی شرط اس صورت میں ہے۔ جب کہ بچے کو ایک ایک لقمہ کر کے کھلایا جائے اگر گھونٹ گھونٹ کر کے پلانے کے قابل تھا تو پھر ذائقہ کی شرط کے بغیر حرمت ثابت ہو جائے گی۔

(۵) عورت کا دودھ پانی یا دوا یا جانور کے دودھ میں مل گیا تو اس میں غالب کا اعتبار ہوگا۔ اگر عورت کا دودھ غالب ہوگا تو حرمت ثابت ہوگی اور اگر پانی کا غلبہ ہوگا تو حرمت ثابت نہ ہوگی۔

(۶) اگر کسی عورت کا دودھ کسی پتلی چیز میں مل گیا یا جمی ہوئی چیز میں مل گیا تو بھی غالب کا اعتبار ہوگا۔

غالب کا مطلب:

اس کا رنگ، بو، ذائقہ تینوں چیزیں یا ان میں سے ایک ظاہر باہر معلوم ہو۔ اگر دونوں چیزیں برابر مل جائیں تب بھی دودھ کو غالب قرار دیکر حرمت ثابت کر دی جائے گی۔

(۷) اگر دو عورتوں کا دودھ باہم مل گیا تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس عورت سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ جس کا دودھ غالب ہوگا' مگر امام محمدؒ فرماتے ہیں کہ دونوں سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا ایک قول جو زیادہ صحیح ہے وہ اسی طرح ہے۔

(۸) دونوں عورتوں کا دودھ برابر ہونے کی صورت میں تینوں ائمہ کے ہاں رضاعت دونوں عورتوں سے ثابت ہو جائے گی۔

(۹) اگر کسی عورت نے اپنے دودھ کا دہی یا لسی یا پنیر وغیرہ بنا کر کسی بچے کو کھلا دیا تو اس سے حرمت ثابت نہ ہوگی کیونکہ اس پر پلانے کا اطلاق نہیں ہوتا۔

(۱۰) گاؤں کی کسی عورت نے ایک بچی کو دودھ پلایا مگر بعد میں کسی کو بھی نہ یاد رہا نہ معلوم رہا کہ وہ مرضعہ کون تھی پھر اس بستی کے کسی شخص نے اس لڑکی سے نکاح کر لیا تو یہ نکاح درست ہو جائے گا۔

عورتوں کا فرض:

عورتوں کو بلا ضرورت کسی بچے کو اپنا دودھ نہ پلانا چاہیے اگر پلائیں تو اس کو یاد رکھیں بلکہ لکھ لیا کریں۔ تا کہ حرمت رضاعت کے حکم کی خلاف ورزی نہ ہونے پائے۔

(۱۱) پہلے بعد کا فرق نہیں:

دودھ خواہ پہلے پلایا جائے یا بعد میں حرمت رضاعت بہرصورت ثابت ہو جاتی ہے۔ پہلے بعد سے فرق نہیں پڑتا۔

(ا) رضاعی رشتہ کے اعتراف کی چند صورتیں:

نمبر ۱ اگر کسی شخص نے شیر خوار بچی سے نکاح کر لیا پھر بعد میں اس شخص کی نسبی یا رضاعی ماں، بہن یا لڑکی نے آ کر اس بچی کو اپنا دودھ پلایا تو یہ بچی اس شخص پر حرام ہو جائے گی اور اس پر نصف مہر بھی لازم ہوگا۔ مگر نصف مہر کی یہ رقم وہ مرضعہ سے وصول کرے گا (کیونکہ وہ نکاح توڑنے کا باعث بنی) لیکن مرضعہ سے وصول اس صورت میں کریگا جب بطور شرارت پلایا ہو اور اگر شرارت کے طور پر نہیں پلایا بلکہ ہمدردی اور شدید ضرورت و حاجت کی وجہ سے پلایا تو پھر یہ خاوند اس سے رقم کا مطالبہ نہیں کر سکتا۔

نمبر ۲ ایک شخص نے دو شیر خوار بچیوں سے نکاح کیا۔ کسی اجنبی عورت نے آ کر دونوں کو بیک وقت یا یکے بعد دیگرے دودھ پلایا تو دونوں شوہر پر حرام ہو گئیں۔ پھر وہ اس کے بعد ان دونوں میں سے کسی ایک سے نکاح کر سکتا ہے

نمبر ۳ اگر شیر خوار تین بچیاں ہوں ان سے کوئی نکاح کرے اور اس عورت نے ان تینوں کو ایک ساتھ دودھ پلایا ہو تو وہ تینوں حرام ہو جائیں گی۔ اس کے بعد وہ تینوں میں سے جس کو پسند کرے ایک سے نکاح کر سکتا ہے اور اگر تینوں کو یکے بعد دیگرے پلایا تو پہلی دو حرام ہوں گی اور تیسری اس کی بیوی باقی رہے گی۔

نمبر ۴ اگر پہلے دو بچیوں کو ایک ساتھ پلایا اور اس کے بعد تیسری کو پلایا تو بھی یہی حکم ہوگا۔

نمبر ۵ اگر پہلے ایک لڑکی کو پلایا اور بعد میں دو کو بیک وقت پلایا تو تینوں حرام ہو جائیں گی اور ان میں سے ہر بچی کا آدھا مہر اس پر لازم ہو جائے گا۔ یہ مہر دودھ پلانے والی سے اس شرط پر وصول کیا جائے گا کہ اگر اس نے شرارت سے دودھ پلایا ورنہ نہیں، خود ادا کرے۔

نمبر ۶ اگر چار بچیوں سے نکاح کیا اور اس عورت نے ان چاروں کو ایک ساتھ یا یکے بعد دیگرے یا ایک ایک کر کے دودھ پلایا تو چاروں حرام ہو جائیں گی۔ اگر پہلے ایک کو اور پھر تین کو ایک ساتھ پلایا تو بھی حکم حرمت کا ہوگا۔ اور اس کا عکس کیا کہ تین کو ایک ساتھ اور چوتھی کو الگ پلایا تو چوتھی حرام نہ ہوگی۔ پہلی تین رضاعت سے حرام ہو جائیں گی۔

نمبر ۷ اگر کسی شخص نے ایک بڑی عورت اور ایک شیر خوار بچی سے نکاح کیا۔ پھر بڑی عورت نے بچی کو دودھ پلا دیا تو شوہر پر دونوں حرام ہو جائیں گی۔ اگر بڑی سے جماع نہیں کیا تھا تو اس کو کچھ مہر نہ ملے گا اور چھوٹی کو نصف مہر ملے گا۔ جس کو وہ بڑی سے وصول کرے گا۔ جب کہ اس نے یہ شرارت کی غرض سے کیا ہو۔ اگر شرارت کی بنیاد پر نہیں پلایا تو پھر اس سے کچھ وصول نہ کیا جائے گا، خواہ بڑی یہ جانتی ہو کہ یہ میرے شوہر کی بیوی ہے۔

ثبوتِ رضاعت:

دو باتوں میں سے ایک بات سامنے آنے پر رضاعت کا ثبوت ہو جاتا ہے۔ نمبر ۱ اقرار یعنی عورت کہے کہ میں نے فلاں بچے یا بچی کو دودھ پلایا نمبر ۲ گواہی۔ یعنی کوئی گواہ کہہ دے کہ فلاں عورت نے فلاں بچے کو دودھ پلایا۔ گواہی میں دو عادل مرد یا دو عورتیں اور ایک عادل مرد ہوں۔

حق تفریق:

حرمتِ رضاعت اگر گواہی سے ثابت ہو یعنی جب دو مردوں یا ایک مرد اور دو عورتوں سے ثابت ہو جائے تو قاضی ان میں تفریق کر دے گا۔ عورت کو جماع نہ ہونے کی صورت میں کچھ نہیں ملے گا اور اگر جماع ہو چکا تو مہر مثل اور مہر متعین میں سے کم مقدار والا مہر خاوند پر واجب ہوگا۔ نفقہ و سکنیٰ کا خرچہ لازم نہ ہوگا۔ نمبر ۱ اگر شہادت عادلہ نے نکاح کے بعد شادی شدہ عورت کے سامنے گواہی دی کہ تمہارے درمیان رشتہ رضاعت ہے تو ان کو شہادت عادلہ کی صورت میں عورت کے لئے شوہر کے ساتھ رہنا درست نہیں ہے۔ جیسا کہ قاضی کے سامنے شہادت عادلہ کا یہی حکم تھا۔ ان کے مابین تفریق کرا دی جائے گی۔

نمبر ۲ اگر رضاعت کی خبر دینے والا ایک آدمی ہے مگر اس عورت کے دل میں یہ بات پیدا ہو گئی کہ یہ آدمی سچا ہے۔ تو شوہر سے اعراض بہتر ہے واجب نہیں۔

نمبر ۳ ایک شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا۔ دوسری عورت نے آ کر ان دونوں کو کہا کہ میں نے تم دونوں کو دودھ پلایا ہے۔ تو اس کی چار صورتیں ہونگی۔

پہلی صورت:

دونوں میاں بیوی اگر اس عورت کا اعتبار کر لیں تو نکاح فاسد ہو جائے گا اور عورت کو کچھ مہر نہ ملے گا۔ بشرطیکہ جماع نہ ہوا ہو۔

دوسری صورت:

دونوں نے اعتبار نہیں کیا تو نکاح باقی رہے گا۔ اگر وہ عورت عادل ہے تو احتیاط جدائی میں ہے اور خاوند نصف مہر دے مگر عورت کچھ نہ لے۔ جب کہ یہ جدائی جماع سے پہلے ہو اگر جماع ہو چکا تو مرد کو پورا مہر دینا چاہئے اور ایام عدت کا نفقہ و سکنیٰ بھی دے اور عورت کو مہر مثل پر اکتفاء کرنا چاہئے اور نفقہ و سکنیٰ بھی چھوڑ دے۔ اگر خاوند نے عورت کو طلاق دیکر نہیں چھوڑا تو بیوی کو اس کے ہاں رہنا جائز ہے۔ اگر شہادت تو پوری ہے مگر غیر عادلہ ہے اور رضاعت کی گواہی دیں تب بھی یہی حکم ہے یعنی تفریق بہتر ہے۔

تیسری صورت:

خاوند نے اس عورت پر اعتبار کیا مگر بیوی نے اعتبار نہ کیا تب بھی نکاح فاسد ہو جائے گا اور مہر واجب ہوگا

چوتھی صورت:

اگر بیوی نے اعتبار کر لیا مگر خاوند نے نہ کیا تو نکاح برقرار رہے گا۔ مگر عورت خاوند سے قسم لے کہ وہ حقیقت میں اس عورت کی بات کا اعتبار نہیں کرتا۔ اگر وہ نکاح کرے تو پھر دونوں میں تفریق کر دی جائے گی۔

نمبر۴: ایک مرد نے کسی عورت سے نکاح کیا پھر کہنے لگا کہ یہ میری رضاعی بہن ہے یا اسی قسم کے کسی رضاعی رشتے کا دعویٰ کیا۔ پھر کہنے لگا مجھے وہم ہے میں نے غلط کہا تو استحساناً ان کے مابین تفریق نہ کی جائے گی بشرطیکہ وہ اپنی بعد والی بات پر قائم ہو۔ اور اگر وہ پہلی بات پر قائم ہوا اور یہ کہے کہ میں نے درست کہا ہے تو دونوں میں تفریق کرادی جائے گی۔ اب اگر وہ پہلی بات کا انکار کر لے یہ پس مرگ واویلا ہے اب اس کا کوئی فائدہ نہیں اگر عورت نے خاوند کی اسی بات کی تصدیق کر دی تو اسے کچھ مہر نہ ملے گا بشرطیکہ جماع نہ ہوا ہو۔ اور اگر عورت اپنے خاوند کی اس بات کو غلط قرار دیتی ہے تو مرد پر نصف مہر لازم ہوگا بشرطیکہ کے جماع نہ ہوا ہو اگر جماع ہوا تو پھر اس صورت میں خاوند پر پورا مہر لازم ہوگا۔

نمبر۵ اگر مرد نے کسی عورت کے متعلق نکاح سے پہلے یہ کہا کہ یہ میری رضاعی بہن ہے یا رضاعی ماں ہے، پھر بعد میں کہنے لگا مجھے تو وہم ہو گیا تھا اور مجھ سے غلطی ہوئی تو اس شخص کا اس عورت سے نکاح درست ہے اور اگر وہ سابقہ بات پر قائم ہو کہ اس نے صحیح کہا تھا تو نکاح جائز نہ ہوگا اور اگر اس کے باوجود کر لے تو دونوں میں جدائی کرادی جائے گی اور اگر وہ اپنے بیانِ سابق سے مکر جائے اور دو گواہ اس کے بیان پر موجود ہوں تو ان کے مابین نکاح کی صورت میں تفریق کرادی جائے گی۔

نمبر۶ اگر کسی عورت نے کسی مرد کے متعلق اقرار کیا کہ وہ میرا رضاعی بھائی یا رضاعی بھتیجا ہے مگر مرد نے انکار کر دیا اور پھر عورت نے بھی اپنے قول کی تردید کر دی اور کہنے لگی کہ مجھ سے غلطی ہوئی ہے تو اس عورت سے نکاح جائز ہو جائے گا اور اگر عورت کی تردید واعتراف سے پہلے مرد نے اس سے نکاح کر لیا تو وہ درست ہوگا۔

نسبی رشتے کا اعتراف:

نمبر۱: اگر کسی مرد نے اپنی منکوحہ کے ساتھ اپنے نسبی رشتہ کا اعتراف کیا کہ یہ عورت میری حقیقی ماں بہن یا بیٹی ہے اور یہ عورت مجہول النسب ہے اور مرد بھی اس انداز کا ہے کہ یہ عورت اس کی ماں یا بیٹی وغیرہ ہو سکتی ہے، تو اس مرد سے اس بیان کی تصدیق کرائی جائے گی اگر وہ کہے کہ مجھے تو وہم ہو گیا تھا اور میں نے غلطی کی ہے۔ تو استحساناً ان کا نکاح برقرار رہے گا اور اگر دوبارہ دریافت کرنے پر اس نے اپنے سابقہ بیان کی تصدیق پر اصرار کیا تو ان میں تفریق کرادی جائے گی۔

اور اگر مرد اس صلاحیت کا مالک نہیں یعنی عمر میں تفاوت ظاہر کرتا ہے کہ اس عمر کی عورت اس کی ماں یا حقیقی بیٹی نہیں ہو سکتی تو نسب ثابت نہ ہوگا اور ان دونوں میں تفریق نہ ہوگی۔

نمبر۱۲ اگر مرد نے اپنی بیوی کے متعلق کہا کہ یہ میری حقیقی لڑکی ہے پھر بعد میں اپنے اس بیان کی تردید نہیں کی بلکہ اس پر مصر رہا حالانکہ لوگوں کو اس لڑکی کا نسب معلوم ہے کہ لڑکی اس کی نہیں ہے بلکہ فلاں کی ہے تو دونوں میں جدائی نہ کرائی جائے گی۔

نمبر۱۳ اگر خاوند نے کہا کہ یہ میری حقیقی ماں ہے۔ حالانکہ لوگوں کو اس عورت کا نام و نسب معلوم ہے تو اس صورت میں بھی تفریق نہ کرائی جائے گی۔ (بلکہ اس بات کو بکواس قرار دیا جائے گا)

چوتھا سبب۔ ان دو عورتوں کا جمع کرنا جو جمع ہو کر باہمی محرمات بن جاتی ہیں:

ان کو دو قسموں میں تقسیم کر سکتے ہیں نمبر۱ اجنبی عورتوں کو جمع کرنا نمبر۲ ذوات الارحام کو جمع کرنا۔

نمبر۱ اجنبی عورتوں کو جمع کرنا:

اس کا مطلب یہ ہے کہ شرع نے آزاد مرد کو بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کی اجازت دی ہے اور غلام کو بیک وقت دو عورتوں سے نکاح کی اجازت ہے۔ پس اس قاعدہ سے کسی آزاد کو چار سے زائد عورتوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنا اور غلام کو دو سے زائد عورتوں کو بیک وقت نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں ہے۔ البتہ آزاد کو کثیر تعداد میں باندی رکھنے کی اجازت ہے۔

مگر غلام کو بلا نکاح باندی رکھنے کی بھی اجازت نہیں ہے خواہ اس کا آقا اجازت بھی دے۔

آزاد شخص بیک وقت چار آزاد یا دو آزاد اور دو منکوحہ باندیاں رکھ سکتا ہے۔

① اگر کسی شخص نے پانچ عورتوں سے یکے بعد دیگرے نکاح کیا تو پہلی چار کا نکاح درست ہوا اور پانچویں کا باطل ہے۔

② اگر پانچوں کو ایک ہی عقد میں قبول کیا تو پانچوں کا نکاح باطل ہے۔

③ اگر کسی غلام نے تین عورتوں سے نکاح کیا تو یہی تفصیل ملحوظ رہے گی۔ یکے بعد دیگرے نکاح کرے تو آخری سے نکاح نہ ہوا اور تینوں نے بیک وقت نکاح کیا تو تینوں کا کا نکاح باطل ہو گیا۔

④ اگر کسی حربی کافر نے پانچ عورتوں سے نکاح کیا پھر وہ اپنی بیویوں سمیت مسلمان ہوا۔ تو اگر یہ نکاح یکے بعد دیگرے ہوئے تو پہلی چار جائز رہیں گی پانچویں سے جدائی کرادی جائے گی اور اگر پانچوں سے بیک وقت ہوا تو پانچوں کا نکاح باطل ہوا پانچوں سے جدائی کرادی جائے گی۔

⑤ اگر کسی نے ایک عورت سے پہلے نکاح کیا پھر چار عورتوں سے ایک ساتھ نکاح کیا تو صرف پہلی سے نکاح درست ہوگا بعد والی چاروں سے نکاح درست نہ ہوگا۔

⑥ اگر کسی عورت نے ایک عقد میں دو مردوں سے نکاح کیا اور ان میں سے ایک شخص کے نکاح میں پہلے چار عورتیں موجود تھیں تو اس کا نکاح اس دوسرے شخص کے ساتھ درست ہوگا یعنی جس کے ہاں پہلے سے چار نہ تھیں۔

⑦ اگر دونوں کے پاس پہلے چار چار موجود ہیں تو کسی سے بھی نکاح درست نہ ہوگا اور اگر کسی ایک کے بھی نکاح میں چار عورتیں نہ تھیں تو یہ نکاح بھی کسی سے درست نہ ہوگا۔

نمبر۲ ذوات الارحام کا جمع کرنا:

اس کا مطلب یہ ہے کہ دو ایسی عورتوں کو بیک وقت نکاح میں رکھنا جن میں آپس میں ذی رحم والا رشتہ ہو مثلاً دونوں بہنوں سے بیک وقت نکاح حرام ہے۔ اسی طرح باندیاں بنا کر دونوں سے جماع حرام ہے' خواہ حقیقی یا اخیافی' علاتی یا رضاعی بہنیں ہوں۔

ایک اہم اصول:

ایسی دو عورتوں کو ایک نکاح میں جمع کرنا درست نہیں کہ جن کے مابین ایسا رشتہ ہو کہ اگر ان میں سے ایک کو مرد فرض کریں اور دوسری کو عورت تو ان کا نکاح آپس میں نہ ہو سکتا ہو۔ خواہ یہ رشتہ نسبی ہو یا رضاعی۔

نمبر۱ تو جس طرح دو حقیقی یا رضاعی بہنوں کو جمع کرنا حرام ہے اسی طرح لڑکی اور اس کی نسبی پھوپھی یا رضاعی پھوپھی کو ایک نکاح میں جمع کرنا حرام ہے۔

نمبر۲ کسی لڑکی اور اس کی حقیقی یا رضاعی خالہ یا اسی قسم کی کسی اور رشتہ دار کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز نہیں ہے

نمبر۳ البتہ کسی عورت اور اس کے پہلے خاوند کی لڑکی جو اس عورت کے بطن سے نہ ہو۔ ان دونوں کو بیک وقت ایک نکاح میں رکھا جا سکتا ہے۔ کیونکہ ان میں سے عورت کو مرد اور لڑکی کو عورت شمار کریں تو نکاح میں کوئی رکاوٹ نہیں البتہ اس کا عکس جائز نہیں کہ اگر اس لڑکی کو مرد فرض کریں تو اس عورت یعنی باپ کی منکوحہ سے نکاح جائز نہیں ہوگا۔

نمبر۴ اسی طرح کسی عورت اور اس کی باندی کو بیک وقت اپنے نکاح میں رکھنا جائز ہے۔ بشرطیکہ اس باندی سے نکاح پہلے کیا ہو۔

نمبر۵ اگر کسی شخص نے دو بہنوں سے ایک عقد میں نکاح کیا تو نکاح باطل ہوگا۔ دونوں کو شوہر سے جدا کرایا جائے گا۔ اگر جدائی قبل الدخول ہے تو دونوں کو بطور مہر کچھ نہ ملے گا۔

اور اگر دخول کے بعد جدائی ہو تو مہرِ مثل اور مقررہ مہر میں سے کمتر دیا جائے گا اور یہ مہر ہر ایک کو دیا جائے گا۔

نمبر۶ اگر کسی نے دو بہنوں سے مختلف اوقات میں عقد کیا ہو یعنی یکے بعد دیگرے کیا تو پہلا نکاح درست دوسرا باطل ہوگا اور شوہر کو اس سے جدائی اختیار کرنا لازم ہے۔

اگر وہ خود جدائی اختیار نہیں کرتا اور قاضی کو اس کا علم ہو جائے تو قاضی ان میں جدائی کرا دے۔ اگر یہ جدائی جماع سے پہلے واقع ہوگی تو احکام علیحدگی مہر وعدت وغیرہ میں سے کوئی نافذ نہ ہوگی اور اگر دخول کے بعد جدائی واقع ہوگی تو مہر مثل اور مہر متعین میں سے جس کی مقدار کم ہو وہ مہر دیا جائے گا اور اس پر عدت لازم ہوگی اور اس شخص کو اپنی بیوی سے اس وقت تک علیحدہ رہنا ہوگا جب تک کہ اس کی بہن کی عدت پوری نہیں ہوتی۔

نمبر۷ اگر کسی شخص نے دونوں بہنوں سے علیحدہ علیحدہ عقد میں نکاح کیا مگر یہ بات یاد نہیں کہ کس بہن سے پہلے اور کس سے بعد میں نکاح کیا تھا تو اس صورت میں شوہر کو کہا جائے گا کہ وہ اس کی وضاحت کرے اگر وہ ایک کے متعلق پہلے ہونے کی نشاندہی کر دے تو اس کے مطابق عمل کیا جائے گا اور پہلی کا نکاح برقرار رہے گا اور دوسری کا باطل قرار پائے گا اور اگر شوہر بیان

سے عاجز رہے تو پھر قاضی ان میں تفریق کرا دے۔ علیحدگی کے بعد دونوں کو نصف مہر ملے گا جب کہ دونوں کا مہر برابر اور متعین ہوا ہو اگر علیحدگی جماع سے پہلے عمل میں آئی ہو۔

اور اگر دونوں کا مہر برابر نہ تھا تو ان میں سے ہر ایک کو دوسرے کے مہر کا چوتھائی حصہ ملے گا اور اگر بوقت عقد مہر متعین نہ ہوا تو آدھے مہر کی بجائے ایک ایک جوڑا کپڑا دونوں کو دیا جائے گا

نمبر۱۸ اگر یہ علیحدگی جماع کے بعد ہو تو ہر ایک کو اس کا پورا مہر ملے گا۔

علامہ ہندوانی کا قول:

علامہ فرماتے ہیں کہ مسئلہ مذکور بالا میں یہ حکم اس وقت ہوگا جب کہ ان دونوں میں سے ہر ایک عورت کا دعویٰ یہ ہو کہ اس سے نکاح پہلے ہوا مگر گواہ کسی کے پاس نہ ہو تو دونوں کو نصف مہر ملے گا اور اگر دونوں اس بات کا اقرار کریں کہ ہمیں معلوم نہیں کہ کس کا نکاح پہلے ہوا تو ان کے متعلق فیصلے کو اس وقت تک معلق رکھا جائے جب تک دونوں اتفاق کر کے صلح نہ کریں اور قاضی کے پاس یہ نہ کہیں کہ ہم دونوں کا مہر ہمارے خاوند پر واجب ہے اور ہمارے اس دعویٰ پر کوئی دعویدار شریک نہیں کسی تیسری بیوی کا حق نہیں ہے۔ فلہٰذا ہم دونوں اس پر اتفاق و صلح رکھتی ہیں کہ نصف مہر لے لیں اس کے بعد قاضی فیصلہ دے گا۔

نمبر۱۹ اگر ان دونوں عورتوں میں سے ہر ایک اپنا نکاح پہلے ہونے پر گواہ پیش کر دے تو مرد پر نصف مہر ہوگا جو دونوں میں تقسیم ہوگا۔ اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔

تنبیہ:

دو بہنوں کے سلسلہ میں جو احکام بیان کیے گئے ہیں وہ ان تمام عورتوں پر جاری ہوں گے جن کا بیک وقت نکاح میں جمع کرنا حرام ہے

نمبر۱۰ وہ شخص کہ جس نے دو بہنوں سے بیک وقت نکاح کیا پھر وہ باطل ہو کر ان میں جدائی کر دی گئی۔ اگر بعد میں ان دونوں میں سے کسی ایک سے نکاح کو پسند کرے تو کر سکتا ہے مگر اس کی شرط یہ ہے کہ جماع سے پہلے علیحدگی پیش آئی ہو اور اگر یہ علیحدگی جماع کے بعد پیش آئی ہو تو اس صورت میں دونوں کی عدت گزر جانے پر نکاح کر سکتا ہے اگر ایک عدت میں ہو اور دوسری کی عدت پوری ہو گئی تو خاوند کو اس عورت سے نکاح کرنا درست ہے جو عدت میں ہے۔ دوسری سے جائز نہیں اگر وہ دوسری سے نکاح کا خواہاں ہے تو جب تک عدت والی کی عدت پوری نہ ہو دوسری سے نکاح نہیں کر سکتا۔

نمبر۱۱ اگر اس نے ان میں سے ایک سے صحبت کی ہے تو خاوند کو اس سے نکاح کرنا جائز ہے دوسری جو بلا صحبت ہے اس سے نکاح جائز نہیں۔ دوسری سے نکاح کرنا اس صورت میں درست ہے جب کہ معتدہ کی عدت پوری ہو جائے۔

نمبر۱۲ اگر اس کی عدت بھی پوری ہو گئی تو خاوند جس سے چاہے نکاح کر سکتا ہے۔

نمبر۱۳ دو بہنوں کو جو لونڈیاں ہوں تمتع کے لئے جمع کرنا اسی طرح ناجائز ہے جیسا آزاد دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنا۔ پس جو شخص دو بہنوں کا مالک بن گیا تو اسے ایک سے فائدہ [redacted] ہے۔ جب ان میں سے ایک سے فائدہ اٹھایا تو دوسری سے

فائدہ اٹھانا جائز نہ ہوگا' جب تک کہ پہلی کو اپنے اوپر حرام نہ کرلے (کسی سے نکاح کردے وغیرہ)

نمبر۱۴ اگر کسی نے ایک لونڈی خریدی اور اس سے صحبت کرلی پھر اس نے اس کی بہن خریدی۔ اسے پہلی لونڈی سے صحبت تو جائز ہے دوسری سے صحبت جائز نہیں جب تک کہ پہلی کو اپنے اوپر حرام نہ کردے۔

لونڈی کے حرام کرنے کی چند صورتیں:

کسی سے اس لونڈی کا نکاح کردیا' آزاد کرکے مِلک سے فارغ کردیا' مِلک سے نکال دیا ہبہ کرکے یا فروخت کرکے' اللہ کی راہ میں دے دیا یا مکاتب بنادے۔

آزادی کا حکم:

بعض حصہ آزاد کرنا کل آزاد کرنے کی طرح ہے۔ بعض کا مِلک کرنا کل مِلک کردینے کی طرح ہے۔

نمبر۱۵ اگر کوئی اپنی لونڈی کے متعلق کہے کہ وہ مجھ پر حرام ہے۔ تو یہ کافی نہیں جیسا کہ دوسری کا حیض' نفاس' احرام وصیام میں ہونا ثبوت حرمت کے لئے کافی نہیں بلکہ یہ تو وقتی عوارض ہیں۔ حرمت سے مستقل حرمت مراد ہے

نمبر۱۶ اگر کسی کی ملکیت میں دو لونڈیاں بہنیں ہوں اور دونوں سے صحبت کرچکا ہو۔ اب اسکو صحبت کی حرمت معلوم ہوئی تو آئندہ ان میں سے کسی ایک سے اس وقت تک صحبت جائز نہیں جب تک وہ دوسری کو اپنے اوپر حرام نہ کرلے' جیسا اوپر مذکور ہوا۔

نمبر۱۷ اگر اس نے دونوں میں سے ایک کا نکاح کردیا یا ہبہ کیا مگر وہ عیب کی وجہ سے اس کی طرف لوٹا دی گئی یا اس نے اپنے ہبہ سے رجوع کرلیا یا جس لونڈی کا نکاح کیا تھا اس کے خاوند نے اسے طلاق دے دی اور اس کی عدت پوری ہوچکی تو تب بھی ان میں سے جو لونڈی اس کے پاس ہے اس سے صحبت کی اجازت نہیں کہ جب تک اس دوسری کو دوبارہ حرام نہ کرلے۔

نمبر۱۸ اگر کسی شخص نے ایک لونڈی سے نکاح کیا ابھی تک صحبت نہ کرنے پایا تھا کہ اس کی بہن کو خرید لیا تو اس سے فائدہ اٹھانا جائز نہیں کیونکہ نفس نکاح سے پہلی کا بیوی ہونا ثابت ہوچکا۔ اب اگر خرید کردہ لونڈی سے صحبت کرلی تو اس نے دو فراش کو جمع کرلیا جو کہ حرام ہے۔

نمبر۱۹ اگر کسی شخص نے اپنی لونڈی کی بہن سے نکاح کرلیا۔ اپنی لونڈی سے پہلے صحبت کرچکا تھا' لونڈی کی بہن سے نکاح تو صحیح ہوگیا البتہ اپنی لونڈی سے صحبت حرام ہے اور اس منکوحہ سے بھی صحبت حرام ہے۔ اب یا تو لونڈی کو اسباب مذکورہ میں سے کسی سبب کے ذریعہ حرام کرلے تب منکوحہ سے صحبت درست ہوگی اور اگر لونڈی سے صحبت نہ کی ہو تو اس منکوحہ سے صحبت کرسکتا ہے۔ البتہ لونڈی سے فائدہ نہیں اٹھا سکتا بلکہ اسے اپنے اوپر حرام کرنا پڑے گا۔

نمبر۲۰ اگر کسی نے اپنی لونڈی کی بہن سے نکاح فاسد کیا تو وہ لونڈی جس سے صحبت کرتا تھا اس وقت تک حرام نہ ہوگی جب تک کہ منکوحہ سے صحبت نہ کرے گا۔ اگر منکوحہ سے صحبت کرلی تو وہ لونڈی جس سے صحبت کرتا تھا حرام ہوگئی۔

نمبر۲۱ اگر ایک مرد کو دو بہنوں نے کہا کہ ہم نے اتنے مہر کے بدلے تجھ سے نکاح کیا اور دونوں نے ایک ساتھ یہ کلام کہا' مرد نے ان میں سے ایک کے نکاح کو قبول کیا تو وہ نکاح درست ہوجائے گا۔

نمبر۱۲۲ اگر مرد نے اس طرح دو بہنوں کو کہا کہ میں نے تم دونوں میں سے ایک سے نکاح کیا جب کہ مہر ایک ہزار درہم ہو گا۔ان میں سے ایک نے اپنی رضامندی ظاہر کر دی مگر دوسری نے انکار کر دیا تو دونوں کے ساتھ نکاح باطل ہے۔

نمبر۱۲۳ امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا ارشاد:

اگر کسی شخص نے کسی کو ایک عورت کے ساتھ نکاح کا وکیل بنا دیا پھر ایک اور شخص کو کسی عورت سے نکاح کا وکیل بنایا۔ان وکلاء نے ایک ایک عورت سے اس کا نکاح کر دیا مگر وہ دونوں عورتیں بہنیں نکلیں۔اب اگر دو وکلاء کا کلام بیک وقت صادر ہوا تو نکاح باطل ہوگا اور اسی طرح حکم ہے جب کہ یہ نکاح ایک کی رضامندی سے ہوئے یا دونوں نکاح دونوں کی رضامندی سے ہوئے۔

نمبر۱۲۴ اگر کسی شخص نے دو بہنوں سے اس حالت میں نکاح کیا کہ دونوں میں سے ایک عدت میں تھی یا کسی کے نکاح میں تھی۔تو جو خالی تھی اس کا نکاح درست ہو گیا لیکن دوسری کا نکاح درست نہیں۔

نمبر۱۲۵ اگر کسی نے بیوی کو طلاق رجعی یا بائن یا مغلظہ دی اور وہ عدت میں ہے یا نکاح فاسد کی عدت یا وطی بالشبہہ کی عدت میں ہے تو اس کی بہن سے دوران عدت نکاح نہیں ہوسکتا۔اسی طرح عورت کے کسی ایسے محرم سے نکاح جائز نہیں کہ جن دو کو جمع نہ کیا جاسکتا ہو۔مثلاً پھوپھی بھتیجی اور اسی طرح زمانہ عدت میں اس عورت کے علاوہ چار عورتوں سے نکاح درست نہیں۔

نمبر۱۲۶ اگر کسی شخص نے اپنی ام ولد کو آزاد کر دیا تو اس کی عدت مکمل ہونے تک اس کی بہن سے نکاح حلال نہیں۔

نمبر۱۲۷ اگر کسی خاوند نے کہا کہ میری مطلقہ بیوی نے مجھے بتلایا ہے کہ اس کی عدت کا وقت پورا ہو چکا ہے پس اس کی بہن سے نکاح کر سکتا ہوں تو اس صورت میں دیکھنا ہوگا کہ زمانہ طلاق کس قدر ہے اگر وہ زمانہ اسقدر ہے کہ عدت کا زمانہ گزرنے کا امکان نہیں تو خاوند کی بات کو رد کر دیا جائے گا۔اسی طرح اس کی مطلقہ عورت کا یہ قول بھی نا قابل اعتبار شمار ہوگا کہ میری عدت گزر چکی ہے۔

نمبر۱۲۸ اگر معتدہ نے ایسی صورت بیان کی جس میں عدت کے مکمل ہونے کا احتمال ہے مثلاً یہ کہتی ہے کہ طلاق کے دوسرے دن میرا وہ حمل جس کے اعضاء پورے ہو چکے تھے وہ ساقط ہو گیا تو اس صورت میں اس کا قول معتبر شمار ہوگا اور اگر طلاق کو اتنا عرصہ ہو چکا ہو کہ جس میں عدت کے مکمل ہو جانے کا احتمال ہو اس صورت میں عورت اپنے شوہر کے بیان کی تصدیق کر دے یا خاموش رہے یا اس مجلس سے غائب رہے تو خاوند کے قول کا اعتبار کرنا درست ہے۔اس کو بیک وقت چار عورتوں سے نکاح کرنا یا اسکی بہن سے نکاح درست ہے بلکہ ہمارے علماء کے ہاں تو اگر عورت اس کی بات رد بھی کر دے تب بھی اور سے نکاح درست ہے۔

نمبر۱۲۹ اگر کوئی عورت مرتدہ ہو کر دارالحرب میں چلی گئی تو خاوند کو اس کی بہن سے نکاح جائز ہے خواہ عدت مکمل نہ ہوئی ہو جیسا کہ اس کے مرجانے کی صورت میں اس کی بہن سے نکاح درست ہے۔

نمبر۱۳۰ اگر وہ مرتدہ مسلمان ہو کر دارالحرب سے اس حالت میں لوٹی کہ اس کا خاوند اس کی بہن سے نکاح کر چکا تھا تو

لوٹنے سے اس کی بہن کا نکاح فاسد نہ ہوگا اور اگر بہن کے نکاح سے پہلے بھی لوٹ آئے تو امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اس صورت میں بھی وہ اس کی بہن سے نکاح کر سکتا ہے مگر صاحبین رحمہما اللہ کے ہاں اس صورت میں وہ نکاح نہیں کر سکتا۔

نمبر۱۳۱ ایسی دو عورتوں کو ایک وقت نکاح میں لانا جائز نہیں جن کے مابین دونوں طرف سے پھوپھی یا خالہ کا رشتہ ہو کہ ہر ایک دوسرے کی پھوپھی وغیرہ لگتی ہو۔ مثلاً نمبر۱ ایک شخص نے دوسرے کی ماں سے نکاح کیا اور اس دوسرے نے اس کی ماں سے نکاح کیا ان دونوں کے ہاں لڑکیاں پیدا ہوئیں تو ان میں ہر ایک لڑکی دوسرے کی پھوپھی بنتی ہے۔

نمبر۲ ایک شخص نے دوسرے کی لڑکی سے نکاح کیا اور اس نے اس کی لڑکی سے نکاح کیا۔ اب دونوں کے بطن سے لڑکیاں پیدا ہوئیں تو ہر لڑکی دوسری لڑکی کی خالہ ہے اب ان دونوں کو ایک نکاح میں رکھنا درست نہیں۔

نمبر۱۳۲ اگر کسی شخص نے ایسی دو عورتوں سے نکاح کیا جن میں سے ایک اس کے لئے حرام تھی خواہ اس کا سبب محرم ہونا یا شادی شدہ ہونا یا بت پرست ہونا تھا جب کہ دوسری عورت ایسی تھی کہ جس سے اس کا نکاح کرنا جائز تھا تو اس صورت میں اس عورت سے اس کا نکاح درست ہے' جو اس کے لئے حلال ہے اور دوسری عورت سے اس کا نکاح باطل ہوگا کہ جو اس کے لئے حرام تھی۔ مقررہ مہر اسی عورت کو ملے گا جس سے درست نکاح ہوا ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ کے قول کے مطابق ہے اور اگر اس شخص نے اس عورت سے نکاح کے بعد جماع کر لیا جس سے نکاح حرام تھا تو اس کو مہر مثل ملے گا خواہ اس کی مقدار کچھ ہی ہو اور مقررہ مہر اسی عورت کو ہی ملے گا جس سے نکاح حلال تھا۔

پانچواں سبب' لونڈیاں ہونا:

آزاد عورت کے ہوتے ہوئے باندی سے نکاح حرام ہے۔ اسی طرح آزاد عورت اور باندی سے ایک ساتھ نکاح حرام ہے۔ مدبرہ (یعنی وہ لونڈی جس کو آقا کہہ دے کہ تم میری موت کے بعد آزاد ہو) اور ام ولد (یعنی وہ لونڈی جس سے آقا کی اولاد ہو جائے) اس کا یہی حکم ہے۔

نمبر۱ اگر کسی شخص نے ایک عقد میں آزاد عورت اور باندی سے نکاح کیا تو آزاد عورت کا نکاح درست ہے' باندی کا نہیں۔ بشرطیکہ وہ آزاد عورت ان میں سے ہو جن سے نکاح حرام نہیں۔ مثلاً اگر کسی نے باندی سے نکاح کیا اور اسی عقد میں اپنی پھوپھی یا خالہ سے نکاح کیا تو باندی سے نکاح باطل نہیں ہوا کیونکہ محرمات سے تو نکاح ہوتا ہی نہیں۔

نمبر۲ اگر کسی شخص نے پہلے باندی سے نکاح کیا پھر آزاد عورت سے نکاح کیا تو ہر دو سے نکاح درست ہو جائے گا۔

نمبر۳ اپنی بیوی کو طلاق بائنہ یا مغلظہ دی اور وہ عورت ابھی عدت میں تھی کہ اس نے باندی سے نکاح کر لیا تو امام ابوحنیفہؒ کے ہاں اس کا نکاح درست نہیں' البتہ امام ابو یوسف و محمد رحمہما اللہ کے ہاں نکاح درست ہے۔ البتہ اگر اپنی بیوی کو طلاق رجعی دی اور وہ اس کی عدت میں ہے تو بالاتفاق باندی سے نکاح دوران عدت جائز نہیں ہے۔

نمبر۴ اگر کسی شخص نے کسی ایسی عورت سے نکاح کیا جو نکاح فاسد یا وطی بالشبہہ کی عدت گزار رہی تھی تو باندی کا نکاح درست ہے۔

نمبر۵ اگر کسی شخص نے اپنی منکوحہ باندی کو طلاق رجعی دی اس کی عدت کا زمانہ باقی تھا کہ اس نے آزاد عورت سے نکاح کر لیا۔ پھر اپنی اس منکوحہ باندی سے بھی رجوع کر لیا تو یہ درست ہے۔

نمبر۶ غلام نے آقا سے اجازت نہ لی اور ایک آزاد عورت سے نکاح کیا اور اس سے صحبت بھی کر لی پھر آقا کی اجازت کے بغیر کسی باندی سے بھی نکاح کر لیا اور اس کے بعد اس کے آقا کو اطلاع ملنے پر اس نے دونوں کی اجازت دے دی تو آزاد عورت سے نکاح ثابت رہے گا اور باندی سے نکاح باطل ہوگا۔

نمبر۷ اگر کسی شخص نے دوسرے کی باندی سے اس کی اجازت کے بغیر نکاح کر لیا مگر جماع کی نوبت نہ آئی تھی کہ کسی آزاد عورت سے بھی نکاح کر لیا۔ اس کے بعد باندی کے مالک نے نکاح کی اجازت بھی دے دی تب بھی باندی کا نکاح درست نہ ہو گا اور اگر کسی نے ایک باندی سے اس کے مالک کی اجازت کے بغیر نکاح کیا پھر اس باندی کی لڑکی سے جو آزاد تھی نکاح کر لیا اس کے بعد باندی کے مالک نے باندی کے نکاح کی اجازت دے دی تو لڑکی کا نکاح درست ہو جائے گا مگر باندی کا درست نہ ہوگا۔

نمبر۸ ایک شخص کی ایک بالغہ لڑکی اور بالغہ لونڈی ہے۔ اس نے ایک شخص کو کہا کہ میں نے دونوں کا نکاح اتنے مہر کے بدلے تمہارے ساتھ کر دیا۔ اس شخص نے باندی کا نکاح قبول کر لیا تو یہ نکاح باطل ہے۔ اگر اس کے بعد اس شخص نے آزاد لڑکی کا نکاح قبول کر لیا تو وہ درست ہو جائے گا۔

نمبر۹ اگر کوئی شخص آزاد عورت سے نکاح کی طاقت رکھتا ہے مگر اس کے باوجود وہ باندی سے نکاح کر لیتا ہے تو وہ باندی مسلمان ہو یا اہل کتاب ہو نکاح درست ہو جائے گا۔ مگر آزاد عورت سے نکاح کی وسعت ہونے کے باوجود باندی سے نکاح میں کراہت ضرور ہے۔

نمبر۱۰ اگر کسی نے ایک عقد میں چار باندیوں اور پانچ آزاد عورتوں سے نکاح کیا تو صرف باندیوں کے ساتھ نکاح درست ہوگا۔ آزاد عورتوں سے نکاح درست نہ ہوگا۔

چھٹا سبب: ان عورتوں سے دوسرے کے حق کا متعلق ہونا:

جن عورتوں سے دوسرے مردوں کا حق متعلق ہو ان سے نکاح حرام ہے مثلاً کسی کی منکوحہ یا معتدۃ الغیر ہ خواہ وہ عدت طلاق کی ہو یا موت یا فسادِ نکاح کی ہو جس میں جماع ہو چکا یا وطی بالشبہہ والی عورت کی عدت ہو ان عورتوں سے نکاح جائز نہیں ہے۔

نمبر۱۱ اگر کسی شخص نے کسی دوسرے کی منکوحہ سے نادانستگی میں نکاح کر لیا اور اس سے جماع بھی کر لیا' تو جدائی کے بعد عورت پر عدت لازم ہوگی۔

نمبر۱۲ اگر وہ شخص جان بوجھ کر نکاح کرتا ہے حالانکہ اس کا منکوحۃ الغیر ہونا اس کو معلوم ہے تو اس صورت میں جدائی کے بعد عورت پر عدت نہ ہوگی مگر خاوند کو اس سے صحبت کرنا ناجائز نہ ہوگا اور اگر اس کا خاوند اس کو طلاق دے دے تو جس کی وہ عدت گزار رہی ہے اس کے زمانہ عدت میں نکاح درست ہے مگر شرط یہ ہے کہ عدت کے علاوہ کوئی اور رکاوٹ نہ ہو۔

نمبر۳ جو عورت زنا سے حاملہ ہو اس سے نکاح تو جائز ہے مگر تادم ولادت ناکح کو اس سے جماع درست نہیں ہے۔ اسی طرح اسباب جماع یعنی بوس و کنار وغیرہ بھی درست نہیں اور مزنیہ سے اس زانی کا نکاح کر دیا گیا تو اسے وضع حمل سے پہلے بھی جماع کی رخصت ہے اور وہ عورت نفقہ کی بھی حقدار ہے۔

نمبر۴ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا کچھ عرصہ بعد اس عورت کا حمل ساقط ہو گیا۔ اس حمل کے اعضاء وغیرہ بن چکے تھے۔ اب اس بات کو دیکھنے کی حاجت ہو گی کہ یہ اسقاط کتنے عرصہ میں ہوا اگر چار ماہ یا اس سے زائد عرصہ میں ساقط ہوا تو اس عورت کا اس مرد سے نکاح جائز ہے اور اگر چار ماہ سے قبل حمل کا اسقاط ہوا تو اس کا نکاح جائز نہ ہوگا۔ کیونکہ حمل کے اعضاء چار ماہ سے پہلے ظاہر نہیں ہوتے مطلب یہ ہے کہ اعضاء کا ظاہر ہونا اس بات کا بین ثبوت ہے کہ یہ حمل اسی شخص کا ہے جس نے نکاح کیا ہے اور چار ماہ سے کم عرصہ میں اسقاط ہوا مگر اعضاء ظاہر تھے تو اس کا معنی یہ ہے کہ عورت پہلے کسی شخص کے نکاح میں تھی اور یہ حمل اسی کا ہے۔ اس سے یہ ظاہری فرق نکلا کہ نکاح ہی سرے سے درست نہ ہوا۔

نمبر۵ وہ حاملہ عورت جس کے متعلق معلوم ہو کہ یہ فلاں کے جائز نطفہ سے ہے تو اس صورت میں بالاتفاق ایسی عورت سے نکاح جائز نہیں ہے۔ خود امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ اگر کوئی عورت حربی کافر سے حاملہ ہو اور وہ ہجرت کر کے دارالاسلام میں داخل ہو گئی یا باندی بنا کر لائی گئی تو اس سے نکاح جائز ہے لیکن ولادت تک اس سے جماع جائز نہ ہوگا۔ امام طحاوی رحمۃ اللہ علیہ نے اسی قول کو پسند کیا۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

جو انہوں نے امام ابو حنیفہ رحمۃ اللہ علیہ سے نقل کیا ہے کہ جس طرح ایسی حاملہ عورت سے جماع جائز نہیں نکاح بھی جائز نہیں۔ امام کرخی رحمۃ اللہ علیہ نے اس قول کو زیادہ صحیح کہا ہے۔

نمبر۶ اگر کسی شخص نے اپنی حاملہ ام ولد کا نکاح کسی سے کر دیا تو یہ نکاح باطل ہوگا۔ اگر وہ حاملہ نہ ہوئی تو نکاح درست ہے۔

نمبر۷ اگر کسی نے اپنی باندی سے جماع کیا اور اس کے بعد اس کا نکاح کسی سے کر دیا' یہ نکاح تو درست ہو گیا مگر آقا کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ اپنے نطفہ کی حفاظت کے لئے اس باندی سے استبراء رحم کروائے یعنی حیض کے بعد جماع کرنے دے مگر جب نکاح درست ہے تو خاوند کو جماع کی اجازت ہے۔ یہ شیخین کا قول ہے البتہ امام محمد رحمۃ اللہ کہتے ہیں کہ میرے ہاں استبراء کے بغیر خاوند کا جماع پسندیدہ نہیں ہے۔ بقول ابو اللیث امام محمد رحمۃ اللہ کا قول نہایت محتاط ہے۔

اس اختلاف کی نوعیت:

یہ اختلاف اس وقت ہے جب کہ آقا نے باندی کا نکاح استبراء رحم کے بغیر کر دیا اگر استبراء ہو چکا تو پھر بالاتفاق اس باندی سے اس کے خاوند کو جماع کی اجازت ہے۔

نمبر۸ ایک عورت کو کسی نے زنا کرتے دیکھا پھر بعد میں اس سے نکاح کر لیا تو شیخین رحمہما اللہ کے ہاں استبراء کے بغیر بھی

اس سے جماع درست ہے۔

نمبر۸ اپنے لڑکے کی باندی سے نکاح کو احناف نے جائز قرار دیا ہے۔

نمبر۹ کسی عورت کو دارالاسلام میں قید کر کے لایا گیا۔ اس کا خاوند اس کے ساتھ ہو تو اس عورت پر عدت لازم نہیں اس سے کوئی بھی نکاح کر سکتا ہے۔

نمبر۱۰ اگر کوئی عورت مسلمان ہو کر دارالحرب سے دارالاسلام میں آ گئی تو بقول امام ابوحنیفہ اس پر بھی عدت لازم نہ ہوگی۔ اس سے جو چاہے نکاح کرے مگر صاحبین کے ہاں اس پر عدت لازم ہوگی اور عدت کے مکمل ہونے تک اس سے نکاح جائز نہ ہو گا۔ مگر استبراء کے لئے ایک حیض کے آنے تک اس کے ساتھ جماع کا کوئی قائل نہیں۔

ساتواں سبب' اختلافِ مذاہب ہے:

یعنی وہ عورتیں کہ جن سے مشرکہ ہونے کی بنیاد پر نکاح حرام ہے مثلاً آتش پرست اور بت پرست عورتوں سے نکاح درست نہیں اگر چہ وہ آزاد ہوں یا باندیاں' ستارہ پرست' سورج کے پجاری' پسندیدہ تصاویر کو پوجنے والے یا یونانیوں کی طرح اللہ تعالیٰ کو معطل اور بے کار ماننے والے' زندیق' باطنی' اباحت پسند گروہ وغیرہ کا یہی حکم ہے۔ (یہ تمام مشرکوں میں شمار ہیں)۔ اسی طرح باطنیہ یہ شیعہ کا ایک گروہ ہے جو اس بات کا قائل ہے کہ قرآن مجید کا ایک باطنی معنی ہے جو امام ہی جانتا ہے انہوں نے بہت خرافات بکے ہیں۔

اسی طرح اباحیہ ان کا اعتقاد یہ ہے کہ دنیا کا ہر اچھا برا کام مباح ہے۔ اسی طرح وہ عورتیں جو کسی ایسے مذہب کی قائل ہیں جس کا ماننا کفر ہے وہ بھی آتش پرست مشرکہ باندیوں کے حکم میں ہیں اور اپنی آتش پرست مشرکہ باندی سے ان سے جماع ناجائز و حرام ہے۔

نمبر۲ مسلمان کو اہل کتاب یہود ونصاریٰ کی عورتوں سے جو کہ دارالحرب میں رہائش پذیر ہوں نکاح کرنا درست ہے اور ذمیہ کافرہ (ذمی۔ وہ کافر جو مسلمان ملک میں مسلمانوں کی حکومت کو تسلیم کر کے خراج ادا کرتا ہے) سے بھی شادی کر سکتا ہے۔ خواہ وہ آزاد ہو یا باندی مگر بہتر یہی ہے کہ ان سے بھی شادی نہ کی جائے اور بلاضرورت ان کا ذبیحہ بھی استعمال میں نہ لایا جائے۔

نمبر۳ اگر کسی مسلمان نے کسی اہل کتاب کی عورت سے شادی کر لی تو اب اس کو یہ اختیار حاصل ہے کہ وہ اپنی بیوی کو ان کے عبادت خانہ (گرجا گھر) سے منع کرے اور اس کو اپنے گھر شراب بنانے سے منع کرے۔ مگر اس کو حیض ونفاس اور جنابت کے غسل کے لئے مجبور نہیں کر سکتا۔

نمبر۴ دارالحرب میں کتابیہ سے بھی نکاح کیا گیا تو جائز ہے مگر اس میں کراہت ضرور ہے۔

نمبر۵ اگر کوئی مسلمان اپنی کتابیہ بیوی کو لے کر دارالحرب سے دارالاسلام میں داخل ہوا تو نکاح باقی رہا اور اگر مسلمان خود وہاں سے نکل آیا مگر عورت کو وہیں چھوڑ آیا تو تباین دارین کی وجہ سے ان میں فرقت ہو جائے گی۔

اہل کتاب:

وہ لوگ جو کسی آسمانی دین کا اعتقاد رکھتے ہوں مثلاً مصاحف ابراہیم' شیث' زبور' داؤد' صحفِ موسوی' تورات وانجیل کو ماننے والے لوگ اہل کتاب ہیں۔ان کی عورتوں سے نکاح کرنا اوران کے ذبیحہ کو کھانا درست ہے۔

نمبرا وہ لوگ جن کے ماں باپ میں سے ایک اہل کتاب میں سے ہوا اور دوسرا مجوسی ہو تو اس کا حکم اہل کتاب والا ہی ہو گا۔

نمبر۲ کسی مسلمان نے کتابیہ سے نکاح کیا پھر وہ مجوسیہ ہوگئی تو وہ مسلمان پر حرام ہوگئی اوراس کا نکاح ٹوٹ گیا۔

نمبر۳ اگر کسی یہودیہ سے نکاح کیا پھر اس نے نصرانیت اختیار کر لی یا اس کا عکس کہ نصرانیہ سے نکاح کیا اوراس نے یہودیت اختیار کر لی تو اس صورت نکاح فاسد نہ ہو گا۔

ایک قاعدہ واصول:

میاں بیوی میں سے کوئی ایک جب ایسا مذہب اختیار کر لے کہ جس سے نکاح نہ ہوسکتا ہو تو نکاح باطل ہو جاتا ہے۔

نکاح کا فساد کس کی طرف سے ہوا ہے اس کو دیکھا جائے گا۔ اگر عورت نے مجوسیت اختیار کر لی جس کی وجہ سے نکاح کا فساد ہوا تو ان میں تفریق ہو جائے گی اور عورت کو مہر دینا لازم نہ آئے گا اور نہ ہی اس کو جوڑا دیا جائے گا۔مگر اس میں شرط یہ ہے کہ یہ فساد صحبت سے قبل ہوا ہو اور اگر صحبت کے بعد فساد لازم ہوا تو تمام مہر لازم آئے گا۔اوراگر فساد نکاح خاوند کی طرف سے ہوا کہ اس نے مجوسیت اختیار کر لی' اب اس کی بھی دو صورتیں ہیں کہ اگر یہ صحبت سے پہلے ہوا تو خاوند پر نصف مہر لازم آئے گا جب کہ مہر کی رقم متعین تھی۔اگر مہر کی رقم متعین نہ تھی تو کپڑوں کا جوڑا دینا لازم ہو گا۔

اور اگر صحبت کے بعد فساد نکاح کا معاملہ پیش آیا تو تمام مہر دینا پڑے گا۔

نمبر۴ مرتد کو مرتدہ سے نکاح کرنا جائز نہیں۔اسی طرح مرتد کا مسلمہ اور کافرہ اصلیہ سے بھی نکاح درست نہیں۔

نمبر۵ مرتدہ کا نکاح کسی مرتد سے یا اصلی کافر یا مسلمان سے درست نہیں ہے

نمبر۶ کسی مسلمان عورت کا نکاح کسی مشرک' کتابی سے جائز نہیں۔

نمبر۷ کافرہ عورت کا فرہ مشرک کے ساتھ نکاح جائز ہے خواہ یہ عورت مجوسیہ ہو مشرکہ ہو البتہ مرتد کے لئے جائز نہیں۔

نمبر۸ ذمیوں کا باہمی مناکحہ جائز ہے۔خواہ مختلف ہوں مثلاً ایک مجوسی دوسرا یہودی۔

نمبر۹ کتابیہ سے نکاح اس صورت میں بھی جائز ہے جب کہ پہلے مسلمہ سے نکاح کیا ہو اور مسلمہ سے نکاح بھی جائز جب کہ پہلے کتابیہ نکاح میں ہو۔ان کی باری میں بھی برابری ہوگی۔

آٹھواں سبب' ملک کی وجہ سے حرمت:

(یعنی وہ عورتیں مالکہ ہونے کی وجہ سے مملوک پر حرام ہیں) کسی مالکہ کو اپنے غلام سے نکاح درست نہیں ہے۔اسی طرح

مشترک غلام سے بھی نکاح جائز نہیں۔

نمبر ۱۱ اگر نکاح ہو جانے کے بعد میاں بیوی میں سے ایک دوسرے بعض یا کل کا مالک بن گیا تو نکاح باطل ہو گیا۔

نمبر ۱۲ اگر کسی شخص نے اپنی لونڈی سے نکاح کر لیا یا اس لونڈی سے نکاح کیا جس کے بعض حصہ کا وہ مالک ہے تو یہ نکاح درست نہ ہوگا۔

نمبر ۱۳ آج کل لونڈی، غلام کا یہ سلسلہ سمٹ گیا۔ بالفرض اگر کہیں لونڈی پائی جائے تو اس سے نکاح کرنا ہی بہتر ہے کیونکہ لونڈی بننے کی شرائط ندارد ہیں۔ اب نکاح کا فائدہ یہ ہوگا کہ نکاح کی بناء پر اس عورت سے صحبت حلال ہو جائے گا۔

نمبر ۱۴ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کے ہاں اگر کسی مرد نے اپنی بیوی کو (جو باندی ہے) خیار شرط کے ساتھ خریدا تو نکاح باطل نہ ہوگا۔

نواں سبب: طلاق ہے:

ایسی عورتیں جن کو طلاق مغلظہ دی گئی ہو اور اس کی وجہ سے حرام ہو گئیں تو ان سے اسی حالت میں نکاح درست نہیں۔

نمبر ۱ کسی آزاد عورت کو مرد اگر تین طلاقیں دے دے تو اب اس عورت سے اس کا نکاح حرام ہے یہاں تک کہ وہ دوسرے مرد سے نکاح کے بعد صحبت کرے اور وہ اپنی مرضی سے طلاق دے پھر وہ عورت عدتِ طلاق گزرے تو تب نکاح درست ہے۔

نمبر ۲ جس لونڈی کو دو طلاقیں ملی ہوں تو اس سے دوبارہ نکاح اس وقت تک جائز نہیں جب تک دوسرا نکاح کر کے اس سے صحبت نہ کرے اور اس کو طلاق نہ دے اور اس کی عدت نہ گزر جائے۔ پہلا شوہر اس لونڈی کو اگرچہ خرید کر آزاد بھی کر دے تب بھی نکاح درست نہیں جب تک کہ دوسرا نکاح کر کے اس کا دوسرا شوہر اس سے صحبت نہ کرے اور پھر طلاق پا کر وہ عدت نہ گزارے۔ اسی طرح شوہر کے لئے اس لونڈی کو بطور ملک یمین استعمال کرنا بھی درست نہیں۔ یعنی دو طلاقیں دے کر اس کو خرید لے تو خریدنے کے بعد بھی اس سے وطی نہیں کر سکتا۔

مسائل متفرقہ:

نمبر ۱ نکاح متعہ باطل ہے۔ جب یہ جائز ہی نہیں تو اس کی وجہ سے نہ تو جماع حلال ہے اور نہ اس پر طلاق واقع ہوگی، اسی طرح ایلاء اور ظہار کے احکام بھی نافذ نہ ہوں گے اور نہ ہی ان کے مابین وراثت کا سلسلہ ہوگا۔

متعہ:

کوئی مرد کسی ایسی عورت سے جس میں مندرجہ بالا موانع نہ ہوں، مال کی ایک مقدار پر ایک مدت کے لئے فائدہ اٹھانا طے کر لیں۔ مثلاً دس روز یا چند روز ہو۔ یہ سب متعہ کی صورتیں ہیں۔

نکاح موقت:

متعہ کی طرح نکاح موقت بھی ناجائز ہے۔ خواہ مدت زیادہ ہو یا کم اور متعین ہو یا غیر متعین بہر صورت نکاح درست نہ ہو گا۔ البتہ اگر وہ ایسی مدت متعین کریں کہ جب تک دونوں کا زندہ رہنا ممکن نہ ہو تو اس صورت میں وہ نکاح موقت میں داخل نہ ہو گا مثلاً ایک ہزار سال تک کے لئے نکاح کرتا ہوں۔ یہ نکاح درست ٹھہرے گا اور شرط باطل ہو گی۔ جیسا کہ کوئی شخص نکاح کو وقوع قیامت یا خروج دجال یا نزول عیسیٰ علیہ السلام و خروج دابہ وغیرہ تک کی مدت تک موقوف کرے تو نکاح صحیح اور شرط باطل ہو گی۔

نمبر۲ اگر کسی شخص نے نکاح کا وقت متعین نہیں کیا مگر دل میں اس کی مدت متعین تھی مثلاً نکاح کرنے والے کا خیال تھا کہ میں اسے ایک یا دو سال تک رکھوں گا اور پھر اسے چھوڑ دوں گا تو اس صورت میں نکاح درست ہو جائے گا اور خیال کا اعتبار نہ ہو گا۔

نمبر۳ اگر کسی شخص نے کسی عورت سے اس شرط پر نکاح کیا کہ میں ایک ماہ بعد طلاق دے دوں گا تو نکاح درست ہو جائے گا اور شرط باطل ہو گی۔

نمبر۴ اگر کسی نے نکاح کرتے ہوئے عورت سے یہ شرط طے کی کہ میں دن میں تمہارے ساتھ رہوں گا مگر رات نہ رہوں گا تو یہ نکاح درست ہے۔

نمبر۵ اگر مرد و عورت دونوں حالت احرام میں ہوں تو ان کا نکاح درست ہے۔

نمبر۶ کسی عورت کا ولی اس عورت کے حالت احرام میں اس کا نکاح کر سکتا ہے۔

نمبر۷ اگر عورت نے قاضی کی عدالت میں دعویٰ دائر کیا کہ فلاں شخص نے مجھ سے نکاح کیا ہے اور نکاح کے ثبوت کے لئے اس نے دو گواہ بھی پیش کر دیے اور قاضی نے اس شخص کو اس عورت کا شوہر قرار دے دیا حالانکہ اس نے واقعۃً اس عورت سے نکاح نہیں کیا تھا تو قاضی کے فیصلہ کے بعد اس عورت کے لئے جائز ہے کہ وہ زید کے ساتھ رہے اور اس شخص کو جائز ہو گا کہ اگر وہ عورت اس سے صحبت کا مطالبہ کرے تو وہ اس سے صحبت کرے۔ امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ اور ابو یوسف کا پہلا قول ہے۔ قاضی کا فیصلہ اور ہر دو کا دو گواہوں کے سامنے تسلیم کرنا بمنزلہ عقد ہو گا بشرطیکہ عورت قابل عقد ہو اور گواہ بھی درست ہوں۔

امام محمد رحمۃ اللہ فرماتے ہیں اس مرد کو اس عورت سے جماع جائز نہیں ہے۔

نمبر۸ اگر قاضی کے فیصلہ کے موقعہ پر عورت کسی دوسرے شخص کے نکاح میں ہو یا پہلے شوہر کے طلاق دینے کی وجہ سے عدت میں ہو یا خود اس آدمی نے اس کو طلاق مغلظہ دیکر پہلے الگ کیا ہو تو ان صورتوں میں موانع کی وجہ سے قاضی کا فیصلہ نافذ العمل نہ ہو گا اور یہ عورت اس شخص کی بیوی نہ بن سکے گی۔

نمبر۹ علماء کی اکثریت اس مسئلہ مذکورہ میں اس بات کی قائل ہے کہ قاضی کا فیصلہ اس وقت نافذ العمل ہو گا جب فیصلہ کے وقت گواہ حاضر ہوں۔

نمبر۱۰ اگر کسی شخص نے عدالت میں دعویٰ کیا کہ فلاں عورت اس کی منکوحہ ہے اور ثبوت دعویٰ کے لئے گواہ پیش کر دے تو

اس کا حکم بھی وہی ہوگا جو اوپر مذکور ہوا۔

نمبر ۱۱ اگر کوئی عورت قاضی کے ہاں دعویٰ کرے کہ میرے فلاں شوہر نے مجھے طلاق دے دی ہے اور اس نے فیصلہ صادر کر دیا باوجودیکہ وہ عورت جانتی ہے کہ میں نے جھوٹ بولا تھا۔ فلہٰذا قاضی کا فیصلہ بمنزلہ حکم طلاق شمار ہوگا اور اس عورت پر طلاق واقع ہو جائے گی۔ اس طلاق کے بعد وہ عورت ایام عدت گزار کر کسی اور مرد سے نکاح کر سکتی ہے۔ ان گواہوں میں سے کسی کو اس عورت سے نکاح کرنا جائز ہے۔

یہ عورت اپنے پہلے خاوند کے لئے حلال نہ ہوگی۔ اس کو اس سے نکاح کرنا جائز نہ ہوگا۔

امام ابو یوسف رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

وہ عورت پہلے شوہر کے لئے حلال نہ ہوگی اس سے اس کا نکاح درست نہیں اور نہ کسی دوسرے سے نکاح جائز ہوگا۔

امام محمد رحمۃ اللہ علیہ کا قول:

اس عورت کا خاوند ثانی جب تک جماع نہ کرے اس وقت تک یہ پہلے شوہر کے لئے حلال رہے گی۔ اگر دوسرے مرد نے جماع کر لیا تو اب جب تک اس کی عدت نہ گزرے عدت واجب ہونے کی وجہ سے پہلے شوہر کے لئے یہ حرام رہے گی۔ اس کا مطلب یہ ہے کہ امام محمد رحمۃ اللہ کے ہاں دوسرے مرد سے اس کا نکاح جائز نہیں ہے۔

نمبر ۱۲ اگر کسی شخص نے دعویٰ کیا کہ فلاں عورت کا میرے ساتھ نکاح ہوا تھا کہ مگر عورت اس سے انکاری ہے۔ پھر اس شخص نے اس عورت سے مصالحت چاہی اور یہ لالچ دی کہ اگر تم اقرار کرلو تو تمہیں اتنی رقم دوں گا۔ اس عورت نے اقرار کر لیا تو اب اس شخص پر لازم ہے کہ اس عورت کو متعینہ مال ادا کرے۔ اب اس عورت کا یہ اقرار بمنزلہ نکاح شمار ہوگا۔ اب اگر یہ اقرار گواہوں کی موجودگی میں ہے تو نکاح کو درست قرار دیا جائے گا اور دونوں کا بطور میاں بیوی رہنا درست ہوگا اور اگر اقرار کے وقت کوئی گواہ موجود نہ تھا تو انعقاد نکاح نہ ہوگا اور دونوں کا میاں بیوی ہونے کی حیثیت سے رہنا ناجائز ہوگا۔

(فتاویٰ عالمگیریہ بیان المحرمات)

الفصل الاول:

پھوپھی بھتیجی، خالہ بھانجی کو ایک نکاح میں جمع کرنے کی ممانعت

۳۱۶۰: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُجْمَعُ بَيْنَ الْمَرْاَةِ وَعَمَّتِهَا وَلَا بَيْنَ الْمَرْاَةِ وَخَالَتِهَا. (متفق عليه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۱۶۰/۹ الحدیث رقم ۵۱۰۹ ومسلم فی ۸۲/۲ ۱۰ الحدیث رقم (۳۳-۱۴۰۸) وابوداؤد فی السنن ۵۵۴/۲ الحدیث رقم ۲۰۶۶ وابن ماجه فی ۶۲۱/۱ الحدیث رقم ۱۹۲۹ والدارمی فی

۱۸۳/۲ الحديث رقم ۲۱۷۹، ومالك في الموطأ ۵۳۲/۲ الحديث رقم ۲۰ من كتاب النكاح

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''کسی عورت کو اس کی پھوپھی کے ساتھ اپنے نکاح میں اکٹھا نہ رکھا جائے اور نہ ہی کسی عورت کو اس کی خالہ کے ساتھ اپنے نکاح میں اکٹھا کیا جائے''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: بين المرأة وعمتها...... : اس لئے کہ اس سے صلہ رحمہ اور رشتہ داری ختم ہو جاتی ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کو نکاح میں جمع کرنا حرام ہے، خواہ وہ پھوپھی اور خالہ حقیقی ہو یا مجازی ہو، اور وہ والد کی بہن اور دادا کی بہن ہے اور اس طرح جتنے بھی اوپر ہو اور ماں کی بہن اور نانی کی اور دادی کی بہن اگر چہ کتنے ہی اوپر کیوں نہ ہو، یہ سب کے سب حرام ہیں بالاجماع' اور ان کو جمع کرنا نکاح میں یا ملک یمین میں' دونوں میں حرام ہے۔

اقارب میں جمع کرنا جائز ہے جیسے دو پھپھیوں کی بیٹیاں یا دو خالاؤں کی بیٹیاں وغیرہ۔ اور اسی طرح آدمی کی بیوی اور اس کی بیٹی جو اس بیوی کے اپنے بطن سے نہ ہو' کو جمع کرنا جائز ہے۔

کہا گیا ہے کہ یہ حدیث مشہور ہے اور کتاب اللہ کے عموم کو اس کے ذریعے خاص کرنا جائز ہے: ﴿وَأُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوْا بِأَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ﴾ [النساء: ۲٤] ''اور ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں یعنی یہ کہ تم اُن کو اپنی مالوں کے ذریعے سے چاہو اس طرح سے کہ تم بیوی بناؤ''۔

ہدایہ میں ہے کہ جائز نہیں ہے عورت اور اس کی پھوپھی کو نکاح میں جمع کرنا اور عورت اور اس کی خالہ کو جمع کرنا، یا عورت کو اور اس کی بھتیجی یا بھانجی کو جمع کرنا۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ یہ تکرار ہے بغیر کسی داعی کے، ہاں یہ ہو سکتا ہے کہ یہ نفی جمع میں مبالغہ ہو، برخلاف اس کے جو حدیث میں ہے: ''لا تنكح المرأة على عمتها ولا علىٰ خالتها ولا على ابنة اخيها ولا على ابنتة اخيها''۔ اس کو مسلم، ابوداؤد، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے۔

کسی عورت کے ساتھ نکاح کا منع ہونا اس کی پھوپھی پر یا خالہ پر اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ پھوپھی اور خالہ کے ساتھ نکاح اس کی بھتیجی یا بھانجی پر منع ہو، کہ ہو سکتا ہے کہ یہ منع صرف پھوپھی اور خالہ کے اکرام اور احترام کی وجہ سے ان کے ساتھ خاص ہو، کہ ان کے ہوتے ہوئے ان کی بھانجی یا بھتیجی سے نکاح کرنا درست نہیں ہے لیکن اس کے برعکس جائز ہو۔ چنانچہ حدیث میں صراحت کے ساتھ دونوں کی نفی کر دی کہ دونوں ناجائز ہیں۔ اس وہم کو ختم کرنے کے لئے حدیث میں تکرار کے ساتھ ذکر کیا ہے، اور کتاب میں صرف ''لا يجمع'' کا لفظ ہے۔ اس میں یہ وہم پیدا نہیں ہوتا اور جن احادیث میں لا يجمع کے الفاظ ہیں، تو ان میں ''لا يجمع بين المرأة وعمتها ولا بين المرأة وخالتها'' سے زیادہ نہیں ہے۔

ہدایہ میں یہ لکھا ہے ایسی دو عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز نہیں کہ اگر ان میں سے ایک کو مرد فرض کر لیں، تو دوسری کے ساتھ اس کا نکاح جائز نہ ہو۔ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ صاحب ہدایہ نے اس نوع کی جزئیات کے بعد ایک اصل کلی کو ذکر کیا جس پر مسائل متفرع ہوتے ہیں، جیسے دو پھوپھیوں اور دو خالاؤں کو جمع کرنا، یہ اس طرح ہوگا کہ دو مردوں میں سے ہر ایک نے

دوسرے کی ماں سے نکاح کیا، اور ہر ایک کی بیٹی پیدا ہوئی تو یہ دونوں لڑکیاں ایک دوسرے کی پھوپھی ہیں۔ اور اسی طرح دو مردوں میں سے ہر ایک نے دوسرے کی بیٹی سے نکاح کیا اور دونوں کی بیٹیاں پیدا ہوئی تو یہ بیٹیاں ایک دوسرے کی خالہ ہیں چنانچہ ان کو ایک نکاح میں جمع کرنا ممنوع ہے۔ اس اصل مذکور پر قیاس کی دلیل طبرانی کی حدیث ہے "فانکم اذا فعلتم ذلك قطعتم ارحامكم"۔ کہ اگر تم یہ کرو گے تو تم اپنی رشتہ داریاں ختم کر دو گے۔

ابوداؤد نے اپنے مراسیل میں ذکر کیا ہے عیسیٰ بن طلحہ سے وہ فرماتے ہیں: "نهى رسول الله ان تنكح المرأة على قرابتها مخافة القطيعة"۔ تو حکم مذکور کو متعدی کرنا لازم ہے، ہر اس قرابت تک جو مذکورہ اصل اور کلی کے تحت داخل ہو۔ اس سے روافض، خوارج اور عثمان البناء کے خلاف حجت ثابت ہوتی ہے، اور اسی طرح داؤد ظاہری کے خلاف کہ وہ کہتے ہیں دو بہنوں کے علاوہ عورتوں کو نکاح میں جمع کرنا جائز ہے۔ اھ کسی آدمی کی بیوی اور بیٹی جو اس بیوی کے علاوہ سے ہو کو جمع کرنا جائز ہے۔ اس کو بخاری نے تعلیقات میں ذکر کیا ہے، اور ان کی تعلیقات صحیح ہیں۔

بخاری فرماتے ہیں کہ عبداللہ بن جعفر نے حضرت علی کی بیوی اور ان کی بیٹی کو نکاح میں جمع کیا تھا۔ اور اس پر ان کے زمانہ کے لوگوں میں سے کسی نے نکیر نہیں کی اور وہ لوگ صحابہ اور تابعین میں سے تھے، اور یہ جواز پر بالکل ظاہر دلیل ہے۔

نسب اور رضاعت حرمت میں برابر ہیں

۳۱۶۱: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْرُمُ مِنَ الرِّضَاعَةِ مَا يَحْرُمُ مِنَ الْوِلَادَةِ۔ (رواه البخاری)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۱۳۹/ الحدیث رقم ۹۹. ٥ومسلم فی ۱۰٦۸/۲ الحدیث رقم (۲ـ٤٤٤) والدارمی فی السنن ۲۰۸/۲ الحدیث رقم ۲۲٤۹ ومالك فی الموطا ٦۰۱/۲ الحدیث رقم ۱ من كتاب الرضاع

ترجمہ: "اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: رضاعت (دودھ پینے) کی وجہ سے وہ رشتے حرام ہوتے ہیں جو پیدائش کی وجہ سے حرام ہوتے ہیں"۔ (بخاری)

تشریح: "الرضاعة": راء کے فتحہ کے ساتھ اور کسرہ کے ساتھ۔ اصمعی نے راء کے کسرے کا انکار کیا ہے۔ اس کا فعل فصیح لغت کے مطابق باب "علم يعلم" سے آتا ہے۔ اور اہل نجد نے اس کو باب "ضرب" سے کہا ہے اور اسی کے مطابق اعرابی کا یہ شعر ہے جس میں اس نے اپنے زمانہ کے علماء کی مذمت کی ہے:

و ذموا لنا الدنيا ☆ وهم يرضعونها

ہمارے سامنے تو دنیا کی مذمت کرتے ہیں، اور خود اس کو چوستے ہیں۔

لغت میں "رضاعۃ" پستان سے دودھ چوسنے کو کہتے ہیں۔ اسی سے عرب کا یہ قول ہے: لئیم مراضع یعنی اپنی بکریوں کا دودھ چوستا ہے دوہتا نہیں ہے اس ڈر سے کہ کہیں کوئی ~~دودھ دوہنے~~ کی آواز سن کر دودھ نہ مانگ لے۔

"الولادة": واؤ کے کسرہ کے ساتھ ہے یعنی کہتے ہیں

"رضاعة" شرعاً شیر خوار بچے کا عورت کے پستان سے مخصوص وقت کے اندر دودھ پینے کو کہتے ہیں۔

ہدایہ میں ہے کہ دو بچے ایک بکری کا دودھ پی لیں تو ان کے درمیان حرمت ثابت کرنے والی رضاعت ثابت نہ ہوگی، اس لئے کہ انسان اور چوپائے کے درمیان جزئیت نہیں پائی جاتی، اور حرمت جزئیت کے اعتبار سے ہوتی ہے۔

ما یحرم من الولادة :بعض مسائل اس سے مستثنیٰ ہیں جس کو میں نے ان اشعار میں جمع کیا ہے:

یفارق النسب الرضاع فی صور
کام نافلة وجدة الولد
وام عم واخت ابن وام
أخ وام خال عمة ابن اعتمد

"چند صورتوں میں نسب رضاع سے الگ ہے جیسے پوتے کی ماں' رضاعی بچے کی دادی، رضاعی چچا کی والدہ' رضاعی بیٹے کی بہن' رضاعی بھائی کی ماں رضاعی ماموں کی ماں اور بیٹے کی پھوپھی اعتماد کر۔"

پھر ایک گروہ کا کہنا ہے کہ ان صورتوں کو نکالنا عقل کے ذریعے حدیث میں تخصیص کرنا ہے۔لیکن محققین فرماتے ہیں کہ یہ تخصیص نہیں ہے، کیونکہ اس نے محمول کیا ہے جو رضاع کی وجہ سے حرام ہیں ان پر جو نسب کی وجہ سے حرام ہیں اور نسب کی وجہ سے وہ حرام ہیں جن کے ساتھ خطاب تحریم کا تعلق ہے' اور خطاب تحریم کا تعلق ان کے ساتھ ہے جن کو تعبیر کیا گیا ہے: **امھات، بنات، اخواتکم، عماتکم، خالاتکم، بنات الاخ،** اور **بنات الاخت** کے الفاظ سے۔تو رضاع میں بھی جو رشتے ان الفاظ کے ساتھ متحقق ہوں، تو ان میں حرمت ثابت ہوگی اور مذکورہ استثنائی صورتوں میں سے کوئی ایک بھی ان میں سے نہیں ہے، تو پھر یہ مخصوص کیسے ہیں، حالانکہ وہ اس کو شامل ہی نہیں ہے۔

شرح السنہ میں ہے کہ حدیث میں اس بات پر دلیل ہے کہ حرمت رضاع، حرمت نسب کی طرح ہے نکاح کے حق میں، پس جب ایک عورت نے بچے کو دودھ پلایا، تو اس بچے پر اور اس کی اولاد پر دودھ پلانے والی عورت کے وہ تمام اقارب حرام ہو جائیں گے جو اس کے نسبی بیٹے پر حرام ہیں، اور یہ **مرضعه** دودھ پینے والے بچے کے باپ پر حرام نہ ہوگی اور نہ اس کے بھائی پر۔

اور نہ تجھ پر حرام ہے تیری رضاعی بہن کی ماں جب وہ نہ تیری ماں ہو اور نہ تیرے باپ کی بیوی نہ ہو۔لیکن یہ صورت صرف رضاع میں متصور ہو سکتی ہے نہ کہ نسب میں' اس لئے کہ نسب میں بہن کی ماں' تیری ماں ہوگی اور تیرے باپ کی بیوی ہوگی۔

اسی طرح رضاعی پوتی بھی حرام نہیں ہے، جب تک کہ وہ تیری بیٹی نہ ہو یا تیرے بیٹے کی بیوی نہ ہو۔

اور نہ تیرے رضاعی بیٹے کی دادی تجھ پر حرام ہے جب تک کہ وہ تیری ماں نہ ہو یا تیری بیوی کی ماں نہ ہو۔

اور نہ تجھ پر تیرے رضاعی بیٹے کی بہن حرام ہے جب تک کہ وہ تیری بیٹی نہ ہو یا تیری ربیبہ نہ ہو۔

فرماتے ہیں کہ یہ دلیل ہے کہ اگر زانیہ عورت زنا والا دودھ کسی بچے کو پلا دے تو اس سے اس بچے اور زانی اور اس کے اہل نسب کے درمیان حرمت ثابت نہ ہوگی جیسا کہ اس سے نسب ثابت نہیں ہوتا۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ یہ دلیل ہے کہ نکاح حرام ہو جاتا ہے' نظر' خلوت اور سفر کرنا جائز ہو جاتا ہے' لیکن اس پر تمام امور کے احکام مرتب نہیں ہوتے۔ پس ان کے درمیان وراثت جاری نہ ہوگی' ان میں سے کسی پر دوسرے کا نفقہ لازم نہیں ہوگا' کسی ایک کا دوسرے کے مالک ہونے سے وہ اس پر آزاد نہ ہوگا' اور ان میں سے کسی ایک کے دوسرے کو قتل کرنے سے قصاص ساقط نہ ہوگا۔ پس ان احکام میں یہ دونوں اجنبیوں کی طرح ہوں گے۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ نقل کیا گیا ہے کہ محمد بن اسماعیل بخاری صاحب ''صحیح بخاری'' نے بخارا میں فتویٰ دیا کہ اگر دو بچوں نے ایک بکری کا دودھ پی لیا' تو ان کے درمیان حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ وہاں کے علماء ان کے خلاف جمع ہو گئے' اور یہ امام بخاریؒ کے بخارا سے نکلنے کا سبب بنا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔ جو احکام کے متعلق دقیق نظر سے کام نہ لے تو اس سے غلطیاں زیادہ ہوتی ہیں۔ یہ واقعہ شیخ ابو جعفر اور شیخ ابو حفص کبیر کے زمانہ میں پیش آیا۔ ان کا اور امام شافعی کا مولد ایک ہی ہے۔ اس لئے کہ یہ دونوں ایک ہی سال میں پیدا ہوئے جس سال امام ابو حنیفہ رحمہ اللہ نے وفات پائی ۱۵۰ھ کو۔

تخریج: سیوطی نے الجامع الصغیر میں یہ حدیث ان الفاظ کے ساتھ روایت کی ہے:

''یحرم من الرضاع ما یحرم من النسب'' اس کو شیخین' احمد' ابوداؤد' ابن ماجہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ اور احمد' مسلم' نسائی اور ابن ماجہ نے ابن عباس سے روایت کیا ہے۔ اھ۔ لہٰذا مصنف کو چاہئے تھا کہ متفق علیہ کہتے۔

رضاعی چچا محرم ہے

۳۱۶۲: وَعَنْهَا قَالَتْ جَاءَ عَمِّيْ مِنَ الرَّضَاعَةِ فَاسْتَأْذَنَ عَلَيَّ فَاَبَيْتُ اَنْ اٰذَنَ لَهٗ حَتّٰى اَسْاَلَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم وَجَاءَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم فَسَاَلْتُهٗ فَقَالَ اِنَّهٗ عَمُّكِ فَأْذَنِيْ لَهٗ قَالَتْ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّمَا اَرْضَعَتْنِي الْمَرْاَةُ وَلَمْ يُرْضِعْنِي الرَّجُلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اِنَّهٗ عَمُّكِ فَلْيَلِجْ عَلَيْكِ وَذٰلِكَ بَعْدَ مَا ضُرِبَ عَلَيْنَا الْحِجَابُ۔ (متفق علیہ)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۳۳۸/۹ الحدیث رقم ۵۲۳۹ ومسلم فی ۱۰۷۰/۲ الحدیث رقم (۷۔۱۴۴۵) وابوداوٗد فی السنن ۵۴۷/۲ الحدیث رقم ۲۰۵۷ والترمذی فی ۴۵۳/۳ الحدیث رقم ۱۱۴۸ وابن ماجه فی ۶۲۷/۱ الحدیث رقم ۱۹۴۹ والدارمی فی ۲۰۷/۲ الحدیث رقم ۲۲۴۸ ومالك فی الموطأ ۶۰۱/۲ الحدیث رقم ۲ من كتاب النكاح، واحمد فی ـالمسند ۱۹۴/۶

ترجمہ: ''اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ (ایک دن) میرے رضاعی چچا میرے گھر آئے اور انہوں نے میرے پاس آنے کی اجازت طلب کی' میں نے ان کو اجازت دینے سے انکار کر دیا یہاں تک کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کر لوں (کہ ان کا میرے پاس آنا درست ہے یا نہیں؟) چنانچہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تشریف لائے تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس بارے میں دریافت کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: وہ تمہارے چچا ہیں' ''ان کو اپنے پاس آنے کی اجازت دے دو۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ (یہ سن کر) میں نے عرض کیا

رسول اللہ!" مجھ کو تو عورت نے دودھ پلایا تھا کسی مرد نے تو دودھ نہیں پلایا تھا۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اس میں کوئی شک نہیں کہ وہ تمہارے چچا ہیں اس لئے وہ تمہارے سامنے آ سکتے ہیں۔ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے بیان کیا کہ) میرے رضاعی چچا کی یہ آمد اس وقت کا واقعہ ہے جب کہ ہمارے لئے (اجنبی مردوں سے) پردہ کرنا واجب ہو چکا تھا"۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: **قوله: جاء عمي من الرضاعة** : یہ افلح ابو القعیس کے بھائی ہیں۔ امام طیبی فرماتے ہیں کہ ان الفاظ سے یہ وہم پیدا ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی دادی نے افلح کو دودھ پلایا تھا، یا افلح کی والدہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے والد کو دودھ پلایا تھا، ان وجہ سے اس کو چچا کہا ہے۔ لیکن "انما ارضعتی المرأة" کے الفاظ سے معلوم ہوا کہ رضاعت میں مرد باپ کی طرح ہوتا ہے۔ اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے افلح کو چچا کہا، یہ تو وہ بات ہے جو ظاہر الفاظ سے معلوم ہو رہی ہے۔

شرح مسلم میں ہے کہ اس بارے میں اختلاف ہے، اور ذکر کیا گیا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے رضاعی چچا افلح ابو القعیس کے بھائی تھے، یہی معروف ہے۔ ان کی کنیت "ابو الجعد" تھی۔

شرح السنہ میں ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ مرد کے دودھ سے حرمت ثابت ہوتی ہے، یہاں تک کہ حرمت جیسا کہ دودھ پلانے والی عورت کی طرف سے ثابت ہوتی ہے اسی طرح جس مرد کی وجہ سے دودھ آتا ہے، اس کی طرف سے بھی حرمت ثابت ہوتی ہے۔ اس لئے کہ نبی نے رضاعی چچا ہونے کو ثابت کیا ہے اور اس کو نسب کے ساتھ ملایا ہے۔

قوله: ولم يرضعني الرجل :

یعنی رضاعت عورت کی طرف سے حاصل ہوتی ہے نہ کہ مرد کی طرف سے، گویا کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا گمان تھا کہ ضاعت مردوں تک سرایت نہیں کرتی۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

دودھ کی حرمت نسب کی طرح ہے

۳۱۶۳: وَعَنْ عَلِيٍّ اَنَّهٗ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هَلْ لَكَ فِي بِنْتِ عَمِّكَ حَمْزَةَ فَاِنَّهَا اَجْمَلُ فَتَاةٍ فِي قُرَيْشٍ فَقَالَ لَهٗ اَمَا عَلِمْتَ اَنَّ حَمْزَةَ اَخِيْ مِنَ الرَّضَاعَةِ وَاَنَّ اللّٰهَ حَرَّمَ مِنَ الرَّضَاعَةِ مَا حَرَّمَ مِنَ النَّسَبِ.

(رواه مسلم)

اخرجه مسلم في صحيحه ۲/ ۱۰۷۱ الحديث رقم (۱۱۔۱۴۴۶)۔

ترجمہ: "اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! کیا آپ اپنے چچا حضرت حمزہ کی بیٹی (سے نکاح کے بارے میں) رغبت رکھتے ہیں؟ وہ تو قریش کی سب سے زیادہ خوبصورت، حسین وجمیل لڑکی ہے۔ آپ ﷺ نے انہیں فرمایا: کیا تمہیں معلوم نہیں ہے کہ حمزہ رضی اللہ عنہ میرے دودھ شریک بھائی ہیں اور اللہ تعالیٰ نے جو رشتے نسب کی وجہ سے حرام قرار دیئے ہیں وہی رشتے رضاعت کی وجہ سے بھی حرام قرار دیئے ہیں"۔ (مسلم)

تشریح: امام طیبی فرماتے ہیں کہ "لك" خبر ہے مبتدا محذوف کے لئے اور "فی بنت عمك" اس کے متعلق ہے ای هل لك رغبة فیها۔

"ان اللّٰه": "ان" ہمزہ کے فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ ہے۔

قوله: اما علمت أن حمزة اخی من الرضاعة: آپ ﷺ کو اور حمزہؓ کو ثویبہ نے الگ الگ اوقات میں دودھ پلایا تھا۔ آپ علیہ السلام ان سے عمر میں بڑے تھے۔ اور "ثویبہ" تصغیر کے ساتھ ہے، یہ ابولہب کی لونڈی تھیں۔

سیوطی رحمہ اللہ نے بعض علماء سے نقل کیا ہے کہ آپ علیہ السلام کو جس عورت نے بھی دودھ پلایا تھا وہ مسلمان ہوگئی تھی۔ اور فرمایا کہ آپؐ کو چار عورتوں نے دودھ پلایا ہے: ① آپ کی والدہ۔ اور حدیث میں ان کا زندہ ہونا اور ایمان لانا منقول ہے۔ ② حلیم ③ ثویبیہ ④ ام ایمن۔

ایک دو بار دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی

۳۱۶۴: وَعَنْ اُمِّ الْفَضْلِ قَالَتْ اِنَّ نَبِیَّ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُحَرِّمُ الرَّضْعَةُ اَوِالرَّضْعَتَانِ۔

اخرجه مسلم فی صحیحه ۱۰۷۳/۲ الحدیث رقم (۲۱۔۱۴۵۱) ابن ماجه فی السنن ۶۲۴/۱ الحدیث رقم ۱۹۴۰۔

ترجمہ: "اور حضرت اُم فضل رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک بار یا دو بار دودھ پینے سے حرمت (رضاعت) واقع نہیں ہوتی۔ (یعنی ایک بار یا دو بار چوسنے سے نکاح کے لئے حرمت رضاعت ثابت نہیں ہوتی)۔

تشریح: قوله: لا تحرم الرضعة او الرضعتان.

"الرضعة او الرضعتان": اور ایک نسخہ میں "ولا الرضعتان" ہے۔

امام طیبی فرماتے ہیں: قوله لا: "تحرم الرضعة ولا الرضعتان" اور مصابیح کے نسخوں میں "او الرضعتان" ہے۔

"لا تحرم": راء کی تشدید اور کسرہ کے ساتھ ہے۔

"الملج": ای المص۔ بمعنی چوسنا۔ کہا جاتا ہے: ملج الصبی امه واملجت المرأة صبیها، اور "املاجة" ایک مرتبہ دودھ پلانے کو کہتے ہیں۔

ابوعبیدہ، ابوثور، اور داؤد کہتے ہیں کہ تین مرتبہ چوسنے سے حرمت ثابت ہوجاتی ہے، حدیث کے مفہوم سے یہ ثابت ہوتا ہے، لیکن عدد میں مفہوم مخالف کا اعتبار ان حضرات کے نزدیک بھی ضعیف ہے جو مفہوم مخالف کے قائل ہیں۔

ہمارے ائمہ میں سے بعض شراح فرماتے ہیں کہ مدت رضاع اکثر اہل علم کے نزدیک زیادہ سے زیادہ اڑھائی سال ہے۔

امام ابوحنیفہ کے نزدیک قلیل، اور کثیر حرمت ثابت ہونے میں برابر ہے۔ اس لئے کہ یہ آیت عام ہے: ﴿وامهاتکم اللاتی ارضعنکم﴾ (اور تمہاری وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا ہے)۔

اور خبر واحد مطلق کو مقید کرنے کی صلاحیت نہیں رکھتی۔ اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی یہ حدیث بھی مطلق ہے: یحرم من الرضاع ما یحرم من الولادۃ

اور امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پانچ رضعات یعنی پانچ مرتبہ سے کم چوسنے میں حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ ان کی دلیل حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث ہے۔

۳۱۶۵: وَفِی رِوَایَةِ عَائِشَةَ قَالَ لَا تُحَرِّمُ الْمَصَّةُ وَالْمَصَّتَانِ۔

اخرجه مسلم فی صحیحه ۱۰۷۳/۲ الحدیث رقم (۱۷۔۱۴۵۰) وابوداوٗد فی السنن ۵۵۲/۲ الحدیث رقم ۲۰۶۳ والترمذی فی ۴۵۵/۳ الحدیث رقم ۱۱۵۰ والنسائی فی ۱۰۱/۶ الحدیث رقم ۳۳۰۹ وابن ماجه فی ۶۲۴/۱ الحدیث رقم ۱۹۴۱ والدارمی فی ۲۰۸/۲ الحدیث رقم ۲۲۵۱۔

ترجمہ: اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں یوں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ایک بار یا دو بار دودھ چوسنے سے (نکاح کی) حرمت واقع نہیں ہوتی۔

تخریج: اس روایت کو سیوطی نے، احمد، مسلم اور کتب اربعہ کی طرف منسوب کیا ہے۔ کہ انہوں نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔ اور نسائی اور ابن حبان کی طرف کہ انہوں نے حضرت ابن زبیر سے روایت کیا ہے۔

۳۱۶۶: وَفِیْ اُخْرٰی لِاُمِّ الْفَضْلِ قَالَ لَا تُحَرِّمُ الْاِ مْلَاجَةُ وَالْاِمْلَاجَتَانِ هٰذِهٖ رِوَایَاتٌ لِمُسْلِمٍ۔

اخرجه فی صحیحه ۱۰۷۴/۲ الحدیث رقم (۱۸۔۱۴۵۱) والنسائی فی السنن ۱۰۰/۶ الحدیث رقم ۳۳۰۷ والدارمی فی ۲۰۹/۲ الحدیث رقم ۲۲۵۳ واحمد فی المسند ۳۳/۶

ترجمہ: اور اُم فضل کی ایک دوسری روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ایک بار یا دو بار (منہ میں) چھاتی داخل کر لینا (نکاح کو) حرام نہیں کرتا"۔ (یہ سب روایتیں امام مسلم نے نقل کی ہیں)۔

۳۱۶۷: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ کَانَ فِیْمَا اُنْزِلَ مِنَ الْقُرْاٰنِ عَشْرُ رَضَعَاتٍ مَعْلُوْمَاتٍ یُحَرِّ مْنَ ثُمَّ نُسِخْنَ بِخَمْسٍ مَعْلُوْمَاتٍ فَتُوُفِّیَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ وَهِیَ فِیْمَا یُقْرَاُ مِنَ الْقُرْاٰنِ۔

(رواہ مسلم)

اخرجه مسلم فی صحیحه ۱۰۷۵/۲ الحدیث رقم (۲۴۔۱۴۵۲) وابوداوٗد فی السنن ۵۵۱/۲ الحدیث رقم ۲۰۶۲، والنسائی فی ۱۰۰/۶ الحدیث رقم ۳۳۰۷ والدارمی فی ۲۰۹/۲ الحدیث رقم ۲۲۵۳۔

ترجمہ: "اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ قرآن کریم میں یہ حکم نازل ہوا تھا کہ "دس بار دودھ پینا" جب کہ اس کے پینے کا کامل یقین ہو (نکاح کو) حرام کرتا ہے"۔ پھر یہ حکم پانچ بار پینے کی قید کے ساتھ کہ جس کے پینے کا کامل یقین ہو' منسوخ کر دیا گیا (یعنی جب بعد میں یہ حکم نازل ہوا کہ پانچ بار دودھ پینا کہ جس کے پینے کا کامل یقین ہو' حرمت رضاعت ثابت کرتا ہے تو پہلا حکم منسوخ ہو گیا۔) اس کے بعد رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے جس وقت وفات پائی تو یہ آیت اس وقت قرآن کریم میں تلاوت کی جاتی رہی"۔ (مسلم)

تشریح: قوله : كان فيما انزل......

"**عشر رضعات**": شین کے سکون اور ضاد کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

"**يقرأ**": صیغہ مجہول کے ساتھ ہے۔

بخمس معلومات(فيما يقرأ من القرآن :

اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد یہ ہے کہ بعض وہ لوگ جن تک نسخ کا حکم نہیں پہنچا تھا وہ اس کو پہلے طریقے کے مطابق قرآن سمجھ کر پڑھتے تھے۔ اس لئے کہ نسخ صرف زمانہ وحی میں ہوسکتا ہے نبی کی وفات کے بعد نسخ کیسے ممکن ہے اس لئے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد کو اتنی رفعت دی ہے کہ زمانہ وحی کے قریب کا زمانہ ہے۔

تورپشتی فرماتے ہیں کہ یہ کہنا جائز نہیں ہے کہ اس کی تلاوۃ باقی تھی پھر بعد میں لوگوں نے اس کو چھوڑ دیا ہے' اس لئے کہ اللہ نے اس مبارک کتاب کہ اس میں کوئی خلل اور نقصان واقع نہیں ہوسکتا۔ اور اس کی حفاظت کا ذمہ خود اللہ نے لیا ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے: ﴿**انا نحن نزلنا الذكر وانا له لحافظون**﴾[الحجر:۹] پس کتاب اللہ سے نہ کوئی آیت ضائع ہوسکتی ہے اور نہ کوئی حرف جو زمانہ رسالت میں پڑھا جاتا ہو، اور بعد میں ختم ہوگیا ہو سوائے اس کے جو منسوخ ہوگیا۔

اشرف کہتے ہیں کہ شرح السنہ میں شیخ کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول: "**وهو فيما يقرأ من القرآن**" میں ضمیر "**عشر رضعات**" کی طرف راجع ہے۔ اس وجہ سے شیخ کو یہ بات کہنے کی ضرورت پیش آئی اور اس حدیث سے ان لوگوں کی دلیل قائم ہوجاتی ہے جو کہتے ہیں کہ دس رضعات سے کم میں حرمت ثابت نہیں ہوتی۔ اور اگر اس ضمیر کو "**خمس معلومات**" کی طرف لوٹایا جائے اور وہ قریب بھی ہے تو پھر یہ حدیث امام شافعی کی دلیل بن جائے گی، اور ان تمام باتوں سے استغناء حاصل ہوجائے گا جو انہوں نے ذکر کی ہیں اور اس وقت اس کا معنیٰ ہوگا کہ دس رضعات پانچ رضعات سے منسوخ ہوگئی تھیں اور یہ نسخ برقرار رہا نبیؐ کے زمانہ میں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد اس قول: "**فتوفي رسول الله ﷺ وهي فيما يقرأ من القرآن**" سے یہی تھی کہ: **تو في النبي ﷺ بعد نسخ العشرة بالخمس في حالة استقرار الخمس وكونه مقروءً في القرآن**۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں (اس کی تائید) شرح مسلم میں امام نوویؒ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ "**خمس رضعات**" کے ذریعہ سے نسخ کا نزول انتہائی تاخیر کے ساتھ ہوا حتی کہ جب نبی کریم ﷺ کی وفات ہوئی تو اس وقت بھی بعض لوگ "**خمس رضعات**" کی تلاوت کرتے تھے قرآن سمجھ کر لیکن جب ان تک نسخ کی خبر پہنچی تو انہوں نے اس سے رجوع کرلیا اور اس پر اجماع کرلیا کہ اس کی تلاوت نہیں کی جائے گی۔

امام طیبی فرماتے ہیں کہ نسخ تین قسم پر ہے:

① حکم اور تلاوت دونوں منسوخ ہوں جیسے: **عشر رضعات**۔

② تلاوت منسوخ ہو حکم منسوخ نہ ہو۔ جیسے: **خمس رضعات**' اور **الشيخ والشيخة اذا زنيا فارجموهما**۔

③ حکم منسوخ ہو اور تلاوت باقی ہو، اور اکثر نسخ اسی قسم کا ہے۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ یہ درست نہیں ہے الا یہ کہ نسخ کل مراد ہو ورنہ بعض قرآن جو منسوخ نہیں ہے اس کا ضیاع لازم

آئے گا، اور روافض کا یہ قول مضبوط ہو جائے گا کہ آپ کی وفات کے بعد قرآن کا بہت سارا حصہ ضائع ہو گیا ہے اور صحابہ اس کو ثابت نہ رکھ سکے۔ لہٰذا اس حدیث سے استدلال صحیح نہیں اگر چہ یہ سند صحیح ہے لیکن باطنی اعتبار سے اس میں انقطاع ہے۔ اور'' الشیخ والشیخة اذا زنیا فارجموا هما'' اگر حدیث اور اجماع سے ثابت نہ ہوتا، تو یہ حکم نہ ہوتا۔

۳۱۶۸: وَعَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ دَخَلَ عَلَيْهَا وَعِنْدَهَا رَجُلٌ فَكَأَنَّهٗ كَرِهَ ذٰلِكَ فَقَالَتْ اِنَّهٗ اَخِيْ فَقَالَ انْظُرْنَ مَنْ اِخْوَانُكُنَّ فَاِنَّمَا الرَّضَاعَةُ مِنَ الْمَجَاعَةِ۔ (متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۱٤٦/۹ الحدیث رقم ۵۱۰۲ ومسلم فی ۱۰۷۸/۲ الحدیث رقم (۳۲۔۱٤۵۵) وابوداؤد فی السنن ۵٤۸/۲ الحدیث رقم ۲۰۵۸ والنسائی فی ۱۰۲/٦ الحدیث رقم ۳۳۱۲ والدارمی فی ۲۱۰/۲ الحدیث رقم ۲۲۵٦۔

ترجمہ: ''اور اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ ان کے ہاں تشریف لائے تو اس وقت ان کے پاس ایک شخص بیٹھا ہوا تھا (اسے دیکھ کر) آپ ﷺ نے گویا ناگواری کا اظہار فرمایا۔ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ) میں نے (آپ ﷺ کی اس ناگواری کو محسوس کر کے) عرض کیا کہ ''یہ میرے (دودھ شریک) بھائی ہیں؟'' ۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ دیکھو (یعنی یہ غور کرو اور سوچو) کہ تمہارا بھائی کون ہوسکتا ہے' کیونکہ شرعی طور پر رضاعت وہ دودھ ہے جس کو بھوک مٹانے کے لئے پیا گیا ہو''۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: قوله :دخل عليها...... انظرن من اخوانكن:

''وعندها رجل'': جملہ حالیہ ہے۔

آپؐ نے یہ اس ڈر سے فرمایا کہ کہیں اس شخص کی رضاعت بڑی عمر میں نہ ہوئی ہو۔ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ عورتوں پر لازم ہے کہ وہ بلا ضرورت ہر بچے کو دودھ نہ پلائیں اور جب کسی کو دودھ پلائیں تو پھر اس کو یاد رکھیں اور اس کی تشہیر کریں اور احتیاطاً اس کو اپنے پاس لکھ لیں۔

فانما الرضاعة من الجماعة :''المجاعة'': میم کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

مطلب یہ ہے کہ شریعت میں وہ رضاعت معتبر ہے جو بھوک کو ختم کرے اور دودھ پینے والے بچے کے لئے کھانے کے قائم مقام ہو، اور حالت صغر میں، پس معلوم ہوا کہ بڑی عمر میں رضاعت مؤثر نہیں ہوتی کہ جب بچہ ایسی حد تک پہنچ جائے کہ اس کی بھوک روٹی کے علاوہ سے ختم نہ ہوتی ہو، تو پھر دودھ پینے سے حرمت ثابت نہ ہوگی۔ جیسا کہ شرح السنہ میں ہے۔

فرماتے ہیں کہ اہل علم کا اختلاف ہے مدت رضاع کے بارے میں، پس ایک جماعت کا مذہب یہ ہے کہ مدت رضاع دو سال ہے۔ دلیل یہ آیت ہے: ﴿وَالْوَالِدٰتُ يُرْضِعْنَ اَوْلَادَهُنَّ حَوْلَيْنِ كَامِلَيْنِ لِمَنْ اَرَادَ اَنْ يُّتِمَّ الرَّضَاعَةَ﴾ [البقرة:۲۳۳] (اور مائیں اپنے بچوں کو دو سال کامل دودھ پلایا کریں، مدت اُس کے لئے ہے جو کوئی شیر خوارگی کی تکمیل کرنا چاہے) اس سے معلوم ہوا کہ تمام مدت دو سال ہے۔ جب دو سال گزر جائیں تو رضاعت کا حکم ختم ہو جائے گا۔ اس کے ہم معنی روایت ابن مسعود، ابو ہریرہ، اور ام سلمہ رضی اللہ عنہم سے مروی ہے اور یہی امام شافعی فرماتے ہیں اور امام مالک سے نقل کیا گیا ہے کہ دو

سال سے زائد عمر کا حکم بھی دو سال کا ہے۔ اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ مدت رضاعت اڑھائی سال ہے۔ دلیل یہ آیت ہے: ﴿وَحَمْلُهٗ وَفِصٰلُهٗ ثَلٰثُوْنَ شَهْرًا﴾ [الاحقاف۔۱۵] اور جمہور کے نزدیک یہ اقل مدت حمل اور اکثر مدت رضاعت (کا بیان) ہے۔

رضاعت کے شبہ پر جدائی کا فیصلہ

۳۱۷۹: وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ الْحَارِثِ اَنَّهٗ تَزَوَّجَ ابْنَةً لِاَبِيْ اِهَابِ بْنِ عَزِيْزٍ فَاَتَتِ امْرَاَةٌ فَقَالَتْ قَدْ اَرْضَعْتُ عُقْبَةَ وَالَّتِيْ تَزَوَّجَ بِهَا فَقَالَ لَهَا عُقْبَةُ مَا اَعْلَمُ اَنَّكِ قَدْ اَرْضَعْتِنِيْ وَلَا اَخْبَرْتِنِيْ فَاَرْسَلَ اِلٰى اٰلِ اَبِيْ اِهَابٍ فَسَاَلَهُمْ فَقَالُوْا مَا عَلِمْنَا اَرْضَعَتْ صَاحِبَتَنَا فَرَكِبَ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِالْمَدِيْنَةِ فَسَاَلَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَيْفَ وَقَدْ قِيْلَ فَفَارَقَهَا عُقْبَةُ وَنَكَحَتْ زَوْجًا غَيْرَهٗ۔ (رواه البخاری)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۲۵۱/۵ الحدیث رقم ۲٦٤٠

ترجمہ: ''اور حضرت عقبہ بن حارث رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے ابواہاب بن عزیز کی صاحبزادی سے نکاح کیا تو ایک عورت نے آ کر کہا کہ میں نے عقبہ کو اور جس سے عقبہ رضی اللہ عنہ نے شادی کی ہے کو دودھ پلایا ہے (لہٰذا عقبہ اور ابواہاب کی بیٹی چونکہ دودھ شریک بھائی بہن ہوئے اس لئے ان کا نکاح باطل ہوا) عقبہ نے اس عورت سے کہا کہ مجھے یہ معلوم نہیں ہے کہ تم نے مجھے دودھ پلایا ہے اور نہ تم نے مجھے (اس سے پہلے) اس بارے میں بتایا' پھر عقبہ رضی اللہ عنہ نے ایک آدمی کو ابواہاب کے خاندان والوں کے پاس یہ معلوم کرنے کے لئے بھیجا (کہ کیا اس عورت نے تمہاری بیٹی کو دودھ پلایا ہے؟) انہوں نے کہا کہ ہم نہیں جانتے کہ اس عورت نے ہماری لڑکی کو دودھ پلایا ہو۔ اس کے بعد عقبہ رضی اللہ عنہ سوار ہو کر مدینہ میں نبی کریم ﷺ کے پاس تشریف لے گئے اور آپ ﷺ سے اس نکاح کے بارے) میں پوچھا کہ (یہ صورت پیدا ہوگئی ہے آیا میرا نکاح باطل ہو گیا ہے یا باقی ہے) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (تم اس لڑکی کو) کس طرح (اپنے نکاح میں رکھ سکتے ہو) جب کہ یہ کہہ دیا گیا ہے (کہ وہ تمہاری دودھ شریک بہن ہے)۔'' چنانچہ عقبہ رضی اللہ عنہ نے اس لڑکی کو علیحدہ کر دیا اور اس لڑکی نے کسی دوسرے شخص سے نکاح کر لیا''۔ (بخاری)

تشریح: " اهاب": ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

قولہ: "کیف وقد قیل": امام طیبی فرماتے ہیں کہ کیف سوال ہے حالت کے بارے میں' اور' وقد قیل" حال ہے اور یہ دونوں عامل چاہتے ہیں جو ان میں عمل کرے۔ تقدیری عبارت یہ ہے: کیف تباشرها والحال انه قد قیل انك اخوها. یعنی آپ کیسے ان سے مباشرت کریں گے اور حال یہ ہے کہ کہا گیا ہے کہ آپ ان کے بھائی ہیں یہ بات اہل ورع اور اصحاب مروت کے خلاف ہے۔ اس سے معلوم ہوا کہ آدمی کے لئے تہمت اور شک کے مواضع سے بچنا لازم ہے۔ اگرچہ وہ کتنا

ہی پاکدامن ہو۔

قد قیل ذلك ان صدقا وان كذبا
فما اعتذارك من شيء اذا قيلا

وہ بات کہی جا چکی ہے چاہے سچ ہو یا جھوٹ ہو، پس کیا عذر ہے تیرے پاس ایک ایسی چیز کے بارے میں جو کہی جا چکی ہے۔

قاضی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اکثر علماء کے نزدیک احتیاط پر محمول ہے اس لئے کہ یہاں صرف ایک عورت اپنے فعل کے بارے میں مجلس فیصلہ کے علاوہ میں خبر دے رہی ہے اور شوہر اس کو جھٹلا رہا ہے، پس یہ قابل قبول نہیں ہے۔ اس لئے کہ انسان کی گواہی اپنے فعل پر شرعاً قبول نہیں ہے۔ بعض فقہاء کے نزدیک یہ حدیث فساد نکاح پر محمول ہے، صرف عورتوں کی گواہی سے۔ پس امام مالک، ابن ابی لیلیٰ اور ابن شرمہ فرماتے ہیں کہ دو عورتوں کی گواہی سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ چار عورتوں کی گواہی سے ثابت ہو جاتی ہے۔ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ مرضعہ کی گواہی اور قسم سے رضاعت ثابت ہو جاتی ہے۔ اور یہی حسن بصری، امام احمد، اور اسحٰق کا قول ہے۔ (اس کو امام طیبی نے ذکر کیا ہے۔)

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ ایک مرضعہ کی گواہی قابل قبول ہے۔ فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ ایک آدمی نے کسی عورت سے نکاح کیا اور پھر کسی قابل بھروسہ مسلمان مرد یا عورت نے ان کو بتایا کہ ان دونوں کو ایک عورت نے دودھ پلایا ہے۔ فرماتے ہیں کہ مجھے یہ پسند ہے کہ وہ دوری اختیار کرے اور اس کو طلاق دے دے اور آدھا مہر اس کو دیدے اگر دخول نہ کیا ہو۔ ایک عورت کی خبر سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، ہمارے نزدیک جب تک کہ دو مرد یا ایک مرد اور دو عورتیں گواہی نہ دیں۔ اور امام شافعی کے ایک قول کے مطابق چار عورتوں کی گواہی سے حرمت ثابت ہو جاتی ہے۔

تخریج: ابن ہمام فرماتے ہیں کہ عقبہ ابن حارث کی حدیث صحیحین میں اس طرح ہے: انه تزوج ام يحيىٰ بنت ابى اهاب فجاء ت امة سوداء فقالت: قد ارضعتكما. قال: فذكرت ذلك لرسول الله قال: فاعرض عنى فتنحيت فذكرت ذلك له قال: وكيف وقد زعمت ان قد ارضعتكما.

دارالحرب سے قید کی جانے والی عورتیں خاوندوں کے باوجود مجاہدین پر حلال ہیں

۳۱۷۰: وَعَنْ اَبِی سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم یَوْمَ حُنَیْنٍ بَعَثَ جَیْشًا اِلٰی اَوْطَاسٍ فَلَقُوْا عَدُوًّا فَقَاتَلُوْهُمْ فَظَهَرُوْا عَلَیْهِمْ وَاَصَابُوْا لَهُمْ سَبَایَا فَكَاَنَّ نَاسًا مِنْ اَصْحَابِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم تَحَرَّجُوْا مِنْ غِشْیَانِهِنَّ مِنْ اَجْلِ اَزْوَاجِهِنَّ مِنَ الْمُشْرِكِیْنَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰی فِیْ ذٰلِكَ وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَیْمَانُكُمْ اَیْ فَهُنَّ لَهُمْ حَلَالٌ اِذَا انْقَضَتْ عِدَّتُهُنَّ۔ (رواه مسلم)

اخرجه مسلم فی صحيحه ۱۰۷۹/۲ الحديث رقم (۳۳-۱۴۵۶)وابوداؤد فی السنن ۶۱۲/۲ الحديث رقم ۲۱۵۵ ولترمذی فی ۴۳۸/۳ الحديث رقم ۱۱۳۲ ولنسائی فی ۱۰/۶ الحديث رقم ۳۳۳۳

ترجمہ: ''اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ حنین کے روز ایک لشکر کو اوطاس کی جانب روانہ فرمایا (جو طائف کے قریب واقع ہے) چنانچہ ان کی دشمن سے مڈبھیڑ ہوئی۔ انہوں نے ان سے قتل وقتال کیا اور دشمن پر فتح یاب ہوئے اور بہت سارے قیدی ان کے ہاتھ لگے (جن میں عورتیں بھی تھیں اور وہ عورتیں بطور لونڈی مجاہدین کی ملکیت میں آ ئیں) لیکن نبی کریم ﷺ کے صحابہؓ میں سے بعض حضرات نے گویا ان لونڈیوں سے اس وجہ سے جماع کرنے سے پرہیز کیا کہ وہ شوہر والی تھیں اور ان کے شوہر مشرک تھے چنانچہ اس سلسلہ میں اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی۔ ﴿وَالْمُحْصَنَاتُ مِنَ النِّسَاءِ إِلَّا مَا مَلَكَتْ أَيْمَانُكُمْ﴾ ''اور حرام کی گئی ہیں تم پر شادی شدہ عورتیں سوائے ان عورتوں کے جو تمہاری ملکیت میں آ گئی ہوں۔ یعنی (وہ عورتیں جنہیں تم جنگ کے بعد دار الحرب سے بطور باندی پکڑ لائے ہو اور ان کے شوہر دار الحرب میں رہ گئے ہوں) جب ان عورتوں کی عدت پوری ہو جائے تو وہ تمہارے لئے حلال ہیں۔'' (مسلم)

تشریح: قوله :ان رسول الله ﷺ يوم حنين ...... من المشركين:

''سبایا'': سبية کی جمع ہے یہ''فعلية'' بمعنیٰ''مفعولة'' ہے۔

''غشيا ن'': غین کے کسرہ کے ساتھ، مجامعت کے معنیٰ میں ہے۔

''المحصنات'': یہاں باتفاق قراء صاد کے فتحہ کے ساتھ ہے۔''من النسآء'': اس کا عطف ہے''**امهاتكم**'' پر۔

''لهم'': یہ حال ہے سبایا سے اور ذوالحال کے نکرہ ہونے کی وجہ سے حال کو مقدم کیا ہے۔

ان کو محصنات اس لئے کہا ہے کہ انہوں نے نکاح کے ذریعے اپنی شرمگاہوں کی حفاظت کی ہے۔

الا ما ملكت ايمانكم :سوائے ان عورتوں کے جو تم نے گرفتار کر لی ہیں، کفار کی عورتوں میں سے اور انکے خاوند دار الحرب میں ہیں، اس لئے کہ تباین دارین سے فرقت اور جدائی واقع ہو جاتی ہے، تو وہ بوجہ ملک یمین کے مجاہد کے لئے حلال ہے، استبراء رحم کے بعد۔

ای **فهن لهم حلال اذا انقضت عدتهن** :یعنی ایک حیض یا ایک مہینہ گزرنے کے بعد۔

اس کے بعد والی عبارت کسی راوی کی طرف سے تفسیر ہے۔ امام طیبی فرماتے ہیں''**الا ما ملكت ايمانكم**'' کا معنیٰ ہے سوائے ان عورتوں کے جن کے شوہر دار الکفر میں ہیں، پس وہ حلال ہیں مجاہدین کے لئے اگرچہ وہ عورتیں شادی شدہ ہیں۔ اور اسی معنیٰ میں فرزدق کا یہ قول ہے:

وذات حليل انكحتها رماحنا
حلال لمن يبنيٰ بها لم تطلق

شوہر والی کے ساتھ نکاح کرایا ہمارے نیزوں نے، وہ حلال ہیں جو اس کے ساتھ شب زفاف گزارے بغیر طلاق دیئے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی اور ان کی موافقت کرنے والوں کا مذہب یہ ہے کہ قیدی عورت اگر بت پرستوں میں سے ہو، اور ان لوگوں میں سے جن کی کوئی آسمانی کتاب نہیں ہے، اس سے ملک یمین کے طور پر وطی کرنا جائز نہیں ہے' یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو جائے' اور وہ حرام ہے جب تک وہ اپنے دین پر ہے۔ یہ قیدی عورتیں مشرکین عرب میں سے تھیں، تو اس حدیث کی تاویل ان کے نزدیک یہ ہے کہ گرفتاری کے بعد ان عورتوں نے اسلام قبول کر لیا تھا۔ اور ان کے ستبراءِ رحم ہو چکا تھا' حمل والی عورتوں کا وضع حمل ہو چکا تھا اور حیض والیوں کا ایک حیض گزر چکا تھا۔ (انتھیٰ)۔

اور تحفہ میں ہے کہ امام شافعی کی طرف اس قول کی نسبت ضعیف ہے۔ اور معتمد قول یہ ہے کہ بت پرست عربی کو غلام بنایا جا سکتا ہے۔ امام طیبی فرماتے ہیں کہ ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ شادی شدہ باندی اگر فروخت کی جائے تو اس کا نکاح فسخ ہو جاتا ہے۔ اور مشتری کے لئے آیت مذکورہ کے عموم کی وجہ سے اس کے ساتھ جماع حلال ہے اور دیگر تمام علماء فرماتے ہیں کہ اس سے نکاح فسخ نہیں ہوتا اور یہ آیت قیدیوں کے ساتھ مخصوص ہے۔

الفصل الثانی:

چھوٹے اور بڑے حقیقی رشتہ والی عورتوں کو جمع نہ کیا جائے

۳۱۷۱: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَهٰى اَنْ تُنْكَحَ الْمَرْاَةُ عَلٰى عَمَّتِهَا اَوِ الْعَمَّةُ عَلٰى بِنْتِ اَخِیْهَا وَالْمَرْاَةُ عَلٰى خَالَتِهَا اَوِ الْخَالَةُ عَلٰى بِنْتِ اُخْتِهَا لَا تُنْكَحُ الصُّغْرٰى عَلَى الْكُبْرٰى وَلَا الْكُبْرٰى عَلَى الصُّغْرٰى (رواه الترمذی وابوداود والدارمی والنسائی وروایته الی قوله بِنْتِ اُخْتِهَا.

اخرجه ابو داود فی السنن ۵۵۳/۲ الحدیث رقم ۲۰۶۵ والترمذی فی ۴۳۳/۳ الحدیث رقم ۱۱۲۶ والنسائی فی ۹۷/۶ الحدیث رقم ۳۲۹۶ والدارمی فی ۱۸۳/۲ الحدیث رقم ۲۱۷۸

ترجمہ: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا ہے کہ کسی عورت سے اس کی پھوپھی کی موجودگی میں یا کسی عورت سے اس کی بھتیجی کی موجودگی میں (یعنی ایسی عورت سے نکاح کرنے سے جس کی بھتیجی پہلے سے اس کے نکاح میں ہو) نکاح کیا جائے اور اس سے بھی منع فرمایا ہے کہ کسی عورت سے اس کی خالہ کی موجودگی میں یا کسی عورت سے اس کی بھانجی کی موجودگی میں نکاح کیا جائے نیز (رشتے میں) چھوٹی (مثلاً بھتیجی' بھانجی) کا بڑی پر اور بڑی کا چھوٹی کا نکاح کرنے سے منع فرمایا ہے۔ (ترمذی' ابوداؤد' داری' نسائی) اور نسائی نے اس روایت کو بِنْتِ اُخْتِهَا تک نقل کیا ہے''۔

تشریح: قوله: نهی ان تنكح المرأة......

''أن تنكح'': صیغہ مجہول کے ساتھ ہے۔

"لا تنكح": نفی مجہول ہے بعض کا کہنا کہ نہی مجہول ہے۔ یہ جملہ حکم کے لئے بیان علت اور تاکید کی طرح ہے اس لئے حرف عطف کو ترک کر دیا ہے۔"ولا الكبرىٰ...... ": جانبین سے نفی کا تکرار یہ تاکید ہے نہی ان تنكح المرأة......کے لئے، اسی وجہ سے ان کے درمیان حرف عطف نہیں لایا ہے۔

الصغرىٰ :سے مراد بھتیجی یا بھانجی ہے'اور اس کو صغریٰ اس لئے کہا کہ یہ بمنزلہ بیٹی کے ہوتی ہے۔

على الكبرىٰ : اس کو کبریٰ اس لئے کہا کہ یہ عمر کے اعتبار سے یا مرتبہ کے اعتبار سے اور یہ بمنزلہ ماں کے ہوتی ہے۔مراد کبریٰ سے پھوپھی اور خالہ ہے۔

قوله :ولا الكبرىٰ على الصغرىٰ : نفی کو مکرر ذکر فرمایا اس وہم کو ختم کرنے کے لئے کہ پھوپھی سے نکاح اس کی بھتیجی پر اور خالہ سے اس کی بھانجی پر جائز ہے پھوپھی اور خالہ کی فضیلت کی وجہ سے۔ جیسے کہ "حرہ" کے ساتھ نکاح جائز ہے' باندی پر۔ کہا گیا ہے کہ ان کو نکاح میں جمع کرنے اور دو بہنوں کو نکاح میں جمع کرنے کی حرمت کی علت یہ ہے کہ ذوی الارحام میں سے ہیں، اگر ان کو نکاح میں جمع کیا تو ان کے درمیان عداوت اور قطع رحمی ظاہر ہوگی، اور "على" کے ساتھ متعدی کرنے میں ضرر کی طرف اشارہ ہے۔

باپ کی منکوحہ سے نکاح کو حلال قرار دینے والا واجب القتل ہے

۳۱۷۲:وَعَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ مَرَّبِي خَالِي اَبُوْبُرْدَةَ بْنُ نِيَّارٍ وَمَعَهُ لِوَاءٌ فَقُلْتُ اَيْنَ تَذْهَبُ فَقَالَ بَعَثَنِي النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِلٰى رَجُلٍ تَزَوَّجَ اِمْرَأَةَ اَبِيْهِ آتِيْهِ بِرَأْسِهِ (رواه الترمذى وابوداود وفى رواية له وللنسائى وابن ماجة والدارمى) فَاَمَرَنِيْ اَنْ اَضْرِبَ عُنُقَهُ وَاٰخُذَ مَا لَهُ (وفى هذه الرواية قال) عَمِّيْ بَدَلَ خَالِيْ .

اخرجه ابوداود فى السنن ٤/٦٠٢ الحديث رقم ٤٤٥٦ والترمذى فى ٣/٦٤٣ الحديث رقم ١٣٦٢ والنسائى فى ٦/١٠٩ الحديث رقم ٣٣٣١ وابن ماجه فى ٢/٩٦٩ الحديث رقم ٢٦٠٧ واحمد فى المسند ٤/٢٩٢

ترجمہ:"اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میرے ماموں حضرت ابو بردۃ بن نیار میرے پاس سے اس حال میں گزرے کہ ان کے ہاتھ میں ایک جھنڈا تھا' میں نے ان سے پوچھا کہ آپ کہاں جا رہے ہیں؟ تو انہوں نے کہا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے ایسے شخص کی جانب بھیجا ہے جس نے اپنے باپ کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے تاکہ میں اس کا سر (کاٹ کر) آپ کی خدمت میں لے آؤں۔ (ترمذی'ابوداؤد) اور ابوداؤد کی ایک اور روایت میں نیز نسائی' ابن ماجہ اور دارمی کی روایت میں یوں ہے کہ (ابو بردہؓ نے کہا کہ) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے حکم دیا ہے کہ میں اس کی گردن ماردوں اور اس کا مال واسباب (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں) لے آؤں اور اس روایت میں "میرے ماموں" کی جگہ "میرے چچا" کے الفاظ ہیں۔ (لہٰذا بات مختلف فیہ ہوگئی کہ حضرت بردہ بن نیاز' حضرت براء بن عازب کے ماموں تھے یا چچا تھے؟)"۔

تشریح: قوله :مربي خالي ...... اين تذهبه:

"مربي خالي": کہا گیا ہے کہ مصابیح کے نسخوں میں "مرّبي عمي ہے" لیکن یہ تصحیف ہے اور صحیح "خالي" ہے۔"

نیار": نون کے کسرہ کے ساتھ ہے، اور اس کے بعد یاء ہے، تخفیف کے ساتھ۔

"اين تذهب": ایک روایت "اين تريد" ہے۔

"رجل تزوج": ایک روایت میں نکح ہے۔

یہ انصار کے حلیف تھے۔

"لواء": لام کے کسرہ کے ساتھ "جھنڈا"۔

"بعثني": یاء کے فتحہ اور سکون دونوں کے ساتھ ہے۔

شیخ مظہر فرماتے ہیں کہ یہ جھنڈا اس بات کی علامت ہوا کرتا تھا کہ یہ شخص نبی کی طرف سے بھیجا گیا ہے اس کام کے لئے۔

قوله: بعثني النبي ﷺ ......ان اضرب عنقه: اکثر اہل علم فرماتے ہیں کہ یہ نکاح کرنے والا شخص اس کو حلال سمجھتا تھا اور زمانہ جاہلیت کے عقیدے کے مطابق، اس وجہ سے وہ مرتد تھا اور اللہ اور رسول کے ساتھ اعلان جنگ کرنے والا تھا۔ اس وجہ سے آپؐ نے اس کے قتل کرنے اس کا اور مال لینے کا حکم دیا۔ یہ شخص اس نکاح کو حلال سمجھتا تھا۔ جو شخص کسی حرام کے حلال ہونے کا عقیدہ رکھے وہ کافر ہو جاتا ہے، اور اس کو قتل کرنا اور اس کا مال لینا جائز ہو جاتا ہے۔ اور جو کسی محرم کے ساتھ نکاح کی حرمت سے جاہل ہو اور اس نے محرم سے نکاح کر لیا، تو وہ کافر نہ ہوگا، اور جو اس کی حرمت کو جانتا ہو اور اس کے حرام ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو اور پھر بھی نکاح کر لے تو وہ فاسق ہو جاتا ہے اور ان کے درمیان فوری طور پر جدائی کر دی جائے گی۔ اور اس کو تعزیراً سزا دی جائے گی، یہ (حکم) اس وقت ہے جب دخول نہ کیا ہو، اگر دخول کیا ہو تو پھر یہ شخص زانی ہے اس کو حرمت کا علم ہو، تو اس پر زنا کے احکام جاری ہوں گے۔ اور اگر وہ حرمت سے ناواقف تھا تو پھر یہ شبہ کے ساتھ وطی کرنے والا ہے، اس پر مہر مثل لازم ہوگا اور نسب اس سے ثابت ہوگا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ جس نے شادی کی ایسی عورت کے ساتھ جو اس کے لئے حلال نہیں تھی، بایں طور کہ وہ اس کے نسبی محارم میں سے تھی جیسے اس کی ماں یا بیٹی وغیرہ۔ اور اس نے اس کے ساتھ جماع کر لیا تو اس پر حد لازم نہیں ہے، امام ابو حنیفہ سفیان اور زفر رحمہم اللہ کے نزدیک اگر چہ وہ کہے کہ مجھے معلوم تھا کہ یہ میرے لئے حرام ہے۔ لیکن اس پر مہر لازم ہوگا اور اس کو تعزیر سے سخت سزا دی جائے گی، اور یہ تعزیر بطور سیاست ہوگی نہ کہ حد شرعی کے طور پر۔ اگر اسے اس کا علم ہو اور اگر وہ اس کی حرمت کو نہ جانتا ہو تو اس پر نہ حد ہے اور نہ تعزیر۔ صاحبین امام شافعی، مالک اور احمد رحمہم اللہ فرماتے ہیں کہ اس پر حد لازم اگر وہ جانتا ہو۔ ابن ماجہ نے ابن عباس سے مرفوعاً روایت کیا ہے: من وقع علی ذات محرم منه فاقتلوه.

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ مسئلہ محارم میں حضرت جابرؓ سے روایت ہے کہ اس کی گردن ماری جائے گی' اور یہی قول امام احمد، اسحٰق اور اہل ظواہر سے نقل کیا گیا ہے۔ اور ابن حزم نے قتل کو محدود رکھا ہے اس پر کہ جب وہ اس کی باپ کی بیوی ہو اور حدیث براء کو اس کے مورد کے ساتھ خاص کیا ہے۔

اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ اس کے مال کو بیت المال کی تحویل میں لے لیا جائے گا۔
اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ اس صورت میں ہے کہ جب وہ اس عقد کو حلال سمجھنے والا ہو کہ اس کی وجہ سے وہ مرتد ہو جاتا ہے اور یہ اس وجہ سے کہ حدّ گردن اڑانا اور مال لینا نہیں ہے، بلکہ یہ کفر کی وجہ سے لازم ہوتے ہیں۔ اور حدیث مذکور کے بعض طرق میں ہے، کہ معاویہ بن مرہ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ نبیؐ نے ان کے دادا کو بھیجا تھا اس شخص کی گردن اڑانے کے لئے جس نے اپنے والد کی منکوحہ سے نکاح کیا تھا۔
یہ دلالت کر رہا ہے کہ وہ شخص مرتد ہو چکا تھا چونکہ وہ اس کو حلال سمجھ رہا تھا۔ پھر فرمایا کہ علماء فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی دو توجیہ ہو سکتی ہیں:
ایک یہ کہ یہ محمول ہے مستحل پر، دوم یہ حکم بطور تعزیر اور سیاست کے تھا نہ کہ حد کے طور پر۔
قولہ :وفی هذه الروایة:قال عمی بدل خالی :شاید کہ ایک رشتہ نسب کے اعتبار سے ہو اور دوسرا رشتہ رضاعی ہو۔

رضاعت دودھ چھڑانے کی عمر تک ثابت ہوتی ہے

۳۱۷۳:وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يُحَرِّمُ مِنَ الرَّضَاعِ اِلَّا مَافَتَقَ الْاَمْعَاءَ فِي الثَّدْيِ وَكَانَ قَبْلَ الْفِطَامِ۔ (رواه الترمذی)

اخرجه الترمذی فی السنن ۴۵۸/۳ الحدیث رقم ۱۱۵۲

ترجمہ: ''اور حضرت اُمِ سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''وہ دودھ حرمت رضاعت کا باعث ہے جو چھاتیوں سے پینے کی وجہ سے انتڑیاں کھول دے بشرطیکہ یہ (رضاعت) دودھ چھڑانے سے پہلے ہو''۔ (ترمذی)

تشریح: قولہ :لا یحرم من الرضاع......
''یحرم'':راء مشددہ کے کسرہ کے ساتھ ہے۔
''الا معاء'':جمع ہے ''معی'' انتڑی کو کہتے ہیں۔
''الفطام'':فاء کے کسرہ کے ساتھ، دودھ چھڑانے کا زمانہ۔
''الا معاء'':مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔
''فی الثدی'': حال ہے'' فتق '' کے فاعل سے ای کائناً فی الثدی۔ جیسے اس آیت میں ہے:[وتنحتون من الجبال بیوتاً] [الشعراء۔۱۴۹] اس میں بیوتا حال ہے۔
فی الثدی :یعنی پستان سے جاری ہو چاہے پینے کے ذریعہ سے ہو یا نکالا گیا ہو۔ اور اس کا یہ مطلب نہیں ہے کہ حرمت ثابت کرنے والی رضاعت کے لئے یہ شرط ہے کہ وہ دودھ چھاتی سے پیے۔
الاما فتق الامعاء :یعنی اس کے لئے کھانے کا قائم مقام ہو اور یہ مدت رضاع کے اندر ہی ہوگا، اور کھانے کا قائم مقام

ہونا یہ حتراز ہے اس سے کہ اگر بچہ اس دودھ کو قی کر دے تو پھر حرمت ثابت نہ ہوگی۔

امام طیبی فرماتے ہیں کہ فتق، امعاء اور ثدی کے الفاظ رضاع کو مزید مؤثر اور قابل اعتماد بنانے کے لئے ہیں، جیسا کہ اس سے پہلے ایک حدیث کی شرح میں گزرا۔

ہدایہ میں ہے کہ مدت رضاعت سے پہلے دودھ چھڑانے کا کوئی اعتبار نہیں ہے حتی کہ اگر کسی نے مدت رضاعت سے پہلے بچے کو دودھ چھڑایا اور پھر اس کے بعد کسی نے اس کو مدت کے اندر دودھ پلایا، تو اس سے حرمت رضاعت ثابت ہو جائے گی۔ سوائے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کی ایک روایت کے اور روایت یہ ہے کہ اگر کسی نے مدت رضاعت سے پہلے دودھ چھڑایا اور اس بچے کے لئے دودھ کے علاوہ چیزیں کافی ہونے لگیں اور پھر کسی نے مدت رضاعت کے اندر اس کو دودھ پلایا، تو حرمت ثابت نہ ہوگی۔ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ واقعات ناطفی میں ہے کہ فتویٰ ظاہر الروایۃ پر ہے۔

کیا مدت رضاعت کے بعد بچے کو دودھ پلانا جائز ہے؟

تو بعض حضرات نے کہا ہے کہ جائز نہیں ہے اس لئے کہ یہ آدمی کا جزء ہے اور جزء سے انتفاع بغیر ضرورت کے جائز نہیں ہے اور ضرورت اب ختم ہو چکی ہے اور اس قول کے مطابق عورت کے دودھ کو دواء کے طور پر استعمال کرنا جائز نہیں ہے۔ اور اہل طب کہتے ہیں کہ وہ دودھ جو آنکھ کی بیماری کے لئے مفید ہے بچی کی وجہ سے پستان میں اُترے لیکن مشائخ کا اس بارے میں اختلاف ہے، بعض فرماتے ہیں کہ اس کو استعمال کرنا جائز نہیں ہے، اور بعض فرماتے ہیں کہ جائز ہے، جب یہ معلوم ہو کہ اس سے آنکھ کی بیماری ختم ہو جائے گی۔ اور یہ بات تو ظاہر ہے کہ حقیقت علم متعذر ہے، پس مراد یہ ہے کہ ظن غالب ہو ورنہ استعمال کرنا منع ہے۔

مدت رضاعت کے گزرنے کے بعد رضاعت کے ساتھ حرمت کا کوئی تعلق نہیں ہے، چاہے دودھ چھڑایا ہو یا نہ چھڑایا ہو، برخلاف ان لوگوں کے جو ہمیشہ کے لئے تحریم کے قائل ہیں کہ جب بھی دودھ پئے گا حرمت ثابت ہو جائے گی۔

ان کے دلائل وہ مطلق روایات ہیں جو ثبوت حرمت پر دلالت کر رہی ہیں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مروی ہے وہ جب چاہتیں کہ مردوں میں سے کوئی ان کے ہاں داخل ہو تو وہ اپنی بہن ام کلثوم یا اپنی کسی اور بہن کو حکم دیتیں کہ اس کو پانچ دفعہ دودھ پلا دے، مسلم وغیرہ میں سہلہ کی روایت ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ابوحذیفہ کی بیوی سہلہ حضورؐ کے پاس آئیں، اور بولیں اللہ کے رسول! سالم کے آنے سے ابوحذیفہ کے چہرے پر کراہت کے آثار دیکھتی ہوں، حالانکہ وہ اس کے حلیف ہیں۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ سالم کو پانچ مرتبہ دودھ پلا دو۔ اس کی وجہ سے تم اس پر حرام ہو جاؤ گی۔

مسلم کی روایت میں پانچ مرتبہ عدد کا ذکر نہیں ہے، اور اس طرح سنن کی مشہور کتابوں میں بھی نہیں ہے، اگر عدد کا ذکر صحیح ہو تو پھر اس کا جواب یہ ہے کہ تقدیر، یعنی ایک خاص مقدار سے حرمت ثابت ہونا منسوخ ہو گیا ہے اور اس کے نسخ کی تصریح ابن عباسؓ نے کی ہے، جب ان سے کہا گیا کہ لوگ کہتے ہیں کہ ایک مرتبہ دودھ پینے سے حرمت ثابت نہیں ہوتی، تو انہوں نے فرمایا کہ یہ حکم پہلے تھا، بعد میں یہ منسوخ ہو گیا۔

ابن مسعودؓ سے منقول ہے کہ رضاعت کا معاملہ اس طرف لوٹ گیا ہے کہ اب اس کے قلیل اور کثیر سے حرمت ثابت ہوتی ہے

پھر حدیث سہلہ میں آپ کی مراد یہ نہیں ہے کہ آپ سالم کو پانچ مرتبہ مختلف اوقات میں اس کی بھوک کے حالت میں دودھ پلا دیں، اس لئے کہ مرد ایک یا دو رطل دودھ سے بھی سیر نہیں ہوتا، تو عورت کے پستان میں اتنا دودھ کہاں ہوتا ہے جس سے وہ سیر ہو یہ عادتاً محال ہے، پس ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد پانچ مرتبہ چوسنا اور پانچ گھونٹ مراد ہیں،

پھر اس پر اشکال یہ ہے کہ اس کے لئے کیسے جائز تھا کہ وہ سہلہ کے ستر پر اپنے ہونٹ لگائیں، تو شاید مراد یہ ہو کہ وہ اپنا دودھ دوہ لیں جو پانچ گھونٹ کی مقدار ہو اور وہ اس کو پی لے ورنہ تو اس کا مطلب مشکل ہے۔

جب آپ یہ جان چکے تو اب جانئے کہ یہ حکم پہلے تھا پھر یہ منسوخ ہو چکا ہے بہت سارے آثار نبیؐ سے منقول ہیں: ① آپ ﷺ کا یہ قول ہے لا رضاع الا ما کان فی حولین. اس کو مرفوع اور موقوف ابن عباس پر روایت کیا گیا ہے، اور علیؓ اور ابن عمرؓ اور ابن مسعودؓ ② ترمذی کی مذکورہ حدیث ہے۔ امام ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ ③ جو سنن ابوداؤد میں ابن مسعود کی مرفوع حدیث ہے: لایحرم الرضاع الا ما انبت اللحم وأنشر العظم۔ حرمت ثابت نہیں ہوتی، مگر اس سے جس گوشت اور ہڈیاں بڑھے۔ ④ موطأ اور سنن ابوداؤد میں یحیٰی بن سعد سے روایت ہے کہ ایک آدمی نے حضرت ابوموسیٰ اشعری سے پوچھا کہ میں نے اپنی بیوی کے پستان کو چوسا تو اس سے دودھ میرے پیٹ میں چلا گیا ہے! ابوموسیٰ نے فرمایا، کہ میرا خیال تو یہ ہے کہ وہ تجھ پر حرام ہوگئی ہے۔ تو عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا، کہ دیکھ لے کہ تو آدمی کو کیا فتویٰ دے رہا ہے۔ تو ابو موسیٰ نے کہا، کہ آپ اس بارے میں کیا کہتے ہیں' تو عبداللہ ابن مسعود نے فرمایا: لا رضاعة الاما کان فی حولین۔ "دو سال کے بعد رضاعت نہیں ہے"۔ تو ابوموسیٰ نے فرمایا کہ جب تک تمہارے درمیان یہ عالم موجود ہے مجھ سے نہ پوچھو۔

یہ موطأ کی روایت ہے نصوص مطلقہ' اور حرمت کا فتویٰ دینے کے بعد اس کی طرف رجوع کرنا اس بات کی علامت ہے کہ امام مالک نے اس کو ناسخ کے طور پر ذکر کیا ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے علاوہ حضورؐ کی دوسری ازواج اس کا انکار کرتی ہیں، اور فرماتی ہیں: لانری هذا من رسول الله ﷺ الا رخصة لسهلة خاصة۔

اور شاید اس کا سبب یہ ہے کہ یہ حدیث ایسے مسائل کو متضمن ہے جو اصول شریعت کے خلاف ہیں، مثلاً اس سے لازم آتا ہے کہ سالم نے سہلہ کے ستر کو اپنے ہونٹوں سے مس کیا ہوگا۔ پس ان ازواج مطہرات نے یہ حکم لگایا کہ یہ ان کی خصوصیت تھی۔
بعض حضرات کہتے ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے اپنے اس قول سے رجوع کر لیا تھا۔

موطأ میں ابن عمرؓ سے روایت ہے کہ ایک آدمی عمر بن خطاب کے پاس آیا، اور کہنے لگا کہ میری ایک باندی تھی، میں اس کے ساتھ جماع کرتا تھا، میری بیوی نے اس کو دودھ پلایا، پس جب میں اس کے پاس گیا تو میری بیوی نے کہا کہ اس سے دور رہ۔ اللہ کی قسم! میں نے اس کو دودھ پلایا ہے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا: أوجعها وتت جار یتك فانما الرضاعة الصغیر اپنی بیوی کو سزا دے اور اپنی باندی کے پاس جایا کر۔ کیونکہ رضاعت چھوٹی عمر میں ہوتی ہے۔

خدمت کا بدل خادم

۳۱۷۴: وَعَنْ حَجَّاجِ بْنِ حَجَّاجِ الْأَسْلَمِيِّ عَنْ أَبِيْهِ أَنَّهُ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم مَا يُذْهِبُ عَنِّي مَذِمَّةَ الرَّضَاعِ فَقَالَ غُرَّةٌ عَبْدٌ أَوْ أَمَةٌ (رواه الترمذي وابوداود والنسائي والدارمي)

اخرجه ابوداوٗد في السنن ٥٥٣/٢ الحديث رقم ٢٠٦٤ والترمذي في ٤٥٩/٣ الحديث رقم ١١٥٣ والنسائي في ١٠٨/٦ الحديث رقم ٣٣٢٩ والدارمي في ٢٠٩/٢ الحديث رقم ٢٢٥٤ واحمد في المسند ٤٥/٣

ترجمه: ''اور حضرت حجاج بن حجاج اسلمی رضی اللہ عنہ اپنے والد مکرم سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے (یعنی حجاج اسلمی رضی اللہ عنہ نے) عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ! وہ کون سی چیز ہے جس سے میں دودھ (رضاعت) کے حق کو ادا کر سکتا ہوں؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''مملوک یعنی بردہ خواہ غلام ہو یا لونڈی''۔ (ترمذی' ابوداؤد' نسائی' دارمی)

حالاتِ راوی:

حجاج بن الحجاج۔ یہ حجاج ''حجاج احول اسلمی'' کے بیٹے ہیں اور کہا گیا کہ ''باہلی بصری'' ہیں انہوں نے فرزدق' قتادہ اور ایک جماعت محدثین سے روایت کی ہے ان سے ابراہیم بن طہمان اور یزید بن زریع روایت کرتے ہیں۔ محدثین نے ان کی توثیق کی ہے۔ ۱۳۱ھ میں وفات پائی۔

تشریح: قوله :ما يذهب عني مذمة......

''مذمة الرضاع'': دودھ پلانے کا حق۔ الفائق میں ہے کہ ''مذمة'' اور ''الذمام'' کسرہ اور فتحہ کے ساتھ' اس حق اور احترام کو کہتے ہیں، جس کے ضائع کرنے والے کی مذمت کی جاتی ہے۔ کہا جاتا ہے: رعيت ذمام فلان ومذمته. اور ابوزید کہتے ہیں کہ ''مذمة'' کسرہ کے ساتھ ''ذمام'' کے معنیٰ میں ہے اور فتحہ کے ساتھ ''ذم'' کے معنیٰ میں آتا ہے۔

''عبدة او امة'': رفع اور تنوین کے ساتھ' بدل ہے ''غرة'' سے۔

مذمة الرضاع :قاضی فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کونسی چیز دودھ پلانے کا حق مجھ سے ساقط کر دے گی، یہاں تک کہ اس کے ادا کرنے سے میں دودھ پلانے والی کا حق ادا کرنے والا ہو جاؤں۔ اور عرب یہ پسند کرتے تھے، کہ وہ دایہ کو اجرت کے علاوہ بھی کوئی چیز دیں' دودھ چھڑانے کے وقت۔

چونکہ دایہ نے اپنے آپ کو خادمہ بنایا تھا، تو اس کو اس کی فعل کے جنس سے بدلہ دیا گیا اھ اور اسی وجہ سے کہا گیا ہے: من خدم خدم جو خدمت کرتا ہے اس کی خدمت کی جاتی ہے۔

''غرة'': بعض حضرات کہتے ہیں کہ ''غرة'' کا اطلاق صرف سفید غلام پر ہوتا ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ ہر وہ نفیس ترین چیز جس کا آدمی مالک ہو۔ امام طیبی فرماتے ہیں کہ ''غرة'' ''مملوک کے معنیٰ میں ہے، اور اصل میں ''غرة'' گھوڑے کی پیشانی میں موجود سفیدی کو کہتے ہیں۔ پھر یہ ہر عمدہ چیز کے لئے بطور استعارۃ استعمال ہونے لگا۔ کہا جاتا ہے: غرة القوم ''قوم کا سردار''۔ اور

انسان جن چیزوں کا مالک ہوتا ہے ان میں سب سے بہتر اور عمدہ چیز "مملوک" یعنی غلام ہے اس لئے اس کو "غرۃ" کہا جانے لگا۔

مرضعہ کی تعظیم وتکریم

۳۱۷۵: وَعَنْ اَبِي الطُّفَيْلِ الْغَنَوِيِّ قَالَ كُنْتُ جَالِسًا مَعَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمِ اِذَا قُبِلَتِ امْرَأَةٌ فَبَسَطَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم رِدَاءَهُ حَتّٰى قَعَدَتْ عَلَيْهِ فَلَمَّا ذَهَبَتْ قِيْلَ هٰذِهٖ اَرْضَعَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم (رواه ابوداود)

اخرجه ابوداوٗد في السنن ٣٥٣/٥ الحديث رقم ٥١٤٤۔

ترجمہ: "اور حضرت ابوطفیل غنوی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں نبی کریم ﷺ کی مجلس میں بیٹھا ہوا تھا کہ اچانک ایک خاتون (یعنی دایہ حلیمہ رضی اللہ عنہا) آئیں نبی کریم ﷺ نے (ان کی تعظیم وتکریم اور ان کی خوشی کے لئے) اپنی مبارک چادر بچھادی اور وہ اس پر بیٹھ گئیں پھر جب وہ (کہیں) تشریف لے گئیں تو (ان لوگوں کو جو آپ ﷺ کی اس تعظیم وتکریم کی وجہ سے اور آپ ﷺ کی مبارک چادر پر ان خاتون کے بیٹھ جانے سے حیران و متعجب تھے) بتایا گیا کہ یہ وہ خاتون ہیں جنہوں نے نبی کریم ﷺ کو دودھ پلایا تھا"۔ (ابوداؤد)

تشریح: مواھب میں ہے کہ غزوہ حنین کے موقع پر حلیمہ آپ علیہ السلام کے پاس آئیں، تو آپ ان کے لئے کھڑے ہو گئے اور اپنی چادر ان کے لئے بچھائی اور وہ اس پر بیٹھ گئیں۔

اسلام لانے پر چار عورتوں سے زائد نکاح میں نہیں رکھ سکتا

۳۱۷۶: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ غَيْلَانَ بْنَ سَلَمَةَ الثَّقَفِيَّ اَسْلَمَ وَلَهٗ عَشْرُ نِسْوَةٍ فِي الْجَاهِلِيَّةِ وَاَسْلَمْنَ مَعَهٗ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اَمْسِكْ اَرْبَعًا وَفَارِقْ سَائِرَهُنَّ۔ (رواه احمد والترمذی وابن ماجة)

اخرجه الترمذي في السنن ٤١٥/٣ الحديث رقم ١١٢٨ وابن ماجه في ٦٢٨/١ الحديث رقم ١٩٥٣ واحمد في المسند ٤٤/٢

ترجمہ: "اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جب غیلان بن سلمہ رضی اللہ عنہ ثقفی مسلمان ہوئے تو ان کی دس بیویاں تھیں جن سے انہوں نے ایام جاہلیت میں شادیاں کی تھیں چنانچہ ان کے ساتھ ان کی وہ بیویاں بھی مسلمان ہوگئیں چنانچہ نبی اکرم ﷺ نے انہیں حکم دیا کہ ان میں سے چار بیویوں کو (اپنے نکاح میں) رکھو اور باقی کو علیحدہ کردو"۔ (احمد' ترمذی' ابن ماجہ)

تشریح: "سلمۃ": ایک نسخہ میں سلامۃ ہے۔

غیلان: غین کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

قوله: أمسك أربعا وفارق سائرهن: شیخ مظہر فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ کفار کے نکاح صحیح ہوتے ہیں یہاں تک کہ جب وہ اسلام قبول کرلیں، تو ان کو تجدید نکاح کا حکم نہیں دیا جائے گا۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ جب وہ یہ کہیں کہ میں نے فلاں اور فلاں عورت کو نکاح کے لئے اختیار کیا، تو ان کا نکاح ثابت رہ جائے گا، اور باقیوں سے جدائی ہو جائے گی بغیر طلاق دیئے۔ امام طیبی فرماتے ہیں کہ اتنا ہی کافی ہے کہ وہ کہے میں نے فلاں کو اختیار کیا۔ امام محمد موطأ میں فرماتے ہیں کہ ہم اسی کو لیتے ہیں، وہ اپنی بیویوں میں سے جن چار کو چاہئے اختیار کر لے، اور باقی کو الگ کر دے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ پہلی چار عورتوں کا نکاح جائز اور باقیوں کا باطل ہے، اور یہی ابراہیم نخعی رحمہ اللہ کا قول ہے۔ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ امام محمد کا قول زیادہ معتبر ہے۔

اور ہدایہ میں ہے کہ مرد کے لئے چار سے زائد عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اس پر چار ائمہ اور جمہور مسلمانوں کا اتفاق ہے۔ البتہ لونڈیاں جتنی چاہے رکھ سکتا ہے۔ فتاویٰ میں ہے کہ ایک آدمی جس کی چار بیویاں اور ہزار لونڈیاں ہوں اور اس کا ارادہ ہو ایک اور باندی خریدنے کا اور کسی آدمی نے اس کو ملامت کیا، تو ملامت کرنے والے پر کفر کا خطرہ ہے۔

علماء فرماتے ہیں کہ ایک آدمی اس وجہ سے کسی عورت سے نکاح کرنا چھوڑ دیتا ہے کہ اس کی بیوی پریشان نہ ہو تو وہ ماجور ہو گا، اور روافض نے نو آزاد عورتوں سے نکاح کو جائز قرار دیا ہے، اور یہ نخعی اور ابن ابی لیلیٰ سے بھی نقل کیا گیا ہے۔

اور خوارج نے اٹھارہ کو جائز قرار دیا ہے، اور بعض لوگوں سے منقول ہے کہ بلا حصر جتنی عورتوں سے چاہے نکاح کر سکتا ہے۔ ان تمام اقوال کی وجوہات شرح ہدایہ میں تفصیل کیساتھ موجود ہیں اور یہ حدیث تخصیص پر نص ہے۔

چار سے زائد میں سے کسی ایک سے علیحدگی کر لی جائے

۳۱۷۷: وَعَنْ نَوْفَلِ بْنِ مُعَاوِيَةَ قَالَ اَسْلَمْتُ وَتَحْتِي خَمْسُ نِسْوَةٍ فَسَأَلْتُ النَّبِيَّ ﷺ فَقَالَ فَارِقْ وَاحِدَةً وَاَمْسِكْ اَرْبَعًا فَعَمِدْتُ اِلَى اَقْدَمِهِنَّ صُحْبَةً عِنْدِي عَاقِرٍ مُنْذُ سِتِّيْنَ سَنَةً فَفَارَقْتُهَا۔

(رواه في شرح السنة)

اخرجه البغوي في شرح السنة ۹/ ۹۰ الحديث رقم ۲۲۸۹۔

ترجمہ: ''اور حضرت نوفل بن معاویہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب میں مسلمان ہوا تو میرے نکاح میں پانچ عورتیں تھیں۔ چنانچہ میں نے (اس بارے میں) نبی کریم ﷺ سے دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ایک کو علیحدہ کر دو اور چار کو باقی رکھو''۔ (آپ ﷺ کا یہ حکم سن کر) میں نے اپنی سب سے پہلی بیوی کو جو بانجھ تھی اور ساٹھ سال سے میری شریک حیات تھی کو اپنے سے علیحدہ کر دیا''۔ (شرح السنۃ)

حالاتِ راوی:

نوفل بن معاویۃ ۔ یہ نوفل "معاویہ" کے بیٹے ہیں اور دیلی کہلاتے ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ زمانہ اسلام سے پہلے ان کی عمر کے ساٹھ (۶۰) برس گزرے اور اسلام میں ساٹھ سال ہی گذرے۔ کہا گیا ہے کہ ایسا نہیں بلکہ صرف سو (۱۰۰) سال زندہ رہے۔ سب سے پہلے غزوہ فتح مکہ میں شریک ہوئے۔ مشرف با اسلام پہلے ہو چکے تھے۔ اہل حجاز میں ان کا شمار ہے۔ یزید بن معاویہ کے عہد میں مدینہ میں وفات پائی۔ کچھ لوگ ان سے روایت کرتے ہیں۔ "دیلی" میں دال مکسور اور یاء ساکن ہے۔

تشریح: قوله :فعمدت الی امدتهن......:

"عاقر": جر کے ساتھ صفت ہے "اقدمهن" کے لئے، امام طیبی فرماتے ہیں کہ اس سے بدل ہے ان لوگوں کی رائے کے مطابق جو کہتے ہیں کہ افعل التفضیل کی اضافت محضہ نہیں ہوتی۔ اور صاحب لباب نے اس آیت سے استدلال کیا ہے: ﴿وَلَتَجِدَنَّهُمْ اَحْرَصَ النَّاسِ عَلٰی حَیٰوةٍ ۚ وَمِنَ الَّذِیْنَ اَشْرَكُوْا ۚ......﴾ [البقرة:۹۶] "بلکہ ان کو تم اور لوگوں سے زندگی کے کہیں حریص دیکھو گے یہاں تک کہ مشرکوں سے بھی ان میں سے ہر ایک یہی خواہش کرتا ہے؟ ہ کاش وہ ہزار برس جیتا رہے مگر اتنی لمبی عمر اس کو مل بھی جائے تو اسے عذاب سے تو نہیں چھڑا سکتی اور جو کام یہ کرتے ہیں خدا ان کو دیکھ رہا ہے" اور عرب کے اس قول سے بھی استدلال کیا ہے: مررت برجل الناس. ای من افضل الناس.

اس کی تشریح اس سے پچھلی حدیث میں گزر چکی ہے۔

۳۱۷۸: وَعَنِ الضَّحَّاكِ بْنِ فَيْرُوْزَ الدَّيْلَمِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّي اَسْلَمْتُ وَتَحْتِيْ اُخْتَانِ قَالَ اخْتَرْ اَيَّتَهُمَا شِئْتَ۔ (رواه الترمذی وابوداود وابن ماجة)

اخرجه ابوداود فی السنن ۶۷۸/۲ الحدیث رقم ۲۲۴۳ والترمذی فی ۴۳۶/۳ الحدیث رقم ۱۱۳۰ وابن ماجه فی ۶۲۷/۱ الحدیث رقم ۱۹۵۱۔

ترجمہ: "اور حضرت ضحاک بن فیروز دیلمی اپنے والد (حضرت فیروز رضی اللہ عنہ) سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں مسلمان ہو گیا ہوں اور میرے نکاح میں دو بہنیں ہیں (اس بارے میں کیا حکم ہے؟) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان دونوں میں سے جس ایک کو چاہو اختیار کر لو (اور ایک کو علیحدہ کر دو)"۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

حالاتِ راوی:

ضحاک بن فیروز ۔ یہ ضحاک بن فیروز دیلمی "تابعی" ہیں۔ ان کی حدیث بصریوں میں شائع ہے۔ اپنے والد سے روایت کرتے ہیں۔ "ضحاک" میں حائے مہملہ مشدد ہے۔ "فیروز" میں فاء مفتوح ہے۔ عجمہ اور علمیت کی وجہ سے غیر منصرف ہے۔

قوله: اختر ایتهما شئت: مظہر فرماتے ہیں کہ امام شافعی، مالک اور احمد کے نزدیک اگر کسی آدمی نے اسلام قبول کیا اور

اس کے نکاح میں دو بہنیں ہوں، اور وہ بھی اس کے ساتھ مسلمان ہوگئیں تو اس کو اختیار ہے' جس کو چاہے نکاح میں رکھ لے، جس کو اختیار کیا ہے خواہ اس کا نکاح پہلے ہوا ہو یا بعد میں۔ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اگر اس نے دونوں سے ایک ساتھ نکاح کیا تھا، تو پھر کسی ایک کو بھی نکاح میں نہیں رکھ سکتا ہے، اور اگر یکے بعد دیگرے نکاح کیا تھا، تو جس کے ساتھ پہلے نکاح ہوا تھا' اس کو رکھ سکتا ہے' دوسری کو نہیں رکھ سکتا۔

کس خاوند کو ملے گی؟

۳۱۷۹: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ اَسْلَمَتِ امْرَاَةٌ فَتَزَوَّجَتْ فَجَاءَ زَوْجُهَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّي قَدْ اَسْلَمْتُ وَعَلِمَتْ بِاِسْلَامِي فَانْتَزَعَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم مِنْ زَوْجِهَا الْاٰخِرِ وَرَدَّهَا اِلٰى زَوْجِهَا الْاَوَّلِ (وَفِيْ رِوَايَةٍ) اَنَّهُ قَالَ اِنَّهَا اَسْلَمَتْ مَعِيَ فَرَدَّهَا عَلَيْهِ۔

(رواه ابوداؤد)

اخرجه ابوداؤد في السنن ٢/٦٧٤ الحديث رقم ٢٢٣٨ والترمذي في ٣/٤٤٩ الحديث رقم ١١٤٤ وابن ماجه في ١/٦٤٧ الحديث رقم ٢٠٠٨۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ایک عورت نے اسلام قبول کیا اور پھر اس نے (ایک شخص سے) نکاح کر لیا' اس کے بعد اس کا شوہر نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ یا رسول اللہ! میں اسلام قبول کر چکا ہوں اور میری اس بیوی کو میرے اسلام قبول کر لینے کا علم تھا (لیکن اس کے باوجود اس نے دوسرے شخص سے نکاح کر لیا) چنانچہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس عورت کو دوسرے شوہر سے علیحدہ کر کے پہلے شوہر کی جانب لوٹا دیا اور ایک روایت میں یوں ہے کہ ''اس پہلے شوہر نے یہ کہا کہ وہ عورت (یعنی میری بیوی جس نے اب دوسرے شخص سے نکاح کر لیا ہے) میرے ساتھ ہی مسلمان ہوئی تھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے یہ (سن کر) اس عورت کو اسی (پہلے شوہر) کی جانب لوٹا دیا''۔ (ابوداؤد)

تشریح: ''الاخر'': خاء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

'' وروی'': صیغہ مجہول کے ساتھ ہے اور معروف کے ساتھ بھی ہوسکتا ہے اس صورت میں ضمیر فاعل صاحب مصابیح کی طرف راجع ہوگی۔

۳۱۸۰: وَرُوِيَ فِيْ شَرْحِ السُّنَّةِ اَنَّ جَمَاعَةً مِّنَ النِّسَاءِ رَدَّهُنَّ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم بِالنِّكَاحِ الْاَوَّلِ عَلٰى اَزْوَاجِهِنَّ عِنْدَ اجْتِمَاعِ الْاِسْلَامَيْنِ بَعْدَ اخْتِلَافِ الدِّيْنِ وَالدَّارِ مِنْهُنَّ بِنْتُ الْوَلِيْدِ بْنِ مُغِيْرَةَ كَانَتْ تَحْتَ صَفْوَانَ ابْنِ اُمَيَّةَ فَاَسْلَمَتْ يَوْمَ الْفَتْحِ وَهَرَبَ زَوْجُهَا مِنَ الْاِسْلَامِ فَبَعَثَ اِلَيْهِ ابْنُ عَمِّهِ وَهْبَ بْنَ عُمَيْرٍ بِرِدَاءِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اَمَانًا لِصَفْوَانَ فَلَمَّا قَدِمَ جَعَلَ

لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْيِيْرًا اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ حَتّٰى اَسْلَمَ فَاسْتَقَرَّتْ عِنْدَهُ وَاَسْلَمَتْ اُمُّ حَكِيْمٍ بِنْتِ الْحَارِثِ بْنِ هِشَامٍ امْرَاَةُ عِكْرِمَةَ بْنِ اَبِيْ جَهْلٍ يَوْمَ الْفَتْحِ بِمَكَّةَ وَهَرَبَ زَوْجُهَا مِنَ الْاِسْلَامِ حَتّٰى قَدِمَ الْيَمَنَ فَارْتَحَلَتْ اُمُّ حَكِيْمٍ حَتّٰى قَدِمَتْ عَلَيْهِ الْيَمَنَ فَدَعَتْهُ اِلَى الْاِسْلَامِ فَاَسْلَمَ فَثَبَتَا عَلٰى نِكَاحِهِمَا ۔ (رواه مالك عن ابن شهاب مرسلا)

اخرجه مالك في الموطأ ٢/٥٤٣ الحديث رقم ٤٤ من كتاب النكاح

ترجمہ: ''اور شرح السنۃ میں یہ روایت نقل کی گئی ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے بہت سی عورتوں کو ان کے پہلے نکاح کے مطابق ان کے شوہروں کی جانب لوٹا دیا تھا اگرچہ ان کے شوہر ایک وقت تک دین اور ملک کے فرق کے بعد ان کے ساتھ اسلام کی صف میں شامل ہو گئے تھے (یعنی غیر مسلم میاں بیوی میں سے کسی ایک کے اسلام قبول کر لینے کی وجہ سے اور ایک کے دارالاسلام میں اور دوسرے کے دارالحرب میں رہنے کی وجہ سے گویا دونوں کے درمیان مذہبی اور ملکی بعد و اختلاف واقع ہو جاتا تھا مگر جب وہ دوسرا بھی اسلام قبول کر لیتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے سابقہ نکاح کو باقی رکھتے ہوئے بیوی کو شوہر کے حوالہ کر دیتے تھے۔ گویا قبولیت اسلام کے بعد تجدید نکاح کی ضرورت نہیں ہوتی تھی) چنانچہ ان عورتوں میں ایک عورت ولید بن مغیرہ کی بیٹی بھی تھی جو صفوان بن امیہ کے نکاح میں تھی۔ یہ عورت (اپنے شوہر سے پہلے) فتح مکہ کے دن مسلمان ہوگئی جبکہ اس کے شوہر نے اسلام (قبول کرنے) سے فرار اختیار کیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے شوہر (صفوان بن امیہ) کی امان کے لئے اس کے پاس اس کے چچا کے بیٹے وہب بن عمیر رضی اللہ عنہ کو اپنی مبارک چادر دے کر بھیجا (یعنی آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وہب رضی اللہ عنہ کو بطور علامت اپنی چادر دے کر بھیجا کہ وہ صفوان کو یہ چادر دکھا کر مطلع کریں کہ قتل و تشدد سے تمہیں امان دی گئی ہے تم بلا خوف و خطر آ سکتے ہو) پھر جب صفوان آ گئے تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے لئے چار ماہ (مسلمانوں کے درمیان) سیر کرنے کی مہلت عطا فرمائی۔ (یعنی انہیں اجازت دی گئی کہ وہ پورے امن و امان کے ساتھ چار مہینے تک مسلمانوں کے درمیان گھومیں پھریں تاکہ وہ مسلمانوں کی عادات و اطوار کا اچھی طرح مشاہدہ کر سکیں چنانچہ وہ چند دنوں تک مسلمانوں کے درمیان گھومتے پھرتے رہے) یہاں تک کہ صفوان بھی (اپنی بیوی کے مسلمان ہونے کے دو مہینے بعد) مسلمان ہو گئے اور وہ (ولید کی بیٹی جو ان کے نکاح میں تھی) ان کی بیوی برقرار رہی۔ (اسی طرح) ان عورتوں میں ایک عورت اُم حکیم تھیں جو حارث بن ہشام رضی اللہ عنہ کی بیٹی تھیں اور ابوجہل کے بیٹے عکرمہ رضی اللہ عنہ کی بیوی تھیں' انہوں نے بھی فتح مکہ کے دن مکہ میں اسلام قبول کیا جبکہ ان کے شوہر (عکرمہ) نے اسلام (قبول کرنے) سے فرار اختیار کیا اور یمن چلے گئے چنانچہ (کچھ دنوں کے بعد) اُم حکیم رضی اللہ عنہا بھی (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے حکم سے اپنے شوہر کو راہِ راست پر لانے کے لئے) یمن تشریف لے گئیں اور انہوں نے اپنے شوہر عکرمہ رضی اللہ عنہ کو اسلام قبول کرنے کی دعوت دی یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو گئے اور ان دونوں کا نکاح باقی رہا۔ اس روایت کو امام مالکؒ نے ابن شہاب سے طریق ارسال نقل کیا ہے''۔

تشریح: " وروی فی شرح السنة...... الولید بن مغیرة:

"صفوان بن امیة": تصغیر کے ساتھ ہے۔

"عمیر": یہ بھی تصغیر کے ساتھ ہے۔

"تسییر": یہ بروزن تفعیل ہے "سیر" سے مشتق ہے، ایک شہر سے دوسرے شہر کی طرف اخراج کے معنیٰ میں آتا ہے۔ تورپشتی فرماتے ہیں کہ "سیره من بلده" کا معنیٰ ہے: اخرجه وأجلاه.

"برداء رسول الله": بظاہر یہ "بردائه" ہونا چاہئے تھا' ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کو رکھا گیا ہے۔ اور ایک نسخہ میں "فبعث" بصیغہ مجہول اور مابعد کے رفع کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں کوئی اشکال نہیں ہے۔ امام طیبی فرماتے ہیں کہ ظاہر یہ ہے کہ یہ "ردائه" ہے' یہ مقام ظاہر کو مضمر کی جگہ میں رکھنے کا نہیں ہے اس لئے کہ باعث خود رسول اللہ ﷺ ہیں اور مبعوث وہب بن عمیر ہیں۔

"تسییر اربعة اشهر": امام طیبی فرماتے ہیں کہ مصدر کی اضافت ظرف کی طرف وسعت کی وجہ سے ہے۔ جیسے "یا سارق اللیلة" میں ہے۔ (انتہیٰ)۔

الٰی زوجها الاول :

شرح السنہ میں ہے کہ یہ حدیث دلیل ہے اس بات پر کہ اگر کوئی عورت شوہر پر دعویٰ کرے جدائی کا، بعد اس کے کہ ان کے مابین نکاح معلوم ہو، اور شوہر اس کا انکار کرے تو شوہر کا قول معتبر ہوگا قسم کے ساتھ، چاہے اس عورت نے دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اسی طرح اگر میاں، بیوی دونوں مسلمان ہو گئے دخول کرنے سے پہلے، پھر ان میں اختلاف ہوا، شوہر کہتا ہے کہ ہم نے ایک ساتھ اسلام قبول کیا ہے اور ہمارے درمیان نکاح باقی ہے اور عورت کہتی ہے کہ نہیں بلکہ ہم میں سے ایک پہلے مسلمان ہوا ہے دوسرا بعد میں ہوا ہے، اور ہمارے درمیان نکاح باقی نہیں ہے، تو شوہر کا قول معتبر ہوگا۔ اور اسی طرح اگر یہ اختلاف دخول کے بعد ہو، کہ عورت نے اسلام قبول کیا اور اس کی عدت گزر گئی اور شوہر نے دعویٰ کیا کہ اس نے بھی اسی وقت اسلام قبول کیا تھا تو شوہر کا قول معتبر ہوگا۔

شیخ مظہر فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ جب دونوں اسلام قبول کرلیں عدت گزرنے سے پہلے' تو ان کے درمیان نکاح برقرار رہے گا، چاہے یہ اسلام سے پہلے ایک ہی دین پر ہوں جیسے کہ دونوں اہل کتاب ہوں، یا دونوں بت پرست ہوں، یا ایک ایک دین پر ہو اور دوسرا دوسرے دین پر ہو، اور چاہے دونوں دار الاسلام میں ہوں، یا دار الحرب میں ہوں یا ایک دار الاسلام میں ہو اور دوسرا دار الحرب میں ہو۔ یہ امام شافعی اور امام احمد کا مذہب ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ان کے درمیان جدائی تین چیزوں میں سے کسی ایک کے ذریعے ہوگی: ① عدت گزرنے سے۔ ② دوسرے پر اسلام پیش کرنے سے جبکہ وہ قبول کرنے سے انکار کردے۔ ③ کسی ایک کے دار الاسلام سے دار الحرب منتقل ہو جانے سے یا اس کے برعکس کرنے سے۔ امام صاحب کے نزدیک اسلام قبل از دخول اور بعد از دخول دونوں برابر ہے۔

شرح السنہ میں ہے کہ اس بات کی دلیل کہ اختلاف دارین سے جدائی لازم نہیں آتی وہ حدیث ہے جو عکرمہ نے ابن

عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کی ہے کہ ابن عباس نے فرمایا: رسول اللہؐ نے اپنی بیٹی زینب کو ابو العاص کی طرف لوٹایا نکاح اول کے ساتھ اور نیا نکاح نہیں کیا۔ اور ان میں دارین کے اعتبار سے جدائی ہو چکی تھی۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اس بات میں اختلاف ہے کہ اختلاف دارین حقیقۃً اور حکماً کیا زوجین کے درمیان جدائی کو لازم کرتا ہے؟ تو ہم کہتے ہیں کہ ہاں اور امام شافعیؒ کہتے ہیں کہ نہیں۔ اور اس میں اختلاف ہے کہ کیا قید کرنے سے جدائی لازم آتی ہے یا نہیں؟ ہم کہتے ہیں کہ نہیں اور امام شافعی کہتے ہیں کہ ہاں اور یہی امام مالک اور امام احمد کا قول ہے۔ پس اس پر چار صورتیں متفرع ہوتی ہیں، جن میں سے دو دو اتفاقی ہیں، جو یہ ہیں:

① اگر شوہر اور بیوی ہمارے پاس (یعنی دارالاسلام اکھٹے آ جائیں دونوں ذمی ہو کر یا مسلمان بن کر یا مستامن بن کر اور پھر اسلام قبول کر لیں، یا ذمی بن جائیں تو بالاتفاق جدائی واقع نہیں ہوگی۔

② اگر ان میں سے کوئی ایک قید ہو جائے تو بالاتفاق جدائی واقع ہو جائے گی۔ ان کے نزدیک قید ہونے کی وجہ سے، اور ہمارے نزدیک تباین دارین کی وجہ سے۔

دو صورتیں اختلافی ہیں:

① جب ان میں سے ایک ہماری طرف آئے مسلمان ہو کر یا ذمی بن کر یا مستامن ہو کر، پھر وہ مسلمان ہو جائے یا ذمی بن جائے تو ہمارے نزدیک جدائی واقع ہو جائے گی۔ اب اگر وہ مرد ہے تو اس کے لئے فی الحال چار عورتوں سے نکاح کرنا جائز ہے، دارالحرب میں موجود بیوی کی اس بہن سے جو دارالاسلام میں ہے نکاح کرنا جائز ہے۔

دوسرے فقہاء کے نزدیک جدائی واقع نہ ہوگی اس مرد اور اس کی بیوی کے درمیان جو دارالحرب میں ہے۔ ہاں اگر عورت جو شوہر کو ناپسند کرنے کی وجہ سے نکلی ہو تو اس ناپسندیدگی کی وجہ سے فرقت واقع ہو جائے گی۔

② جب دونوں شوہر اور بیوی ایک ساتھ قید ہو جائیں تو امام شافعی کے نزدیک جدائی واقع ہو جائے گی۔ چنانچہ استبراء رحم کے بعد قید کرنے والے کے لئے اس سے وطی کرنا جائز ہے۔ اور ہمارے نزدیک جدائی واقع نہ ہوگی کیونکہ اس صورت میں تباین دارین نہیں پایا جاتا ہے۔ دلائل اور جوابات شرح ہدایہ میں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔

قولہ: منھن بنت الولید بن مغیرۃ...... بر داء رسول اللہ ﷺ:

الاستیعاب میں ذکر ہے کہ عمیر بن وہب نے رسول اللہ ﷺ سے صفوان کے لئے امان مانگی تھی جب وہ اور ان کے بیٹے وہب بن عمیر بھاگ گئے تھے۔ چنانچہ آپؐ نے ان کو امان دی، اور اپنی چادر مبارک وہب ابن عمیر کو دے کر صفوان کو امن دینے کے لئے بھیجا۔

تسییر اربعۃ اشھر: اس حدیث میں اس کا مطلب یہ ہے کہ ان کو زمین میں امن کے ساتھ گھومنے پھرنے کی اجازت اور قدرت دی کہ وہ چار ماہ تک مسلمانوں کے درمیان گھومیں پھریں اور ان کی سیرت کو دیکھیں۔ اشارہ ہے اس آیت کی طرف: ﴿فسیحوا فی الارض أربعة اشھر﴾ (توبہ: ۲)۔ پس وہ امن کے ساتھ مسلمانوں میں گھومے پھرے یہاں تک کہ اللہ نے ان کو اسلام کی توفیق دے دی۔

حتی اسلم :امام طیبی فرماتے ہیں کہ اپنی بیوی کے قبول اسلام کے دو ماہ بعد انہوں نے بھی اسلام قبول کیا تھا۔
فاستقرت عنده :اس میں احتمال ہے کہ نکاح اول کے ساتھ برقرار رکھا ہو، اور یہ احتمال بھی ہے کہ نکاح کی تجدید کی ہو۔ لہٰذا اس سے استدلال نہیں کیا جاسکتا ہے، علاوہ ازیں یہ تباین دارین پر بھی دلالت نہیں کرتا۔
ابن ہمام فرماتے ہیں کہ عکرمہ ساحل کی طرف بھاگے تھے اور ساحل مکہ کی حدود میں ہے تو ان میں تباین دارین واقع نہیں ہوا تھا۔
اور جو استدلال ابوسفیان کے واقعہ سے کیا جاتا ہے کہ وہ مرظہران میں رسول اللہؐ کے معسکر میں مسلمان ہوئے تھے جس وقت حضرت عباس انہیں لے کر آئے تھے اور ان کی بیوی ہندہ مکہ میں تھی، اور مکہ اس وقت تک دارالحرب تھا۔ اور آپ علیہ السلام نے ان کو تجدید نکاح کا حکم نہیں دیا۔ پس حق یہ ہے کہ اس وقت ابوسفیان کا اسلام صرف ظاہری طور پر تھا اور حقیقت میں وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے بلکہ فتح مکہ کے بعد بھی وہ مخلص مسلمان نہیں تھے، اور وہ غزوہ حنین میں حاضر ہوئے جیسے کہ سیر کی صحیح روایات سے معلوم ہوتا ہے۔ اس کے بعد یہ مخلص مسلمان بنے تھے اور اس سے پہلے جو ابوسفیان مخلص مسلمان تھے وہ ابوسفیان بن حارث تھے۔
اور جو استدلال ابوالعارض بن ربیع رسول اللہ کی بیٹی زینب کے شوہر کے تباین دارین سے کیا گیا ہے، کہ زینبؓ نے مدینہ کی طرف جب ہجرت کی اس وقت ابوالعاص مکہ میں حالت شرک پر تھے اور کئی سال بعد آ کر مسلمان ہوئے تھے۔ بعض کہتے ہیں کہ تین سال بعد' بعض کہتے ہیں کہ چھ سال بعد، اور بعض کہتے ہیں کہ آٹھ سال بعد مسلمان ہوئے تھے، اور آپ علیہ السلام نے نکاح اول کے ساتھ زینب کو ان کے حوالے کیا تھا۔ تو اس کا جواب یہ ہے کہ زینب کو نکاح جدید کے ساتھ لوٹایا تھا۔ اس کو روایت کیا ہے ترمذی، ابن ماجہ، اور امام احمد نے۔ اب اگر دونوں احادیث میں جمع ممکن ہو تو یہ زیادہ اولیٰ ہے کسی ایک حدیث کو چھوڑنے سے۔ اور جمع اس طرح ہوسکتا ہے کہ حدیث کے یہ الفاظ "علی النکاح الاول" کو محمول کیا جائے اس پر کہ نکاح اول کی وجہ سے ان کی عظمت کی رعایت کرتے ہوئے دوبارہ ان کے ساتھ نکاح کر دیا۔
اور بعض نے کہا ہے:" ردھا علی النکاح الاول لم یحدث شیأ .کا مطلب ہے کہ نکاح اول کی طرح نکاح کیا، یعنی مہر وغیرہ میں کوئی زیادتی نہیں کی اور یہ بہتر تاویل ہے۔
اور ہم نے جو ذکر کیا ہے وہ مثبت ہے اور "علی النکاح الاول" نافی ہے، اس لئے کہ وہ اصل پر باقی رکھنے والا ہے۔ اور پھر یہ بات بھی ہم یقین سے کہتے ہیں کہ زینب اور ابوالعاص کے درمیان جدائی دس سال سے زائد مدت کے بعد واقع ہوئی تھی، اس لئے کہ زینب مکہ میں اسلام قبول کر چکی تھیں، ابتداء دعوت کے زمانہ میں' جب آپ علیہ السلام نے خدیجہ اور ان کی بیٹیوں کو دعوت دی۔ پس دارالحرب میں کئی مرتبہ وہ مدت گزری جس میں وہ ان سے جدا ہوئی تھیں، اور ان کے ہاں اولاد بھی پیدا ہوئی۔ روایت میں ہے کہ وہ حاملہ تھیں اور ہجرت مدینہ کے وقت ان کا حمل ساقط ہوا تھا۔ ہبار بن الاسود نے ان کو نیزے سے مارا۔ اور ابوالعاص فتح مکہ سے تھوڑی مدت پہلے تک شرک پر تھے، پس وہ شام کی طرف تجارت کے لئے نکلے۔ پس مسلمانوں کی ایک جماعت نے ان کا مال لے لیا اور یہ ان سے بھاگنے میں کامیاب ہوگئے۔ رات کو زینب کے ہاں آئے، تو زینب نے ان کو پناہ دی۔ پھر رسول اللہؐ نے مسلمانوں کی جماعت سے بات کی تو انہوں نے ان کا مال واپس کر دیا۔ یہ مال لے کر مکہ آئے، لوگوں کی امانتیں اور وہ سب

کچھ جو کچھ اہل مکہ نے ان کے پاس رکھا تھا لوٹایا۔ یہ امانت دار اور شریف آدمی تھے۔ پس کسی کی ایک رسی بھی ان پر باقی نہ رہی، تو ان نے اعلان کیا کہ اے مکہ والو! تم میں سے میرے پاس کسی کا کوئی مال ہے جو اس نے نہ لیا ہو، تو انہوں نے کہا کہ نہیں، اللہ تجھے جزاء خیر دے ہم نے تجھے واپس کرنے والا شریف پایا۔ تو پھر کلمہ شہادت پڑھا: **اشهد ان لا اله الله واشهد ان محمدا عبده ورسوله**، اور کہا کہ خدا کی قسم! حضورؐ کے پاس مجھے اسلام قبول کرنے سے کسی چیز نے نہیں روکا سوائے اس بات سے ڈر نے کہ تم یہ گمان کرو گے کہ میں نے تمہارے مال کو کھانے کا ارادہ کر لیا ہے۔ پس جب اللہ نے تمہارے اموال کو تمہارے طرف لوٹا دیا اور میں اس کے ذمہ سے فارغ ہو گیا ہوں تو میں نے اسلام قبول کر لیا ہے، پھر وہ مکہ سے نکل کر آپ ﷺ کے پاس آ گئے۔ باقی روایات میں جو یہ ذکر ہے کہ یہ چھ سال یا آٹھ سال یا تین سال کے بعد ہوا، تو اس وقت سے ہے جب سے ان کے درمیان تفرق ابدان ہوا تھا۔ اور یہ غزوہ بدر کے بعد ہوا تھا۔

باقی جہاں تک تعلق ہے بینونت کا کہا گیا ہے کہ یہ بہت پہلے ہوئی تھی۔ اس لئے کہ اگر زینب کے اسلام قبول کرنے کے بعد ہوئی ہے تو پھر بیس سال کے قریب کا زمانہ ہے ان کے اسلام تک۔ اور اگر اس آیت کے نزول کے بعد ہوئی ہے: ﴿وَلَا تُنكِحُوا الْمُشْرِكِينَ حَتَّىٰ يُؤْمِنُوا﴾ [البقرة:۲۲۱] "اور نکاح مت کرو کافر عورتوں کے ساتھ جب تک کہ وہ مسلمان نہ ہو جاویں"۔ یہ آیت مکی ہے تو پھر دس سے زائد کا عرصہ ہوا ہے۔ علاوہ ازیں اس آیت کے نزول کے بعد ابوالعاص نے زینب کو اپنے پاس روک رکھا تھا اور اس وقت مسلمان مغلوب تھے۔ یہاں تک کہ جب بدر کے قیدیوں میں ابوالعاص بھی قید ہوئے، اور اہل مکہ نے قیدیوں کو چھڑانے کے لئے فدیئے بھیجے تو زینبؓ نے ابوالعاص کو چھڑانے کے لئے ایک ہار بھیجا جو حضرت خدیجہ نے ان کو دیا تھا، جب رسول اللہ ﷺ نے اسے دیکھا، تو آپؐ کا دل بھر آیا اور رونے لگے۔ اور وہ ہار زینب کو لوٹا دیا، اور ابوالعاص کو اس کی وجہ سے رہا کر دیا۔ جب ابوالعاص مکہ پہنچے تو زینب کو حضورؐ کے پاس بھیج دیا۔ اس لئے کہ رسول اللہ نے ان کو رہا کرنے کے وقت ان پر یہ شرط لگائی تھی۔

اور یہ ایسا معاملہ ہے کہ اس میں دو آدمیوں کا بھی اختلاف نہیں ہو سکتا۔ اس کی وجہ سے ہم یقین سے کہتے ہیں کہ زینب کو لوٹانا نکاح جدید کے ساتھ ہوا، جیسا کہ اس حدیث میں ہے۔ جو عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے مروی ہے۔ اور "علی النکاح الاول" والی روایت کی تاویل ضروری ہے جیسا کہ ہم نے ذکر کیا۔ اور جان لے کہ حضورؐ کی بیٹیوں میں سے کوئی بھی بعثت سے قبل کفر کے ساتھ متصف نہ تھی کہ یہ کہا جائے کہ اس نے ایمان قبول کیا بعد اس کے کہ وہ مؤمنہ نہ تھی۔

علماء کا اتفاق ہے کہ اللہ نے ایسا کوئی نبیؐ نہیں بھیجا ہے کہ جس نے آنکھ جھپکنے کے بقدر شرک کیا ہو۔ اور بچہ والدین میں سے مؤمن کا تابع ہوتا ہے۔ تو اس سے لازم ہوا کہ آپؐ کی بیٹیاں سب کی سب شروع ہی سے مسلمان تھیں، ہاں بعثت سے پہلے اسلام ملت ابراہیمی کی اتباع کو کہتے تھے، اور جب بعثت واقع ہوئی تو دعوت کے پہنچنے کے بعد کفر منکر کے انکار سے ثابت ہوا۔ اور اپنی اولاد کے سامنے پہلی مرتبہ بعثت کے ذکر کرنے کے وقت ان میں سے کسی نے توقف اختیار نہیں کیا۔

باقی اوطاس کے قیدی تو ان کے بارے میں یہ ہے کہ وہ صرف عورتیں تھی۔ ترمذی نے حضرت ابوسعید سے روایت ہے کہ:

ہم نے اوطاس کے قیدیوں کو اس حال میں پایا کہ ان کے شوہر ان کی قوم میں تھے۔ تو لوگوں نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ

کے سامنے کیا تو یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَّالْمُحْصَنٰتُ مِنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ......﴾ [النساء:٢٤] ''اور شوہر والی عورتیں بھی (تم پر حرام ہیں) مگر وہ جو (اسیر ہوکر لونڈیوں کے طور پر) تمہارے قبضے میں آ جائیں۔''

اور باقی حربی مستأمن پر قیاس کرنا، تو اس کا جواب یہ ہے کہ یہاں تباین نہیں پایا جاتا۔ اس لئے کہ جس چیز کا دعویٰ کیا گیا ہے وہ تباین ہے حقیقۃً اور حکماً۔ اور تباین یہ ہے کہ اس کی وجہ سے جو شخص دارالحرب میں ہوتا ہے وہ مردے کے حکم میں ہوتا ہے، یہاں تک کہ اس کے مدبر غلام آزاد ہو جاتے ہیں، اور اس طرح ام ولد بھی آزاد ہو جاتیں ہیں اور اس کی میراث کو تقسیم کر دیا جاتا ہے، اور جو دارالاسلام میں ہو اس کا لوٹنا ممنوع ہو جاتا ہے۔ اور یہ معنیٰ مستأمن میں نہیں پایا جاتا۔

پس جب ہم نے برابر کر دیا وہ جو ہم نے ذکر کر دیا، تو باقی وہ رہا جو ہم نے ذکر کیا جو تباین کو لازم کرنے والا ہے وہ تباین جس سے جدائی لازم ہو جاتی ہے، اور یہ معارض سے سالم ہے، اور اس کے ساتھ دلیل نقلی بھی موجود ہے، وہ اللہ کا یہ ارشاد ہے:

﴿يٰۤاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْۤا اِذَا جَآءَكُمُ الْمُؤْمِنٰتُ مُهٰجِرٰتٍ فَامْتَحِنُوْهُنَّ ؕ اَللّٰهُ اَعْلَمُ بِاِيْمَانِهِنَّ ۚ فَاِنْ عَلِمْتُمُوْهُنَّ مُؤْمِنٰتٍ فَلَا تَرْجِعُوْهُنَّ اِلَى الْكُفَّارِ ؕ لَا هُنَّ حِلٌّ لَّهُمْ وَلَا هُمْ يَحِلُّوْنَ لَهُنَّ ؕ وَاٰتُوْهُمْ مَّاۤ اَنْفَقُوْا ؕ وَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ اَنْ تَنْكِحُوْهُنَّ اِذَاۤ اٰتَيْتُمُوْهُنَّ اُجُوْرَهُنَّ ؕ وَلَا تُمْسِكُوْا بِعِصَمِ الْكَوَافِرِ وَاسْئَلُوْا مَاۤ اَنْفَقْتُمْ وَلْيَسْئَلُوْا مَاۤ اَنْفَقُوْا ؕ ذٰلِكُمْ حُكْمُ اللّٰهِ ؕ يَحْكُمُ بَيْنَكُمْ ؕ وَاللّٰهُ عَلِيْمٌ حَكِيْمٌ﴾ [الممتحنة:١٠] ''اے ایمان والو! جب تمہارے پاس مسلمان عورتیں ہجرت کر کے آویں تو تم ان کا امتحان کر لیا کرو، ان کے ایمان کو اللہ ہی خوب جانتا ہے۔ پس اگر ان کو مسلمان سمجھو تو ان کو کفار کی طرف واپس مت کرو، نہ تو وہ عورتیں ان کافروں کے لئے حلال ہیں اور نہ وہ کافر ان عورتوں کے لئے حلال ہیں اور ان کافروں نے جو کچھ خرچ کیا ہو وہ ان کو ادا کرو۔ اور تم کو ان عورتوں سے نکاح کرنے میں کچھ گناہ نہ ہوگا، جب کہ تم اُن کے مہر اُن کو دیدو۔ اور تم کافر عورتوں کے تعلقات کو باقی مت رکھو۔''

پس تین نصوص جدائی پر دلالت کر رہی ہیں اور ''فلا ترجعوھن'' ''من وجہ اقتضاء النص کے طور پر جدائی پر دلالت کر رہا ہے۔

قوله: رواه مالك ...... عن ابن شهاب مرسلًا:

بظاہر تو ضمیر ان تمام روایات کی طرف راجع ہے جو شرح السنہ میں مروی ہیں لیکن مصنف کا طریقہ یہ ہے کہ وہ حدیث کو شرح السنہ کی طرف اس وقت منسوب کرتے ہیں جب اس حدیث کا شرح السنہ کے علاوہ کوئی مخرج نہ ملے۔ پس ظاہر یہ ہے کہ ضمیر کا مرجع ''منهن الخ'' ہے۔

کہا گیا ہے کہ رسول اللہ نے جب عکرمہ کو دیکھا تو خوشی سے ان کی طرف لپکے۔ میرک شاہ کی شرح شمائل میں ہے کہ رسول اللہ ﷺ اپنے بعض صحابہ کے لئے کھڑے ہوئے ہیں۔ جیسے عکرمہ بن ابی جہل، عدی بن حاتم، زید بن حارث اور جعفر بن ابی طالب رضی اللہ عنہم اجمعین۔

الفصل الثّالث:

محرماتِ نسبیہ اور صہریہ

۳۱۸۱: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ حُرِّمَ مِنَ النَّسَبِ سَبْعٌ وَمِنَ الصِّهْرِ سَبْعٌ ثُمَّ قَرَأَ حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ الْآيَةَ۔ (رواه البخاری)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۱۵۳/۹ الحدیث رقم ۵۱۰۵

ترجمہ: "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ سات رشتے نسب کی رو سے حرام قرار دیئے گئے ہیں اور سات ہی رشتے حرمت مصاہرت کی رو سے حرام قرار دیئے گئے ہیں۔ پھر حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس آیت: حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهَاتُكُمْ ...... کی تلاوت فرمائی"۔ (صحیح بخاری)

تشریح: "حرم": راء کی تشدید کے ساتھ مجہول کا صیغہ ہے۔

"الصهر": نہایہ میں ہے: "صهره واصهره" کا معنٰی ہے قریب کرنا، نزدیک کرنا، اور "صهر" حرمت تزویج کو کہتے ہیں۔ صہر اور نسب کے درمیان فرق یہ ہے کہ نسب اس رشتے کی طرف لوٹتا ہے جو آباء کی طرف سے قریب ہو اور صہر اس رشتہ کو کہتے ہیں جو اختلاط کی وجہ سے ہوتا ہے' قرابت کی طرح ہوتا ہے اور نکاح سے پیدا ہوتا ہے۔

قوله حرم: "من النسب سبع":

وہ سات رشتہ دار یہ ہیں:

① ماں۔ ② بیٹی۔ ③ بہن۔ ④ پھوپھی۔ ⑤ بھتیجی۔ ⑥ بھانجی۔ ⑦ خالہ۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سسرالی رشتہ میں جو ہمیشہ کیلئے حرام ہیں' وہ یہ ہیں:

بیوی کی ماں بیٹے اور پوتے کی بیوی' بیٹی اور جتنے بھی نیچے کی طرف ہوں۔ اور باپ کی بیوی اور دادا کی بیوی اور جتنے بھی اوپر کی طرف ہوں۔ اور مدخول لها بیوی کی بیٹی۔

اور جو ہمیشہ کے لئے حرام نہیں یہ ہیں:

بیوی کی بہن' اس کی پھوپھی اور خالہ، (انتھی)۔ اس کی پھوپھی اور خالہ کا حکم اس آیت سے معلوم نہیں ہوتا اور اس طرح باپ کی بیوی کا حکم بھی اس آیت سے مفہوم نہیں ہوتا بلکہ یہ اس آیت سے مستفاد ہوتا ہے: ﴿وَلَا تَنْكِحُوْا مَا نَكَحَ اٰبَآؤُكُمْ مِّنَ النِّسَآءِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ اِنَّهٗ كَانَ فَاحِشَةً وَّمَقْتًا وَسَآءَ سَبِيْلًا﴾ [النساء: ۲۲] "اور جن عورتوں سے تمہارے باپ نے نکاح کیا ہو ان سے نکاح نہ کرنا مگر (جاہلیت میں جو ہو چکا سو ہو چکا) یہ نہایت بے حیائی اور (خدا کی) ناخوشی کی بات تھی اور بہت برا دستور تھا۔"

پھر اس آیت: ﴿حُرِّمَتْ عَلَيْكُمْ اُمَّهٰتُكُمْ وَبَنٰتُكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ وَعَمّٰتُكُمْ وَخٰلٰتُكُمْ وَبَنٰتُ الْاَخِ وَبَنٰتُ الْاُخْتِ

وَاُمَّهٰتُكُمُ الّٰتِيْٓ اَرْضَعْنَكُمْ وَاَخَوٰتُكُمْ مِّنَ الرَّضَاعَةِ وَاُمَّهٰتُ نِسَآىِٕكُمْ وَرَبَآىِٕبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآىِٕكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ ۫ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ ۫ وَحَلَآىِٕلُ اَبْنَآىِٕكُمُ الَّذِيْنَ مِنْ اَصْلَابِكُمْ ۙ وَاَنْ تَجْمَعُوْا بَيْنَ الْاُخْتَيْنِ اِلَّا مَا قَدْ سَلَفَ ؕ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ غَفُوْرًا رَّحِيْمًا ۙ﴾ [النساء: ٢٣] ''تم پر تمہاری مائیں اور بیٹیاں اور بہنیں اور پھپھیاں اور خالائیں اور بھتیجیاں اور بھانجیاں اور وہ مائیں جنہوں نے تم کو دودھ پلایا اور رضاعی بہنیں اور ساسیں حرام کردی گئی ہیں اور جن عورتوں سے تم مباشرت کرچکے ہو ان کی لڑکیاں جنہیں تم پرورش کرتے ہو (وہ بھی حرام ہیں) ہاں اگر ان کے ساتھ تم نے مباشرت نہ کی ہو تو (تو ان کی لڑکیوں کے ساتھ نکاح کر لینے میں) تم پر کچھ گناہ نہیں تمہارے صلبی بیٹوں کی عورتیں بھی اور دو بہنوں کا اکٹھا کرنا بھی (حرام ہے) مگر جو ہو چکا (سو ہو چکا) بیشک خدا بخشنے والا (اور) رحم والا ہے'' کو استشہاد کے طور پر پیش کرنا درست نہ ہوا۔

پس بظاہر ''من النسب سبع'' مراد ہے لیکن ''من الصهر سبع'' کو بطور تغلیب کے ذکر کیا ہے۔ اسی وجہ سے صاحب مدارک نے اس آیت کی تفسیر میں لکھا ہے کہ اس میں باقی محرمات کا ذکر ہے ان میں سات محرمات نسبیہ ہیں اور سات محرمات سلبیہ ہیں۔ (انتھی)۔ تو اس کے مطابق ان چودہ محرمات کا حکم اس آیت سے معلوم ہو رہا ہے: ﴿مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۚ ......﴾ [النساء: ٢٤] ① رضاعی ماں' ② بہن ③ بیوی کی ماں' ④ بیوی کی بیٹی' ⑤ بیٹے کی بیوی' ⑥ بیوی کی بہن' ⑦ منکوحہ عورت۔

بیوی سے صحبت کے بعد اُس کی بیٹی ابدی محرمات میں سے ہو جاتی ہے

٣١٨٢: وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَيُّمَا رَجُلٍ نَكَحَ امْرَاَةً فَدَخَلَ بِهَا فَلَا يَحِلُّ لَهٗ نِكَاحُ ابْنَتِهَا وَاِنْ لَّمْ يَدْخُلْ بِهَا فَلْيَنْكِحِ ابْنَتَهَا وَاَيُّمَا رَجُلٍ نَكَحَ امْرَاَةً فَلَا يَحِلُّ لَهٗ اَنْ يَّنْكِحَ اُمَّهَا دَخَلَ بِهَا اَوْ لَمْ يَدْخُلْ (رواه الترمذی وقال هذا حديث لا يصح من قبل اسناده وانما رواه ابن لهيعة والمثنى بن الصباح عن عمرو بن شعيب وهما يضعفان فى الحديث)

اخرجه الترمذی فی السنن ٤٢٥/٣ الحديث رقم ١١١٧۔

ترجمہ: ''اور حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا (حضرت عبداللہؓ) سے روایت نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے کسی عورت سے نکاح کیا پھر اس سے صحبت کی تو اس کے لئے اس بیوی کی بیٹی سے (جو اس کے پہلے شوہر سے ہو) نکاح کرنا جائز نہیں ہے (بشرطیکہ اس بیوی کو طلاق دے چکا ہو یا وہ مرگئی ہو' کیونکہ اس بیوی کو اور اس کی بیٹی کو ایک ساتھ اپنے نکاح میں رکھنا اس صورت میں بھی جائز نہیں ہے) اگر اس نے اس عورت کے ساتھ صحبت نہیں کی تو پھر وہ اس کی بیٹی کے ساتھ نکاح کر سکتا اور جس شخص نے کسی عورت سے نکاح کر لیا تو اب اس کے لئے اپنی اس بیوی کی ماں (یعنی اپنی ساس) سے نکاح کرنا جائز نہیں۔ چاہے اس نے اپنی اس بیوی سے جماع کیا ہو یا نہ کیا ہو۔ اس روایت کو امام ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث اپنی سند کے اعتبار

سے صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کو ابن لہیعہ اور مثنیٰ بن صباح نے عمرو بن شعیبؒ سے نقل کیا ہے اور وہ دونوں حدیث روایت کرنے کے سلسلہ میں ضعیف شمار کئے جاتے ہیں (گویا یہ حدیث اپنے راویوں کے اعتبار سے تو صحیح نہیں ہے لیکن اپنے مفہوم و معنی کے اعتبار سے صحیح ہے کیونکہ اس حدیث میں جو مفہوم بیان کیا گیا ہے وہ قرآن کی آیت کے مطابق ہے)''۔

تشریح:

''فان لم یدخل بها'': ایک روایت میں فان لم یکن دخل بها ہے۔

''دخل بها او لم یدخل بها'': ایک روایت میں ایما جل نکح امرأة دخل بها او لم یدخل بها ہے، یعنی جزاء پر یہ الفاظ مقدم ہے۔

قوله: ''ایمارجل۔۔۔نکاح ابنتها'': اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:

﴿وَرَبَآئِبُكُمُ الّٰتِيْ فِيْ حُجُوْرِكُمْ مِّنْ نِّسَآئِكُمُ الّٰتِيْ دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَاِنْ لَّمْ تَكُوْنُوْا دَخَلْتُمْ بِهِنَّ فَلَا جُنَاحَ عَلَيْكُمْ﴾ (النساء٤: ٢٤)

''اور حرام ہیں تم پر تمہاری بیویوں کی وہ بیٹیاں جوان کے لئے پہلے شوہر سے ہیں اور تمہاری پرورش میں ہیں اور جو تمہاری ان بیویوں سے ہیں جن سے تم جماع کر چکے ہو اور اگر تم نے ان بیویوں سے جماع نہیں کیا ہے تو اس میں کوئی گناہ نہیں کہ تم ان کی بیٹیوں سے نکاح کرو''۔

حدیث میں ''حجر'' کی قید نہیں لگائی، اس لئے کہ یہ قید غالب عادت کے طور پر ہے۔

قوله: فان لم یدخل لها۔۔۔فلینکح ابنتها : اس کی دلیل اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد ہے: ﴿فان لم تکونوا دخلتم بهن فلا جناح علیکم﴾ (اگر تم نے اُن بیبیوں سے صحبت کی ہو تو تم کو کوئی گناہ نہیں)۔ اور ''فان لم یدخل بها ......'' یہ حکم کی تصریح ہے کہ دلیل میں مفہوم مخالف معتبر نہیں ہے جیسا کہ ہمارا مذہب ہے۔ یا یہ تاکید ہے اس کے لئے جو بطور مفہوم مخالف کے معلوم ہوا، امام شافعی اور ان کے متبعین کے مذہب کے مطابق۔

قوله : وایما رجل نکح ...... دخل بها اولم یدخل بها : اس لئے کہ اللہ جل شانہ کا یہ قول مطلق ہے: ﴿وامهات نسائکم﴾ [النساء:٢٣] ''اور حرام ہیں تم پر تمہاری بیویوں کی مائیں''۔

یعنی رجال کی جہت سے یہ حدیث صحیح نہیں ہے اگرچہ معنیٰ کے اعتبار سے صحیح ہے اس لئے کہ یہ آیت کے معنیٰ کے مطابق ہے۔

'' الهیعة'': لام کے فتح اور ھاء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ کہا گیا ہے کہ امام احمد نے ''ابن لهیعة'' کی توثیق تعریف کی ہے۔

''الصباح'': باء کے شد کے ساتھ ہے۔

''یضعفان'': عین کی تشدید کے ساتھ ہے۔ یعنی ان دونوں کو ضعف کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

فی الحدیث : یعنی بعض ارباب حدیث کے ہاں حدیث کی روایت کرنے میں یا فن حدیث میں یہ ضعیف ہیں، پس محدثین کے نزدیک یہ حدیث ضعیف ہے۔

بَابُ الْمُبَاشَرَةِ

مباشرت کا بیان

"المباشرة" کے معنی ہیں "المجامعة" امام راغب فرماتے ہیں "بشرة" ظاہری جلد کو کہتے ہیں۔ اس کی جمع "بشر" اور "ابشار" ہے۔ انسان کو "بشر" سے تعبیر کیا جاتا ہے، چونکہ (یعنی مباشرة) اس کی جلد بالوں سے خالی ہوتی ہے، برخلاف دیگر حیوانات کے۔ اور "مباشرة" دو جلدوں کے ملاپ کو کہتے ہیں، اس آیت میں یہ جماع سے کنایہ ہے ﴿ولا تباشروهن وانتم عاكفون في المساجد﴾ [البقرة۔۱۸۷] (اور ان بیبیوں سے اپنا بدن بھی مت ملنے دو جس زمانہ میں کہ تم لوگ اعتکاف کرنے والے ہو مسجدوں میں)۔

الفصل الاول:

۳۱۸۳: عَنْ جَابِرٍ قَالَ كَانَتِ الْيَهُوْدُ تَقُوْلُ إِذَا اَتَى الرَّجُلُ امْرَأَتَهُ مِنْ دُبُرِهَا فِيْ قُبُلِهَا كَانَ الْوَلَدُ اَحْوَلَ فَنَزَلَتْ نِسَاءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ (متفق عليه)

اخرجه البخاري في صحيحه ۱۸۹/۸ الحديث رقم ٤٥٢٨ ومسلم في ۱۰۵۸/۲ الحديث رقم (۱۱۷۔۱٤۳۵) وابو داؤد في السنن ٦١٨/٢ الحديث رقم ٢١٦٣ والترمذي في ١٩٩/٥ الحديث رقم ٢٩٧٨ وابن ماجه في ٦٢٠/١ الحديث رقم ١٩٢٥ والدارمي في ١٩٦/٢ الحديث رقم ٢٢١٤

ترجمہ: "حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ یہودی یہ کہا کرتے تھے کہ جب کوئی شخص اپنی عورت کے پیچھے کی طرف سے اس کے اگلے حصہ (یعنی شرم گاہ) میں جماع کرتا ہے تو اس کے ہاں بھینگا بچہ پیدا ہوتا ہے اس پر یہ آیت نازل ہوئی: ﴿نِسَاءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوْا حَرْثَكُمْ اَنّٰى شِئْتُمْ﴾ "تمہاری عورتیں (یعنی تمہاری بیویاں اور لونڈیاں) تمہاری کھیتی ہیں لہٰذا تمہیں اختیار ہے کہ اپنی کھیتی میں جیسے چاہو آؤ۔ (اس روایت کو بخاری اور مسلم نے نقل کیا ہے)"۔

تشریح: قوله : اذا اتى الرجل امراته من دبرها:

في قبلها : ابن الملک فرماتے ہیں کہ پیچھے سے کھڑے ہو کر آگے کی طرف یعنی قبل میں جماع کرے۔ اس لئے کہ دبر میں وطی کرنا تمام ادیان میں حرام رہا ہے۔

كان الولد : احول : دخول ہونے کی وجہ یہ ہے کہ وطی کرنے والے نے وطی کے دوران قبل میں وطی کرنے کے معروف طریقے کو چھوڑ کر دوسرے طریقے کو اپنایا ہے۔ جس میں دونوں پہلوؤں کو استعمال کیا ہے۔ گویا کہ اس نے دونوں جانبوں کی رعایت رکھی اور دونوں جہات کو دیکھا تو اس کا نتیجہ یہ نکلا کہ پیدا ہونے والا بچہ بھینگا ہے۔

فنزلت : یعنی یہود کے تخیل پر رد کرنے کے لئے۔

حرث لکم :یعنی تمہاری اولاد کے پیدا ہونے کی جگہ یعنی یہ عورتیں تمہارے لئے بمنزلہ اس زمین کے ہیں جو کھیتی باڑی کے لئے تیار کی گئی ہو،لیکن کھیتی کا محل قبل ہے اس لئے کہ ''دبر'' تو موضع فرث یعنی گندی کی جگہ) ہے۔لیکن لوگ نجاست کی طرف خبث باطن کی وجہ سے مائل ہوتے ہیں اور اس کو قبول کرتے ہیں۔

قولہ: فأتو حرثکم انی شئتم :یعنی جیسے چاہو کھڑے ہو کر یا بیٹھ کر یا لیٹ کر یا پیچھے کی طرف سے ''قبل'' میں۔مطلب یہ ہے کہ جس ہیئت پر بھی ہو وہ تمہارے لئے مباح ہے،اور تمہیں سونپ دی گئی ہے اس کی وجہ سے تم پر کوئی نقصان مرتب نہ ہوگا۔

کشاف میں ہے کہ ''حرث لکم'' کا معنیٰ ہے تمہاری کھیتی کی جگہ،عورتوں کو کھیتی والی زمین کے ساتھ تشبیہ دی ہے۔اس لئے کہ انکے ارحام میں وہ نطفہ ڈالا جاتا ہے،جس سے نسل پیدا ہوتی ہے جیسے بیج سے کھیتی۔اور ''فاتوا حرثکم'' کا معنیٰ ہے کہ ان کے پاس جاؤ جیسا کہ تم اپنی ان زمینوں میں جاتے ہو جس میں تم نے کھیتی کا ارادہ کیا ہو،جس طرف سے تم چاہو تم پر کسی طرف سے بھی جانے پر پابندی نہیں ہے۔یہ (کلام) لطیف کنایات میں سے ہے اور خوبصورت تعریضات میں سے ہے۔

شرح السنہ میں ہے کہ اس بات پر علماء کا اتفاق ہے کہ مرد کے لئے اپنی عورت کے ساتھ پیچھے کی طرف سے فرج میں جماع کرنا جائز ہے،اور اس کے علاوہ جس صفت پر بھی ہو (وہ بھی جائز ہے) اور اس پر یہ آیت دلالت کر رہی ہے: ''نساء کم حرث لکم فأتو حرثکم انی شئتم'' یعنی وہ تمہارے لئے بمنزلہ اس زمین کے ہے جس میں کھیتی کی جاتی ہے لیکن کھیتی کا محل ''قبل'' ہے۔

امام طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انکے لئے مباح کر دیا گیا ہے کہ وہ عورتوں کے پاس جائیں جس طرف سے چاہیں جیسے مملوکہ زمین ہوتی ہے لیکن اس کو ''حرث'' کے ساتھ مقید کیا تاکہ اس بات کی طرف اشارہ ہو جائے کہ بیج بونے کی جگہ سے ہرگز تجاوز نہیں کرنا ہے اور صرف شہوت پورا کرنے سے اجتناب کرے۔(یعنی اس کا مقصد محض شہوت پوری کرنا نہ ہو۔) بلکہ نسل انسانی کی افزائش اور اس کا حصول ہے۔

۳۱۸۴: وَعَنْهُ قَالَ كُنَّا نَعْزِلُ وَالْقُرْاٰنُ يَنْزِلُ متفق عليه وزاد مسلم فَبَلَغَ ذٰلِكَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمْ يَنْهَنَا .

اخرجه البخاري في صحيحه ۳۰۵/۹ الحديث رقم ۵۲۰۸ ومسلم في ۱۰۶۵/۲ الحديث رقم (۱۳۸۔۱٤٤۰)

و اخرجه الترمذي في السنن ٤٤۳/۳ الحديث رقم ۱۱۳۷ وابن ماجه في ٦۲۰/۱ الحديث رقم ۱۹۲۷ واحمد في المسند ۳۰۹/۳

ترجمہ: ''اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم لوگ (رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں) عزل کرتے تھے جبکہ قرآن نازل ہو رہا تھا (یعنی نزول کا سلسلہ جاری تھا مگر اس بارے میں اللہ کی طرف سے کوئی ممانعت نازل نہیں ہوئی)۔(بخاری و مسلم) مسلم نے اپنی روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ ''ہمارے اس فعل کی اطلاع نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی مگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں اس سے منع نہیں فرمایا''۔

تشریح: ''والقرآن ینزل'': جملہ حالیہ ہے۔

نعزل: عزل کہتے ہیں مرد کا اپنے آلہ تناسل کو انزال سے پہلے عورت کی شرمگاہ سے نکالنا۔

والقرآن ينزل: یعنی ہمیں منع نہیں کیا، اور اللہ ہمارے احوال کو جاننے والے ہیں، تو یہ ہمارے افعال کے لئے تقریر ہے۔

امام طیبی فرماتے ہیں کہ ہمیں منع نہیں کیا اس سے نہ قرآن نے اور نہ سنت نے۔ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ عزل اکثر علماء کے نزدیک جائز ہے۔ بعض صحابہ اور ان کے علاوہ نے اس کو مکروہ کہا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ جائز ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ عزل کہتے ہیں کہ آدمی جماع کرے، پس جب انزال قریب ہو تو وہ ذکر شرم گاہ سے نکال کر باہر انزال کرے۔ یہ ہمارے نزدیک مکروہ ہے، اس لئے کہ یہ قطع نسل کی طرف ایک راستہ ہے اور اسی وجہ سے منقول ہے: ''العزل الواد الخفی'' کہ ''عزل خفیہ طور پر زندہ درگور کرنا ہے''۔ ہمارے علماء فرماتے ہیں کہ باندی سے عزل حرام نہیں ہے اور نہ اس بیوی سے جو لونڈی ہو، چاہے وہ اس پر راضی ہو یا نہ ہو۔ اس لئے کہ مملوکہ سے اس کو نقصان کا خطرہ ہے کہ وہ ام ولد بن جائے گی، اور پھر اس کا بیچنا جائز نہ ہوگا۔ اور بیوی جو باندی ہو اس میں نقصان یہ ہے کہ اس کے بچے غلام ہوں گے' ماں کے تابع ہو کر۔ اور آزاد بیوی کے ساتھ عزل اگر وہ اجازت دے تو پھر حرام نہیں ہے اور اگر اجازت نہ دے تو پھر دو قول ہیں۔ زیادہ صحیح قول جواز کا ہے۔

۳۱۸۵: وَعَنْهُ قَالَ اِنَّ رَجُلاً اَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ لِيْ جَارِيَةً هِيَ خَادِمَتُنَا وَاَنَا اَطُوْفُ عَلَيْهَا وَاَكْرَهُ اَنْ تَحْمِلَ فَقَالَ اِعْزِلْ عَنْهَا اِنْ شِئْتَ فَاِنَّهٗ سَيَاْتِيْهَا مَا قُدِّرَ لَهَا فَلَبِثَ الرَّجُلُ ثُمَّ اَتَاهُ فَقَالَ اِنَّ الْجَارِيَةَ قَدْ حَبِلَتْ فَقَالَ قَدْ اَخْبَرْتُكَ اَنَّهٗ سَيَاْتِيْهَا مَا قُدِّرَ لَهَا۔ (رواه مسلم)

اخرجه مسلم فی صحيحه ۱۰۶٤/۲ الحديث رقم (۱۳٤-۱٤۳۹) وابوداود فی السنن ۶۲۵/۲ الحديث رقم ۲۱۷۳ واحمد فی المسند ۳۱۲/۳

ترجمہ: ''اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک شخص نے رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر عرض کیا کہ میرے پاس ایک لونڈی ہے جو ہماری خدمت کرتی ہے اور میں اس سے جماع بھی کرتا ہوں لیکن میں اسے ناپسند کرتا ہوں کہ وہ حاملہ ہو؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر تم چاہو تو اس سے عزل کر لیا کرو کیونکہ جو چیز اس کے مقدر میں ہے اسے وہ ضرور ملے گی۔ اس کے بعد کچھ عرصہ تک وہ شخص نہیں آیا اور پھر جب آیا تو کہنے لگا کہ میری لونڈی حاملہ ہو گئی ہے' آپ ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ''میں نے تو تمہیں (پہلے ہی) آگاہ کر دیا تھا کہ جو چیز اس کے مقدر میں ہے وہ اسے ضرور ملے گی''۔ (مسلم)

تشریح: ''انه سياتيها'': نہ کی ضمیر شان ہے۔ اس جملے میں کئی تاکیدات ہیں: ① ان ضمیر شان ② سین استقبال۔

هی خادمتنا: یہ احتراز ہے۔ یہاں ''جارية'' بمعنی ''بنت'' نہیں ہے۔

قوله: اعزل عنها ان شئت: ابن الملک فرماتے ہیں کہ اس جملہ سے عزل کا جواز معلوم ہوتا ہے اور عزل لونڈی کے حق میں واطی کی مرضی پر منحصر ہے۔ (انتهٰی)۔ مطلقاً قول جواز صحیح نہیں ہے۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ مشائخ کے بعض جوابات میں عزل کی کراہت کا ذکر ہے اور بعض میں عدم کراہت کا ذکر ہے۔ قول جواز کے مطابق لونڈی سے عزل میں اجازت کی ضرورت نہیں ہے۔ آزاد بیوی سے اس کی رضا کی ضرورت ہے اور منکوحہ باندی سے اجازت کی ضرورت ہے۔ اختلاف اس میں ہے کہ منکوحہ باندی سے عزل میں اجازت اس کے مالک سے لی جائے گی، جیسا کہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں اور یہ ظاہر الروایہ ہے یا اس باندی سے اجازت لی جائے گی جیسے صاحبین فرماتے ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں دلالت ہے اس بات پر کہ عزل کے باوجود بھی نسب کی نسبت اس مرد کی طرف ہوگی۔ (انتھی)۔ اس لئے کہ کبھی پانی سبقت کر جاتا ہے۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ جب آدمی نے عزل کیا اجازت سے ہو یا بغیر اجازت کے اور پھر حمل کا ظہور ہو جائے، تو کیا اس شخص کے لئے اس حمل کی نفی اپنے سے جائز ہے؟ تو علماء فرماتے ہیں کہ عزل کے بعد اگر اس نے دوبارہ ادخال نہ کیا ہو یا کیا ہو مگر اس سے پہلے پیشاب کیا ہو۔ تو اس صورت میں نفی جائز ہے اور اگر (دوبارہ ادخال سے پہلے) پیشاب نہ کیا ہو تو پھر نفی جائز نہیں ہے۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ ایک آدمی کی غیر محصن باندی ہے اور مولیٰ اس سے عزل کرتا ہے، پھر اس کا بچہ پیدا ہو جاتا ہے اور اس کا غالب گمان یہ ہے کہ یہ اس سے نہیں ہے تو اس کے لئے نفی کی گنجائش ہے، اور اگر وہ محصنہ ہے تو پھر گنجائش نہیں ہے۔ اس لئے کہ کبھی وہ عزل کرتا ہے اور پانی خارج فرج میں پڑ جاتا ہے، اور پھر اندر چلا جاتا ہے لہٰذا عزل پر اعتماد نہیں کیا جا سکتا۔ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ یہ احادیث جواز عزل میں بالکل واضح ہیں۔

ابن ہمام کے ہاں اس حدیث کے الفاظ یہ ہیں "عن جابر قال سأل رجل النبی صلی الله علیه وسلم فقال: ان عندی جارية وانا اعزل عنها فقال عليه الصلوٰة والسلام ان ذلك لا يمنع شيئا أراده الله تعالىٰ فجاء الرجل فقال يا رسول الله ان الجارية التي كنت ذكرتها لك قد حملت فقال عليه الصلوٰة والسلام: أنا عبد الله ورسوله"۔

۳۱۸۶: وَعَنْ اَبِیْ سَعِيْدِنِ الْخُدْرِيِّ قَالَ خَرَجْنَا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ غَزْوَةِ بَنِي الْمُصْطَلِقِ فَاَصَبْنَا سَبْيًا مِّنْ سَبْيِ الْعَرَبِ فَاشْتَهَيْنَا النِّسَاءَ وَاشْتَدَّتْ عَلَيْنَا الْعُزْبَةُ وَاَحْبَبْنَا الْعَزْلَ فَاَرَدْنَا اَنْ نَعْزِلَ وَقُلْنَا نَعْزِلُ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ اَظْهُرِنَا قَبْلَ اَنْ نَسْأَلَهُ فَسَاَلْنَاهُ عَنْ ذٰلِكَ فَقَالَ مَا عَلَيْكُمْ اَنْ لَّا تَفْعَلُوْا مَا مِنْ نَسَمَةٍ كَائِنَةٍ اِلٰى يَوْمِ الْقِيَامَةِ اِلَّا وَهِيَ كَائِنَةٌ۔ (متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۴۲۸/۷ الحدیث رقم ۴۱۳۸ ومسلم فی ۱۰۶۱/۲ الحدیث رقم (۱۲۵-۱۴۲۸) وابو داود فی السنن ۶۲۴/۲ الحدیث رقم ۲۱۷۲ ومالك فی الموطأ ۵۹۴/۲ الحدیث رقم ۹۵ من کتاب الطلاق۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ غزوۂ بنی المصطلق میں گئے تو عرب قوم میں سے کچھ لونڈیاں ہمارے ہاتھ آئیں ہمیں عورتوں کی خواہش ہوئی اور مجرد رہنا (یعنی عورتوں سے

الگ رہنا) ہمارے لئے سخت مشکل ہو گیا اور (ان لونڈیوں سے جو ہمارے ہاتھ لگی تھیں) ہم نے عزل کرنا چاہا (تا کہ ان کے حمل نہ ٹھہر جائے) آخر ہم نے عزل کا ارادہ کر لیا مگر پھر ہم نے سوچا کہ ہم رسول اللہ ﷺ سے دریافت کئے بغیر عزل کرتے ہیں حالانکہ رسول اللہ ﷺ ہمارے درمیان موجود ہیں۔ چنانچہ ہم نے آپ ﷺ سے اس کے بارے میں دریافت کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ "اگر تم عزل نہ کرو تو اس میں تمہارا کوئی نقصان نہیں ہے اس لئے کہ قیامت تک جو جان پیدا ہونے والی ہے وہ تو پیدا ہو کر ہی رہے گی"۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: "**مصطلق**": لام کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ بنو مصطلق۔ عرب کے قبیلہ بنوخزاعہ میں سے ہیں بنوخزاعہ ایک قبیلہ ہے، عرب میں سے۔ قاموس میں ہے صلق کا معنیٰ ہے "سخت آواز نکالنا"۔ اور مصطلق، خزیمہ بن سعد بن عمرو کا لقب ہے۔ یہ لقب اس کی آواز کی خوبصورتی کی وجہ سے پڑا تھا، اور خزاعہ میں سب سے پہلے اس نے گایا تھا۔

من سبی العرب: امام نووی فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ عرب پر غلامی کے احکام جاری ہوں گے اور ان کو غلام بنانا جائز ہوگا جب وہ مشرک ہوں، اس لئے کہ بنی مصطلق خزاعہ کا قبیلہ ہے۔ یہ امام مالک اور امام شافعی کا مذہب ہے۔ امام ابو حنیفہ اور شافعی قول قدیم میں فرماتے ہیں کہ عرب کے شرف کی وجہ سے رقیت جاری نہیں ہوتی۔

العزبة: عین کے ضمہ کے ساتھ "قلت جماع" کو کہتے ہیں۔

"**نعزل**": ہمزہ استفہام حذف ہے ای أنعزل۔

"**ورسول الله صلى الله عليه وسلم بين اظهرنا**": یہ جملہ حالیہ ہے۔

قوله: فقال: ما عليكم ان لا تفعلوا:

"**ان لا تفعلوا**": ہمزہ کے فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ روایت کسرہ کے ساتھ ہے: ای **ليس عليكم ضرر أن لا تفعلوا العزل**۔ یعنی تم پر کوئی ضرر نہیں ہے اگر تم عزل نہ کرو۔ اور بعض کہتے ہیں کہ لا زائدہ ہے: ای **لا باس عليكم أن تفعلوا** یعنی تم پر کوئی حرج نہیں ہے کہ تم عزل کر لو۔ اسی وجہ سے عزل کا جواز ہے۔ اور "**لا عليكم**" بھی روایت کیا گیا ہے۔ اس صورت میں یہ احتمال ہے کہ لا ان کے سوال کی نفی ہو اور "**عليكم ان لا تفعلوا**" جملہ مستانفہ ہو، اور اس کے لئے تاکید ہو، اس صورت میں "ان" مفتوحہ ہوگا۔

قاضی فرماتے ہیں کہ اس کو ما اور لا دونوں طرح روایت کیا گیا ہے۔ اور معنیٰ یہ ہے کہ تم پر عزل کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور لا زائدہ ہے اور جو عزل کو منع کرتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ لا ان کے سوال کی نفی کے لئے ہے۔ اور "**عليكم ان لا تفعلوا**" کلام مستانف ہے، اور اس کے لئے مؤکد ہے۔ اس صورت میں "أن" مفتوحہ ہونا چاہئے۔

"**نسمة كائنة**": **نسمة** کی صفت ہے۔

ما عليكم ان تفعلو: علماء کا عزل کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ باندی سے عزل جائز ہے خواہ وہ منکوحہ ہو یا ملک یمین میں ہو۔ اور آزاد عورت سے اس کی اجازت کے ساتھ جائز ہے۔

الا وهي كائنة یعنی کوئی نفس اللہ کے علم میں قیامت تک کسی بھی حالت میں اگر اس کا ہونا ثابت ہو، تو وہ کسی نہ کسی وقت

ہو کر رہے گا، اس کو نہ عزل روک سکتا ہے اور نہ اس کے علاوہ کوئی چیز حاصل یہ ہے کہ جس انسان کے موجود ہونے کو اللہ نے مقرر کیا ہو، تو اس کو عزل روک نہیں سکتا۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ مطلب اس کا یہ ہے کہ تم پر عزل کے ترک کرنے میں کوئی نقصان نہیں ہے۔ اس لئے کہ جس نفس کے پیدا ہونے کو اللہ نے مقرر کیا ہو تو وہ ضرور پیدا ہو گا تم عزل کرو یا نہ کرو۔ لہٰذا تمہارے عزل میں کوئی فائدہ نہیں ہے، اس لئے کہ اگر اس کے پیدا ہونے کو اللہ نے مقرر کیا ہے۔ تو پانی سبقت کرے گا اور پھر منع خلق میں تمہاری حرص کوئی فائدہ نہ دے گی۔ اس سے معلوم ہوا کہ عزل ولادت سے مانع نہیں ہے۔ پس اگر کسی نے باندی کو فراش بنایا اور پھر اس سے عزل کیا۔ اور اس باندی نے بچہ جنا تو وہ اس کی طرف منسوب ہو گا، الا یہ کہ وہ عدم استبراء کا دعویٰ کرے۔

۳۱۸۷: وَعَنْهُ قَالَ سُئِلَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنِ الْعَزْلِ فَقَالَ مَا مِنْ كُلِّ الْمَاءِ يَكُوْنُ الْوَلَدُ وَاِذَا اَرَادَ اللّٰهُ خَلْقَ شَيْءٍ لَمْ يَمْنَعْهُ شَيْءٌ (رواه مسلم)

اخرجه مسلم في صحيحه ١٠٦٤/٢ الحديث رقم (١٣٣-١٤٣٨)۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابو سعید خدری رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے عزل کرنے کے بارے میں سوال کیا گیا (کہ عزل کرنا جائز ہے یا نہیں؟) تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''(منی کے) ہر پانی سے بچہ نہیں بنتا' اور جب اللہ تعالیٰ کسی چیز کی تخلیق کا ارادہ فرماتا ہے تو اس کو کوئی چیز نہیں روک سکتی''۔ (مسلم)

تشریح: قوله :سئل رسول الله ﷺ

عن العزل: امام طیبی فرماتے ہیں کہ صحابہ نے رسول اللہؐ سے عزل کی اجازت اس لئے مانگی کہ ان کا خیال تھا کہ پانی کا ڈالنا (یعنی نطفہ کا فرج میں پڑنا) یہ سبب بنتا ہے بچے کا اور عزل کرنے سے بچہ پیدا نہ ہو گا۔

من كل الماء يكون ولد :یعنی ہر پانی سے بچہ پیدا نہیں ہوتا کتنی بار ایسا ہوتا ہے پانی اندر ڈالنے سے بچہ پیدا نہیں ہوتا اور عزل کرنے سے ہو جاتا ہے۔ یہاں خبر کو مقدم کیا تاکہ اختصاص پر دلالت کرے اور اس پر کہ بچہ اللہ کی مشیت سے پیدا ہوتا ہے نہ کہ پانی سے۔ اور اس طرح بچے کا پیدا نہ ہونا بھی اللہ کی مشیت سے ہے نہ کہ عزل کرنے سے اور یہی مطلب ہے: واذا اراد الله ...... کا۔

۳۱۸۸: وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ اَنَّ رَجُلًا جَاءَ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّيْ اَعْزِلُ عَنِ امْرَاَتِيْ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِمَ تَفْعَلُ ذٰلِكَ فَقَالَ الرَّجُلُ اُشْفِقُ عَلٰى وَلَدِهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كَانَ ذٰلِكَ ضَارًّا ضَرَّ فَارِسَ وَالرُّوْمَ (رواه مسلم)

اخرجه مسلم في صحيحه ١٠٦٧/٢ الحديث رقم (١٤٣-١٤٤٣) واحمد في المسند ٢٠٣/٥

ترجمہ: ''اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ایک شخص رسول اللہ ﷺ کی خدمت

میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ میں اپنی عورت سے عزل کرتا ہوں''۔ رسول اللہ ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ''تم ایسا کیوں کرتے ہو؟'' اس شخص نے کہا کہ ''میں اس کے شیر خوار بچہ کی وجہ سے ڈرتا ہوں (کہ کہیں مدت رضاعت میں وہ حاملہ نہ ہو جائے اور اس حالت میں بچہ کو دودھ پلانا نقصان پہنچائے گا)''۔ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''اگر یہ (جماع) مضر ہوتا تو اہل فارس و اہل روم کے لئے (لازماً) مضر ہوتا۔'' (مسلم)

تشریح: قوله :لو كان ذلك ضارا ضر۔

عن امرأتي یعنی اس کی رضا سے یا اپنے آپ کو جماع سے روکتا ہوں۔

لم تفعل ذلك یعنی کس وجہ سے آپ یہ عزل یا یہ فعل یعنی 'اپنے آپ کو جماع سے روکنا' کرتے ہو۔

قوله: فقال الرجل: اشفق على ولدها :یعنی وہ بچہ جو پیٹ میں ہے تاکہ وہ جڑواں نہ ہو جائے، کہ ان میں سے ہر ایک کمزور ہوگا۔ یا اس بچے پر جس کو وہ دودھ پلا رہی ہے جیسے عنقریب آ رہا ہے، کہ جماع سے بچے کو نقصان پہنچتا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ اگر میں عزل نہ کروں تو وہ حاملہ ہو جائے گی اور اس وقت پھر بچے کو نقصان پہنچے گا۔ جو دودھ پی رہا ہے حالت حمل میں۔ لو كان ذلك :یعنی جماع کرنا دودھ پلانے کے زمانہ میں یا حمل۔

قوله لو كان ذلك ضارا ضر فارس والروم :

یعنی فارس اور روم کی عورتیں حالت حمل میں اپنے بچوں کو دودھ پلاتی ہیں، اگر حالت حمل میں دودھ پلانا مضر ہوتا تو ان کے بچوں کو ضرر پہنچتا۔

۳۱۸۹: وَعَنْ جُدَامَةَ بِنْتِ وَهْبٍ قَالَتْ حَضَرْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي أُنَاسٍ وَهُوَ يَقُوْلُ لَقَدْ هَمَمْتُ أَنْ أَنْهٰى عَنِ الْغِيْلَةِ فَنَظَرْتُ فِي الرُّوْمِ وَفَارِسَ فَإِذَا هُمْ يُغِيْلُوْنَ أَوْلَادَهُمْ فَلَا يَضُرُّ أَوْلَادَهُمْ ذٰلِكَ شَيْئًا ثُمَّ سَأَلُوْهُ عَنِ الْعَزْلِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذٰلِكَ الْوَأْدُ الْخَفِيُّ وَهِيَ وَإِذَا الْمَوْؤُدَةُ سُئِلَتْ۔ (رواه مسلم)

اخرجه مسلم في صحيحه ١٠٦٧/٢ الحديث رقم (١٤١_١٤٤٢) وابو داود في السنن ٢١١/٤ الحديث رقم ٢١١/٤ الحديث رقم ٣٨٨٢ والنسائي في ١٠٦/٦ الحديث رقم ٣٣٢٦ وابن ماجه في ٦٤٨/١ الحديث رقم ٢٠١١ والدارمي في ١٩٧/٢ الحديث رقم ٢٢١٧ ومالك في الموطأ ٦٠٧/٢ الحديث رقم ١٦ من كتاب الرضاع واحمد في المسند ٤٣٤/٦

ترجمہ: ''اور حضرت جدامہ بنت وہب رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ (ایک دن) میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی' اس وقت لوگوں کی ایک جماعت وہاں موجود تھی اور آپ ﷺ (ان کو مخاطب کر کے) فرما رہے تھے کہ ''میں نے یہ ارادہ کیا تھا کہ لوگوں کو غیلہ (یعنی حالت حمل میں بچہ کو دودھ پلانا) سے منع کر دوں لیکن پھر میں نے دیکھا کہ روم و فارس کے لوگ حمل کی حالت میں ''غیلہ'' کرتے ہیں اور اس کی وجہ سے ان کی اولاد کو کوئی نقصان بھی نہیں پہنچتا (تو میں نے اس ارادہ کو ترک کر دیا) پھر لوگوں نے آپ ﷺ سے عزل کرنے کے بارے میں پوچھا کہ

(اس کا کیا حکم ہے) تو آپ ﷺ نے فرمایا کہ "یہ (عزل کرنا) تو خفیہ طور پر زندہ درگور کرنا ہے اور یہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: وَإِذَا الْمَوْءُودَةُ سُئِلَتْ الآیۃ (اور جب زندہ گاڑی ہوئی لڑکی سے پوچھا جائے گا کہ وہ کس گناہ کے پاداش میں قتل کی گئی تھی) کے حکم میں داخل ہے"۔ (مسلم)

حالات راوی:

جدامۃ ۔ یہ "جدامۃ" وہب اسدیہ کی بیٹی ہیں۔ اور عکاشہ کی بہن ہیں۔ مکہ میں اسلام لائیں اور آنحضور ﷺ سے بیعت کی اور اپنی قوم کے ساتھ ہجرت کی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان سے روایت حدیث کی ہے۔ "جدامہ" جیم کے پیش اور دال مہملہ کے ساتھ ہے اور بعض نے ذال منقوطہ کے ساتھ کہا ہے۔ حافظ دارقطنی کہتے ہیں کہ یہ تصحیف ہے (یعنی اصل حرف دال ہے جس کو ذال سے بدل دیا گیا)۔

تشریح: قوله :رسول الله في اناس ...... انهى عن الغيلة :

"الغيلة": غین کے کسرہ کے ساتھ۔ حالت حمل میں دودھ پلانے کو کہتے ہیں۔ اور "الغیل" فتح کے ساتھ اس دودھ کو کہتے ہیں۔ نہایہ میں ہے کہ "الغیلۃ" کسرہ کے ساتھ اسم ہے الغیل سے اور فتح کے ساتھ آدمی کا اپنی بیوی کے ساتھ دودھ پلانے کے زمانہ جماع کرنا ہے اور اس طرح جب وہ حاملہ ہو اور دودھ پلائے۔ کہا گیا ہے کہ دونوں ہم معنیٰ ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ کسرہ کے ساتھ اسم کے لئے ہے اور فتح کے ساتھ مدت کے لئے ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ فتح صحیح نہیں ہے، مگر تاء کے حذف کے ساتھ، (انتہیٰ)۔

یحییٰ نے کہا ہے کہ مالک کہتے ہیں کہ غیلہ آدمی اپنی بیوی دودھ پلانے کے زمانہ میں مس کرنے کو کہتے ہیں، انتھیٰ۔ اس کی اتباع کی ہے اصمعی وغیرہ نے۔ ابن سکیت کہتے ہیں کہ حالت حمل میں دودھ پلانے کو کہتے ہیں۔

"فارس": راء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ **یغلبون**: یاء کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ **الوأد**: امام نووی فرماتے ہیں کہ "واءد" لڑکی کو زندہ درگور کرنے کو کہتے ہیں، اور عرب بھوک اور عار کے ڈر سے ایسا کرتے تھے۔

"فارس": غیر منصرف ہے۔ **وھی**: ضمیر مقدر کی طرف راجع ہے اور وہ مقدر "الفعلة القبيحة" ہے۔

شیئاً: علماء فرماتے ہیں کہ کہ آپ علیہ السلام نے اس سے منع کرنے کا ارادہ اس لئے فرمایا تھا، کہ آپ کو خطرہ تھا کہ اس سے دودھ پینے والے بچے کو نقصان پہنچتا ہے۔ چونکہ اطباء کہتے تھے کہ یہ دودھ بیماری ہے اور عرب بھی اس کو ناپسند کرتے تھے اور اس سے بچتے تھے۔ (اس کو ذکر کیا ہے علامہ سیوطی نے)۔ قاضی فرماتے ہیں کہ عرب غیلہ سے احتراز کرتے تھے اور یہ گمان کرتے تھے کہ اس سے بچے کو ضرر پہنچتا ہے۔

یہ عرب کی چند مشہور باتوں میں سے ایک بات تھی چنانچہ نبی ﷺ نے اس سے منع کرنے کا ارادہ کیا لیکن جب آپؐ نے فارس اور روم والوں کو دیکھا کہ وہ یہ کرتے ہیں اور کوئی پرواہ نہیں رکھتے، اور اس کی وجہ سے ان کے اولاد کو کوئی ضرر بھی نہیں پہنچتا، تو آپؐ نے اس سے منع نہیں فرمایا۔

ثم سألوه عن العزل یعنی مطلقاً اس کے جواز سے یا دودھ پلانے کے زمانہ میں یا حالت حمل میں۔

الوأد الخفي: نبیؐ نے نطفہ کے ضائع کرنے کو کہ جس کو اللہ نے تیار کیا ہے، تاکہ اس کی وجہ سے بچہ پیدا ہو۔ اس لئے کہ وہ اس استعداد کو باطل کرنے کی کوشش کر رہا ہے بایں طور کہ پانی کو اس کے محل سے باہر خارج کر رہا ہے یہ دلیل ہے ان لوگوں کی جو عزل کو ناجائز قرار دیتے ہیں۔ جو جائز قرار دیتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ یہ حدیث منسوخ ہے، یا یہ تہدید پر محمول ہے، یا اولیٰ کو بیان کرنا ہے کہ اولیٰ یہ ہے کہ عزل نہ کیا جائے۔

وهي یعنی یہ قبیح فعل، وعید میں اس ارشاد کے تحت آتا ہے: [واذ المؤودة سئلت] [التکویر: ۸۔۹]

سئلت یعنی قیامت کے روز کہ کس گناہ کی وجہ سے قتل کی گئی تھی۔ کہا گیا ہے کہ یہ عزل کی حرمت پر دلالت نہیں کرتا بلکہ کراہت پر دلالت کرتا ہے، اس لئے کہ یہ خفیہ درگور کرنے کے معنیٰ میں نہیں ہے، کیوں کہ اس میں کسی روح کو ختم کرنا نہیں ہے، بلکہ یہ اس کے مشابہ ہے۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ ابن مسعود سے صحیح طور پر یہ ثابت ہے کہ وہ فرماتے ہیں: عزل موؤدہ صغریٰ ہے۔ ابوامامہ سے صحیح روایت میں ثابت ہے کہ ان سے پوچھا گیا عزل کے بارے میں تو کہا کہ میں نہیں سمجھتا کہ کوئی مسلمان یہ کرتا ہے۔ نافع حضرت ابن عمر سے روایت کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے اپنے کسی بیٹے کی پٹائی کی عزل کی وجہ سے۔ حضرت عمر اور عثمانؓ سے روایت کیا گیا ہے کہ وہ دونوں عزل سے منع کرتے تھے۔ انتھیٰ۔ ظاہر یہ ہے کہ یہ نہی تنزیہی پر محمول ہے۔

قاضی فرماتے ہیں کہ عزل کو "خفیہ درگور کرنا" اس لئے قرار دیا ہے کہ اس میں نطفہ کو ضائع کرنا ہے جس کو اللہ نے تیار کیا ہے، تاکہ وہ بچہ بنے، اس لحاظ سے یہ عمل بچے کو ہلاک کرنے اور اس کو زندہ دفن کرنے کے مشابہ ہے، لیکن اس میں کوئی شک نہیں ہے کہ یہ اس سے کم درجے کا ہے، اس لئے اس کو "خفی" کہا ہے۔ اور "عزل" کو حرام کہنے والوں نے اس سے استدلال کیا ہے۔ ان کا یہ استدلال ضعیف ہے۔ اس لئے کہ "وأد" حقیقی کے حرام ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ جو اس سے کسی درجے مشابہ ہو وہ بھی حرام ہو، اور علت حرمت میں اس کے ساتھ شریک نہ ہو، اور علت حرمت ایک روح کو زائل کرنا اور اس نفس کو قتل کرنا ہے جس کو اللہ نے حرام کیا ہے مگر حق کے ساتھ، لیکن یہ کراہت پر دلالت کر رہا ہے۔ اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو ابن ہمام نے ذکر کیا ہے، کہ حضرت عمر اور علیؓ نے اس پر اتفاق کیا ہے کہ عزل زندہ درگور کرنا نہیں ہے، یہاں تک کہ اس پر سات "تا (جس کی وضاحت آگے ہے)" گزر جائے۔

ابویعلی وغیرہ نے عبید بن رفاعہ عن أبیہ کی سند سے ذکر کیا ہے، کہ حضرت عمر کے ساتھ حضرت علی، حضرت زبیر اور حضرت سعد رضی اللہ عنہم اجمعین صحابہ کی ایک جماعت میں بیٹھے تھے انہوں نے آپس میں عزل کے بارے میں باتیں کی، اور کہا کہ اس میں کوئی حرج نہیں ہے۔ تو ان میں سے ایک آدمی نے کہا کہ لوگ اس کو "موء ودہ صغریٰ" گمان کرتے ہیں۔ حضرت علیؓ نے فرمایا، کہ نہیں! یہاں تک کہ اس پر سات راتیں گزر جائیں، (جو یہ ہیں:) ① یہ بدبودار مٹی ہو جائے، ② پھر نطفہ ہو جائے۔ ③ پھر خون کا لوتھڑا ہو جائے، ④ پھر گوشت کا ٹکڑا ہو جائے، ⑤ پھر وہ ہڈی بن جائے، ⑥ پھر اس پر گوشت چڑھ جائے، ⑦ پھر ایک الگ صورت وخلقت ہو جائے۔ حضرت عمرؓ نے فرمایا، کہ تم نے سچ کہا، اللہ تمہاری زندگی دراز کرے، اس آدمی نے پوچھا

کیا حمل ٹھہرنے کے بعد اس کا اسقاط جائز ہے؟ فرمایا، جائز ہے جب تک اس سے کوئی خلقت نہ بنی ہو۔ اس کے علاوہ ایک اور مقام پر وہ حضرات فرماتے ہیں کہ اور ''خلقت تام نہیں ہوتی، مگر ایک سو بیس دن کے بعد'' یہ تقاضا کرتا ہے کہ تخلیق سے انکی مراد روح کا پھونکنا ہے، ورنہ تو یہ بات غلط ہے، اس لئے کہ مشاہدہ سے ثابت ہے کہ تخلیق اس مدت سے پہلے متحقق ہو جاتی ہے۔

۳۱۹۰: وَعَنْ اَبِی سَعِيْدٍ الْخُدْرِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اَعْظَمَ الْاَمَانَةِ عِنْدَ اللّٰهِ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَفِي رِوَايَةٍ اِنَّ مِنْ اَشَرِّ النَّاسِ عِنْدَ اللّٰهِ مَنْزِلَةً يَوْمَ الْقِيَامَةِ الرَّجُلُ يُفْضِیْ اِلٰى امْرَأَتِهٖ وَتُفْضِیْ اِلَيْهِ ثُمَّ يَنْشُرُ سِرَّهَا۔ (رواہ مسلم)

اخرجه مسلم فی صحيحه ۱۰۶۱/۲ الحديث رقم (۱۲۴-۱۴۳۸) وابو داود فی السنن ۱۹۰/۵ الحديث رقم ۴۸۷۰ واحمد فی المسند ۶۹/۳

ترجمہ: ''اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک سب سے بڑی امانت۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ قیامت کے دن اللہ تعالیٰ کے نزدیک باعتبار مرتبہ کے لوگوں میں سب سے برا شخص وہ ہوگا جو اپنی بیوی کے پاس (جماع کے لئے) جائے اور وہ بھی اس کے پاس (جماع کے لئے) آئے اور پھر وہ اس کی پوشیدہ باتیں ظاہر کرے''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: قوله :ان اعظم الامانة عند الله......:

''ان من اشر الناس'': اور ایک تصحیح شدہ نسخہ میں ''من شر الناس'' بغیر الف کے ہے۔ جوہری کہتے ہیں کہ اشر الف کے ساتھ ردی لغت ہے۔ قاضی فرماتے ہیں روایت الف کے ساتھ واقع ہے، یہ دلالت کرتا ہے کہ الف کے ساتھ یہ لغت ردی نہیں ہے، اس لئے کہ ''من حفظ حجة علی من لم یحفظ'' (حافظ کی بات غیر حافظ پر حجت ہے۔) خاص کر کے حفاظ علماء حدیث کہ ان کی بات حفظ لغت پر مقدم ہے۔

''الرجل'': پہلی روایت کے لحاظ سے مرفوع ہے۔ اور دوسری روایت کے لحاظ سے منصوب ہے۔

امام طیبی روایت اولی کے مطلب کے بارے میں فرماتے ہیں: ای أعظم امانة عند الله خان فیها الرجل أمانة الرجل کہ سب سے بڑی اور عظیم امانت اللہ کے نزدیک جس میں آدمی خیانت کرے اس آدمی کی امانت ہے، الخ۔

اشرف کہتے ہیں: أی اعظم خیانة الأمانة عند الله یوم القیامة خیانة رجل۔ امانت کی سب سے بڑی خیانت اللہ کے نزدیک قیامت کے روز اس آدمی کی خیانت ہے، الخ۔

''ینشر'': یاء کے فتحہ اور شین کے ضمہ کے ساتھ ''یظهر'' کے معنیٰ میں ہے۔ یعنی لوگوں کے سامنے بیان کرے وہ جو اس کے درمیان اور عورت کے درمیان ہوا، قول اور فعل کے اعتبار سے۔ یا اس کے کسی (ایسے) عیب کو فاش کرے، یا اس کے ایسے محاسن کو بیان کرے جن کو شرعاً اور عرفاً چھپانا لازم ہے۔

ابن الملک فرماتے ہیں کہ زوجین میں سے ہر ایک کے قول وفعل دوسرے کے پاس امانت ہیں، پس جس نے ان میں سے کسی کو فاش کیا، جس کو دوسرا ناپسند کرتا ہے تو اس نے خیانت کی۔

حکایت: کسی ادیب نے کہا کہ میں اپنی بیوی کو طلاق دینا چاہتا ہوں، تو کسی نے اس سے پوچھا کہ کیوں؟ تو اس نے کہا کہ میں اپنی بیوی کا عیب تیرے سامنے کیسے ذکر کروں۔ جب اس نے طلاق دیدی، تو اس سے پوچھا گیا کہ کیوں طلاق دی؟ تو اس نے کہا کہ میں کیسے ایک اجنبی عورت کا عیب تیرے سامنے بیان کروں۔

کہا گیا ہے کہ یہ اس وقت ناجائز ہے کہ جب اس کے بیان کرنے میں کوئی فائدہ نہ ہو۔ اور جب اس کے بیان کرنے پر کوئی فائدہ مرتب ہو، مثلاً وہ عورت اس کے خلاف دعویٰ کر دے جماع سے عجز کا (کہ یہ جماع سے عاجز ہے) یا اس سے اعراض کرنے کا۔ تو ایسی صورت اس کے ذکر کرنے میں کوئی کراہت نہیں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لا يحب الله الجهر بالسوء من القول الا من ظلم﴾ [النساء: ۱۴۸] (اللہ تعالیٰ بری بات زبان پر لانے کو پسند نہیں کرتے بجز مظلوم کے)۔

الفصل الثانی:

۳۱۹۱: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ أُوْحِيَ إِلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِسَاءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمُ الْآيَةَ أَقْبِلْ وَأَدْبِرْ وَاتَّقِ الدُّبُرَ وَالْحِيْضَةَ (رواه الترمذی وابن ماجة والدارمی)

اخرجه الترمذی فی السنن ۵/ ۲۰۰ الحديث رقم ۲۹۸۰ واحمد فی المسند ۱/ ۲۹۷ سورة البقره آية رقم ۲۲۳۔

ترجمہ: "حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ پر یہ آیت بذریعہ وحی نازل کی گئی: نِسَاءُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ ...... (یعنی تمہاری عورتیں تمہاری کھیتیاں ہیں پس آ ؤ تم اپنی کھیتیوں میں ......) لہٰذا تم جس طرح چاہو ان سے مجامعت کرو) خواہ آگے سے (اگلی جانب میں) آ ؤ یا پیچھے سے (اگلی جانب میں) آ ؤ لیکن دُبر میں دخول کرنے سے اور حیض کی حالت میں جماع کرنے سے بچو"۔ (ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: ترمذی نے اس کو موقوفاً روایت کیا ہے۔

"والحيضة": حاء کے کسرہ کے ساتھ اسم ہے "حیض" کا۔ اور اس حالت کو بھی کہتے ہیں جس میں حائضہ سے اجتناب لازم ہوتا ہے۔

واتق الدبر: امام طیبی فرماتے ہیں کہ یہ حدیث تفسیر ہے اس آیت کے لئے: ﴿نِسَآؤُكُمْ حَرْثٌ لَّكُمْ فَأْتُوا حَرْثَكُمْ أَنّٰى شِئْتُمْ وَقَدِّمُوا لِأَنْفُسِكُمْ وَاتَّقُوا اللّٰهَ وَاعْلَمُوا أَنَّكُمْ مُّلٰقُوهُ وَبَشِّرِ الْمُؤْمِنِينَ ......﴾ [البقرة: ۲۲۳] "تمہاری عورتیں تمہاری کھیتی ہیں تو اپنی کھیتی میں جس طرح چاہو جاؤ اور اپنے لیے (نیک عمل) آگے بھیجو اور خدا سے ڈرتے رہو اور جان رکھو کہ (ایک دن) تمہیں اس کے روبرو حاضر ہونا ہے اور (اے پیغمبر صلی اللہ علیہ وسلم) ایمان والوں کو بشارت سنا دو" اس لئے کہ حرث دبر سے بچنے پر دلالت کر رہا ہے اور "انی شئتم" اگلی اور پچھلی جانب سے جماع کی اباحت پر دلالت کر رہا ہے۔ اور تفسیر میں خطاب عام ہے مقبل و مدبر دونوں ان دونوں کے مامور ہیں۔

قوله: أقبل وأدبر:

والحيضة: مطلب یہ ہے کہ حیض کے زمانہ میں جماع کرنے سے بچو۔

امام سرخسی نے ''کتاب الحیض'' میں ذکر کیا ہے کہ جو شخص حائضہ عورت کے ساتھ وطی کو حلال سمجھے، وہ کافر ہے، نوادر میں امام محمد سے روایت ہے کہ کافر نہیں ہوتا، اور یہی صحیح ہے۔ جیسا کہ تفتازانی کی شرح العقائد میں ہے۔ کہا گیا ہے (کہ یہ عدم تکفیر) اس لئے ہے کہ اس کی حرمت پر دلالت کرنے والی نص ﴿ولا تقربو هن حتى يطهرن﴾ [البقرة:۲۲۲] (اور اُن سے قربت مت کیا کرو جب تک کہ وہ پاک نہ ہو جاویں) ہے۔ اور یہ ظنی الدلالۃ ہے، مزید یہ کہ اس کی حرمت لغیرہ ہے۔ فاضل کہتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ اختلاف اس اختلاف پر مبنی ہو کہ حرام لغیرہ کو حلال سمجھنے والا کافر ہے، یا نہیں؟ اس لئے کہ حالت حیض میں وطی کی حرمت گندگی کی وجہ سے ہے۔ انتھیٰ۔

یہ بات محل نظر ہے اس لئے کہ اگر حرمت گندگی کی وجہ سے ہے تو پھر مستحاضہ کے ساتھ وطی حرام ہونی چاہئے اور حائضہ کے ساتھ طہر متخلل میں وطی جائز ہونا چاہئے۔ واللہ اعلم۔

تخریج: ''رواه الترمذي'': ایک نسخہ میں ہے:'' وابن ماجه، والدارمي''۔

۳۱۹۲: وَعَنْ خُزَيْمَةَ بْنِ ثَابِتٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَسْتَحْيِيْ مِنَ الْحَقِّ لَا تَاتُوْا النِّسَاءَ فِيْ اَدْبَارِهِنَّ (رواه احمد والترمذى وابن ماجة والدارمى)

اخرجه ابن ماجه في السنن ۱/۶۱۹ الحديث رقم ۱۹۲٤ والدارمي في ۲/۱۹٦ الحديث رقم ۲۲۱۳ واحمد في المسند ۵/۲۱۳

ترجمہ: ''اور حضرت خزیمہ بن ثابت رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ حق بات کہنے سے شرم نہیں کرتے تم عورتوں سے ان کی مقعد میں بدفعلی (لواطت) نہ کرو''۔ (احمد، ترمذی، ابن ماجہ، دارمی)

حالاتِ راوی:

خزیمة: تصغیر کے ساتھ ہے۔ ان کی کنیت ابو عمارہ ہے یہ انصاری واوسی ہیں ''ذوشہادتین'' سے معروف ہیں، بدر اور اس کے مابعد غزوات میں شریک ہوئے ہیں جنگ صفین میں حضرت علی رضی اللہ عنہ کے ساتھ تھے۔ جب عمار بن یاسر شہید ہوئے، تو (تب) ان نے اپنی تلوار نکالی اور لڑنا شروع کیا یہاں تک کہ شہید ہو گئے۔

تشریح: ''لا يستحيي من الحق'': حیاء اس تغیر کو کہتے ہیں جو انسان پر طاری ہو جائے، عیب اور مذمت کے لاحق ہونے سے۔ اور اللہ پاک کی ذات میں تغیر محال ہے۔ لہٰذا یہ مجاز ہے ترک سے جو کہ حیاء کی غایت اور انتہاء ہے۔
یعنی اللہ پاک حق بات اور اس کو ظاہر کرنا نہیں چھوڑتا۔ اور اس کو مقدمہ بنانا آنے والی نہی کے لئے اس فعل کے قبیح و شنیع ہونے کی خبر دینا مقصود ہے۔ امام طیبی فرماتے ہیں کہ بظاہر یوں فرماتے کہ میں حیاء نہیں کرتا، لیکن اس کی نسبت اللہ کی طرف کی، تاکہ اس میں مزید مبالغہ پیدا ہو جائے۔

قوله: لاتأتو النساء في ادبارهن: یہ حکم عورتوں کے بارے میں ہے، مردوں کے بارے میں کیا حکم ہے؟ شرح العقائد میں ہے کہ اپنی عورت کے ساتھ لواطت کو حلال سمجھنے والا صحیح قول کے مطابق کافر نہیں ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس وجہ

ہے کہ یہ مسئلہ اجتہادی ہے۔

تفسیر مدارک میں اس آیت کے ذیل میں لکھا ہے: ﴿وتذرون ما خلق لکم ربکم من ازواجکم﴾ [الشعراء:١٦٦]
(اور تمہارے رب نے جو تمہارے لئے پیدا کی ہیں ان کو نظر انداز کئے ...... ہو)۔

کہ "من" تبیین ہے "لما خلق" کے لئے یا تبعیض ہے "ما خلق" سے مراد عضو مباح ہے۔ وہ یہ فعل اپنی عورتوں سے کرتے تھے اور اس میں دلیل ہے کہ بیویوں اور باندیوں کے ساتھ پچھلی جانب میں وطی حرام ہے اور جس نے اس کو جائز قرار دیا ہے اس نے بہت بڑی خطا کی ہے۔

امام طیبی فرماتے ہیں کہ اگر یہ فعل اجنبی عورت کے ساتھ کرے، تو اس کا حکم زنا والا ہے، اور اگر اپنی عورت یا اپنی باندی کے ساتھ کرے، تو یہ حرام ہے لیکن اس کو رجم نہیں کیا جائے گا اور نہ اس پر حد جاری کی جائے گی، بلکہ اس پر تعزیر ہوگی۔ امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں اگر کسی نے اپنے غلام سے بدفعلی کی تو یہ اجنبیہ عورت کے ساتھ بدفعلی کرنے کی طرح ہے، اور مفعول بہ اگر چھوٹا ہے یا مجنون ہے یا مجبور ہے، تو اس پر حد جاری نہیں ہوگی۔

۳۱۹۳: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم مَلْعُوْنٌ مَنْ اَتٰى امْرَأَتَهٗ فِیْ دُبُرِهَا۔ (رواہ احمد وابوداود)

اخرجه ابو داود فی السنن ٦١٨/٢ الحدیث رقم ٢١٦٢ واحمد فی المسند ٤٤٤/٢۔

ترجمہ: "اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ شخص ملعون ہے جو اپنی عورت کے پاس مقعد (پیٹھ کی جانب) میں آتا ہے"۔ (ابوداؤد، احمد)

تشریح: "امرأته": اور ایک نسخہ میں امرأة ہے اول زیادہ بلیغ ہے۔

۳۱۹۴: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم اِنَّ الَّذِیْ یَأْتِیْ امْرَأَتَهٗ فِیْ دُبُرِهَا لَا یَنْظُرُ اللّٰهُ اِلَیْهِ۔ (رواہ فی شرح السنة)

اخرجه ابن ماجه فی السنن ٦١٩/١ الحدیث رقم ١٩٢٣ والبغوی فی شرح السنة١٠٧/٩ الحدیث رقم ٢٢٩٧۔

ترجمہ: "اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص اپنی عورت کے پاس مقعد (پیٹھ کی جانب) میں آتا ہے اللہ تعالیٰ اس کی طرف نظرِ (رحمت وشفقت) نہیں فرمائے گا"۔ (ترمذی)

۳۱۹۵: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّم لَا یَنْظُرُ اللّٰهُ اِلٰى رَجُلٍ اَتٰى رَجُلًا اَوِ امْرَأَةً فِی الدُّبُرِ (رواہ الترمذی)

اخرجه الترمذی فی السنن ٤٦٩/٣ الحدیث رقم ١١٦٥۔

ترجمہ: "اور حضرت ابن عباسؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اللہ تعالیٰ اس شخص کی طرف نظر (رحمت وشفقت کی) نہیں فرمائے گا کسی مرد یا عورت کے ساتھ بدفعلی (لواطت) کرتا ہے"۔ (ترمذی)

تشریح: ماقبل گزر چکی۔

۳۱۹۶: وَعَنْ اَسْمَآءَ بِنْتِ يَزِيْدَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا تَقْتُلُوْا اَوْ لَادَكُمْ سِرًّا فَاِنَّ الْغَيْلَ يُدْرِكُ الْفَارِسَ فَيُدَعْثِرُهُ عَنْ فَرَسِهٖ۔ (رواہ ابوداود)

اخرجه ابو داود فی السنن ٢١١/٤ الحديث رقم ٣٨٨١ وابن ماجه فی ٦٤٨/١ الحديث رقم ٢٠١٢ واحمد فی المسند ٤٥٨/٦۔

ترجمہ: "اور حضرت اسماء بنت یزید رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: تم اپنی اولاد کو مخفی طور پر قتل نہ کرو کیونکہ غیل (یعنی حاملہ عورت کا دودھ) سوار پر اثر انداز ہوتا ہے اور اسے اس کے گھوڑے سے گرادیتا ہے"۔ (ابوداؤد)

قولہ :عن اسماء بنت يزيد:

"اسماء": اس کی اصل "وسماء" ہے فعلاء کے وزن پر' اسی وجہ سے یہ غیر منصرف ہے' جیسا کہ کہا گیا ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ "اسماء" جمع ہو "اسم" کی اور غیر منصرف ہو علمیت اور تانیث کی وجہ سے۔

بنت يزيد: یہ احتراز ہے اسماء بنت ابی بکر سے۔

لا تقتلوا اولادكم سرا ......: یہ نہی تنزیہی ہے اور سابق میں "لقد هممت ان انهى" کو نہی تحریمی پر محمول کیا جائے گا لہٰذا منافات نہیں ہے۔

فيد عثره عن فرسه: پس وہ مرجاتا ہے، پس اس کی یہ موت مسبب ہے اس غیلہ کا اور وہ مہلک ہے، لیکن وہ چھپا ہوا مہلک ہے' ظاہر نہیں ہے۔ وضاحت اس کی یہ ہے کہ عورت کے ساتھ جب جماع کیا جائے اور وہ حاملہ ہو جائے تو اس کا دودھ فاسد ہو جاتا ہے اور جب اس دودھ سے بچہ غذا حاصل کرتا ہے، تو اس کا برا اثر اس کے بدن میں باقی رہتا ہے اور اس کے مزاج کو فاسد کر دیتا ہے، پس جب وہ جوان ہو جاتا ہے اور گھوڑے پر سوار ہو کر گھوڑے کو دوڑاتا ہے تو اکثر اس کو غیل کا ضعف لاحق ہو جاتا ہے پس یہ گھوڑے کی پیٹھ سے گر جاتا ہے۔ یہ اس کے قتل کی طرح ہے۔ نبیؐ نے حالت حمل میں بچوں کو دودھ پلانے سے منع کیا۔

اور یہ بھی احتمال ہے کہ منع مردوں کے لئے ہو، یعنی تم دودھ پلانے کے زمانہ میں جماع نہ کرو تا کہ تمہاری عورتیں حاملہ نہ ہوں، پس حالت حمل میں دودھ پلانا تمہاری اولاد کو ہلاک کر دے گا اور یہ نہی تنزیہی ہے نہ کہ تحریمی۔

طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ سابقہ دو حدیثوں میں غیل کے اثر کی نفی زمانہ جاہلیت کے عقیدہ کے ابطال کے لئے تھی، کہ یہ مؤثر ہے، اور یہاں اس کا اثبات ہے اس لئے کہ فی الجملہ یہ بھی ایک سبب ہے باوجود یہ کہ مؤثر حقیقی اللہ پاک ہے۔

الفصل الثالث:

۳۱۹۷: عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يُعْزَلَ عَنِ الْحُرَّةِ اِلَّا

بِإِذْنِهَا. (رواه ابن ماجة)

اخرجه احمد فی المسند ۱/۳۱۔

ترجمہ: ''اور حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حرۃ (آزاد عورت) کے ساتھ اس کی اجازت کے بغیر عزل کرنے سے منع فرمایا''۔ (ابن ماجہ)

تشریح: چونکہ اس کے ساتھ عورت کا حق وابستہ ہے اور وہ حق ہے لذتِ جماع' یا تحصیل ولد اور استمتاع۔

بَابٌ

گزشتہ باب کے متعلقات کا بیان

لفظ "باب" یہاں تنوین کے ساتھ اور سکون کے ساتھ دونوں طرح درست ہے۔ یعنی ایک اور نوع جو کتاب کے متعلق ہے اور باب کے ساتھ مناسبت رکھتی ہے۔

الفصل الاول:

۳۱۹۸: عَنْ عُرْوَةَ عَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم قَالَ لَهَا فِيْ بَرِيْرَةَ خُذِيْهَا فَاَعْتِقِيْهَا وَكَانَ زَوْجُهَا عَبْدًا فَخَيَّرَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَاخْتَارَتْ نَفْسَهَا وَلَوْ كَانَ حُرًّا لَمْ يُخَيِّرْهَا۔

(متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۱۹۰/۵ الحدیث رقم ۲۵۳۶ ومسلم فی ۱۱٤۲/۲ الحدیث رقم (۸۔۱۵۰٤)وابو داوٗد فی السنن ٦۷۲/۲ الحدیث رقم ۲۲۳۳ والترمذی فی ٤٦۰/۳ الحدیث رقم ۱۱۵٤ والنسائی فی ١٦۳/٦ الحدیث رقم ۳٤٤۹وابن ماجه فی ٦۷۰/۱ الحدیث رقم ۲۰۷٤ والدارمی فی۲۲۲/۲ الحدیث رقم ۲۲۸۹ ومالك فی الموطأ۵٦۲/۲ الحدیث رقم ۲۵من كتاب الطلاق واحمد فی المسند ٤۲/٦

ترجمہ: ''حضرت عروہ اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ان (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا) سے بریرہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں فرمایا کہ اسے (اس کے مالک سے) لے لو اور پھر اس کو آزاد کر دو اس کا شوہر چونکہ غلام تھا اس لئے آنحضرت ﷺ نے اسے (نکاح برقرار رکھنے کا یا فسخ کرنے کا) اختیار دے دیا تھا اور بریرہ رضی اللہ عنہا نے (اس اختیار کے مطابق) اپنے آپ کو (اپنے شوہر سے) علیحدہ کر لیا اور اگر اس کا شوہر آزاد ہوتا تو آپ ﷺ اسے یہ اختیار نہ دیتے''۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: **قوله ولو كان حرا لم يخيرها:** ظاہر یہ ہے کہ یہ عروہ کا کلام ہے، اس لئے کہ ابوداؤد نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے کہ بریرہ کا شوہر آزاد تھا جس وقت وہ آزاد ہوئی اور اس کو اختیار دیا گیا، پس وہ کہنے لگی کہ میں ان کے ساتھ رہنا پسند نہیں کرتی اس لئے کہ انہوں نے مجھے ایسے ایسے کہا ہے۔ انتھی۔

اور مصنف نے بھی اس کی طرف اشارہ کیا ہے کہ **عن عروة** ذکر کیا ہے **عن عائشة** نہیں کہا۔

فخيرها رسول الله یعنی نکاح کو فسخ کرنے اور جاری رکھنے کے درمیان۔

شیخ مظہر فرماتے ہیں کہ جب لونڈی کو آزاد کیا، اگر اس کا شوہر غلام ہے تو بالاتفاق اس کو اختیار حاصل ہوگا۔ اور اگر اس کا شوہر آزاد ہے تو اس کو اختیار حاصل نہ ہوگا فسخ نکاح کا امام مالک، شافعی اور احمد کے نزدیک۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے

نزدیک اس کو اختیار حاصل ہوگا۔ اور اگر زوجین ایک ساتھ آزاد ہو جائیں تو اختیار نہ ہوگا، یا صرف شوہر آزاد ہو جائے تو اس کو بھی اختیار حاصل نہ ہوگا، خواہ اس کی بیوی باندی ہو یا آزاد ہو۔ اور مزید تحقیق محقق ابن ہمام کے کلام میں باب کے آخر میں آئے گی۔

۳۱۹۹: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ كَانَ زَوْجُ بَرِيْرَةَ عَبْدًا اَسْوَدَ يُقَالُ لَهُ مُغِيْثٌ كَاَنِّي اَنْظُرُ اِلَيْهِ يَطُوْفُ خَلْفَهَا فِي سِكَكِ الْمَدِيْنَةِ يَبْكِيْ وَدُمُوْعُهُ تَسِيْلُ عَلٰى لِحْيَتِهٖ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِلْعَبَّاسِ يَا عَبَّاسُ اَلَا تَعْجَبُ مِنْ حُبِّ مُغِيْثٍ بَرِيْرَةَ وَمِنْ بُغْضِ بَرِيْرَةَ مُغِيْثًا فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ رَاجَعْتِيْهِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ تَأْمُرُنِيْ قَالَ اِنَّمَا اَشْفَعُ قَالَتْ لَا حَاجَةَ لِيْ فِيْهِ۔ (رواہ البخاری)

اخرجه البخاري في صحيحه ۹/۴۰۸ الحديث رقم ۵۲۸۳ وابو داود في السنن ۲/۶۷۰ الحديث رقم ۲۲۳۱ والترمذي في ۳/۴۵۱ الحديث رقم ۱۱۵۵ والدرمي في ۲/۲۲۳ الحديث رقم ۲۲۹۲ واحمد في المسند ۱/۲۱۵۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ بریرہ رضی اللہ عنہا کا شوہر ایک سیاہ فام غلام تھا۔ اس کو مغیث (نام) سے پکارا جاتا تھا' میری آنکھوں کے سامنے اب بھی وہ منظر ہے جب وہ بریرہ رضی اللہ عنہا کے پیچھے پیچھے مدینہ کی گلیوں میں روتا پھرتا تھا اور اس کی آنکھوں سے آنسو ٹپک ٹپک کر اس کی داڑھی پر گرتے تھے چنانچہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ نے حضرت عباس رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ''عباس! کیا تمہیں مغیث کی بریرہ سے محبت اور بریرہ کی مغیث سے نفرت پر تعجب نہیں ہو رہا؟'' پھر آپ ﷺ نے (بریرہؓ سے) بھی فرمایا کہ ''(اے بریرہؓ!) اگر تم اس سے رجوع کر لو؟ (یعنی مغیث سے دوبارہ نکاح کر لیتیں) بریرہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ ﷺ کیا آپ ﷺ مجھے (بطور وجوب) اس کا حکم دے رہے ہیں؟ آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''(اے بریرہ!) میں تو سفارش کر رہا ہوں (یعنی بطور وجوب نہیں بلکہ بطور مشورہ تمہیں حکم دے رہا ہوں) بریرہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ پھر مجھے اس سے رجوع کرنے کی کوئی ضرورت نہیں ہے (یعنی مجھے اس کے ساتھ رہنا منظور نہیں ہے)''۔ (بخاری)

تشریح: قوله : كان زوج بريرة ...... ومن بغض بريرة مغيثا:

''يبكي ودموعه تسيل، على لحيته'': دونوں جملے حالیہ ہیں۔

''لو راجعتيه'': روایت یاء کے اثبات اور کسرہ کے اشباع کے ساتھ ہے۔

''لو'' تمنی کے لئے ہے یا ''لو'' شرطیہ ہے اور جزاء محذوف ہے۔ تقدیری عبارت اس طرح ہے: لكان ثوبا ولكان اولى۔

''تأمرني'': ہمزہ استفہام محذوف ہے ای أتأمرني في مراجعته وجوباً۔

عبد اسود : یعنی صورت کے قبیح ہونے میں کالے غلام کی طرح تھے، یا غلام تھے پھر آزاد ہوئے۔ یہ منافی نہیں ہے ابوداؤد اس روایت کے جو قبل میں جو حضرت عائشہؓ کے حوالہ سے گزری کہ بریرہ کی آزادی کے وقت ان کا شوہر آزاد تھا۔

فقال النبیؐ للعباس : سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ روایات سے معلوم ہوتا ہے کہ بریرہ کا قصہ دور نبوت کے آخر یعنی نویا دس ہجری میں پیش آیا، اس لئے کہ حضرت عباس ان کی طائف واپسی کے بعد مدینہ میں رہائش پذیر ہوئے تھے، اور ان کا بیٹا

اپنے والدین کے ساتھ آیا تھا، اس نے بھی اس واقعہ کے دیکھنے کی خبر دی ہے۔ تو اس کی وجہ یہ ہے کہ بریرہ آزادی سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی خدمت کیا کرتی تھیں۔ اس کو ذکر کیا ہے سبکی نے اور ابن حجر نے اس کو قوی قرار دیا ہے۔

من بغض بريدة مغيثا : کہا گیا ہے کہ تعجب اس بات پر تھا کہ غالب عادت میں میں محبّ محبوب ہوتا ہے۔ اور محبوب محبّ ہوتا ہے۔

لا حاجة لي : یعنی مجھے اس میں کوئی غرض اور خیر خواہی نہیں ہے۔

لي فيه : یعنی اس کی طرف رجوع کرنے میں اس میں اشارہ ہے بریرہ کا آپؐ کے سفارش کو قبول نہ کرنے کے عذر کی طرف۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وبعولتهن احق بردهن ان ارادوا اصلاحا﴾ [البقرة:۲۲۸] (اور اُن عورتوں کے شوہر ان کے پھر لوٹانے کا حق رکھتے ہیں اس مدت کے اندر شرط یہ کہ اصلاح کا مقصد رکھتے ہوں)۔

ابن الملک فرماتے ہیں کہ اس میں دلیل ہے کہ بریرہ نے حضورؐ کے حکم اور سفارش میں فرق کیا ہے کہ حکم کی تعمیل واجب ہے اور سفارش کی تعمیل واجب نہیں ہے۔ انتھی۔

اور اس حدیث سے امام کی سفارش رعایا کو معلوم ہوتی ہے اور یہ مکارم اخلاق میں سے ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ رعایا کے لئے امام کے سفارش کا قبول کرنا ضروری نہیں ہے۔ اور اس کے نہ ماننے پر امام کا مواخذہ نہ کرنا معلوم ہوا۔ اور یہ معلوم ہوا کہ عداوت اور دشمنی برے اخلاق اور برے سلوک کی وجہ سے جائز ہے۔ اور یہ کہ جس عورت کو نکاح کا پیغام دینا چاہے تو اس کو دکھنا اور اس کے پیچھے پھرنا جائز ہے۔

الفصل الثانی:

۳۲۰۰: عَنْ عَآئِشَةَ اَنَّهَا اَرَادَتْ اَنْ تُعْتِقَ مَمْلُوْكَيْنِ لَهَا زَوْجٌ فَسَأَلَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَمَرَهَا اَنْ تَبْدَأَ بِالرَّجُلِ قَبْلَ الْمَرْأَةِ. (رواه ابوداود والنسائی)

اخرجه ابو داود فی السنن ۶۷۳/۲ الحديث رقم ۲۲۳۷ والنسائی فی ۱۶۱/۶ الحديث رقم ۳۴۴۶ وابن ماجه فی ۸۴۶/۲ الحديث رقم ۲۵۳۲۔

ترجمہ: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ انہوں نے اپنے دو غلاموں کو آزاد کرنے کا ارادہ کیا جو آپس میں میاں بیوی تھے تو انہوں نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انہیں مرد کو عورت سے پہلے آزاد کرنے کا حکم دیا (تا کہ عورت کو نکاح کے فسخ کرنے کا اختیار باقی نہ رہے)''۔ (ابوداؤد' نسائی)

تشریح: ''مملوكين لها زوج'': اور ایک نسخہ میں (''زوج'' کے بجائے ''زوجين'' کا لفظ ہے جو صفت ہے مملوکین کے لئے۔ امام طیبی فرماتے ہیں کہ سنن ابوداؤد میں بھی ''لها زوج'' ہے مصابیح کے اکثر نسخوں میں بھی ''لها زوج'' ہے۔ شرح السنہ میں ہے کہ ''زوجین'' صفت ہے مملوکین کی اور ضمیر ''لها'' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی طرف راجع ہے، اور مصابیح کے بعض نسخوں میں ''مملوكة لها زوج ہے'' اس صورت میں ''لها'' کی ضمیر اس جاریہ کی طرف راجع ہوگی۔

"لها زوج": یعنی وہ آپس میں میاں بیوی تھے۔ اس لئے کہ زوج کا اطلاق میں ایسے دو چیزوں پر ہوتا ہے جن کے درمیان ازدواج ہو۔ اور کبھی ان میں سے کسی ایک پر اطلاق ہوتا ہے۔

"لها زوج": امام طیبی فرماتے ہیں کہ اسکے اعراب میں اشکال ہے، الّا یہ کہ مقدر نکالا جائے۔ احدهما زوج الأخريا بينهما ازدواج.

مرد کی آزادی سے فسخ نکاح لازم نہیں آتا اور عورت کی آزادی فسخ نکاح کو لازم ہے۔ پس (اگر میاں بیوی دونوں کو یکے بعد دیگرے آزاد کرنا ہوتو) مرد سے ابتداء کرنا زیادہ بہتر ہے، تاکہ فسخ نکاح لازم نہ آئے۔ یہ شیخ مظہر کے کلام کا حاصل ہے۔ اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ مرد سے ابتداء اس لئے کی جائے کہ وہ اکمل وافضل ہے، یا اس وجہ سے کہ عام طور پر عورت کا عار محسوس کرنا اس سے کہ اس کا شوہر غلام ہو زیادہ ہوتا ہے بخلاف اس کے عکس کے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

۳۲۰۱: وَعَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ بَرِيْرَةَ عُتِقَتْ وَهِيَ عِنْدَ مُغِيْثٍ فَخَيَّرَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ لَهَا اِنْ قَرِبَكِ فَلَا خِيَارَ لَكِ. (رواہ ابوداود)

اخرجه ابود اود في السنن ٦٧٣/٢ الحديث رقم ٢٢٣٦

ترجمہ: "اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ بریرہ رضی اللہ عنہا کو اس حال میں آزاد ہوئی کہ وہ مغیث کے نکاح میں تھیں چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے اسے (اپنا نکاح باقی رکھنے یا فسخ کر دینے کا) اختیار دے دیا اور اسے یہ بھی فرمایا کہ اگر اس نے (یعنی تیرے شوہر نے) تجھ سے جماع کر لیا تو پھر تیرے پاس اختیار نہیں رہے گا (کیونکہ اس صورت میں یہ سمجھا جائے گا کہ تو اس کی زوجیت پر راضی ہے)"۔ (ابوداؤد)

حالاتِ راوی:

مغیث۔ یہ "مغیث" ہیں۔ حضرت بریرہ (حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی آزاد کردہ) کے شوہر ہیں۔ یہ خود آل ابی احمد بن جحش کے آزاد کردہ ہیں۔ ان سے ابن عباس رضی اللہ عنہ اور عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کی۔ "مغیث" میں میم مضموم، غین معجمہ مکسور اور یاء جس کے نیچے دو نقطے ہیں اور تین نقطے والی ثاء ہے۔

بسرۃ۔ یہ بسرہ صفوان بن نوفل کی بیٹی تھیں اور یہ ورقہ بن نوفل کی بھتیجی تھیں۔ نسلاً یہ قرشیہ اسدیہ تھیں۔ "بسرۃ" باء ایک نقطہ والی اور سین مہملہ سکون کے ساتھ ہے۔

تشریح: "قربك": راء کے کسرہ کے ساتھ۔ ای جامعك۔ اور ایک نسخہ میں راء کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ ای دنا منك بالجماع۔

شرح السنہ میں ہے کہ جب یہ حدیث صحیح ہے تو پھر اس پر عمل کرنا واجب ہے چنانچہ امام شافعی فرماتے ہیں کہ اس کو اختیار اس وقت تک حاصل ہوتا ہے جب تک کہ آزادی کے بعد شوہر اس کے ساتھ جماع نہ کر لے۔ اور خیار کی تاخیر کے بارے میں مجھے کوئی چیز معلوم نہیں جسکو مانا جائے، سوائے رسول اللہ ﷺ کی زوجہ حضرت حفصہ کے قول کے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ جب باندی اپنے مولا کے حکم سے نکاح کرلے، یا مولا اس کا نکاح کرادے اس کی رضامندی سے یا اس کی رضا کے بغیر، پھر وہ آزاد ہو جائے، تو اس کو اختیار ہوتا ہے خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام۔ اور اگر وہ باندی اپنا نکاح کرے بغیر مولیٰ کی اجازت کے، اور پھر مولیٰ اسے آزاد کردے تو آزادی سے اس کا نکاح نافذ ہو جائے گا اور اس کو اختیار حاصل نہ ہوگا۔ امام شافعی کا اس صورت میں ہم سے اختلاف ہے کہ جب اس کا شوہر آزاد ہو۔ چنانچہ وہ فرماتے ہیں کہ خیار حاصل نہ ہو گا۔ اور یہی امام مالک کا قول ہے۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اختلاف کا منشأ یہ ہے کہ بریرہ کے شوہر کے بارے میں دو متعارض روایات ہیں ان میں سے کس کو ترجیح دی جائے کہ جب بریرہ آزاد ہوئی تو اس کا شوہر آزاد تھا یا غلام؟ تو صحیحین میں عائشہ رضی اللہ عنہا کی حدیث سے ثابت ہوتا ہے کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے بریرہ کو اختیار دیا اور اس کا شوہر غلام تھا۔ اس کو روایت کیا ہے قاسم نے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت میں اختلاف نہیں ہے کہ وہ غلام تھے۔ اور صحیحین میں یہ ثابت ہے کہ جب بریرہ آزاد ہوئی تو اس کا شوہر آزاد تھا۔ اور اسی طرح سنن اربعہ میں روایت کیا گیا ہے اور ترمذی فرماتے ہیں کہ **هذا حديث حسن صحيح** اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی روایت میں ترجیح کا تقاضا یہ ہے کہ وہ آزاد تھے اور یہ اسلئے کہ اس حدیث کے راوی حضرت عائشہؓ سے تین ہیں۔: ① اسود ② عروہ ③ قاسم۔

پس اسود نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کرنے میں اختلاف نہیں کیا ہے کہ وہ آزاد تھے۔ اور عروۃ سے دو روایت ہیں اور دونوں صحیح ہیں۔ ایک یہ ہے کہ وہ آزاد تھے اور دوسری یہ ہے کہ وہ غلام تھے۔ اور عبدالرحمٰن بن قاسم سے بھی دو صحیح روایتیں ہیں، ایک یہ کہ وہ آزاد تھے اور دوسری میں شک ہے۔

اور دوسری وجہ ترجیح مطلقاً ہے، یعنی روایت عائشہ رضی اللہ عنہا کے ساتھ خاص نہیں ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ اس روایت: **خيرها رسول الله وزوجها عبدا** میں یہ احتمال ہے کہ واؤ عطف کے لئے ہو نہ کہ حال کے لئے ہو۔ اس کا حاصل یہ ہے کہ یہ دونوں باتوں کی خبر ہے اور اس کی رقیت یعنی غلامی کے ساتھ متصف ہونے سے یہ لازم نہیں آتا کہ بریرہ کی آزادی کے وقت بھی اس کی یہی حالت تھی، یہ اس احتمال کے بعد ہے کہ عبد یعنی غلام سے آزاد مراد لیا جائے مجازاً باعتبار ما كان کے اور یہ عرف میں عام ہے اور اس ترجیح کو رد نہ کرنے والی بات یہ ہے کہ حر والی روایت زیادہ صریح ہے عبد والی روایت سے، اور روایت حر زیادت کو ثابت کرتی ہے لہٰذا وہ زیادہ اولیٰ ہے اور یہ بھی کہ وہ مثبت ہے اور عبد والی روایت نافی ہے اس لئے کہ یہ بات معلوم ہے کہ اس کی اصلی حالت غلامی کی تھی اور "عبد" والی روایت اس کو باقی رکھ رہا ہے اور مثبت اس سے نکالنے والی ہے۔

باقی معنیٰ معلل بہ کے بارے میں اختلاف ہے۔ اور ابن ہمام نے اس کو تفصیل سے ذکر کیا ہے، اگر آپ احاطہ چاہتے ہیں تو اس کی طرف رجوع کریں۔

بَابُ الصَّدَاقِ

مہر کا بیان

صداق: کتاب اور سحاب کے وزن پر مہر کے معنی میں ہے کسرہ اس میں اکثر و افصح ہے اور فتحہ اخف و اشہر ہے۔
وجہ تسمیہ: اس کو صداق اس لئے کہا جاتا ہے کہ اس سے مرد کے عورت کی طرف میلان کا صدق معلوم ہوتا ہے۔

الفصل الاول:

۳۲۰۲: وَعَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم جَاءَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّي وَهَبْتُ نَفْسِي لَكَ فَقَامَتْ طَوِيْلاً فَقَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ زَوِّجْنِيهَا اِنْ لَمْ تَكُنْ لَكَ فِيْهَا حَاجَةٌ فَقَالَ هَلْ عِنْدَكَ مِنْ شَيْءٍ تُصْدِقُهَا قَالَ مَا عِنْدِي اِلاَّ اِزَارِي هٰذَا قَالَ فَالْتَمِسْ وَلَوْ خَاتَمًا مِّنْ حَدِيْدٍ فَالْتَمَسَ فَلَمْ يَجِدْ شَيْئًا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم هَلْ مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ شَيْءٌ قَالَ نَعَمْ سُوْرَةُ كَذَا وَسُوْرَةُ كَذَا فَقَالَ قَدْ زَوَّجْتُكَهَا بِمَا مَعَكَ مِنَ الْقُرْاٰنِ وَفِي رِوَايَةٍ قَالَ انْطَلِقْ فَقَدْ زَوَّجْتُكَهَا فَعَلِّمْهَا مِنَ الْقُرْاٰنِ۔ (متفق علیہ)

اخرجه البخاري في صحيحه ١٩٠/٩ الحديث رقم ٥١٣٥ ومسلم في ١٠٤٠/٢ الحديث رقم (٧٦-١٤٢٥) وابوداؤد في السنن ٥٨٦/٢ الحديث رقم ٢١١١ والترمذي في ٤٢١/٣ الحديث رقم ١١١٤ والنسائي في ١١٣/٦ الحديث رقم ٣٣٣٩ وابن ماجه في ٦٠٨/١ الحديث رقم ١٨٨٩ والدارمي في ١٩٠/٢ الحديث رقم ٢٢٠١ ومالك في الموطأ ٥٢٦/٢ الحديث رقم ٨ من كتاب النكاح واحمد في المسند ٣٣٠/٥

ترجمہ: ''اور حضرت سہل بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ایک عورت رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی ''یا رسول اللہ! میں نے اپنے آپ کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے لئے ہبہ کر دیا''۔ (یہ کہہ کر) وہ عورت دیر تک کھڑی رہی یہاں تک کہ (آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کی بات کا کوئی جواب نہیں دیا اور ابھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم خاموش ہی تھے کہ) ایک شخص (یعنی ایک صحابیؓ) کھڑے ہوئے اور عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! اگر آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس عورت کی ضرورت محسوس نہ فرماتے ہوں تو صلی اللہ علیہ وسلم پھر اس سے میرا نکاح کر دیجئے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے پوچھا ''کیا تمہارے پاس کوئی ایسی چیز بھی ہے جسے تم اس عورت کو بطور مہر ادا کر سکو؟'' انہوں نے عرض کیا کہ ''اس تہ بند کے علاوہ (جسے میں باندھے ہوئے ہوں) میرے پاس کوئی اور چیز نہیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جاؤ (کوئی چیز) تلاش کرو اگرچہ وہ لوہے کی انگوٹھی ہی ہو''۔ صحابیؓ نے بہت تلاش کیا مگر انہیں کوئی چیز نہیں ملی تو پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان سے پوچھا کہ ''کیا تمہیں قرآن میں سے کچھ یاد ہے؟'' انہوں نے عرض کیا کہ ''ہاں! فلاں فلاں سورتیں یاد

ہیں''۔ آپ ﷺ نے فرمایا: قرآن میں سے جو کچھ تمہیں یاد ہے اس کے سبب میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا''۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جاؤ میں نے تمہارا نکاح اس عورت سے کر دیا''۔ اس کو قرآن (کا وہ حصہ جو تمہیں یاد ہے) سکھا دو''۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: "قوله : قال نعم سورة كذا وكذا": مالک نے الفاظ کا اضافہ نقل کیا ہے: لسور سماها اور سنن ابوداؤد میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت میں ''سورة البقرة التي تليها" کے الفاظ ہیں، اور دارقطنی نے یہ الفاظ زائد کئے ہیں: ''وسور المفصل" اور ابوالشیخ نے ''انا اعطيناك الكوثر" کے الفاظ روایت کئے ہیں۔

"تصدقها": باب افعال سے ہے خاتم": تاء کے کسرہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ ہے۔

قوله :فقالت يا رسول الله ...... فقامت طويلا:

یہ دلیل ہے کہ آپ اس کے ساتھ شادی کرنے پر راضی نہ تھے۔

اس حدیث میں اللہ کے اس ارشاد کی طرف اشارہ ہے: ﴿وامرأة مؤمنة ان وهبت نفسها للنبي ان اراد النبي ان يستنكحها﴾ [الاحزاب: ۵۰] (اور اُن مسلمان عورت کو بھی جو بلا عوض اپنے کو پیغمبر کو دیدے، بشرطیکہ پیغمبر اس کو نکاح میں لانا چاہیں)۔ صاحب مدارک اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ ہم نے تیرے لیے حلال کر دی ہے اگر کوئی مومن عورت اپنا نفس تجھے ہبہ کرے اور مہر طلب نہ کرے۔ اگر اس (پیشکش) کا اتفاق ہو جائے، اور اسی وجہ سے اس کو نکرہ ذکر کیا ہے۔

ابن عباس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ مستقبل کے حکم کا بیان ہے۔ آپ ﷺ کے پاس ہبہ والی کوئی عورت نہ تھی۔ بعض نے کہا ہے کہ اپنے آپ کو ہبہ کرنے والی میمونہ بنت حارث تھیں یا زینب بنت خزیمہ یا ام شریک بنت جابر یا خولہ بنت حکیم تھیں۔ یہ صرف آپؐ کے لئے خاص تھا نہ کہ دوسرے مؤمنین کے لئے، بلکہ آپ کے علاوہ پر مہر واجب ہے، اگر چہ مہر مقرر نہ کرے یا مہر کی نفی کر دے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ نبیؐ کی خصوصیات میں سے ہے کہ آپؐ پر مہر واجب نہ تھا اگر چہ دخول بھی کر لیا ہو۔ برخلاف دوسروں کے۔

لفظ ہبہ کے ساتھ نبی ﷺ کے نکاح کے منعقد ہونے کے بارے میں دو قول ہیں۔ صحیح ان میں سے یہ ہے کہ منعقد ہو جاتا ہے، آیت اور حدیث کے ظاہر سے یہی معلوم ہوتا ہے۔ اور دوسرا قول یہ ہے کہ آپ کا نکاح منعقد نہیں ہوتا، مگر لفظ تزویج یا نکاح کے ساتھ جیسا کہ یہی حکم آپؐ کے علاوہ اُمت کے لئے ہے، اس لئے کہ ہمارے نزدیک نکاح منعقد نہیں ہوتا، مگر ان دو الفاظ کے ساتھ۔ ہمارے درمیان اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ اور امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ منعقد ہو جاتا ہے، ہر ایک کا نکاح ہر اس لفظ سے جو علی التابید تملیک پر دلالت کرے۔ اور امام مالک سے دو روایتیں ہیں، ایک روایت ہمارے مذہب کی طرح ہے، اور دوسری روایت یہ ہے کہ منعقد ہو جاتا ہے لفظ ہبہ، صدقہ بیع سے جب ان سے ارادہ نکاح کا ہو۔

اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ عورت کا اپنے آپ کو نکاح کے لئے نیک لوگوں پر پیش کرنا مستحب ہے۔

اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر کسی سے ضرورت کے پورا کرنے کی درخواست کی جائے اور اس کے لئے اس کا پورا کرنا

ممکن نہ ہو، تو وہ ایسی خاموشی اختیار کر لے کہ جس سے سائل سمجھ جائے۔ اور اس کو صراحۃً منع کرنے کے ساتھ شرمندہ نہ کرے۔

ما عندی الا ازاری هذا: اس سے معلوم ہوا کہ اس کے پاس اس کے علاوہ کوئی تہبند اور چادر نہ تھی۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ عورت کا نکاح کرنا جائز ہے بغیر اس سے پوچھے، کہ وہ عدت میں ہے یا نہیں ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ نکاح میں مہر مقرر کرنا مستحب ہے اس لئے کہ یہ نزاع کو ختم کرنے والا ہے، اور عورت کیلئے زیادہ مفید ہے۔

فوائد: کم مہر مقرر کرنا ان چیزوں میں سے جن تمول حاصل ہو جائز ہے۔ اس لئے کہ لوہے کی انگوٹھی انتہائی قلیل ہے۔ یہ امام شافعی اور جمہور علماء کا مذہب ہے۔ اور امام مالک فرماتے ہیں کہ مہر کی کم سے کم مقدار ایک چوتھائی دینار ہے نصاب سرقہ کی طرح۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ اور اس کے اصحاب کہتے ہیں کہ کم سے کم مقدار دس دراہم ہے۔ جمہور کا مذہب ہی صحیح ہے، چونکہ یہ حدیث صحیح بھی ہے اور صریح بھی۔

ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ امام شافعی اور احمدؒ کی دلیل عبدالرحمٰن بن عوف اور جابرؓ کی دو حدیثیں ہیں، جو عنقریب آ رہی ہیں۔ اور ہماری دلیل حضرت جابرؓ کی وہ حدیث ہے کہ جس میں آپ ﷺ نے فرمایا: خبردار عورتوں کا نکاح نہ کرائے مگر ان کا ولی اور ان کا نکاح نہ کرایا جائے مگر کفوٗ میں' اور دس دراہم سے کم مہر نہیں ہے۔ اس کو دارقطنی نے روایت کیا ہے اور بیہقی نے۔ اس روایت کا ایک شاہد بھی ہے جو اس کو اور قوی کر دیتا ہے۔ اور وہ یہ ہے کہ حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ انہوں نے فرمایا کہ خبردار دس دراہم سے کم میں ہاتھ نہ کاٹا جائے اور مہر دس دراہم سے کم نہیں ہوتا۔ اس کو بھی دارقطنی اور بیہقی نے روایت کیا ہے۔

پس وہ تمام روایات جن کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ مہر دس دراہم سے کم بھی ہوتا ہے ان کو مہر معجّل پر محمول کیا جائے گا چونکہ عرب کی یہ عادت تھی کہ وہ دخول سے قبل کچھ مہر ادا کرتے تھے۔ حتیٰ کہ بعض علماء نے کہا ہے کہ اس وقت تک دخول نہ کرے جب تک کہ وہ اس کو کچھ نہ دے۔ ابن عباس، ابن عمر اور زہری سے نقل کیا گیا ہے کہ انہوں نے استدلال کیا ہے آپؐ کے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو منع کرنے سے اور وہ ایسے کہ ابن عباس رضی اللہ عنہما نے روایت کیا ہے کہ حضرت علیؓ نے جب رسول اللہ ﷺ کی بیٹی سے شادی کی اور جب حضرت فاطمہؓ کے پاس جانے کا ارادہ کیا تو نبیؐ نے ان کو منع کیا، یہاں تک کہ وہ اس کو کچھ دے۔ تو حضرت علیؓ نے کہا کہ یا رسول اللہ میرے پاس تو کچھ بھی نہیں ہے، تو آپ نے فرمایا کہ اپنی زرہ اس کو دیدو۔ تو حضرت علیؓ نے اپنی زرہ اس کو دی اس کے بعد وہ ان کے پاس تشریف لے گئے۔ اس کو ابوداؤد اور نسائی نے روایت کیا ہے۔

آپ ﷺ کی بیٹی کا مہر چار سو درہم چاندی تھا۔ لیکن قول مختار یہ ہے کہ مہر سے قبل دخول جائز ہے۔ اس لئے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کیا ہے کہ مجھے رسول اللہؐ نے حکم دیا کہ میں فلاں عورت کو اس کے شوہر کے پاس لے جاؤں، قبل اس کے کہ وہ اس کو کچھ دے۔ اس کو روایت کیا ہے ابوداؤد نے۔

تو مذکورہ منع کو ندب اور استحباب پر محمول کیا جائے گا۔ یعنی عورت کو اپنے ہاں داخل کرنے سے پہلے کچھ دینا مستحب ہے' اس پر خوشی منانے اور اس کی تالیف قلب کے واسطے۔ اور جب یہ بات معلوم ہے تو واجب ہے محمول کرنا اس پر ان روایات کو جو اس کے مخالف ہیں۔ تاکہ جمع بین الاحادیث ہو جائے۔

اور اس طرح آپ ﷺ کا یہ حکم کہ لوہے کی ایک انگوٹھی تلاش کر، اس کو بھی معجّل پر محمول کیا جائے گا تالیف قلب کے واسطے، لیکن جب وہ اس سے بھی عاجز ہوا تو آپؐ نے فرمایا کہ کھڑا ہو جا اور اس کو بیس آیتیں سکھا دے اور یہ تیری بیوی ہے۔ اس کو روایت کیا ہے ابوداؤد نے۔ یہ اس صحیح روایت کا مُحمل ہے، جس میں ہے کہ میں نے اس کا نکاح کیا تیرے ساتھ اس کے عوض جو تیرے پاس قرآن ہے، کہ وہ اس کے منافی نہیں ہے، اور اس کے ساتھ تمام روایات جمع ہو جاتی ہیں۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے لوہے کی انگوٹی کا جواز معلوم ہوتا ہے۔ اور سلف کا اس میں اختلاف ہے اس کی کراہت کے بارے میں ہمارے علماء کے دو قول ہیں۔ صحیح ان میں سے یہ ہے کہ یہ مکروہ نہیں ہے اس لئے کہ ممانعت والی حدیث ضعیف ہے۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ مہر جلدی اداء کرنا مستحب ہے۔

هل معك من القرآن شیء :امام نووی فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ تعلیم قرآن کو مہر بنانا اور تعلیم قرآن پر اجرت لینا جائز ہے۔ یہ امام شافعیؒ کا مذہب ہے اور ایک جماعت نے اس کو منع کیا ہے، ان میں زہری، اور امام ابوحنیفہؒ شامل ہیں۔

شرح السنہ میں ہے کہ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ مہر کے لئے کوئی مقدار متعین نہیں ہے، اسلئے کہ آپؐ نے فرمایا: التمس...... یہ دلالت کر رہا ہے کہ ہر وہ چیز جو مال ہے مہر بن سکتی ہے۔ اور اس بات پر دلالت کر رہا ہے کہ کفوٗ میں مال کا اعتبار نہیں ہے، کیونکہ نبیؐ نے اس سے نہیں پوچھا کہ آیا وہ اس عورت کا کفوٗ ہے نہیں۔ اور آپ ﷺ کو اس کی حالت سے معلوم ہو گیا تھا کہ اس کے پاس مال نہیں ہے۔

قوله :زوجتكها بما معك من القرآن :اشرف کہتے ہیں کہ حنفیہ کے نزدیک باسببیت کے لئے ہے نہ کہ بدلیت اور مقابلہ کے لئے۔ أي **زوجتكها بسبب ما معك من القرآن۔**

مطلب یہ ہے کہ تیرے پاس جو قرآن ہے یہ تمہارے درمیان اجتماع کا سبب ہے۔ جیسا کہ ابوطلحہ کی شادی ام سلمہ کے ساتھ ان کے اسلام کی وجہ سے ہوئی کہ اسلام ان میں اتصال کا سبب بنا اور مہر ان کے ذمہ دین ہوگا۔

بعض نے کہا ہے کہ شاید اس عورت نے اپنا مہر اس آدمی کو ہبہ کیا ہو، کہا گیا ہے کہ یہ خلاف ظاہر ہے۔ (ملا علی قاری فرماتے ہیں) میں کہتا ہوں کہ قبل از عقد ہبہ کرنا بالاتفاق صحیح نہیں ہے۔ اور عقد کے بعد اس کے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

فعلمها من القرآن :یہ امر استحباب کے لئے ہے اور اس میں اس بات پر کوئی دلالت نہیں ہے کہ تعلیم قرآن کو مہر بنایا ہے۔ علامہ خطابی فرماتے ہیں کہ باء عوض کے لئے ہے جیسا کہ کہا جاتا ہے: **بعت هذا الثوب بدينار** .اور اگر اس کا معنیٰ وہ ہو جو ان حضرات نے تاویل کرتے ہوئے بیان کیا ہے اور اس سے مراد مہر نہ ہو تو آپؐ کے اس سے یہ سوال **هل معك من القرآن شيء**" کرنیکا کوئی معنیٰ نہیں بنتا۔ (ملا علی قاری فرماتے ہیں) کہ میں کہتا ہوں کہ اس کا معنیٰ یہ ہے کہ جہاں بدل حقیقی متعذر رہا تو بدل سببی صورتاً جائز ہے اور بدل حقیقی ذمہ میں لازم ہوگا۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ حاصل کلام یہ ہے کہ وہ مال یا منفعت کہ جس کو حوالہ کرنا شرعاً ممکن ہو تو اس کو عوض قرار دیتے ہوئے نکاح جائز ہے اور جو اس طرح کا نہ ہو تو اس کے عوض جائز نہیں۔ جیسے آزاد شوہر کا خدمت کرنا بیوی کا کہ اس میں تناقض ہے۔ اور اگر کسی دوسرے آزاد کو خدمت میں دے تو یہ خلوت میں فتنہ کو دعوت دینا ہے۔ اور تعلیم قرآن کے عوض اس لئے درست

نہیں کہ اس پر اجرت لینا درست نہیں ہے جیسے اذان' امامت اور حج اور امام شافعی کے نزدیک اس پر اجرت لینا درست ہے، لہٰذا اس کو مہر مقرر کرنا بھی صحیح ہے

اور روایات مختلف ہیں بیوی کی بکریاں چرانے اور اس کی زمین میں کاشت کرنے کے عوض نکاح کے بارے میں کہ اس میں تردد ہے کہ آیا یہ محض خدمت ہے یا نہیں۔

اور صحیح قول یہ ہے کہ درست ہے۔ اللہ پاک نے حضرت شعیب اور حضرت موسیٰ کا قصہ بیان کیا ہے اور ہماری شریعت میں اس کی نفی کا بیان نہیں ہے۔ لیکن یہ اس وقت درست ہوگا کہ جب وہ بکریاں شعیب علیہ السلام کی ملک نہ ہوں بلکہ اس کی بیٹی کی ملکیت ہوں اور یہ منتفی ہے' درست نہیں ہے۔

۳۲۰۳: وَعَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ قَالَ سَأَلْتُ عَائِشَةَ كَمْ كَانَ صَدَاقُ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَتْ كَانَ صَدَاقُهُ لِاَزْوَاجِهِ ثِنْتَیْ عَشْرَةَ اَوْقِيَّةً وَنَشٌّ قَالَتْ اَتَدْرِیْ مَالنَّشُّ قُلْتُ لَا قَالَتْ نِصْفُ اَوْقِيَّةٍ فَتِلْكَ خَمْسُمِائَةِ دِرْهَمٍ (رواه مسلم وَنَشٌّ بِالرَّفْعِ فِیْ شَرْحِ السُّنَّةِ وَفِیْ جَمِيْعِ الْاُصُوْلِ.)

اخرجه مسلم فی صحيحه ۱۰۴۲/۲ الحديث رقم (۷۸-۱۴۲۶) وابوداؤد فی السنن ۵۸۲/۲ الحديث رقم ۲۱۰۵ وابن ماجه فی ۶۰۷۱ الحديث رقم ۱۸۸۶ والدارمی فی ۱۸۹/۲ الحديث رقم ۲۱۹۹

ترجمہ: ''اور حضرت ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اُم المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے دریافت کیا کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (اپنی ازواج مطہرات کا) کتنا مہر مقرر کیا تھا؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا حق مہر اپنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے لئے بارہ اوقیہ چاندی اور ایک نش مقرر تھا''۔ پھر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے پوچھا کہ ''جانتے ہو نش کیا ہوتا ہے؟'' میں نے عرض کیا کہ ''نہیں''۔ انہوں نے فرمایا کہ ''ایک نش آدھے اوقیہ کے برابر ہوتا ہے اس طرح بارہ اوقیہ ایک نش کی مجموعی مقدار پانچ سو درہم کے برابر ہوئی (کیونکہ ایک اوقیہ چالیس درہم کے برابر ہوتا ہے) اس روایت کو مسلمؒ نے نقل کیا ہے اور شرح السنۃ اور اصول کی تمام کتابوں میں لفظ نش نون کے پیش کے ساتھ یعنی نُش منقول ہے۔ (''اصول'' کی ان کتابوں کو کہتے ہیں جن میں تمام احادیث سند کے ساتھ لکھی گئی ہوں''۔

تشریح: قوله سألت عائشة...... أوقية ونش:

''سألت عائشة'': ایک نسخہ میں ''سئلت عائشة'' ہے۔

''ثنتی عشرة'': شین کے سکون کے ساتھ ہے، اور شین کو کسرہ بھی دیا جاتا ہے۔

''أوقية'': ''افعولة'' کے وزن پر ہے، ہمزہ زائد ہے۔ یہ ''وقاية'' سے مشتق ہے۔ نہایہ میں ہے کہ بعض احادیث میں ''وقية'' آیا ہے لیکن یہ (لغت) عالی نہیں ہے۔ ''اوقية'' چالیس درہم کا ہوتا ہے۔

''نش'': صرف رفع کے ساتھ ہے۔ یہ مبتدا ہے اور اس کی خبر محذوف ہے۔ ای ومعها نش. یا فعل محذوف يزاد ہے ای نش. امام طیبی فرماتے ہیں کہ مصابیح کے بعض نسخوں میں ''ونشا'' نصب کے ساتھ ہے عطف ہے: ثنتی عشرة پر۔ لیکن یہ

روایت نہیں ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ مستحب مہر پانچ سو درہم ہے۔ پس اگر کہا جائے کہ ام حبیبہ نبی کی بیوی، کا مہر چار ہزار درہم یا چار سو دینار تھا۔ تو جواب یہ ہے کہ زائد مقدار نجاشی نے اپنے مال سے تبرعاً نبی ﷺ کے اکرام کے طور پر دی تھی۔

الفصل الثانی:

۳۲۰۴: عَنْ عُمَرَ بْنِ الْخَطَّابِ قَالَ اَلَا لَا تُغَالُوْا صَدُقَةَ النِّسَاءِ فَاِنَّهَا لَوْ كَانَتْ مَكْرُمَةً فِي الدُّنْيَا وَتَقْوًى عِنْدَ اللّٰهِ لَكَانَ اَوْلَا كُمْ بِهَا نَبِيُّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عَلِمْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَكَحَ شَيْئًا مِنْ نِسَائِهِ وَلَا اَنْكَحَ شَيْئًا مِنْ بَنَاتِهِ عَلٰى اَكْثَرَ مِنِ اثْنَتَيْ عَشْرَةَ اُوْقِيَةً۔

(رواه احمد والترمذی وابوداود والنسائی وابن ماجة والدارمی)

اخرجه ابو داود فی السنن ۵۸۲/۲ الحدیث رقم ۲۱۰۶ والترمذی فی السنن ۴۲۲/۳ الحدیث رقم ۱۱۱۴ والنسائی فی ۱۱۷/۶ الحدیث رقم ۳۳۴۹ وابن ماجه فی ۶۰۷/۱ الحدیث رقم ۱۸۸۷ والدارمی فی ۱۹۰/۲ الحدیث رقم ۲۲۰۰۔

ترجمہ: ''حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ انہوں نے فرمایا: خبردار! عورتوں کا بھاری حق مہر نہ مقرر کرو! اگر بھاری حق مہر مقرر کرنا دنیا میں بزرگی وعظمت کا سبب اور اللہ تعالیٰ کے نزدیک تقویٰ کا موجب ہوتا تو تمہاری نسبت یقیناً نبی کریم ﷺ اس کے زیادہ مستحق تھے (آپ ﷺ بھاری سے بھاری مہر مقرر فرماتے) مگر میں نہیں جانتا کہ رسول اللہ ﷺ نے بارہ اوقیہ سے زیادہ حق مہر پر اپنی ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن سے نکاح کیا ہو اور بارہ اوقیہ سے زیادہ حق مہر پر اپنی صاحبزادیوں کا نکاح کرایا ہو''۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، نسائی، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: قوله :ألا لا تعالط ...... اولا كم بها نبی الله......

''لا تغالوا'': تاء اور لام کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ قاضی فرماتے ہیں کہ ''مغالاۃ'' تکثیر کو کہتے ہیں یعنی تم مہر زیادہ مقرر نہ کرو۔

''صدقة'': صاد کے فتحہ اور دال کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ ''صداق'' کی جمع ہے۔

''مكرمة'': میم کے فتحہ اور راء کے ضمہ کے ساتھ۔ ''مکارم'' واحد ہے، قابل تعریف چیز کو کہتے ہیں یہ بغیر تنوین کے ہے اور ایک نسخہ میں تنوین کے ساتھ ہے، اور ایک شاذ قراءت میں یہ آیت اس طرح پڑھی گئی ہے: ﴿أفمن أسس بنيانه على تقوى من الله﴾ [التوبة: ۱۰۹]

''فانها'': ضمیر قصہ ہے۔ یا ''مغالاۃ'' کی طرف راجع ہے۔

''نبی الله'': رفع اور نصب دونوں کے ساتھ ہے۔

عند الله: یعنی آخرت میں عزت کا باعث ہوتا بوجہ اللہ کے اس ارشاد کے: ﴿ان اكرمكم عند الله اتقاكم﴾ [الحجرات: ۱۳]

اثنتی عشرة اوقیة :اس کی مقدار چار سواسی درہم بنتی ہے۔

اور آنے والی حدیث میں جو روایت کیا گیا ہے کہ ام حبیبہؓ کا مہر چار ہزار دراہم تھا۔ تو وہ حضرت عمرؓ کے اس قول سے مستثنیٰ ہے اس لئے کہ وہ حبشہ میں نجاشی نے رسول اللہ ﷺ کی طرف سے مہر ادا کیا تھا، رسول اللہ کی تعیین کے بغیر۔

اور سابق میں حضرت عائشہؓ کی جو روایت گزری "ثنتی عشر ونش" والی، تو اس میں بھی اوقیہ کی تعداد جو حضرت عمر نے ذکر کی ہے اس سے مجاوز نہیں ہے۔ اور شاید کہ حضرت عمر کی مراد اوقیہ کی تعداد ہو اور کسور کی طرف انہوں نے توجہ نہیں کی، اور یہ بھی کہ انہوں نے اپنے علم کے مطابق زیادت کی نفی کی ہے۔ اور شاید حضرت عمر تک ام حبیبہ کا مہر اور وہ زیادتی جو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے روایت کی ہے۔ اس کی خبر نہ پہنچی ہو۔

اگر آپ یہ اشکال کریں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا یہ معنی زیادت مہر سے اللہ کے اس ارشاد کے خلاف ہے: ﴿و اتیتم احداھن قنطارا فلا تأخذوا منه شیأ﴾ (اور تم اُس ایک کو انبار کا انبار مال دے چکے ہو تو تم اُس میں سے کچھ بھی مت لو)۔

(ملا علی قاری فرماتے ہیں) کہ میں کہتا ہوں کہ نص جواز پر دلالت کر رہا ہے نہ کہ افضلیت پر۔ اور یہاں کلام افضلیت میں ہے نہ کہ جواز میں۔ لیکن بعض روایات میں وارد ہے کہ حضرت عمر نے فرمایا کہ تم چالیس اوقیہ سے زائد مہر مقرر نہ کرو، اور جس نے زیادہ مقرر کیا، تو وہ زائد بیت المال میں ڈالا جائے گا۔ تو ایک عورت نے کہا کہ تجھے اس کا اختیار نہیں ہے۔ حضرت عمر نے فرمایا کیوں؟ تو اس نے کہا، اس لئے کہ اللہ فرماتا ہے: [و اتیتم احداھن قنطارا] [لنساء۔۲۰] حضرت عمر نے کہا کہ عورت نے درست بات کی اور مرد نے خطا۔

سید جمال الدین محدث نے ذکر کیا ہے روضۃ الاحباب میں کہ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کا مہر چار سو مثقال چاندی تھا اور اس طرح صاحب مواہب نے بھی ذکر کیا ہے۔ اور اس کے الفاظ یہ ہے "ان النبیؐ قال لعلی ان الله عز وجل امرنی ان ازوجك فاطمة علی اربعة مثاقیل فضة"۔ روایات کے درمیان جمع اس طرح ہے کہ دس دراہم سات مثقال ہوتے ہیں۔ اور اس کے ساتھ کسور کا اعتبار نہیں ہوتا، لیکن یہ پھر بھی مشکل ہے۔ ابن ہمام نے نقل کیا ہے کہ حضرت فاطمہ کا مہر چار سو درہم تھا۔

اہل مکہ میں جو مشہور ہے کہ ان کا مہر نو مثقال سونا تھا تو اس کی کوئی اصل نہیں ہے۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ اس مقدار کی قیمت کی حضرت علی کی زرہ تھی۔ جو انہوں نے مہر معجّل کے طور پر دی تھی۔ واللہ تعالیٰ اعلم

۳۲۰۵:وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم قَالَ مَنْ اَعْطٰى فِى صَدَاقِ امْرَاَتِهٖ مِلْءَ كَفَّيْهِ سَوِيْقًا اَوْ تَمْرًا فَقَدِ اسْتَحَلَّ (رواه ابوداود)

اخرجه ابو داود فی السنن ۲/۵۸۵ الحدیث رقم ۲۱۱۰ واحمد فی المسند ۳/۳۵۵۔

ترجمہ: "اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص نے اپنی بیوی کے حق مہر میں سے (کچھ حصہ بطور مہر معجّل دے دیا مثلاً) دونوں ہاتھ بھر کر ستو یا کھجوریں ادا کیں تو اس نے (اس عورت کو) اپنے لئے حلال کر لیا"۔ (ابوداؤد)

تشریح: "سویق" اس آٹے کو کہتے ہیں جو بھگویا ہوا ہو کسی چیز کے ساتھ ملا کر چاہے کڑوا ہو یا میٹھا ہو۔
"أو تمرًا": "او" تنویع کے لئے ہے۔

اس حدیث سے امام شافعیؒ نے استدلال کیا ہے۔ ہمارے بعض ائمہ اور ان لوگوں نے جو دس دراہم سے کم مہر کو جائز قرار نہیں دیتے' کہا ہے کہ امام شافعی کو اس حدیث میں اس طرح کہنا چاہئے کہ اس مقررہ مقدار سے نکاح جائز ہے۔ اس حدیث میں دس دراہم تک مکمل کرنے کی نفی پر دلالت نہیں ہے۔ اور اسی پر التمس......کو محمول کیا جائے گا۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اگر یہ حدیث صحیح ہو، تو اس کو مہر معجل پر محمول کرنا چاہئے جس کو اہل زمانہ کے عرف میں "دفعۃ" کہا جاتا ہے۔

اسنادی حیثیت : کہا گیا ہے کہ اس کی سند میں بشر بن عبید اور حجاج بن ارطاۃ ہیں اور محدثین کے نزدیک یہ دونوں ضعیف ہیں۔ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اس میں اسحٰق بن جبریل ہے۔ میزان میں ہے کہ یہ معروف نہیں ہے اور ازدی نے اس کو ضعیف قرار دیا ہے اور مسلم بن رومان بھی مجہول ہے۔

۳۲۰۶: وَعَنْ عَامِرِ بْنِ رَبِيعَةَ اَنَّ امْرَأَةً مِّنْ بَنِيْ فَزَارَةَ تَزَوَّجَتْ عَلٰى نَعْلَيْنِ فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَرَضِيْتِ مِنْ نَفْسِكِ وَمَالِكِ بِنَعْلَيْنِ قَالَتْ نَعَمْ فَاَجَازَهُ (رواه الترمذی)

اخرجه الترمذی فی السنن ۳/۴۲۰ الحديث رقم ۱۱۱۳ وابن ماجه فی ۱/۶۰۸ الحديث رقم ۱۸۸۸ واحمد فی المسند ۳/۴۴۵

ترجمہ: "اور حضرت عامر بن ربیعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (قبیلہ) بنی فزارہ کی ایک عورت نے جوتوں کے ایک جوڑے کے عوض ایک شخص سے نکاح کیا تو رسول اللہ ﷺ نے اس سے فرمایا: "کیا تم اپنی مالداری کے باوجود اپنے آپ کو (ایک جوڑا جوتی کے عوض) حوالے کر دینے پر راضی ہو گئیں"۔ (یعنی اس کے باوجود کہ تم خود مالدار اور باحیثیت خاتون ہو' کیا صرف ایک جوڑا جوتی کے عوض اپنے آپ کو حوالے کر دینے پر راضی ہو؟) اس عورت نے کہا کہ ہاں! (میں راضی ہوں) آپ ﷺ نے (یہ جواب سن کر) اس (کے نکاح) کو جائز قرار دیا"۔ (ترمذی)

تشریح: قوله :ان امرأة من بنی فزارة......:
"فزارة": فاء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ "مالك": لام کے کسرہ کے ساتھ ہے۔
علی نعلین : کہا گیا ہے کہ مہر معجل پر محمول ہے تاکہ تعارض ختم ہو جائے۔
ارضیت :ہمزہ استفہام خبر معلوم کرنے کے لئے ہے۔

فاجازہ :حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ جب اس نے دو جوتوں پر نکاح کیا تو ان کا نکاح صحیح ہو گیا اور اس عورت کو مہر مثل کا مطالبہ کرنے کا حق تھا۔ جب وہ نعلین پر رضامند ہوئی اور اس سے زائد اپنا حق ساقط کر دیا عقد کے بعد تو آپ ﷺ نے اس کو جائز قرار دیدیا اس کے جواز میں کسی کا اختلاف نہیں ہے لہٰذا امام شافعیؒ وغیرہ کے لئے اس سے استدلال درست نہیں ہے۔
ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس میں یہ بھی یہ احتمال ہے کہ وہ جوتے دس دراہم کے مساوی ہو، لیکن حق یہ ہے کہ بظاہر دس درہم سے مہر کی نفی کرنے والی احادیث کثرت سے ہیں لیکن ساری کی ساری ضعیف ہیں، سوائے التمس والی حدیث

کے۔اور اس میں احتمال ہے کہ اس سے مراد معجل ہو۔

اگر یہ کہا جائے کہ یہ حدیث اگرچہ خلاف ظاہر ہے لیکن اسی کی طرف رجوع ضروری ہے اس لئے کہ اس میں بعد میں فرمایا ہے: زوجتکھا بما معك من القرآن۔ اگر اس کو محمول کیا جائے اس پر کہ اس کے پاس جو قرآن تھا اس کی تعلیم کے عوض اس کے ساتھ نکاح کرایا، یا مہر کی بالکلیہ نفی کی جائے تو یہ حدیث کتاب اللہ کی معارض ہو جائے گی۔ذکر محرمات کے بعد اللہ نے فرمایا ﴿وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسٰفِحِيْنَ﴾ [النساء:٢٤]: ''اور ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں یعنی یہ کہ تم اُن کو اپنی مالوں کے ذریعے سے چاہو اس طرح سے کہ تم بیوی بناؤ''۔ پس حلال کرنے کو مقید کیا ہے ابتغاء بالاموال کے ساتھ تو لازم ہے کہ خبر کتاب کی مخالف نہ ہو ورنہ تو اس کو قبول نہیں کیا جائے گا جب تک کہ یہ تواتر کے رتبہ کو نہ پہنچے۔

تخریج: وکذا ابن ماجه اور ترمذی نے اس کو صحیح قرار دیا ہے۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ حدیث نعلین کو اگرچہ ترمذی نے صحیح قرار دیا ہے لیکن یہ صحیح نہیں ہے اس لئے کہ اس میں عاصم بن عبید اللہ راوی ہے۔ابن جوزی کہتے ہیں کہ ابن معین کا کہنا ہے کہ یہ ضعیف ہے، قابل احتجاج نہیں ہے۔ابن حبان نے کہا ہے کہ یہ ''فاحش الخطا'' ہے لہٰذا یہ متروک ہے۔

۳۲۰۷:وَعَنْ عَلْقَمَةَ عَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ اَنَّهٗ سُئِلَ عَنْ رَجُلٍ تَزَوَّجَ امْرَاَةً وَلَمْ يَفْرِضْ لَهَا شَيْئًا وَلَمْ يَدْخُلْ بِهَا حَتّٰى مَاتَ فَقَالَ ابْنُ مَسْعُوْدٍ لَهَا مِثْلُ صَدَاقِ نِسَائِهَا لَا وَكْسَ وَلَا شَطَطَ وَعَلَيْهَا الْعِدَّةُ وَلَهَا الْمِيْرَاثُ فَقَامَ مَعْقِلُ بْنُ سِنَانٍ الْاَشْجَعِيُّ فَقَالَ قَضٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ بِرْوَعَ بِنْتِ وَاشِقٍ امْرَاَةٍ مِنَّا بِمِثْلِ مَا قَضَيْتَ فَفَرِحَ بِهَا ابْنُ مَسْعُوْدٍ۔

(رواه الترمذی وابوداود والنسائی والدارمی)

اخرجه ابو داود فی السنن ٥٨٩/٢ الحدیث رقم ٢١١٥ والترمذی فی ٤٥٠/٣ الحدیث رقم ١١٤٥ والنسائی فی ١٢١/٦ الحدیث رقم ٣٣٥٥ وابن ماجه فی ٦٥٩/١ الحدیث رقم ١٨٩١ والدارمی فی ٢٠٧/٢ الحدیث رقم ٢٢٤٦ واحمد فی المسند ٢٧٩/٤

ترجمہ: ''اور حضرت علقمہ' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہما کے بارے میں نقل کرتے ہیں کہ ان سے ایک ایسے شخص کے متعلق دریافت کیا گیا جس نے ایک عورت سے نکاح کیا اور اس کا کچھ مہر مقرر نہیں کیا اور نہ ہی اس سے جماع کیا (یعنی نہ تو اپنی بیوی کے ساتھ جماع کیا تھا اور نہ خلوت صحیحہ ہوئی تھی) یہاں تک کہ وہ فوت ہو گیا' حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ نے (ایک مہینہ تک اس مسئلہ پر غور و فکر کیا اور پھر اپنے اجتہاد کی بنیاد پر) فرمایا کہ اس عورت کو وہ مہر ملے گا جو اس کے خاندان کی عورتوں کا ہے (یعنی اس شخص کی بیوہ کو مہر دیا جائے گا) نہ اس میں کوئی کمی ہوگی نہ زیادتی اور اس عورت پر (شوہر کی وفات کی) عدت بھی واجب ہوگی اور (شوہر کے وراثت سے) اس کو میراث بھی ملے گی۔ (یہ سن کر) حضرت معقل بن سنان اشجعی رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور کہنے لگے کہ ''رسول اللہ ﷺ نے ہمارے

خاندان کی ایک عورت بروع بنت واشق کے بارے میں یہی حکم فرمایا تھا جو اس وقت آپ نے بیان کیا ہے''۔ حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ (یہ بات سن کر) بہت خوش ہوئے''۔ (ترمذی' ابوداؤد' نسائی' دارمی)

تشریح: قوله :سئل عن رجل ...... ولها الميراث:

''**حتى مات فقال**'': ایک نسخہ میں ''**قال**'' ہے۔

''**و كس**'': واؤ کے فتحہ اور کاف کے سکون کے ساتھ ہے۔

''**شطط**'': شین اور طاء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

''**لم يفرض**'': یاء کے فتحہ اور راء کے کسرہ کے ساتھ ''**لم يعين**'' کے معنیٰ میں ہے۔

قوله :فقام معقل بن سنان ...... بمثل ما قضيت:

''**معقل**'': میم کے فتحہ اور قاف کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

''**سنان**'': سین کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

''**بروع**'': باء کے کسرہ کے ساتھ ہے اور کبھی اس کو فتحہ بھی دیا جاتا ہے' اور واؤ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ جامع الاصول میں ہے کہ ان کا ذکر مہر کے بارے میں ہے۔ محدثین اس کو باء کے کسرہ کے ساتھ روایت کرتے ہیں اور واؤ مفتوحہ ہے اور اس کے بعد عین ہے۔ اور اہل لغت باء کو فتحہ دیتے ہیں اور کہتے ہیں کہ عربی میں ''فعول'' کا وزن نہیں ہے مگر ''ضروع'' جو ایک گھاس ہے اور عقور جو ایک وادی کا نام ہے، (انتھی)۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہ بھی ان دونوں کے قبیل سے ہے۔ اور محدثین کی نقل اہل لغت سے زیادہ محفوظ ہوتی ہے۔

''**بروع**'': غیر منصرف ہے۔

لها شيأ یعنی مہر اور جو مہر بنے کی صلاحیت نہیں رکھتا۔

ولها الميراث :جب ابن مسعود نے فیصلہ کیا تو فرمایا کہ یہ بات میں اپنی رائے سے کہہ رہا ہوں اگر درست ہے تو اللہ اور رسول کی طرف سے ہے اور اگر خطا ہے تو ابن ام عبد کی طرف سے ہے۔

''**واشق**'': شین کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

''**الا شجعی**'': رفع کے ساتھ صفت ہے معقل کی۔

قوله :ففرح بها ابن مسعود : ان کا اجتہاد رسول اللہؐ کے حکم کے موافق تھا۔ اس سے معلوم ہوا کہ مہر متعین ہوتا ہے اگر چہ مقرر نہ کرے اور زوجین کے درمیان وراثت جاری ہوتی ہے اگر چہ قبل الدخول ہو اور شوہر کے مرنے سے عورت پر عدت واجب ہوتی ہے اگر چہ دخول سے پہلے ہو۔ حضرت علی اور صحابہ کی ایک جماعت کا کہنا ہے کہ اس کیلئے مہر نہیں ہے عدم دخول کی وجہ سے اور اس کے لئے میراث ہوگی، اور اس پر عدت واجب ہے۔ امام شافعی کے اس بارے میں دو قول ہیں جو ان دونوں کے قول کے موافق ہیں۔ اور امام ابوحنیفہ اور احمد کا مذہب ابن مسعودؓ کے قول کی طرح ہے (اس کو ذکر کیا ہے شیخ مظہر نے۔)

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ ہماری دلیل یہ ہے کہ ایک ~~سائل~~ نے عبداللہ بن مسعودؓ سے پوچھا' مرد کی موت کی صورت کے

بارے میں تو ابن مسعود نے ایک ماہ کے بعد فرمایا: اس بارے میں میں اپنی رائے سے فیصلہ کر رہا ہوں اگر وہ درست ہے تو اللہ اور اس کے رسول کی طرف سے ہے اور اگر خطا ہے تو ابن ام عبد کی طرف سے ہے۔ اور ایک روایت میں ہے میری طرف سے اور شیطان کی طرف سے ہے' اور اللہ اور اس کا رسول اس سے بری ہے۔ میری رائے یہ ہے کہ اس کے لئے مہر ہے اس جیسی عورتوں کے مہر کی طرح نہ کم نہ زیادہ۔ پس ایک آدمی کھڑا ہوا، اس کو معقل بن سنان اور ابوالجراح کہا جاتا تھا۔ اشجعین کا جھنڈا اٹھانے والا تھا' اس نے کہا کہ میں گواہی دیتا ہوں کہ رسول اللہؐ نے فیصلہ کیا تھا، ہماری اک عورت کے بارے میں جس کو بروع بنت واشق اشجعیہ کہا جاتا تھا۔ آپ کے اس فیصلے کی طرح' تو ابن مسعود خوش ہوئے کہ اسلام کے بعد کبھی اس طرح خوش نہیں ہوئے تھے۔ شیخ مظہر فرماتے ہیں کہ یہ اس صورت میں ہے کہ جب شوہر مہر مقرر کرنے اور دخول کرنے سے پہلے مر جائے۔ اگر اس نے مہر مقرر کرنے سے پہلے دخول کیا ہو، تو اس کے لئے مہر مثل واجب ہے، بغیر کسی اختلاف کے، اور مہر مثل وہ ان عورتوں کا مہر ہے جو مال' جمال' بکارت اور ثیبہ ہونے میں اس کی طرح ہوں، اس کے عصبات کی عورتوں میں جیسے بہنیں جو ماں باپ شریک ہوں، یا صرف باپ شریک ہوں یا پھوپھی یا پھوپھی کی بیٹی۔

اور اگر مہر مقرر کرنے اور دخول سے پہلے اس کو طلاق دی تو اس کے لئے متعہ ہوگا۔ اور متعہ وہ چیز ہے جس کو حاکم مقرر کرے گا، مال دار پر اس کی وسعت کے مطابق اور فقیر پر اس کی طاقت کے مطابق۔ جیسے اس کو کوئی کپڑا' دوپٹہ' یا انگوٹھی وغیرہ دیدے۔

تخریج: ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں ابوداؤد کی اور بھی روایات ہیں جن میں مختلف الفاظ آئے ہیں۔ بیہقی فرماتے ہیں، اس حدیث کی تمام روایات اور اس کی اسانید صحیح ہیں' باقی اس کے رد میں حضرت علی کی جو روایت ہے تو وہ مذہب متفرد ہے۔

الفصل الثالث:

۳۲۰۸: عَنْ اُمِّ حَبِيْبَةَ اَنَّهَا كَانَتْ تَحْتَ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ جَحْشٍ فَمَاتَ بِاَرْضِ الْحَبْشَةِ فَزَوَّجَهَا النَّجَاشِيُّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمْهَرَهَا عَنْهُ اَرْبَعَةَ الاٰفٍ (وَفِيْ رِوَايَةٍ) اَرْبَعَةَ الاٰفِ دِرْهَمٍ وَبَعَثَ بِهَا اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَعَ شُرَحْبِيْلِ بْنِ حَسَنَةَ. (رواه ابوداود والنسائی)

اخرجه ابوداود فی السنن ۵۸۳/۲ الحدیث رقم ۲۱۰۷ والنسائی فی ۱۱۹/۶ الحدیث رقم ۳۳۵۰۔

اخرجه النسائی فی السنن ۱۱٤/٦ الحدیث رقم ۳۳٤۰

ترجمہ: ''اُم المومنین حضرت اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں منقول ہے کہ وہ (پہلے) عبداللہ بن جحش کے نکاح میں تھیں پھر جب ملک حبشہ میں عبداللہ فوت ہو گئے تو (حبشہ کے بادشاہ) نجاشی نے ان کا نکاح نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ کر دیا اور نجاشی نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کا حق مہر چار ہزار مقرر کیا۔ ایک اور روایت میں چار ہزار درہم کے الفاظ ہیں (یعنی یہاں جو روایت نقل کی گئی ہے اس میں ''درہم'' کا لفظ نہیں ہے بلکہ

صرف چار ہزار کا ذکر ہے اور جب کہ ایک دوسری روایت میں چار ہزار کے ساتھ درہم کا لفظ بھی ہے اور یہی مراد ہے) اور نجاشی نے (نکاح کے بعد) اُم حبیبہ رضی اللہ عنہا کو شرحبیل بن حسنہ رضی اللہ عنہ کے ہمراہ آپ ﷺ کی خدمت میں بھیج دیا''۔ (ابوداؤد' نسائی)

تشریح: " عبد اللہ بن جحش ": سید اصیل الدین فرماتے ہیں کہ مشکوٰۃ کے وہ تمام نسخے جن سے میں واقف ہوں ان میں ''عبداللہ بن جحش واقع ہے اور یہ غلط ہے صحیح ''عبیداللہ بن جحش'' ہے یعنی تصغیر کے ساتھ ہے، جیسا کہ سنن ابی داؤد، جامع الاصول اور منتقیٰ میں ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ اس کی تائید اس سے بھی ہوتی ہے جو تہذیب الاسماء میں ہے کہ نبیؐ سے پہلے ان کے شوہر عبیداللہ بن جحش تھے۔ وہ حبشہ میں نصرانی ہو گئے تھے اور نصرانیت ہی پر مرے۔ جو مشہور صحابی عبداللہ بن جحش کے بھائی تھے عبداللہ جحش جلیل القدر صحابی تھے۔ جنگ احد میں شہید کر دیئے گئے تھے۔

''جحش'': جیم کے فتحہ اور حاء کے سکون کے ساتھ ہے۔

قولہ :فمات بارض الحبشۃ :

''النجاشی'': نون کے فتحہ کے ساتھ ہے اور کبھی اس کو کسرہ بھی دیا جاتا ہے۔ جیم کی تخفیف کے ساتھ ہے اور یاء کو کبھی مخفف کبھی شد کے ساتھ پڑھا جاتا ہے۔ ''نجاشی'' حبشہ کے بادشاہ کا لقب ہوتا تھا۔ جو شاہ حبشہ مسلمان ہوا تھا اس کا نام ''اصحمہ'' تھا۔ ان کو صحابہ میں شمار کیا گیا ہے لیکن صحیح یہ ہے کہ یہ صحابی نہیں ہیں اس لئے کہ ان کو صحبت حاصل نہیں ہوئی ہے۔

''شرحبیل'': شین کے ضمہ' راء کے فتحہ' حاء کے سکون اور باء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ یہ بھی مہاجرین حبشہ میں سے ہیں۔

'' حسنۃ'': حاء اور سین کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ شرحبیل کی والدہ ہیں۔

شرحبیل غیر منصرف ہے، جیسا کہ مغنی میں ہے، شاید کہ اس میں علمیت کے ساتھ عجمہ ہے' اور ایک نسخہ میں منصرف ہے۔

۳۲۰۹: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ تَزَوَّجَ اَبُوْ طَلْحَةَ اُمَّ سُلَيْمٍ فَكَانَ صَدَاقُ مَا بَيْنَهُمَا الْاِسْلَامَ اَسْلَمَتْ اُمُّ سُلَيْمٍ قَبْلَ اَبِيْ طَلْحَةَ فَخَطَبَهَا فَقَالَتْ اِنِّيْ قَدْ اَسْلَمْتُ فَاِنْ اَسْلَمْتَ نَكَحْتُكَ فَاَسْلَمَ فَكَانَ صَدَاقَ مَا بَيْنَهُمَا۔ (رواہ النسائی)

ترجمہ: ''اور حضرت انسؓ کہتے ہیں کہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے جب اُم سلیم رضی اللہ عنہا سے نکاح (کرنے کا ارادہ) کیا تو قبولیت اسلام آپس میں مہر قرار پایا۔ ام سلیم نے ابوطلحہ رضی اللہ عنہ سے پہلے اسلام قبول کر لیا تھا اور پھر جب ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اُم سلیم رضی اللہ عنہا کے پاس نکاح کا پیغام بھیجا تو اُم سلیم رضی اللہ عنہا نے کہا کہ میں نے اسلام قبول کر لیا ہے اگر تم بھی اسلام قبول کر لو تو میں تم سے نکاح کر لوں گی (اور تم سے مہر وصول نہیں کروں گی) چنانچہ ابوطلحہ رضی اللہ عنہ نے اسلام قبول کر لیا اور یہی (اسلام قبول کر لینا ہی) ان دونوں کے درمیان مہر قرار پایا''۔

(نسائی)

تشریح: ''فکان'': ایک نسخہ میں ''وکان'' ہے۔

"ما بينهما الاسلام": رفع اور نصب دونوں کے ساتھ ہے۔

فكان صداق ما بينهما یعنی نکاح اس کے ساتھ مہر پر واقع ہوا اور پھر حسب وعدہ ام سلیم نے مہران کو ہبہ کر دیا۔ تو اسلام ان کے درمیان نکاح کا مہر مقرر ہوا۔ اس میں خبر ہے کہ منفعت دینیہ بضع کا عوض بننا درست ہے اور تعلیم قرآن کو اس معنی پر محمول کرنا جائز ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ یہ حمل بعید ہے کہ منفعت دینیہ جس میں دنیوی منفعت نہیں ہے۔ علاوہ وہ از یں یہ اللہ کے اس ارشاد کے مخالف ہے: ﴿وَأُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ أَنْ تَبْتَغُوْا بِأَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ غَيْرَ مُسَافِحِيْنَ﴾ [النساء: ٢٤]: "اور ان عورتوں کے سوا اور عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں یعنی یہ کہ تم اُن کو اپنی مالوں کے ذریعے سے چاہو اس طرح سے کہ تم بیوی بناؤ"۔ اور منفعت دینیہ پر مال کا اطلاق بالا جماع نہیں ہوتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالحال۔

بَابُ الْوَلِيْمَةِ

ولیمہ کا بیان

''ولیمہ'' اس کھانے کو کہتے ہیں جو شادی کے موقع پر تیار کیا جاتا ہے۔

الفصل الاول :

قولِ یہود کی تردید

۳۲۱۰: وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰی عَلٰی عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ عَوْفٍ اَثَرَ صُفْرَةٍ فَقَالَ مَا هٰذَا قَالَ اِنِّی تَزَوَّجْتُ امْرَاَةً عَلٰی وَزْنِ نَوَاةٍ مِّنْ ذَهَبٍ قَالَ بَارَكَ اللّٰهُ لَكَ اَوْلِمْ وَلَوْ بِشَاةٍ۔

(متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۲۰٤/۹ الحدیث رقم ٥١٤٨ومسلم فی ۱۰٤۲/۲ الحدیث رقم (۷۹۔۱٤۲۷) وابو داوٗد فی السنن ٥٨٤/٢ الحدیث رقم ۲۱۰۹ والترمذی فی ٤۰۲/۳ الحدیث رقم ۱۰۹٤وابن ماجه فی ٦١٥/١ الحدیث رقم ١٩٠٧ والدارمی فی ١٩٢/٢ الحدیث رقم ٢٢٠٤ومالك فی الموطأ٥٤٥/٢ الحدیث رقم ٤٧ من كتاب النكاح واحمد فی المسند ٢٠٥/٣

ترجمہ: ''حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ نے عبدالرحمٰن بن عوف رضی اللہ عنہ (کے بدن یا کپڑے) پر زعفران کا زرد نشان دیکھا تو پوچھا کہ یہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا کہ میں نے ایک نواۃ سونے کے عوض ایک عورت سے نکاح کیا ہے''۔ آپ ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا کہ ''اللہ تعالیٰ تمہیں مبارک کرے تم ولیمہ کرو (یعنی کھانا پکوا کر کھلاؤ) اگرچہ وہ ایک بکری کا ہو''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: ''علی وزن نواۃ من ذھب'': اور ایک روایت میں ہے: ''کم سقت الیھا؟ قال: علی وزن نواۃ من ذھب''

فقال ما ھذا: یعنی اس کا سبب کیا ہے یا یہ کیا زردی ہے۔

قال انی تزوجت امرأۃ: علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ سوال سبب کے بارے میں تھا اس لئے یہ جواب دیا۔ اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ انکار ہو کہ نبی ﷺ نے خلوق ملنے سے منع فرمایا تھا۔ تو ان نے جواب دیا کہ ملا نہیں ہے بلکہ دلہن کے ساتھ ملنے سے کوئی چیز بے خبری میں لگ گئی ہے۔

علی وزن نواۃ: قاضی فرماتے ہیں، ''نواۃ'' نام ہے پانچ دراہم کا۔ جیسا کہ ''نش'' نام ہے بیس دراہم کا۔ اور ''اوقیہ''

نام ہے چالیس دراہم کا۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا مطلب ہے سونے پر جس کی قیمت پانچ درہم کے مساوی ہے۔ لیکن لفظ سے اس احتمال کی تائید نہیں ہورہی۔ اور بعض نے کہا ہے کہ نواۃ سے مراد کھجور کی گٹھلی ہے۔ (انتھیٰ)۔ یہ آخری احتمال ظاہر اور متبادر الی الفہم ہے۔ یعنی کھجور کی گٹھلی کے مقدار سونے پر۔ یہ تقریباً مثقال کا چھٹا حصہ ہوتا ہے، اور بعض گٹھلیاں مثقال کے چوتھائی یا اس سے کم کے برابر ہوتی ہیں اور اس کی قیمت دس دراہم کے برابر ہوتی ہے۔ اور یہ بھی ممکن ہے کہ اس کو پہلے معنیٰ پر محمول کیا جائے۔ چنانچہ مطلب یہ ہوگا کہ پانچ درہم کی مقدار سونے پر۔ یعنی ساڑھے تین مثقال سونے پر۔

قوله :بارك الله لك ......

بارك الله لك : اس سے معلوم ہوا کہ دولہا کو دعا دینا مستحب ہے۔

اولم ولو بشاة : ابن الملک فرماتے ہیں اس کے ظاہر سے ان لوگوں نے استدلال کیا ہے جو کہتے ہیں کہ ولیمہ واجب ہے اور اکثر حضرات فرماتے ہیں کہ امر ندب کے لئے ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ یہ دخول کے بعد ہوتا ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ عقد کے وقت ہوتا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ دونوں وقت ہوتا ہے۔ مالکیہ نے سات دن تک مستحب قرار دیا ہے۔ اور صحیح یہ ہے کہ یہ شوہر کی حالت کے مطابق ہوگا۔

تخریج: في الجامع الصغير: أولم ولو بشاة رواه مالك والشيخان والاربعة عن انس' والبخارى عن عبد الرحمن بن عوف.

جوازِ عزل

۳۲۱۱:وَعَنْهُ قَالَ مَا اَوْلَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَلٰى اَحَدٍ مِّنْ نِسَائِهٖ مَا اَوْلَمَ عَلٰى زَيْنَبَ اَوْلَمَ بِشَاةٍ (متفق عليه)

اخرجه البخارى فى صحيحه ۲۳۲/۹ الحديث رقم ۵۱۶۸ ومسلم فى ۱۰۴۹/۲۔

ترجمہ: ''اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے اپنی کسی بھی زوجہ مطہرہ کے نکاح میں اتنا بڑا ولیمہ نہیں کیا جتنا بڑا ولیمہ حضرت زینب رضی اللہ عنہا کے نکاح میں کیا تھا' آپ ﷺ نے (ان کے نکاح میں) ایک بکری کا ولیمہ کیا تھا''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: "ما اولم رسول الله ﷺ": میں ''ما'' نافیہ ہے

ما اولم زينب میں مآ مصدریہ ہے یا موصولہ ہے۔ (اور مضاف محذوف ہے' اصل عبارت یوں ہے:) اى مثل ما' أو قدر ماه۔

"**اولم بشاة**": جملہ مستأنفہ مبینہ ہے یا اس میں تعلیل کے معنیٰ ہیں۔

یعنی زینب کے نکاح پر باقی ازواج سے زیادہ مقدار میں ولیمہ کیا۔

مواہب میں ہے کہ ام المؤمنین زینب بنت جحش کی ماں امیہ بنت عبد المطلب بن ہاشم ہیں۔ رسول اللہ ﷺ حضرت زینب سے ان کا نکاح زید بن حارثہ سے کرایا تھا۔ ایک عرصے تک ان کے پاس رہیں، پھر انہوں نے طلاق دی، جب عدت ختم ہوئی تو رسول اللہ ؐ نے زید بن حارثہ سے فرمایا کہ جاؤ اور زینب سے میرا ذکر کرو۔ زید فرماتے ہیں کہ میں گیا اور دروازے کی طرف پیٹھ کر کے میں نے کہا اے زینب! رسول اللہ ﷺ تیرا ذکر کر رہے ہیں۔ وہ بولیں: میں اس وقت کچھ بھی نہیں کہتی جب تک کہ میں اپنے رب سے مشورہ نہ کر لوں۔ پھر وہ اپنی نماز پڑھنے کی جگہ چلی گئیں اللہ عزوجل نے یہ آیت اتاری: ﴿فلما قضٰی زید منها وطرا زوجنا كها﴾ [الاحزاب۔۳۷]: (پھر جب زید کا اس سے جی بھر گیا ہم نے آپ سے اسکا نکاح کر دیا)۔ پس رسول اللہ ﷺ آئے اور بغیر اجازت کے ان کے ہاں داخل ہو گئے۔ اور منافقین نے کہا کہ محمدؐ نے بیٹے کی بیوی سے نکاح حرام قرار دیا ہے اور خود اپنے بیٹے کی بیوی سے نکاح کر لیا ہے۔ اس پر تو اللہ پاک نے یہ آیت نازل کر دی: ﴿ما كان محمد أبا احد من رجالكم﴾ [الاحزاب:٤٠] : (محمد تمہارے مردوں میں سے کسی کے باپ نہیں ہیں)۔ حضرت زینب نبی دیگر ازواج پر فخر کرتی تھیں کہ تمہارا نکاح تمہارے باپوں نے کیا اور میرا نکاح اللہ نے سات آسمانوں کے اوپر کیا ہے۔ اس کو ترمذی نے روایت کیا ہے۔ ان کا نام ''برہ'' تھا آپ علیہ السلام نے ان کا نام ''زینب'' رکھا۔

حضرت انسؓ فرماتے ہیں کہ جب آپ علیہ السلام نے زینب سے شادی کی۔ تو لوگوں کو بلایا۔ لوگ کھانا کھا کر بیٹھ کر باتیں کرنے لگے، پس آپ علیہ السلام کھڑے ہونے کے لئے تیار ہو گئے۔ لیکن وہ لوگ کھڑے نہ ہوئے۔ جب آپؐ نے یہ دیکھا تو خود کھڑے ہو گئے اور بعض اور لوگ بھی کھڑے ہو گئے۔ اور تین آدمی بیٹھے رہے۔ پس نبیؐ اندر جانے کے لئے تشریف لائے، پس دیکھا کہ وہ لوگ بیٹھے ہوئے ہیں۔ پھر وہ بعد میں کھڑے ہوئے اور چلے گئے تو میں نبیؐ کے پاس گیا اور خبر دی کہ وہ لوگ جا چکے ہیں۔ پس آپؐ تشریف لے گئے جس وقت آپ اندر داخل ہو رہے تھے میں نے بھی اندر جانے کا ارادہ کیا، تو آپ نے میرے اور اپنے درمیان پردہ ڈال دیا اس پر اللہ پاک نے یہ آیۃ نازل کی: ﴿یا يها الذين آمنوا لا تدخلوا بيوت النبی﴾ [الاحزاب: ۵۳] : (اے ایمان والو! نبی کے گھروں میں مت جایا کرو)۔ اس کا قصہ کافی طویل ہے۔ اس کی تفصیل تفسیر اور سیرت کی کتابوں میں ہے۔

اباحتِ عزل

۳۲۱۲: وَعَنْهُ قَالَ اَوْ لَمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ بَنٰى بِزَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ فَاَشْبَعَ النَّاسَ خُبْزًا وَّلَحْمًا (رواه البخاری)

اخرجه البخاری فی صحيحه ٥٢٨/٨ الحديث رقم ٤٧٩٤۔

ترجمہ: ''اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے ساتھ شب زفاف گزارنے کے بعد ولیمہ کیا اور (اس ولیمہ میں) لوگوں کو روٹی اور گوشت سے سیر کر دیا''۔ (بخاری)

تشریح: ''خبزا و لحما'': اس میں یہ احتمال ہے کہ یہ ثرید ہو یا کچھ اور ہو۔

۳۲۱۳: وَعَنْهُ قَالَ اِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ اَعْتَقَ صَفِيَّةَ وَتَزَوَّجَهَا وَجَعَلَ عِتْقَهَا صَدَاقَهَا وَاَوْلَمَ عَلَيْهَا بِحَيْسٍ

(متفق عليه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۲۳۲/۹ الحدیث رقم ۵۱۶۹ ومسلم فی ۱۰۴۳/۲ الحدیث رقم ۸۴-۱۳۶۵) وابو داؤد فی السنن ۵۴۳/۲ الحدیث رقم ۲۰۵۴ والترمذی فی ۴۲۳/۳ الحدیث رقم ۱۱۱۵ والنسائی فی ۱۱۴/۶ الحدیث رقم ۳۳۴۲ وابن ماجه فی ۶۲۹/۱ الحدیث رقم ۱۹۵۸ واحمد فی المسند ۹۹/۳۔

ترجمہ: ''اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کو (پہلے) آزاد کیا اور (پھر) ان سے نکاح کر لیا' آپ ﷺ نے ان کی آزادی ہی کو ان کا مہر قرار دیا اور ان کے نکاح میں حیس (کھجور' پنیر اور گھی سے تیار شدہ حلوہ) سے ولیمہ کیا''۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: ''حیس'': حاء کے فتحہ اور یاء کے سکون کے ساتھ ہے۔ ایک قسم کا کھانا ہے جو کھجور' پنیر' اور گھی سے تیار کیا جاتا ہے۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ ستو' گھی اور کھجور سے تیار کیا جاتا ہے۔ اھ لیکن صحیح وہی ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے جیسا کہ آنے والی حدیث میں صراحت کے ساتھ مذکور ہے۔

اعتق صفية: ابن حجر فرماتے ہیں کہ یہ موسیٰ علیہ السلام کے بھائی حضرت ہارون کے سلسلہ اولاد سے تھیں۔

وجعل عتقها صداقها......: ہمارے بعض ائمہ فرماتے ہیں کہ یہ نبی ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے۔ شرح السنہ میں ہے کہ اہل علم کا اس بارے میں اختلاف ہے، کہ اگر کوئی شخص اپنی لونڈی کو آزاد کر کے اس سے شادی کر لے اور اس کی آزادی کو اس کا مہر بنا دے۔ نبی ﷺ کے صحابہ کی ایک جماعت نے اس کو جائز قرار دیا ہے اور ان کے علاوہ بعض حضرات نے بھی اس حدیث کے ظاہر کی وجہ سے۔ اور ایک جماعت نے اس کو جائز قرار نہیں دیا۔ اور اس حدیث کی تاویل یہ کی ہے کہ یہ نبی ﷺ کی خصوصیات میں سے ہے جیسا کہ بغیر مہر کے نکاح نبی کی خصوصیت تھی۔ اور یہ بھی ''ہبہ'' کے معنیٰ میں ہے۔

اس حدیث میں دلالت ہے اس بات پر کہ اگر کوئی اپنی باندی کو آزاد کرے اور پھر اس کے ساتھ نکاح کر لے تو اس میں کوئی کراہت نہیں ہے۔

شرح ہدایہ میں ہے کہ جب کوئی اپنی لونڈی کو آزاد کرے اور اس کی آزادی کو اس کا مہر قرار دے، مثلاً یوں کہے کہ ''میں تجھے آزاد کرتا ہوں، اس شرط پر کہ آزادی کے عوض'' تو مجھ سے نکاح کرے گی۔ اس عورت نے قبول کر لیا تو یہ آزادی صحیح ہو جائیگی اور وہ باندی اس کے ساتھ نکاح کرنے میں بااختیار ہوگی۔ اگر اس نے شادی کر لی تو اس کے لئے مہر مثل ہوگا۔ اس میں اختلاف ہے ابو یوسف کا۔ ان کی دلیل ایک صحیح حدیث ہے کہ آپ علیہ السلام نے حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور ان کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا۔

ہم جواب یہ دیتے ہیں کہ اللہ کی کتاب میں تعین مال کی تصریح ہے کہ محرمات کو ذکر کرنے کے بعد فرمایا ہے، کہ ان کے علاوہ کا حلال ہونا ابتغاء مال کے ساتھ مقید ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وَاُحِلَّ لَكُمْ مَّا وَرَآءَ ذٰلِكُمْ اَنْ تَبْتَغُوْا بِاَمْوَالِكُمْ مُّحْصِنِيْنَ

غَيْرَ مُسَافِحِينَ﴾ [النساء: ٢٤] ''اوران عورتوں کے سوااور عورتیں تمہارے لئے حلال کی گئی ہیں یعنی یہ کہ تم اُن کو اپنی مالوں کے ذریعے سے چاہو اس طرح سے کہ تم بیوی بناؤ'' اور راوی کا یہ قول عدم مہر سے کنایہ ہے یعنی مطلب یہ ہے کہ آپ علیہ السلام نے صفیہ کو آزاد کیا اوران سے شادی کر لی۔ آزادی کے علاوہ کچھ (بھی مہر) نہ تھا اور شادی بغیر مہر کے نبی ﷺ کے لئے جائز تھی، نہ کہ ان کے علاوہ کے لئے۔ پس جو کچھ ہم نے ذکر کیا ہے راوی کے الفاظ میں اس کا احتمال ہے لہٰذا اس پر حمل کرنا لازمی ہے اور اگر وہ باندی نکاح سے انکار کر دے تو ہم اس پر اس کی قیمت کو لازم کریں گے۔ (انتھی)۔ محقق ابن ہمام کا کلام ہے کہ اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ اس کو مہر معجل پر حمل کیا جائے جو الفت ومحبت کے زیادہ کرنے کے لئے وضع کیا گیا ہے، اور وہ مہر کا مقدمہ ہوتا ہے چنانچہ مجازاً اس کو مہر کہا۔

۳۲۱۴: وَعَنْهُ قَالَ اَقَامَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بَيْنَ خَيْبَرَ وَالْمَدِيْنَةِ ثَلَاثَ لَيَالٍ يُبْنٰى عَلَيْهِ بِصَفِيَّةَ فَدَعَوْتُ الْمُسْلِمِيْنَ اِلٰى وَلِيْمَتِهٖ وَمَا كَانَ فِيْهَا مِنْ خُبْزٍ وَلَا لَحْمٍ وَمَا كَانَ فِيْهَا اِلَّا اَنْ اَمَرَ بِالْاَنْطَاعِ فَبُسِطَتْ فَاُلْقِيَ عَلَيْهَا التَّمْرُ وَالْاَقِطُ وَالسَّمْنُ۔ (رواه البخاري)

اخرجه البخاري في صحيحه ٤٧٩/٧ الحديث رقم ٤٢١٣ والنسائي في ١٣٤/٦ الحديث رقم ٣٣٨٢ واحمد في المسند ٢٦٤/٣۔

ترجمہ: ''اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے خیبر اور مدینہ کے درمیان تین رات قیام فرمایا اور صفیہؓ کے ساتھ ''ان کے نکاح کے بعد) شب زفاف گزاری اور میں نے مسلمانوں کو آپ ﷺ کے دعوت ولیمہ کی دعوت دی۔ دعوتِ ولیمہ میں نہ تو روٹی تھی اور نہ ہی گوشت تھا بلکہ آپ ﷺ نے دسترخوان بچھانے کا حکم دیا اور جب دسترخوان بچھا دیا گیا تو اس پر کھجوریں' پنیر اور گھی رکھ دیا گیا''۔ (بخاری)

تشریح: قوله :اقام النبي بين خيبر ...... الى وليمة......۔

خیبر: یہ مدینہ کے قریب ایک مشہور قلعہ ہے۔ یہ غیر منصرف ہے تانیث اور علمیت کی وجہ سے۔

"يبنى عليه": مبنی للمفعول ہے۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں بظاہر یہ ہے"بني على صفية" یا"بني بصفية" ہونا چاہیئے، ممکن ہے اس کا معنیٰ یہ ہو: يبنى على رسول الله ﷺ خباء جديد مع صفية اور بسببها کہ رسول اللہ پر نیا خیمہ بنایا گیا صفیہ کی وجہ سے، (انتھی)۔ اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ جار اول نائب فاعل ہے اور با، سببیت کے لئے ہے یا مصاحبت کے لئے ہے اس کی تعبیر صیغہ مضارع کے ساتھ حال ماضی کی حکایت کے لئے ہے قضیہ کے کمال استحضار کے دعویٰ کے لئے کیا ہے۔

قوله :وما كان فيها من خبز ولا لحم......

"الانطاع" یہ جمع ہے "نطع" کی۔ چمڑے سے بنے ہوئے دسترخوان کو کہتے ہیں۔

"من خبز ولا لحم": من استغراق نفی کے لئے ہے اور"لا" زائد ہے۔

فالقي عليها التمر...... : یعنی ان سب سے بنایا ہوا۔ اس کو حیس کا نام دیا جاتا ہے۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں ''وما کان فیھا الا ان امر'' کے بعد ''ما کان فیھا من خبز ولحم'' اس بات کی خبر ہے کہ اس میں اہل تنعم اور مالداروں والا کھانا نہیں تھا بلکہ غرباء کا کھانا تھا کھجور، پنیر اور گھی وغیرہ۔ اور یہ بھی جائز ہے کہ ان کے مجموعہ سے ''حیس'' مراد ہو۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں یہاں یہی معنیٰ متعین ہے جیسا کہ سابقہ حدیث میں گزرا۔ اور دستر خوان کے بچھانے میں اس طرف اشارہ ہے کہ اس جنس کا کھانا کثرت کے ساتھ تھا۔

مواہب میں ہے کہ ام المؤمنین صفیہ بن حیی بن اخطب پہلے کنانہ بن ابی حقیق کے نکاح میں تھیں وہ خیبر کے دن ۷ھ کو ماہ محرم میں قتل ہوا۔ انس فرماتے ہیں کہ جب خیبر فتح ہوا اور قیدیوں کو جمع کیا گیا تو دحیہ آپ کے پاس آئے اور کہا اللہ کے رسول مجھے لونڈی دیجئے آپ نے فرمایا کہ جا، اور اپنے لئے باندی لے لے، انہوں نے صفیہ بنت حیی کو لے لیا۔ ایک آدمی نبی ﷺ کے پاس آیا اور کہا اللہ کے رسول آپ نے دحیہ کو ''صفیہ بنت حیی'' دی ہیں جو قریظہ کی سردار ہیں وہ تو صرف آپ کی شان کے لائق ہیں۔ تو آپ نے فرمایا کہ دحیہ کو بلاؤ، پس وہ صفیہ کو لے کر آ گئے۔ انس فرماتے ہیں کہ جب نبی ﷺ نے صفیہ کو دیکھا تو فرمایا، کہ آپ اس کے علاوہ کوئی اور لونڈی لے لیں۔ انس فرماتے ہیں کہ آپ نے ان کو آزاد کر دیا اور پھر ان کے ساتھ نکاح کر لیا، ثابت نے کہا کہ اے ابوحمزہ ان کا کتنا مہر تھا؟ فرمایا کہ ان کی آزادی کو ان کا مہر قرار دیا، یہاں تک کہ وہ راستے میں تھے تو ام سلیم نے آپ کے لئے کھانا تیار کیا اور آپ کی طرف بھیجا رات کے وقت۔ صبح کو آپ ﷺ دولہا بنے اور فرمایا جس کے پاس جو کچھ ہو وہ لے آئے۔ انس فرماتے ہیں کہ دستر خوان بچھایا، پس کوئی پنیر لایا کوئی کھجور لایا اور کوئی گھی لایا۔ اور ان کو ملا کر انہوں نے ایک قسم کا حلوہ تیار کیا، پس یہ رسول اللہ کا ولیمہ ہوا۔

ایک روایت میں ہے لوگوں نے کہا کہ ہمیں نہیں معلوم کہ رسول اللہ ﷺ نے ان سے نکاح کر لیا ہے یا ام ولد بنا لیا ہے۔ لوگ کہنے لگے کہ اگر آپ نے ان کو پردہ کرایا تو وہ آپ کی بیوی ہوں گی، اور اگر پردہ نہیں کرایا تو ام ولد ہوں گی۔ جب آپ نے ان کو سوار کرانے کا ارادہ کیا تو ان کو پردہ کرایا۔

ایک حدیث میں ہے کہ ہم چلے یہاں تک کہ جب ہم نے مدینہ کی دیواروں کو دیکھا تو ہمارے دلوں میں اس کی بہت چاہت پیدا ہوئی پس ہم نے اپنی سواریاں تیز کر دیں اور رسول اللہ ﷺ نے بھی اپنی سواری تیز کر دی۔ رسول اللہ ﷺ کی سواری کو ٹھوکر لگنے سے رسول اللہ ﷺ اور صفیہ دونوں سواری سے گر گئے۔ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ لوگوں میں سے کوئی بھی آپ کی طرف اور صفیہ کی طرف نہیں دیکھ رہا تھا، یہاں تک کہ رسول اللہ ﷺ نے ان کو پردہ کرایا۔ انس رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ جب ہم مدینہ میں داخل ہوئے آپ کی ازواج کی باندیاں باہر نکل کر صفیہ کو دیکھنے لگیں اور ان کے گرنے کو برا بھلا کہہ رہی تھیں۔ اس کو شیخین نے روایت کیا ہے۔ یہ الفاظ مسلم کی روایت کے ہیں۔

حضرت جابر سے روایت کیا گیا ہے کہ رسول اللہ ﷺ خیبر کے دن صفیہؓ کے پاس آئے۔ ان کے والد اور بھائی مارے گئے تھے۔ آپ نے ان کو اختیار دیا تھا کہ ان کو آزاد کر دیں وہ اپنے باقی رشتہ داروں کے پاس چلی جائیں یا آپ کے ساتھ نکاح کر لیں، تو وہ کہنے لگیں کہ میں اللہ اور اس کے رسول کو اختیار کرتی ہوں۔ (اس کو الصفوہ میں ذکر کیا ہے) اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی حدیث ہے، کہ رسول اللہ ﷺ نے صفیہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ کیا تجھے مجھ میں رغبت ہے۔ تو وہ بولیں کہ اللہ کے رسول میں شرک کی

حالت میں اس کی تمنا کرتی تھی تو اب کیوں کر نہیں جب کہ اللہ نے مجھے اسلام کی دولت سے نواز دیا ہے۔

ابوحاتم نے ابن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے کہ رسول اللہ نے صفیہ کی آنکھ میں سبز نشان دیکھا تو فرمایا: یہ کیا ہے؟ وہ بولیں: میرا سر''ابن ابی الحقیق'' کی گود میں تھا اور میں سوئی ہوئی تھی۔ میں نے خواب میں چاند کو دیکھا کہ میری گود میں پڑا ہوا ہے۔ میں نے یہ خواب ان کے سامنے بیان کیا تو انہوں نے مجھے تھپڑ مارا کہ تو یثرب کے بادشاہ کی تمنا کرتی ہے۔

دو کلو جَو سے ولیمہ

۳۲۱۵: وَعَنْ صَفِيَّةَ بِنْتِ شَيْبَةَ قَالَ اَوْلَمَ النَّبِيُّ عَلٰى بَعْضِ نِسَائِهٖ بِمُدَّيْنِ مِنْ شَعِيْرٍ۔ (رواہ البخاری)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۲۳۸/۹ الحدیث رقم ۵۱۷۲ واحمد فی المسند ۱۱۳/۶

ترجمہ: ''اور حضرت صفیہ بنت شیبہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بعض ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن (غالباً اُم سلمہ رضی اللہ عنہا) کا ولیمہ دو سیر جو کے ساتھ کیا''۔ (بخاری)

تشریح: سیوطی فرماتے ہیں کہ وہ زوجہ مطہرہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا تھیں۔ اور مواہب میں ہے کہ ان امّ المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا نام ''ہند'' تھا اور بعض نے کہا ہے کہ ''رملہ'' تھا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے پہلے ان کے شوہر ابو سلمہ ابن عبد الاسد تھے حبشہ کی طرف سب سے پہلے ہجرت ان دونوں میاں بیوی نے کی۔ ام سلمہ نے حضورؐ سے سنا تھا کہ جس مسلمان کو کوئی مصیبت پہنچے اور وہ یہ دعاء پڑھ لے: **اللھم اجرنی فی مصیبتی واخلف لی خیرا منھا** تو اللہ پاک اس سے بہتر اس کو دیتا ہے۔ ام سلمہ کہتی ہیں کہ جب ابو سلمہ وفات پا گئے تو میں نے کہا کہ ابو سلمہ سے بہتر کونسا مسلمان ہو سکتا ہے، پھر میں نے یہ دعا مانگی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے میری طرف حاطب بن ابی بلتعہ کو بھیجا انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے مجھے پیغام نکاح دیا۔

اور ایک روایت میں ہے کہ ان کو حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ نے پیغام نکاح دیا تو انہوں نے انکار کر دیا، پھر حضرت عمرؓ نے بات کی تو انہوں نے انکار کر دیا۔ پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے پیغام بھیجا، تو کہنے لگیں مرحبا برسول اللہ۔ مجھ میں تین خصلتیں ہیں: ① میں بہت غیرت والی عورت ہوں۔ ② میں مصیبت زدہ عورت ہوں۔ ③ میرا یہاں کوئی ولی نہیں ہے جو میرا نکاح کرا دے۔ حضرت عمر فاروق رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی وجہ سے بہت سخت غصہ ہوئے جب انہوں نے آپ کو رد کیا، پھر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس آ گئے، اور فرمایا: تو نے جو اپنی غیرت کا ذکر کیا ہے تو میں اللہ سے دعا کرتا ہوں کہ اس کو اللہ تجھ سے ختم کر دے، اور جو تو نے ذکر کیا کہ تو مصیبت زدہ ہے، تو اس کے بدلے اللہ تیرے لیے کافی ہو جائیں گے، اور جو تو نے ذکر کیا ہے کہ تیرا کوئی ولی نہیں ہے، تو تیرے اولیاء میں سے کوئی بھی مجھے ناپسند نہیں کرتا۔ چنانچہ انہوں نے اپنے بیٹے سے کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نکاح کر دے، تو بیٹے نے ان کا نکاح رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کرا دیا۔ صاحب السمط الثمین فرماتے ہیں کہ اسی سیاق کے ساتھ اس کو ہدبہ بن خالد اور صاحب الصفوہ نے ذکر کیا ہے۔ اور احمد اور نسائی نے بھی کچھ حصہ ذکر کیا ہے۔ اور اس کے ہم معنی روایت صحیح میں بھی موجود ہے۔

یہ دلیل ہے کہ بیٹا ماں کے عقد نکاح کا ولی بن سکتا ہے امام شافعی کا اس میں اختلاف ہے۔ وہ اس حدیث کی تاویل یہ

کرتے ہیں کہ اس نے یہ نکاح بطور عصبہ کروایا تھا' اس لئے کہ وہ ان کے چچازاد کے بیٹے تھے۔

ولیمہ کی دعوت قبول کرنی چاہیے

۳۲۱۶: وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ قَالَ اِذَا دُعِیَ اَحَدُكُمْ اِلَى الْوَلِيْمَةِ فَلْيَاتِهَا (متفق عليه وفى رواية لمسلم) فَلْيُجِبْ عُرْسًا كَانَ اَوْ نَحْوَهُ.

اخرجه البخارى فى صحيحه ٢٤٠/٩ الحديث رقم ٥١٧٣ ومسلم فى ١٠٥٢/٢ الحديث رقم (١٦-١٤٢٩) وابو داؤد فى السنن ١٢٣/٤ الحديث رقم ٣٨٣٦ وابن ماجه فى ٦١٦/١ الحديث رقم ١٩١٤ والدارمى فى ١٩٢/٢ الحديث رقم ٢٢٠٥ ومالك فى ٥٤٦/٢ الحديث رقم ٤٩ من كتاب النكاح، واحمد فى المسند ٢٢/٢ الجامع الصغير ٤٣/١ الحديث رقم ٦٠٦۔

ترجمہ: ''اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کو ولیمہ کی دعوت دی جائے تو اسے جانا چاہئے (متفق علیہ) اور مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ''دعوت قبول کرنی چاہئے خواہ وہ شادی کی دعوت ہو یا اسی قسم کی کوئی دوسری دعوت''۔ (بخاری ومسلم)

عرسًا كان او نحوه : ظاہر یہ ہے کہ یہ کلام راوی کا ادراج ہے، یا نقل بالمعنی ہے۔

تشریح: بعض حضرات فرماتے ہیں کہ دعوت ولیمہ قبول کرنا واجب ہے، اور بلا عذر چھوڑنے والا گناہگار ہوگا۔ آپ کے اس فرمان کے بموجب کہ جس نے دعوت کو ترک کیا، اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی۔ بعض کہتے ہیں کہ مستحب ہے۔ یہ اختلاف مقام دعوت پر حاضر ہونے کے بارے میں ہے۔ البتہ (دعوت میں) کھانا کھانا مستحب ہے اگر وہ روزے سے نہ ہو۔ اور ولیمہ کے علاوہ دعوت کو قبول کرنا مستحب ہے۔ نبیؐ کے اس فرمان کی وجہ سے کہ اگر مجھے ایک کھر کی طرف بھی دعوت دیجائے، تو میں قبول کروں گا۔ جیسا کہ طیبی اور ابن الملک نے ذکر کیا ہے۔

یہ دونوں فرماتے ہیں کہ دعوت کے وجوب وندب کو ساقط کرنے والے اعذار میں سے یہ ہے کہ کھانے میں کوئی شبہ ہو، یا وہ دعوت صرف مالداروں کے لئے خاص ہو، یا وہاں کوئی ایسا شخص ہو کہ اس کی حاضری سے اس کو تکلیف پہنچتی ہو، یا اس کے ساتھ اس کا بیٹھنا لائق نہ ہو، یا اس کو دعوت اس کے شر کو دفع کرنے کے لئے دی گئی ہو، یا اس کے منصب کی بناء پر کسی طمع سے دعوت دی ہو، یا اس لئے دی ہو تا کہ یہ کسی باطل معاملہ میں ان کی معاونت کرے۔ یا وہاں خلاف شریعت کام ہو رہے ہوں۔ جیسے شراب نوشی' لہو لعب' ریشم کے بچھونے وغیرہ۔ (انتھی) اور یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اس زمانہ میں ان اعذار سے کوئی بھی دعوت خالی نہیں ہوتی' اگر تمام اعذار نہیں بھی تو بعض تو ہوں گے ہی۔

اسی لئے صوفیہ فرماتے ہیں کہ دعوتوں سے پرہیز کرنا جائز ہے، بلکہ یہ بنا مناسب ہے کہ (دعوتوں میں شرکت سے گریز کرنا) واجب ہے

تخریج: الجامع الصغیر میں ہے: اذا دعى احدكم الى وليمة عرس فليجب. رواه مسلم وابن ماجه۔ اور

مسلم کی ایک روایت میں ہے: ومن دعی الی عرس أ ونحوه فیلجب.

نکاح کی دعوت میں حاضری دی جائے

۳۲۱۷:وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اِذَا دُعِيَ اَحَدُ كُمْ اِلٰى طَعَامٍ فَلْيُجِبْ فَاِنْ شَاءَ طَعِمَ وَاِنْ شَاءَ تَرَكَ۔ (رواه مسلم)

اخرجه فی صحیحه ۱۰۵٤/۲ الحدیث رقم (۱۰۵-۱٤۳۰)وابوداوٗد فی السنن ۱۲٤/٤ الحدیث رقم ۳۷٤۰۔

ترجمه:''اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب تم میں سے کسی کو (شادی بیاہ یا اسی قسم کی کسی اور تقریب کے) کھلانے کی دعوت دی جائے تو اسے چاہئے کہ وہ دعوت قبول کرے (یعنی دعوت میں چلا جائے) پھر (وہاں جا کر اس کی مرضی پر موقوف ہوگا کہ) چاہے تو (کھانا) کھائے چاہے تو چھوڑ دے''۔(مسلم)

تشریح: قوله :اذا دی احدکم الی طعام فلیجب ......:

''طعم'': عین کے کسرہ کے ساتھ''اکل''کے معنیٰ میں ہے۔

فلیجب :ابن الملک فرماتے ہیں کہ بعض کہتے ہیں کہ یہ امر وجوب کے لئے ہے لیکن یہ اس کے لئے ہے جس کا کوئی عذر نہ ہو اور جو معذور ہو جیسا کہ جگہ دور ہو کہ جانے سے مشقت ہو تو پھر قبول نہ کرنے میں کوئی حرج نہیں ہے۔اور جمہور فرماتے ہیں کہ امر ندب کے لئے ہے۔

تخریج: اس حدیث کو ابوداوٗد، احمد، مسلم، ترمذی نے حضرت ابوہریرہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

اذا دعی احدکم الی طعام فلیجب' فان کان مفطرا فلیأکل' وان کان صائمًا فلیصل۔

طبرانی نے ابن مسعود سے فلیصل کی جگہ: فلیدع بالبرکۃ روایت کیا ہے

تشریح: مسلم، ابوداوٗد، ترمذی اور ابن ماجہ نے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: اذا دعی احدکم الی طعام فلیقل : انی صائم

بدترین ولیمہ

۳۲۱۸:وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم شَرُّ الطَّعَامِ طَعَامُ الْوَلِيْمَةِ يُدْعٰى لَهَا لْاَغْنِيَاءُ وَيُتْرَكُ الْفُقَرَاءُ وَمَنْ تَرَكَ الدَّعْوَةَ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهٗ (متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۲٤٤/۹ الحدیث رقم ۵۱۷۷ومسلم فی ۱۰۵٤/۲ الحدیث رقم (۱٤۳۲-۱۰۷)وابوداوٗد فی السنن ۱۲۵/٤ الحدیث رقم ۳۷٤۲وابن ماجه فی ۱/۱۲۱٦ الحدیث رقم ۱۹۱۳

والدارمی فی ۱۴۳/۲ الحدیث رقم ۲۰۶۶ ومالك فی الموطا ۵۴۶/۲ الحدیث رقم ۵۰ من کتاب النکاح ، واحمد فی المسند ۲۴۱/۲

ترجمہ: ''اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''برا کھانا اس ولیمہ کا کھانا ہے جس میں مالداروں کو دعوت دی اور فقراء کو چھوڑ دیا جائے اور جس شخص نے دعوت کو (کوئی عذر نہ ہونے کے باوجود) چھوڑ دیا (یعنی قبول نہ کیا) تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی''۔ (بخاری)

تشریح: ''**یدعی لها الاغنیاء**'': یہ جملہ ''**الولیمة**'' کی صفت ہے۔

شر الطعام : قاضی فرماتے ہیں کہ مراد ''**من شر الطعام**'' ہے، اس لئے کہ شر الطعام میں بھی درجے ہوتے ہیں اور اس کی نظیر ''**شر الناس من اکل وحده**'' ہے۔ قاضی فرماتے ہیں کہ اس کو شر اگلی بات کی وجہ سے کہا ہے، گویا کہ اس طرح فرمایا ہے، کہ برا کھانا ولیمہ کا ہوتا ہے جس کی یہ شان ہو۔ پس لفظ اگرچہ مطلق ہے لیکن مراد اس سے مقید ہے۔ اور مطلق کیسے ہوسکتا ہے، حالانکہ ولیمہ کرنے اور اس کی دعوت کو قبول کرنے کا حکم ہے اور قبول نہ کرنے پر گناہ مرتب ہو رہا ہے۔ علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ ''**الولیمه**'' میں الف لام عہد خارجی کے لئے ہے۔ عرب کی عادت تھی کہ ولیمہ میں اغنیاء کی رعایت زیادہ رکھتے تھے۔ اور ان کو خصوصی طور پر دعوت دیتے تھے۔ ان کو ترجیح دینا، ان کے لئے عمدہ کھانا تیار کرنا، ان کے بیٹھنے کی جگہ کو اونچا بنانا، اور ان کو مقدم کرنا وغیرہ ان کی عادات میں سے تھا، (انتھی)۔ خلاصہ کلام یہ ہے کہ ولیمہ کا کھانا لذاتہ شر نہیں ہے بلکہ برے عوارض اور صفات کی وجہ سے شر ہو جاتا ہے۔

قوله :فقد عصى الله ورسوله :

اللہ کی نافرمانی اس طرح ہے کہ جس نے رسول اللہ ﷺ کے حکم کی نافرمانی کی اس نے اللہ کے امر کی مخالفت کی، اور جو لوگ ولیمہ کے وجوب کے قائل ہیں انہوں نے اس سے استدلال کیا ہے، اور جمہور نے اس تاکید کو استحباب پر محمول کیا ہے۔

مسلم کی ایک روایت میں ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

شر الطعام طعام الوليمة يمنعها من يأتيها ويدعى اليها من يأباها' ومن لا يجب الدعوة فقد عصى الله رسوله.

دعوت میں بن بلائے مہمان کا حکم

۳۲۱۹: وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدٍ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ کَانَ رَجُلٌ مِّنَ الْاَنْصَارِ یُکْنٰی اَبَا شُعَیْبٍ کَانَ لَهٗ غُلَامٌ لَحَّامٌ فَقَالَ اِصْنَعْ لِیْ طَعَامًا یَکْفِیْ خَمْسَةً لَعَلِّیْ اَدْعُوا النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ خَامِسَ خَمْسَةٍ فَصَنَعَ لَهٗ طُعَیْمًا ثُمَّ اَتَاهُ فَدَعَاهُ فَتَبِعَهُمْ رَجُلٌ فَقَالَ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَا اَبَا شُعَیْبٍ اِنَّ رَجُلًا تَبِعَنَا فَاِنْ شِئْتَ اَذِنْتَ لَهٗ وَاِنْ شِئْتَ تَرَکْتَهٗ قَالَ لَا بَلْ اَذِنْتُ لَهٗ۔ (متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحح ۵۸۳/۹ الحدیث رقم ۵٤٦١ ومسلم فی ۱٦۰۸/۳ الحدیث رقم (۱۳۸-۲۰۳٦) والترمذی فی السنن ٤۰۵/۳ الحدیث رقم ۱۰۹۹ والدارمی فی ۱٤۳/۲ الحدیث رقم ۲۰٦۸ واحمد فی المسند ۱۲۱/٤۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابو مسعود انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک انصاری صحابیؓ جن کی کنیت ابوشعیب تھی' کے ہاں ایک غلام قصائی تھا (ایک دن) ان انصاری صحابیؓ (یعنی ابوشعیبؓ) نے (اپنے اس غلام سے) کہا کہ میرے لئے کھانا تیار کرو جو پانچ آدمیوں کے لئے کافی ہو تا کہ میں نبی کریم ﷺ کی دعوت کروں اور آپ پانچ آدمیوں میں سے پانچویں ہوں گے (یعنی ایک آپ ﷺ ہوں گے اور چار آدمی آپ ﷺ کے ساتھ ہوں گے) چنانچہ اس غلام نے ان (کی ہدایت کے مطابق آنحضرت ﷺ) کے لئے تھوڑا سا کھانا تیار کر لیا پھر وہ (ابوشعیب رضی اللہ عنہ) آپ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور آپ ﷺ کو (اور آپ ﷺ کے چار صحابہؓ کو) اس کھانے پر مدعو کیا۔ (جب آپ ﷺ ان کے گھر تشریف لے گئے تو) ایک شخص آپ ﷺ کے ساتھ ہولیا آپ ﷺ نے (ان کے گھر پہنچ کر) فرمایا کہ ''اے ابوشعیب! ایک اور شخص ہمارے ساتھ ہولیا ہے اگر تم چاہو تو اس کو بھی (کھانے پر) آنے کی اجازت دے دو' اور اگر چاہو تو اس کو (دروازہ ہی پر) چھوڑ دو (اور دسترخوان پر بیٹھنے کی اجازت نہ دو) ابوشعیب رضی اللہ عنہ نے کہا کہ نہیں (اس کو دسترخوان پر بیٹھنے کی اجازت نہ دینا میں مناسب نہیں سمجھتا) بلکہ میں اس کو بھی اجازت دیتا ہوں''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: **قوله :کان رجل من الانصار...... خامس خمسة:**

''یکنی'': مخفف ومشدد دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔ قاموس میں ہے: کنا به کنیة کسرہ اور ضمہ کے ساتھ بمعنیٰ سماہ۔

''لحام'': حاء کے شد کے ساتھ، گوشت فروش کو کہتے ہیں جیسے تمار۔ یہ لاحم کا اسم مبالغہ ہے۔'' لاحم'' فاعل نسبتی ہے جیسے لابن اور تامر وغیرہ۔

''طعیما'': تصغیر کے ساتھ تھوڑا سا کھانا۔

''أبا'': منصوب ہے مفعول ثانی ہونے کی بناء پر۔

''خامس خمسة'': حال ہے ''النبی'' سے۔ ای واحد من خمسة۔ یہ ''ثانی اثنین'' کے قبیل سے ہے۔

ادعو النبیؐ: چونکہ انہوں نے نبیؐ کے چہرے پر بھوک کے آثار محسوس کیے تھے۔

وان شئت ترکته :قال :بل أذنت له : اس سے معلوم ہوا کہ کسی کے لئے کسی کی ضیافت میں جانا بغیر اجازت کے جائز نہیں ہے۔ اور مہمان کے لئے بھی جائز نہیں کہ وہ اپنے ساتھ کسی کو لیجائے۔ مگر صریح اجازت ہو یا عام اجازت ہو۔ یا اہل خانہ کی رضامندی معلوم ہو۔

شرح السنہ میں ہے کہ اس میں دلیل ہے کہ ضیافت کا کھانا اس شخص کے لئے حلال نہیں ہے جس کو دعوت نہ دی گئی ہو۔ علماء کی ایک جماعت کی رائے یہ ہے کہ جب کسی شخص کو کھانا دیا جائے اور اس کے اور کھانے کے درمیان سے ہٹ جائے تو اس کو

اختیار ہے کہ چاہے وہ کھانا کھائے' چاہے کسی اور کو کھلا دے' چاہے تو ساتھ گھر لے جائے۔ لیکن جب وہ دسترخوان پر بیٹھ جائے کھانے کے لئے، تو اس کو اچھے طریقے سے کھانے کی اجازت ہے اور کوئی چیز ساتھ لے کر نہ جائے، اور نہ کسی اور کو کھلائے۔ بعض اہل علم نے مستحسن قرار دیا ہے کہ اہل دسترخوان بعض، بعض کو کوئی چیز کھلائیں، ہاں اگر وہ دو دسترخوانوں پر ہیں تو پھر جائز نہیں ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اگر کسی نے کسی شخص کو کھانا پیش کیا تا کہ وہ کھالے تو اس میں تملیک جاری نہ ہوگی۔ مالک کے لئے جائز ہے کہ کسی بھی وقت وہ اس شخص اور کھانے کے درمیان حائل ہو جائے۔

شیخ مظہر فرماتے ہیں کہ یہ آپ کی طرف سے تصریح ہے کہ کسی کے گھر میں اس کی اجازت کے بغیر داخل ہونا جائز نہیں ہے۔ اور نہ مہمان کے لئے جائز ہے کہ وہ بغیر اجازت کے کسی کو دعوت دے۔ نووی فرماتے ہیں کہ مہمان کے لئے مستحب ہے، کہ وہ اس کے لئے اجازت طلب کرے اور جس کی طرف سے ضیافت ہے اس کے لئے مستحب ہے کہ وہ اس کو واپس نہ کرے اگر اس کے حاضر ہونے سے حاضرین مجلس کو تکلیف پہنچنے کا اندیشہ نہ ہو۔ اور جب اس کو واپس کرے تو چاہیے کہ اس کے ساتھ نرمی کا معاملہ کرے اور اگر اس کو کھانے میں سے کچھ دیدے، اور اس کی شان کے لائق ہو تو اور بہتر ہے۔

الفصل الثانی:

ستو و کھجور کا ولیمہ

۳۲۲۰: وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْلَمَ عَلٰى صَفِيَّةَ بِسَوِيْقٍ وَتَمْرٍ۔

(رواه احمد و الترمذی وابوداود وابن ماجة)

اخرجه ابوداود فی السنن ١٢٦/٤ الحديث رقم ٣٧٤٤ والترمذی فی ٤٠٣/٣ الحديث رقم ١٠٩٥ وابن ماجه فی ٦٥١/١ الحديث رقم ١٩٠٩ واحمد فی المسند ١١٠/٣۔

ترجمہ: ''اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اُم المؤمنین حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا ولیمہ ستو اور کھجور کے ساتھ کیا''۔ (احمد' ترمذی' ابوداؤد' ابن ماجہ)

تشریح: ماقبل حدیث میں گزرا کہ صفیہ کے ولیمہ میں ''حیس'' یعنی ایک خاص قسم کا حلوہ تھا۔ دونوں احادیث میں جمع اس طرح ہے کہ ان کے ولیمہ میں یہ دونوں چیزیں تھی ہر راوی نے اپنے علم کے مطابق خبر دی ہے۔

۳۲۲۱: وَعَنْ سَفِيْنَةَ اَنَّ رَجُلًا ضَافَ عَلِيَّ بْنَ اَبِيْ طَالِبٍ فَصَنَعَ لَهٗ طَعَامًا فَقَالَتْ فَاطِمَةُ لَوْدَعَوْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَكَلَ مَعَنَا فَدَعَوْهُ فَجَاءَ فَوَضَعَ يَدَيْهِ عَلٰى عِضَادَتَيِ الْبَابِ فَرَاَى الْقِرَامَ قَدْ ضُرِبَ فِيْ نَاحِيَةِ الْبَيْتِ فَرَجَعَ قَالَتْ فَاطِمَةُ فَتَبِعْتُهٗ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ مَا رَدَّكَ قَالَ اِنَّهٗ لَيْسَ لِيْ اَوْ لِنَبِيٍّ اَنْ يَّدْخُلَ بَيْتًا مُزَوَّقًا ۔ (رواه احمد وابن ماجة)

اخرجه ابوداؤد فی السنن ١٣٣/٤ الحديث رقم ٣٧٥٥ وابن ماجه فی ١١١٥/٢ الحديث ٣٣٦٠ واحمد فی

المخطوطة (الى) ۔

ترجمہ: اور حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن حضرت علی رضی اللہ عنہ بن ابی طالب رضی اللہ عنہ کے ہاں ایک شخص مہمان ٹھہرا تو حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کے لئے کھانا تیار کرایا! حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ اگر ہم رسول اللہ ﷺ کو بھی مدعو کر لیں تا کہ وہ آپ ﷺ ہمارے ساتھ کھانا کھا لیں (تو بڑا اچھا ہو) چنانچہ آپ ﷺ کو بلایا گیا جب آپ ﷺ تشریف لائے اور (مکان میں داخل ہونے کے لئے جیسے ہی) دروازے کے دونوں بازوں پر اپنے دونوں ہاتھ رکھے۔ آپ ﷺ کی نظر اس پردہ پر گئی جو گھر کے ایک کونے میں پڑا ہوا تھا آپ ﷺ (اس پردہ کو دیکھتے ہی) واپس ہو گئے۔ حضرت فاطمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں بھی آپ ﷺ کے پیچھے گئی اور عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ! کس چیز نے آپ کو واپس لوٹا دیا؟ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مجھے یا کسی بھی نبی کو یہ شایاں نہیں کہ وہ کسی مزین گھر میں داخل ہو''۔ (احمد، ابن ماجہ)

حالاتِ راوی:

سفینہ۔ یہ سفینہ ہیں جو کہ رسول اللہ ﷺ کے آزاد کردہ ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ ام سلمہ رضی اللہ عنہا زوجہ محترم نبی کریم ﷺ نے ان کو آزاد کیا تھا اور تا حیات ان سے نبی کریم ﷺ کی خدمت کا عہد لیا تھا۔ کہتے ہیں کہ ''سفینہ'' ان کا لقب تھا اور ان کے نام کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض نے ''رباح'' کہا ہے اور بعض نے مہران اور بعض نے رومان بتلایا ہے۔ عربی النسل تھے۔ بعض نے ''فارسی الاصل'' کہا ہے۔

سفینہ کی وجہ تسمیہ:

بیان کیا جاتا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک سفر میں تھے پس جب کوئی تھک جاتا تو وہ اپنی تلوار، ڈھال، نیزہ ان پر ڈال دیتا یہاں تک کہ ان پر بہت سی چیزیں لاد دی گئیں۔ حضور ﷺ نے فرمایا کہ بار برداری کے حق میں تو سفینہ یعنی کشتی ہے۔ ان سے ان کے بیٹے عبدالرحمٰن، محمد زیادہ اور کثیر روایت کرتے ہیں۔

قوله: ان رجلا صاف على ابن ابى طالب...... فوضع يديه ۔

تشریح: '' ضاف'': کہا جاتا ہے ضاف صیف، یعنی اس کے ہاں مہمان بنا۔

شیخ مظہر فرماتے ہیں یعنی اس نے کھانا تیار کیا، نہ کہ اس نے حضرت علیؓ کو اپنے گھر بلایا تھا۔ (اس کو علامہ طیبی نے ذکر کیا ہے اور اس پر گرفت نہیں کی ہے)۔ گویا کہ مظہر نے ضاف کو'' اضاف '' کے معنیٰ میں خیال کیا ہے، ممکن ہے کہ ان کے نسخہ میں اس طرح ہو، ورنہ از روئے لغت دونوں میں فرق ہے۔ کہا جاتا ہے:''ضاف الرجل''۔ جب وہ مہمان بنے اور''اضاف الرجل وضيفه کا معنیٰ ہے کہ جب آپ اس کو مہمان بنائیں۔

اور مصباح میں ہے: ضافه ضيفًا كباعه اذ انزل عنده و اضفته اذ انزلته۔ قاموس میں ہے: ضفته ضيفًا (ضيافة کسرہ کے ساتھ، یعنی جب آپ اس کے مہمان بنیں۔

اور نہایہ میں ہے: ''ضفت الرجل'' جب آپ اس کی ضیافت میں جائیں۔ اور ''اضفته'' جب آپ اس کو مہمان بنا لیں۔

قوله :فقالت فاطمة لو دعونا رسول الله......:

''عضادتی'': عین کے کسرہ کے ساتھ۔ وہ دولکڑیاں جو دروازے کے دونوں جانب کھڑی ہوتی ہیں۔

القرام : قاف کے کسرہ کے ساتھ۔ اون کے باریک کپڑے کو کہتے ہیں جس میں رنگ برنگی اون' لکیریں اور نقوش ہوں۔ اس سے پردہ بنایا جاتا ہے جس کے ذریعے ہودج وغیرہ کو ڈھانپا جاتا ہے۔

''مزوقًا'': واؤ مفتوحہ کی تشدید کے ساتھ یعنی نقوش سے مزین۔ اصل میں ''تزویق'' ملمع سازی کو کہتے ہیں۔ (یہ خطابی نے کہا ہے اور ابن الملک نے اس کی اتباع کی ہے۔ یہ پردہ مزین اور منقش تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ منقش تو نہیں تھا لیکن حجلہ عروسی کی مانند ڈال کر دیوار کو اس سے چھپایا گیا تھا اس میں ایک قسم کی رعونت ہے جو جابر لوگوں کے افعال کے مشابہ ہے

لیس لی :یعنی بالخصوص میرے لئے یا میرے لئے اور مجھ جیسوں کے لئے۔

او نبیؐ : یعنی بالعموم نبی کے لئے۔ ابن الملک فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں تصریح ہے کہ اس دعوت کو قبول نہ کیا جائے جس میں منکرات ہوں، (انتھیٰ) یہ کہنا محل نظر ہے چونکہ اگر یہ پردہ لٹکانا منکر ہوتا تو آپ اس پر نکیر فرماتے، لیکن واپس ہونے سے آپؐ نے اس بات پر تنبیہ کی کہ اس کا ترک اولیٰ ہے، اس لئے کہ یہ دنیا کی زینت ہے، اور آخرت کے نقصان کا موجب ہے، اور جو بات ہم نے ذکر کی اس پر تخصیص نفی دلالت کر رہی ہے۔

احمد اور طبرانی نے سفینہ سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: لیس لی ان ادخل بیتًا مزوقًا.

بِن بلائے دعوت میں جانے والا چور ہے

۳۲۲۲:وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم مَنْ دُعِيَ فَلَمْ يُجِبْ فَقَدْ عَصَى اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَمَنْ دَخَلَ عَلٰى غَيْرِ دَعْوَةٍ دَخَلَ سَارِقًا وَخَرَجَ مُغِيْرًا۔ (رواه ابوداود)

اخرجه ابوداؤد في السنن ١٢٥/٤ الحديث رقم ٣٧٤١۔

ترجمہ: ''اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کو دعوت دی جائے اور وہ دعوت قبول نہ کرے تو اس نے اللہ اور اس کے رسول کی نافرمانی کی اور جو شخص بغیر بلائے کسی کے ہاں دعوت میں چلا جائے تو چور کی حیثیت سے داخل ہوا اور ڈاکو کی حیثیت سے (گھر سے) نکلا''۔ (ابوداؤد)

تشریح: قوله :ومن دخل علی غیر دعوة:

دخل سارقًا :چونکہ یہ بغیر اجازت کے داخل ہوا ہے تو اس کی وجہ سے یہ گناہ گار ہوا جیسا کہ چور دوسرے کے گھر میں بغیر اجازت کے داخل ہونے سے گناہگار ہو جاتا ہے۔

قوله :خرج مغیرًا :یعنی ڈاکو اور غاصب کی حیثیت سے گھر سے نکلا یعنی اگر اس نے اس ضیافت میں سے کھایا تو اس

طرح ہے کہ جیسے کسی کا مال غصب کر کے لینا۔ حاصل یہ کہ آپ نے اپنے اس ارشاد گرامی کے ذریعہ امت کو اعلیٰ اخلاق کی تعلیم دی ہے اور گھٹیا اخلاق وعادات سے منع فرمایا ہے۔

بغیر عذر کے دعوت کو قبول نہ کرنا نفس کے تکبر اور عدم الفت ومحبت پر دلالت کرتا ہے اور بغیر دعوت داخل ہونا' حرص، پست ہمتی اور ذلت پر دلالت کرتا ہے۔ پس بہترین اخلاق ان دونوں مذموم خصلتوں کے درمیان ہیں۔

مقدم کا حق مقدم

۳۲۲۳: وَعَنْ رَجُلٍ مِّنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم قَالَ اِذَا اجْتَمَعَ الدَّاعِيَانِ فَاَجِبْ اَقْرَبَهُمَا بَابًا وَاِنْ سَبَقَ اَحَدُهُمَا فَاَجِبِ الَّذِیْ سَبَقَ۔

(رواہ احمد وابوداود)

اخرجه ابوداؤد فی السنن ١٣٣/٤ الحديث رقم ٣٧٥٦ واحمد فی المسند ٤٠٨/٥۔

ترجمہ: ''اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ میں سے ایک شخص سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اگر بیک وقت دو شخص دعوت دینے والے اکٹھے ہو جائیں تو ان دونوں میں سے اس شخص کی دعوت قبول کرو جس کا دروازہ زیادہ قریب ہو اور اگر ان میں سے ایک نے پہلے دعوت دی (اور دوسرے نے اس کے بعد دعوت دی) تو (اس صورت میں) اس شخص کی دعوت قبول کرو جس نے پہلے دعوت دی''۔ (احمد' ابوداؤد)

تشریح: قوله عن رجل من اصحاب النبیؐ: صحابہ سب کے سب عادل ہیں، اسلئے جہالت راوی مضر نہیں ہے۔

قوله: اذا اجتماع الایمان فاجب:

أقربهما باباً: اللہ کے اس ارشاد کی وجہ سے ہے: ﴿والجار ذی القربٰی والجار الجنب﴾ [النساء: ٣٦]: (اور پاس والے پڑوسی کے ساتھ بھی اور دور والے پڑوسی کے ساتھ بھی)۔

فاجب الذی سبق: بوجہ اس کے حق کے پہلے متعلق ہونے کے۔ اور اس سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ جو شخص علم سیکھنے کے لئے پہلے آئے تو وہ حصول کا پہلے حقدار ہے، اور اس طرح جو فتویٰ لینے آئے وہ پہلے فتویٰ لینے کا حقدار ہے۔

شہرت کی دعوت

۳۲۲۴: وَعَنِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم طَعَامُ اَوَّلِ يَوْمٍ حَقٌّ وَطَعَامُ يَوْمِ الثَّانِیْ سُنَّةٌ وَطَعَامُ يَوْمِ الثَّالِثِ سُمْعَةٌ وَمَنْ سَمَّعَ سَمَّعَ اللّٰهُ بِهٖ (رواہ الترمذی)

اخرجه الترمذی فی السنن ٤٠٣/٣ الحديث رقم ١٠٩٧۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''پہلے دن (ولیمہ کا)

کھانا کھلانا حق (واجب) ہے دوسرے دن کا کھانا سنت ہے اور تیسرے دن کا کھانا شہرت و دکھاوا ہے اور جس شخص نے دکھلاوا کیا اللہ تعالیٰ (روزِ قیامت) اس کو ذلیل و رسوا فرمائے گا''۔ (ترمذی)

تشریح: قوله: طعام اول یوم حق:

سمعة: سین کے ضمہ کے ساتھ تاکہ لوگ سن لیں اور دیکھ لیں۔ اس تعبیر میں ''سمعہ'' کو ''ریاء'' پر غلبہ دیا ہے۔ یا ایک پر اکتفاء کیا ہے اس لئے کہ ان کی تحقیق میں دقیق فرق ہے۔

سمع سمع الله به: دونوں میں میم کی تشدید کے ساتھ ہے۔

حق: یعنی ثابت و لازم ہے، اسکا اہتمام کرنا اور اس کو قبول کرنا یا واجب ہے، یہ ان لوگوں کے نزدیک ہے، جو ولیمہ کو واجب کہتے ہیں۔ یا سنت مؤکدہ ہے اس لئے کہ یہ واجب کے معنیٰ میں ہے کہ اس کے ترک سے آدمی گناہ گار ہو جاتا ہے، اور اس پر عتاب کا ترتب ہوتا ہے۔ اگر چہ سزا لازم نہیں۔

قوله: وطعام یوم الثانی: ممکن ہے کہ یہ دونوں دن عقد کے بعد کے ہوں، یا پہلا دن عقد سے پہلے کا اور دوسرا دن عقد کے بعد کا ہو۔

قوله: ومن سمع .....: یعنی جو اپنے آپ کو سخاوت وغیرہ کے ساتھ بطور ریاء و فخر کے مشہور کرے تو اللہ قیامت کے روز اس کو اہل محشر کے سامنے مشہور کر دیں گے کہ یہ دکھلاوا کرنے والا جھوٹا ہے، اس طور پر کہ اللہ لوگوں کو اس کی ریاء اور نمود کو بتلا دیں گے تو یہ لوگوں کے سامنے رسواء ہو جائے گا۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اللہ تعالیٰ جب اپنے بندہ کو کوئی نعمت عطا فرمائیں تو اس کا یہ حق ہے بطور شکر اس کا اظہار کرے، تو دوسرے دن یہ مستحب ہے تاکہ پہلے دن جو کمی کوتاہی رہ گئی ہے اس کی تلافی ہو، اس لئے کہ سنت واجب کو مکمل کرنے کے لئے ہوتی ہے، اور تیسرے روز صرف ریاء اور نمود ہے۔ مدعو پر پہلے دن دعوت قبول کرنا لازم ہے اور دوسرے دن مستحب ہے اور تیسرے روز مکروہ بلکہ حرام ہے۔ (انتھٰی)

اس میں صریح رد ہے اصحاب مالک پر کہ انہوں نے کہا ہے کہ ولیمہ سات دن تک مستحب ہے۔

طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: طعام یوم فی العرس سنة' وطعام یومین فضل' وطعام ثلاثة ایام ریاء وسمعة.

دعوت میں مقابلہ کرنے والوں کی دعوت مت قبول کرو

۳۲۲۵: وَعَنْ عِكْرَمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نَهٰى عَنْ طَعَامِ الْمُتَبَارِيَيْنِ اَنْ يُؤْكَلَ۔ (رواه ابوداود وقال محی السنة والصحيح انه عن عكرمة عن النبی صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم مرسلاً)

اخرجه ابوداوٗد فی السنن ۱۳۴/۴ الحدیث رقم ۳۷۵۴۔

ترجمہ: ''اور حضرت عکرمہؒ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے آپس

میں فخر کا مقابلہ کرنے والوں کا کھانا کھانے سے منع فرمایا ہے"۔ (ابوداؤد) اور محی السنۃ نے کہا ہے کہ صحیح الفاظ یہ ہیں: حضرت عکرمہؒ نبی کریم ﷺ سے مرسلاً نقل کرتے ہیں"۔ (یعنی روایت کی سند میں عن ابن عباس رضی اللہ عنہما کے الفاظ مذکور نہیں ہیں بلکہ یہ یہاں زائد نقل کئے گئے ہیں)"۔

تشریح: "مرسلاً": ایک نسخہ میں مرسل ہے۔ اس صورت میں یہ خبر ہے اور مبتدا محذوف ہے ای ھو مرسل.

"المتباريين": یاء مفتوحہ کے ساتھ ہے۔ "متفاخرین" کے معنیٰ میں ہے۔ نہایہ میں ہے کہ متبارین وہ ہوتے ہیں جو اپنے فعل میں ایک دوسرے سے مقابلہ کرتے ہیں، تاکہ وہ دکھلائیں کہ وہ اپنے دوسرے ساتھی پر غالب آرہے ہیں۔

"ان يؤكل": ہمزہ کے ساتھ ہے، اور کبھی ہمزہ کو واؤ سے تبدیل کرتے ہیں۔

اس کو اس لئے مکروہ کہا ہے کہ اس میں فخر و ریاء ہوتا ہے۔ علماء میں سے کسی کو دعوت دی گئی تو انہوں نے قبول نہیں کی، ان سے کہا گیا کہ سلف کو لوگ دعوت دیتے تھے وہ تو قبول کرتے تھے۔ انہوں نے کہا کہ ان کی طرف سے وہ دعوت بطور تلافی و مواسات کے دی جاتی تھی۔ اور تمہاری طرف سے دعوت مکافات اور فخر کے طور پر ہے۔

مروی ہے کہ (ایک مرتبہ) حضرت عمر اور حضرت عثمان رضی اللہ عنہما کو دعوت دی گئی۔ دونوں حضرات نے دعوت قبول فرمائی جب وہ تشریف لے گئے تو حضرت عمرؓ نے فرمایا میں ایسے کھانے میں شریک ہوا ہوں کہ میری خواہش ہے کہ میں اس دعوت میں حاضر نہ ہوتا۔ حضرت عثمان نے فرمایا وہ کیوں؟ فرمایا، کہ مجھے ڈر ہے کہ یہ کھانا فخر کے لئے تھا۔

تخریج: وكذا رواه الحاكم.

الفصل الثالث:

۳۲۲۶: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُتَبَارِيَانِ لَا يُجَابَانِ وَلَا يُؤْكَلُ طَعَامُهُمَا قَالَ الْاِمَامُ اَحْمَدُ يَعْنِی الْمُتَعَارِضَيْنِ بِالضِّيَافَةِ فَخْرًا وَرِيَاءً۔

اخرجه البيهقي في شعب الايمان ١٢٩/٥ الحديث رقم ٦٠٦٨۔

ترجمہ: "حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ایسے دو شخص جو آپس میں فخر کرنے والے ہوں ان کی دعوت قبول نہ کی جائے اور نہ ان کا کھانا کھایا جائے۔ امام احمدؒ نے لفظ متباریان کی وضاحت میں کہا ہے کہ (متباریان سے آنحضرت ﷺ کی مراد) وہ دو شخص ہیں جو از راہ فخر و ریاء (یعنی ایک دوسرے کی ضد میں) دعوت کریں"۔

تشریح: قوله :المتباريان......:

لا يجابان : یعنی نہ پہلے والے کی دعوت قبول کی جائے گی اور نہ دوسرے کی قبول کی جائے، بوجہ ان کی غرض کے فاسد ہونے اور مقصد بُرا ہونے کے۔

ولا يؤكل طعامها : یعنی اگر وہاں حاضری کا اتفاق ہو جائے تو کھایا نہ جائے گا، اس طرح اگر وہ کسی کے گھر بھیج دیں تو

بھی نہ کھایا جائے تا کہ یہ ان کے لئے زجر ہو۔

۳۲۲۷: وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ نَهٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اِجَابَةِ طَعَامِ الْفَاسِقِيْنَ۔

اخرجه البيهقي في الايمان ٦٨/٥ الحديث رقم ٥٨٠٣۔

ترجمہ: ''اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاسق لوگوں کی دعوت قبول کرنے سے منع فرمایا ہے''۔

تشریح: ''حصین'': تصغیر کے ساتھ ہے۔

فاسقوں کی دعوت قبول کرنے کی ممانعت مطلق ہے۔

اللغات: ''حصین'': تصغیر کے ساتھ ہے۔

(طعام الفاسقین): یعنی مطلقا کسی بھی قسم کا فسق ہو۔

۳۲۲۸: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا دَخَلَ اَحَدُكُمْ عَلٰى اَخِيْهِ الْمُسْلِمِ فَلْيَاْكُلْ مِنْ طَعَامِهٖ وَلَا يَسْاَلْ وَيَشْرَبْ مِنْ شَرَابِهٖ وَلَا يَسْاَلْ رَوَى الْاَحَادِيْثَ الثَّلَاثَةَ الْبَيْهَقِيُّ فِي شُعَبِ الْاِيْمَانِ وَقَالَ هٰذَا اِنْ صَحَّ فَلِاَنَّ الظَّاهِرَ اَنَّ الْمُسْلِمَ لَا يُطْعِمُهٗ وَلَا يَسْقِيْهِ اِلَّا مَا هُوَ حَلَالٌ عِنْدَهٗ۔

اخرجه البيهقي في شعب الايمان ٦٧/٥ الحديث رقم ٥٨٠١۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جب تم میں سے کوئی شخص اپنے مسلمان بھائی کے ہاں جائے تو اس کا کھانا کھائے اور سوال نہ کرے (کہ یہ کھانا کیسا ہے؟) اور پانی پئے اور سوال نہ کرے (کہ یہ کھانا اور پانی کیسا ہے اور کہاں سے آیا ہے)''۔ ان تینوں حدیثوں کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ (آخری) حدیث اگر صحیح ہے تو ظاہری بات ہے کہ ایک مسلمان کسی دوسرے مسلمان کو وہی چیز کھلاتا پلاتا ہے جو اس کے نزدیک حلال ہوتی ہے''۔

تشریح: قوله: ولا یسال: یعنی یہ نہ پوچھے کہ یہ کھانا کہاں سے لائے ہو، تا کہ یہ معلوم کیا جا سکے کہ یہ حلال ہے یا حرام ہے، اس لئے کہ کبھی سوال کرنے سے اس کو ایذاء پہنچتی ہے اور یہ تب ہے جب اس کا فسق معلوم نہ ہو، جیسا کہ ''علی اخیه المسلم'' کی قید سے معلوم ہو رہا ہے۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اگر آپ یہ سوال کریں کہ اس حدیث اور ماقبل حدیث کے درمیان جمع اور تطبیق کیسے ہوگی؟ تو میں کہتا ہوں کہ فاسق اس کو کہتے ہیں کہ جو سیدھے راستے سے تجاوز۔ پس غالب گمان یہ ہے کہ وہ حرام سے اجتناب نہیں کرے گا۔ سو اس وجہ سے پرہیز کرنے والے کو اس کا کھانا کھانے سے منع کیا ہے۔

اور حدیث ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ میں اس کو "لفظ اخیہ" کے ساتھ اور اس کو اسلام کے ساتھ موصوف کیا ہے اور مسلمان کے بارے میں ظاہر یہ ہے کہ حرام سے اجتناب کرتا ہے۔ تو اس کے ساتھ حسن ظن رکھنے اور محبت کا طریقہ اپنانے کا حکم دیا ہے، پس اس کو ایذاء پہنچانے سے اجتناب کرے پوچھنے کے ساتھ۔

اور یہ بھی ہے کہ فاسق کے کھانے سے اجتناب کرنا اس کے فسق کے ارتکاب سے زجر ہے درحقیقت یہ اس کے ساتھ نرمی ہے۔ جیسا کہ منقول ہے: اپنے ظالم اور مظلوم بھائی کی مدد کر۔

قوله: فلان الظاهر...... ما هو حلال عنده : اس لئے کہ حدیث میں ہے کہ تم میں سے کوئی اس وقت تک کامل مؤمن نہیں ہوسکتا جب تک وہ اپنے مسلمان بھائی کے لئے وہ پسند نہ کرے جو اپنے لئے پسند کرتا ہے۔

بَابُ الْقَسْمِ

باری مقرر کرنے کا بیان

"قسم" قاف کے فتحہ اور سین کے سکون کے ساتھ مصدر ہے۔قسم المال بین الشر کاء کا معنیٰ ہے، مال تقسیم کرنا اور ہر ایک کا حصہ متعین کرنا۔اور اسی سے ہے"القسم بین النسآء" جیسا کہ مغرب میں ہے۔اور اس سے مراد بیویوں کے پاس رات گزارنا ہے۔

ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس سے مراد بیویوں کے درمیان برابری ہے،اور اس کو"عدل بین النساء" بھی کہتے ہیں۔اور مطلقاً عدل کی حقیقت ممتنع ہے جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے فرمایا: ﴿ولن تستطیعوا ان تعدلوا بین النسآء ولو حرصتم فلا تمیلوا کل المیل فتذروھا کالمعلقة﴾ [النساء:۱۲۹] (اور تم سے یہ تو کبھی نہ ہو سکے گا کہ سب بیبیوں میں برابری رکھو، گو تمہارا کتنا ہی جی چاہے،تو تم بالکل تو ایک ہی طرف نہ ڈھل جاؤ جس سے اُس کو ایسا کر دو ادھر میں لٹکی ہو) اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ﴿ان خفتم الا تعدلوا فواحدة او ما ملکت ایمانکم......﴾ [النساء:۳] "اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ (سب عورتوں سے) یکساں سلوک نہ کر سکو گے تو ایک عورت (کافی ہے) یا لونڈی جس کے تم مالک ہو۔اس سے تم بے انصافی سے بچ جاؤ گے"۔

چار کو حلال قرار دیا ہے۔﴿فانکحوا ما طاب لکم من النسآء مثنٰی وثلاث ورباع﴾ (یعنی اور عورتوں سے جو تم کو پسند ہوں نکاح کر لو اور دو دو عورتوں سے اور تین تین عورتوں سے اور چار چار عورتوں سے)۔

پس اس سے ہمیں معلوم ہوا کہ چار کا حلال ہونا مقید ہے،عدم عدل کے عدم خوف کے ساتھ۔اور ایک سے زائد (بیوی) کی ممانعت ثابت ہے،انصاف نہ کرنے کے خوف کے وقت۔تو معلوم ہوا کہ تعدد ازواج کے وقت عدل وانصاف واجب ہے۔

باقی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ قول:"استوصوا بالنسآء خیرًا" کہ عورتوں کے بارے میں اچھی وصیت حاصل کر لو۔یہ حالت تعدد کے ساتھ خاص نہیں ہے۔اور چونکہ عورتیں مرد کی رعایا ہیں،اور ہر ذمہ دار سے اس کی رعیت کے بارے میں سوال ہوگا۔

یہ انصاف وعدل ایک امر مبہم ہے جو محتاج بیان ہے،اس لئے کہ اللہ نے اس کو لازم کیا ہے،اور ساتھ یہ تصریح بھی کی ہے کہ مطلقاً اس کی استطاعت کوئی نہیں رکھتا۔تو معلوم ہوا کہ واجب اس میں سے ایک معین چیز ہے'اور اسی طرح اس کے بارے میں احادیث بھی اجمال کے ساتھ وارد ہیں۔لیکن ہم اس بارے میں کوئی اختلاف نہیں جانتے کہ عدل جو واجب ہے وہ رات گزارنے اور دن رات کی تانیس میں ہے،اور اس سے یہ مراد نہیں ہے کہ وہ دن کا وقت ضبط کر کے اور اس کا اندازہ کر لے اور پھر جتنا وقت ایک کے ساتھ گزارا ہے،اتنا ہی دوسری کے ساتھ گزارے بلکہ یہ (مساوات) رات گزارنے میں لازم ہے۔دن کے اوقات میں فی الجملہ عدل ہونا چاہیئے۔

الفصل الاول:

حرم نبوت میں باری کی تقسیم

۳۲۲۹: عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم قُبِضَ عَنْ تِسْعِ نِسْوَةٍ وَكَانَ يَقْسِمُ مِنْهُنَّ لِثَمَانٍ۔ (متفق علیه)

اخرجه البخاري في صحيحه ۱۱۲/۹ الحديث رقم ۵۰۶۷ ومسلم في ۱۰۸۶/۲ الحديث رقم (۵۱-۱٤۶۵) والنسائي في ۵۳/۶ الحديث رقم ۳۱۹۷ واحمد في المسند ۲۳۱/۱۔

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ جس وقت رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی (وجوبی یا استحبابی طور پر) اس وقت آپ ﷺ کے نکاح میں نو ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن تھیں ان میں سے آٹھ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کی باری مقرر فرمائی تھی''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: نو ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن یہ تھیں:

۱ عائشہ۔ ۲ حفصہ۔ ۳ سودہ۔ ۴ ام سلمہ۔ ۵ صفیہ۔ ۶ میمونہ۔ ۷ ام حبیبہ۔ ۸ زینب ۹ جویریہ۔ رضی اللہ عنہن

ان میں سے آٹھ کے ساتھ رات گزارتے نوویں زوجہ یعنی حضرت سودہ نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو ہبہ کی ہوئی تھی۔ مواہب میں ہے کہ آپ اپنی عورتوں پر چکر لگاتے تھے اور حضرت عائشہ پر (یہ چکر) ختم کرتے تھے۔

عورت اپنی باری سوکن کو ہبہ کر سکتی ہے

۳۲۳۰: وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ سَوْدَةَ لَمَّا كَبِرَتْ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ قَدْ جَعَلْتُ يَوْمِىْ مِنْكَ لِعَائِشَةَ فَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم يَقْسِمُ لِعَائِشَةَ يَوْمَيْنِ يَوْمَهَا وَيَوْمَ سَوْدَةَ۔ (متفق علیه)

اخرجه البخاري في صحيحه ۳۱۲/۹ الحديث رقم ۵۲۱۲ ومسلم في ۱۰۸۵/۲ الحديث رقم (۴۷-۱٤۶۳) وابن ماجه في السنن ۶۳٤/۱ الحديث رقم ۱۹۷۲ واحمد في المسند ۷۶/۶۔

ترجمہ: ''اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہ جب عمر رسیدہ ہوگئیں تو انہوں نے عرض کیا کہ یا رسول! میں نے اپنی باری کا دن جو آپ ﷺ نے میرے لئے مقرر فرمایا تھا عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا۔ چنانچہ اس کے بعد آپ ﷺ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے لیے دو دن مقرر فرمائے (یعنی ان کے ہاں دو دن قیام فرماتے تھے) ایک دن تو ان کی باری کا اور ایک دن حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی باری کا''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: قوله: ان سودة لما كبرت ......:

كبرت'': باء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ باب کرم سے مقدار میں بڑا ہونے کے لئے آتا ہے اور عمر میں بڑے ہونے

کے لئے ہو تو باب علم سے آتا ہے۔

"منك": حال ہے یوحی سے۔ "لعائشة" مفعول ثانی ہے۔

کہا گیا ہے کہ اس سے یہ لازم نہیں آتا کہ دونوں دن پے در پے ہوں بلکہ سودہ کی باری آپ کے ذمہ باقی ہوتی تھی اسی ترتیب کے مطابق جو حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کی تھی الا یہ کہ سودہ کی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری سے متصل ہو۔

ہدایہ میں ہے کہ اگر بیویوں میں سے کوئی بیوی اپنی باری اپنی سوکن کے لئے چھوڑنے پر راضی ہو تو یہ جائز ہے۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ یہ اس وقت جائز ہے جب شوہر کی طرف سے کوئی رشوت نہ ہو۔ مثلاً وہ اس مہر میں زیادتی کرے وہ اپنی باری کسی دوسری کے لئے چھوڑ دے، یا اس کے ساتھ اس شرط پر شادی کرے کہ وہ دوسری عورت سے شادی کرے گا۔ اس کی دو باریاں ہوں گی اور اس کی ایک ہوگی۔ تو یہ شرط باطل ہے۔ پہلی صورت میں عورت کے لئے وہ مال حلال نہیں ہے' شوہر کو یہ حق حاصل ہے کہ وہ مال واپس لے لے۔ اور اگر عورت شوہر کو مال دے یا اس مہر میں کمی کر دے تو ظاہر یہ ہے کہ اس صورت میں بھی لازم نہیں ہے، اور ان دونوں کے لئے یہ حلال نہیں ہے اور عورت کو یہ حق ہے کہ وہ اپنا مال واپس لے لے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ واہبہ کو رجوع کا اختیار ہے جس وقت بھی چاہے مستقبل میں نہ کہ ماضی میں' جو حقوق اس نے نہیں لئے ہیں' اور جس کو باری ہبہ کی گئی ہے اس کے ساتھ پے در پے رات گزارنا جائز نہیں ہے مگر باقی ازواج کی رضا مندی کے ساتھ۔ اور اس ہبہ پر عوض لینا جائز نہیں ہے۔ اور جائز ہے کہ وہ اپنی باری شوہر کے لئے ہبہ کر دے پھر وہ جس کو چاہے باری دے دے۔

باری عائشہ رضی اللہ عنہا کا انتظار

۳۲۳۱: وَعَنْهَا اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم كَانَ يَسْأَلُ فِيْ مَرَضِهِ الَّذِيْ مَاتَ فِيْهِ اَيْنَ اَنَا غَدًا اَيْنَ اَنَا غَدًا يُرِيْدُ يَوْمَ عَائِشَةَ فَاَذِنَ لَهُ اَزْوَاجُهُ يَكُوْنُ حَيْثُ شَاءَ فَكَانَ فِيْ بَيْتِ عَائِشَةَ حَتّٰى مَاتَ عِنْدَهَا۔ (رواه البخاری)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۳۱۷/۹ الحدیث رقم ۵۲۱۷ ومسلم فی ۱۸۹٤/٤ الحدیث رقم (۸٤-۲٤٤۳)۔

ترجمہ: ''اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی اس بیماری میں کہ جس میں آپ ﷺ نے وفات پائی (روزانہ) یہ دریافت فرماتے کہ کل میں کہاں رہوں گا کہ کل میں کہاں (یعنی کس زوجہ کے ہاں) رہوں گا؟ اور اس دریافت کرنے سے آپ ﷺ کا عائشہ رضی اللہ عنہا کی باری کا دن معلوم کرنا چاہتے تھے (کیونکہ آپ ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے بہت زیادہ محبت تھی اس لئے آپ ﷺ ان کی باری کے شدت سے منتظر رہتے تھے) چنانچہ ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن نے (آپ ﷺ کے اس قلبی اضطراب کو محسوس کیا تو سب نے) آپ ﷺ کو یہ اجازت دے دی کہ آپ ﷺ جس کے ہاں چاہیں قیام فرمائیں پھر آپ ﷺ کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا ہی کے ہاں مقیم رہے یہاں تک کہ انہیں کے پاس آپ ﷺ نے وفات پائی''۔ (بخاری)

تشریح: این أنا غدًا: تاکید کے لئے ہے۔

یوم عائشة : علامہ طیبی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں: "**یرید یوم عائشة** "تفسیر ہے: "**این أنا غدًا**" کے لئے، پس استفہام ان سے اجازت لینے کے لئے تھا تا کہ وہ آپ کو اجازت دیدیں کہ آپ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے پاس رہیں۔ اور اس پر "**فأذن**" دلالت کررہا ہے۔

شیخ مظہر فرماتے ہیں کہ یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ آپ علیہ السلام پر قسم واجب تھا ورنہ اجازت کی ضرورت نہیں تھی۔ اور اس میں یہ احتمال بھی ہے کہ اجازت لینا بطور استحباب خاطر جوئی وحسن معاشرت کے ہو اور کہا گیا ہے کہ آپ پر برابری واجب نہ تھی، اس لئے کہ آپ ایک رات میں تمام ازواج پر چکر لگاتے تھے اس کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ برابری عدل کے وجوب سے پہلے تھی۔ یا معاملہ ازواج کی اجازت سے ہوتا تھا۔

ازواج رضی اللہ عنہن میں سفر کے لئے قرعہ اندازی

۳۲۳۲: وَعَنْهَا قَالَتْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَرَادَ سَفَرًا اَقْرَعَ بَيْنَ نِسَائِهٖ فَاَيَّتُهُنَّ خَرَجَ سَهْمُهَا خَرَجَ بِهَا مَعَهٗ۔ (متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۲۹۳/۵ الحدیث رقم ۲۶۸۸ ومسلم فی ۲۱۲۹ الحدیث رقم (۵۶۔۲۷۷۰) وابن ماجه فی السنن ۶۳۳/۱ الحدیث رقم ۱۹۷۰ والدارمی فی ۱۹۴/۲ الحدیث رقم ۲۲۰۸ واحمد فی المسند ۲۶۹/۶۔

ترجمہ: "اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سفر کا ارادہ فرماتے تو اپنی عورتوں (یعنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن) کے درمیان قرعہ ڈالتے' ان میں سے جس کا نام قرعہ میں نکلتا تو وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ سفر پر روانہ ہوتی"۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: "بھا": "میں باء تعدیہ کے لئے ہے۔

شرح السنہ میں ہے کہ جب کوئی آدمی کسی ضرورت کے لئے سفر کا ارادہ کرے تو اپنی بیویوں کے درمیان قرعہ ڈالے اگر وہ ان میں سے کسی کو ساتھ لے جانا چاہتا ہے، اور اس کے بغیر لے جانا جائز نہیں ہے۔ پھر جب ان میں سے کسی ایک کا قرعہ نکلا تو اکثر علماء فرماتے ہیں کہ جتنی مدت وہ غائب رہا ہے تو باقی ازواج کے لئے اس مدت کی قضاء اس پر لازم نہیں ہے، چاہے وہ سفر میں ہو یا اسی شہر میں ٹھہرا ہو، بشرطیکہ اس کے ٹھہرنے کی مدت مسافروں کی مدت سفر سے زیادہ نہ ہو۔ اگر زیادہ ٹھہرا تو جتنی مدت زیادہ گزاری ہے اس کی قضاء بقدر زیادت لازم ہوگی۔

اور بعض کہتے ہیں کہ وہ غیر موجودگی کی مدت کی قضا کرے گا مطلقا۔ لیکن یہ قول درست نہیں ہے اس لئے کہ (سفر میں ساتھ جانے والی بیوی کو) مصاحبت اگرچہ حاصل ہوگئی ہے لیکن سفر کی وجہ سے وہ تھکی بھی ہے۔ اور جب وہ کسی ایک کو بغیر قرعہ کے ساتھ لے جائے تو باقی کے لئے قضاء لازم ہوگی، اور وہ اس عمل سے گنہگار ہوگا۔ ہدایہ میں ہے کہ حالت سفر میں باری بھی

عورت کا حق نہیں ہے، شوہر سفر کرے ان میں سے جس کے ساتھ چاہے۔ بہتر یہ ہے کہ ان کے درمیان قرعہ ڈالے پس جس کا قرعہ نکلے اس کے ساتھ سفر کرے۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ قرعہ لازمی ہے ان احادیث کی بناپر جو ایک جماعت نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کی ہیں۔ ہم کہتے ہیں کہ یہ استحباب کے طور پر تھا اور دیگر ازواج کے دِلوں کی صفائی کے لئے تھا۔ اور یہ اس لئے کہ مطلق فعل وجوب کا تقاضا نہیں کرتا، تو جس کے ساتھ استحباب کے قرائن ہوں تو وہ وجوب کا تقاضا کیسے کرے گا؟

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ آپ علیہ السلام پر "قسم" واجب نہ تھا۔ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے: ﴿ترجي من تشاء منهن وتؤوي اليك من تشاء﴾ [الاحزاب: ٥١] (ان میں سے آپ جس کو چاہیں اپنے سے دور رکھیں اور جس کو چاہیں اپنے نزدیک رکھیں) اور جن کو باری سے پیچھے کیا تھا، ان میں سودہ، جویریہ، ام حبیبہ، صفیہ، اور حضرت میمونہ رضی اللہ عنہن تھیں۔ (اس کو ذکر کیا ہے حافظ عبدالعظیم منذری نے) اور جن کو قریب کیا تھا اور باری مقرر کی تھی (ان میں عائشہ، اور باقی ازواج رضی اللہ عنہن تھیں۔

اور قرعہ اس وجہ سے بھی لازم نہیں ہے کہ کبھی آدمی کو سفر میں ایک پر بھروسہ ہوتا ہے اور حضر میں دوسری پر، اور گھر میں سامان وغیرہ کی حفاظت کے لئے یا خوف فتنہ کی وجہ سے یا کسی کو اس کا موٹا پا سفر سے منع کرتا ہے لیکن قرعہ نکلنے کے وقت سفر میں اس کی صحبت لازم ہو جاتی ہے جس کے ساتھ سفر میں صحبت کا خوف تھا۔ اور اس سے شدید ضرر لازم آتا ہے اور دفع حرج کے لئے اس کا چھوڑنا لازم ہے۔

باکرہ ثیبہ میں باری کا طریقہ

۳۲۴۳: وَعَنْ اَبِیْ قِلَابَةَ عَنْ اَنَسٍ قَالَ مِنَ السُّنَّةِ اِذَا تَزَوَّجَ الرَّجُلُ الْبِكْرَ عَلَى الثَّيِّبِ اَقَامَ عِنْدَهَا سَبْعًا وَقَسَمَ وَاِذَا تَزَوَّجَ الثَّيِّبَ اَقَامَ عِنْدَ هَا ثَلَا ثًا ثُمَّ قَسَمَ قَالَ اَبُوْ قِلَابَةَ وَلَوْ شِئْتُ لَقُلْتُ اِنَّ اَنَسًا رَفَعَهُ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ (متفق عليه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ٣١٤/٩ الحدیث رقم ٥٢١٤ ومسلم فی ١٨٤/٢ الحدیث رقم (٤٤-١٤٦١) وابوداوٗد فی السنن ٥٩٥/٢ الحدیث رقم ٢١٢٤ والترمذی فی ٤٤٥/٣ الحدیث رقم ١١٣٩ والدارمی فی ١٩٤/٢ الحدیث رقم ٢٢٠٩ ومالك فی الموطأ ٥٣٠/٢ الحدیث رقم ١٥ من كتاب النكاح، واحمد فی المسند ١٧٨/٢۔

ترجمہ: "اور حضرت ابو قلابہ (تابعیؒ) حضرت انس رضی اللہ عنہ سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے فرمایا: یہ مسنون ہے کہ جب کوئی شخص ثیبہ کی موجودگی میں کسی باکرہ سے نکاح کرے تو سات رات تک اس کے پاس قیام کرے اور پھر (اس میں اور پرانی بیویوں کے درمیان) باری مقرر کردے اور جب کوئی شخص کسی ثیب (یعنی کسی بیوہ یا مطلقہ عورت) سے نکاح کرے تو اس کے پاس تین رات تک قیام کرے اور پھر باری مقرر کر دے۔ حضرت ابوقلابہؒ کہتے ہیں کہ اگر میں چاہتا تو یہ کہتا کہ حضرت انس رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کی ہے"۔

(بخاری ومسلم)

تشریح: من السنة اذا تزوج الرجل البكر على الثيب اقام عندها سبعا وقسم: : علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ جائز ہے کہ "من السنة" خبر مقدم ہو اور مابعد بتاویل اسم کے ہو کر مبتدا ہو تقدیری عبارت یوں ہوگی: من السنة اقامة الرجل.

وقسم : یعنی نئی اور پرانی کے درمیان برابری کرے۔ جو نئی بیوی کی تفضیل کے قائل ہیں وہ کہتے ہیں کہ سات سے فارغ ہونے کے بعد برابری کرے۔ جیسا کہ ہمارے بعض ائمہ نے ذکر کیا ہے۔

قوله : واذا تزوج الثيب اقام عندها ثلاثًا ثم قسم : اس کے ظاہر سے امام شافعی نے استدلال کیا ہے اور ہمارے نزدیک نئی اور پرانی میں کوئی فرق نہیں ہے، آنے والی دو حدیثوں کے مطلق ہونے کی وجہ سے جو فصل ثانی میں آ رہی ہیں۔

اور اللہ تعالیٰ کے اس قول کے مطلق ہونے کی وجہ سے: [فان خفتم الا تعدلوا] [النساء:۳] اور [ولن تستطيعوا ان تعدلوا] [النساء:۱۲۹] اور خبر واحد کتاب اللہ کے اطلاق کو منسوخ نہیں کر سکتی۔

ولو شئت لقلت...... : یعنی حضرت انس رضی اللہ عنہ نے اس حدیث کو مرفوع روایت نہیں کیا ہے۔ اور ابو قلابہ نے یہ شاید اس اعتقاد سے کہا ہو کہ انس نے یہ اپنے اجتہاد سے بیان نہیں کیا ہے، بلکہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے یا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے فعل سے ان کو معلوم ہوا تھا۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ "من السنة" اس کے مرفوع ہونے پر دلالت کر رہا ہے۔ جیسا کہ محدثین اور جمہور سلف کا مذہب ہے۔ یعنی اگر آپ یہ کہیں کہ انس رضی اللہ عنہ نے اس کو مرفوع ذکر کیا ہے تو آپ سچے ہوں گے، اور اس کے معنی کو بیان کرنے والے ہوں گے۔ اور بعض نے اس کو موقوف کہا ہے لیکن یہ درست نہیں ہے۔ ابن حجر فرماتے ہیں کہ صحابہ کا قول "من سنة" سند کے قبیل سے ہوتا ہے، اس لئے کہ سنت سے مراد سنت نبیؐ ہی ہوتی ہے۔ ایک سے زائد حضرات نے اس حدیث کو حضرت انس رضی اللہ عنہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔

تخریج :واخرج دار قطنی عن انس قال سمعت رسول الله ﷺ يقول: للبكر سبع وللثيب ثلاث، ثم يعود الى اهله اور بزار نے ابو سختیانی کی سند سے روایت کیا ہے: عن ابی قلابة عن انس ان النبیؐ جعل للبكر سبعًا وللثيب ثلاثًا.

اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کو تین یا سات راتوں کی باری میں اختیار

۳۲۳۴: وَعَنْ اَبِىْ بَكْرِبْنِ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ تَزَوَّجَ اُمَّ سَلَمَةَ وَاَصْبَحَتْ عِنْدَهٗ قَالَ لَهَا لَيْسَ بِكِ عَلٰى اَهْلِكِ هُوَانٌ اِنْ شِئْتِ سَبَّعْتُ عِنْدَكِ وَسَبَّعْتُ عِنْدَهُنَّ وَاِنْ شِئْتِ ثَلَّثْتُ عِنْدَكِ وَدُرْتُ قَالَتْ ثَلِّثْ وَفِىْ رِوَايَةٍ اَنَّهٗ قَالَ لَهَا لِلْبِكْرِ سَبْعٌ وَلِلثَّيِّبِ ثَلَاثٌ۔

(رواه مسلم)

اخرجه مسلم فی صحیحه ۱۰۸۳/۲ الحدیث رقم (۴۲-۱۴۶۰) وابو داؤد فی السنن ۵۹٤/۲ الحدیث رقم ۲۱۲۲ والدارمی فی ۱۹٤/۲ الحدیث رقم ۲۲۱۰ ومالك فی الموطأ ۵۲۹/۲ الحدیث رقم ۱٤ من کتاب النکاح۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابوبکر بن عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے جب حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے نکاح کیا اور وہ آپ ﷺ کے ہاں قیام پذیر ہوئیں تو آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ تمہارے خاندان والوں کے لئے تمہاری طرف سے اس میں کوئی ذلت کی بات نہیں کہ اگر تم چاہو تو میں تمہارے پاس سات رات قیام کروں اور پھر دوسری تمام ازواج کے پاس بھی سات سات راتیں قیام کروں اور اگر تم چاہو تو تمہارے پاس تین راتیں قیام کروں اور پھر اس کے بعد دورہ کروں (یعنی تمام ازواج کے پاس بھی تین تین راتیں قیام کروں) حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نے (یہ سن کر) کہا کہ ''آپ ﷺ میرے پاس تین راتیں قیام فرمائیے''۔ ایک اور روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ ''کنواری کے لئے سات راتیں ہیں اور ثیبہ (یعنی مطلقہ یا بیوہ) کے لئے تین راتیں ہیں''۔ (مسلم)

حالاتِ راوی:

ابوبکر بن عبدالرحمٰن۔ یہ ابوبکر بن عبدالرحمٰن مخزومی ہیں۔ ''ابوبکر'' ان کا نام بھی ہے اور کنیت بھی ہے۔ یہ تابعی ہیں۔ انہوں نے عائشہ رضی اللہ عنہا اور ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے احادیث سنیں۔ اور ان سے شعبی اور زہری نے روایات کی ہیں۔

تشریح: **وفی روایة انه قال:** اور ایک صحیح نسخہ میں ''فی روایة'' کے بعد ''انه قال'' ہے۔

قوله :لیس بك علی أهلك :

هوان: **هوان** کا معنیٰ ''حقارت'' ہے اور اھل سے مراد ان کا قبیلہ ہے، اور باء سببیت کے لئے ہے، یعنی تیری وجہ سے تیرے اہل کو حقارت لاحق نہ ہوگی۔ بعض نے کہا ہے کہ اہل سے مراد آپ کی ذات ہے۔ زوجین میں سے ہر ایک اھل ہوتا ہے۔ اور باء ھوان کے متعلق ہے یعنی میرا تین دن پر اکتفاء کرنا، تیری حقارت کی وجہ سے نہیں، اور نہ عدم رغبت کی وجہ سے ہے، بلکہ اس لئے کہ یہ حکم ہے۔

ان شئت سعت...... عندك ودرت: نہایہ میں ہے ''واحد'' سے ''عشرة'' تک (کے عدد) سے فعل مشتق ہوتا ہے۔ ''سبع'' کا معنیٰ ہے ''اقام عندها سبعًا'' اور ''ثلث'' کا معنیٰ ہے ''اقام عندها ثلاثًا''

ہدایہ میں ہے کہ ''دور'' کی مقدار کی تعین کا حق شوہر کو حاصل ہے' چونکہ جس چیز کا استحقاق حاصل ہے وہ برابری ہے نہ کہ اس کا طریقہ، چاہے تو ایک ایک یوم رہے ہر ایک کے پاس اور چاہے تو دو دو یوم۔ اور چاہے تو تین تین یوم، اور چاہے تو چار چار یوم۔ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ ہفتہ سے زیادہ مضر ہے مگر یہ کہ وہ اس پر رضا مند ہوں۔

بعض کہتے ہیں کہ آپؐ نے ان کو تین یوم کا اختیار دیا اور اس کے علاوہ کے لئے قضاء نہ ہوگی۔ اور سات کا اور اس کے علاوہ کے لئے قضاء ہوگی۔ اور کہا گیا ہے کہ اکثر نے اس کا مطلب یہ بیان کیا ہے: **سبعت لك بعد التثلیث** کہ تین دن کے علاوہ سات دن تیرے پاس گزاروں گا۔ لیکن ''**قالت ثلاث**'' سے اس کی تردید ہوتی ہے۔ ام سلمہ نے تین یوم کو اس لئے اختیار کیا

کہ اس کے بعد ان کی طرف لوٹنا قریب تھا۔اور باقی کے لئے سات دن پورا کرنے میں اس سے مدت غیبوبت لمبی ہو جاتی۔
علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ علماء کا اختلاف ہے۔پس بعض کہتے ہیں کہ مدت مذکورہ میں سات یوم یا تین یوم میں باقی ازواج کی شرکت نہیں ہے'اس کے بعد نئے سرے سے باری مقرر کرے گا۔
بعض کہتے ہیں کہ باقی ازواج کو اس مدت کے حصول کا حق حاصل ہے،اور انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ اس لئے کہ اگر ثیبہ کے لئے تین یوم خاص ہوتے تو باقی ازواج کے لئے پھر سات نہیں ہونے چاہیئے تھے بلکہ چار ہونے چاہیئے تھے۔اس لئے کہ تین تو ام سلمہ رضی اللہ عنہا کا حق تھا۔

اس کا جواب دیا گیا ہے کہ اس کے اپنے حق سے زائد کو اختیار کرنے اور اس کے مطالبہ کرنے نے اس کے مخصوص حق کو ساقط کر دیا۔اس کی وضاحت تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ کے اس قول سے ہوتی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ سنت طریقہ باکرہ کے لئے سات یوم اور ثیبہ کے لئے تین یوم ہے۔اس میں نظر حصول الفت وموانست واقع ہونے کی طرف ہے لزوم صحبت کے ساتھ۔اور کنواری کو زیادہ مدت کے ساتھ فضیلت دی گئی ہے،تاکہ اس کی نفرت اور گھبراہٹ ختم ہو جائے۔اس لئے کہ مرد کے ساتھ اس کے تعلقات نئے ہیں' سو وہ انکار کرنے اور نافرمانی کے زیادہ لائق ہے۔اور جب آپ نے حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کے اکرام کرنے کا ارادہ کیا تو ان کو خبر دی کہ آپؐ پر اس کی وجہ سے کوئی حقارت نہیں ہے،اور ان کو کنواری کے بمنزلہ قرار دیا،مطلب یہ ہے کہ تیری وجہ سے تیرے اہل پر کوئی ذلت وخواری نہیں ہے۔میرا تین یوم پر اکتفاء کرنا،تجھ سے اعراض کرنے اور تیرے ساتھ صحبت میں عدم رغبت کی وجہ سے نہیں ہے،کہ یہ تیرے اہل کے لئے اہانت کا سبب ہو،اس لئے کہ عورتوں سے اعراض کرنا اور ان کی طرف توجہ نہ دینا ان کے اہل کے ساتھ لاپرواہی پر دلالت کرتا ہے' بلکہ اس لئے کہ تیرا حق ہی اس پر مقصور ہے۔
جو کہتے ہیں کہ نئی اور پرانی کے درمیان برابری ضروری ہے،وہ آپؐ کے اس قول سے استدلال کرتے ہیں: وان شئت سبعت عندك وسبعت عندهن.اور کہتے ہیں کہ اگر تین یوم جو ثیبہ کا حق ہے اور اس کے ساتھ خاص ہے بغیر کسی شرکت کے ہوتا۔تو پھر آپؐ کا حق یہ بنتا تھا کہ باقی ازواج پر چار چار یوم تک چکر لگاتے۔چونکہ یہ تین یوم ام سلمہ کا حق تھا،پس جب سات کا معاملہ یہ ہے جو ذکر ہوا،تو معلوم ہوا کہ تین یوم کا بھی یہی معاملہ ہے۔
جو کہتے ہیں کہ کنواری کو سات یوم اور ثیبہ کو تین یوم کے ساتھ فضیلت دی جائے گی وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث میں دلیل ہے کہ ثیبہ کے طلب کرنے پر اس کو سات یوم دینا بھی جائز ہے،قضاء کی شرط کے ساتھ اور چونکہ ام سلمہ کا مطالبہ اپنے حق سے زائد کا تھا،ان لئے ان کے مخصوص حق کو ساقط کر دیا۔

قوله :للبكر سبع وللثيب ثلاث: ابن عبدالبر فرماتے ہیں اس بارے میں اختلاف ہے کہ آیا یہ اس شخص کے ساتھ خاص ہے جس کی نئی بیوی کے علاوہ اور بیویاں ہوں یا نہ ہوں۔جمہور علماء فرماتے ہیں کہ یہ عورت کا حق ہے زفاف کی وجہ سے۔ چاہے اس کے نکاح میں اس کے علاوہ کوئی زوجہ ہو یا نہ ہو کیونکہ حدیث میں عموم ہے۔

الفصل الثانی:

حتی الامکان باری کا لحاظ

۳۲۳۵:عَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَقْسِمُ بَيْنَ نِسَائِهٖ فَيَعْدِلُ وَيَقُوْلُ اَللّٰهُمَّ هٰذَا قَسَمِیْ فِيْمَا اَمْلِكُ فَلَا تَلُمْنِیْ فِيْمَا تَمْلِكُ وَلَا اَمْلِكُ۔ (رواه الترمذی وابوداود والنسائی وابن ماجة والدارمی)

اخرجه ابوداوٗد فی السنن ۶۰۱/۲ الحدیث رقم ۲۱۳۴ والترمذی فی السنن ۴۴۶/۳ الحدیث رقم ۱۱۴۰ والنسائی فی ۶۳/۷ الحدیث رقم ۳۹۴۳وابن ماجه فی ۶۳۳/۱ الحدیث رقم ۱۹۷۱ والدارمی فی ۱۹۳/۲ الحدیث رقم ۲۲۰۷ واحمد فی المسند ۱۴۴/۶۔

ترجمہ:''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ اپنی عورتوں (یعنی اپنی ازواج) کے درمیان باری مقرر فرماتے اور انصاف سے کام لیتے (یعنی ان کے پاس رات رہنے کے سلسلہ میں برابری کا خیال رکھتے) اور (پھر اس احتیاط وعدل کے باوجود) یہ دعا مانگا کرتے کہ ''اے اللہ! جس چیز کا میں مالک ہوں اس میں باری مقرر کر دی ہے لہٰذا جس چیز کا تو مالک ہے میں مالک نہیں ہوں اس پر مجھے ملامت نہ کرنا''۔ (ترمذی ابوداؤد نسائی ابن ماجہ دارمی)

تشریح: قوله :اللهم هذا قسمی......:

قسمی: قاف کے فتحہ کے ساتھ ہے اور ایک نسخہ میں ''قسمتی'' ہے۔

ولا املك :یعنی محبت کی زیادتی اور دل کے میلان کا میں مالک نہیں ہوں اس لئے کہ دلوں کا پھیرنے والا تو تو ہے۔ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اس کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس کے علاوہ جو چیز اس کی قدرت میں ہو اس میں برابر ضروری ہے۔ مباشرت اور بوسوں کی تعداد بھی اسی قبیل سے ہے، لیکن اس میں (یعنی وطی اور بوسہ) برابری بالاجماع لازم نہیں ہے۔

تخریج:اس کو امام احمد اور حاکم رحمۃ اللہ علیہما نے بھی روایت کیا ہے۔

۳۲۳۶:وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا كَانَتْ عِنْدَ الرَّجُلِ امْرَأَتَانِ فَلَمْ يَعْدِلْ بَيْنَهُمَا جَاءَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَشِقُّهٗ سَاقِطٌ. (رواه الترمذی وابوداود والنسائی وابن ماجة والدارمی)

اخرجه ابوداوٗد فی السنن ۶۰۰/۲ الحدیث رقم ۳۱۳۳ والترمذی فی ۴۴۷/۳ الحدیث رقم ۱۱۴۱ والنسائی فی ۶۳/۷الحدیث رقم ۳۹۴۲وابن ماجه فی ۶۳/۱ الحدیث رقم ۱۹۶۹ والدارمی فی ۱۹۳/۲ الحدیث رقم ۲۲۰۶ واحمد فی المسند ۳۴۷/۲۔

ترجمہ:''اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص کے نکاح میں (ایک سے زائد مثلاً) دو بیویاں ہوں اور وہ ان دونوں کے درمیان عدل وبرابری سے کام نہ لے تو وہ قیامت کے دن (میدانِ حشر میں) اس حالت میں آئے گا کہ اس کا آدھا دھڑ ساقط (مفلوج) ہوگا''۔

(ترمذی ابوداؤد نسائی ابن ماجہ دارمی)

تشریح: قال اذا کانت: اور ایک نسخہ میں "اذا کان" ہے۔

عند الرجل: ایک نسخہ میں عند رجل ہے۔

ساقط: علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس کا آدھا حصہ جھکا ہوا ہوگا۔ بعض نے کہا ہے اس طرح ہوگا کہ اہل میدان سب اس کو دیکھ سکیں گے، تا کہ یہ اس کی سزا میں زیادتی کا باعث ہو۔ اور یہ حکم دو عورتوں پر مقصور نہیں ہے اس لئے کہ اگر تین یا چار ہوں تو بھی سقوط ثابت ہے یہ احتمال ہے کہ نصف جھکا ہوا ہو، اگر چہ وہ ایک کے ساتھ رہا ہو اور تین کو چھوڑا ہو۔ یا اس کے تین چوتھائی ساقط ہوں گے۔ باقی صورتوں کو بھی اسی پر قیاس کر لیا جائے۔ اگر بیویوں میں سے ایک آزاد اور ایک لونڈی ہے، تو آزاد کے لئے دو حصے ہیں اور لونڈی کا ایک حصہ ہے۔ یہ ایک اثر میں وارد ہوا ہے۔ حضرت ابوبکر اور حضرت علی رضی اللہ عنہما نے اس کے مطابق فیصلہ کیا تھا۔

پھر برابری رات گزارنے میں لازم ہے نہ کہ جماع کرنے میں۔ اس لئے کہ جماع اس کے نشاط پر موقوف ہے۔ اور اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ اگر اس نے جماع داعیہ نہ ہونے اور انتشار کے نہ ہونے کی وجہ سے ترک کیا ہو، تو یہ عذر ہے۔ اور اگر اس نے داعیہ کے باوجود ترک کیا لیکن اس کی سوکن کی طرف داعیہ قوی ہے تو یہ اس کی قدرت کے تحت داخل ہے۔ پس اگر اس نے واجب حق کو ادا کر دیا تو اس کا شوہر پر کوئی حق باقی نہ رہا اور نہ برابری لازم رہی۔

اور جان لیجئے کہ مطلقاً جماع کو ترک کرنا سوہر کے لئے جائز نہیں ہے۔ ہمارے علماء نے اس بات کی تصریح کی ہے کہ کبھی کبھار اس کے ساتھ جماع کرنا دیانۃً واجب ہے، لیکن قضاء والزام کے تحت داخل نہیں ہے سوائے پہلی مرتبہ جماع کرنے کے اور انہوں نے اس کے لئے کوئی مدت متعین نہیں کی اور واجب ہے کہ یہ مدت ایلاء کو نہ پہنچے الا یہ کہ عورت کی رضامندی اور طیب نفس کے ساتھ ہو۔

مستحب یہ ہے کہ وہ عورتوں کے درمیان تمام استمتاعات میں برابری کرے وطی، بوسہ، وغیرہ میں۔ اسی طرح باندیوں اور ام ولد کے درمیان بھی برابری کرے، تا کہ وہ زنا کی خواہش اور فحاشی کی طرف میلان سے محفوظ رہیں، لیکن اس میں سے واجب کچھ بھی نہیں ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے: ﴿فَاِنْ خِفْتُمْ اَلَّا تَعْدِلُوْا فَوَاحِدَةً اَوْ مَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ ۭ ذٰلِكَ اَدْنٰٓى اَلَّا تَعُوْلُوْا﴾ [النساء: ۳] "اگر اس بات کا اندیشہ ہو کہ (سب عورتوں سے) یکساں سلوک نہ کر سکو گے تو ایک عورت (کافی ہے) یا لونڈی جس کے تم مالک ہو۔ اس سے تم بے انصافی سے بچ جاؤ گے" اس سے معلوم ہوا کہ عدل ان کے مابین واجب نہیں ہے۔ اگر اس کی ایک بیوی ہو اور یہ عبادت میں یا باندیوں میں مشغول ہو جائے، تو طحاوی نے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ سے مروی حسن کی روایت کو اختیار کیا ہے۔ بیوی کے لئے ایک دن ایک رات ہوگی، ہر چار راتوں میں سے اور باقی شوہر کے لئے ہوں گی۔ اس لئے کہ اس کے اختیار میں ہے کہ باقی تین دن میں اس کے حق کو ساقط کر دے تین آزاد عورتوں سے نکاح کرنے کے ساتھ۔ اور اگر بیوی باندی ہو تو اس کے لئے ہر سات دن میں ایک دن اور ایک رات ہوگی۔

اور ظاہر مذہب یہ ہے کہ اس کے لئے مقدار متعین نہیں ہے، بلکہ شوہر کو حکم دیا جائے گا کہ اس کے ساتھ رات گزارے اور ساتھ رہے کبھی کبھار بغیر توقیت کے اور حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ رات گزارنے کے علاوہ ٹھہرنے میں بھی برابری لازم ہے۔

سنن میں حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بعض عورتوں کو بعض پر قسم میں فضیلت نہیں دیتے تھے ہمارے پاس ٹھہرنے میں، اور بہت کم ایسا ہوتا تھا کہ آپ ہم سب پر چکر نہ لگاتے ہوں اور ہر عورت کے نزدیک ہوتے بغیر جماع کے یہاں تک کہ اس کے ہاں پہنچ جاتے جس کی باری ہوتی تو اس کے پاس ٹھہر جاتے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ کسی ایک کی باری دوسری کے پاس جانے سے منع نہیں کرتی، تاکہ اس کے ضروریات کو دیکھ لیں اور پورا کریں۔

اور صحیح مسلم میں ہے کہ آپ جس زوجہ کے گھر میں ہوتے تو باقی ازواج وہاں جمع ہو جاتی تھیں، لیکن ظاہر یہ ہے کہ یہ جس کی باری ہے اس کی رضامندی کے ساتھ جائز ہے۔ اس لئے کہ کبھی اس کی وجہ سے وہ تنگ ہو جاتی ہے، اسی طرح اس کو محقق نے ذکر کیا ہے۔ ان احادیث کے الفاظ اللہ کے اس ارشاد کے مناسب ہیں: **فلا تمیلوا کل المیل فیکون جزاءً وفاقًا۔**

تخریج: ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اصحاب سنن اربعہ امام احمد اور حاکم نے حضرت ابوہریرہ سے روایت کیا ہے کہ آپ نے فرمایا: "**من کانت له امرأتان فمال الی احداهما جاء یوم القیامة وشقه مائل**" یعنی مفلوج ہوگا۔ اور ابوداؤد اور نسائی کی روایت میں "**فمال الی احداهما علی الاخرٰی**" کے الفاظ ہیں۔

الفصل الثالث:

۳۲۳۷: عَنْ عَطَاءٍ قَالَ حَضَرْنَا مَعَ ابْنِ عَبَّاسٍ جَنَازَةَ مَيْمُوْنَةَ بِسَرِفٍ فَقَالَ هٰذِهٖ زَوْجَةُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَإِذَا رَفَعْتُمْ نَعْشَهَا فَلَا تُزَعْزِعُوْهَا وَلَا تُزَلْزِلُوْهَا وَارْفُقُوْا بِهَا فَإِنَّهٗ كَانَ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تِسْعُ نِسْوَةٍ كَانَ يَقْسِمُ مِنْهُنَّ لِثَمَانٍ وَلَا يَقْسِمُ لِوَاحِدَةٍ قَالَ عَطَاءٌ اَلَّتِيْ كَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقْسِمُ لَهَا بَلَغَنَا اَنَّهَا صَفِيَّةُ وَكَانَتْ اٰخِرُهُنَّ مَوْتًا مَاتَتْ بِالْمَدِيْنَةِ (متفق علیه وقال رزین قال غیر عطاء) هِيَ سَوْدَةُ وَهُوَ اَصَحُّ وَهَبَتْ يَوْمَهَا لِعَائِشَةَ حِيْنَ اَرَادَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلَاقَهَا فَقَالَتْ لَهٗ اَمْسِكْنِيْ قَدْ وَهَبْتُ يَوْمِيْ لِعَائِشَةَ لَعَلِّيْ اَنْ اَكُوْنَ مِنْ نِسَائِكَ فِي الْجَنَّةِ۔

اخرجه البخاری فی صحیحه ۱۱۲/۹ الحدیث رقم ۵۰۶۷ ومسلم فی ۱۰۸۶/۲ الحدیث رقم (۱۴۶۵-۵۱) والنسائی فی ۵۳/۶ الحدیث رقم ۳۱۹۶ واحمد فی المسند ۳۴۸/۱۔

ترجمہ: "حضرت عطا بن رباح تابعی کہتے ہیں کہ ہم حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کے ہمراہ مقام سرف میں اُم المؤمنین حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کے جنازہ میں شریک تھے تو ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا کہ (دیکھو) یہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی زوجہ مطہرہ ہیں جب تم ان کا جنازہ اٹھاؤ تو اس کو نہ زیادہ حرکت دینا اور نہ ہی جھٹکے دینا بلکہ (تعظیم و تکریم کے تمام تقاضوں کو ملحوظ رکھ کر) نہایت آہستگی سے لے کر چلنا اس لئے کہ یہ ان ازواج مطہرات میں سے ہیں جن کے لئے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے باری مقرر کر رکھی تھی چنانچہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی نو ازواج تھیں آپ صلی اللہ علیہ وسلم ان میں سے

آٹھ کیلئے باری مقرر کرتے تھے اور ایک کے لئے کوئی باری مقرر نہیں فرماتے تھے۔'' حضرت عطاؒ کہتے ہیں کہ ہم تک یہ بات پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ جس زوجہ کی باری مقرر نہیں فرماتے تھے وہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا تھیں اور انہوں نے سب سے آخر میں مدینہ میں وفات پائی''۔ (بخاری و مسلم) اور رزین کا بیان ہے کہ عطاءؒ کے علاوہ دوسرے ائمہ حدیث سے منقول ہے کہ وہ زوجہ مطہرہ (جن کے لئے باری مقرر نہیں تھی) (حضرت صفیہؓ نہیں تھیں بلکہ) حضرت سودہ رضی اللہ عنہا تھیں اور یہی قول زیادہ صحیح ہے اور حضرت سودہ رضی اللہ عنہا (کے لئے باری مقرر نہ ہونے کی وجہ یہ تھی کہ انہوں) نے اپنی باری کا دن حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دے دیا تھا (جس کی تفصیل یہ ہے کہ) جب رسول اللہ ﷺ نے حضرت سودہ رضی اللہ عنہا کو طلاق دینے کا ارادہ فرمایا تو انہوں نے آپ ﷺ سے عرض کیا کہ میں اپنی باری کا دن عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیتی ہوں آپ ﷺ مجھے اپنے نکاح میں رہنے دیجئے تاکہ میں جنت میں آپ ﷺ کی ازواج میں شمار کی جاؤں''۔

تشریح: جنازة: جیم کے فتحہ کے ساتھ ہے اور کسرہ بھی دیا جاتا ہے۔

یہ میمونہ بنت حارث ہلالیہ ہیں۔ ابن اسحٰق کہتے ہیں کہا جاتا ہے کہ انہوں نے اپنے آپ کو نبی ﷺ کو ہبہ کیا تھا۔ ہوا یوں کہ جب نبی کا پیغام ان تک پہنچا یہ اونٹ پر سوار تھیں چنانچہ انہوں نے کہا کہ اونٹ اور جو کچھ اس پر ہے یہ اللہ اور اس کے رسول کے لئے ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اپنے آپ کو ہبہ کرنے والی اس کے علاوہ کوئی اور خاتون تھیں۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ابتداءً کی قید لگا دی جائے تو پھر کوئی منافات نہیں ہے، اس قول کے معنیٰ میں یہ قول مشہور ہے: **العبد و ما في يده لمولاه.** کہ غلام اور جو کچھ اس کے ہاتھ میں ہے اس کے مولیٰ کا ہے۔

سرف: راء کے کسرے کے ساتھ ہے۔ غیر منصرف ہے، اور کبھی اس کو منصرف بھی پڑھا جاتا ہے۔ سرف تنعیم کے قریب واقع ایک جگہ کا نام ہے، یہاں آپؐ نے ان کے ساتھ شب زفاف گزاری تھی۔ اور اسی جگہ ان کی وفات ہوئی۔ یہ تاریخ کے عجائبات میں سے ہے کہ مبارک بادی اور تعزیت دونوں راستے میں ایک جگہ ہوئی۔

قوله: هذه زوجة ...... ولا يقيم لواحدة:

وارفقوا بها: فاء کے ضمہ کے ساتھ ہے۔

فلا تزعزعوا ولا تزلزلوها: دونوں افعال تاء کے ضمہ کے ساتھ ہیں۔

ولايقسم لواحدة: یعنی ان کی رضامندی سے اور اس کا اپنے حق کو ساقط کرنے کی وجہ سے۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ یہ ماقبل کی نفی کے لئے علت ہے۔ یعنی میمونہ ان ازواج میں سے ہیں کہ جن کا آپ ﷺ خاص خیال رکھتے تھے اور ان کے درمیان برابری کا معاملہ فرماتے ہیں۔

بلغنا انها صفية: خطابی فرماتے ہیں کہ یہ وہم ہے بلکہ وہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا تھیں کیونکہ انہوں نے اپنی باری ہبہ کی تھی۔ اور اس میں غلطی حدیث کے راوی ابن جریج سے ہوئی ہے۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ ممکن ان کی روایت صحیح ہو۔ اس لئے کہ جب یہ آیت اتری: **ترجي من تشاء** تو کہا گیا ہے کہ وہ عورتیں کہ جن کو آپؐ نے باری سے پیچھے رکھا تھا وہ سودہ، جویریہ،

صفیہ، ام حبیبہ اور میمونہ رضی اللہ عنہن تھیں اور جن کو اپنے پاس جگہ دی اور ان کی باری مقرر کی وہ عائشہ، ام سلمہ، زینب اور حفصہ رضی اللہ عنہن تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے وفات پائی، اور آپ ان سب کی طرف رجوع کر چکے تھے سوائے صفیہ کے کہ ان کو پیچھے رکھا۔ اور ان کے لئے باری مقرر نہیں کی۔ عطاء نے اس آخری امر کی خبر دی ہے۔

قولہ: و كانت آخرهن موتاً بالمدينة : رمضان ۵۰ھ کو حضرت معاویہ کے دور میں ہوا۔ اور بعض نے اس کے علاوہ کہا ہے۔ اور بقیع میں دفن کی گئیں۔ اور میمونہ کی وفات ۵۱ھ کو ہوئی، اور بعض نے کہا کہ ۶۶ھ کو اور بعض نے کہا ہے کہ ۶۳ھ کو ہوئی حضرت عائشہؓ کی وفات ۵۷ھ میں مدینہ میں ہوئی۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ ۵۸ھ میں ہوئی۔ اور سودہ کی وفات ۵۴ھ کو ہوئی اور حفصہ کی وفات ۴۵ھ کو ہوئی اور ام سلمہ کی وفات ۵۹ھ کو ہوئی اور ام حبیبہ کی وفات ۴۴ھ کو ہوئی اور زینب کی وفات ۲۰ھ کو ہوئی۔ اور جویریہ کی وفات ۵۰ھ کو ہوئی۔ لہٰذا حضرت صفیہ کا سب سے آخر میں ہونا موت کے اعتبار سے غیر صحیح ہے۔ اور اگر ضمیر کانت میمونہ کی طرف راجع ہو، تو پھر ماتت بالمدينة درست نہیں ہے۔ لہٰذا یہ کلام اشکال سے خالی نہیں ہے۔ واللہ اعلم۔

اكون عن نسائك فى الجنة : یہ دلالت کر رہا ہے کہ آپؐ نے ان کو طلاق نہیں دی تھی۔ برخلاف اس کے جو امام محمدؒ نے کہا ہے کہ ہمیں خبر پہنچی ہے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے کہ آپؐ نے سودہ بنت زمعہ سے فرمایا کہ اعتدی کہ عدت گزار تو انہوں نے اللہ کے نام پر آپؐ سے سوال کیا کہ آپؐ ان سے رجوع کر لیں اور ان کی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کو دیدیں۔ تاکہ روز قیامت وہ آپؐ کے ازواج میں اٹھائی جائیں۔ اور صحیحین میں اس کا معارض نہیں ہے بلکہ اس نے اپنی باری حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کیلئے چھوڑ دی تھی۔

مستدرک کی روایت سے عدم طلاق معلوم ہوتا ہے، اور وہ یہ ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ حضرت سودہ نے کہا جب ان کو ڈر ہوا کہ رسول اللہ ان کو جدا کرنے والے ہیں یا رسول اللہ میری باری عائشہ رضی اللہ عنہا کے لئے ہے تو آپؐ نے ان کی یہ بات قبول فرمائی۔ حضرت عائشہ فرماتی ہیں کہ ان کے بارے میں اور اس کی طرح دوسری خواتین کے بارے میں یہ آیت نازل ہوئی: ﴿وَإِنِ امْرَأَةٌ خَافَتْ مِنْ بَعْلِهَا نُشُوزًا أَوْ إِعْرَاضًا فَلَا جُنَاحَ عَلَيْهِمَآ أَنْ يُّصْلِحَا بَيْنَهُمَا صُلْحًا ط ......﴾ [النساء: ۱۲۸] ”اور اگر کسی عورت کو اپنے خاوند کی طرف سے زیادتی یا بے رغبتی کا اندیشہ ہو تو میاں بیوی پر کچھ گناہ نہیں کہ آپس میں کسی قرارداد پر صلح کر لیں اور صلح خوب (چیز) ہے اور طبیعتیں تو بخل کی طرف مائل ہوتی ہے اور اگر تم نیکوکاری اور پرہیزگاری کرو گے تو خدا تمہارے سب کاموں سے واقف ہے“۔

صاحب مستدرک نے کہا ہے کہ اس حدیث کی سند صحیح ہے اور امام محمد کے قول کے موافق وہ ہے جو بیہقی نے روایت کی ہے عروہ سے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے سودہ کو طلاق دے دی، پس جب آپؐ نماز کے لئے نکلے تو انہوں نے آپ کا کپڑا پکڑا اور بولیں خدا کی قسم! مجھے مردوں کی کوئی خواہش نہیں ہے، لیکن میں چاہتی ہوں کہ میں آپ کی ازواج میں اٹھائی جاؤں۔ عروہ کہتے ہیں کہ آپؐ نے ان سے رجوع کر لیا، اور ان کی باری حضرت عائشہؓ کو دے دی۔ (انتھی)۔ یہ روایت مرسل ہے۔ روایات کے درمیان جمع ممکن ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو طلاق رجعی دی ہو اس لئے کہ طلاق رجعی میں جدائی نفس طلاق سے واقع نہیں ہوتی بلکہ عدت کے ختم ہونے سے واقع ہوتی ہے، لہٰذا حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے قول کا مطلب یہ ہوا کہ ان کو ڈر ہوا کہ وہ رسول اللہ ان کو

جدا کر رہے ہیں یا مطلب یہ ہے کہ ان کو ڈر ہوا کہ یہ حالت عدت کے ختم ہونے تک مستمر نہ رہے، کہ جدائی واقع ہو جائے۔ یہ محمد بن الحسن کو پہنچنے والی خبر کے منافی نہیں ہے، اس لئے کہ انہوں نے کنایات میں ذکر کیا ہے اعتدی۔ اور اس سے طلاق رجعی واقع ہوتی ہے نہ کہ بائن۔

(۵) كَانَتْ اٰخِرُهُنَّ مَوْتًا :

حضرت صفیہ کا انتقال رمضان سنہ ۵۰ھ میں ہوا۔

ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کے اسماء گرامی اور ان کی تاریخ وفات آسانی کے لئے نقشہ کی صورت درج کی جارہی ہے تاکہ اس سے ان کی تواریخ وفات کا صحیح علم جائے۔ (مواهب)

نمبر شمار	اسمائے گرامی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن	سنہ وفات	مقام وفات ودفن
①	حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا	سنہ ۱۰ نبوت	مکہ مکرمہ
②	حضرت زینب بنت خزیمہ	سنہ ۳ھ	مدینہ منورہ بقیع
③	حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا	سنہ ۲۰ھ	مدینہ منورہ بقیع
④	حضرت ام حبیبہ رضی اللہ عنہا	سنہ ۴۴ھ	مدینہ منورہ بقیع
⑤	حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا	۵۰ھ	مدینہ منورہ بقیع
⑥	حضرت جویریہ رضی اللہ عنہا	۵۰ھ	مدینہ منورہ بقیع
⑦	حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا	۵۱، ۶۳، ۶۶	سرف جو مکہ کے قریب ہے
⑧	حضرت سودہ رضی اللہ عنہا	۵۴ھ	مدینہ منورہ بقیع
⑨	حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا	۵۷، ۵۸ھ	مدینہ منورہ بقیع
⑩	حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا	۵۹ھ	مدینہ منورہ بقیع
⑪	حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا	۵۰، ۵۲، ۵۵ھ	مدینہ منورہ بقیع

مندرجہ بالا نقشہ سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ یہ کہنا چنداں درست نہیں ہے کہ حضرت صفیہ رضی اللہ عنہا کا انتقال ازواجِ مطہرات میں سب سے آخر میں ہوا۔ کانت اخرھن موتا میں ضمیر کا مرجع حضرت میمونہ رضی اللہ عنہا کو بنانا بھی درست نہیں کیونکہ ان کی وفات سرف میں ہوئی پس یہ مقام اشکال سے خالی نہیں۔ واللہ اعلم بالحال۔ (ح۔ع)

بَابُ عِشْرَةِ النِّسَاءِ وَمَا لِكُلِّ وَاحِدَةٍ مِّنَ الْحُقُوقِ

عورتوں کے ساتھ صحبت واختلاط اور ہر ایک عورت کے حقوق کا بیان

''العشرة'' عین کے کسرہ کے ساتھ اسم ہے معاشرۃ بمعنی مخالطة ومصاحبت، اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وعاشروهن بالمعروف فان كرهتموهن فعسى ان تكرهوا شيأ ويجعل الله فيه خيرًا كثيرًا﴾ (اور اُن عورتوں کے ساتھ خوبی کے ساتھ گزران کیا کرو۔ اور اگر وہ تم کو ناپسند ہو تو ممکن ہے کہ تم ایک شئے کو ناپسند کرو اور اللہ تعالیٰ اس کے اندر کوئی بڑی منفعت رکھ دے)۔ اور اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وَلَهُنَّ مِثْلُ الَّذِىْ عَلَيْهِنَّ بِالْمَعْرُوْفِ......﴾ [البقرة: ۲۲۸]

الفصل الاول:

عورت ٹیڑھی پسلی

۳۲۳۸: عَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اسْتَوْصُوْا بِالنِّسَاءِ خَيْرًا فَاِنَّهُنَّ خُلِقْنَ مِنْ ضِلَعٍ وَاِنَّ اَعْوَجَ شَيْیءٍ فِى الضِّلَعِ اَعْلَاهُ فَاِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهُ كَسَرْتَهُ وَاِنْ تَرَكْتَهُ لَمْ يَزَلْ اَعْوَجَ فَاسْتَوْصُوا بِالنِّسَاءِ۔ (متفق عليه)

اخرجه البخاری فی صحيحه ۲۵۳/۹ الحديث رقم ۵۱۸۶ ومسلم فی ۱۰۹۱/۲ الحديث رقم (۶۰-۱۴۶۸)۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''عورتوں کے ساتھ بھلائی سے پیش آؤ' اس لئے کہ وہ پسلی سے پیدا کی گئی ہیں اور سب سے زیادہ ٹیڑھا پن پسلی کے اوپر والے حصہ میں ہوتا ہے لہٰذا اگر تم پسلی کو سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو اس کو توڑ دو گے اور اگر پسلی کو اپنے حال پر چھوڑ دو گے تو وہ ہمیشہ ٹیڑھی کی ٹیڑھی ہی رہے گی اس لئے عورتوں کے ساتھ خیر و بھلائی کا معاملہ کرو''۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: فانهن خلقن من ضلع......:

ضلع: ضاد کے کسرہ اور لام کے فتحہ کے ساتھ یہ واحد ہے ''اضلاع'' کا۔ یہ ایک ٹیڑھی ہڈی کو کہتے ہیں۔ پھر اس ''ٹیڑھے'' کے لئے بطور استعارہ استعمال ہونے لگا جس میں صورتاً معناً ''ٹیڑھا پن'' ہو

استوصوا بالنسآء خيرًا فانهن خلقن من ضلع......: علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ سین طلب کے لئے ہے۔ ای اطلبو الوصية من انفسكم فی حقهن بخير کہ اپنے نفسوں سے ان کے بارے میں وصیت طلب کرو بھلائی کے ساتھ۔ جیسا کہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وكانوا من قبل ليستفتحون على الذين كفروا﴾ [البقرة:۸۹] (حالانکہ اُس کے قبل خود کفار کے خلاف مدد طلب کرتے تھے۔ ''بخیر'' سے باء کو ''نسآء'' کی طرف منتقل کر دیا۔ قاضی فرماتے ہیں کہ ''الاستيصاء

'' کا معنیٰ ہے وصیت قبول کرنا، مطلب یہ ہے کہ میں تمہیں ان کے بارے میں اچھی وصیت کرتا ہوں، پس ان کے بارے میں میری وصیت کو قبول کرلو (انتھیٰ)۔ مقصود یہ ہے کہ ان کے ساتھ مدارات کے ساتھ پیش آ ؤ۔ ان کے سیدھے ہونے کی امید نہیں ہوتی اور ان کے ٹیڑھے پن کے باوجود ثابت قدم رہو جیسا کہ کہا گیا ہے کہ ان سے صبر کرنا آسان ہے ان پر صبر کرنے سے، اور ان پر صبر کرنا آسان ہے آگ پر صبر کرنے سے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وان تصبروا خير لكم﴾ [النساء: ٢٥] أي عليهن أو عنهن ۔ ''اور تمہارا ضبط کرنا زیادہ بہتر ہے۔''

فانهن خلقن من ضلع : یعنی ان کو ایسی خلقت کے ساتھ پیدا کیا گیا ہے جس میں ٹیڑھا پن ہے، تو گویا کہ ہر ایک ''ٹیڑھی'' اصل سے پیدا کی گئی ہے۔ اس کی وضاحت میں کہا گیا ہے کہ ان کی ماں حواء سب سے پہلی عورت ہیں، جو آدم علیہ السلام کی سب سے ٹیڑھی پسلی سے پیدا کی گئی تھیں اور وہ سب سے اعلیٰ ہستی ہیں، پس کوئی یہ استطاعت نہیں رکھتا کہ ان کو تبدیل کر لے اس جبلت سے جس پر ان کی ماں پیدا کی گئی تھی۔ پس ان سے فائدہ حاصل نہ کیا جا سکتا مگر اسی طور پر کہ ان کے ساتھ مدارات سے کام لیا جائے۔ اور ان کے ٹیڑھے پن پر صبر کیا جائے جب تک ان کے ساتھ معاشرت میں کوئی گناہ نہ ہو۔

فاستوصوا بالنسآء : تکرار مبالغہ کے لئے ہے اور نتیجہ کی طرف اشارہ ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں عورتوں کے ساتھ نرمی کرنے پر ابھارنا ہے، اور ان کے ساتھ نیک سلوک کرنے پر اور ان کے ٹیڑھے اخلاق پر صبر کرنے پر۔ اور ان کے عقلوں کے کمزور ہونے کے احتمال پر دلالت ہے۔ اور یہ کہ ان کے سیدھے ہونے کی طمع نہ کریں۔

الفصل الاول:

عورت ٹیڑھی پسلی

٣٢٣٩: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ الْمَرْاَةَ خُلِقَتْ مِنْ ضِلَعٍ لَنْ تَسْتَقِيْمَ لَكَ عَلٰى طَرِيْقَةٍ فَاِنِ اسْتَمْتَعْتَ بِهَا اسْتَمْتَعْتَ بِهَا وَبِهَا عِوَجٌ وَاِنْ ذَهَبْتَ تُقِيْمُهَا كَسَرْتَهَا وَكَسْرُهَا طَلَاقُهَا۔ (رواه مسلم)

اخرجه البخاری فی صحیحه ٢٥٢/٩ الحديث رقم ٥١٨٤ ومسلم فی ١٠٩١/٢ الحديث رقم (٥٩-١٣٦٨) والترمذی فی السنن ٤٩٣/٣ الحديث رقم ١١٨٨ والدارمی فی ١٩٩/٢ الحديث رقم ٢٢٢٢ واحمد فی المسند ٥٣٠/٢۔

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''عورت (کی اصل یا بنیاد اس کی ماں حوا چونکہ حضرت آدم علیہ السلام کی) پسلی سے پیدا کی گئی ہے۔ اس لئے تمہارے ساتھ کسی ایک راہ پر ہرگز سیدھی نہیں ہوگی۔ لہٰذا اگر تم اس سے فائدہ اٹھانا چاہتے ہو تو اس کے ٹیڑھے پن ہی کے ساتھ اس سے فائدہ اٹھاؤ

اور اگر تم اس کو سیدھا کرنے کی کوشش کرو گے تو (اس کا نتیجہ اس کے سوا اور کچھ نہیں ہوگا کہ) تم اسے توڑ ڈالو گے اور اس کا توڑنا اس کو طلاق دینا ہے"۔ (مسلم)

تشریح: قوله :ان المرأة خلقت ...... وبها عوج:

عوج: عین کے کسرہ کے ساتھ ہے، اور عین کو فتحہ بھی دیا جاتا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ فتحہ کے ساتھ اجسام کے (ٹیڑھے پن کو بیان کرنے) کے لئے آتا ہے۔ اور کسرہ کے ساتھ معانی (کا ٹیڑھا پن بیان) کرنے کے لئے آتا ہے۔ کشاف میں اس آیت: ولم یجعل له عوجا کے تحت لکھا ہے: العوج في المعاني كالعوج في الاعيان اور قاموس میں ہے: "عوج" فزح کی طرح ہے، اور اسم "عنب" کی طرح ہے ہر کھڑی چیز مثلاً دیوار اور عصا وغیرہ میں "عوج" فتحہ کے ساتھ کہا جاتا ہے، اور زمین، دین وغیرہ میں عنب کی طرح ہوتا ہے۔ (انتھی)۔ اور اسی سے اللہ تعالیٰ کا یہ قول ہے: لا ترٰی فیھا عوجا.

اور نہایہ میں ہے "عوج" عین کے فتحہ کے ساتھ ہر دکھائی دینے والی چیز کے ساتھ خاص ہے۔ جیسے اجسام اور کسرہ کے ساتھ غیر مرئی چیزوں کے ساتھ خاص ہے۔ جیسے رائے اور قول اور بعض نے کہا ہے کہ کسرہ کے ساتھ دونوں کے لئے استعمال کیا جاتا ہے اور اول زیادہ مستعمل ہے۔

خلقت من ضلع : یعنی آدم علیہ السلام کی پسلیوں سے یا ٹیڑھے پن سے پیدا کی گئی ہے اور اس کی نظیر اللہ جل شانہ کا یہ ارشاد ہے: خلق الانسان من عجل۔

قوله :لن تستقيم لك ......على طريقة : یعنی ایک حالت جو سیدھی ہو اس پر نہیں رہتی بلکہ اپنی حالت سے پھر جاتی ہے شکر سے ناشکری کی طرف، اطاعت سے نافرمانی کی طرف اور قناعت سے سرکشی کی طرف۔

وان ذهبت تقيمها...... : یعنی اگر آپ اس کو سیدھی حالت کی طرف لوٹانے کا ارادہ کریں گے اور اس میں مبالغہ سے کام لیں اور اس کے کاموں میں تسامح سے کام نہیں لیں گے، اور اس کے بعض افعال سے تغافل اختیار نہیں کریں گے۔

كسرتها : جیسا کہ اس کا مشاہدہ حسی طور پر سخت ٹیڑھی اور خشک چیز میں کیا جا سکتا ہے۔

طلاقها : اس لئے کہ یہ شرعی جدائی اور عرفی انقطاع ہے۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس میں اشارہ ہے اس کا سیدھا ہونا محال ہے۔ یعنی اگر اس کو توڑنا ضروری ہو تو پھر اس کو توڑنا اس کو طلاق دینا ہے۔

تخریج: اسی طرح ترمذی نے بھی روایت کیا ہے۔

میاں بیوی باہمی بغض سے باز رہیں

۳۲۴۰: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَفْرَكْ مُؤْمِنٌ مُؤْمِنَةً اِنْ كَرِهَ مِنْهَا خُلُقًا رَضِيَ مِنْهَا اٰخَرَ. (رواه مسلم)

اخرجه مسلم فی صحیحه ۱۰۹۱/۲ الحدیث رقم (۶۱-۱۴۶۹) واحمد فی المسند ۳۲۹/۲۔

ترجمہ: "اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی مسلمان مرد (شوہر)

کسی مسلمان عورت (بیوی) سے بغض نہ رکھے اگر اس کی نظر میں اس عورت کی کوئی خصلت وعادت ناپسندیدہ ہے تو کوئی دوسری خصلت وعادت پسندیدہ بھی ہے"۔ (مسلم)

تشریح: قوله :لا يفرك مؤمن مؤمنة ......:

لا يفرك: راء کے فتحہ کے ساتھ، مجزوم اور مرفوع دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔"فرك" سے مشتق ہے۔زوجین کے باہمی بغض کو کہتے ہیں۔ باب اس کا علم ہے اور نصر سے شاذ ہے۔ قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ یہ خبر ہے نہ کہ نھی۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ معروف روایات کاف کے سکون کے ساتھ ہیں، اور اگر اس کو مرفوع روایت کیا جائے، تو پھر یہ نھی بلفظ الخبر ہے۔

"خلقا": خاء اور لام کے ضمہ کے ساتھ ہے اور لام کو ساکن بھی کیا جاتا ہے۔

قاضی فرماتے ہیں کہ لا يفرك یہ نفی ہے نھی کے معنیٰ میں یعنی مرد کے لئے مناسب نہیں کہ وہ عورت کے ساتھ بغض رکھے کسی ایسی خصلت کی وجہ سے جو اسے دیکھنے میں ناپسند لگی۔ اس لئے کہ اگر اس کو ایک چیز ناپسند آئی تو دوسری پسند آجائے گی، تو پسند کو ناپسند کے مقابلہ میں سمجھ لے، (انتھی)۔ اس میں اشارہ ہے کہ رفیق حیات بغیر عیب کے نہیں، اگر کوئی شخص عیب سے بری رفیق چاہے گا تو بغیر رفیق کے رہے گا۔ اور خالی نہیں ہوتا انسان خاص کر کے مؤمن بعض اچھی خصلتوں سے۔ پس چاہیئے کہ ان کی رعایت کرے اور باقیوں پر پردہ ڈالے۔

گوشت سڑنے کی ابتداء

۳۲۴۱:وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ لَوْلَا بَنُوْ اِسْرَائِيْلَ لَمْ يَخْنَزِ اللَّحْمُ وَلَوْلَا حَوَّاءُ لَمْ تَخُنْ اُنْثٰى زَوْجَهَا الدَّهْرَ (متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحيحه ٤٣٠/٦ الحديث رقم ٣٣٩٩ ومسلم فی ١٠٩٢/٢ الحديث رقم (٦٣-١٤٧٠) واحمد فی المسند ٣٠٤/٢۔

ترجمہ: "اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "اگر بنو اسرائیل نہ ہوتے تو گوشت نہ سڑا کرتا اور اگر حوا نہ ہوتیں تو کوئی عورت اپنے شوہر سے خیانت نہ کرتی"۔ (بخاری ومسلم)

احمد کی روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں "لم يخبث الطعام، ولم يخنز اللحم."

تشریح: لم يخنز: نون کے فتحہ کے ساتھ "خنز اللحم" نون کے کسرہ کے ساتھ سے مشتق ہے، متغیر و بدبودار ہونا۔

اشارہ ہے کہ گوشت کا سڑ یہ وہ چیز ہے جس کے ذریعہ بنی اسرائیل کو سزا دی گئی تھی جب انہوں نے اللہ کی نعمتوں کی ناشکری کی۔ اس طور پر کہ انہوں نے سلویٰ کی ذخیرہ اندوزی شروع کی حالانکہ اللہ نے ان کو منع کیا تھا ذخیرہ اندوزی سے اور اس سے پہلے گوشت نہیں سڑتا تھا۔ تو یہ تبدیلی ان کے برے فعل کا نتیجہ ہے، اور وہ فعل بد ذخیرہ اندوزی ہے، جس کی بنیاد اللہ پر عدم بھروسہ

تھا: ﴿إِنَّ اللّٰهَ لَا يُغَيِّرُ مَا بِقَوْمٍ حَتّٰى يُغَيِّرُوْا مَا بِأَنْفُسِهِمْ﴾ [الرعد:١١] (واقعی اللہ تعالیٰ کسی قوم کی (اچھی) حالت میں تغیر نہیں کرتا جب تک وہ لوگ خود اپنی حالت نہیں بدل دیتے)۔

قاضی فرماتے ہیں مطلب اس جملے کا یہ ہے کہ بنی اسرائیل اگر گوشت کو ذخیرہ کرنے کے طریقہ کی بنیاد نہ ڈالتے، یہاں تک کہ وہ سڑ گیا تو گوشت نہ سڑتا۔

قوله: ولو لا الحواء...... : یعنی اگر وہ اپنے شوہر کی مخالفت کر کے اس کے ساتھ خیانت نہ کرتی اور یہ خیانت اس ٹیڑھے پن کی وجہ سے تھی جو اس کی مٹی اور جبلت میں تھا۔ قاضی فرماتے ہیں کہ اگر حواء خیانت نہ کرتیں آدمؑ کے ساتھ اس کو امر کی مخالفت پر ابھارنے اور درخت سے کھانے کے ساتھ۔ اور یہ طریقہ جاری نہ کرتیں، تو کوئی عورت اپنے شوہر کے ساتھ اس راستہ پر نہ چلتی۔ (انتھی)

بعض نے کہا ہے کہ حواء کی خیانت یہ تھی کہ انہوں نے آدمؑ سے پہلے درخت سے کھایا، اور آدمؑ ان کو منع کر چکے تھے، تو انہوں نے آدم کو پھسلایا، یہاں تک کہ آدم نے بھی کھالیا۔

بعض نے کہا ہے کہ خیانت یہ تھی کہ آدمؑ نے ان کو درخت کاٹنے کے لئے بھیجا تھا، پس اس نے دو خوشے کاٹے ایک آدم کو دیا اور دوسرا چھپا لیا۔ واللہ اعلم۔

بیوی کی زیادہ مار پیٹ اور عیب جوئی سے گریز کرو

٣٢٤٢: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ زَمْعَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجْلِدُ اَحَدُكُمْ اِمْرَأَتَهٗ جَلْدَ الْعَبْدِ ثُمَّ يُجَامِعُهَا فِيْ اٰخِرِ الْيَوْمِ (وَفِيْ رِوَايَةٍ) يَعْمِدُ اَحَدُكُمْ فَيَجْلِدُ اِمْرَاَتَهٗ جَلْدَ الْعَبْدِ فَلَعَلَّهٗ يُضَاجِعُهَا فِيْ اٰخِرِ يَوْمِهٖ ثُمَّ وَعَظَهُمْ فِيْ ضِحْكِهِمْ مِنَ الضَّرْطَةِ فَقَالَ لِمَ يَضْحَكُ اَحَدُكُمْ مِمَّا يَفْعَلُ۔ (متفق عليه)

اخرجه البخاري في صحيحه ٣٠٢/٩ الحديث رقم ٥٢٠٤ ومسلم في ٢١٩١/٤ الحديث رقم (٤٩-٢٨٥٥) والترمذي في السنن ٤٠٠/٥ الحديث رقم ٣٣٤٣ وابن ماجه ٦٣٨/١ الحديث رقم ١٩٨٣ والدارمي في ١٩٨/٢ الحديث رقم ٢٢٢٠ واحمد في المسند ١٧/٤۔

ترجمہ: ''اور حضرت عبداللہ بن زمعہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کوئی شخص اپنی بیوی کو غلام کی طرح (بددلی سے) نہ مارے اور پھر دن کے آخری حصہ میں اس سے جماع کرے''۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ (آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا) تم میں سے کوئی شخص ارادہ کرتا ہے اور اپنی بیوی کو غلام کی طرح مارتا ہے حالانکہ (یہ نہیں سوچتا کہ) شاید وہ اسی دن کے آخری حصہ میں اس سے جماع کرے۔ پھر آپ ﷺ نے انہیں ریح خارج ہونے پر ہنسنے کے بارے میں نصیحت کرتے ہوئے فرمایا کہ تم میں سے کوئی شخص اس چیز پر کیوں ہنستا ہے جس کو وہ خود بھی کرتا ہے''۔ (بخاری ومسلم)

حالاتِ راوی:

عبداللہ بن زمعہ۔ یہ عبداللہ بن زمعہ "قریشی واسدی" ہیں۔ ان کا شمار مدینہ والوں میں ہوتا ہے۔ ان سے عروہ بن زبیر وغیرہ روایت کرتے ہیں۔ "زمعہ" میں زاء معجمہ اور میم دونوں مفتوح ہیں۔ اکثر فقہاء ومحدثین اس کو میم کے سکون کے ساتھ پڑھتے ہیں۔ زمعة: زاء اور میم کے فتحہ کے ساتھ ہے، میم کو ساکن بھی پڑھا جاتا ہے۔ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ دونوں کے فتحہ کے ساتھ ہے اور جامع الاصول میں ہے کہ زاء اور میم کے فتحہ کے ساتھ ہے اور کبھی میم کو سکون دیا جاتا ہے۔ مغنی کہتے ہیں کہ فقہاء اور محدثین میم کو سکون دیتے ہیں۔

تشریح: **مما يفعل**: ایک نسخہ میں "**مما يفعله**" ہے۔

طبرانی نے اس حدیث کو اوسط میں حضرت جابر سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: **نهى عن الضحك من الضرط.**

"**جلد**: جیم کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

يعمد: میم کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

ضحك: ضاد سے کسرہ اور خاء کے سکون کے ساتھ ہے۔ قاموس میں ہے کہ "**ضحك**" فتحہ کے ساتھ اور کسرہ کے ساتھ ہے اور دونوں کے فتحہ کے ساتھ "**كتف**" کی طرح پڑھا جاتا ہے۔

ثم يجامعها: سکون کے ساتھ ہے مجزوم پر عطف کی وجہ سے۔ "**فقال**": عطف ہے "**وعظ**" پر۔

ثم استبعاد کے لئے ہے یعنی عقلمند آدمی سے یہ بعید ہے، کہ وہ جمع کرے اس افراط وتفریط کو یعنی سخت مار اور ہمبستری کو، (انتھیٰ)۔ اور اسی لئے منقول ہے کہ اپنے محبوب کے ساتھ محبت ایک اندازے کے ساتھ رکھ، شاید کہ کبھی وہ تیرا دشمن بن جائے اور اپنے دشمن کے ساتھ بغض ایک اندازے سے رکھ، شاید کہ کسی وقت وہ تیرا محبوب بن جائے۔ اور یہی مطلب ہے اس جملہ کا کہ "ہر کام کے انجام کو دیکھنا چاہیئے"۔

في آخر يومه : یعنی مارنے کے دن پھر وہ اس کی بات نہیں مانے گی۔ بعض نے کہا ہے کہ مار سے ممانعت یہ مار کے حکم سے پہلے کی ہے۔ لیکن زیادہ ظاہر یہ ہے کہ ممانعت سخت مار سے ہے، لہٰذا مار کے حکم کے منافی نہیں ہے، بلکہ اس مطلق حکم کو خاص کر رہا ہے۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ لونڈیوں اور غلاموں کو مارنا تادیب کے لئے جائز ہے، جب وہ سخت باتوں سے باادب نہ بنیں۔ لیکن معاف کرنا اولیٰ ہے۔ اور اس میں عورتوں کے ساتھ حسن معاشرت اور نرمی پر دلالت ہے۔

ثم وعظهم : ثم تراخی زمان کے لئے ہے، یعنی مذکورہ بات کے ایک زمانہ بعد آپؐ نے ان کو دیکھا کہ وہ فعل مذکور پر ہنس رہے ہیں تو آپؐ نے ان کو نصیحت کی۔

في ضحكهم : اس میں اشارہ ہے کہ قہقہہ بدرجہ اولیٰ منع ہے اور تبسم میں کوئی حرج نہیں ہے۔ اور زیادہ واضح یہ ہے کہ اس سے اعم معنی مراد ہے۔

مما يفعل : یعنی ہنسا اچھا نہیں لگتا مگر ایسے کام پر جو عجیب وغریب ہو، اور عادتاً وہ کام نہ پایا جاتا ہو۔ اس میں اشارہ ہے

کہ کسی دوسرے کے گوز مارنے سے تغافل اختیار کرنا چاہیئے تا کہ اس کو ایذاء نہ پہنچے۔

حکایت: ہمیں خبر پہنچی ہے کہ حاتم بہرے نہیں تھے' بلکہ ایک مرتبہ ایک عورت نے ان سے مسئلہ پوچھا' دوران مسئلہ اس عورت سے گوز سرزد ہو گیا، تو حاتم نے کہا کہ اپنی آواز اونچی کر، وہ سمجھی یہ بہرے ہیں اور خوش ہوئی۔ اس کے بعد سے حاتم یوں ہو گئے گویا کہ وہ بہرے ہیں' تا کہ بات رفع دفع ہو جائے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں تنبیہ ہے کہ عقلمند آدمی کو چاہیئے کہ جب وہ اپنے مسلمان بھائی کے عیب کو ظاہر کرنا چاہے تو پہلے وہ اپنے آپ کو دیکھ لے کہ آیا وہ خود اس عیب سے پاک ہے، اگر نہیں ہے تو پھر اس کو عیب بیان کرنے سے بہتر ہے کہ وہ اس سے رک جائے۔ اور کیا خوب کہا ہے:

ارٰی کل انسان یرٰی عیب غیره
ویعمی عن العیب الذی هو فیه

''میں دیکھتا ہوں کہ ہر انسان دوسرے کا عیب دیکھتا ہے اور اپنے موجود عیب سے اندھا ہوتا ہے۔''

خوش اسلوبی کا اعلیٰ نمونہ

۳۲۴۳: وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَلْعَبُ بِالْبَنَاتِ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم وَكَانَ لِي صَوَاحِبُ يَلْعَبْنَ مَعِيَ وَكَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اِذَا دَخَلَ يَنْقَمِعْنَ مِنْهُ فَيُسَرِّ بُهُنَّ اِلَيَّ فَيَلْعَبْنَ مَعِيَ . (متفق عليه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۵۲۶/۱۰ الحدیث رقم ۶۱۳۰ ومسلم فی ۱۸۹۰/۴ الحدیث رقم (۸۱-۲۴۴۰) واحمد فی المسند ۲۳۴/۶۔

ترجمہ: 'اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ (جب میں چھوٹی تھی اور میری شادی کا ابتدائی دور تھا تو) میں نبی کریم ﷺ کے ہاں گڑیوں سے کھیلا کرتی تھی اور میری سہیلیاں بھی میرے ساتھ کھیلتی تھیں اور پھر جب رسول اللہ ﷺ (گھر میں) تشریف لاتے تو میری سہیلیاں (شرم کی وجہ سے) آپ ﷺ سے چھپ جاتی تھیں لیکن آپ ﷺ ان کو میرے پاس بھیج دیتے تھے اور وہ میرے ساتھ کھیلنے لگتی تھیں''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: قوله: كنت العب بالبنات ...... يلعبن معنى:

عند النبی: اور ایک نسخہ میں ''عند رسول الله'' ہے۔

وکان: اور ایک نسخہ میں ''فكان'' ہے۔

بالبنات: جمع ہے ''بنت'' کی مراد گڑیاں ہے جن سے بچیاں کھیلتی ہیں، اور باء تعدیہ کے لئے ہے۔

یا بنات سے مراد لڑکیاں ہے اور با بمعنی مع کے ہے۔ اول زیادہ ظاہر ہے۔

صواحب: ''صاحبة'' کی جمع ہے۔

قوله :فكان رسول الله ...... اذا دخل......

ينقمعن: انقماع .کے معنی ہیں ''پردہ'' میں داخل ہونا۔

فیسربهن: تسریب سے ماخوذ ہے (اور ''تسریب'' ماخوذ ''سرب'' سے۔اور ''سرب'' کے کئی معانی آتے ہیں)سرب کے معنی ہیں ''جانا'' جیسے [وسارب بالنهار][الرعد: ۱۰] یا السرب سے ہے جس کے معنی ہیں عورتوں کی جماعت اور گروہ اس صورت میں مطلب یہ ہوگا کہ وہ میری طرف جماعت در جماعت بھیجتے۔

ينقمعن : یعنی حیاء کی وجہ سے چھپ جاتی تھی۔اس میں اپنے اہل کے ساتھ حسن معاشرت پر دلیل ہے۔

شاندار گزران

۳۲۴۴ : وَعَنْهَا قَالَتْ وَاللّٰهِ لَقَدْ رَأَيْتُ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم يَقُوْمُ عَلٰى بَابِ حُجْرَتِيْ وَالْحَبَشَةُ يَلْعَبُوْنَ بِالْحِرَابِ فِي الْمَسْجِدِ وَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم يَسْتُرُنِيْ بِرِدَائِهِ لِاَنْظُرَ اِلٰى بَعْضِهِمْ بَيْنَ اُذُنِهِ وَعَاتِقِهِ ثُمَّ يَقُوْمُ مِنْ اَجْلِيْ حَتّٰى اَكُوْنَ اَنَا الَّتِيْ اَنْصَرِفُ فَاقْدُرُوْا قَدْرَ الْجَارِيَةِ الْحَدِيْثَةِ السِّنِّ الْحَرِيْصَةِ عَلَى اللَّهْوِ ۔ (متفق عليه)

اخرجه البخاري في صحيحه ۳۳٦/۹ الحديث رقم ۵۲۳٦ومسلم في ٦۰۹/۲ الحديث رقم (۱۸-۸۹۲) وابوداؤد في السنن ۲۲۱/۵ الحديث رقم ۴۹۲۳ والنسائي في ۱۹۵/۳ الحديث رقم ۱۵۹۵ واحمد في المسند٦/١٦٦۔

ترجمه: ''اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ اللہ کی قسم! میں نے دیکھا (اور مجھے اچھی طرح یاد ہے) کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کو اپنے حجرہ مبارک کے دروازہ پر کھڑے ہوئے دیکھا جبکہ حبشی لوگ مسجد میں اپنی برچھیوں سے کھیل دکھا رہے تھے (یعنی کرتب دکھار ہے تھے) اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی چادر سے میرے لئے پردہ کر رکھا تھا تا کہ میں بھی آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے کان اور مونڈھے کے درمیان سے ان کا کھیل کرتب دیکھ سکوں یہاں تک کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت تک میری خاطر (پردہ کئے) کھڑے رہے جب تک کہ میں خود وہاں سے نہ ہٹ گئی اس سے تم اس عرصہ کا اندازہ کرلو جس میں ایک کمسن لڑکی جو کھیل تماشہ کی شوقین ہو کھڑی رہ سکتی ہے (یعنی خیال کرو کہ کمسن لڑکیاں کھیل تماشہ دیکھنے کی کتنی شوقین ہوتی ہیں اور زیادہ سے زیادہ دیر تک کھڑے رہنا بھی ان کے لئے ایک معمولی بات ہوتی ہے چنانچہ میں بھی اس وقت جتنی دیر تک کھڑی رہی' آپ صلی اللہ علیہ وسلم بھی میری وجہ سے پردہ کئے کھڑے رہے' حاصل یہ ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم بہت دیر تک وہاں کھڑے ہو کر مجھے ان حبشیوں کا کھیل اور کرتب دکھاتے رہے)''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: قوله :قالت :والله لقد ...... بالحراب في المسجد:

الحراب : حاء کے کسرے کے ساتھ' جمع ہے ''حربة'' کی۔''حربہ'' چھوٹے نیزے کو کہتے ہیں۔

لعب :لام کے فتحہ اور عین کے کسرہ کے ساتھ اسے پہلے کے کسرہ اور دوسرے کے سکون کے ساتھ بھی ہے۔مصباح میں

ہے: لعب یلعب لعباً. لام کے فتحہ اور عین کے کسرہ کے ساتھ اور اس میں تخفیف بھی جائز ہے لام کے کسرہ اور عین کے سکون کے ساتھ۔ ابن قتیبہ فرماتے ہیں کہ تخفیف میں لام کا فتحہ اور عین کا سکون نہیں سنا گیا ہے۔ (انتھی)۔ لیکن قاموس میں ہے: لعب کفرح لَعِباً ولِعباً ولَعْباً.

فاقدروا : دال کے ضمہ کے ساتھ ہے۔

حجرتی : اضافت ادنیٰ ملابست کی وجہ سے ہے یا بمعنیٰ لام اختصاص کے ہے اور ملک کا بھی احتمال ہے۔

والحبشة یلعبون : جملہ حالیہ ہے۔ **فی المسجد** :

یعنی مسجد کے صحن میں جو مسجد کے ساتھ متصل تھا۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا حجرہ سے ان کو دیکھ رہی تھی، اور یہ دیکھنا داخل مسجد سے تھا۔ مسجد کا صحن مسجد کے ساتھ متصل تھا اس وجہ سے "فی المسجد" کہا۔ یا جگہ تنگ ہونے کی وجہ سے مسجد میں داخل ہو گئے تھے۔ اور ان سے چشم پوشی اس لئے کی گئی کہ ان کا نیزوں سے کھیلنا اللہ کے دشمنوں کے ساتھ لڑنے کی تیاری میں شمار ہوتا تھا۔ توری کے ارادے سے یہ عبادت ہو گیا۔ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: ﴿واعدوا لهم ما استطعتم من قوة﴾[الانفال: ٦٠] (اور اُن کافروں کے لئے جس قدر تم سے ہو سکے ہتھیار سے سامان درست رکھو)۔

ان کی طرف دیکھنے کا یہ واقعہ نزول حجاب سے پہلے کا ہے۔ (جیسا کہ تورپشتی رحمہ اللہ نے ذکر کیا ہے۔)

فاقدروا الحریصة علی اللهو :

یعنی کھیل کی طرف دیکھتے ہوئے اس کے ٹھہرنے کا وقت کتنا ہوگا۔ پس میں اس مقدار کے برابر کھڑی رہی۔ مراد حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا زیادہ دیر تک کھڑا ہونا ہے، اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا اس پر صبر کرنا، ان کی حالت کی رعایت کی وجہ سے اور اس کے ساتھ نہایت محبت کی وجہ ان کے جمال کی وجہ سے جو ان کے کمال کا مظہر تھا۔

ناراضیٔ عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا کی شناخت اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ذہانت

۳۲۴۵: وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ لِیْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ لَاَ عْلَمُ اِذَا كُنْتِ عَنِّیْ رَاضِيَةً وَاِذَا كُنْتِ عَلَیَّ غَضْبٰی فَقُلْتُ مِنْ اَيْنَ تَعْرِفُ ذٰلِكَ فَقَالَ اِذَا كُنْتِ عَنِّیْ رَاضِيَةً فَاِنَّكِ تَقُوْلِيْنَ لَاوَرَبِّ مُحَمَّدٍ وَاِذَا كُنْتِ عَلَیَّ غَضْبٰی قُلْتِ لَاوَرَبِّ اِبْرَاهِيْمَ قَالَتْ قُلْتُ اَجَلْ وَاللّٰهِ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ مَا اَهْجُرُ اِلَّا اسْمَكَ ۔ (متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۳۲۵/۹ الحدیث رقم ۵۲۲۸ ومسلم فی ۱۸۹۰/۴ الحدیث رقم (۸۰-۲۴۳۹) واحمد فی المسند ۶۱/۶۔

ترجمہ: "اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مجھ سے فرمانے لگے کہ جس وقت تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو مجھے معلوم ہو جاتا ہے اور جب تم (کسی دنیوی معاملہ میں) مجھ سے ناراض ہوتی ہو (جیسا کہ میاں بیوی کے درمیان کسی بات پر خفگی ہو جاتی ہے) تو مجھے وہ بھی معلوم ہو جاتا ہے۔ میں نے عرض کیا کہ

''آپ ﷺ یہ کس طرح پہچان لیتے ہیں؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (اس طرح کہ) جب تم مجھ سے خوش ہوتی ہو تو اس طرح کہا کرتی ہو''۔ یہ بات نہیں ہے' محمد ﷺ کے پروردگار کی قسم! اور جب تم مجھ سے خفا ہوتی ہو تو اس طرح کہتی ہو کہ یہ بات نہیں ہے ابراہیمؑ کے پروردگار کی قسم! (یعنی جب تم مجھ سے خفا ہونے کی حالت میں قسم کھاتی ہو تو میرا نام نہیں لیتیں بلکہ ابراہیم علیہ السلام کا پروردگار کہتی ہو) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ (یہ سن کر) میں نے عرض کیا کہ ''ہاں یارسول اللہ! یہ بات ٹھیک ہے' لیکن میں صرف آپ ﷺ کا نام ہی چھوڑتی ہوں''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: قوله :انی لا علم ...... اذا كنت علی غضبی:

علی غضبی :اور ایک نسخہ میں (علی کے بجائے) عنی ہے۔

قلت لا :اور ایک نسخہ میں ''ولا'' ہے۔

ما اهجر :اور ایک نسخہ میں لا اهجر ہے۔

اعلم اذا كنت ...... : سیوطی فرماتے ہیں کہ اس سے ابن الملک نے اذا کے مفعول واقع ہونے پر استدلال کیا ہے۔ جمہور نے اس کا جواب دیا ہے کہ یہ محذوف کے لئے ظرف ہے اور وہ محذوف مفعول ہے اور وہ ''شانك'' یا کوئی اور اسم ہے۔

من این تعرف ذلك :یعنی وحی کے ذریعے سے یا مکاشفہ یا فراست اور علامت کے ذریعہ سے آپ کو علم ہوتا ہے۔

اذا كنت علی غضبی :یعنی دنیوی وجوہات میں سے کسی وجہ سے جو متعلق ہو معاشرت زوجیت کے ساتھ۔

الا اسمك :یعنی خفگی کی مدت کے دوران صرف زبان سے آپ کا ذکر چھوڑتی ہوں۔ بعض نے کہا ہے کہ مطلب یہ ہے کہ میرا ہجران صرف آپؐ کے نام کے چھوڑنے پر مقصور رہتا ہے حالت غضب میں جو اختیار کو سلب کر لیتا ہے اور آپ نام سے آپ کی ذات شریف تک تجاوز نہیں کرتا' اور یہاں اسم سے مراد تسمیہ ہے' اور ترک کو ہجران سے تعبیر کیا یہ دلالت کر رہا ہے کہ اس ترک میں ان کا کوئی اختیار نہیں ہوتا اور وہ وصال کی طلب میں کامل طریقے پر ہوتی ہے۔ اور زبان اور دل کا میلان محبت میں جمع ہونا اللہ کی مدد سے برقرار رہتا ہے۔

خاوند کو ناراض کرنے والی عورت فرشتوں کی لعنت کی حقدار ہے

۳۲۴۶: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَادَعَی الرَّجُلُ امْرَأَتَهٗ اِلٰی فِرَاشِهٖ فَاَبَتْ فَبَاتَ غَضْبَانَ لَعَنَتْهَا الْمَلَآئِكَةُ حَتّٰی تُصْبِحَ متفق عليه وفی رواية لَهُمَا قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسِیْ بِيَدِهٖ مَا مِنْ رَجُلٍ يَدْعُوْا امْرَأَتَهٗ اِلٰی فِرَاشِهٖ فَتَابٰی عَلَيْهِ اِلَّا كَانَ الَّذِیْ فِی السَّمَآءِ سَاءِ خِطًا عَلَيْهَا حَتّٰی يَرْضٰی عَنْهَا.

اخرجه البخاری فی صحيحه ۳۱۴/۶ الحديث رقم ۳۲۳۷ ومسلم فی صحيحه ۱۰۶۰/۲ الحديث رقم (۱۲۲-۱۴۳۶) وابودا ود فی السنن ۶۰۵/۲ الحديث رقم ۲۱۴۱ والدارمی فی ۲۰۱/۲ الحديث رقم ۲۲۲۸ واحمد فی المسند ۴۳۹/۲۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اگر کوئی مرد یعنی (شوہر) اپنی عورت (یعنی اپنی بیوی) کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ عورت انکار کر دے اور پھر شوہر (اس کے انکار کی وجہ سے) رات بھر غصہ کی حالت میں رہے تو فرشتے اس عورت پر صبح تک لعنت بھیجتے رہتے ہیں (بخاری و مسلم) اور صحیحین کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں (یعنی جس کے قبضہ تصرف میں) میری جان ہے' جو شخص اپنی عورت کو اپنے بستر پر بلائے اور وہ انکار کر دے تو وہ جو آسمان میں ہے اس سے اس وقت تک ناراض رہتا ہے جب تک اس کا شوہر اس سے راضی نہ ہو''۔

تشریح: قوله :اذا دعى الرجل امرأته...... حتى تصبح:

فبات غضبان: ایک روایت میں ''غضبان عليها'' ہے۔

الى فراشه : اس میں کئی بستروں کے جواز کی طرف اشارہ ہے۔اور یہ بھی احتمال ہے کہ یہ کنایہ ہو، اجماع کی طرف مائل ہونے سے۔ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: ﴿هن لباس لكم وانتم لباس لهن﴾ [البقرة:۱۸۷] اس میں اشارہ ہے حالت جماع میں پردے کی طرف۔

لعنتها الملائكة : اس لئے کہ یہ شوہر کی اطاعت پر مامور تھی معصیت کے علاوہ امور میں۔ کہا گیا ہے کہ حیض منع کرنے میں عذر نہیں ہے۔ اس لئے کہ جمہور کے نزدیک فوق الازار شوہر کو استمتاع کا حق ہے اور ایک جماعت کے نزدیک فرج کے علاوہ سے استمتاع کا حق ہے۔

حتى تصبح : یعنی وہ عورت یا فرشتے۔ کہا گیا ہے کہ صبح کو لعنت کی غایت قرار دیا چونکہ صبح ہو چکنے کے بعد شوہر عورت سے مستغنی ہو جاتا ہے، اس سے استمتاع سے مانع کے پیدا ہونے کی وجہ سے۔ لیکن زیادہ ظاہر یہ ہے کہ دن کا حکم بھی یہی ہے یہاں تک کہ رات ہو جائے اور یہ از قبیل اکتفاء ہے۔

وفى رواية لهما : یعنی بخاری اور مسلم کی روایت ہیں۔ اشارہ ہے کہ جب'' في رواية مطلقًا '' کہتے ہیں تو وہ روایت ان میں سے کسی ایک کی ہوتی ہے: (الا كان الذى فى السمآء : یعنی آسمان میں جس کا امر اور حکم ہے یا اس کی ملک اور حکومت ہے یا وہ جو اس میں معبود ہے اور وہ اللہ تعالیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿وهو الذى فى السمآء اله وفى الارض اله﴾ [الزخرف:۸٤] (اور وہی ذات ہے جو آسمان میں بھی قابل عبادت ہے اور زمین میں بھی قابل عبادت ہے)۔ اور اس حدیث میں (سماء پر) اقتصار کرنا من قبیل الاکتفاء ہے کہ اشرف کو ذکر کیا۔ اور یہ بھی احتمال ہے، کہ آسمان کے رہنے والے مراد ہوں۔ اور مفرد ذکر کرنا جنس کی وجہ سے ہو، اس صورت میں دونوں روایتیں آپس مل جائے گی، اگرچہ پہلی صورت میں بھی ان میں تلازم ہے۔

حتى يرضى عنها : اس سے معلوم ہوا کہ شوہر کی رضگی رب کی ناراضگی کا موجب ہے۔ جب خواہش نفسانی میں یہ حال ہے، تو دین کے معاملہ میں کیا حال ہوگا۔

تخریج: وكذا احمد وابو داؤد۔

جھوٹ کے لباس والا

۳۲۴۷: وَعَنْ اَسْمَاءَ اَنَّ امْرَأَةً قَالَتْ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِيْ ضَرَّةً فَهَلْ عَلَيَّ جُنَاحٌ اَنْ تَشَبَّعْتُ مِنْ زَوْجِيْ غَيْرَالَّذِيْ يُعْطِيْنِيْ فَقَالَ الْمُتَشَبِّعُ بِمَا لَمْ يُعْطَ كَلَابِسِ ثَوْبَيْ زُوْرٍ. (متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۳۱۷/۹ الحدیث رقم ۵۲۱۹ومسلم فی ۱٦۸۱/۳ الحدیث رقم ۱۲۷-۲۱۳۰)

وابوداوٗد فی السنن ۲٦۹/۵ الحدیث رقم ٤۹۹۷۔

ترجمہ: ''اور حضرت اسماء رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک عورت نے عرض کیا کہ ''یارسول اللہ! میری ایک سوکن ہے اگر میں اس کے سامنے اپنے شوہر کی کسی ایسی چیز کا اظہار کروں جو اس نے مجھے نہ دی ہو تو کیا مجھ پر گناہ ہوگا؟ (یعنی میرا شوہر مجھے جو کچھ دیتا ہے اگر میں اپنی سوکن کو جلانے کے لئے اس کے سامنے اس چیز کو زیادہ کر کے بیان کروں کہ دیکھو مجھے تم سے زیادہ ملتا ہے تو کیا اس میں کوئی گناہ والی بات ہے؟) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''(ہاں یہ بہت بری بات ہے کیونکہ) نہ دی ہوئی چیز کا اظہار کرنے والا دو جھوٹ کے لباس پہننے والے کی مانند ہے''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: قوله :فهل علی جناح ...... غير الذی يعطنی:

أن تشبعت: ایک نسخہ میں ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

ضرۃ شوہر کی دوسری بیوی جس کو سوکن کہتے ہیں۔ اس کو 'ضرۃ'' اس وجہ سے کہا جاتا ہے کہ یہ اس کو ضرر پہنچاتی ہے یا ضرر پہنچانے کا ارادہ کرتی ہے، یا یہ مبالغہ رجل عدل کی طرح۔ کیونکہ اس کا وجود دوسری کے لئے ضرر ہوتا ہے۔ اہل مکہ سوکن کو'' طبنة'' کہتے ہیں، ممکن ہے کہ یہ طبن' فرح کی طرح بمعنیٰ فطن کے ہو، اس لئے کہ یہ اپنی سوکن کے عیوب کو جاننے والی ہوتی ہے۔

غير الذی يعطينی : یعنی مجھے جو کچھ دیا جاتا ہے، اس سے زیادہ زینت اختیار کروں اور زیادتی ظاہر کروں، اور اپنی سوکن کے سامنے یہ ظاہر کروں کہ شوہر نے مجھے زیادہ دیا ہے، اس سے جو تجھے دیا ہے اس کو غصہ کرنے کے لئے اور ضرر پہنچانے کے لئے۔

كلا بس ثوبی زور : بعض نے کہا ہے کہ ''متشبع'' وہ شخص ہے جو دو کپڑے ودیعت کے یا عاریت کے پہنے اور لوگ یہ گمان کریں یہ اس کے ہیں' اور اس کا لباس ہمیشہ کے لئے نہ ہو اور اس جھوٹ کی وجہ سے وہ رسوا ہو یا وہ آدمی مشتبہ کپڑے پہنے جیسے زاہدوں کے کپڑے ہوتے ہیں۔ اور وہ یہ تاثر دے کہ وہ زاہدوں میں سے

اس کو تثنیہ ذکر کیا رداء اور ازار مراد ہونے کی وجہ سے کہ یہ دونوں ایک دوسرے کے ساتھ لازم وملزوم ہوتے ہیں۔ اس بات کی طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ یہ شخص سر سے پاؤں تک جھوٹ کے ساتھ متصف ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس طرف اشارہ کرنے کے لئے کہ اپنے آپ کو بتکلف سیر ظاہر کرنے میں دو بری حالتیں پائی جاتی ہے۔ ایک جس چیز کی وجہ سے سیر ظاہر رہا ہے اس کا نہ ہونا اور دوسرا باطل کا اظہار۔ بعض نے کہا ہے کہ جھوٹی گواہی دینے والا شخص دو کپڑے پہن کر گواہی دیتا

تھا اس کے حسن لباس کی وجہ سے اس کی گواہی قبول کی جاتی تھی۔

تخریج: اسی طرح امام احمد اور ابوداؤد نے اسماء رضی اللہ عنہا سے اور مسلم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت کیا ہے۔

ایک ماہ کا ایلاء اور بالا خانہ میں قیام

۳۲۴۸: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ اٰلٰى رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ نِسَائِهٖ شَهْرًا وَكَانَتِ انْفَكَّتْ رِجْلُهٗ فَاَقَامَ فِيْ مَشْرُبَةٍ تِسْعًا وَعِشْرِيْنَ لَيْلَةً ثُمَّ نَزَلَ فَقَالُوْا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اٰلَيْتَ شَهْرًا فَقَالَ اِنَّ الشَّهْرَ يَكُوْنُ تِسْعًا وَعِشْرِيْنَ ۔ (رواه البخاری)

اخرجه البخاری فی ۹/ ۳۰۰ الحدیث رقم ۵۲۰۱ واحمد فی المسند ۔

ترجمہ: ''اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی ازواج سے ایک مہینہ تک ایلاء فرمایا اور اسی زمانہ میں آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاؤں میں موچ آ گئی تھی چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے انتیس راتوں تک بالا خانہ ہی میں قیام فرمایا پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم نیچے تشریف لائے تو لوگوں نے عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ! آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے تو ایک مہینہ تک (اپنی ازواج سے) ایلاء فرمایا تھا (اور مہینہ تیس دن کا ہوتا ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم انتیس دن کے بعد کیوں اتر آئے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: مہینہ انتیس دن کا بھی ہوتا ہے''۔ (بخاری)

تشریح: قوله: آلى رسول الله ...... ثم نزل:

آلى: مد کے ساتھ ہے بمعنیٰ ''حلف''۔ اس کو ''من'' کے ساتھ متعدی کیا اس لئے کہ یہ امتناع عن الدخول کے معنیٰ کو متضمن ہے۔

انفكت رجله: یعنی جوڑ سے نکل گیا تھا۔ انفکاک کا معنیٰ ہوتا ہے زوال وانفساخ۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ: انفكاك، ''وهن'' اور ''ضلع'' ایک قسم ہے اس کے معنی ہیں اجزاء کا ایک دوسرے سے منفک ہونا۔

آلى: ازھار میں ہے کہ اس سے مراد مشہور ایلاء نہیں ہے۔ علامہ طیبی کہتے ہیں کہ ایلاء کے فقہ میں مخصوص احکام ہیں اس کے علاوہ کو ایلاء نہیں کہا جاتا۔

انفكت رجله: بعض نے کہا ہے کہ طول قیام کی وجہ سے آپ کا پاؤں نکل گیا تھا۔ اور بعض کہتے ہیں کہ آپ علیہ السلام گھوڑے سے گر گئے تھے جس کی وجہ سے پاؤں کی ہڈی اپنی جگہ سے نکل گئی تھی۔

مشربة: میم کے فتحہ اور راء کے ضمہ کے ساتھ ہے اور راء کو فتحہ بھی دیا جاتا ہے۔ غرفه یعنی کمرہ کے معنیٰ میں ہے۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں ''مشربة'' میم کے فتحہ اور راء کے ضمہ وفتحہ کے ساتھ کمرہ کو کہتے ہیں' اور میم کے فتحہ کے ساتھ ''پانی پینے کی جگہ'' کو کہتے ہیں۔

قوله: ان الشهر يكون:

تسعا وعشرین :
ممکن ہے یہ ماہ انتیس دن کا ہو اس لئے آپؐ نے انتیس دن پر اکتفاء کیا پھر اس کے بعد وہاں سے اتر آئے۔ شرح السنہ میں ہے کہ یہ اس وقت ہے کہ جب مہینہ کو متعین کر دے اور کہے کہ للّٰہ علی ان اصوم شھراً پس اگر وہ مہینہ کم نکلا تو اس پر اس کے علاوہ لازم نہیں ہے، اور اگر معین نہ کرے بلکہ کہے کہ للّٰہ علی صوم شھر تو تیس یوم کے روزے لازم ہوں گے۔

بغوی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ اللہ کے اس ارشاد: یایھا النبی قل لازواجك کے ذیل میں کہ نبی کی ازواج نے دنیا کے سامان اور نفقہ میں زیادتی کا مطالبہ کیا، اور آپ کو ایذاء پہنچائی بعض کی بعض پر غیرت کرنے کے ساتھ۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کو چھوڑ دیا اور قسم کھائی کہ ایک ماہ تک ان کے قریب نہیں جائیں گے۔ اور اپنے صحابہ کی طرف بھی نہیں نکلے تو صحابہ نے کہا کہ آپ کا معاملہ کیا ہے۔ وہ کہتے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق دے دی ہے، تو حضرت عمرؓ نے فرمایا، کہ میں تمہیں حضور صلی اللہ علیہ وسلم کے معاملہ کی ضرور خبر دوں گا۔ حضرت عمر رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس گیا۔ اور میں نے کہا کہ اللہ کے رسول! کیا آپؐ نے عورتوں کو طلاق دی ہے؟ فرمایا: نہیں، میں نے کہا کہ اللہ کے رسول میں مسجد میں داخل ہوا تو لوگ کہہ رہے تھے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی عورتوں کو طلاق دے دی ہے، تو میں جاؤں اور ان کو خبر دوں کہ آپؐ نے طلاق نہیں دی ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم فرمایا کہ ہاں اگر آپ چاہتے ہیں۔ پس میں مسجد کے دروازے پر کھڑا ہوا اور بلند آواز سے اعلان کیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے اپنی بیویوں کو طلاق نہیں دی ہے، اور اللہ نے آیت تخییر نازل کی۔

پھر امام بغوی رحمۃ اللہ علیہ نے معالم میں اپنی سند کے ساتھ زہری سے ذکر کیا ہے، کہ نبی صلی اللہ علیہ وسلم نے قسم کھائی تھی کہ وہ اپنی عورتوں کے پاس ایک ماہ تک نہیں جائیں گے۔ زہری کہتے ہیں کہ مجھے عروہ رحمۃ اللہ علیہ نے خبر دی کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے فرمایا کہ جب انتیس دن گزر گئے، میں شمار کر رہی تھی، تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم میرے پاس آئے، میں نے کہا اللہ کے رسولؐ! آپؐ نے قسم کھائی تھی کہ آپؐ ہمارے پاس ایک ماہ تک نہیں آئیں گے، اور آپؐ انتیس دن کے بعد آ گئے میں ایام شمار کر رہی ہوں، آپؐ نے فرمایا کہ مہینہ کبھی انتیس دن کا ہوتا ہے۔

آیتِ تخییر کا شانِ نزول

۳۲۴۹: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ دَخَلَ اَبُوْبَكْرٍ يَسْتَاْذِنُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم فَوَجَدَ النَّاسَ جُلُوْسًا بِبَابِهٖ لَمْ يُؤْذَنْ لِاَحَدٍ مِّنْهُمْ قَالَ فَاُذِنَ لِاَبِىْ بَكْرٍ فَدَخَلَ ثُمَّ اَقْبَلَ عُمَرُ فَاسْتَاْذَنَ فَاُذِنَ لَهٗ فَوَجَدَ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم جَالِسًا حَوْلَهٗ نِسَاءُهٗ وَاجِمًا سَاكِتًا قَالَ فَقُلْتُ لَاَقُوْلَنَّ شَيْئًا اُضْحِكُ النَّبِىَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم فَقَالَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ لَوْرَاَيْتَ بِنْتَ خَارِجَةَ سَاَلَتْنِى النَّفَقَةَ فَقُمْتُ اِلَيْهَا فَوَجَاْتُ عُنُقَهَا فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم وَقَالَ هُنَّ حَوْلِىْ كَمَا تَرٰى يَسْاَلْنَنِى النَّفَقَةَ فَقَامَ اَبُوْبَكْرٍ اِلٰى عَآئِشَةَ يَجَاُ عُنُقَهَا وَقَامَ عُمَرُ اِلٰى حَفْصَةَ يَجَاُ عُنُقَهَا كِلَاهُمَا يَقُوْلُ

تَسأَلِيْنَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم مَالَيْسَ عِنْدَهُ فَقُلْنَ وَاللّٰهِ لَا نَسْأَلُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم شَيْئًا اَبَدًا لَيْسَ عِنْدَهُ ثُمَّ اعْتَزَلَهُنَّ شَهْرًا اَوْتِسْعًا وَعِشْرِيْنَ ثُمَّ نَزَلَتْ هٰذِهِ الآيَةُ يَآيُّهَا النَّبِيُّ قُلْ لِاَزْوَاجِكَ حَتّٰى بَلَغَ لِلْمُحْسِنَاتِ مِنْكُنَّ اَجْرًا عَظِيْمًا قَالَ فَبَدَأَ بِعَائِشَةَ فَقَالَ يَا عَائِشَةُ اِنِّي اُرِيْدُ اَنْ اَعْرِضَ عَلَيْكِ اَمْرًا اُحِبُّ اَنْ لَّا تَعْجِلِيْ فِيْهِ حَتّٰى تَسْتَشِيْرِيْ اَبَوَيْكِ قَالَتْ وَمَاهُوَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ فَتَلَا عَلَيْهَا الآيَةَ قَالَتْ اَفِيْكَ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ اَسْتَشِيْرُ اَبَوَيَّ بَلْ اَخْتَارُاللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ وَالدَّارَ الآخِرَةَ وَاَسْأَلُكَ اَنْ لَّا تُخْبِرَ امْرَأَةً مِنْ نِسَائِكَ بِالَّذِيْ قُلْتُ قَالَ لَا تَسْأَلُنِيْ امْرَأَةٌ مِنْهُنَّ اِلَّا اَخْبَرْتُهَا اِنَّ اللّٰهَ لَمْ يَبْعَثْنِيْ مُعَنِّتًا وَلَا مُتَعَنِّتًا وَلٰكِنْ بَعَثَنِيْ مُعَلِّمًا مُيَسِّرًا۔ (رواہ مسلم)

اخرجه مسلم فی ۲/۲ ۱۱۰ الحديث رقم (۲۹-۱۴۷۸)۔

ترجمہ: ''اورحضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (جس زمانہ میں آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم اپنی بیویوں سے ایک مہینہ کی علیحدگی اختیار کئے ہوئے مکان میں گوشہ نشین تھے تو) ایک دن حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ تشریف لائے اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہونے کی اجازت کے طلب گار ہوئے انہوں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے دروازہ پر لوگوں کو جمع پایا۔ ان میں سے کسی ایک کو بھی (اندر آنے کی) اجازت نہ ملی تھی۔ راوی کہتے ہیں حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کو اجازت مل گئی اور وہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں چلے گئے پھر حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ آئے اور انہوں نے حاضر ہونے کی اجازت طلب کی ان کو بھی اجازت مل گئی چنانچہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ (جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے تو انہوں) نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو اس حالت میں پایا کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے اردگرد آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی ازواج بیٹھی ہوئی تھیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس وقت غمگین اور خاموش تھے۔ حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے (یہ صورت حال دیکھ کر اپنے دل میں) کہا کہ اس وقت مجھے کوئی ایسی بات کہنی چاہئے جس سے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑیں' چنانچہ انہوں نے کہا کہ ''یارسول اللہ! اگر آپ دیکھیں کہ خارجہ کی بیٹی (یعنی میری بیوی) مجھ سے روٹی پانی کا خرچ (معمول سے) زیادہ طلب کرے تو میں کھڑا ہو کر اس کی گردن پر مار لگاؤں''۔ (حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے یہ بات کچھ اس انداز سے کہی کہ) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ہنس پڑے اور پھر فرمایا کہ ''یہ (میری) عورتیں جنہیں تم میرے اردگرد بیٹھی دیکھ رہے ہو مجھ سے (معمول سے) زیادہ خرچ مانگ رہی ہیں (یہ سنتے ہی) حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کھڑے ہوئے اور اور اپنی صاحبزادی) حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی گردن پر مارنے لگے' اسی طرح حضرت عمر رضی اللہ عنہ بھی کھڑے ہوئے اور وہ بھی (اپنی صاحبزادی) حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا کی گردن پر مارنے لگے اور پھر ان دونوں (یعنی حضرت ابوبکر' حضرت عمر رضی اللہ عنہما) نے کہا کہ کیا تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس چیز کا مطالبہ کر رہی ہو جو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس موجود نہیں ہے (یعنی یہ بات کتنی غیر مناسب ہے کہ تم آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی مالی حالت جانتی ہو اور اس کے باوجود آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے اتنے خرچ کا مطالبہ کرتی ہو جس کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم پورا کرنے پر قادر نہیں ہیں کیا تمہارا یہ مطالبہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پریشانی میں مبتلا کرنے کے مترادف نہیں ہے؟) ان عورتوں نے کہا کہ ''(بے شک ہم نے بے جا

مطالبہ کیا تھا جس پر ہم نادم ہیں اور آئندہ کے لئے ہم عہد کرتی ہیں کہ) اللہ کی قسم! اب ہم کبھی بھی آپ ﷺ سے اس چیز کا مطالبہ نہیں کریں گی جو آپ ﷺ کے پاس نہ ہو"۔ لیکن (آپ ﷺ نے چونکہ علیحدگی کی قسم کھالی تھی اس لئے اس قسم کو پورا کرنے کے لئے) آپ ﷺ نے ایک مہینہ تک یا انتیس دن تک اپنی بیویوں سے علیحدگی اختیار کی (اس جگہ حدیث کے کسی راوی کو شک ہوا کہ حضرت جابر رضی اللہ عنہ نے یہاں ایک مہینہ کہا تھا یا انتیس دن کہا تھا) پھر یہ آیت: قُلْ لِّأَزْوَاجِكَ سے لِلْمُحْسِنٰتِ مِنْكُنَّ أَجْرًا عَظِيمًا تک نازل ہوئی! حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (اس آیت کے نازل ہونے کے بعد) آپ ﷺ نے سب سے پہلے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے رابطہ قائم کیا (کیونکہ تمام ازواج مطہرات میں وہی سب سے زیادہ عقل مند اور افضل تھیں) چنانچہ آپ ﷺ نے ان سے فرمایا کہ "اے عائشہ! میں تمہارے سامنے ایک بات پیش کرنا چاہتا ہوں لیکن ساتھ ہی میں اس بات کو بھی پسند کرتا ہوں کہ تم (اس کا جواب دینے میں) جلدی نہ کرو یہاں تک کہ اس کے بارے میں اپنے والدین سے مشورہ کرلو"۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ ﷺ! فرمائیے وہ کیا بات ہے؟ آپ ﷺ نے ان کے سامنے مذکورہ بالا آیت پڑھی' حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے (یہ آیت سن کر) کہا کہ یارسول اللہ ﷺ! کیا میں آپ ﷺ کے معاملہ میں اپنے والدین سے مشورہ لوں (یعنی مشورہ تو اس معاملہ میں کیا جاتا ہے جس میں کوئی تردد ہو' جب کہ اس معاملہ میں مجھے کوئی تردد نہیں ہے) بلکہ میں نے اللہ اور اللہ کے رسول اور آخرت کے گھر کو اختیار کرلیا ہے (یعنی میں اس معاملہ میں اللہ اور اس کے رسول کی مرضی وخواہش کے سامنے سرتسلیم خم کرتی ہوں کہ اسی میں میرے لئے دنیا کی بھی بھلائی ہے اور آخرت کی کامیابی بھی ہے) مگر میں آپ ﷺ سے یہ درخواست کرتی ہوں کہ (اس وقت) میں نے آپ ﷺ سے جو کچھ عرض کیا ہے اس کا ذکر اپنی کسی اور بیوی سے نہ کیجئے"۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (یہ بات ممکن نہیں ہے کیونکہ) اگر کوئی بیوی مجھ سے پوچھے گی تو میں اس کے سامنے (ضرور) ذکر کروں گا' اللہ تعالیٰ نے مجھے اس لئے نہیں بھیجا ہے کہ کسی کو رنج پہنچاؤں یا کسی کو خواہ مخواہ تکلیف میں مبتلا کروں بلکہ اللہ تعالیٰ نے مجھے (دینی و دنیوی) آسانی پیدا کرنے والا معلم (یعنی مخلوق خدا کو دین کے احکامات سکھانے والا) بنا کر بھیجا ہے"۔ (مسلم)

تشریح: قوله :دخل ابوبكر ...... ليس عنده:

فقال لأقولن شيئاً أضحك النبى ﷺ۔ :ایک نسخہ میں (فقال کے بجائے) فقلت ہے۔

أضحك النبى :ایک روایت میں (بصیغہ مضارع) "يضحك النبى" ہے۔

أضحك : ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ اور حاء کے کسرہ کے ساتھ ہے، اور ایک روایت میں يضحك ہے اس میں یہ احتمال ہے کہ یہ اضحاك سے ہو، اور نسبت مجازی ہو، اور یہ بھی ہے جبکہ ضحك سے ہو اور تقدیری عبارت اس طرح ہو، يضحك به النبىّ۔

اضحك النبىّ : مراد اس سے خوشی کا حصول اور انشراح اور کدورت کا ختم ہونا ہے مزاح کے ساتھ۔

فأذن لأبی بكر : ''أذن'' ہمزہ کے ساتھ ہے اور فتحہ بھی دیا جاتا ہے۔

واجما : حزین کے معنیٰ میں ہے۔ پریشان۔ نہایہ میں ہے کہ ''واجم'' اس شخص کو کہتے ہیں جسے پریشانی نے خاموش کردیا ہو اور غم نے بیمار کردیا ہو۔

جأت : ہمزہ کے ساتھ۔ مغرب میں ہے ''وجا'' ہاتھ سے مارنے کو کہتے ہیں۔ کہا جاتا ہے ''وجاہ فی عنقه'' باب منع سے ہے۔

طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''وجا'' ضرب کو کہتے ہیں لیکن عرب لفظ ضرب سے احتراز کرتے ہیں اس لئے لفظ ''وجأ'' کی طرف عدول کیا ہے۔ قاموس میں ہے: ''وجاہ بالید والسكين كوضعه ضربه''، (انتھیٰ)۔ اور ''وجأ'' بمعنیٰ الدق ''کوٹنا'' بھی آتا ہے، جیسا کہ نہایہ میں ہے۔

یستأذن علی رسول الله ﷺ : حال ہے یا استئناف بیان ہے۔ **جلوسًا** : جالسین یا ذوی جلوس کے معنیٰ میں ہے۔

حوله نساءه : شاید یہ پردے کے حکم سے پہلے کا ہو۔

امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ اس طرح کرنا مستحب ہے۔ اور جب انسان اپنے ساتھی کو پریشان دیکھے تو اس کے ساتھ باتیں کریں یہاں تک کہ اس کو ہنسا دے، یا اس کو مشغول کردے۔ اور اس کے دل کو خوش کردے، (انتھیٰ)۔ سہروردی رحمہ اللہ نے آداب المریدین میں حضرت علیؓ سے روایت کیا ہے کہ نبیؐ اپنے صحابہ میں سے جب کسی کو پریشان دیکھتے تو اس کو خوش کرتے تھے ہنسی مذاق کے ساتھ۔

قوله: اعتزلهن شهرا او تسعا وعشرين : صحیح ثانی ہے شاید راوی کو خبر نہ پہنچی ہو اس لئے اس میں متردد ہیں۔ وہ مکمل آیت یوں ہے: ﴿یا ایها النبی قل لأ زواجك ان كنتن تردن الحياة الدنيا وزينتها فتعالين امتعكن واسرحكن سراحًا جميلاً وان كنتن تردن الله ورسوله والدار الاخرة فان الله اعد للمحسنات منكن اجرًا عظيمًا﴾ [سورة الأحزاب: ۳۸-۳۹] (تم اگر دنیوی زندگی اور اس کی بہار چاہتی ہو، تو آؤ میں تم کو کچھ متاع دے دوں اور تم کو خوبی کے ساتھ رخصت کروں، اور اگر تم اللہ کو چاہتی ہو، اور اس کے رسول کو اور عالم آخرت کو تو تم میں سے نیک کرداروں کے لئے اللہ تعالیٰ نے اجر عظیم مہیا کر رکھا ہے)۔

قوله: قال: فبدا لعائشه ...... والدار الآخرة:

حتى تستشيری ابويك : ان کی صغرسنی کی وجہ سے یہ خوف تھا کہ کہیں وہ زینت دنیا کو اختیار نہ کریں۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے ایک روایت میں ہے کہ آپ کو معلوم تھا کہ میرے والدین آپؐ سے جدائی کا حکم مجھے نہیں دیں گے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ آپؐ حضرت عائشہ پر شفقت کی وجہ سے ''لا تعجلی'' فرمایا، اور ان کے والدین پر اور ان کی خیر خواہی کیلئے، حضرت عائشہؓ کا آپؐ کے پاس رہنے میں۔ اس لئے کہ آپؐ کو ڈر تھا کہ کہیں ان کی کم عمری اور قلت تجربہ ان کو جدائی کے اختیار کرنے پر نہ ابھارے ان کو اور ان کے والدین کو نقصان ہوگا۔ اور باقی عورتوں کو ان کی اقتداء کی وجہ سے نقصان ہو جائے گا۔

قالت أفيك : یعنی تیرے فراق یا تیرے وصال یا تیرے حق میں۔

استشير ابوی : کیونکہ مشورہ صحیح فیصلہ کرنے میں تردد کی فرع ہے۔

اختار الله...... : اس کلام میں اشارہ ہے کہ دنیاوی زندگی کی زینت اور دار آخرۃ کی طلب دونوں ایک ساتھ کامل طریقے سے جمع نہیں ہو سکتے۔ اسی وجہ سے آپؐ نے فرمایا، جس نے اپنی دنیا کو پسند کیا تو اپنی اخرت کو نقصان پہنچایا، اور جس نے آخرت کو پسند کیا تو اس نے اپنی دنیا کو نقصان پہنچایا، پس ترجیح دو باقی رہنے والی کو ختم ہونے والی ہے۔

وأسالك ان لا تخبر...... : یعنی حضرت عائشہ ﷞ کا ارادہ یہ تھا کہ وہ دنیا کو اختیار کر لیں تا کہ دنیا میں آپ کا وصال خالص اور عقبیٰ کا کمال حاصل ہو جائے۔

الا أخبرتها : تا کہ میں ان کی اعانت کروں مختار چیز کے اختیار کرنے پر۔

ميسرًا : یعنی کام کو آسان بنانے والا اور ایک نسخہ میں ''مبشرًا'' ہے، یعنی خوشخبری دینے والا اس کو جو ایمان لائے جنت پر' اس کی نعمتوں پر اور اس کو جو اللہ اور رسول کو اور دار آخرت کو پسند کرے عظیم اجر کی۔

قتادہ فرماتے ہیں جب انہوں نے اللہ اور رسول ﷺ کو پسند کیا، تو اللہ نے ان کی قدر دانی کی آپؐ کو ان پر مقصور کر دیا اور فرمایا کہ اس کے بعد آپ کے لئے اور عورتوں سے نکاح کرنا جائز نہیں ہے۔ (جیسا کہ اس کو بغوی نے ذکر کیا ہے)۔

قوله :حديث:

امام نووی ﷫ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ امام، قاضی وغیرہ بعض اوقات اپنی اہم ضروریات کی خاطر دربان رکھ سکتا ہے۔ آپؐ کی غالب عادت دربان نہ رکھنے کی تھی' اس دن ضرورت کے تحت دربان رکھا۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ کسی انسان کے گھر میں جانے سے پہلے اجازت لینا ضروری ہے۔ اور یہ بھی معلوم ہوا کہ اجازت لینے میں دوست اور غیر میں کوئی فرق نہیں ہے۔ اور یہ کہ آدمی کو اپنی اولاد کی تادیب کا حق حاصل ہے، اگر چہ وہ بڑی ہو کر اپنے گھر کی ہو چکی ہو۔ اور اس سے آپ ﷺ کی دنیا کے ساتھ کم تعلق رکھنا اور آپؐ کا زہد معلوم ہوتا ہے۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ شوہر کیلئے اپنے مخصوص کمرے میں رہنا جائز ہے۔ اور اس سے صحابہ کی طلب علم کی حرص معلوم ہوتی ہے۔ اور اس سے معلوم ہوا کہ شوہر کیلئے اپنی بیوی کو اختیار دینا اور اس سے الگ ہو کر دوسرے گھر میں رہنا جائز ہے۔

یہ حدیث امام مالک، امام شافعی، امام ابوحنیفہ' امام احمد اور جمہور کے مذہب کی دلیل ہے کہ جس شخص نے اپنی بیوی کو اختیار دیا اور بیوی نے اپنے خاوند ہی کو اختیار کیا، تو اس سے طلاق واقع نہ ہوگی اور نہ جدائی واقع ہوگی۔ حضرت علیؓ، زید بن ثابت' حسن بصری، اور لیث سے مروی ہے کہ نفس تخییر سے ایک طلاق بائن واقع ہو جاتی ہے۔ چاہے وہ شوہر کو اختیار کرے یا نہ کرے۔ اور شاید ان قائلین کو یہ حدیث نہ پہنچی ہو، (انتھی)۔ اس مسئلے کا مزید بیان آگے آئے گا ان شاء اللہ۔

باری کے سلسلہ میں آپ کو اختیار

۳۲۵۰: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كُنْتُ اَغَارُ عَلَى اللَّاتِيْ وَهَبْنَ اَنْفُسَهُنَّ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ

وَسَلَّم فَقُلْتُ اَتَهَبُ الْمَرْاَةُ نَفْسَهَا فَلَمَّا اَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى تُرْجِىْ مَنْ تَشَاءُ مِنْهُنَّ وَتُؤْوِىْ اِلَيْكَ مَنْ تَشَاءُ وَمَنِ ابْتَغَيْتَ مِمَّنْ عَزَلْتَ فَلَاجُنَاحَ عَلَيْكَ قُلْتُ مَااَرٰى رَبَّكَ اِلَّايُسَارِعُ فِىْ هَوَاكَ۔

(متفق علیہ)

اخرجه البخاری فی صحیحه ٥٢٤/٨ الحدیث رقم ٤٧٨٨ومسلم فی ١٠٨٥/٢ الحدیث رقم (٤٩-١٤٦٤) والنسائی فی السنن ٥٤/٦ الحدیث رقم ٣١٩٩وابن ماجه فی ٦٤٤/١ الحدیث رقم ٢٠٠٠ واحمد فی المسند ١٣٤/٦۔

ترجمہ: ''اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں ان عورتوں کو اچھی نظر سے نہیں دیکھتی تھی جنہوں نے اپنے نفس کو رسول اللہ ﷺ کے لئے ہبہ کر دیا تھا۔ چنانچہ میں نے کہا کہ کوئی عورت اپنا نفس ہبہ کر سکتی ہے؟ پھر جب اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی: ''(اے محمد ﷺ) ان عورتوں میں سے جس کو آپ ﷺ چاہیں علیحدہ کر دیں اور جس کو چاہیں اپنے پاس جگہ دیں اور جن عورتوں کو آپ (ﷺ) نے علیحدہ کر دیا ہے اگر ان میں سے بھی کسی کو آپ ﷺ بلائیں تو کوئی گناہ نہیں''۔ تو میں نے (آپ ﷺ سے) عرض کیا کہ میں آپ کے پروردگار کو دیکھتی ہوں کہ آپ (ﷺ) کا وہ آپ ﷺ کی مرضی وخواہش کو جلد پورا کر دیتا ہے''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: قوله :فقلت اتهب المرأة نفسها...... : اور ایک روایت میں ہے:''أما تستحي المرأة ان تهب نفسها للرجل''۔

ترجی : ہمزہ کے ساتھ اور یاء کے ساتھ دونوں متواتر قراءتیں ہیں۔ یہ ''ارجا'' سے مشتق ہے مہموز ہے یا منقوص ہے مؤخر کرنا، چھوڑنا اور دور کرنا ما أری: ہمزہ کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ۔

الا یسارع : عموم احوال سے استثناء ہے۔

قوله: کنت...... وهبن انفسهن : علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ میں نے ان پر عیب لگایا اس لئے کہ جس نے غیرت کی اس نے عیب لگایا۔ تاکہ عورتیں اپنے نفسوں کو آپ کے لئے ہبہ نہ کریں اور آپ کی عورتیں زیادہ نہ ہوں' اور آپ ان پر مقصور رہیں جو آپ کے نکاح میں ہیں، (انتھی)۔ اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ حضرت عائشہ ان پر عیب اس لئے لگاتی تھیں کہ ہبہ کرنا ان کی حرص اور قلت حیاء پر دال تھا۔ کہ انہوں نے جنس عورتوں کی طبیعت کی مخالفت کی کہ عورتیں اپنے میلان کو بہت کم ظاہر کرتی ہیں۔ ان عورتوں کی طرف سے نفس کا ہبہ کرنا محمود تھا آپ کے درجہ کی وجہ سے۔ اور ہم نے جو بات ذکر کی اس پر حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا یہ قول ''فقلت أتهب...... ''دلالت کر رہا ہے۔

وتؤوی الیك من تشاء : یعنی جس کو طلاق دینا چاہیں اور جس کو اپنے پاس رکھنا چاہیں یا آیت کا معنیٰ ہے کہ امت کی عورتوں میں سے جس کے ساتھ شادی کرنا نہ چاہیں اور جس کے ساتھ چاہیں ان کے ساتھ کر لیں۔

امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ زیادہ صحیح یہ ہے کہ یہ آیت اللہ کے اس ارشاد کے لئے ناسخ ہے: ﴿ولا یحل لك النسآء من بعد﴾ [الاحزاب:٥٢]

اس لئے کہ صحیح یہ ہے کہ وفات سے پہلے آپ کیلئے دوسری عورتوں کے ساتھ نکاح کرنا حلال کردیا گیا تھا۔ بغوی فرماتے ہیں کہ مشہور قول کے مطابق یہ آیت ازواج کے درمیان قسم میں برابری کے بارے میں نازل ہوئی ہے کہ اس سے پہلے آپ پر برابری واجب تھی جب یہ آیت نازل ہوئی تو آپ سے اس کا وجوب ساقط ہوگیا۔ اور ان کے بارے میں آپ کو برابری میں اختیار دیا گیا۔

فلا جناح علیك : پس اللہ نے برابری کو ترک کرنا مباح کردیا' یہاں تک کہ آپؐ کے لئے جائز تھا کہ جس کو چاہتے اس کی باری میں پیچھے کردیتے اور ان میں سے جس کے ساتھ چاہتے مقاربت فرماتے اس کے باری کے بغیر۔ اور اپنے بستر پر لاتے اس کو جس کو پہلے الگ کردیا تھا۔ یہ آپ کی فضیلت تھی تمام مردوں پر۔

فی هواك : یعنی آپ تک پہنچادیتے ہیں جلدی جس چیز کی آپ تمنا کریں۔ نووی فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ آپؐ پر تخفیف کردیتے ہیں اور امور میں وسعت پیدا کردیتے ہیں، اسی وجہ سے آپ کو اختیار دیا ہے۔ (انتھیٰ)

نبیؐ کے لئے اپنے آپ کو ہبہ کرنے والی بعض نے کہا ہے کہ میمونہ تھی بعض کے مطابق ام شریک تھی اور بعض کے مطابق زینب بنت خزیمہ تھی اور کہا گیا ہے کہ خولہ بنت حکیم تھی۔ اس حدیث سے معلوم ہوتا ہے کہ ہبہ کرنے والی پوری ایک جماعت تھی اور یہ اللہ کے اس قول کے منافی نہیں ہے: [**وامرأة مؤمنة ان وهبت نفسها للنبی**][الاحزاب۔۵۰] اس لئے کہ نکرہ سے کبھی عموم بھی مراد ہوتا ہے۔ واللہ اعلم۔

قوله : و حدیث جابر :اتقوا الله:

فی النساء...... : یعنی عورتوں کے حق میں اللہ کی مخالفت یا اس کے عقاب سے ڈرو اور تخصیص ان کی کمزوری کی وجہ سے کیا ہے۔

ذکر فی قصة...... : یعنی ایک لمبی حدیث کے ضمن میں ذکر کیا ہے۔ یہاں اس کا ذکر تکرار ہوگا، اس لئے مصنف نے اس کو ساقط کردیا ہے اور اس پر تنبیہ کردی۔

الفصل الثالث:

باہمی تسابق کا حکم

۳۲۵۱ : عَنْ عَآئِشَةَ اَنَّهَا كَانَتْ مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي سَفَرٍ قَالَتْ فَسَابَقْتُهُ فَسَبَقْتُهُ عَلٰى رِجْلَيَّ فَلَمَّا حَمَلْتُ اللَّحْمَ فَسَابَقْتُهُ فَسَبَقَنِيْ قَالَ هٰذِهٖ بِتِلْكَ السَّبْقَةِ (رواہ ابوداود)

اخرجه ابوداؤد فی السنن ۶۵/۳ الحديث رقم ۲۵۷۸ وابن ماجه فی ۶۳۶/۱ الحديث رقم ۱۹۷۹، واحمد فی المسند ۳۹/۶۔

ترجمہ: ''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ وہ ایک سفر میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے ہمراہ تھیں' وہ کہتی ہیں

کہ (اس سفر میں ایک موقع پر) میں نے آپ ﷺ کے ساتھ دوڑ کا مقابلہ کیا (یعنی ہم دونوں نے دوڑ میں باہم مقابلہ کیا) اور میں آپ ﷺ سے آگے نکل گئی پھر جب میں (عرصۂ دراز کے بعد) فربہ ہوگئی تو پھر میں نے آپ ﷺ سے (دوڑ میں) مقابلہ کیا اور اس مرتبہ آپ ﷺ مجھ سے آگے نکل گئے چنانچہ آپ ﷺ نے فرمایا کہ "یہ اس سبقت کا بدلہ ہوگیا (یعنی پہلی مرتبہ تم جیت گئی تھیں اس مرتبہ میں جیت گیا لہٰذا دونوں برابر رہے)"۔ (ابوداؤد)

تشریح: قوله :انها كانت مع رسول الله ﷺ في سفر……

طیبی کہتے ہیں کہ یہ حال ہے "سابقته" کے فاعل سے تقدیری عبارت یوں ہے: عدوا علی رجلی.

علی رجلی : طیبی فرماتے ہیں کہ اس کے زیادہ کرنے کا فائدہ نفس مذاق کو بیان کرنا ہے، جیسے کہا جاتا ہے: "اخذت بیدی" میں نے اپنے ہاتھ سے پکڑا۔ "مشیت برجلی" اپنے پاؤں سے چلا۔ "نظرت بعینی" اپنی آنکھ سے دیکھا۔ اور اس حدیث میں آپ ؐ کے حسن اخلاق اور اپنی بیویوں کے ساتھ مہربانی کا بیان ہے تاکہ اس میں آپ کی اقتداء کی جائے۔

بتلك السبقة : مراد حسن معاشرت ہے۔

قاضی خان کہتے ہیں کہ چار چیزوں میں مقابلہ جائز ہے: (۱) اونٹوں کی دوڑ میں (۲) گھوڑ دوڑ میں (۳) تیراندازی میں (۴) پیدل دوڑنے میں۔

جائز ہے اگر بدل ایک جانب سے ہو، بایں طور کہ وہ کہے اگر میں نے مقابلہ جیت لیا تو میرے لئے یہ ہوگا، اور اگر تو نے جیت لیا تو تیرے لئے کچھ نہ ہوگا۔ اگر بدل کی شرط دونوں جانب سے لگائی تو وہ حرام ہے اس لئے کہ یہ جوا ہے۔ (مثلاً) وہ اپنے درمیان محلل کو داخل کردیں، اور ہر ایک کہے کہ اگر آپ نے مقابلہ جیت لیا تو آپ کے لیے یہ ہوگا اور اگر میں نے جیت لیا تو میرے لئے یہ ہوگا اور اگر تیسرے نے جیت لیا تو اس کے لئے کچھ نہ ہوگا۔ تو یہ جائز اور حلال ہے، جائز ہونے سے مراد پاک ہے نہ کہ استحقاق، اس لئے کہ اس کی وجہ سے وہ اس کا مستحق نہیں بنتا۔ جو حکام کرتے ہیں وہ جائز ہے، کہ وہ دو آدمیوں سے کہتے ہیں کہ تم میں سے جو جیتا اس کے لئے اتنا انعام ہوگا۔ ان چار اشیا میں مقابلہ کو جو جائز قرار دیا ہے، یہ اس لئے کہ ان کے بارے میں آثار وارد ہیں اور ان کے علاوہ کے بارے میں آثار وارد نہیں ہوئے ہیں۔

سب سے بہتر وہ ہے جو اپنے اہل کے لئے بہتر ہے

۳۲۵۲: وَعَنْهَا قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَيْرُكُمْ خَيْرُكُمْ لِاَهْلِهٖ وَاَنَا خَيْرُكُمْ لِاَهْلِيْ وَاِذَا مَاتَ صَاحِبُكُمْ فَدَعُوْهُ (رواه الترمذی والدارمی)

اخرجه الترمذی فی السنن ۶۶۶/۵ الحدیث رقم ۳۵۹۵ والدارمی فی ۲۱۲/۲ الحدیث رقم ۲۲۶۰۔

ترجمہ: "اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تم میں بہترین شخص وہ ہے جو اپنے اہل (بیوی بچوں' اقرباء اور خدمت گاروں) کے حق میں بہترین ہو اور میں اپنے اہل کے حق میں تم سب سے بہتر ہوں۔ (یعنی اپنے اہل وعیال سے جتنا بہتر سلوک میں کرتا ہوں اتنا اپنے اہل وعیال کے ساتھ بہتر سلوک تم میں

سے کوئی بھی نہیں کرتا) اور جب تمہارا کوئی ساتھی مر جائے تو اس کو چھوڑ دو (یعنی اس کے مر جانے کے بعد اس کی برائیاں نہ کرو)۔'' (ترمذی ودارمی)

تشریح: قوله :خیر کم :خیر کم لاهله : کیونکہ یہ اچھے اخلاق پر دلالت کرتا ہے۔ اور اہل زوجات اور دیگر اقارب بلکہ اجانب کو بھی شامل ہے اس لئے کہ وہ اس کے اہل زمانہ ہیں۔

وانا خیر کم لا هلی...... : کیونکہ آپؐ اعلیٰ اخلاق کے حامل تھے۔

اذا مات صاحبکم: فدعوه : یعنی اس کی برائیوں کا ذکر چھوڑ دو اس لئے کہ اس کا چھوڑنا بہترین اخلاق میں سے ہے۔ آپ نے زندوں اور مردوں کے ساتھ اچھے برتاؤ اور حسن معاملہ کی طرف راہنمائی کی ہے۔ اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے جس میں ہے: ''اپنے مردوں کو اچھائی کے ساتھ یاد کرو''۔

اور کہا گیا ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ جب مر جائے تو اس کی محبت اور اس پر رونا اور اس کے ساتھ تعلق چھوڑ دو۔

بہتر یہ ہے کہ یوں کہا جائے کہ اس کو اللہ کی رحمت کی طرف چھوڑ دو، اسلئے کہ جو کچھ اللہ کے پاس ہے وہ نیکوں کے لئے بہتر ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد آپ کا اپنا نفس ہے یعنی مجھ پر حسرت اور غم چھوڑ دو۔ اس لئے کہ اللہ تعالیٰ فوت شدہ کا خلیفہ ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا مطلب ہے کہ جب میں مر جاؤں تو مجھے چھوڑ دو اور مجھے ایذاء نہ پہنچاؤ، میری اولاد اہل بیت اور میرے صحابہ اور میرے دین کی اتباع کرنے والوں کو ایذاء پہنچانے کے ذریعے۔

۳۲۵۳: وَرَوَاهُ ابْنُ مَاجَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اِلٰى قَوْلِهٖ لِاَهْلِيْ۔

اخرجه ابن ماجه فی السنن ۱/۶۳۶ الحديث رقم ۱۹۷۷۔

ترجمہ: اور ابن ماجہ نے اس روایت کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے لفظ لِاَهْلِيْ تک نقل کیا ہے''۔

تشریح: قوله :الی قوله لاهلی : اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دو احادیث ملایا ہے۔ لہٰذا ان میں مناسبت تلاش نہ کی جائے۔ اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ علامہ سیوطی نے یہ صرف اسی ذکر کی ہے اور کیا ہے: روی الترمذی عن عائشة وابن ماجه عن ابن عباس والبرانی عن معاوية حاکم کی روایت میں ابن عباس سے یہ الفاظ مروی ہیں: ،خیر کم خیر کم للنسآء ,اور حضرت ابو ہریرہ سے ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے: خیر کم خیر کم لاهلی من بعدی.

(الی قوله لاهلی): اس سے معلوم ہوتا ہے کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے دو احادیث ملائے ہیں لہٰذا ان میں مناسبت تلاش نہ کی جائے۔ اور اس کی تائید اس سے ہوتی ہے جو علامہ سیوطی نے یہ مقدار ذکر فرمایا روی الترمذی عن عائشه. وابن ماجه عن ابن عباس وطبرانی عن معاوية.

عورت کے ذمہ چار کام

۳۲۵۴: وَعَنْ اَنَسٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْمَرْأَةُ اِذَا صَلَّتْ خَمْسَهَا وَصَامَتْ شَهْرَهَا وَاَحْصَنَتْ فَرْجَهَا وَاَطَاعَتْ بَعْلَهَا فَلْتَدْخُلْ مِنْ اَيِّ اَبْوَابِ الْجَنَّةِ شَاءَتْ۔

رواه ابو نعيم في الحلية۔

ترجمہ: ''اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو عورت (اپنی پاکی کے دنوں میں پابندی کے ساتھ) پانچوں وقت کی نماز ادا کرے' رمضان کے (ادا اور قضاء) روزے رکھے' اپنی شرم گاہ کی حفاظت کرے (یعنی فواحش اور بری باتوں سے اپنے نفس کو محفوظ رکھے) اور اپنے شوہر کی (ان چیزوں میں) فرمانبرداری کرے (جن میں فرمانبرداری کرنا اس کے لئے ضروری ہے) تو (اس عورت کے لئے یہ بشارت ہے کہ) وہ جنت کے جس دروازہ سے چاہے داخل ہو جائے''۔ اس روایت کو ابو نعیم نے حلیۃ الابراء میں نقل کیا ہے۔

تشریح: خمسها اور اضافت ادنی ملابست کی وجہ سے ہے۔

من ای ابواب الجنة شاءت : اشارہ ہے کہ جنت میں داخل ہونے سے کوئی مانع نہیں ہے اور جنت جلد حاصل ہوگی۔

وجوبِ اطاعت میں مبالغہ

۳۲۵۵: وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْ كُنْتُ اٰمُرُ اَحَدًا اَنْ يَسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا۔ (رواه الترمذی)

اخرجه الترمذی فی السنن ۴۶۵/۳ الحدیث رقم ۱۱۵۹۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگر میں کسی کو یہ حکم دیتا کہ وہ کسی (غیر اللہ) کو (بطورِ تعظیم) سجدہ کرے تو یقیناً عورت کو حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے''۔ (ترمذی)

تشریح: **ان یسجد لاحد** : سجدہ میں کامل انقیاد ہوتا ہے۔

ان تسجد لزوجها : چونکہ شوہر کے حقوق زیادہ ہیں اور عورت اس کے شکر سے عاجز ہے اور اس میں غایت مبالغہ ہے عورت پر شوہر کی اطاعت کے وجوب کا۔ اس لئے کہ سجدہ اللہ کے علاوہ کسی کے لئے جائز نہیں ہے۔

قاضی خان فرماتے ہیں کہ اگر کسی نے بادشاہ کو سجدہ کیا اور اس کا قصد تعظیم و تحیہ ہو نہ کہ عبادت' تو یہ کفر نہیں ہے۔ اور اس کی اصل فرشتوں کا سجدہ ہے آدم علیہ السلام کو اور حضرت یوسفؑ کے بھائیوں کا سجدہ ہے ان کو۔

خاوند کی اطاعت کا بدلہ

۳۲۵۶: وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اَيُّمَا اِمْرَاَةٍ مَا تَتْ وَزَوْجُهَا عَنْهَا رَاضٍ دَخَلَتِ الْجَنَّةَ. (رواه الترمذی)

اخرجه الترمذی فی السنن ٤٦٦/٣ الحديث رقم ١١٦١ وابن ماجه فی ٥٩٥/١ الحديث رقم ١٨٥٤۔

ترجمہ: ''اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو عورت اس حال میں مرے کہ اس کا خاوند اس سے راضی وخوش ہو تو وہ جنت میں داخل ہوگی''۔ (ترمذی)

تشریح: اس لئے کہ اس نے حقوق اللہ اور حقوق العباد دونوں کی رعایت رکھی۔

خاوند کی حاجت کا پورا کرنا بیوی کا فریضہ

۳۲۵۷: وَعَنْ طَلْقِ بْنِ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اِذَا الرَّجُلُ دَعَا زَوْجَتَهٗ لِحَاجَتِهٖ فَلْتَاتِهٖ وَاِنْ كَانَتْ عَلَى التَّنُّوْرِ. (رواه الترمذی)

اخرجه الترمذی فی السنن ٤٦٥/٣ الحديث رقم ١١٦٠ وابن ماجه فی المسند ٢٣/٤۔

ترجمہ: ''اور حضرت طلق بن علی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی شخص اپنی بیوی کو اپنی حاجت پوری کرنے کے لئے (یعنی جماع کے لئے) بلائے تو اس کو شوہر کے پاس جانا چاہئے اگر چہ وہ چولہے کے پاس ہی ہو''۔ (ترمذی)

تشریح: اذا الرجل دعا زوجته: یہ ترکیب [اذا الشمس کورت] کے قبیل سے ہے۔

لحاجته: یعنی اپنی اس حالت کے لئے جو اس کے ساتھ خاص ہے۔ یہ کنایہ ہے جماع سے۔

وان کانت علی التنور: اگر چہ وہ تنور پر روٹیاں پکا رہی ہو۔ ابن الملک فرماتے ہیں کہ یہ اس شرط کے ساتھ ہے کہ وہ روٹیاں شوہر کی ہوں اس لئے کہ جب اس نے عورت کو اس حالت میں بلایا ہے تو وہ اپنے مال کے تلف ہونے پر راضی ہے اور مال کا تلف ہونا، باوجودیکہ یہ ایک ایسی مصروفیت ہے کہ اس سے فارغ ہونے سے پہلے کسی کام کے لئے فارغ نہیں ہوا جا سکتا زنا میں پڑنے سے آسان ہے۔

تخریج: رواہ الترمذی، و کذا النسائی. بزار نے اس حدیث کو زید بن ارقم سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

اذا دعا الرجل امرأته الی فراشه فلتجب وان کانت علی ظهر قتب.

حور کی بد دُعا

۳۲۵۸:وَعَنْ مُعَاذٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُؤْذِىْ امْرَأَةٌ زَوْجَهَا فِي الدُّنْيَا اِلَّا قَالَتْ زَوْجَتُهُ مِنَ الْحُوْرِ الْعِيْنِ لَا تُؤْذِيْهِ قَاتَلَكِ اللّٰهُ فَاِنَّمَا هُوَ عِنْدَكِ دَخِيْلٌ يُوْشَكُ اَنْ يُفَارِقَكِ اِلَيْنَا

(رواه الترمذی وابن ماجة وقال الترمذی هذا حديث غريب)

اخرجه الترمذی فی السنن ۴۷۶/۳ الحديث رقم ۱۱۷۴ وابن ماجه فی ۶۴۹/۱ الحديث رقم ۲۰۱۴ واحمد فی المسند ۲۴۲/۵۔

ترجمہ:''اورحضرت معاذ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب کوئی عورت دنیا میں اپنے شوہر کو ایذا پہنچاتی ہے تو اس کی (جنت والی) بیوی یعنی بڑی آنکھوں والی حور کہتی ہے کہ اللہ تجھے ہلاک کرے (یعنی اللہ تجھے جنت اور اپنی رحمت سے دور رکھے) اپنے شوہر کو تکلیف نہ پہنچا کیونکہ وہ (دنیا میں) تیرے پاس تیرا مہمان ہے جو عنقریب تجھ سے جدا ہو کر ہمارے پاس (جنت میں) چلا آئے گا''۔ (ترمذی) امام ترمذیؒ نے فرمایا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے''۔

تشریح: لا تؤذی :صیغہ نفی ہے۔

لا تؤذیہ :صیغہ نہی ہے۔

یہ حدیث اور حدشوہر کی نافرمان بیوی پر ملائکہ کی لعنت والی دلالت کر رہی ہے کہ ملأ اعلیٰ کو اہل دنیا کے اعمال کا علم ہوتا ہے۔

بیوی کے حقوق

۳۲۵۹:وَعَنْ حَكِيْمِ بْنِ مُعَاوِيَةَ الْقُشَيْرِيِّ عَنْ اَبِيْهِ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا حَقُّ زَوْجَةِ اَحَدِنَا عَلَيْهِ قَالَ اَنْ تُطْعِمَهَا اِذَا طَعِمْتَ وَتَكْسُوْهَا اِذَا كْتَسَيْتَ وَلَا تَضْرِبِ الْوَجْهَ وَلَا تُقَبِّحْ وَلَا تَهْجُرْ اِلَّا فِي الْبَيْتِ . (رواه احمد وابوداود وابن ماجة)

اخرجه ابوداؤد فی السنن ۶۰۶/۲ الحديث رقم ۲۱۴۲ وابن ماجه فی ۵۹۳/۱ الحديث رقم ۱۸۵۰ واحمد فی المسند ۴۴۶/۴۔

ترجمہ:''اور حضرت حکیم بن معاویہ قشیری اپنے والد سے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ! ہم میں سے کسی کی بیوی کا اسکے شوہر پر کیا حق ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: یہ کہ جب تم کھاؤ اس کو بھی کھلاؤ' جب تم پہنو تو اس کو بھی پہناؤ (یعنی جس طرح تم کھاؤ پہنو اسی طرح اپنی بیوی کو بھی کھلاؤ پہناؤ)۔ اس کے چہرے پر نہ مارو نہ اس کو برا کہو (ناراضگی پر) اس سے صرف گھر کے اندر ہی علیحدگی اختیار کرو''۔

(احمد' ابوداؤد' ابن ماجہ)

تشریح: قوله :ان تطعمها ...... اذا اكتسيت :

اذا طعمت : بعض شراح نے کہا ہے کہ یہ تاء مخاطبہ کے ساتھ ہے نہ کہ تاء تانیث کے ساتھ، اور اس طرح ''اذا اکتسیت''۔ ان دونوں میں تاء تانیث غلط ہے، روایۃً بھی اور درایۃً بھی۔

لا تقبح : باء کی تشدید کے ساتھ ہے۔

تکسو : نصب کے ساتھ ہے۔

اذا طعمت : علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ اس میں غائب سے مخاطب کی طرف التفات ہے۔ اطعام اور کسوہ میں اہتمام مقصود ہے، ورنہ قیاس کا تقاضا ہے کہ یوں کہتے: **ان یطعمها اذا طعم.**

یہ خطاب عام ہے ہر شوہر کو شامل ہے۔ اور مطلب یہ ہے کہ جب آپ اپنے لئے کھانے اور لباس پر قادر ہوں، تو آپ پر لازم ہے کہ اس کو بھی کھلائیں اور پہنائیں۔

قوله: ولا تضرب الوجه :

کیونکہ یہ اعضاء میں عظیم اور زیادہ ظاہر ہے۔ یہ شریف اجزاء اور باریک اعضاء پر مشتمل ہے۔ اور چہرے کے علاوہ اعضاء پر مارنا جائز ہے جب اس سے کوئی فحاشی ظاہر ہو جائے یا کوئی فریضہ چھوڑ دے۔

شرح السنہ میں ہے کہ اس حدیث میں دلالت ہے عورت کی مار کے جواز پر چہرے کے علاوہ۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں گویا کہ یہ حدیث قرآن کے اس حکم کو بیان کر رہی ہے: **فاضربوا هن** [النساء: ٣٤]

ابن الملک فرماتے ہیں کہ نبی نے چہرے پر مارنے سے عمومی ممانعت فرمائی ہے یعنی دوسری حدیث میں اور اس حدیث سے بھی عموم معلوم ہو رہا ہے کہ **الوجه** فرمایا ہے **وجهها** نہیں فرمایا۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے شوہر چار چیزوں کی وجہ سے عورت کو مارنے کا حق رکھتا ہے:

پہلی چیز ترک زینت ہے جب شوہر زینت چاہے۔

دوسری چیز جب وہ جماع کے لئے بلائے اور وہ قبول نہ کرے، اور وہ طھارت کی حالت میں ہو۔

تیسری چیز نماز چھوڑنا ہے، بعض روایات کے مطابق۔ امام محمد سے روایت ہے کہ نماز کے چھوڑنے پر مارنے کا اختیار نہیں ہے، اور حیض و جنابت سے غسل کو ترک کرنا بمنزلہ نماز کے چھوڑنے کے ہے۔

چوتھی چیز گھر سے اجازت کے بغیر نکلنا ہے۔

قوله :ولا تهجر الا في البيت : یعنی اس کو چھوڑ کر تم دوسرے گھر میں منتقل مت ہونا، یا اس کو دوسرے گھر میں منتقل مت کرنا اللہ کے اس ارشاد کی وجہ سے: **واهجروهن في المضاجع.**

زبان دراز بیوی کو نصیحت کا حکم

٣٢٦٠: وَعَنْ لَقِيطِ بْنِ صَبِرَةَ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُولَ اللّٰهِ اِنَّ لِيَ امْرَاَةً فِي لِسَانِهَا شَيْءٌ يَعْنِي الْبَذَاءَ قَالَ

طَلِّقْهَا قُلْتُ اِنَّ لِيَ مِنْهَا وَلَدًا وَلَهَا صُحْبَةٌ قَالَ فَمُرْهَا يَقُوْلُ عِظْهَا فَاِنْ يَكُ فِيْهَا خَيْرٌ فَسَتَقْبَلُ وَلَا تَضْرِبَنَّ ظَعِيْنَتَكَ ضَرْبَكَ اُمَيَّتَكَ (رواه ابو داود)

اخرجه ابو داوٗد في السنن ۹۷/۱ الحديث رقم ۱٤۲ واحمد في المسند ۳۳/٤۔

ترجمه: ''اور حضرت لقیط بن صبرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میری ایک بیوی ہے جس کی زبان میں کچھ ہے یعنی وہ زبان دراز ہے۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: (اگر تم اس کی زبان درازی اور فحش گوئی کی ایذاء پر صبر نہیں کر سکتے تو بہتر یہ ہے کہ) تم اس کو طلاق دے دو (گویا آپ ﷺ نے یہ حکم بطور اباحت دیا) میں نے عرض کیا کہ اس (کے بطن) سے میرے ہاں اولاد بھی ہے اور اس کے ساتھ (پرانی رفاقت اور) صحبت ہے (اس لئے اس کو طلاق دینا بھی میرے لئے مشکل ہے) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تو پھر اس کو حکم کرو (یعنی اس کو زبان درست کرنے اور اپنی عادت واطوار ٹھیک کرنے کی) نصیحت کرو' اگر اس میں کچھ بھی بھلائی ہوگی تو وہ تمہاری نصیحت قبول کرلے گی اور اس کو لونڈی کی مار نہ مارو''۔ (ابوداؤد)

تشریح: قوله :ان لي امرأة ...... قال :فمرها:

البذاء : مد کے ساتھ اور باء کے فتحہ کے ساتھ۔ فحش کلام کو کہتے ہیں۔

ولدًا : واؤ اور لام کے فتحہ کے ساتھ، مفرد وجمع دونوں کا احتمال ہے۔

عظها : امر ہے ''الوعظ'' سے۔ ''نصیحت''۔

طلقها : یہ امر اباحت کے لئے ہے۔

اميتك : امة کی تصغیر ہے۔ ''امۃ'' اصل میں ''اموۃ'' تھا واؤ کو حذف کیا تو ''امۃ'' ہو گیا۔ پھر تصغیر میں واؤ کو لوٹایا اور یاء سے تبدیل کر کے یاء میں مدغم کر دیا۔

'' ظعينة'' اصل میں اس عورت کو کہتے ہیں جو کجاوے کے اندر ہو، یہاں ''کریمہ'' سے کنایہ ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ'' ظعین'' زوجہ کو کہتے ہیں اس لئے کہ یہ شوہر کے گھر جاتی ہے۔ یہ ''ظعن'' بمعنیٰ ''ذهاب'' ہے۔

فمرها : یعنی اچھی طرح زندگی گزارنے کا مطلقاً یا میری طرف سے، اور میری زبانی۔

يقول : یہ راوی کا کلام ہے ''مرها'' کا مطلب بیان کر رہا ہے۔

ولا تضربن ظعينتك ......:

اس میں لطیف اشارہ ہے وعظ قبول نہ کرنے کے بعد مارنے کے حکم کی طرف لیکن ضرب ایسی ہو جس سے جسم پر نشان نہ پڑے۔ ''امة'' کی تصغیر اس لئے ذکر کی کہ اس کی حقارت میں مبالغہ ہو یا اشارہ ہے کہ صغیرہ مار کی محتاج ہوتی ہے تادیب کے لئے۔

بدخلقی پر صبر و تحمل ان کی پٹائی سے بہتر ہے

٣٢٦١: وَعَنْ اِيَاسِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم لَا تَضْرِبُوْا اِمَاءَ اللّٰهِ فَجَاءَ عُمَرُ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم فَقَالَ ذَئِرْنَ النِّسَاءُ عَلٰى اَزْوَاجِهِنَّ فَرَخَّصَ فِي ضَرْبِهِنَّ فَاَطَافَ بِاٰلِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم نِسَاءٌ كَثِيْرٌ يَشْكُوْنَ اَزْوَاجَهُنَّ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم لَقَدْ طَافَ بِاٰلِ مُحَمَّدٍ نِسَاءٌ كَثِيْرٌ يَشْكُوْنَ اَزْوَاجَهُنَّ لَيْسَ اُولٰئِكَ بِخِيَارِكُمْ. (رواه ابوداود و ابن ماجة والدارمي)

اخرجه ابوداوٗد في السنن ٦٠٨/٢ الحديث رقم ٢١٤٦ وابن ماجه ٦٣٨/١ الحديث رقم ١٩٨٥ والدارمي في ١٩٨/٢ الحديث رقم ٢٢١٩۔

ترجمہ: ''اور حضرت ایاس بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کی لونڈیوں (یعنی اپنی بیویوں) کو نہ مارو''۔ پھر (اس حکم کے کچھ دنوں بعد) حضرت عمر رضی اللہ عنہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ (آپ ﷺ نے چونکہ عورتوں کو مارنے سے منع فرمایا ہے اس لئے) عورتیں اپنے شوہروں پر دلیر ہوگئی ہیں۔ تب آپ ﷺ نے عورتوں کو مارنے کی اجازت عطا فرمادی' اس کے بعد بہت سی عورتیں رسول اللہ ﷺ کی ازواج مطہرات کے پاس جمع ہوئیں اور اپنے شوہروں کی شکایت کی (کہ وہ ان کو مارتے ہیں) رسول اللہ ﷺ (کو جب یہ معلوم ہوا تو آپ ﷺ) نے ارشاد فرمایا: محمد (ﷺ) کی ازواج کے پاس بہت سی عورتیں اپنے شوہروں کی شکایت لے کر آئی ہیں' ایسے لوگ (جو اپنی بیویوں کو مارتے ہیں) تم میں سے بہتر نہیں ہے''۔ (ابوداؤد' ابن ماجہ' دارمی)

حالاتِ راوی:

ایاس بن عبداللہ دوسی مدنی ہیں ان کے صحابی ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ امام بخاری فرماتے ہیں کہ ہمیں ان کے صحابی ہونے کے بارے میں معلومات نہیں ہیں، ان کی ایک حدیث ہے عورتوں کے مارنے کے بارے میں عبداللہ بن عمر نے ان سے روایت کی ہے، (اسکو مؤلف نے ذکر کیا ہے۔)

تشریح: **فجاء**: اور ایک نسخہ میں ''فاتی'' ہے۔

أطاف: یہ ہمزہ کے ساتھ ہے۔ کہا جاتا ہے: اطاف بالشیء ألم به و قارنه ای اجتمع ونزل۔

لقد طاف: یہ بغیر ہمزہ کے ہے۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''لقد طاف'' بغیر ہمزہ کے صحیح ہے، اور اول ہمزہ کے ساتھ ہے اور مصابیح کے نسخوں میں دونوں ہمزہ کے ساتھ ہیں، (انتھی)۔ پس یہ طاف حول الشی سے ہے بمعنیٰ دار۔ یعنی

ذئرن النساء : یہ اکلونی البراغیث کے قبیل سے ہے، اور اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کے قبیل سے ہے: [واسروا النجوی] [الانبیاء:۳]

بال محمد : یہ دلیل ہے کہ "آل" امہات المؤمنین کو شامل ہے۔

قوله لیس اولئك : یعنی یہ مرد جو عورتوں کو سخت مارتے ہیں یا مطلقاً مارتے ہیں، بہتر نہیں ہیں۔

بخیارکم : بلکہ تم میں سے بہتر وہ ہیں جو عورتوں کو نہ ماریں، اور ان کو برداشت کرتے ہیں۔ یا وہ جوان کو ادب سکھائیں اور سخت نہ ماریں جس کی نوبت شکایت تک پہنچیں۔ شرح السنہ میں ہے کہ اس حدیث سے فقہ کا یہ مسئلہ معلوم ہوا کہ حقوق نکاح کی وجہ سے عورتوں کو مارنا مباح ہے، لیکن مار ایسی نہ ہو جس سے جسم پر نشان پڑے۔ اور سنت کو ضرب (کے مسئلہ) میں کتاب پر مرتب کرنے کا طریقہ یہ ہے کہ نبیؐ نے آیت کے نزول سے پہلے عورتوں کے مارنے سے منع فرمایا تھا، پھر جب عورتیں جری ہو گئی، تو آپ نے ان کو مارنے کی اجازت دی، اور اس کی موافقت میں قرآن نازل ہوا، پھر جب مردوں نے مارنے میں مبالغہ کیا، تو آپ نے بتایا کہ برے اخلاق پر ان کو مارنا اگرچہ مباح ہے لیکن ان کے سوء اخلاق پر صبر کرنا اور ضرب کو چھوڑنا افضل واجمل ہے۔ یہی مطلب امام شافعی سے منقول ہے۔

تخریج: الجامع الصغیر میں ہے: لا تضربوا اماء الله.

رواه ابو داود والنسائی، وابن ماجه و الحاكم عن اياس بن عبد الله بن ابی ذهاب.

بیوی کو خاوند کے خلاف برانگیختہ کرنا حرام ہے

۳۲۶۲: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَيْسَ مِنَّا مَنْ خَبَّبَ اِمْرَأَةً عَلٰى زَوْجِهَا اَوْ عَبْدًا عَلٰى سَيِّدِهٖ. (رواہ ابوداود)

اخرجه ابوداوٗد فی السنن ۱۹۸/۲ الحدیث رقم ۵۱۷۰، واحمد فی المسند۳۹۷/۲۔ (۲) الحاکم فی المستدرك ۱۹۶/۲ (۳) احمد فی السنن ۳۵۲/۵ والحاکم فی المستدرك ۲۹۸/٤۔

ترجمہ: "اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے (یعنی ہماری جماعت میں سے نہیں ہے) جو کسی عورت کو اس کے شوہر کے خلاف یا کسی غلام کو اس کے آقا کے خلاف بھڑکائے"۔ (ابوداؤد)

تشریح: خبب : باء کی تشدید کے ساتھ بمعنی "خدع" ہے۔

علی زوجها : بایں طور کہ اس کے سامنے اس کے خاوند کی برائیاں بیان کرے یا کسی اجنبی کی خوبیاں اس کے سامنے بیان کرے۔ علی سیده : بگاڑنے کا کوئی بھی طریقہ اپنائے۔

اور اسی کے حکم میں ہے وہ شخص جو کسی عورت پر اس کے شوہر یا آقا پر اس کی باندی کو بھڑکانا۔

تخریج: اسی طرح احمد اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں اور حاکم نے اپنی مستدرک میں حضرت بریرہ سے ان الفاظ کے

ساتھ روایت کیا ہے: لیس منا من حلف بالامانۃ' ومن خبب علی امری زوجتہ ومملوکہ فلیس منا۔

اعلیٰ اخلاق والا

۳۲۶۳: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اِنَّ مِنْ اَكْمَلِ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَاَلْطَفُهُمْ بِاَهْلِهٖ. (رواہ الترمذی)

اخرجہ الترمذی فی السنن ۵/ ۱۰ الحدیث رقم ۲۶۱۲ واحمد فی المسند ۶/ ۴۷۔

ترجمہ: ''اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مؤمنوں میں کامل ترین ایمان والا وہ شخص ہے جو ان میں سے خوش اخلاق ہو اور اپنے اہل وعیال پر بہت مہربان ہو''۔ (ترمذی)

تشریح: خلقًا: خاء اور لام کے ضمہ کے ساتھ' اور لام کے سکون کے ساتھ بھی ہے۔

احسنھم خلقًا: اس لئے کہ کامل ایمان حسن اخلاق اور تمام انسانوں کے ساتھ احسان کو لازم کرتا ہے۔

تم میں بیویوں سے بہتر سلوک کرنے والے افضل ہیں

۳۲۶۴: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم اَكْمَلُ الْمُؤْمِنِيْنَ اِيْمَانًا اَحْسَنُهُمْ خُلُقًا وَخِيَارُكُمْ خِيَارُكُمْ لِنِسَائِهِمْ (رواہ الترمذی وقال ھذا حدیث حسن صحیح (رواہ ابوداود الی قولہ) خُلُقًا .

اخرجہ ابوداوٗد فی السنن ۵/ ۶۰۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: مؤمنین میں کامل ترین ایمان والا وہ شخص ہے جو ان میں بہت زیادہ خوش اخلاق ہو (یعنی پوری مخلوق کے ساتھ خوش اخلاقی کا برتاؤ کرے) اور تم میں بہتر شخص وہ ہے جو اپنی عورتوں کے حق میں بہتر ہے (کیونکہ عورتیں اپنے عجز وکمزوری کی بناء پر زیادہ مہربانی ومروت کی مستحق ہیں) امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے۔ نیز امام ابوداؤد نے اس روایت کو لفظ خلقا تک نقل کیا ہے''۔

گڑیاں اور پروں والا گھوڑا

۳۲۶۵: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَدِمَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم مِنْ غَزْوَةِ تَبُوْكَ اَوْحُنَيْنٍ وَفِی سَهْوَتِهَا سِتْرٌ فَهَبَّتْ رِيْحٌ فَكَشَفَتْ نَاحِيَةَ السِّتْرِعَنْ بَنَاتٍ لِعَائِشَةَ لُعَبٍ فَقَالَ مَا هٰذَا يَا عَائِشَةُ قَالَتْ بَنَاتِیْ وَرَاٰی بَيْنَهُنَّ فَرَسًا لَهٗ جَنَاحَانِ ~~مِنْ~~ رِقَاعٍ فَقَالَ مَا هٰذَا الَّذِیْ اَرٰی وَسْطَهُنَّ؟ قَالَتْ

فَرَسٌ قَالَ وَمَا الَّذِیْ عَلَیْهِ قَالَتْ جَنَاحَانِ قَالَ فَرَسٌ لَهُ جُنَاحَانِ؟ قَالَتْ اَمَا سَمِعْتَ اَنَّ لِسُلَیْمَانَ خَیْلاً لَهَا اَجْنِحَةٌ قَالَتْ فَضَحِكَ حَتّٰی رَأَیْتُ نَوَاجِذَهُ. (رواہ ابوداود)

اخرجه ابوداؤد فی السنن ۵/ ۲۲۷ الحدیث رقم ۴۹۳۲۔

''اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ غزوۂ تبوک یا غزوۂ حنین سے واپس گھر تشریف لائے تو (اس وقت) ان کے (یعنی عائشہ رضی اللہ عنہا کے) گھر کے دریچہ پر پردہ پڑا ہوا تھا' جب ہوا چلی تو اس پردہ کا ایک کونا کھل گیا جس سے عائشہ رضی اللہ عنہا کے کھیلنے کی گڑیاں نظر آئیں (جو اس دریچہ میں رکھی ہوئی تھیں) آپ ﷺ نے پوچھا کہ ''اے عائشہ! یہ کیا ہے؟''۔ عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ ''یہ میری گڑیاں ہیں''۔ ان گڑیوں میں آپ ﷺ نے ایک گھوڑا بھی دیکھا جس کے کپڑے یا کاغذ کے دو پر تھے چنانچہ آپ ﷺ نے پھر پوچھا کہ ان گڑیوں کے درمیان جو چیز میں دیکھ رہا ہوں یہ کیا ہے؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ یہ گھوڑا ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ جو چیز اس کے اوپر ہے وہ کیا ہے؟ انہوں نے عرض کیا: دو پر ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ گھوڑا اور اس کے دو پر؟ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ ''کیا آپ ﷺ نے نہیں سنا کہ حضرت سلیمان علیہ السلام کے پاس جو گھوڑا تھا اس کے پر تھے)''۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ آپ ﷺ (میرا یہ جواب سن کر) ہنس پڑے یہاں تک کہ میں نے آپ ﷺ کی کچلیاں (داڑھیں) دیکھیں''۔ (ابوداؤد)

تشریح: **قوله :قدم رسول الله ...... وفی سهتما ستر :**

تبوك : ایک معروف جگہ ہے جو مدینہ اور دمشق کے درمیان آدھے راستہ میں واقع ہے۔

حنین : تصغیر کے ساتھ ہے۔ ذی المجاز کے قریب ایک وادی ہے، اور بعض نے کہا ہے مکہ سے تین رات کے فاصلہ پر طائف کے قریب پانی ہے۔

سهوة: سین مہملہ کے فتحہ کے ساتھ۔ گھر کے سامنے چبوترا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس چھوٹے سے گھر کو کہتے ہیں جو تھوڑا سا زمین کے اندر ہو جیسے کوٹھری۔ طاق کے جس میں کوئی چیز رکھی جاتی ہو، جیسا کہ نہایہ میں ہے۔ مصابیح کے بعض شراح فرماتے ہیں: **قوله: وفی بهوتها**۔ اس گھر کو کہتے ہیں جو گھروں کے سامنے بنایا جاتا ہے اور اس کو سین کے ساتھ بھی روایت کیا گیا ہے۔

ستر: سین کے کسرے کے ساتھ ہے۔

قوله :فهبت ریح فكشفت......:

لعب : لام کے فتحہ اور عین کے ضمہ کے ساتھ ہے۔

رقاع : راء کے کسرہ کے ساتھ ''رقعة'' کی جمع ہے۔ کپڑے اور کاغذ کے ٹکڑوں کو کہتے ہیں۔

وسط: سین کے سکون کے ساتھ۔ ''مصباح'' میں ہے کہ الوسط سکون کے ساتھ ''بَیْنَ'' (درمیان) کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔ جیسے: **جلست وسط القوم ای بینهم**۔ جوہری کہتے ہیں کہا جاتا ہے: **وسط القوم**، سکون کے ساتھ اور وسط

الدار حرکت کے ساتھ۔ اور فرمایا کہ ہر وہ جگہ جس میں درمیان ہو سکتا ہے وہاں سکون کے ساتھ ہوگا اور جہاں بین کی صلاحیت نہ ہو وہاں حرکت کے ساتھ ہوگا۔

لعب : یہ بدل ہے یا بیان ہے۔

فرس له جناان : ہمزہ استفہام محذوف ہے۔

غزوة تبوك : یہ غزوہ عسرہ ہے جو ۹ھ کو ہوا۔ اس میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ امام بخاری رحمہ اللہ نے اس کو حجۃ الوداع کے بعد ذکر کیا ہے۔ شاید وہ نساخ کی غلطی سے ہوا۔

أوحنين : راوی کو شک ہے۔ یہ ۸ھ کو واقع ہوا جب مکہ فتح ہوا۔

ابن الملک فرماتے ہیں کہ بعض حضرات نے کہا ہے کہ آپ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی تصویر والی گڑیوں پر نکیر اس لئے نہیں فرمائی کہ یہ حرمت تصویر سے پہلے کا واقعہ ہے۔ یا اس وجہ سے کہ بچوں کے کھلونے مظنہ استخفاف میں ہوتے ہیں۔ (انتھی)۔ دوسرا احتمال غیر صحیح ہے۔ اس لئے کہ آپؐ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مکہ میں دس شوال نبوت کے دسویں سال ہجرت سے تین سال قبل نکاح کیا تھا، اور اس وقت ان کی عمر چھ سال تھی، اور مذکورہ دو غزوں میں سے ایک ۸ھ کو ہوا اور دوسرا ۹ھ کو اس وقت یقیناً حضرت عائشہ حد بلوغ سے تجاوز کر چکی تھیں۔

الفصل الثالث:

سجدہ صرف اللہ تعالیٰ کا حق ہے کسی مخلوق کا نہیں

۳۲۶۶: وَعَنْ قَيْسِ بْنِ سَعْدٍ قَالَ اَتَيْتُ الْحِيرَةَ فَرَأَيْتُهُمْ يَسْجُدُوْنَ لِمَرْزُبَانٍ لَهُمْ فَقُلْتُ لَرَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَحَقُّ اَنْ يُسْجَدَ لَهٗ فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ اِنِّي اَتَيْتُ الْحِيرَةَ فَرَأَيْتُهُمْ يَسْجُدُوْنَ لِمَرْزُبَانٍ لَّهُمْ فَاَنْتَ اَحَقُّ بِاَنْ يُسْجَدَ لَكَ فَقَالَ لِيْ اَرَاَيْتَ لَوْمَرَرْتَ بِقَبْرِيْ اَكُنْتَ تَسْجُدُ لَهٗ فَقُلْتُ لَا فَقَالَ لَا تَفْعَلُوْا لَوْكُنْتُ اٰمِرًا اَحَدًا اَنْ يَسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ النِّسَاءَ اَنْ يَسْجُدْنَ لِاَزْوَاجِهِنَّ لِمَا جَعَلَ اللّٰهُ لَهُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ حَقٍّ. (رواه ابوداود)

اخرجه ابوداوٗد في السنن ٢/ ٦٠٤ الحديث رقم ٢١٤٠ والدارمي في ١/ ٤٠٦ الحديث رقم ١٤٦٣۔

ترجمہ: ''حضرت قیس بن سعد رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں (کوفہ کے قریب ایک شہر) حیرہ پہنچا تو میں نے وہاں کے لوگوں کو اپنے سپہ سالار کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا۔ میں نے (اپنے دل میں) کہا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت زیادہ اس کے مستحق ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا جائے' چنانچہ جب میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا تو میں نے عرض کیا کہ میں حیرہ گیا تو میں نے وہاں کے لوگوں کو اپنے سپہ سالار کو سجدہ کرتے ہوئے دیکھا' لہٰذا آپ صلی اللہ علیہ وسلم اس کے زیادہ مستحق ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا جائے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے فرمایا: مجھے بتاؤ اگر تم میری قبر کے پاس

سے گزرو تو کیا تم میری قبر کو سجدہ کرو گے؟ میں نے عرض کیا کہ ''نہیں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا (تو پھر میری زندگی میں بھی) ایسا نہ کرو' اگر میں کسی کو یہ حکم کرتا کہ وہ (اللہ کے علاوہ) کسی کو سجدہ کرے تو میں عورتوں کو حکم کرتا کہ وہ اپنے شوہروں کو سجدہ کریں کیونکہ اللہ تعالیٰ نے عورتوں پر مردوں کا (بہت زیادہ) حق مقرر فرمایا ہے۔ (ابوداؤد)

تشریح: قوله :أتيت الحيرة...... فانت أحق بأت يسجد لك:

فقلت رسول الله : ایک نسخہ میں ''لرسول اللّٰه'' لام ابتداء کے ساتھ ہے۔

فأن :ایک نسخہ میں ''أن'' ہے۔

لو كنت آمر :صیغہ متکلم کے ساتھ ہے اور ایک روایت میں ''أمر'' ص یغہ اسم فاعل کے ساتھ ہے۔

احق ان يسجد له : کیوں کہ وہ تمام مخلوقات میں عظیم اور تمام موجودات میں معزز ہیں۔

فقال لي :یعنی ربوبیت کی عظمت کے اظہار اور عبودیت کی ذلت پر دلالت کے لئے فرمایا۔

من حق :ایک روایت میں ''من الحق'' ہے۔ پس تنوین تکثیر کے لئے ہے اور تعریف جنس کے لئے ہے۔

مر زبان : میم کے فتحہ اور زاء کے ضمہ کے ساتھ بہادر شہسوار کو کہتے ہیں جو قوم سے آگے ہو اور بادشاہ سے پیچھے۔ یہ معرب ہے جیسا کہ نہایہ میں ہے' اور کہا گیا ہے کہ اہل لغت میم کو ضمہ دیتے ہیں۔ یہ کبھی منصرف ہوتا ہے اور کبھی غیر منصرف۔

الحيرة :حاء کے کسرہ کے ساتھ کوفہ کی پشت پر ایک قدیم شہر ہے۔

أكنت تسجد له :یعنی قبر کو یا جو قبر میں ہے اس کو۔

فقال لا تفعلوا : خطاب عام ہے۔ یعنی زندگی میں بھی سجدہ نہ کرو۔ اللہ جل شانہ کا ارشاد ہے: ﴿لا تسجدوا للشمس ولا للقمر واسجدوا لله الذى خلقهن ان كنتم اياه تعبدون﴾ [فصلت:۳۷] (پس تم لوگ نہ سورج کو سجدہ کرو، اور نہ چاند کو اور صرف اس خدا کو سجدہ کرو جس نے ان (سب) نشانیوں کو پیدا کیا اگر تم کو خدا کی عبادت کرنا ہے)۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ سجدہ کرو، اس زندہ ذات کو جس کو موت نہیں آئے گی اور جس کی حکومت پر زوال نہیں آئے گا۔ پس اگر تو ابھی مجھے سجدہ کرے میری ہیبت اور جلالت شان کی وجہ سے، پس جب میں دفن کیا جاؤں گا تو اس سے رک جائے گا۔

لو كنت امر :یعنی اگر میرے لیے حکم دینا صحیح ہوتا یا فرض کر لو اگر میں حکم دیتا۔

ان يسجد لاحد ......: یعنی انبیاء کے بعد کیونکہ ان کا حق والدین اور اولاد کے حقوق سے عام ہے۔ (لما جعل الله لهم...... :اس میں اشارہ ہے اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد کی طرف:﴿الرجال قوامون على النسآء بما فضل الله بعضهم على بعض وبما انفقوا من اموالهم﴾ [النساء:۳۴] :(مرد حاکم ہیں عورتوں پر اس سبب سے کہ اللہ تعالیٰ نے بعضوں کو بعضوں پر فضیلت دی ہے)۔

تخریج: اور اس طرح حاکم نے بھی۔ الجامع الصغیر میں ہے: لو كنت أمرا احدا أن يسجد لا حد لامرت المرأة ان تسجد لزوجها. راه الترمذى عن ابى هريره واحمد عن معاذ والحاكم عن بريدة.

علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں ضمیر مجرور "ما" کی طرف راجع ہے۔ یہ عبارت ہے نشوز سے۔ جو منصوص ہے اللہ کے اس ارشاد میں: ﴿واللاتی تخافون نشوزھن﴾ [النساء:٣٤] (یعنی اور جو عورتیں ایسی ہوں کہ تم کو اُن کی بد دماغی کا احتمال ہو)۔ اور لا یسئل عبارت ہے عدم حرج اور عدم گناہ سے۔ اللہ کے اس ارشاد کی وجہ سے: [فان اطعنکم فلا تبغوا علیھن سبیل] [النساء:٣٤] یعنی ان کو تکلیف پہنچانا اور ڈانٹنا ختم کر دو ان پر مہربان ہو جاؤ اور جو کچھ ان سے سرزد ہوا ہے اس کو نہ ہونے کی طرح سمجھ لو۔

۳۲۶۷: رَوَاہُ اَحْمَدُ عَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ۔

اخرجہ احمد فی المسند ٥/٢٢٧۔

ترجمہ: "اس روایت کو احمدؒ نے بھی معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے"۔

نافرمانی کے باعث مارنے پر مواخذہ نہیں

۳۲۶۸: وَعَنْ عُمَرَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّم قَالَ لَا يُسْئَلُ الرَّجُلُ فِيْمَا ضَرَبَ اِمْرَأَتَہٗ عَلَيْہِ.

(رواہ ابوداود وابن ماجۃ)

اخرجہ ابوداوٗد فی السنن ٢/٦٠٩ الحدیث رقم ٢١٤٧ وابن ماجہ فی ١/٦٣٩ الحدیث رقم ١٩٨٦۔

ترجمہ: "اور حضرت عمر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مرد (شوہر) سے نہ پوچھا جائے کہ اس نے اپنی عورت (بیوی) کو کس بناء پر مارا ہے؟"۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

۳۲۶۹: وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ جَاءَ تْ امْرَأَۃٌ اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّم وَنَحْنُ عِنْدَہٗ فَقَالَتْ زَوْجِیْ صَفْوَانُ بْنُ الْمُعَطَّلِ يَضْرِبُنِیْ اِذَا صَلَّيْتُ وَيُفَطِّرُنِیْ اِذَا صُمْتُ وَلَا يُصَلِّی الْفَجْرَحَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ قَالَ وَصَفْوَانُ عِنْدَہٗ قَالَ فَسَاَلَہٗ عَمَّا قَالَتْ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّم اَمَّا قَوْلُهَا يَضْرِبُنِیْ اِذَا صَلَّيْتُ فَاِنَّهَا تَقْرَأُ بِسُوْرَتَيْنِ وَقَدْ نَهَيْتُهَا قَالَ فَقَالَ لَہٗ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّم لَوْكَانَتْ سُوْرَۃٌ وَاحِدَۃٌ لَكَفَتِ النَّاسَ قَالَ وَاَمَا قَوْلُهَا يُفَطِّرُنِیْ اِذَا صُمْتُ فَاِنَّهَا تَنْطَلِقُ تَصُوْمُ وَاَنَا رَجُلٌ شَابٌّ فَلَا اَصْبِرُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّى اللّٰہُ عَلَيْہِ وَسَلَّم لَا تَصُوْمُ امْرَأَۃٌ اِلَّا بِاِذْنِ زَوْجِهَا وَاَمَّا قَوْلُهَا اِنِّیْ لَا اُصَلِّیْ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ فَاِنَّا اَهْلُ بَيْتٍ قَدْ عُرِفَ لَنَا ذٰكَ لَا نَكَا دُ نَسْتَيْقِظُ حَتّٰی تَطْلُعَ الشَّمْسُ قَالَ فَاِذَا اسْتَيْقَظْتَ يَا صَفْوَانُ فَصَلِّ.

(رواہ ابوداود وابن ماجۃ)

اخرجہ ابوداوٗد فی السنن ٢/٨٢٧ الحدیث رقم ٢٤٥٩، واحمد فی المسند ٣/٨٠۔

ترجمہ: "اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) ہم رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھے

ہوئے تھے کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی کہ جب میں نماز پڑھتی ہوں تو میرا شوہر صفوان بن معطل مجھے مارتا ہے اور جب میں (نفلی) روزہ رکھتی ہوں تو وہ مجھے روزہ افطار کرنے کا حکم دیتا ہے اور وہ خود فجر کی نماز اس وقت ادا کرتا ہے جب کہ سورج (یا تو نکلنے کے قریب ہوتا ہے یا) نکل چکا ہوتا ہے۔ راوی کہتے ہیں کہ (جس وقت صفوان کی بیوی یہ شکایت کر رہی تھی اس وقت) صفوان رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے پاس ہی موجود تھے! راوی کا بیان ہے کہ آپ ﷺ نے صفوان رضی اللہ عنہ سے ان کی بیوی کی ذکر کردہ باتوں کے بارے میں دریافت کیا تو صفوان رضی اللہ عنہ نے کہا کہ "یا رسول اللہ ﷺ! میری بیوی کا کہنا کہ جب میں نماز پڑھتی ہوں تو مجھ کو مارتا ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ نماز (کی ایک ہی رکعت میں یا دو رکعتوں) میں دو (لمبی لمبی) سورتیں پڑھتی ہے حالانکہ میں نے اس کو (لمبی لمبی سورتیں پڑھنے سے) منع کیا ہے"۔ راوی کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (صفوان کی تصدیق کے لئے) فرمایا: "(سورۃ فاتحہ کے بعد) ایک سورۃ پڑھنا لوگوں کے لئے کافی ہو جاتا ہے"۔ پھر صفوان نے کہا کہ اور اس کا کہنا کہ جب میں روزہ رکھتی ہوں تو وہ مجھے روزہ افطار کرنے کا کہتا ہے' اس کی وجہ یہ ہے کہ یہ روزے رکھے چلی جاتی ہے (یعنی ہمیشہ نفلی روزے رکھتی رہتی ہے) اور میں ایک جوان آدمی ہوں (اور چونکہ رات میں مجھے مباشرت کا موقع نہیں ملتا' اس لئے اگر دن میں مجھے جماع کی خواہش ہوتی ہے تو) میں صبر نہیں کر سکتا"۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کوئی عورت اپنے شوہر کی اجازت کے بغیر (نفلی) روزہ نہ رکھے"۔ (پھر صفوان نے کہا کہ) اور اس کا یہ کہنا کہ میں سورج نکلنے کے وقت (فجر کی) نماز ادا کرتا ہوں اس کا سبب یہ ہے کہ (ہم کام کاج والے لوگ ہیں (زیادہ رات گئے تک اپنے کھیتوں اور باغوں میں پانی دیتے رہتے ہیں جس کی وجہ سے رات میں سونا میسر نہیں ہوتا) ہمارے گھر والوں کے بارے میں مشہور یہ ہے کہ (جب ہم رات کے آخری حصہ میں سوتے ہیں تو) اس وقت جاگتے ہیں جب سورج (یا تو نکلنے کے قریب ہوتا ہے یا) نکل چکا ہوتا ہے"۔ آپ ﷺ نے (یہ عذر سن کر) فرمایا کہ "اے صفوان! جب تم بیدار ہو تو نماز ادا کر لیا کرو"۔ (ابوداؤد' ابن ماجہ)

تشریح: قولہ :زوجی صفوان بن المعطل...... فلا أصبر:

فلا اصبر : ایک نسخہ میں "لا اصبر" ہے۔

المعطل : تاء مفتوحہ کی تشدید کے ساتھ ہے۔

یفطرنی : طاء کی تشدید کے ساتھ ہے۔

لوکانت سورۃ واحدۃ: کانت کی ضمیر مصدر کی طرف راجع ہے۔

سورۃ واحدۃ : یعنی جو بھی سورۃ ہو، اگر چہ سب سے چھوٹی ہو۔ طیبی فرماتے ہیں: ای لو کانت القراء ۃ سورۃ واحدۃ وھی الفاتحۃ۔ اگر قراءۃ ایک سورۃ ہوتی جو کہ فاتحہ ہے۔

فلا اصبر: عنقریب آرہا ہے کہ یہ رات کو مشغول ہوتے تھے۔

قد عرف لنا ذلک : یعنی ہماری یہ عادت۔ اور وہ یہ تھی کہ یہ لوگ پوری پوری رات کھیتوں کو پانی دیتے تھے۔

یا صفوان فصل : یعنی ادا ہو یا قضاء ہو۔ علامہ طیبی کہتے ہیں کہ صفوان کے عذر کو قبول کیا باوجود ان کی کوتاہی کے اور عورت کے عذر کو قبول نہیں باوجود یہ کہ اس کا قصور بھی نہیں تھا۔ عورتوں پر مردوں کے حقوق بتانے کے لئے، (انتھیٰ)۔ صفوان کے لئے کوتاہی ثابت کرنا اور عورت سے اس کی نفی یہ محل بحث ہے۔

بعض شراح نے کہا ہے کہ صفوان کو کوئی سخت بات نہ کہنا ایک عجیب امر ہے، اور اللہ کی اپنے بندوں پر مہربانی میں سے ہے اور نبی کی اپنی امت پر نرمی میں سے ہے اور یہ بھی ممکن ہے، کہ یہ ان کی طبیعت اور عادت کی وجہ سے ہو، تو یہ اس چیز کی طرح ہوا جس سے آدمی عاجز ہو اور اس عادت کا شخص ہے ہوشک کی طرح ہوتا ہے۔ اس لئے اس کے عذر کو قبول کیا اور ان کو کوئی سرزنش نہیں کی۔ اور ان کے بارے میں یہ گمان نہ کیا جائے کہ وہ وقت پر نماز نہیں پڑھتے عذر نہ ہونے کے وقت بھی خود جاگنے سے یا کسی کے جگانے سے۔ اس لئے کہ وہ جب پوری رات پانی دیتے تو پھر اسی جگہ سو جاتے تھے اور وہاں کوئی جگانے والا نہیں ہوتا تھا۔ پس یہ معذور تھے۔ واللہ اعلم بالصواب۔

رواہ ابو داؤد و ابن ماجه : عفیف الدین کے نسخہ میں ''ابن ماجه'' نہیں ہے۔

عبادت ربّ کی، تعظیم محمد صلی اللہ علیہ وسلم کی

۳۲۷۰: وَعَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّم كَانَ فِيْ نَفَرٍ مِنَ الْمُهَاجِرِيْنَ وَالْاَنْصَارِ فَجَاءَ بَعِيْرٌ فَسَجَدَلَهُ فَقَالَ اَصْحَابُهُ يَارَسُوْلَ اللّٰهِ تَسْجُدُ لَكَ الْبَهَائِمُ وَالشَّجَرُ فَنَحْنُ اَحَقُّ اَنْ نَسْجُدَلَكَ فَقَالَ اعْبُدُوْا رَبَّكُمْ وَاَكْرِمُوْا اَخَاكُمْ وَلَوْ كُنْتُ اٰمُرُ اَحَدًا اَنْ يَّسْجُدَ لِاَحَدٍ لَاَمَرْتُ الْمَرْاَةَ اَنْ تَسْجُدَ لِزَوْجِهَا وَلَوْ اَمَرَهَا اَنْ تَنْقُلَ مِنْ جَبَلٍ اَصْفَرَ اِلٰى جَبَلٍ اَسْوَدَ وَمِنْ جَبَلٍ اَسْوَدَ اِلٰى جَبَلٍ اَبْيَضَ كَانَ يَنْبَغِيْ لَهَا اَنْ تَفْعَلَهُ۔ (رواہ احمد)

اخرجه احمد فی المسند ۶/۷۶۔

ترجمہ: ''اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ (ایک دن) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مہاجرین وانصار کی ایک جماعت کے درمیان تشریف فرما تھے کہ ایک اونٹ آیا اور اس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کیا (یہ دیکھ کر) آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے صحابہؓ نے عرض کیا کہ ''یا رسول اللہ! (جب) چوپائے (جانور) اور درخت آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کرتے ہیں (جو نا سمجھ ہیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی تعظیم واحترام کے مکلف بھی نہیں ہیں) تو ہم (ان سے) زیادہ اس لائق ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو سجدہ کریں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اپنے پروردگار کی عبادت کرو اور اپنے بھائی کی (یعنی میری) تعظیم کرو، اگر میں کسی کو کسی (غیر اللہ) کا سجدہ کرنے کا حکم دیتا تو یقیناً عورت کو یہ حکم دیتا کہ وہ اپنے شوہر کو سجدہ کرے! اگر اس کا شوہر اس کو یہ حکم دے کہ وہ زرد رنگ کے پہاڑ سے پتھر اٹھا کر سیاہ پہاڑ پر لے جائے اور سیاہ پہاڑ سے پتھر اٹھا کر سفید پہاڑ پر لے جائے تو اس عورت کے لئے یہی لائق ہے کہ اس کام کو کرے (یعنی اپنے شوہر کے حکم کی بجا آوری

کرے)''۔(احمد)

تشریح: قوله :يا رسول الله تسجدلك البهائم...... اكرموا اخاكم:

ان تسجدلك :یعنی ہم سجدہ کرنے کے زیادہ حقدار ہیں تا کہ نعمت کا شکر ادا ہو، یعنی تربیت روحانی کا جوجسمانی تربیت سے بہتر ہے۔

اعبدوا ربكم :یعنی سجدے اللہ تعالیٰ ہی کو کرو کیونکہ یہ عبودیت کی غایت اور عبادت کی انتہاء ہے۔

واكرموا اخاكم :یعنی اس کی ایسی تعظیم کرو جو اس کے لائق ہو محبت قلبی اور ایسے اکرام کے ساتھ جو اطاعت ظاہری اور باطنی پر مشتمل ہو۔اس میں اشارہ ہے اللہ کے اس قول کی طرف:﴿ما كان لبشر ان يؤتيه الله الكتاب والحكم والنبوة ثم يقول للناس كونوا عبادا لي من دون الله ولكن كونوا ربانيين﴾[آل عمران:۷۹] ''کسی بشر سے یہ بات نہیں ہو سکتی کہ اللہ تعالیٰ اُس کو کتاب اور فہم اور نبوت عطا فرماویں۔پھر وہ لوگوں سے کہنے لگے کہ میرے بندے بن جاؤ، خدا تعالیٰ کو چھوڑ کر۔لیکن کہے کہ تم لوگ اللہ والے بن جاؤ''۔اور اشارہ ہے اللہ کے اس فرمان کی جانب:﴿ما قلت لهم الا ما امرتني به ان اعبدوا الله ربي وربكم﴾ [المائدة:۱۱۷] :''یعنی میں نے تو اُن سے اور کچھ نہیں کیا مگر وہی جو آپ نے مجھ سے کہنے کو فرمایا تھا کہ تم اللہ کی بندگی اختیار کرو جو میرا بھی رب ہے اور تمہارا بھی ربّ ہے''۔

اور اونٹ کا سجدہ کرنا خرق عادت تھا اللہ کے مسخر کرنے کے ساتھ۔اس میں آپ کا کوئی دخل نہیں تھا' وہ تو معذور تھا اس طور پر کہ وہ اللہ کی طرف سے مأمور تھا، جیسے اللہ کا حکم تھا فرشتوں کو کہ آدمؑ کو سجدہ کریں۔واللہ اعلم۔طیبی کہتے ہیں کہ آپؐ نے یہ تواضعاً فرمایا یعنی کہ اکرام کرو اس کا جو تمہاری طرح بشر ہے اور تمہارے دادا آدم کی پشت سے پیدا ہے، اور اس کا اکرام کرو، کیونکہ اللہ نے اس کا اکرام کیا ہے اور اس کو چنا ہے اور اس کی طرف وحی کی ہے اس میں اشارہ ہے اللہ کے اس فرمان کی طرف: ﴿قل انما انا بشر مثلكم يوحى الي﴾ [الكهف:۱۱۰] ''آپ فرما دیجئے کہ میں بھی تم ہی جیسا بشر ہوں مجھ پر یہ وحی نازل ہوئی ہے''۔

قوله :ولو كنت آمر أحدا......

من جبل اصغر الى جبل اسود :یعنی اس پہاڑ کے پتھر اس تک لے جائے اور اس کے اس تک، باوجود یہ کہ یہ مطلقاً ایک عبث کام ہے۔علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ یہ کنایہ ہے مشکل اور مشقت والے کام سے۔

لنقل الصخر من قلل الجبال
احب الى من منن الرجال

پہاڑوں کی چوٹیوں سے پتھر منتقل کرنا، مجھے لوگوں کے احسانات سے زیادہ پسند ہے''۔

اور ان دو رنگوں کی تخصیص اہتمام مبالغہ کے لئے ہے کیونکہ ان میں سے کوئی ایک دوسرے کے قریب نہیں ہے۔

كان ينبغي لها...... :یہ حسن معاشرت اور نعمتوں کے شکر کے قیام پر مبنی ہے۔اس لئے کہ جو لوگوں کا شکر ادا نہیں کرتا وہ اللہ کا بھی شکر ادا نہیں کرتا۔

مواہب میں یہ حدیث اس سے زیادہ تفصیل کے ساتھ ذکر ہے، اس میں ہے کہ احمد اور نسائی نے انس بن مالک سے روایت کی ہے کہ انصار کے ایک گھرانے کا ایک اونٹ تھا جس کے ذریعے وہ پانی نکالتے تھے۔ وہ اونٹ ان سے بگڑ گیا اور اپنی پشت کو ان کے کام سے روک دیا تو انصار رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے کہ ہمارا ایک اونٹ ہے، جس کے ذریعے ہم پانی نکالتے ہیں، وہ بگڑ گیا ہے اور ہمارے نخلستان اور کھیت خشک ہو رہے ہیں۔ تو رسول اللہ ﷺ نے اپنے صحابہ سے فرمایا کہ کھڑے ہو جاؤ، پس وہ کھڑے ہو گئے، پس آپؐ باغ میں داخل ہوئے۔ اونٹ ایک گوشہ میں تھا آپؐ اس کی طرف چلے تو انصار نے کہا کہ اللہ کے رسولؐ وہ کتے کی طرح ہو گیا ہے، ہمیں خطرہ ہے کہ کہیں وہ آپؐ پر حملہ نہ کردے۔ آپؐ نے فرمایا کہ مجھے اس سے کوئی خطرہ نہیں ہے۔ پس اونٹ نے جب رسول اللہ ﷺ کو دیکھا تو ان کی طرف چل پڑا یہاں تک کہ آپؐ کے سامنے سجدے میں گر پڑا، آپؐ نے اس کو پیشانی سے پکڑا، وہ ایسے تابع تھا کہ کبھی اس طرح نہ تھا۔ یہاں تک کہ آپؐ نے اس کو کام پر لگایا تو صحابہ نے کہا اللہ کے رسولؐ یہ چوپائے جو عقل نہیں رکھتے آپ ﷺ کو سجدہ کرتے ہیں اور ہم عقل رکھتے ہیں تو ہم زیادہ حقدار ہیں کہ آپ کو سجدہ کریں۔ آپؐ نے فرمایا، کہ کسی انسان کے لئے یہ روا نہیں کہ وہ دوسرے انسان کو سجدہ کریں اگر یہ روا ہوتا تو میں عورت کو حکم دیتا کہ وہ شوہر کو سجدہ کرے بوجہ شوہر کے عورت پر حق کے زیادہ ہونے کے۔

تین شخصوں کی نماز غیر مقبول ہے

۳۲۷۱: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثَلَاثَةٌ لَا تُقْبَلُ لَهُمْ صَلَاةٌ وَلَا تُصْعَدُ لَهُمْ حَسَنَةٌ اَلْعَبْدُ الْاٰبِقُ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلٰى مَوَالِيْهِ فَيَضَعَ يَدَهُ فِيْ اَيْدِيْهِمْ وَالْمَرْاَةُ السَّاخِطُ عَلَيْهَا زَوْجُهَا وَالسَّكْرَانُ حَتّٰى يَصْحُوَ۔

اخرجه البيهقي في شعب الايمان ٣٨٣/٦ الحديث رقم ٨٦٠٠۔

ترجمہ: ''اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: تین شخص ایسے ہیں جن کی نماز (پوری طرح) قبول نہیں ہوتی اور نہ ان کی کوئی نیکی اوپر (یعنی اللہ تعالیٰ کی طرف) جاتی ہے۔ ایک تو بھاگا ہوا غلام یہاں تک کہ وہ اپنے مالکوں کے پاس واپس آ کر ان کے ہاتھ میں اپنا ہاتھ نہ دے دو (یعنی جب تک واپس آ کر اپنے آپ کو اپنے مالکوں کے حوالے نہ کردے اور ان کی اطاعت نہ کرنے لگے اس کی نماز پوری طرح قبول نہیں ہوتی) دوسری وہ عورت جس کا شوہر اس سے ناراض ہو اور تیسرا نشہ باز' یہاں تک کہ وہ ہوش میں آ جائے۔ (اس روایت کو بیہقیؒ نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے۔)''۔

تشریح: قوله :ثلاثة لا تقبل لهم صلاة......

لا يقبل :بصیغۂ تذکیر تانیث دونوں طرح ہے۔

ولا تصعد لهم حسنة :ایک روایت میں ''ولا ترفع لهم الى السمآء حسنة'' ہے۔

الساخط عليه زوجها :ایک روایت میں ''حتى يرضى عنها'' کے الفاظ بھی ہے لیکن اس کے ظاہر ہونے کی وجہ

سے اس کو ترک کر دیا یا زجر اور تہدید میں مبالغہ کے لئے چھوڑ دیا ہے۔

و لا تصعد : حرف مضارعہ کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ ہے۔

موالیہ : جمع اس تقدیر پر ذکر کیا کہ ممکن ہے وہ غلام ایک جماعت میں مشترک ہو یا جمع بمقابلہ جمع ہے اس لئے کہ العبد میں لام جنس کے لئے ہے اور یہ جمع کے معنیٰ میں ہے یا مراد مولیٰ اور جو اس کی طرح ہو۔

فیضع : نصب اور رفع دونوں کے ساتھ ہے۔

والسکران حتی یصحو : یعنی اپنی غفلت، نافرمانی سے رجوع اور توبہ کرلے۔

تخریج: وکذا ابن خزیمة وابن حبان.

بہترین عورت کی علامات

۳۲۷۲: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قِیْلَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَیُّ النِّسَاءِ خَیْرٌ قَالَ الَّتِیْ تَسُرُّهٗ اِذَا نَظَرَ وَتُطِیْعُهٗ اِذَا اَمَرَ وَلَا تُخَالِفُهٗ فِیْ نَفْسِهَا وَلَا فِیْ مَالِهَا بِمَا یَكْرَهُ۔

رواه النسائی والبیهقی فی شعب الایمان

اخرجه النسائی فی السنن ٦/٦٨ الحدیث رقم ٣٢٣١۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ سے پوچھا گیا کہ کون سی عورت (بیوی) بہتر ہے؟ تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ وہ عورت جب اس کا شوہر اس کی طرف دیکھے تو وہ اس کو خوش کر دے اور وہ (اس کا خاوند) اس کو کوئی حکم دے تو اس کی فرمانبرداری کرے (بشرطیکہ وہ حکم خلاف شرع نہ ہو) اور اپنے جان و مال میں اس کے خلاف کوئی ایسی بات نہ کرے جس کو وہ ناپسند کرتا ہو۔ (اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے)''۔

تشریح: قولہ: التی تسرّہ اذا نظر ......۔

اذا نظر : یعنی اس سے بشاشت' حسن معاشرت اور اچھے اخلاق دیکھے۔ اور اگر حسن سیرت اور صورت دونوں جمع ہو تو پھر خوشی پر خوشی اور نور علیٰ نور ہے۔

ولا مالها : یعنی شوہر کے مال میں جو اس عورت کے ہاتھ میں ہے یہ (حدیث) اس آیت: [ولا تؤتوا السفهاء اموالكم] [النساء:٥] کی طرح ہے۔ اور اس کی تائید آنے والی حدیث سے ہوتی ہے۔ طیبی فرماتے ہیں کہ حقیقت کا بھی احتمال ہے کہ جب شوہر تنگ دست ہو، اور مجاز کا بھی احتمال ہے یعنی مراد شوہر کا مال ہے جو اس کے ہاتھ میں ہے۔ (انتھی)۔ پہلی صورت کو حسن معاشرت پر محمول کیا جائے گا۔

چار چیزوں میں دُنیا وآخرت کی بھلائیاں

۳۲۷۳: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرْبَعٌ مَنْ اُعْطِيَهُنَّ فَقَدْ اُعْطِيَ خَيْرُ الدُّنْيَا وَالْاٰخِرَةِ قَلْبٌ شَاكِرٌ وَّلِسَانٌ ذَاكِرٌ وَبَدَنٌ عَلَى الْبَلَاءِ صَابِرٌ وَزَوْجَةٌ لَا تَبْغِيْهِ خَوْنًا فِي نَفْسِهَا وَلَا مَالِهٖ ۔

اخرجه البيهقي في شعب الايمان ٢٣٣/٤ الحديث رقم ٤٩٠٢۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: چار چیزیں ایسی ہیں کہ وہ جس شخص کو مل جائیں اس کو دنیا و آخرت کی بھلائی حاصل ہو جائے۔ پہلی چیز (حق تعالیٰ کی نعمتوں پر اس کا) شکر ادا کرنے والا دل' دوسری چیز (خوشی اور رنج میں اللہ تعالیٰ کو) یاد کرنے والی زبان' تیسری چیز بلاؤں پر صبر کرنے والا جسم اور چوتھی چیز وہ عورت جو اپنی ذات اور اپنے شوہر کے مال میں خیانت نہ کرے۔ اس روایت کو بیہقی نے شعب الایمان میں نقل کیا ہے''۔

تشریح: قوله :اربع من اعطيهن فقد......:

لا تبغيه : تاء کے فتحہ اور ضمہ کے ساتھ لا تطلب کے معنیٰ میں ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے:[يبغو نكم الفتنة] [التوبة: ٤٧] یعنی تلاش کرتے ہیں تمہارے لیے ایسی چیز کہ جس کے ذریعے تم فتنہ میں پڑ جاؤ۔ قاموس میں ہے بغيته اى طلبته وابعاه الشيء طلبہ لہ واَعانہ علیہ۔ نہایہ میں ہے ابغني كذا، ہمزہ وصل کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہے: اطلب لي اور ہمزہ قطعی کے ساتھ ہو تو اس کا معنی ہے: اعني على الطلب۔

تخریج: وكذا الطبراني بسند حسن.

بَابُ الْخُلْعِ وَالطَّلَاقِ

خُلع اور طلاق کا بیان

خلع کی لغوی تحقیق:

مغرب میں ہے خلع الملبوس نزعه ' وخالعت المرأة زوجها واختلعت منه اذا افتدت لما لها. جب عورت اپنے مال کا فدیہ دے، اور مرد اس کو قبول کرے اور طلاق دے دے تو کہا جائے گا: خلعها۔ اور اسم "الخلع" خاء کے ضمہ کے ساتھ آتا ہے۔

اس کو خلع اس لئے کہتے ہیں کہ شوہر اور بیوی میں سے ہر ایک دوسرے کا لباس ہوتا ہے، جب انہوں نے یہ کام کر دیا تو گویا کہ انہوں نے اپنے لباس تو اتار دیا۔ اللہ کا ارشاد ہے: [هن لباس لكم وانتم لباس لهن][البقرة:۱۸۷]

خلع کی تعریف:

عنایہ شرح ہدایہ میں ہے کہ اصطلاح شرع میں خلع کہتے ہیں، عورت کا مال ملک کو نکاح کے بدلے لفظ خلع کے ساتھ لینا۔

خلع کے احکام:

شیخ مظہر کہتے ہیں کہ اگر مرد عورت سے کہہ دے کہ میں نے تجھ سے خلع کر دیا اتنے مال کے بدلے اور عورت نے قبول کر لیا اور ان کے درمیان جدائی ہوگئی تو آیا یہ طلاق ہے یا فسخ؟ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کا مذہب اور امام شافعی کے دو قولوں میں سے صحیح قول کے مطابق یہ طلاق بائن ہے، جیسا کہ وہ کہہ دے میں نے اتنے مال کے بدلے تجھے طلاق دیدی۔ امام احمد اور امام شافعی کا ایک قول یہ ہے کہ یہ فسخ ہے۔

طلاق اسم ہے بمعنی تطلیق' جیسے سلام بمعنی تسلیم۔ یہ ترکیب حل اور انحلال پر دلالت کر رہی ہے۔ اور اسی سے ہے اطلقت الاسیر اذا اطلقت أساره وخليت سبيله. جب آپ قیدی کے تسمہ کو کھولیں۔ اور اطلقت الناقة من العقال کا معنی آتا ہے: میں نے اونٹنی کو رسی سے آزاد کر دیا۔

الفصل الاول:

خلع میں مہر کے باغ کی واپسی

۳۲۷۴: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ امْرَاَةَ ثَابِتِ ابْنِ قَيْسٍ اَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ! ثَابِتُ بْنِ قَيْسٍ مَا اَعْتِبُ عَلَيْهِ فِيْ خُلُقٍ وَلَا دِيْنٍ وَلٰكِنِّي اَكْرَهُ الْكُفْرَ فِي الْاِسْلَامِ فَقَالَ

رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَتَرُدِّیْنَ عَلَیْہِ حَدِیْقَتَہٗ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اقْبَلِ الْحَدِیْقَۃَ وَطَلِّقْھَا تَطْلِیْقَۃً۔ (رواہ البخاری)

اخرجه البخاري في صحيحه ٩/٣٩٥ الحديث رقم ٥٢٧٣ والنسائي في السنن ٦/١٦٩ الحديث رقم ٣٤٦٣ وابن ماجه في ١/٦٦٣ الحديث رقم ٢٠٥٦ واحمد في المسند ٤/٣۔

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کی بیوی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی کہ ''یارسول اللہ ﷺ! مجھے ثابت بن قیس کی عادات اور دینداری پر غصہ نہیں آتا لیکن میں اسلام میں کفر (یعنی کفرانِ نعمت یا گناہ) کو ناپسند کرتی ہوں' رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا تم ثابت بن قیس رضی اللہ عنہ کا باغ (جو انہوں نے تمہیں بطور مہر دیا ہے) ان کو واپس کردو گی؟ ثابت رضی اللہ عنہ کی بیوی نے کہا کہ ''ہاں''۔ رسول اللہ ﷺ نے یہ (سن کر) ثابت رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم اپنا باغ قبول کرو اور اس کو ایک طلاق دے دو''۔ (بخاری)

تشریح: **قوله :ان امرأة ثابت...... اتردين عليه الحديقة:**

امرأة ثابت بن قيس بن شماس : ان کے نام میں اختلاف ہے۔ راجح یہ ہے کہ یہ حبیبہ بنت سہل ہیں۔ عسقلانی ''التقریب'' میں فرماتے ہیں کہ یہ صحابیہ ہیں۔ وہی عورت ہے جس نے ثابت بن قیس سے خلع لے کر اس کے بعد ابی بن کعب سے شادی کی تھی۔

اعتب : تاء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اس کو ضمہ بھی دیا جاتا ہے۔

أتت النبيّ : کہا گیا ہے کہ ان کے شوہر نے ان کو تادیب کے طور پر مارا تھا۔

ولا دين : یعنی میں ان کے اخلاق برے ہونے اور بری معاشرت کی وجہ سے جدائی نہیں چاہتی اور نہ ان کی دیانت میں نقصان کی وجہ سے۔

ولكني اكره الكفر : اس نے پیش کر دیا جو ان کے دل میں اس کے ساتھ نہ رہنے کی وجہ تھی اور اپنے آپ کو اس سے چھڑانے کی وجہ تھی۔

یعنی میرے اور اس کے درمیان محبت نہیں پائی جاتی اور میں طبعی طور پر اس کو ناپسند کرتی ہوں۔ مجھے اپنے نفس سے ایسے امور کا خطرہ ہے جو اسلام کے حکم کے منافی ہوں بغض اور نافرمانی جیسے۔ جس کی توقع ایک جوان عورت جو اپنے شوہر کو ناپسند کرتی ہو سے ہوسکتی ہے۔ جو کام اسلام کے مقتضیٰ کے منافی تھا، اس کو اسلام کے منافی ہونے سے تعبیر کیا۔

قوله :أقبل الحديقة:

وطلقها تطليقةً : یہ امر خیر خواہی کے لئے اور اس کی طرف ارشاد کے لئے ہے جو زیادہ صحیح ہے نہ کہ طلاق کو واجب اور لازم کرنے کے لئے ہے۔ اس میں دلیل ہے کہ طلاق دینے والے کے لئے بہتر یہ ہے کہ وہ ایک طلاق دے تاکہ اگر آئندہ رجوع کرنے کا اتفاق ہوجائے اور وہ اپنے فیصلہ پنادم ہو تو اس کے لئے رجوع ممکن ہو۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿لا تدری

لعل الله يحدث بعد ذلك امرا﴾ [الطلاق:۱] ''یعنی تجھ کو خبر نہیں شاید اللہ تعالیٰ بعد اس (طلاق دینے) کے کوئی نئی بات تیرے دل میں پیدا کرے گا''۔

اور یہ دلیل ہے کہ خلع طلاق ہے نہ کہ فسخ۔

عبدالرزاق کہتے ہیں: **حدثنا جريج عن داود عن ابن ابی العاص عن سعيد بن المسيب ان النبیؐ جعل الخلع تطليقة** یعنی آپؐ نے خلع کو طلاق قرار دیا ہے۔ سعید بن المسیب کی مراسیل وصل صحیح کے حکم میں ہیں اس لئے کہ یہ کبار تابعین میں سے ہیں، اور کبار تابعین بہت کم رسول اللہ سے مرسل احادیث ذکر کرتے ہیں مگر یہ کہ وہ کسی صحابی سے ذکر کرتے ہیں۔ اور اگر کبھی شاذ و نادر اس کا اتفاق ہو تو یہ ثقہ سے ہی ارسال کرتے ہیں. میں ان کی مراسیل کا تتبع کرنے کے بعد اس نتیجہ پر پہنچا ہوں۔ ابن ہمام کہتے ہیں کہ اس سے حجت کا خیال قوی ہو جاتا ہے، اس سے جو روایت کیا ہے صاحب ہدایہ نے آپؐ سے: **الخلع تطليقة بائنة** اور اس طرح اس سے جس کی تخریج دار قطنی نے کی ہے اور اس پر سکوت اختیار کیا ہے اور ابن عدی نے (انتھی) اس حدیث میں اور بھی تفصیل ہے جو فصل ثالث میں آئی گئی ان شاء اللہ تعالیٰ۔

طلاق ابن عمر رضی اللہ عنہما اور ان کا رجوع

۳۲۷۵: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ طَلَّقَ امْرَأَةً لَهٗ وَهِيَ حَائِضٌ فَذَكَرَ عُمَرُ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَتَغَيَّظَ فِيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ثُمَّ قَالَ لِيُرَاجِعْهَا ثُمَّ يُمْسِكْهَا حَتّٰى تَطْهُرَ ثُمَّ تَحِيْضَ فَتَطْهُرَ فَاِنْ بَدَا لَهٗ اَنْ يُّطَلِّقَهَا فَلْيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا قَبْلَ اَنْ يَّمَسَّهَا فَتِلْكَ الْعِدَّةُ الَّتِيْ اَمَرَ اللّٰهُ اَنْ تُطَلَّقَ لَهَا النِّسَاءُ وَفِيْ رِوَايَةٍ مُرْهُ فَلْيُرَاجِعْهَا ثُمَّ لِيُطَلِّقْهَا طَاهِرًا اَوْ حَامِلًا۔ (متفق عليه)

اخرجه البخاری فی صحيحه ٦٥٣/٨ الحديث رقم ٤٩٠٨ ومسلم فی فی صحيحه ١٠٩٣/٢ الحديث رقم (١٤٧١/١) وابوداوٗد فی السنن ٦٣٢/٢ الحديث رقم ٢١٧٩ والترمذی فی ٤٧٨/٣ الحديث رقم ١١٧٥ والنسائی ١٣٧/٦ الحديث رقم ٣٣٨٩ وابن ماجه فی ٦٥١/١ الحديث رقم ٢٠١٩ والدارمی فی ٢١٣/٢ الحديث رقم ٢٢٦٢ ومالك فی الموطأ ٥٧٦/٢ الحديث رقم ٥٣ من كتاب الطلاق واحمد فی المسند ٢٦/٢۔

ترجمہ: ''اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کا ذکر رسول اللہ ﷺ سے کیا، رسول اللہ ﷺ اس واقعہ سے بہت غصہ ہوئے اور فرمایا کہ (اس گناہ کا تدارک کرنے کے لئے) عبداللہ کو چاہئے کہ وہ اس عورت سے رجوع کرے (یعنی مثلاً یوں کہے کہ میں نے اس کو اپنے نکاح میں واپس لے لیا) اور پھر اس کو اپنے پاس رکھے یہاں تک کہ وہ پاک ہو جائے اور پھر جب وہ حائضہ ہو اور اس کے بعد پاک ہو جائے پھر اگر اسے طلاق دینا چاہے تو پاکی کی حالت میں اسے طلاق دے قبل اس کے کہ اس سے جماع کرے پس یہی وہ عدت ہے جس کے مطابق اللہ تعالیٰ نے عورتوں کو طلاق دینے کا حکم دیا ہے۔ ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ (رسول اللہ ﷺ نے حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے فرمایا

کہ) عبداللہ کو حکم دو کہ وہ اس عورت سے رجوع کرے اور پھر اس کو پاکی کی حالت میں یا حمل کی حالت میں طلاق دے''۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: قولہ :انه طلق امرأة..... ثم تحیض فتطهر :

وهی حائض :جملہ حالیہ ہے۔ای طلقها فی حال حیضها.

فتغیظ فیه رسول الله ﷺ :یہ حالت حیض میں طلاق کے حرام ہونے پر دلیل ہے۔اس لئے کہ آپ غیر حرام پر غصے کا اظہار نہیں فرماتے تھے۔

لیراجعها :یہ دلیل ہے کہ حرام ہونے کے باوجود طلاق واقع ہو جاتی ہے اور رجوع کے مستحب ہونے پر دلیل ہے۔

حتّٰی تطهر :ابن ہمام فرماتے ہیں کہ حدیث کے الفاظ ''یمسکها حتیٰ تطهر'' سے ظاہر ہے کہ رجوع کا مستحب ہونا یا واجب ہونا اس حیض کے ساتھ مقید ہے جس میں طلاق دی ہے' اور یہی مطلب ہمارے علماء کے کلام سے مفہوم ہو رہا ہے اگر غور کیا جائے۔پس اگر اس نے رجوع نہیں کیا یہاں تک کہ وہ پاک ہوگئی تو معصیت برقرار رہے گی۔

ثم تحیض فتطهر :امام نووی فرماتے ہیں کہ اگر کہا جائے کہ طہر ثانی تک مؤخر کرنے میں کیا فائدہ ہے؟

اس کے کئی جواب ہیں:ایک تو یہ ہے کہ تاکہ یہ رجوع طلاق کی غرض سے نہ ہو۔پس لازم ہے کہ وہ اس کو اپنے پاس اتنی مدۃ تک روکے رکھے جس میں اس کے لئے طلاق دینا حلال ہو، اور اس نے اس لئے روکے رکھا ہے تاکہ رجوع کا فائدہ ظاہر ہو۔یہ جواب ہمارے علماء کا ہے۔

دوسرا جواب یہ ہے کہ یہ اس کے لئے سزا ہے اور اس کی معصیت سے توبہ ہے اس کی جنایت کے استدراک کے ساتھ۔

تیسرا جواب یہ ہے کہ پہلا طہر اس حیض کے ساتھ جس میں اس نے طلاق دی ہے ایک ہے۔تو جس نے اس طہر میں طلاق دی یہ ایسا ہے جیسے کسی نے حالت حیض میں طلاق دی ہو۔

چوتھا جواب یہ ہے کہ آپؐ نے پہلے طہر میں طلاق سے منع فرمایا، تاکہ اس کے ساتھ قیام طویل ہو جائے تو شاید وہ جماع کر لے اور دل سے طلاق کی وجہ نکل جائے اور وہ اس کو اپنے پاس روک لے۔(انتھی)

یہ آخری جواب بہتر ہے۔لیکن زیادہ ظاہر یہ ہے کہ کہا جائے کہ اس کو حالت طہر میں روکنے کا حکم دیا تھا۔ہدایہ میں ہے: واذا طهرت وحاضت ثم طهرت فان شاء طلقها وان شاء امسکها یعنی جب وہ پاک ہو جائے پھر حیض آ جائے' پھر پاک ہو جائے تو پھر چاہے تو طلاق دیدے اور چاہے تو اپنے پاس روکے رکھے۔ابن ہمام کہتے ہیں کہ یہ الفاظ قدوری کے ہیں۔ اور اسی طرح اصل میں مذکور ہے اور امام محمد رحمہ اللہ کے الفاظ یہ ہیں کہ جب وہ پاک ہو جائے دوسرے حیض میں تو رجوع کر لے۔

طحاوی نے ذکر کیا ہے کہ اس کے لئے جائز ہے کہ وہ طلاق دیدے اس طہر میں جو اس حیض کے بعد ہے کہ جس حیض میں طلاق واقع ہوئی تھی اور رجوع کیا تھا۔شیخ ابوالحسن کرخی فرماتے ہیں کہ جو طحاوی نے ذکر کیا ہے یہ امام ابوحنیفہؒ کا قول ہے اور جو اصل میں ذکر ہے وہ صاحبین کا قول ہے۔

اور ظاہر یہ ہے کہ جو اصل میں ذکر ہے وہ سب کا قول ہے۔ اس لئے کہ وہ وضع ہے امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے مذہب کے اثبات کے لئے الا یہ کہ اگر کوئی اختلاف نقل کیا جائے، اور اس میں کوئی اختلاف منقول نہیں ہے۔ اور اسی وجہ سے کافی میں ہے کہ یہ امام ابوحنیفہ سے ظاہر الروایہ ہے، اور یہی امام شافعی کا قول مشہور ہے اور امام مالک اور احمد کا قول ہے، اور جو طحاوی نے ذکر کیا ہے وہ امام ابوحنیفہ سے روایت ہے، اور شوافع کی دلیل ہے۔ اور جو اصل میں مذکور ہے اور وہ ظاہر مذہب ہے۔ اس کی دلیل صحیحین میں مروی آپ علیہ السلام کا ارشاد ہے جو آپؐ حضرت عمرؓ سے فرمایا ہے: **مرہ فلیراجعها ثم ليمسكها** ...... ہے۔ اور بعض روایات میں یہ ہے کہ **حتی تحيض حيضة مسقلة سوٰى حيضتها التي طلقها فيها** اور جو طحاوی نے ذکر کیا ہے اس کی دلیل سالم کی روایت ہے ابن عمرؓ کی حدیث میں ہے: **فليراجعها ثم ليطلقها طاهراً او حاملاً** اس کو مسلم اور اصحاب سنن نے روایت کیا ہے اور پہلی روایت زیادہ بہتر ہے۔ اس لئے کہ وہ اس روایت کے بنسبت زیادہ مفصل ہے اور صحت کے اعتبار سے زیادہ قوی ہے۔

قوله :فان يداله ...... ان تطلق لها النساء:

قبل ان يمسها : اس میں اشارہ ہے اللہ کے اس ارشاد کی طرف: [**فطلقو هن لعدتهن**] [الطلاق:۱]

فتلك العدت : ہمارے ہاں حالت حیض ہے اور شافعی کے نزدیک حالت طہر ہے۔

ان تطلق لها النسآء : بعض کہتے ہیں کہ "**لها** " میں لام "فی" کے معنی میں ہے اس صورت میں یہ دلیل ہوگی امام شافعی کی کہ عدت طہر کے اعتبار سے ہوتی ہے اس لئے کہ اگر عدت حیض کے اعتبار سے ہو تو پھر لازم آئے گا کہ حالت حیض میں طلاق کا حکم ہو حالانکہ ایسا نہیں ہے۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ ہم نہیں مانتے کہ یہاں لام "فی" کے معنیٰ میں ہے بلکہ لام عاقبت کے لئے جیسا کہ اللہ کے اس ارشاد میں ہے: [**فطلقو هن لعدتهن**] [الطلاق:۱]

طاهرا او حاملا : امام نووی فرماتے ہیں کہ اس میں دلیل ہے کہ رجوع میں عورت کی رضا ضروری نہیں ہے اور نہ اس کے ولی کی۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ دلیل کی وجہ پوشیدہ ہے، جیسا کہ ظاہر ہے۔ زیادہ ظاہر استدلال اللہ کے اس ارشاد سے ہے ﴿**وبعولتن احق بردهن في ذلك ان ارادو اصلاحًا**﴾[البقرۃ:۲۲۸] "اور اُن عورتوں کے شوہر ان کے پھر لوٹانے کا حق رکھتے ہیں اس عدت کے اندر بشرطیکہ اصلاح کا قصد رکھتے ہوں"۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ یہ حیض اور حمل کے اجتماع پر دلالت کر رہا ہے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ حاملہ عورت اگر حالت حیض میں ہو تو اس کو طلاق دینا حالت حیض میں جائز ہے، اس لئے کہ اس کے حق میں عدت لمبی نہیں ہوتی کیونکہ اس کی عدت وضع حمل ہے۔ (انتھیٰ) ہمارے نزدیک حاملہ کو حیض نہیں آتا، اور جو خون وہ دیکھے گی وہ استحاضہ کا ہوگا۔

طلاق احسن یہ ہے کہ آدمی بیوی کو ایک طلاق دے ایسے طہر میں جس میں جماع نہ کیا ہو، اور نہ اس سے پہلے حیض میں اور اس کے بعد طلاق نہ دے اور طلاق حسن یہ ہے کہ "مدخول بھا" کو تین طلاقیں تین طہروں میں دے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ یہ بدعت ہے اور ایک سے زیادہ جائز نہیں ہے، اس لئے کہ طلاق میں اصل حظر اور منع ہے اور اباحت ضرورت کے لئے

ہے (یعنی خلاصی کے لئے ہے)، اور ضرورت ایک سے پوری ہو جاتی ہے۔

ہماری دلیل آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا وہ ارشاد ہے جو دار قطنی نے ابن عمر رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ ابن عمر نے اپنی بیوی کو حالت حیض میں طلاق دی، پھر ارادہ کیا کہ اس کو آخری دو طلاقیں بھی دے دیں۔ اس کی خبر رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو پہنچی تو آپ نے فرمایا اے ابن عمر! اللہ نے تجھے اس طرح کرنے کا حکم نہیں دیا، تو نے طریقہ سنت سے خطاء کی ہے۔ سنت یہ ہے کہ تم طہر کا انتظار کرو اور پھر ہر طلاق طہر میں دو۔ پس مجھے رجوع کرنے کا حکم دیا اور فرمایا کہ جب وہ پاک ہو جائے، تو اس وقت طلاق دینا، یا اپنے پاس روکے رکھنا، میں نے کہا اللہ کے رسول! اگر میں اس کو تین طلاق دوں تو کیا میرے لئے رجوع کرنا حلال ہوگا؟ فرمایا: نہیں وہ تجھ سے (ہمیشہ کے لئے) جدا ہو جائے گی اور گناہ ہوگا۔ (اس طرح ذکر کیا ہے ابن ہمام نے۔)

مطلق تخییر سے کچھ واقع نہیں ہوتا

۳۲۷۶: وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ خَيَّرَنَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاخْتَرْنَا اللّٰهَ وَرَسُوْلَهُ فَلَمْ يَعُدَّ ذٰلِكَ عَلَيْنَا شَيْئًا ۔ (متفق عليه)

اخرجه البخاري في صحيحه ۳٦۷/۹ الحديث رقم ۵۲٦۲ ومسلم في صحيحه ۱۱۰۳/۲ الحديث رقم (۲٤-۱٤۷۷) وابو داوٗد في السنن ٦۵۳/۲ الحديث رقم ۲۲۰۳ والترمذي في ٤۹۳/۳ الحديث رقم ۱۱۷۹ والنسائي في ۱٦۰/٦ الحديث رقم ۳٤٤۱ وابن ماجه في ٦٦۱/۱ الحديث رقم ۲۰۵۲ والدارمي في ۲۱۵/۲ الحديث رقم ۲۲٦۹ واحمد في المسند ٤۵/٦۔

ترجمہ: ''اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں (یعنی ازواجِ مطہرات رضی اللہ عنہن کو) اختیار دے دیا تھا (کہ اے نبی کی بیویو! اگر تم دنیا اور دنیا کی زینت و آسائش کی طلب گار ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دے کر چھوڑ دوں اور اگر تم اللہ کے رسول اور دارِ آخرت کی طلب گار ہو تو پھر جان لو کہ تمہارے لئے اللہ کے ہاں بے شمار اجر (عظیم ثواب) ہے) چنانچہ ہم نے (دنیا اور دنیا کی زینت و آسائش کے مقابلہ میں) اللہ اور اس کے رسول صلی اللہ علیہ وسلم کو اختیار کر لیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس اختیار کو ہمارے لئے (طلاق کی اقسام میں کوئی قسم جیسے ایک طلاق یا دو طلاق یا رجعی یا بائن) کچھ بھی شمار نہیں کیا''۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: علینا شیئاً: یہی اکثر صحابہ نے فرمایا ہے۔ اور یہی امام ابوحنیفہ اور شافعی کا مذہب ہے۔ اس میں رد ہے ان لوگوں کا جو کہتے ہیں کہ عورت کو جب اختیار دیا جائے اور وہ اپنے شوہر کو اختیار کر لے تو اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی۔ حضرت علی، زید بن ثابت رضی اللہ عنہما اور امام مالک رحمہ اللہ کا مذہب یہی ہے۔

قاضی کہتے ہیں کہ حضرت علیؓ فرماتے ہیں کہ جب شوہر اپنی بیوی کو اختیار دیدے اور وہ اپنے نفس کو اختیار کر لے تو ایک طلاق بائن سے وہ الگ ہو جائے گی اور اگر شوہر کو اختیار کر لیا تو ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی شوہر کے بیوی کو اختیار دینے کی وجہ سے۔ زید بن ثابت فرماتے ہیں کہ پہلی صورت میں تین طلاقیں واقع ہو جائیں گی اور دوسری صورت میں ایک طلاق بائن

واقع ہوگی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے ان دونوں کے قول پر اس کے ذریعے رد فرمایا

مظہر رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اگر شوہر نے اپنی عورت سے کہا کہ اختیار کر اپنے نفس کو یا مجھ کو اور عورت نے کہا کہ میں اپنے نفس کو اختیار کرتی ہوں، تو اس سے ایک طلاق رجعی واقع ہو جائے گی امام شافعی کے نزدیک۔ اور ایک طلاق بائن واقع ہوگی امام ابوحنیفہ کے نزدیک' اور امام مالک کے نزدیک تین طلاق واقع ہوں گی۔

امام بغوی رحمہ اللہ اس آیت کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ علماء کا اس اختیار کے بارے میں اختلاف ہے کہ کیا یہ امہات المؤمنین کی طرف طلاق کی تفویض تھی کہ نفس اختیار سے طلاق واقع ہو جاتی یا نہیں۔ تو حسن بصری، قتادہ اور اکثر اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ یہ تفویض طلاق تھی، بلکہ ان کو یہ اختیار دیا تھا کہ جب وہ دنیا کو اختیار کرلیں گی تو آپؐ ان کو الگ کر دیں گے ''أمتعكن '' کی وجہ سے۔ اور دلیل یہ ہے کہ آپؐ نے ان سے فی الفور جواب طلب نہیں کیا، کیونکہ آپؐ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا تھا: ''لا تعجلی حتی تستشیری ابویك'' اور تفویض طلاق کی صورت میں جواب فی الفور ہوتا ہے اور ایک قوم کا مذہب یہ ہے کہ تفویض طلاق تھی اگر وہ اپنے نفسوں کو اختیار کرتیں تو طلاق ہوتی۔ (انتہی)۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ مخیّرہ کو خیار مجلس حاصل ہوتا ہے۔ باجماع صحابہؓ آپؐ کے اس قول سے استدلال ''لا تعجلی الخ'' ضعیف ہے اس لئے کہ آپؐ نے ان کو یہ اختیار نہیں دیا تھا جس کے بارے میں کلام ہو رہا ہے کہ وہ اپنے آپ کو طلاق دے لیں؛ بلکہ آپؐ نے یہ اختیار دیا تھا کہ اگر وہ اپنے آپ کو اختیار کرلیں تو آپؐ ان کو طلاق دیدیں گے۔ کیا آیت تخییر میں اللہ کے اس فرمان کی طرف نہیں دیکھتے: ﴿ان كنتن تردن الحياة الدنيا وزينتها فتعالين امتعكن واسرحكن سراحًا جميلاً﴾ [الاحزاب:۲۸] ''کہ اگر تم دنیا کی زندگی اور اس کی زینت و آرائش کی خواستگار ہو تو آؤ میں تمہیں کچھ مال دوں اور اچھی طرح رخصت کردوں۔''

حرام کر لینے سے کفارہ ہے

۳۲۷۷: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ فِي الْحَرَامِ يُكَفِّرُ لَقَدْ كَانَ لَكُمْ فِي رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُسْوَةٌ حَسَنَةٌ. (متفق علیہ)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۶۵۶/۸ الحديث رقم ۴۹۱۱ ومسلم فی ۱۱۰۰/۲ الحديث رقم (۱۸-۱۴۷۳) وابن ماجه فی ۶۷۰/۱ الحديث رقم ۲۰۷۳۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے کسی چیز کو حرام قرار دینے پر کفارہ ادا کرنے کا ذکر کرتے ہوئے فرمایا کہ (اس سلسلہ میں) تمہارے لئے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم (کی زندگی) میں بہترین نمونہ ہے''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: اُسوۃ: ہمزہ کے ضمہ اور فتحہ کے ساتھ، متابعت کے معنیٰ میں ہے۔ بعض کہتے ہیں کہ ''اسوۃ'' اس حالت کو کہتے ہیں جس پر انسان ہو اپنے غیر کی اتباع میں۔ اتباع اچھی ہو یا بری ہو، اس لئے آیت میں اس کی صفت حسنہ آئی ہے۔

تور پشتی ؒ فرماتے ہیں کہ ابن عباس کی مراد یہ ہے کہ اگر کسی نے کوئی چیز جو اللہ نے اس کے لئے حلال کی ہے، اپنے اوپر حرام کر دی، تو اس پر قسم کا کفارہ لازم ہوگا۔ اس لئے کہ نبی نے جب اپنے نفس پر حرام کیا تھا تو ان کو کفارہ دینے کا حکم دیا گیا اس آیت کے ذریعے: ﴿یا یھا النبی لم تحرم ما احل اللہ لکم......﴾[التحریم:۱] ''اے پیغمبر جو چیز خدا نے تمہارے لئے جائز کی ہے تم اس سے کنارہ کشی کیوں کرتے ہو؟ کیا اس سے اپنی بیبیوں کی خوشنودی چاہتے ہو اور خدا بخشنے والا مہربان ہے۔''

جیسا کہ آنے والی حدیث میں آ رہا ہے۔ لہٰذا تم پر آپ ﷺ کی اتباع لازم ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لفظ تحریم قسم ہے اور جس نے اپنے اوپر اپنی ملکیت کو حرام کر لیا تو وہ حرام نہیں ہوگی، اگر اس کو مباح کرنا چاہے تو کفارہ ادا کرے۔ اور جب وہ اپنی بیوی یا لونڈی سے کہے کہ تو مجھ پر حرام ہے، اور اس سے حرمت کی نیت کرے یا کہے کہ میں نے تجھ کو حرام کر دیا ہے، تو ایسا ہے جیسا کہ وہ کہے کہ خدا کی قسم میں تجھ سے وطی نہیں کروں گا۔ پھر وطی کی تو اس پر قسم کا کفارہ لازم ہوگا۔

شارح نقایہ برجندی فرماتے ہیں کہ جب آدمی کہے ''تو مجھ پر حرام ہے'' اگر اس نے ظہار کی نیت کی یا طلاق ثلاثہ کی نیت کی یا جھوٹ کی، تو وہی ہوگا جو اس نے نیت کی ہے، اور اگر تحریم کی نیت کی تو پھر یہ ''ایلاء'' ہوگا۔ اس لئے کہ حلال کو حرام کرنے میں اصل یہ ہے کہ یہ قسم ہے۔ اللہ عز وجل کا ارشاد ہے: یایھا النبی لم تحرم اور اگر طلاق کی نیت کی یا کسی بھی چیز کی نیت نہیں کی تو طلاق بائن واقع ہوگی۔ امام شافعی فرماتے ہیں کہ جب کوئی اپنی بیوی سے کہے کہ تو مجھ پر حرام ہے، یا میں نے تجھے حرام کر دیا ہے' اور نہ طلاق کی نیت کرے اور نہ ظہار کی، تو اس پر کفارہ یمین لازم ہوگا۔ اور اگر اپنی باندی سے اس طرح کہے تو، اگر آزادی کی نیت ہے تو وہ آزاد ہو جائے گی' اور اگر کچھ بھی نیت نہ ہو اس کی ذات کو حرام کرنے کی نیت ہو تو اس پر حرام نہ ہوگی اور اس پر قسم کا کفارہ لازم ہوگا۔ اور اگر کھانے کے بارے میں کہے کہ یہ مجھ پر حرام ہے یا میں نے اس کو اپنے نفس پر حرام کر لیا ہے تو اس کے لئے حرام نہ ہوگا' اور نہ اس پر کچھ لازم ہوگا۔

تحریم شہد کا تفصیلی واقعہ

۳۲۷۸: وَعَنْ عَآئِشَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَمْكُثُ عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ وَشَرِبَ عِنْدَهَا عَسَلًا فَتَوَاصَيْتُ اَنَا وَحَفْصَةُ اَنَّ اَيَّتَنَا دَخَلَ عَلَيْهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلْتَقُلْ اِنِّي اَجِدُ مِنْكَ رِيْحَ مَغَافِيْرَ اَكَلْتَ مَغَافِيْرَ؟ فَدَخَلَ عَلٰى اِحْدَاهُمَا فَقَالَتْ لَهُ ذَالِكَ فَقَالَ لَا بَأْسَ شَرِبْتُ عَسَلًا عِنْدَ زَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ فَلَنْ اَعُوْدَ لَهُ وَقَدْ حَلَفْتُ لَا تُخْبِرِيْ بِذَالِكَ اَحَدًا يَبْتَغِيْ مَرْضَاةَ اَزْوَاجِهِ فَنَزَلَتْ يَآ اَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ الْاٰيَةَ.

(متفق علیہ)

اخرجه البخاری فی صحیحه ٦٥٦/٨ الحدیث رقم ٤٩١٢ ومسلم فی ١١٠٠/٢ الحدیث رقم (٢٠-١٤٧٣) وابو داوٗد فی السنن ١٠٥/٤ الحدیث رقم ٣٧١٤) والنسائی فی ١٥١/٦ الحدیث رقم ٣٤٢١۔

ترجمہ: ''اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ نبی کریم ﷺ (اپنی بیوی) حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہا کے پاس ٹھہر جایا کرتے تھے اور وہاں شہد پیا کرتے تھے چنانچہ (ایک دن) میں نے اور حفصہ رضی اللہ عنہا نے آپس میں یہ طے کیا کہ نبی کریم ﷺ ہم میں سے جس کے پاس تشریف لائیں وہ یہ کہے آپ ﷺ کے منہ سے مغافیر (کھانے کا گوند جو عرفط پودے سے نکلتا ہے) کی بو آتی ہے کیا آپ ﷺ نے مغافیر کھایا ہے؟ چنانچہ آپ ﷺ جب ان دونوں میں سے ایک (یعنی حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا یا حضرت حفصہ رضی اللہ عنہا) کے پاس تشریف لائے تو اس نے یہی کہا' آپ ﷺ نے فرمایا کہ ایسی کوئی بات نہیں' میں نے زینب بنت جحش کے ہاں شہد پیا تھا اب میں کبھی شہد نہیں پیوں گا۔ میں نے قسم کھالی ہے لیکن تم کسی کو یہ نہ بتانا (تاکہ اس بات سے زینب رضی اللہ عنہا کی دل شکنی نہ ہو کہ اب میں ان کے ہاں شہد نہیں پیوں گا) اور اس سے (یعنی شہد کو اپنے اوپر حرام کر لینے سے) آپ ﷺ کا مقصد اپنی ازواج کو خوش کرنا تھا چنانچہ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: يٰٓاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَآ اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ ...... (یعنی اے نبی! آپ ﷺ محض اپنی بیویوں کی خوشنودی کے لئے اپنے لئے اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہیں جس کو اللہ نے آپ ﷺ کے لئے حلال قرار دیا ہے)''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: قوله :ان النبی کان ...... أکلت مغافیر :

مغافیر : میم کے فتحہ کے ساتھ' جمع ہے ''مغفور'' کی جو میم کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ اور بعض نے کہا ہے ''مغفر'' بکسر المیم کی جمع ہے۔ یہ ایک کانٹے دار درخت کا پھل ہوتا ہے جیسے عرفط قشر ہوتا ہے یہاں عرفط کا پھل مراد ہے۔ کیونکہ حدیث میں ہے: جرست نحلته العرفط یعنی شہد کی مکھی نے عرفط چاٹ لیا تھا۔ اور عرفط ایک کانٹے دار درخت ہے' جیسا کہ قاموس میں ہے اور عرفط سے جو نکلتا ہے وہ میٹھا ہوتا ہے اور اس کی بدبو ہوتی ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ یہ کانٹے دار درخت کا گوند ہوتا ہے۔

أنا وحفصة : مرفوع ہے۔ اس کے علاوہ کوئی احتمال نہیں۔

قوله :فقال لا باس ......

علامہ طیبی کہتے ہیں کہ ''وقد حلفت'' حال ہے ''لن اعود'' کی ضمیر سے' اور یہ پورا جملہ جواب ہے قسم محذوف کا۔ اور ''یبتغی'' حال ہے ''فقال لا باس'' کی ضمیر سے یعنی قال ذلك القول مبتغیا.

---**بذلك احدًا** : ابن الملک فرماتے ہیں تاکہ ان کی ازواج کو پتہ نہ چلے کہ آپ نے کوئی بدبودار چیز کھائی ہے۔ اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ آپ ؐ نے اس لئے فرمایا' تاکہ حضرت زینبؓ کا دل نہ ٹوٹے آپؐ کے شہد کو نہ پینے کی قسم سے۔

مرضات ازواجه : ابن الملک کہتے ہیں کہ راوی کہتے ہیں کہ یہ بات آپ علیہ السلام نے اپنی ازواج کو راضی کرنے کے لئے کہی اور یہ تحریم آپؐ سے لغزش کے طور پر سرزد ہوئی (انتھی)۔ یہ ان کی لغزش ہے' اس لئے کہ اس سے پہلے آپؐ کو کسی چیز کے حرام کرنے سے منع نہیں کیا گیا تھا۔ ہاں یہ کہا جا سکتا ہے کہ آپؐ سے خلاف اولیٰ کام کا صدور ہوا تو ''لم تحرم'' جیسے: عفا

الله عنك لم اذنت لهم۔ [التوبة:٤٣] کے ذریعہ عتاب ہوا اور ''حسنات الابرار سیآت المقربین'' ہوا کرتی ہیں۔ اسی لئے اللہ نے فرمایا: والله غفور رحیم۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ یہ آیت شہد کو چھوڑنے کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ اور ایک صحیح روایت میں ہے کہ آپؐ نے حفصہ کے پاس شہد کھایا تو حضرت عائشہ، صفیہ اور سودہ نے آپس میں مشورہ کیا۔ (یہ بغوی نے ذکر کیا ہے۔)

بغویؒ نے کہا ہے کہ مفسرین فرماتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ اپنی ازواج میں برابری کا معاملہ فرماتے تھے، پس ایک مرتبہ جب حضرت زینبؓ کی باری تھی، تو انہوں نے آپؐ سے اپنے والد کی زیارت کے لئے جانے کی اجازت مانگی، تو آپؐ نے اجازت دیدی۔ جب وہ باہر نکل گئیں، تو آپؐ نے اپنی باندی ماریہ قبطیہ کے پاس پیغام بھیجا، اور ان کو حضرت حفصہ کے گھر لے گئے اور ان سے جماع کیا، جب حفصہ واپس آئیں، تو دروازے کو بند پا کر دروازے کے پاس بیٹھ گئی، پس رسول اللہ ﷺ نکلے تو آپ کے چہرے پر پانی کے قطرے ٹپک رہے تھے، اور حفصہ رو رہی تھیں۔ آپؐ نے فرمایا: کیوں رو رہی ہو؟ وہ بولیں کہ آپؐ نے اس وجہ سے مجھے اجازت دی تھی، کہ آپؐ اپنی باندی کو میرے گھر میں لائیں اور میری باری میں اس کے ساتھ ہم بستری کریں اور میرے بستر پر۔ کیا میری کوئی حرمت اور حق نہیں ہے۔ آپؐ دوسری عورتوں میں سے کسی کے ساتھ بھی اس طرح نہیں کرتے۔ تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: کیا وہ میری لونڈی نہیں ہے جو اللہ نے میرے لئے حلال کی ہے۔ خاموش ہو جا۔ وہ مجھ پر حرام ہے۔ اور اس سے میں تیری رضا چاہتا ہوں۔ پس ان میں سے کسی عورت کو یہ نہ بتانا۔ اس پر اللہ پاک نے یہ آیت نازل کی: يَاَيُّهَا النَّبِيُّ لِمَ تُحَرِّمُ مَا اَحَلَّ اللّٰهُ لَكَ تَبْتَغِيْ مَرْضَاتَ اَزْوَاجِكَ...... (یعنی اے نبی! آپ ﷺ محض اپنی بیویوں کی خوشنودی کے لئے اپنے لئے اس چیز کو کیوں حرام کرتے ہیں جس کو اللہ نے آپ ﷺ کے لئے حلال قرار دیا ہے)'' یعنی شہد اور ماریہ۔ واللہ اعلم۔

الفصل الثانی:

بلا عذر طلاق کا مطالبہ کرنے والی عورت پر جنت حرام

٣٢٧٩: وَعَنْ ثَوْبَانَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيُّمَا امْرَاَةٍ سَاَلَتْ زَوْجَهَا طَلَاقًا فِيْ غَيْرِ مَا بَاْسٍ فَحَرَامٌ عَلَيْهَا رَائِحَةُ الْجَنَّةِ. (رواه احمد والترمذى وابن ماجة والدارمى)

اخرجه ابوداؤد فى السنن ٦٦٧/٢ الحديث رقم ٢٢٢٦ والترمذى فى ٤٩٣/٣ الحديث رقم ١١٨٧ وابن ماجه فى ٦٦٢/١ الحديث رقم ٢٠٥٥ واحمد فى المسند ٢٧٧/٥ والدارمى فى ٢١٦/٢ الحديث رقم ٢٢٧٠۔

ترجمہ: ''حضرت ثوبان رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو عورت اپنے شوہر سے بلا وجہ طلاق کا مطالبہ کرے گی اس پر جنت کی خوشبو حرام ہوگی (یعنی جب میدانِ حشر میں اللہ کے نیک اور پیارے بندوں کو جنت کی خوشبو پہنچے گی تو یہ عورت اس خوشبو سے محروم رہے گی)''۔ (احمد، ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ، دارمی)

تشریح: زوجها طلاقًا : ایک روایت میں الطلاق ہے، یعنی اپنے لئے یا کسی اور کے لئے۔

في غير ما بأس : ایک روایت میں "من غير ما بأس" ہے، یعنی اس سوال کی ضرورت کے بغیر۔"ما": زائد تاکید کے لئے ہے۔

فحرام عليها رائحة الجنة : (اس کے کئی مطلب ہوسکتے ہیں):

① یعنی اس سے منع کیا جائے گا۔ یہ بطور وعید وتہدید میں مبالغہ کے لئے ہے۔ ② یا یہ ایک خاص وقت کے ساتھ متعلق ہے نہ کہ ہمیشہ کے لئے، یعنی کہ وہ جنت کی خوشبو نہیں پائے گی پہلی مرتبہ جب نیک بندے اس کو پائیں گے۔ ③ اور یا بالکل نہیں پائے گی یہ تہدید میں مبالغہ کے لئے ہوگا۔ اس کی بہت سی مثالیں ہیں۔ (یہ قاضی نے کہا ہے۔)

④ اور یہ کوئی بعید نہیں کہ وہ جنت کی خوشبو کی لذت سے محروم ہو اگرچہ جنت میں چلی بھی جائے۔

تخریج: و كذا ابن حبان و الحاكم.

طلاق حلال چیزوں میں سے مبغوض ترین چیز ہے

۳۲۸۰: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَبْغَضُ الْحَلَالِ اِلَى اللّٰهِ الطَّلَاقُ۔

(رواه ابوداود)

اخرجه ابوداؤد في السنن ۲/ ۶۳۱ الحديث رقم ۲۱۷۸ وابن ماجه في ۱/ ۶۵۰ الحديث رقم ۲۰۲۸۔

ترجمہ: "اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: حلال چیزوں میں سے اللہ کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ (یعنی سب سے بری) چیز طلاق ہے"۔ (ابوداؤد)

تشریح: عن النبی : ایک نسخہ میں "ان النبیؐ" ہے۔

ابغض الحلال الی الله الطلاق : کہا گیا ہے کہ طلاق کا مبغوض ہونا اس کے حلال ہونے کے منافی ہے۔ اس لئے کہ مبغوض ہونا تقاضا کرتا ہے کہ اس کا ترک اس کے فعل سے راجح ہو اور حلال ہونا تقاضا کرتا ہے کہ اس کا فعل اور ترک برابر ہو؟ (اس کے متعدد جوابات دیئے گئے ہیں):

① حلال سے مراد وہ نہیں ہے جس کی دونوں اطراف برابر ہوں، بلکہ عام ہے اس لئے کہ بعض حلال کام مشروع ہوتے ہیں اور اللہ کے ہاں مبغوض اور ناپسندیدہ بھی ہوتے ہیں، جیسے بغیر عذر کے گھر میں نماز پڑھنا، مغصوبہ زمین میں نماز پڑھنا، اذان جمعہ کے وقت خرید وفروخت کرنا۔ غیر معتکف کے لئے مسجد میں کھانا پینا وغیرہ۔ اور جب شیطان کو سب سے پسندیدہ چیز مرد اور عورت کے درمیان جدائی ہے، جیسا کہ پہلے گزرا تو اللہ کے ہاں سب سے ناپسندیدہ چیز طلاق ہے۔ یہ حاصل ہے اس کا جو علامہ طیبی نے ذکر کیا ہے۔

② اور شمنی کہتے ہیں کہ اس کا جواب دیا گیا ہے کہ حلال سے مراد وہ ہے جس کا ترک لازم نہ ہو۔ چنانچہ وہ شامل ہے مباح، واجب، مندوب، مکروہ کو۔ (انتھی)۔ ③ اور کہا گیا ہے کہ طلاق حلال ہے لذاتہ اور مبغوض ہونا اس پر گناہ وغیرہ مرتب ہورہا ہے

اس کے اعتبار سے ہے۔ یا کہا جائے کہ حاجت اور ضرورت کے وقت ابغض الحلال اللہ کے نزدیک طلاق ہے۔ واللہ اعلم۔

④ بعض حلال مشروع ہے، اور اللہ کے نزدیک مبغوض ہے جیسے بغیر عذر کے گھر میں نماز پڑھنا، اور مغصوبہ زمین میں نماز پڑھنا اور آذان جمعہ کے وقت بیع کرنا، ان سب میں بحث ہے۔ اس لئے کہ گھروں میں نماز پڑھنا، اگر چہ بغیر عذر کے ہوں اللہ کا پسندیدہ ہے لیکن مسجد میں جماعت کے ساتھ پڑھنا زیادہ پسند ہے اور مبغوض احب اور زیادہ پسندیدہ کا ترک ہے نہ کہ نفس نماز کا اداء کرنا۔ پھر مغصوبہ زمین میں نماز پڑھنا حلال مشروع میں سے نہیں ہے، اس لئے کہ مغصوبہ زمین میں داخل ہونا اور وہاں ٹھہرنا شرعاً منع ہے۔ اور اسی طرح اذان جمعہ کے وقت خرید وفروخت حرام ہے اگر چہ جنس بیع حلال ہے۔ پس غور کریں یہاں اگر مشروع سے ان کی مراد صحیح ہو یعنی شریعت میں اس کا واقع اور منعقد ہونا صحیح ہو، تو پھر ان کا کلام درست ہو جائے گا۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے آپ ؐ نے فرمایا: **ابغض المباحات عند الله الطلاق.** اس میں تصریح ہے طلاق کی اباحت اور اس کے مبغوض ہونے کی۔ اور اس پر مکروہ شرعی کے لازم کا ترتب لازم نہیں آتا الا یہ کہ مکروہ اصطلاحی معنیٰ میں ہو۔ اور اس کو صفت بغض کے ساتھ متصف کرنے سے یہ لازم نہیں آتا، ورنہ اس کو اباحت کے ساتھ متصف نہ کیا ہوتا۔ لیکن یہاں صفت اباحت کے ساتھ موصوف کیا ہے۔ اس لئے کہ افعل التفضیل بعض ہوتا ہے۔ زیادہ سے زیادہ یہ ہے کہ یہ اللہ کے نزدیک مبغوض ہے اور اس پر وہ کچھ مرتب نہیں ہوتا جو مکروہ پر ہوتا ہے۔ اور مکروہ نہ ہونے کی دلیل اللہ کا یہ ارشاد ہے: ﴿**لا جناح عليكم ان طلقتم النساء ما لم تمسوهن**﴾ [البقرة۔۲۳۶] (تم پر کوئی گناہ نہیں کہ تم ان بیویوں کو جنہیں تم نے نہ ہاتھ لگایا طلاق دے دو)۔

اور آپ ؐ کا حفصہ ؓ کو طلاق دینا، اور پھر اللہ کا آپ ؐ کو حکم دینا رجوع کرنے کا کہ وہ زیادہ روزے رکھنے والی اور نماز پڑھنے والی ہے۔ اس سے ان لوگوں کا قول باطل ہو جاتا ہے جو کہتے ہیں کہ طلاق دینا جائز نہیں مگر بڑھاپے کی وجہ سے یا ریب اور شک کی بناء پر اس لئے کہ حفصہ کو طلاق دینا ان میں سے کسی ایک وجہ سے بھی نہیں تھا۔ اور جو منقول ہے: **لعن الله كل ذواق مطلاق.** کہ اللہ کی لعنت ہو ہر ذائقہ چکھنے والے طلاق دینے والے پر۔ تو وہ بغیر ضرورت کے طلاق دینے پر محمول ہے۔ اس پر دلیل وہ روایت ہے جس میں آپ ؐ نے فرمایا ہے: ہر وہ عورت جس نے اپنے شوہر سے خلع کیا بغیر کسی نشوز اور زیادتی کے تو اس پر اللہ، فرشتوں اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ اور عنقریب علماء کا کلام تعلیلات سمیت آ رہا ہے۔ اس سے اس بات کی تصریح ہو رہی ہے کہ طلاق محظور ہے، اس لئے کہ اس میں نعمت نکاح کی ناشکری ہے اور مذکورہ دو حدیثوں کی وجہ سے۔ اس کو حاجت کی وجہ سے مباح کیا گیا ہے اور وہ حاجت خلاصی ہے اخلاق کے آپس میں نہ ملنے اور بغض وعداوت کے پیدا ہونے کے وقت جو حدود اللہ کو قائم نہ رکھنے کے موجب ہیں۔ اس لئے اللہ نے اس کو مشروع کیا، اپنی طرف سے ایک نعمت کے طور پر۔ تو دونوں حکموں میں تعارض ہے۔

اصح یہ ہے کہ یہ ممنوع ہے مذکورہ دلائل کی وجہ سے۔ مگر حاجت کے وقت مباح ہے۔ اور لفظ مباح کو محمول کیا جائے گا کہ جو بعض اوقات میں مباح قرار دیا گیا ہے، یعنی وقت حاجت کے متحقق ہونے کے وقت۔ یہ ابوداؤد کی اس روایت سے ظاہر ہوتا ہے ... اللہ نے کوئی چیز حلال نہیں کی ہے جو اس کو زیادہ ناپسند ہے طلاق سے اور فعل کے لئے عموم زمان نہیں ہوتا۔ لیکن حاجت

بڑھاپے اور شک مقصود نہیں ہے۔ پس طلاق کو مباح کرنے والی حاجات میں سے یہ بھی ہے کہ مرد کو اس کی طرف اشتہاء نہ ہو، بایں طور کہ عاجز ہو یا اپنے آپ کو جماع پر مجبور کرنے سے ضرر پہنچتا ہو۔ پس اگر وہ دوسری عورت کے ساتھ نکاح کی طاقت رکھتا ہے اس کو باقی رکھنے کے باوجود اور یہ عورت اس کی عصمت میں بغیر وطی کے رہنے پر راضی ہے، یا بغیر برابری کے تو پھر اس کو طلاق دینا مکروہ ہے۔ جیسا کہ رسول اللہ ﷺ اور سودہ کے مابین طے ہوا تھا۔ اور اگر وہ طاقت نہیں رکھتا یا یہ عورت اپنے حق کو چھوڑنے پر راضی نہیں ہے، تو پھر طلاق دینا مباح ہے۔ اس لئے کہ دلوں کو پھیرنے والا اللہ تعالیٰ ہی ہے۔

حسن سے منقول ہے کہ ان سے کثرت شادی اور کثرت طلاق کے بارے میں پوچھا گیا تو فرمایا کہ میں غنیٰ کو پسند کرتا ہوں۔ اللہ نے فرمایا: ﴿وان يتفرقا يغن الله كلا من سعته﴾ [النساء: ۱۳۰] : (اور اگر دونوں جدا ہی ہو جائیں تو اللہ ہر ایک کو اپنے (فضل کی) وسعت سے بے نیاز کر دے گا)۔'' یہ ان کی رائے بھی اگر یہ اپنے ظاہر پر ہے۔

صحابہ سے طلاق کے واقعات منقول ہے جیسے حضرت عمرؓ کا ام عاصم کی بیٹی کو طلاق دینا' عبدالرحمٰن بن عوف کا طلاق دینا اور مغیرہؓ بن شعبہ کا ایک ساتھ چار بیویوں کو طلاق دینا، مغیرہؓ نے ان سے کہا: انتن حسنات الاخلاق نا عمات الاطراف طويلات الاعناق اذهبن فانتن طلاق. ''تم اچھے اخلاق والی ہو' نرم اعضاء والی ہو' لمبی گردنوں والی ہو، پس چلی جاؤ تمہیں طلاق ہے۔ تو یہ بھی حاجت کے وجود پر محمول ہے جو ہم نے ذکر کیا ہے' اور جب کوئی حاجت اور ضرورت نہ ہو تو یہ محض نعمت کی نا شکری اور سوءادب ہے، لہٰذا مکروہ ہے۔ واللہ اعلم۔

تخریج: رواه ابو داود، وكذا ابن ماجه والحاكم

پانچ کام اپنے وقت پر

۳۲۸۱: وَعَنْ عَلِيٍّ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا طَلَاقَ قَبْلَ نِكَاحٍ وَلَا عِتَاقَ إِلَّا بَعْدَ مِلْكٍ وَلَا وِصَالَ فِي صِيَامٍ وَلَا يُتْمَ بَعْدَ احْتِلَامٍ وَلَا رِضَاعَ بَعْدَ فِطَامٍ وَلَا صَمْتَ يَوْمٍ إِلَى اللَّيْلِ

(رواه في شرح السنة)

اخرجه البغوى فى شرح السنة ۱۹۸/۹ الحديث رقم ۲۳۵۰۔

ترجمہ: ''اور حضرت علی رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''نکاح سے پہلے طلاق واقع نہیں ہوتی' مالک ہونے سے پہلے (غلام کو) آزاد نہیں کیا جا سکتا اور مسلسل روزے (یعنی رات کو افطار کئے بغیر مسلسل و پیہم روزے رکھے چلے جانا) جائز نہیں (یہ صرف رسول اللہ ﷺ کے خصائص میں سے تھا اور صرف آپ ﷺ ہی کے لئے جائز تھا) بالغ ہونے کے بعد کوئی یتیم نہیں رہتا (یعنی جس کے والدین نہ ہوں اور وہ بالغ ہو جائے تو اسے یتیم نہیں کہیں گے) دودھ پینے کی مدت کے بعد دودھ پینا رضاعت میں شامل نہیں (یعنی دودھ پینے کی مدت دو سال ہے اور دودھ پینے کے سبب جو حرمت نکاح ہوتی ہے وہ اس مدت کے بعد دودھ پینے سے ثابت نہیں ہوتی) اور صبح سے رات تک خاموشی اختیار کرنے کا کوئی جواز نہیں۔ (یا یہ کہ اس کا کوئی ثواب

نہیں ہے)"۔(شرح السنۃ)

تشریح: قوله :لا عتاق الا بعد ملك:

عتاق : عین کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

قوله :لا يتيم بعد احتلام:

لایتم : یاء کے ضمہ اور تاء کے سکون کے ساتھ ہے۔

علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ نفی اگرچہ لفظ طلاق اور عتاق پر جاری ہے لیکن "منفی" محذوف ہے۔اصل میں عبارت یوں ہے: **لا وقوع الطلاق قبل النكاح** کہ نکاح سے پہلے طلاق واقع نہیں ہوتی اور ملک کے بغیر عتق ثابت نہیں ہوتا۔اس پر تفصیلی کلام اگلی حدیث میں آرہا ہے۔

قوله :ولا صمت يوم...... : یعنی نہ اس کا کوئی اعتبار ہے اور نہ کوئی فضیلت ہے اور نہ ہمارے دین میں مشروع ہے۔ ہم سے پہلے اُمتوں میں مشروع تھا،اور بعض کہتے ہیں کہ مراد اس سے منع کرنا ہے۔یہ خاموشی جاہلیت کے طریقوں میں سے تھی، ان کے اعتکاف کے وقت۔تو اس حدیث میں ان پر رد فرمایا۔طاؤس کہتے ہیں کہ جس نے بات کی اور اللہ سے ڈرا وہ بہتر ہے اس سے جو خاموش رہا،اور اللہ سے ڈرا۔(جیسا کہ شرح السنہ میں ہے)اس کی تائید اس حدیث سے ہوتی ہے:

من كان يؤمن بالله واليوم الآخر فليقل خيرا او ليصمت.

تخریج: ابن ہمام فرماتے ہیں کہ ابن ماجہ نے اس کو مسور بن مخرمہ سے مرفوعاً روایت کیا ہے: **"لا طلاق قبل النكاح ولا عتق قبل ملك"**۔اور ابن ماجہ ہی میں حضرت علیؓ کے طریق سے ایک اور مرفوع روایت ہے: **"لا طلاق قبل النكاح"** اور اس میں "جویبر" راوی ضعیف ہے۔

جس چیز کا مالک نہیں اس کی نذر نہیں

۳۲۸۲:وَعَنْ عَمْرِوبْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَذْرَ لِابْنِ اٰدَمَ فِيْمَا لَا يَمْلِكُ وَلَا عِتْقَ فِيْمَا لَا يَمْلِكُ وَلَا طَلَاقَ فِيْمَا لَا يَمْلِكُ (رواه الترمذی وزاد ابوداود) وَلَا بَيْعَ اِلَّا فِيْمَا يَمْلِكُ ۔

اخرجه ابوداوٗد فی السنن ٢/ ٦٤٠ الحديث رقم ٢١٩٠ والترمذی فی ٣/ ٤٩٦ الحديث رقم ١١٨١ وابن ماجه فی ١/ ٦٦٠ الحديث رقم ٢٠٤٧ واحمد ی المسند ٢/ ١٩٠۔

ترجمہ: "اور حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنے والد (حضرت شعیب) سے اور حضرت شعیبؒ اپنے دادا (حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما) سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ابن آدم جس چیز کا مالک نہیں اس میں اس کا نذر دینا نیز اس چیز (یعنی لونڈی وغلام) کو آزاد کرنا جس کا وہ مالک نہیں ہے نیز اس چیز (عورت) کو

طلاق دینا جس کا وہ مالک نہیں ہے معتبر نہیں ہے۔ (ترمذی' ابوداؤد) اور ابوداؤد نے اپنی روایت میں یہ الفاظ بھی نقل کئے ہیں کہ اس چیز کو فروخت کرنا بھی معتبر نہیں جس (کی فروختگی کا معاملہ کرنے) کا وہ (اصالتہ یا وکالتہ یا ولایۃ) مالک نہیں ہے''۔

تشریح: **قوله :لا نذر لابن آدم:**

فیما لا یملك : یعنی یہ صحیح نہیں ہے، پس اگر کوئی کہہ دے کہ اللہ کے لئے مجھ پر لازم ہے کہ میں اس غلام کو آزاد کروں، اور وہ غلام اس کی ملکیت میں نہ ہو منت کے وقت' تو یہ منت صحیح نہیں ہے، اگر اس کے بعد یہ شخص اس غلام کا مالک ہوا، تو یہ غلام اس پر آزاد نہ ہوگا۔ (اس طرح ذکر کیا ہے بعض شراح نے ہمارے علماء میں سے) اور ابوداؤد کی روایت میں یہ الفاظ زائد ہیں: **ولا بیع الا فیما یملك.**

ابن ہمام کی شرح میں ہے کہ ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن ہے اور یہ اس باب میں روایت کی گئی احادیث میں احسن روایت ہے۔ یہ امام شافعی کی دلیل ہے، یہی امام احمد کا قول ہے' اور یہ منقول ہے حضرت علی، ابن عباس اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہم سے۔

ہمارا مذہب یہ ہے کہ جب وہ طلاق کو سببیت ملک کی طرف مضاف کرے تو یہ طلاق صحیح ہے' جیسا کہ وہ کسی اجنبی عورت سے کہے' اگر میں نے تجھ سے نکاح کیا تو تجھے طلاق ہے' تو جب نکاح ہوگا تو طلاق واقع ہو جائے گی۔ اسی طرح اگر وہ عتق کی اضافت ملک کی طرف کرے' جیسے اگر میں غلام کا مالک ہوا تو وہ آزاد ہے۔ اس لئے کہ یہ معلق کرنا ہے ایسی چیز کو جس کی تعلیق صحیح ہے اور وہ طلاق عتاق، وکالۃ اور ابراء ہے۔

امام مالک فرماتے ہیں اگر اس نے کسی شہر یا قبیلہ یا صنف یا عورت کو خاص کیا تو طلاق صحیح ہوگی۔ اور اگر تعمیم کے ساتھ مطلقا ذکر کیا تو صحیح نہیں ہے اسلئے کہ اس میں نکاح کے دروازے کو بند کرنا ہے۔ اور یہی ربیعہ، اوزاعی اور ابن ابی لیلیٰ کا مذہب ہے۔ اور ہمارے نزدیک عموم اور اس خصوص میں کوئی فرق نہیں ہے، مگر یہ کہ اس کی صحت عموم کی صورت میں مطلق ہے' یعنی کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ معلق کرے اداۃ شرط کے ساتھ یا اس کے ساتھ جو اس کے معنیٰ میں ہے۔ اور متعینہ عورت میں شرط ہے کہ وہ اداۃ شرط کی تصریح کے ساتھ ہو۔ پس اگر وہ کہہ دے: ''**هذا المرأة التی اتزوجها طالق**. کہ یہ عورت جس کے ساتھ میں شادی کروں گا اس کو طلاق ہے۔ پھر اس نے شادی کر لی تو طلاق واقع نہ ہوگی۔ اس لئے کہ اس نے اشارہ کے ساتھ اس کو متعین کیا ہے، پس اس میں صفت یعنی اتزوجہا مؤثر نہیں ہوگی۔ بلکہ اس میں صفت لغو ہے، گویا کہ اس نے یوں کہا ہے: **هذه طلاق**: یہ طلاق ہے، اور وہ یوں کہے: ''**ان تزوجت هذه** '' تو یہ صحیح ہے۔

اور سبب کی تصریح ضروری ہے۔ محیط میں ہے اگر کوئی کہے کہ ہر وہ عورت جو اس کے ساتھ اس کے بستر پر جمع ہوا س کو طلاق ہے، پھر اس نے کسی عورت سے نکاح کیا تو اس کو طلاق نہ ہوگی۔ اسی طرح اگر وہ کہے' ہر وہ باندی جس سے میں وطی کروں وہ آزاد ہے، پھر اس نے کوئی باندی خرید لی، اور اس کے ساتھ وطی کی، تو وہ آزاد نہ ہوگی۔ اس لئے کہ اس نے عتق کی نسبت ملک کی طرف نہیں کی ہے۔ ہمارا مذہب حضرت عمر، ابن مسعود اور ابن عمر سے منقول ہے۔

اگر یہ کہا جائے کہ ان روایات کو نفی تنجیز پر حمل کرنے کا کوئی مطلب نہیں ہے اس لئے کہ یہ تو بالکل ظاہر ہے اور ہر ایک اس کو سمجھتا ہے۔ پس نفی تعلیق پر حمل کرنا لازم ہے۔

پس جواب یہ ہے کہ حکم شریعت کے مشہور ہونے کے بعد یہ ظاہر بنا ہے نہ کہ اس سے پہلے کیونکہ زمانہ جاہلیت میں لوگ شادی سے پہلے تنجیزاً طلاق دیتے تھے اور جب نکاح ہو جاتا اس کو طلاق شمار کرتے تھے۔ آپ نے شریعت میں اس کی نفی فرمادی۔ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو موطأ مالک میں ہے کہ سعید بن عمرو بن سلیم الزرقی نے قاسم بن محمد سے پوچھا اس شخص کے بارے میں کہ اس نے عورت کو طلاق دی ہے اگر وہ اس سے شادی کرلے، تو قاسم نے کہا کہ ایک آدمی نے کہا کہ یہ عورت مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے اگر میں نے اس کے ساتھ شادی کرلی۔ تو حضرت عمرؓ نے حکم دیا کہ اگر اس آدمی نے اس کے ساتھ شادی کر لی تو اس کے قریب نہ جائے یہاں تک کہ کفارہ ظہار ادا کرے۔ پس حضرت عمرؓ نے تصریح کر دی ہے ظہار کے ملک کے ساتھ معلق کرنے کی صحت کی۔ اور اس پر کسی نے نکیر نہیں کی تو یہ اجماع ہوا ایک ہے۔

اور اختلاف اس میں بھی ہے اور اس طرح ایلاء میں بھی ہے کہ اگر کوئی آدمی کہہ دے کہ اگر میں نے تیرے ساتھ شادی کر لی تو خدا کی قسم میں چار ماہ تک تیرے قریب نہیں آؤں گا۔ تو جب وہ اس کے ساتھ شادی کرے گا تو یہ ایلاء کرنے والا ہو جائے گا۔

حضرت رُکانہ نے طلاقِ بتہ دی

۳۲۸۳: وَعَنْ رُكَانَةَ بْنِ عَبْدِ يَزِيْدَ اَنَّهٗ طَلَّقَ امْرَأَتَهٗ سُهَيْمَةَ الْبَتَّةَ فَاُخْبِرَ بِذٰلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ وَاللّٰهِ مَا اَرَدْتُ اِلَّا وَاحِدَةً فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ مَا اَرَدْتَّ اِلَّا وَاحِدَةً ؟ فَقَالَ رُكَانَةُ وَاللّٰهِ مَا اَرَدْتُ اِلَّا وَاحِدَةً فَرَدَّهَا اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَطَلَّقَهَا الثَّانِيَةَ فِيْ زَمَانِ عُمَرَ وَالثَّالِثَ فِيْ زَمَانِ عُثْمَانَ (رواه ابوداود والترمذی وابن ماجة والدارمی الا انهم لم يذكروا الثانية والثالثة)

اخرجه ابوداؤد فی السنن فی ٦٥٥/١ الحديث رقم ٢٢٠٦ والترمذی فی ٤٨٠/٣ الحديث رقم ١١٧٧ وابن ماجه فی ٦٦١/١ الحديث رقم ٢٠٥١ والدارمی فی ٢١٦/٢ الحديث رقم ٢٢٧۔

ترجمہ: "اور حضرت رکانہ بن عبد یزید رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی سہیمہ رضی اللہ عنہا کو طلاق بتہ دی اور پھر اس کا ذکر نبی کریم ﷺ سے کیا اور کہا کہ اللہ کی قسم! میں نے ایک طلاق کی نیت کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (کیا واقعی) اللہ کی قسم! تم نے ایک طلاق کی نیت کی تھی؟ رکانہؓ نے کہا (کہ ہاں) اللہ کی قسم! میں نے ایک طلاق کی نیت کی تھی' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی عورت کو ان کی طرف لوٹا دیا۔ پھر رکانہ رضی اللہ عنہا نے اس عورت کو دوسری طلاق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اور تیسری طلاق حضرت عثمان غنی

اگر یہ کہا جائے کہ ان روایات کو نفی تنجیز پر حمل کرنے کا کوئی مطلب نہیں ہے اس لئے کہ یہ تو بالکل ظاہر ہے اور ہر ایک اس کو سمجھتا ہے۔ پس نفی تعلیق پر حمل کرنا لازم ہے۔

پس جواب یہ ہے کہ حکم شریعت کے مشہور ہونے کے بعد یہ ظاہر بنا ہے نہ کہ اس سے پہلے کیونکہ زمانہ جاہلیت میں لوگ شادی سے پہلے تنجیزاً طلاق دیتے تھے اور جب نکاح ہو جاتا اس کو طلاق شمار کرتے تھے۔ آپؐ نے شریعت میں اس کی نفی فرمادی۔ اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جو موطأ مالک میں ہے کہ سعید بن عمرو بن سلیم الزرقی نے قاسم بن محمد سے پوچھا اس شخص کے بارے میں کہ اس نے عورت کو طلاق دی ہے اگر وہ اس سے شادی کر لے، تو قاسم نے کہا کہ ایک آدمی نے کہا کہ یہ عورت مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہے اگر میں نے اس کے ساتھ شادی کر لی۔ تو حضرت عمر نے حکم دیا کہ اگر اس آدمی نے اس کے ساتھ شادی کر لی تو اس کے قریب نہ جائے یہاں تک کہ کفارہ ظہار ادا کر۔ پس حضرت عمر نے تصریح کر دی ہے ظہار کے ملک کے ساتھ معلق کرنے کی صحت کی۔ اور اس پر کسی نے نکیر نہیں کی تو یہ اجماع ہوا ایک ہے۔

اور اختلاف اس میں بھی ہے اور اس طرح ایلاء میں بھی ہے کہ اگر کوئی آدمی کہہ دے کہ اگر میں نے تیرے ساتھ شادی کر لی تو خدا کی قسم میں چار ماہ تک تیرے قریب نہیں آؤں گا۔ تو جب وہ اس کے ساتھ شادی کرے گا تو یہ ایلاء کرنے والا ہو جائے گا۔

حضرت رُکانہ نے طلاقِ بتہ دی

۳۲۸۳: وَعَنْ رُكَانَةَ بْنِ عَبْدِ يَزِيْدَ اَنَّهٗ طَلَّقَ امْرَاَتَهٗ سُهَيْمَةَ الْبَتَّةَ فَاُخْبِرَ بِذٰلِكَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَقَالَ وَاللّٰهِ مَا اَرَدْتُ اِلَّا وَاحِدَةً فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ مَا اَرَدْتَّ اِلَّا وَاحِدَةً ؟ فَقَالَ رُكَانَةُ وَاللّٰهِ مَا اَرَدْتُ اِلَّا وَاحِدَةً فَرَدَّهَا اِلَيْهِ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَطَلَّقَهَا الثَّانِيَةَ فِيْ زَمَانِ عُمَرَ وَالثَّالِثَ فِيْ زَمَانِ عُثْمَانَ (رواه ابوداود والترمذی وابن ماجة والدارمی الا انهم لم يذكروا الثانية والثالثة)

اخرجه ابوداؤد فی السنن فی ٦٥٥/١ الحديث رقم ٢٢٠٦ والترمذی فی ٤٨٠/٣ الحديث رقم ١١٧٧ وابن ماجه فی ٦٦١/١ الحديث رقم ٢٠٥١ والدارمی فی ٢١٦/٢ الحديث رقم ٢٢٧۔

ترجمہ: ''اور حضرت رکانہ بن عبد یزید رضی اللہ عنہ کے بارے میں روایت ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی سہیمہ رضی اللہ عنہا کو طلاق بتہ دی اور پھر اس کا ذکر نبی کریم ﷺ سے کیا اور کہا کہ اللہ کی قسم! میں نے ایک طلاق کی نیت کی تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ (کیا واقعی) اللہ کی قسم! تم نے ایک طلاق کی نیت کی تھی؟ رکانہؓ نے کہا (کہ ہاں) اللہ کی قسم! میں نے ایک طلاق کی نیت کی تھی' چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان کی عورت کو ان کی طرف لوٹا دیا۔ پھر رکانہ رضی اللہ عنہا نے اس عورت کو دوسری طلاق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں اور تیسری طلاق حضرت عثمان غنی

رضی اللہ عنہ کے عہد خلافت میں دی۔ اس روایت کو ابوداؤد' ترمذی' ابن ماجہ اور دارمی نے نقل کیا ہے۔ لیکن ترمذی' ابن ماجہ اور دارمی نے اپنی روایت میں دوسری اور تیسری طلاق کا ذکر نہیں کیا ہے''۔

حالاتِ راوی:

رکانۃ بن عبد یزید۔ یہ ''رکانہ'' عبد یزید بن ہاشم بن عبدالمطلب قرشی کے بیٹے ہیں۔ یہ بڑے طاقتور تھے۔ ان کی حدیث حجاز میں میں ہے۔ حضرت عثمان رضی اللہ عنہ کے زمانہ تک زندہ رہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ۴۲ھ میں وفات پائی ہے۔ ان سے ایک جماعت نے روایت کی ہے ''رکانہ'' میں راء مہملہ پر ضمہ ہے اور کاف غیر مشدد اور نون ہے۔

تشریح: رکانة: راء کے ضمہ کے ساتھ ہے۔

سهيمة: تصغیر کے ساتھ ہے۔

قوله: انه طلق امرأته ...... ما أردت الا واحدة:

البتة: ہمزہ وصل کے ساتھ ہے یہ ''بتّ'' سے مشتق ہے جس کے معنی ہیں۔ کہا جاتا ہے: عين باتة وبتة اى منقطعة عن علائق التعويق

فاخبر: صحیح یہ ہے کہ یہ مبنی للفاعل ہے اور اصل پر ہے اور اس کی تائید الاصل الاصیل کی روایت سے ہوتی ہے۔ تقدیر سے مستغنی کرنے والی ہے جو خلاف اصل ہے۔

وقال والله: '' فاخبر'' پر عطف ہے، اور مصابیح کی عبارت یوں ہے: ''فاتى النبى وقال: انى طلقت امرأتى البتة والله ما اردت الا واحدة'' یہ تقاضا کرتا ہے کہ 'فاخبر'' مجہول ہو' اور مشکوٰۃ کی عبارت میں ''وقال'' معطوف ہے اور معطوف علیہ مقدر ہے یعنی فاتى النبىؐ وقال والله ما اردت الا واحدة.

البتة: یعنی یہ کہا: ''انت طالق البتة'' بعض نے کہا ہے کہ ''البتة'' سے مراد طلاق منجز ہے۔

'' طلاق بتة'' امام شافعی کے نزدیک ایک طلاق رجعی ہے، اور اگر اس نے دو یا تین کی نیت کی تو اس کی نیت کے مطابق ہوگی۔ اور امام ابوحنیفہ کے نزدیک ایک طلاق بائن ہے اور اگر اس نے تین کی نیت کی تو تین ہوں گی' اور امام مالک کے نزدیک تین طلاق ہیں۔

شرح السنہ میں ہے کہ امام شافعی نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ تین طلاقوں کو جمع کرنا مباح ہے، اور بدعت نہیں ہوگی۔ اس لئے کہ نبی نے ان سے پوچھا کہ تمہارا اس سے کیا ارادہ تھا' اور ایک سے زائد کے ارادے کو منع نہیں کیا اور یہی امام شافعی کا قول ہے۔ اس میں بحث ہے' اس لئے کہ یہ حدیث صرف تین طلاق کے واقع ہونے پر دلالت کر رہی ہے باقی وہ مباح ہے یا حرام ہے، تو اس پر دلالت نہیں کر رہی ہے۔ واللہ اعلم۔

قاضی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں کئی فوائد ہیں۔ ان میں سے ایک یہ ہے کہ شوہر کی تصدیق کی جائے گی قسم کے ساتھ' اس چیز میں جس کا وہ دعویٰ کر رہا ہے' جب تک کہ ظاہری الفاظ اس کی تکذیب نہ کریں۔

اوران میں سے ایک یہ ہے کہ ''البتۃ'' عدد طلاق میں مؤثر ہے، اس لئے اگر ایسا نہ ہوتا تو وہ اس بات پر قسم نہ اٹھواتے کہ اس نے صرف ایک کا ارادہ کیا تھا۔ اور یہ کہ جس کی طرف قسم متوجہ ہو جائے اور وہ حاکم کے حلف لینے سے پہلے قسم اٹھالے تو اس کی قسم معتبر نہ ہوگی اس لئے کہ اگر یہ معتبر ہوتی، تو آپ علیہ السلام اس کی پہلی قسم پر اکتفاء کرتے اور دوبارہ اس سے حلف نہ لیتے اور یہ کہ جس چیز میں حاکم کو احتساب کا حق ہو اس میں مدعی کے بغیر بھی اس کے لئے فیصلہ کرنا درست ہے۔

قولہ :فردھا الیہ رسول اللہ ﷺ :امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کے نزدیک اس کا مطلب یہ ہے کہ اس کو نکاح جدید کے ساتھ واپس لوٹانے کی اجازت دی۔ کیونکہ ان کے نزدیک اس سے ایک طلاق بائن واقع ہوتی ہے چاہے وہ ایک کی نیت کرے یا دو کی یا کچھ بھی نیت نہ کرے۔ اور اگر تین کی نیت کی تو تین واقع ہوں گی۔ اور رجوع کرنے کے حکم کے ساتھ امام شافعی کے نزدیک بایں طور کہ وہ کہے میں نے اس کو اپنے نکاح میں لوٹا لیا۔

شرح السنہ میں ہے کہ اس سے معلوم ہوا کہ "طلاق البتۃ "ایک طلاق ہے جب تک ایک سے زائد مراد نہ لی جائے، اور وہ ایک رجعی ہے۔ اور حضرت علیؓ سے روایت کیا گیا ہے کہ وہ لفظ "الخلیۃ البریۃ" اور ''الباتۃ "۔ ''البتۃ'' اور ''الحرام'' کو تین طلاق قرار دیتے تھے۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ وہ روایت منکر ہے جو ابن اسحٰق نے عکرمہ عن ابن عباس رضی اللہ عنہما سے نقل کی ہے کہ ابن عباس نے فرمایا کہ رکانہ بن عبد یزید نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی تھیں ایک مجلس میں؛ پھر وہ اس پر بہت سخت غمگین ہوئے تو آپ ؐ نے ان سے پوچھا کہ تم نے اس کو کس طرح طلاق دی ہے؟ وہ بولے کہ ایک مجلس میں تین طلاقیں دی ہیں۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ تمہیں صرف ایک طلاق کا اختیار ہے اور عورت سے رجوع کرلو

صحیح روایت وہ ہے جو ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے روایت کی ہے رکانہ نے اپنی بیوی کو طلاق البتۃ دی، تو آپ ؐ نے ان سے حلف لیا کہ ان کی مراد صرف ایک تھی تو پھر ان کی طرف لوٹا دی اور پھر انہوں نے دوسری طلاق حضرت عمرؓ کے زمانہ میں دی اور تیسری حضرت عثمانؓ کے دور میں دی۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ یہ زیادہ صحیح ہے۔ (انتہیٰ)۔ پس حمل کیا جائے گا مصنف کے قول" **لم یذکروا......** " کو ان کی روایت پر۔

تین ایسی چیزوں کا بیان جو سنجیدگی و مذاق میں یکساں ہیں

۳۲۸۴:وَ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ جِدُّهُنَّ جِدٌّ وَهَزْلُهُنَّ جِدٌّ اَلنِّكَاحُ وَالطَّلَاقُ وَالرَّجْعَةُ. (رواہ الترمذی و ابوداود و قال الترمذی ھذا حدیث حسن غریب)

اخرجہ ابوداؤد فی السنن ۶۴۳/۲ الحدیث رقم ۲۱۹۴ والترمذی فی ۴۹۰/۳ الحدیث رقم ۱۱۸۴ وابو ماجہ فی ۶۵۸/۱ الحدیث رقم ۲۰۳۹۔

ترجمہ:''اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تین چیزیں ایسی ہیں جن کا قصد کرنا بھی قصد ہے اور مزاح میں بھی قصد ہے: (۱) نکاح (۲) طلاق (۳) رجعت۔ (ترمذی'

ابوداؤد) ترمذی نے کہا یہ ہے کہ حدیث حسن غریب ہے"۔

تشریح: هزل : کسی لفظ سے غیر موضوع لہ معنی مراد لینا بغیر کسی مناسبت کے دونوں کے درمیان۔ اور "جد" کہتے ہیں کسی لفظ سے موضوع لہ یا وہ معنیٰ مجازاً لینا کہ لفظ جس کی صلاحیت رکھتا ہو۔

والرجعة : راء کے کسرہ اور فتحہ دونوں کے ساتھ ہے۔ قاموس میں ہے کہ کسرہ اور فتحہ کے ساتھ مطلقاً لوٹنے کو کہتے ہیں اپنی مطلقہ کی طرف۔ اور قاضی عیاض کی مشارق میں ہے کہ "رجعة المطلقة" میں دو وجوہ ہیں، اور زیادہ تر کسرہ پڑھا جاتا ہے اور ابن مکی نے کسرہ کا انکار کیا ہے لیکن یہ درست نہیں ہے۔

یعنی اگر کسی نے طلاق دی یا نکاح کیا یا رجوع کیا اور کہا کہ میں تو مزاح کر رہا تھا تو یہ کہنا اس کو فائدہ نہیں دے گا۔ اسی طرح بیع، ہبہ اور تمام تصرفات کا حکم ہے۔ ان تین کو اس لئے خاص کیا کہ یہ تصرفات میں زیادہ عظمت کے حامل اور اتم ہیں۔ قاضی کہتے ہیں کہ اہل علم کا اتفاق ہے کہ مزاح کرنے والے کی طلاق واقع ہو جاتی ہے، اگر صریح لفظ طلاق عاقل بالغ کی زبان پر جاری ہو جائے، تو اس کو یہ کہنا فائدہ نہیں دے گا میں تو مزاح کر رہا تھا، اس لئے کہ اگر اس کی یہ بات قبول کر لی جائے، تو احکام معطل ہو جائیں گے اور ہر طلاق اور نکاح کرنے والا کہے گا کہ میں تو مزاح کر رہا تھا۔ پس اس میں اللہ کے احکام کا ابطال ہے تو جس نے کلام کیا کسی چیز پر جن کا ذکر اس حدیث میں آیا ہے تو اس کا حکم اس پر لازم ہو جائے گا۔

تخریج: اسی طرح ابن ماجہ نے بھی اس کو روایت کیا ہے جیسا کہ الجامع الصغیر میں ہے' نکاح کی طلاق پر تقدیم کے ساتھ۔ ابوبکر غفاری کہتے ہیں کہ بعض روایات میں "والعتق" بھی ہے، لیکن یہ صحیح نہیں ہے۔ منذری کہتے ہیں اگر ان کی مراد یہ ہو کہ صحیح کی شرائط کے مطابق صحیح نہیں ہے تو ان کا کلام درست ہے' اور اگر ان کی مراد یہ ہے کہ یہ ضعیف ہے تو ان کا کلام محل نظر ہے، اس لئے کہ یہ حسن ہے جیسا کہ ترمذی نے کہا ہے۔ (اس کو ذکر کیا ہے میرک نے۔)

بے عقل کی طلاق واقع نہیں ہوتی

۳۲۸۵: وَعَنْ عَآ ئِشَةَ قَالَتْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا طَلَاقَ وَلَا عِتَاقَ فِيْ إِغْلَاقٍ. (رواه ابوداود وابن ماجة قيل معنى الا غلاق الاكراه)

اخرجه ابوداوٗد في السنن ٦٤٢/٢ الحديث رقم ٢١٩٣ وابن ماجه في ٦٦٠/١ الحديث رقم ٢٠٤٦ واحمد في المسند ٢٧٦/٦۔

ترجمہ: "اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ جبر و اکراہ کی حالت نہ تو طلاق واقع ہوتی ہے اور نہ آزادی معتبر ہوتی ہے۔ (ابوداؤد' ابن ماجہ) اور بیان کیا جاتا ہے کہ اغلاق کے معنی جبر و اکراہ کے ہیں"۔

تشریح: اغلاق : ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ "اکراہ" کے معنی میں ہے۔

اس حدیث کو اختیار کیا ہے ان لوگوں نے جو مکرہ کی طلاق اور عتاق کے واقع ہونے کے قائل نہیں ہیں یعنی امام مالک،

شافعی اور احمد (اسی حدیث کو لیا ہے)۔ اور ہمارے نزدیک مکرہ کی طلاق عتاق اور نکاح صحیح ہے' حالت ہزل یعنی مزاح میں صحیح ہونے پر قیاس کرتے ہوئے، جیسا کہ شرح الوقایہ میں ہے۔

طیبی کہتے ہیں کہ بعض نے کہا ہے کہ اغلاق کا مطلب ''ایک ساتھ تمام طلاقیں دینا'' ہے کہ کچھ بھی نہ بچے لیکن طلاق سنت دے۔ (انتھیٰ)۔ لیکن یہ تفسیر عتاق میں درست نہیں ہے۔

میرک کہتے ہیں کہ ابوداؤد کی روایت میں ''فی غلاق'' ہے اور ابوداؤد کہتے ہیں کہ میرا خیال ہے کہ غلاق ''غضب'' کو کہتے ہیں۔ منذری کہتے ہیں کہ محفوظ ''الاغلاق'' ہے اور علماء نے اس کی تفسیر ''اکراہ'' سے کی ہے کیونکہ ''مکرہ'' پر اس کے معاملے کو بند کیا جاتا ہے اور اس کے تصرفات میں تنگی کی جاتی ہے۔ جیسا کہ انسان پر دروازہ بند کیا جاتا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ اس پر دروازے کو بند کر کے اس کو قید کیا جاتا ہے اور اس پر تنگی کی جاتی ہے۔ یہاں تک کہ وہ طلاق دیدیتا ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ یہاں ''الاغلاق'' کا معنیٰ ''غضب'' ہے جیسا کہ ابوداؤد نے تفسیر کی ہے۔

بعض نے کہا کہ اس کا معنیٰ ہے کہ تین طلاقوں کو ایک ساتھ واقع کرنے سے منع ہے جو کہ طلاق بدعت ہے۔ یہ امام ابوحنیفہ اور ایک جماعت کا مذہب ہے۔ اور امام شافعی کے نزدیک یہ بدعت نہیں ہے (جیسا کہ اس کو ذکر کیا ہے میرک شاہ نے۔)

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ مکرہ کی طلاق واقع ہوتی ہے' یہی شعبہ، نخعی اور ثوری کا مذہب ہے، اس میں اختلاف ہے، امام شافعی کا۔ امام مالک اور احمد کا قول امام شافعیؒ کے مطابق ہے بشرطیکہ اکراہ بغیر حق کے ہو۔ تو اس کی طلاق اور خلع صحیح نہیں ہے۔ یہ حضرت علی، ابن عمر، شریح اور عمر بن عبدالعزیز سے منقول ہے، آپ ﷺ کی اس حدیث کی وجہ سے: **رفع عن امتی الخطأ والنسیان وما استکرھوا علیہ**۔ کہ میری امت سے خطا اور بھول کو اٹھا لیا گیا ہے، اور جس چیز پر ان کو مجبور کیا جائے۔

اور اس وجہ سے بھی کہ اکراہ اس اختیار کے ساتھ جمع نہیں ہوسکتا جس کی وجہ سے تصرف شرعی معتبر ہوتا ہے۔ برخلاف مزاح کرنے والے کے' کہ وہ طلاق کا تکلم کرنے میں بااختیار ہے، اور اس کے فیصلہ پر راضی نہیں ہے۔ تو اس کی طلاق واقع ہو جائے گی۔

ہم کہتے ہیں کہ اسی طرح مکرہ کو بھی تکلم میں اختیار کامل ہوتا ہے مگر یہ کہ وہ اس کے فیصلہ پر راضی نہیں ہے کیونکہ اس نے دو شرور کو جانا اور پھر ان میں سے آسان کو اختیار کر لیا۔ سوائے اس کے کہ یہ اس کے اختیار پر محمول ہے لیکن نفی حکم میں اس کا کوئی اثر نہیں ہے۔ اس پر حضرت حذیفہ اور ان کے والد کی حدیث دلالت کر رہی ہے کہ جب مشرکین نے ان سے قسم لی تو آپؐ نے ان سے فرمایا: **نفی لھم بعھدھم ونستعین اللہ علیھم** تو آپ نے واضح کر دیا کہ قسم طوعاً اور کرھاً برابر ہے۔ پس معلوم ہوا کہ اکراہ کی کوئی تاثیر نہیں ہے اس حکم کی نفی میں جس کا تعلق ایسے لفظ کے ساتھ ہو جو اختیار سے خالی ہو۔ برخلاف بیع کے' کیونکہ اس کا حکم متعلق ہوتا ہے لفظ اور لفظ کے قائم مقام چیز کے ساتھ' برضا و رغبت اور اکراہ کے ساتھ یہ نہیں پایا جاتا۔

اور حدیث: ''**رفع عن امتی الخطأ والنسیان وما استکرھوا علیہ**''۔ باب مقتضیٰ سے ہے' اس میں عموم نہیں ہے' اور یہاں اس حکم کو مقدر ماننا جو احکام دنیا و آخرت دونوں کو عام ہو درست نہیں' بلکہ یا حکم دنیا مقدر ہو گا یا حکم آخرت' اور اجماع اس

پر ہے کہ حکم آخرت مقدر ہے اور وہ مواخذہ ہے تو اس کے ساتھ دوسرا مراد نہ ہوگا، ورنہ عام ہو جائے گا۔

امام محمد نے اپنی سند کے ساتھ صفوان بن عمر الطائی سے نقل کیا ہے کہ ایک عورت اپنے شوہر کو ناپسند کرتی تھی، پس ایک مرتبہ اس کو سویا ہوا پایا، تو عورت نے چھری لی اور اس کے سینے پر بیٹھ گئی پھر اسے حرکت دی اور کہنے لگی کہ مجھے تین طلاق دو یا میں تجھے ذبح کروں گی۔ شوہر نے اس کو اللہ کا واسطہ دیا لیکن عورت نہ مانی، پس اس نے تین طلاق دے دیں، پھر وہ صاحب رسول اللہ ﷺ کے پاس آ گئے، اور اس کے بارے میں پوچھا تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: لاقيلولة فى الطلاق کہ طلاق میں فسخ نہیں ہوتا (انتھی)۔

شمنیؒ کہتے ہیں کہ اس کو عقیلی نے اپنی کتاب میں روایت کیا ہے۔ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ وہ احکام جو اکراہ کے باوجود ثابت ہوتے ہیں کل دس (۱۰) ہیں:

① نکاح ② طلاق ③ رجوع ④ ایلاء ⑤ فئی ⑥ ظہار ⑦ عتاق۔ ⑧ قصاص کی معاضی ⑨ قسم۔ ⑩ نذر۔

میں نے ان کو (بصورت اشعار) جمع کیا ہے تا کہ ان کا حفظ آسان ہو۔

يصح مع الاكراه عتق ورجعة ☆ نكاح وايلاء طلاق مفارق

وفى ظهار واليمين ونذره ☆ وعفو لقتل شاب عنه مفارق

(مذکورہ بالا کلام) اسلام کے علاوہ احکام میں اکراہ کے بارے میں ہے اگر اسلام پر اکراہ کو شامل کریں تو گیارہ ہو جاتے ہیں کیونکہ اسلام اکراہ کے ساتھ بھی صحیح ہوتا ہے۔

۳۲۸۶: وَعَنْ اَبِي هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّ طَلَاقٍ جَائِزٌ اِلَّا طَلَاقُ الْمَعْتُوْهِ وَالْمَغْلُوْبِ عَلٰى عَقْلِهٖ (رواه الترمذى وقال هذا حديث غريب وعطاء بن عجلان الراوى ضعيف ذاهب الحديث)

اخرجه الترمذى فى السنن ۴۹۶/۳ الحديث رقم ۱۱۹۱۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ہر طلاق واقع ہو جاتی ہے سوائے بے عقل اور مغلوب العقل کے (ان کی طلاق واقع نہیں ہوتی)''۔ امام ترمذی نے اس روایت کو نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس کے ایک راوی عطاء بن عجلان (روایت حدیث میں) ضعیف شمار کئے جاتے ہیں کیونکہ ان کے حافظہ میں حدیث محفوظ نہیں رہتی تھی''۔

تشریح: قوله: كل طلاق جائز......

المعتوه: بعض کہتے ہیں کہ پاگل اور جس کی عقل میں خلل ہو اس کو ''معتوہ'' کہتے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ ''معتوہ'' ناقص العقل کو کہتے ہیں۔

والمغلوب على عقله: یہ ماقبل کے لئے عطف تفسیری ہے، اور اس کی تائید اس روایت سے ہوتی ہے جس میں ''المغلوب'' بغیر واؤ کے ہے، اور بعض نے ''مغلوب'' سے مراد سکران لیا ہے۔

شرح السنہ میں ہے کہ سکران کی طلاق واقع ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ حضرت عثمان اور ابن عباس فرماتے ہیں کہ اس کی طلاق واقع نہیں ہوتی، اس لئے کہ مجنون کی طرح اس بھی عقل نہیں ہوتی' حضرت علی اور ان کے علاوہ حضرات فرماتے ہیں کہ واقع ہو جاتی ہے، اور یہی امام مالک، ثوری اور اوزاعی کا مذہب ہے۔ امام شافعی اور ابوحنیفہ کا ظاہر مذہب بھی یہی ہے۔ کیونکہ یہ عاصی ہے اور خطاب شرع اس سے زائل ہوا ہے اور نہ گناہ۔ اس کی دلیل یہ ہے کہ اس کو نماز کی قضاء کرنے کا حکم دیا جائے گا اور نماز کا وقت نکالنے کی وجہ سے وہ گنہگار ہوگا۔

زین العرب کہتے ہیں کہ ''معتوہ'' ناقص العقل کو کہتے ہیں' اور ''مغلوب العقل'' سکران کو بھی شامل ہے اور مجنون' نائم اور وہ مریض جس کی عقل مرض کی وجہ سے زائل ہوگئی ہو اور بے ہوش آدمی' ان سب کی طلاق واقع نہیں ہوتی اور اس طرح بچے کی، (انتھیٰ)۔ اور تحفہ میں ہے کہ جس شخص کو شراب پینے پر مجبور کیا گیا یا مضطر' جب وہ شراب پی لے اور اس کو نشہ آ جائے تو اس کی طلاق واقع نہ ہوگی، کیونکہ یہ معصیت نہیں ہے۔ ایضاح میں ہے کہ طلاق واقع ہو جائے گی، اس لئے کہ نشہ ایسے فعل سے حاصل ہوا ہے جو اصل میں ممنوع ہے' اور یہی صحیح ہے۔ (اس کو ذکر کیا ہے شمنی نے۔) قاضی خان فرماتے ہیں کہ صحیح اول ہے۔ ہدایہ میں ہے کہ بچے کی طلاق واقع نہیں ہوتی اگرچہ وہ عقل رکھتا ہو۔ اور اسی طرح مجنون، اور سوئے ہوئے کی بھی طلاق واقع نہیں ہوتی' اور ''معتوہ'' مجنون کی طرح ہے۔

ابن ہمام کہتے ہیں کہ کہا گیا ہے کہ معتوہ وہ ہوتا ہے جس کی سمجھ کم ہو، کلام میں اختلاط ہو اور تدبیر جس کی فاسد ہو، لیکن وہ نہ مارتا ہو اور نہ گالی دیتا ہو، بخلاف مجنون کے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ عاقل وہ ہے جس کی باتیں اور کام درست ہو اور مجنون وہ ہے جو اس کا برعکس ہو اور معتوہ وہ ہے جس میں یہ دونوں برابر طور پر پائی جائیں اور اس کا مطلب تو یہ ہوا کہ کسی پر معتوہ ہونے کا حکم نہ لگایا جائے۔ اور اول قول اولیٰ ہے۔

بعض نے کہا ہے کہ معتوہ وہ ہے جو پاگلوں کی طرح کام کرے ارادۃً، باوجود اس کے فساد ظاہر ہونے کے اور مجنون وہ ہوتا ہے جو بغیر ارادے کے کرے' اور عاقل ان دونوں کے برخلاف ہوتا ہے، اور کبھی مجنون کی طرح کام کر لیتا ہے اس کو درست سمجھتے ہوئے۔ اور مدہوش بھی اسی طرح ہے۔ اور یہ آپؐ کے اس قول کی وجہ ہے: **كل طلاق جائز الا طلاق الصبى والمجنون**۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ ابن ابی شیبہ نے اپنی سند کے ساتھ ابن عباس سے روایت کیا ہے: **لا يجوز طلاق الصبى** اور حضرت علیؓ سے بھی مروی ہے: **كل طلاق جائز الا طلاق المعتوه**. اور اس کو بخاری نے حضرت علیؓ سے تعلیقاً ذکر کیا ہے، اور جواز سے مراد یہاں نافذ ہوتا ہے۔

اور بخاری نے حضرت عثمانؓ سے بھی روایت کیا ہے کہ انہوں نے فرمایا: **ليس لمجنون و لا سكران طلاق.**

ہدایہ میں ہے کہ نشے والے کی طلاق واقع ہوتی ہے، اور اسی طرح اس کا آزاد کرنا اور خلع کرنا۔ اور سکران وہ ہوتا ہے جو مرد عورت اور آسمان و زمین کے درمیان تمیز نہ کر سکے، اور اگر اس میں اتنی عقل ہو جس کے ساتھ اس کا مکلف ہونا واقع ہو، تو وہ صحیح کی طرح ہے۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں اختلاف ہے۔ جو تابعین اور ان کے بعد والوں کے درمیان جاری رہا ہے۔ تابعین میں سے سعید بن مسیّب' عطاء، حسن بصری، ابراہیم نخعی' ابن سیرین اور مجاہد وقوع کے قائل ہیں۔ اور یہی امام مالک، ثوری، اور اوزاعی فرماتے ہیں امام شافعی کا صحیح قول اور امام احمد کی روایۃ کا بھی یہی ہے اور عدم وقوع کے قائل یہ حضرات ہیں: قاسم بن محمد، طاؤس' ربیعہ بن عبدالرحمٰن، لیث' اسحٰق بن راہویہ' ابوثور اور امام زفر رحمہم اللہ اور ہم نے حضرت عثمان کا قول بھی یہی ذکر کیا ہے اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے بھی مروی ہے اور یہی کرخی' طحاوی اور محمد بن سلمہ کا مختار مذہب ہے، ہمارے مشائخ میں سے۔

دونوں مذہبوں یعنی شافعیہ اور حنفیہ کے مشائخ اس بات پر متفق ہیں کہ اس شخص کی طلاق واقع ہو جاتی ہے جس کی عقل غائب ہو چکی ہو بھنگ کے استعمال کرنے سے، بوجہ ان کے فتویٰ کے اس کو حرام ہونے کے بعد اس کے کہ انہوں نے اس میں اختلاف کیا۔ مزنی نے اس کی حرمت کا فتویٰ دیا، اور اسد بن عمرو نے حلال ہونے کا، کیونکہ متقدمین نے اس کے بارے میں کوئی کلام نہیں کیا، چونکہ ان کے زمانہ میں اس کا معاملہ ظاہر نہیں ہوا تھا۔ پس جب اس کا فساد ظاہر ہوا، اور عام ہوا تو دونوں مذاہب کے مشائخ اس کی حرمت کی طرف لوٹے' اور فتویٰ دیا کہ جس کی عقل اس کی وجہ سے زائل ہو تو اس کی دی ہوئی طلاق واقع ہو جائے گی، اور بھنگ اور افیون کی وجہ سے عدم وقوع کا فتویٰ دیا معصیت نہ ہونے کی وجہ سے۔ اس لئے کہ عام طور پر یہ تداوی کے لئے ہوتی ہیں۔ پس عقل کا زوال ایسے سبب کے ذریعے نہیں ہوا جو کہ گناہ ہے۔ ہاں اگر یہ دواء کے طور پر نہ ہو بلکہ لہو کے لئے ہو، اور آفت کو داخل کرنے کے لئے ہو، تو مناسب یہ ہے کہ ہم کہہ دیں کہ طلاق واقع ہو جاتی ہے، پھر اگر کوئی شخص اس کو اکراہ کی وجہ سے پی لے بالقمہ نگلنے کے لئے پی لے اور اس کو نشہ آ جائے، تو ائمہ ثلاثہ کے نزدیک اس کی طلاق واقع نہ ہوگی اور یہی ہمارے بعض مشائخ اور فخر الاسلام کا قول ہے، اور اکثر کہتے ہیں کہ واقع ہو جاتی ہے اس لئے کہ اس کی عقل کامل تلذذ کے وقت زائل ہوئی ہے، اور اس وقت وہ مکرہ نہ تھا اول قول احسن ہے، اس لئے کہ زوال عقل کے وقت طلاق کے واقع ہونے کا موجب وہ سبب ہوتا ہے جو کہ ممنوع ہو' اور وہ یہاں منتفی ہے۔

حاصل یہ ہے کہ نشہ اگر سبب مباح کی وجہ سے ہو، جیسے کسی کو شراب کے پینے پر مجبور کیا جائے۔ یا ''اشربہ اربعہ محرمہ'' پینے پر مجبور کیا جائے یا حالت اضطرار میں پی لے تو اس کی طلاق اور عتاق واقع نہیں ہوتی، اور جس نے ان میں سے اپنے اختیار سے پی، تو اس کی عبارات معتبر ہوں گی' اور جس نے گندم اور شہد سے تیار کردہ کوئی مشروب پیا اور اس کو نشہ آیا، اور طلاق دی، تو امام ابو حنیفہ اور ابو یوسف کے نزدیک طلاق واقع نہ ہوگی اور امام محمد کے نزدیک ہو جائے گی۔ اور فتویٰ امام محمد کے قول پر دیا جائے گا، اس لئے کہ نشہ ہر مشروب سے حرام ہے۔

بے عقل کی طلاق واقع نہیں ہوتی

۳۲۸۷: وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رُفِعَ الْقَلَمُ عَنْ ثَلَاثَةٍ عَنِ النَّائِمِ حَتّٰى يَسْتَيْقِظَ وَعَنِ الصَّبِيِّ حَتّٰى يَبْلُغَ وَعَنِ الْمَعْتُوْهِ حَتّٰى يَعْقِلَ. (رواه الترمذي وابوداود)

اخرجه ابو داؤد في ٤/ ٥٦٠ والترمذي في ٤/ ٢٤ الحديث رقم ١٤٢٣ واحمد في المسند ١/ ١٥٥۔

ترجمہ: ''اور حضرت علی کرم ﷺ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تین شخص مرفوع القلم ہیں (یعنی ان تین شخصوں کے اعمال نامۂ اعمال میں درج نہیں کئے جاتے کیونکہ ان کے کسی قول وفعل کا اعتبار نہیں اور وہ مواخذہ سے بری ہیں) ایک تو سویا ہوا شخص یہاں تک کہ وہ بیدار ہو جائے' دوسرا لڑکا یہاں تک کہ وہ بالغ ہو جائے' تیسرا بے عقل شخص یہاں تک کہ اس کی عقل درست ہو جائے''۔ (ترمذی' ابوداؤد)

۳۲۸۸: وَالدَّارِمِيُّ عَنْ عَائِشَةَ وَابْنُ مَاجَةَ عَنْهُمَا۔

اخرجه ابن ماجه فی ۶۵۸/۱ الحدیث رقم ۲۰۴۱ والدارمی فی ۲۲۵/۲ الحدیث رقم ۲۲۹۶ الجامع الصغیر ۲۷۳/۲ الحدیث رقم ۴۴۶۲۔

ترجمہ: دارمی نے اس روایت کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور ابن ماجہؒ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا اور حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے''۔

تشریح: **تخریج**: الجامع الصغیر میں ہے: "رفع القلم عن ثلاثة: عن النائم حتیٰ یستیقظ وعن المبتلیٰ حتی یبرء (یعنی مجنون سے یہاں تک کہ وہ بری ہو جائے) وعن الصبی حتی یکبر"۔ اس کو روایت کیا ہے احمد، ابوداؤد، نسائی اور حاکم نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے اور احمد، ابوداؤد اور حاکم نے حضرت علی سے اور عمر سے ان الفاظ کے ساتھ:

"رفع القلم عن ثلاثة: عن المجنون المغلوب علی عقله حتی یبرء وعن النائم حتیٰ یستیقظ' وعن الصبی حتی یحتلم"۔

میرک کہتے ہیں کہ اس کو نسائی نے حسن بصری کے طریق سے حضرت علی سے روایت کیا ہے۔ ترمذی نے کہا ہے کہ یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اس طریق سے اور اس کے علاوہ طریق سے نبیؐ سے روایت کی گئی ہے، اور حسن بصری کا سماع حضرت علیؓ سے ہمیں معلوم نہیں، اگرچہ انہوں نے حضرت علی کو پایا ہے، اور یہ حدیث روایت کی گئی ہے، عطاء بن سائب عن ابی ظبیان سے مرفوعاً۔ اور بخاری نے اس کو اپنی صحیح میں تعلیقاً موقوفاً ذکر کیا ہے۔

لونڈی کی دو طلاقیں اور عدت دو حیض ہے

۳۲۸۹: وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ طَلَاقُ الْاَمَةِ تَطْلِيْقَتَانِ وَعِدَّتُهَا حَيْضَتَانِ.

(رواه الترمذی وابوداود وابن ماجة والدارمی)

اخرجه ابوداؤد فی السنن ۶۳۹/۲ الحدیث رقم ۲۱۸۰ والترمذی فی ۴۸۸/۳ الحدیث رقم ۱۱۸۲ وابن ماجه فی ۶۷۲/۱ الحدیث رقم ۲۰۸۰ والدارمی ۲۲۴/۲ الحدیث رقم ۲۲۹۴۔

ترجمہ: ''اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا روایت کرتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''لونڈی کیلئے دو طلاقیں ہیں اور اس کی عدت (کی مدت) دو حیض ہے''۔ (ترمذی' ابوداؤد' ابن ماجہ' دارمی)

تشریح: ظاہر حدیث دلالت کر رہا ہے کہ عدت میں اعتبار عورت کا ہے اور شوہر کے آزاد اور غلام ہونے کا اعتبار نہیں

ہے، جیسا کہ ہمارا مذہب ہے۔ اور دلالت کر رہا ہے کہ عدت حیض کے ساتھ ہوتی ہے نہ کہ طہر کے ساتھ اور اللہ رحم کرے ان لوگوں پر جنہوں نے انصاف کیا اور تعسف سے کام نہیں لیا۔

شیخ مظہرؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کی وجہ سے امام ابوحنیفہ نے فرمایا ہے کہ طلاق کا تعلق عورت کے ساتھ ہے' اگر وہ باندی ہے تو اس کی طلاق دو ہیں، خواہ اس کا شوہر آزاد ہو یا غلام۔ امام شافعی، مالک اور احمد کہتے ہیں کہ طلاق کا تعلق مرد کے ساتھ ہے پس غلام کو دو طلاق اور آزاد کو تین کا اختیار ہے' اور عورت کا کوئی اعتبار نہیں ہے۔

باندی کی عدت آزاد عورت کی عدت سے آدھی ہے، اس میں جس کی آدھی ہو سکے، پس آزاد عورت کی عدت تین حیض ہے، اور لونڈی کی دو حیض ہے، کیونکہ حیض آدھا نہیں ہو سکتا اور اگر مہینوں کے اعتبار سے عدت گزارے، تو باندی کی عدت ڈیڑھ ماہ ہے اور آزاد عورت کی تین ماہ ہے۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ امام شافعی سے عیسیٰ ابن اُبان نے پوچھا اے فقیہ جب آدمی اپنی باندی بیوی پر تین طلاق کا مالک ہو تو یہ اس کو طلاق سنت کیسے دے گا؟ امام شافعی نے فرمایا کہ اس کو ایک طلاق دے گا' جب اس کو حیض آ جائے اور پھر پاک ہو جائے تو دوسری طلاق دے، جب امام شافعی نے "جب اس کو حیض آ جائے اور پھر پاک ہو جائے" تو کہنے کا ارادہ کیا عیسیٰ ابن اُبان نے کہا کہ بس' اس کی عدت ختم ہو چکی ہے۔ جب وہ حیران ہو گئے تو رجوع کر لیا۔ پھر کہا کہ تین طلاق کو جمع کرنا بدعت نہیں ہے اور الگ الگ سنت نہیں ہے۔ امام مالک اور احمد بھی وہی فرماتے ہیں جو امام شافعی کا قول ہے اور یہی عمرؓ 'عثمانؓ اور زید بن ثابتؓ کا قول ہے۔ اور ثوری کا قول ہے ہمارے قول کے مطابق ہے اور یہی حضرت علیؓ اور ابن مسعودؓ کا مذہب ہے۔

امام شافعی کی دلیل یہ حدیث ہے: **"الطلاق بالرجال والعدت بالنسآء"**. کہ طلاق کا تعلق مردوں کے ساتھ ہے اور عدت کا عورتوں کے ساتھ ہے۔

دونوں میں تقابل کیا ہے، اور عدت کا تعلق عورتوں کے ساتھ عدد کے لحاظ سے ہے تو اسی طرح جو اس کا مقابل ہے اس میں بھی عدد کے اعتبار سے ہوگا، ورنہ تو پھر یہ کہنا مناسب ہوگا کہ طلاق واقع کرنے کا تعلق مردوں کے ساتھ ہے، اور یہ اللہ کے اس قول سے معلوم ہے: **فطلقو هن**۔

موطأ مالک میں ہے کہ نفیع نبیؐ کی زوجہ ام سلمہ کے مکاتب یا غلام تھے' اور ان کے نکاح میں آزاد عورت تھی، انہوں نے اس کو دو طلاق دیں، اور پھر رجوع کرنے کا ارادہ کیا۔ تو نبیؐ کی ازواج نے ان کو حکم دیا کہ وہ حضرت عثمان کے پاس جائے اور ان سے پوچھ لے' تو وہ حضرت عثمانؓ سے ملے سیڑھی کے پاس زید بن ثابت کا ہاتھ پکڑے ہوئے' تو انہوں نے ان دونوں سے پوچھا، تو دونوں نے فرمایا کہ وہ تجھ پر حرام نہیں ہوئی ہے۔

ہماری دلیل آپ کا یہ ارشاد ہے: **"طلاق الأمة ثنتان وعدتها حيضتان"**. اس کو ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ اور دار قطنی نے روایت کیا ہے۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً روایت کیا ہے، اور یہی راجح اور ثابت ہے۔

برخلاف اس کے جو انہوں نے روایت کی ہے اور جو معنیٰ مقابلہ بیان کیا ہے، اس لئے کہ یہ معنیٰ فرع ہے حدیث کے صحیح یا حسن ہونے کی اور معروف طریقے سے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے ایسی کسی حدیث کا وجود ثابت نہیں ہے۔

حافظ ابوالفرج ابن جوزی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ موقوف ہے ابن عباس پر اور بعض نے کہا ہے کہ یہ زید بن ثابت کا کلام ہے، اور موطأ کی حدیث ان پر (یعنی حضرت زید بن ثابتؓ) اور عثمانؓ پر موقوف ہے اور امام مالک تقلید صحابی کے قائل نہیں ہیں، اور الزام تو بعد از استدلال ہی ہوتا ہے۔

اگر آپ یہ کہیں کہ جو روایت تم نے نقل کی ہے، یہ بھی ضعیف ہے، چونکہ یہ مظاہر کی روایت ہے اور مظاہر کی اس کے علاوہ کوئی حدیث نہیں ہے۔ میں جواب میں کہتا ہوں اول تو بعض کی تضعیف اس کے لئے بالکلیہ عدم نہیں ہے، جیسا کہ آپ کی روایت میں ہے، اور دوسری بات یہ ہے کہ یہ تضعیف ضعیف ہے۔

ابن عدی نے کہا ہے کہ ان کی ایک اور حدیث ہے جو وہ مقبری، عن ابی ھریرۃ عن النبیؐ کے طریق سے روایت کرتے ہیں "کان یقرأ عشر آیات فی کل لیلة من اخر ال عمران"۔ اور اسی طرح اس کو طبرانی نے روایت کیا ہے اور حاکم نے ان کی یہی حدیث عن القاسم عن ابن عباس روایت کی ہے۔

فرمایا: مظاہر اہل بصرہ کے مشائخ میں سے ہے اور ہمارے متقدمین مشائخ میں سے کسی نے بھی ان پر کوئی جرح ذکر نہیں کی ہے۔ اگر یہ حدیث صحیح نہ ہو تو حسن پھر بھی ہے اور حدیث کے صحیح ہونے میں سے علماء کا اس کے موافق عمل کرنا بھی ہے۔

ترمذی اس حدیث کو روایت کرنے کے بعد فرماتے ہیں کہ یہ حدیث غریب ہے اور اس پر اہل علم کا عمل ہے، رسول اللہ ﷺ کے صحابہ اور دار قطنی میں ہے کہ قاسم اور سالم نے کہا ہے، کہ اس پر مسلمانوں نے عمل کیا ہے۔

امام مالک فرماتے ہیں کہ مدینہ میں اس حدیث کی شہرت اس کو سند کی صحت سے مستغنی کر دیتی ہے۔ پھر فرمایا: اگر وہ حدیث جو امام شافعی نے روایت کی ہے، اگر وہ ثابت بھی ہو جائے تو اس سے مراد یہ ہوگا قیام طلاق کا تعلق مردوں کے ساتھ ہے۔ اگر یہ احتمال لفظ کا مساوی ہو تو پھر اس کی تائید ہماری روایت سے بھی ہوتی ہے اور الفاظ سے بھی یہی متبادر الی الفہم ہے جیسا کہ عرب کے اس قول میں ہے: الملك بالرجال

سنن ابن ماجہ میں ابن لہیعہ عن ابن عباس مروی ہے کہ ایک آدمی رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا، اور کہا کہ میرے آقا نے میری شادی اپنی لونڈی کے ساتھ کرائی ہے اور اب وہ چاہتا ہے کہ وہ ہمارے درمیان تفریق کر دے، تو آپ علیہ السلام منبر پر چڑھے اور فرمایا: اے لوگو تمہاری یہ کیا حالت ہے کہ بعض لوگ تم میں سے اپنی باندی سے اپنے غلام کی شادی کرا دیتے ہیں، اور پھر ان کے درمیان تفریق چاہتے ہیں: انما الطلاق لمن یاخذ الساق. طلاق کا اختیار اس کو ہے جس نے پنڈلی کو پکڑا ہے۔ اس کو دار قطنی نے اس حدیث کو دوسری سند کے ساتھ بھی روایت کیا ہے۔

الفصل الثالث:

دو قسم کی عورتیں منافق ہیں

۳۲۹۰: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُنْتَزِعَاتُ وَالْمُخْتَلِعَاتُ هُنَّ

الْمُنَافِقَاتُ . (رواه النسائی)

اخرجه النسائی فی السنن ١٦٨/٦ الحديث رقم ٣٤٦١ واحمد فی المسند ٤١٤/٢۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اپنے شوہر کی نافرمانی کرنے والی عورتیں اپنے شوہر سے خلع کا مطالبہ کرنے والی عورتیں منافق ہیں''۔(نسائی)

تشریح: المنتزعات : زاء کے کسرہ کے ساتھ یعنی نافرمان اور وہ عورتیں جو اپنے آپ کو شوہروں سے کھینچنے والی ہوں۔

المختلعات : لام کے کسرہ کے ساتھ۔ وہ عورتیں جو اپنے شوہروں سے خلع اور طلاق کا مطالبہ کر رہی ہوں، بغیر کسی وجہ کے۔

یعنی یہ عورتیں ظاہراً فرمانبردار اور باطناً نافرمان ہیں۔ طیبی فرماتے ہیں کہ یہ زجر میں مبالغہ ہے

تخریج: ابن ہمام کہتے ہیں کہ ترمذی نے آپ کا یہ فرمان نقل کیا ہے: **المختلعات هن المنافقات.** (انتھٰی)۔ ترمذی کی یہ روایت ثوبانؓ سے ہے اور ابو نعیم نے حلیہ میں ابن مسعود سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے: **المختلعات والمتبرجات هن المنافقات۔**

خلع کا جواز

۳۲۹۱: وَعَنْ نَافِعٍ عَنْ مَوْلَاةٍ لِصَفِيَّةَ بِنْتِ اَبِیْ عُبَيْدٍ اَنَّهَا اخْتَلَعَتْ مِنْ زَوْجِهَا بِكُلِّ شَیْءٍ لَهَا فَلَمْ يُنْكِرْ ذٰلِكَ عَبْدُ اللّٰهِ بْنُ عُمَرَ ۔رواه مالك

اخرجه مالك فی الموطأ ٥٦٥/٢ الحديث رقم ٣٢ من كتاب الطلاق۔ (٢) فتح القدير ٥٨/٤۔٥٩ (٣) الهداية ١٤/٢

ترجمہ: ''اور حضرت نافعؒ صفیہ بنت ابو عبید کی ایک آزاد کی ہوئی لونڈی سے روایت بیان کرتے ہیں کہ صفیہ رضی اللہ عنہا نے اپنی ہر اس چیز کے بدلے جو ان کے پاس موجود تھی اپنے شوہر (حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) سے خلع لیا اور عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما نے اس سے انکار نہیں کیا''۔ (مالک)

حالاتِ راوی:

صفیة بنت ابی عبید۔ یہ صفیہ ''ابو عبید'' کی بیٹی ہیں۔ ''بنو ثقیف'' میں سے ہیں۔ ''مختار بن ابی عبید'' کی بہن ہیں۔ حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کی بیوی ہیں۔ آنحضور ﷺ کو انہوں نے پایا اور آپ ﷺ کے ارشادات کو سنا۔ مگر ان سے روایت نہیں کی۔ حضرت عائشہ اور حفصہ رضی اللہ عنہن سے روایت کرتی ہیں۔ ان سے نافع رضی اللہ عنہ (ابن عمر کے آزاد کردہ) روایت کرتے ہیں۔

تشریح: قوله: انها اختلعت من زوجها۔

بكل شيء لها : یعنی مال میں سے یا ہر وہ حق جو اس کو حاصل تھا، شوہر کے دینے سے۔ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ مزنی نے خلع کو اصلاً غیر مشروع قرار دیا ہے، اور اہل ظواہر نے اس کی صحت کو مقید کیا ہے کہ جب عورت شوہر کو ناپسند کرتی ہو اور شوہر کو ڈر ہو کہ وہ اس عورت کا حق پورا نہیں کر سکتا اور نہ وہ عورت اس کے حقوق اداء کر سکتی ہو۔ اور انہوں نے خلع کو ممنوع قرار دیا ہے، جب شوہر بیوی کو ناپسند کرتا ہو اور ایک قوم نے کہا ہے کہ خلع بغیر بادشاہ کی اجازت کے جائز نہیں ہے۔ اسی طرح روایت کیا گیا ہے ابن سیرین' سعید بن جبیر اور حسن بصری سے۔

مزنی کے قول کی وجہ یہ ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ اللہ کا یہ ارشاد: ﴿**فلا جناح عليهما فيما افتدت به**﴾[البقرة:۲۲۹]: (تو دونوں پر اس (مال) کے باب میں کوئی گناہ نہ ہوگا، جو عورت معاوضہ میں دیدے) منسوخ ہو چکا ہے اور ناسخ یہ آیت ہے: ﴿**وان اردتم استبدال زوج مكان زوج و آتيتم احداهن قنطارا فلا تأخذوا منهن شيئا**﴾[النساء:۲۰]: (اور اگر تم ایک بیوی کی جگہ دوسری بیوی بدلنا چاہو اور تم اس بیوی کو (مال کا) انبار دے چکے ہو، تو تم اس میں سے کچھ بھی واپس مت لو)۔

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ یہ (استدلال) موقوف ہے اس آیت کے مؤخر ہونے کے علم پر اور دونوں آیتوں کے درمیان جمع ممکن نہ ہونے پر۔ پہلا احتمال درست نہیں ہے، اور اسی طرح دوسرا بھی (درست نہیں ہے)۔ کیونکہ اس آیت میں ممانعت کا تعلق اس بات کے ساتھ ہے کہ جب شوہر کسی اور کی تبدیلی چاہتا ہو اس کی جگہ اور پہلی آیت مطلق ہے تو یہ اس کے لئے کیسے مطلقاً ناسخ ہو سکتی ہے۔

ہدایہ میں ہے کہ اگر زیادتی اور نافرمانی شوہر کی طرف سے ہو، تو پھر عورت سے کچھ لینا مکروہ ہے، اللہ کے اس ارشاد کی وجہ سے: ﴿**فلا تأخذوا منهن شيئا**﴾[النساء:۲۰] اس میں عورت سے کچھ لینے کی ممانعت ہے۔ اس کی طرف سے نشوز نہ ہونے کی صورت میں اور شوہر کی طرف سے ہونے کی صورت میں' اور اس میں کراہت کا ثبوت ہے نہ کہ تحریم کا معارضہ کی وجہ سے۔ اھ اور اس میں بحث ہے۔ (اس کو ذکر کیا ہے ابن ہمام نے۔) اور امرأۃ ثابت کی حدیث میں زیادتی کی نفی کی وجہ سے۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ حدیث کا ذکر بخاری کی روایت میں اس میں زیادت کا ذکر نہیں ہے نیز یہ روایت مرسلاً و مسنداً دونوں طرح مروی ہے چنانچہ ابو داؤد نے اپنی مراسیل میں اور ابن ابی شیبہ اور عبدالرزاق' ان سب نے عطاء سے روایت کیا ہے۔ اور سب سے قریب مسند، مسند عبدالرزاق ہے۔ وہ کہتے ہیں: **اخبرنا ابن جريج عن عطاء جاء ت امرأة الى رسول الله ﷺ لتشكو زوجها فقال اتردين عليه حديقته التي أصدقك قالت نعم! وزيادة قال: اما الزيادة فلا**. رسول اللہ ﷺ کے پاس ایک عورت اپنے شوہر کی شکایت کرنے آئی، آپؐ نے فرمایا: کہ کیا تو اس کو اس کا وہ باغ جو تجھے مہر میں دیا تھا لوٹانا چاہتی ہے، وہ کہنے لگی ہاں اور کچھ زیادہ آپؐ نے فرمایا، جہاں تک تعلق ہے زیادت کا تو وہ نہیں۔ اور اسی طرح دارقطنی نے اس کو ذکر کیا ہے۔ اور ولید نے اس کو عن ابن جریج عن عطاء عن ابن عباس مسنداً ذکر کیا ہے۔ اور مراسیل زیادہ صحیح ہے۔ ابن زبیر سے روایت کیا ہے: **ثابت بن قيس بن شماس كانت عنده زينب بنت عبد الله بن ابى ابن سلول و كان اصدقها حديقة فكرهته فقال النبى ﷺ اتردين حديقته التي اعطاك؟ قالت: نعم وزيادة. فقال النبيؐ: اما الزيادة فلا ولكن حديقته قالت: نعم فاخذها.**

عطاء سے روایت کیا ہے کہ آدمی خلع کرنے والی عورت سے اس سے زیادہ نہ لے جو کچھ دیا ہے

ابن ماجہؒ نے روایت کیا ہے: عن ابن عباس ان جميلة بنت سلول أتت النبیؐ فقالت: و الله ما اعتب على ثابت في دين ولا خلق' ولكن اكره الكفر في الاسلام لا اطيقه بغضاً فقال صلى الله عليه وسلم: اتردين عليه حديقته' فأمره ان يأخذ منها حديقته ولا يزداد.

اس کو ایک اور سند سے روایت کیا ہے اور اس میں حبیبہ بنت سہل کا ذکر ہے اور اس میں ''زيادة'' کا ذکر نہیں ہے۔ اور اسی طرح اس کو امام احمد نے روایت کیا ہے، اور اس کا نام حبیب بنت سہل انصاریہ ذکر کیا ہے، اور اس میں یہ الفاظ زیادہ ہیں: ''وكان ذلك أول خلع في الاسلام''۔

پس اس سے معلوم ہوا کہ اس ''زيادة'' کے ثبوت میں کوئی شک نہیں ہے۔ اور مراسیل ہمارے نزدیک حجۃ ہیں انفراداً بھی اور دوسروں کے نزدیک جب اس کے ساتھ دوسری مرسل کی تائید حاصل ہو جائے جو اس مرسل کے رجال کے علاوہ نے روایت کی ہو یا مسند کے ساتھ اس کو مضبوط کیا گیا ہو۔ اور یہاں یہ مرسل دونوں کے ساتھ مؤید ہے۔ آپ کے سامنے عورت کے نام میں اختلاف ظاہر ہوا کہ وہ جمیلہ ہے یا حبیبہ ہے، یا زینب ہے۔ اور اس کے باپ کے نام میں بھی کہ عبداللہ بن سلول ہے یا صرف سلول ہے، یا سہل ہے۔ اور یہ مسئلہ صحابہ کے درمیان مختلف فیہ رہا ہے۔

عبدالرزاق نے معمر عن عبد الله بن مغفل بن عقيل نقل کیا ہے کہ ربیع بنت معوذ بن عفراء نے بیان کیا ہے کہ انہوں نے اپنے شوہر سے ہر اس چیز کے بدلے جس کی وہ مالک تھی خلع کیا، پس اس بارے میں حضرت عثمان بن عفان کے پاس مخاصمت ہوئی، تو انہوں نے اس کو جائز قرار دیا اور حکم دیا کہ وہ لے لے، اس کے سر کی چوٹیاں اور اس سے کم درجے کی چیز بھی۔ اور یہ اس سند کے ساتھ بھی مذکور ہے۔

عن ابن جریج عن موسیٰ بن عقبۃ عن نافع کہ ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کے پاس ان کی بیوی کی آزاد کردہ باندی آئی، کہ انہوں نے اپنے شوہر سے ہر اس چیز کے بدلے خلع کیا ہے جس کی وہ مالک تھی اور ہر کپڑے کے بدلے یہاں تک کہ اس کے نفقہ کے بدلے۔

عبدالرزاق نے معمر عن ليث عن الحكم عن عقبة عن علي بن ابی طالب ذکر کیا ہے: لا يأخذ منها فوق ما اعطاها. جو کچھ دیا ہے اس سے زیادہ نہ لے۔

اور اس کو وکیع نے ابی حنیفة عن عمر بن عمران الهمدانی عن ابيه عن علی کیا ہے انه كره أن يأخذ منها اكثر مما اعطاها۔

طاؤس کہتے ہیں: لا يحل له أن يأخذ منها اكثر مما اعطاها.

اکٹھی تین طلاق دینے والا زجر کا مستحق ہے

۳۲۹۲: وَعَنْ مَحْمُوْدِ بْنِ لَبِيْدٍ قَالَ اُخْبِرَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ رَجُلٍ طَلَّقَ امْرَاَتَهٗ

ثَلَاثَ تَطْلِيقَاتٍ جَمِيعًا فَقَامَ غَضْبَانَ ثُمَّ قَالَ أَيُلْعَبُ بِكِتَابِ اللّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَأَنَا بَيْنَ أَظْهُرِكُمْ حَتّٰى قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ أَلَا أَقْتُلُهُ۔

اخرجه النسائی فی ۱۴۲/۶ الحديث رقم ۳۴۰۱۔

ترجمہ: ''اور حضرت محمود بن لبید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب رسول اللہ ﷺ کو اس شخص کے بارے میں بتلایا گیا کہ جس نے اپنی بیوی کو اکٹھی تین طلاقیں دی تھیں تو آپ ﷺ غضبناک ہو کر کھڑے ہو گئے اور فرمانے لگے: کیا اللہ عز وجل کی کتاب کے ساتھ کھیلا جاتا ہے (یعنی حکم خداوندی کے ساتھ استہزاء کیا جاتا ہے) حالانکہ میں تمہارے درمیان موجود ہوں؟ (یہ سن کر مجلس نبوی میں موجود صحابہؓ میں سے) ایک شخص کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا کہ یا رسول اللہ! کیا میں اس شخص کو قتل نہ کر دوں؟'' (نسائی)

حالاتِ راوی:

محمود بن لبید۔ یہ ''محمود'' ہیں۔ ''لبید'' کے بیٹے ہیں۔ انصاری واشہلی ہیں۔ آنحضرت ﷺ کے عہد مبارک میں تولد ہوئے۔ آنحضرت ﷺ سے بہت سی حدیثوں کے راوی ہیں۔ بخاری رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ یہ صحابی ہیں۔ ابوحاتم رحمہ اللہ کہتے ہیں کہ ان کے صحابی ہونے کا حال معلوم نہیں۔ امام مسلم رحمہ اللہ نے ان کو تابعین کے دوسرے طبقہ میں ذکر کیا ہے۔ ابن عبدالبر رحمہ اللہ نے کہا کہ بخاری رحمہ اللہ کا قول درست ہے۔ اس لیے ان کا صحابی ہونا درست ہے۔ محمود علماء میں سے تھے۔ ابن عباس رضی اللہ عنہما اور عتبان بن مالک سے روایت کی۔ ۹۶ھ میں وفات پائی۔

تشریح: **اخبر**: صیغہ مجہول کے ساتھ ہے۔

یلعب: یاء کے ضمہ کے ساتھ ہے اور ایک نسخہ میں فتحہ کے ساتھ ہے۔

ایلعب...... : یعنی اللہ کی کتاب کے ساتھ استہزاء کیا جاتا ہے۔ مراد یہ آیت ہے: [**الطلاق مرتان---- ولا تتخذو آیات الله هزوا**] [البقرة۔ ۲۳۱] یعنی شرعی طلاق ایک طلاق کے بعد دوسری طلاق الگ الگ دینا ہے، نہ کہ یکبارگی تمام طلاقیں دینا اور ایک ساتھ دینا اور ''مرتین'' سے مراد تثنیہ نہیں ہے، جیسے اللہ کے اس ارشاد میں: [**ثم ارجع البصر كرتين**] [الملك۔ ۴] **يعني كرة بعد كرة** مراد ہے نہ کہ ''کرتین اثنتین'' مراد ہے۔ اور ''**فا مساك بالمعروف او تسريح باحسان**'' کا مطلب وطریقہ طلاق سکھانے کے بعد ان کو اختیار دیا ہے ان دو باتوں میں کہ عورتوں کو اپنے پاس حسن معاشرت کے ساتھ روکے رکھیں اور ان کے حقوق ادا کریں یا ان کو رخصت کرو، اچھے طریقے سے جو ان کو سکھایا ہے، (جیسا کہ علامہ طیبی نے یہ ذکر کیا ہے۔) اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ ہر طلاق کے بعد امساک بمعروف ہو، یا تسریح باحسان ہو۔ یعنی دوسری طلاق سنت طریقے سے ہو۔ اور اسی وجہ سے ایک ساتھ تین طلاق دینے والے پر نکیر کی ہے اس لئے کہ اس کے بعد امساک اور تسریح جو ذکر ہوئے، کا تصور نہیں ہو سکتا۔ پھر یہ حدیث دلالت کر رہی ہے کہ تین طلاق دینا حرام ہے، اس لئے کہ آپ گناہ اور معصیت کے علاوہ پر غصہ نہیں ہوتے تھے۔ اور آپ کے نکیر کرنے کی وجہ سے یہ بہت بڑی نکیر ہے۔ اور ''

وأنا بين اظهر كم ''میں اس منکر کے ارتکاب میں عدم عذر کی طرف اشارہ ہے۔

الا اقتله : یعنی آپؐ کے کامل غصے کی وجہ سے، یا اللہ کی کتاب کے ساتھ استہزاء کرنے کی وجہ سے جو اس پر مرتب ہو رہا ہے۔ علامہ طیبی کہتے ہیں کہ الگ الگ طلاق دینے میں حکمت جو ایک ساتھ دینے میں نہیں ہے اللہ کے اس قول میں ذکر ہے: لعل الله يحدث بعد ذلك امرا کیونکہ جدائی کے بعد اللہ شوہر کے دل کو غضب سے محبت کی طرف اور عورت سے اعراض کو اس کی طرف رغبت سے بدل دیتا ہے اور طلاق کے پختہ ارادے کو پشیمانی کی طرف پھیر دیتا ہے، پس وہ رجوع کر لیتا ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ جس نے اپنی بیوی سے کہا'' انت طالق ثلاثا''. تجھے تین طلاق ہیں۔ اس میں علماء کا اختلاف ہے۔ امام مالک، شافعی، امام ابوحنیفہ، احمد، اور جمہور سلف، خلف فرماتے ہیں کہ اس سے تین طلاق واقع ہو جاتی ہیں طاؤس اور بعض اہل ظواہر کہتے ہیں کہ اس سے ایک طلاق واقع ہوتی ہے۔ ابن مقاتل اور ایک روایت ابن اسحٰق سے ہے کہ کچھ بھی واقع نہیں ہوتا۔

جمہور نے اس آیت سے استدلال کیا ہے ﴿ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه لا تدرى لعل الله يحدث بعد ذلك امرا﴾ [الطلاق:۱] : (اور جو کوئی اللہ کی حدود سے تجاوز کرے گا اس نے اپنے اوپر ظلم کیا، تجھے خبر نہیں شاید کہ اللہ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کر دے)۔ یعنی تین طلاق دینے والا کبھی پشیمان ہو جاتا ہے۔ پھر اس کے لئے تدارک ممکن نہیں ہوتا جدائی واقع ہونے کی وجہ سے۔ پس اگر تین واقع نہ ہوں گی، تو ایک طلاق رجعی واقع ہو گی اور اس صورت میں یہ تہدید کسی کی طرف متوجہ نہ ہو گی۔

اور حدیث رکانہ سے استدلال کیا ہے کہ انہوں نے اپنی بیوی کو طلاق البتہ دی تھی، تو نبیؐ نے ان سے فرمایا: والله ما اردت الا واحدة ؟قال: والله ما اردت الا واحدة. پس یہ دلیل ہے کہ اگر وہ تین طلاق دیتے تو وہ واقع ہو جاتیں، ورنہ اس قسم لینے کو معنی نہیں بنتا۔ اور تین طلاق ایک ساتھ دینا ہمارے نزدیک حرام نہیں ہے، لیکن بہتر تفریق ہے اور یہی امام احمد اور ابوثور کا قول ہے۔ امام مالک، اوزاعی امام ابوحنیفہ اور لیث کہتے ہیں کہ یہ بدعت ہے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ امام نووی کے قول کے مطابق یہ تہدید متوجہ نہ ہو گی: [ومن يتعد حدود الله فقد ظلم نفسه] [الطلاق:۱] کے خلاف حجت ہے کہ وہ حرمت کے قائل نہیں ہے، اور آیت اور حدیث حرمت کی دلیل ہے۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ بعض شروح میں طلاق مذکور کی نسبت محمود بن لبید کی طرف ہے سو وہ غیر معروف ہے۔

تین یا اس سے زائد طلاق دینے والا قرآن کا مذاق اُڑانے والا ہے

۳۲۹۳:وَعَنْ مَالِكٍ بَلَغَهُ اَنَّ رَجُلاً قَالَ لِعَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَبَّاسٍ اِنِّي طَلَّقْتُ امْرَأَتِيْ مِائَةَ تَطْلِيقَةٍ فَمَا ذَا تَرٰى عَلَيَّ فَقَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ طُلِّقَتْ مِنْكَ بِثَلَاثٍ وَسَبْعٌ وَتِسْعُوْنَ اتَّخَذْتَ بِهَا اٰيَاتِ اللّٰهِ هُزُوًا.

(رواه فی الموطا)

اخرجه مالك فى الموطأ ۲ / ۵۵۰ الحديث رقم ۷۶ من كتاب الطلاق

ترجمہ: ''اور امام مالکؒ روایت کرتے ہیں کہ ان تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ ایک شخص نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو سو طلاقیں دی ہیں اس بارے میں آپ کیا کہتے ہیں؟ (یعنی کیا میری بیوی پر طلاق پڑ گئی ہے یا نہیں؟ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے فرمایا: ''اسے تمہاری جانب سے تین طلاقیں تو واقع ہو گئیں بقیہ ستانوے طلاقوں کے ذریعہ تم نے (گویا) اللہ تعالیٰ کی آیتوں کا مذاق اڑایا''۔ (موطا)

تشریح: قوله :طلقت منك بثلاث ......

طلقت منك : طاء کے فتحہ اور لام کے ضمہ کے ساتھ ہے

سبع : یہ مرفوع ہے۔

ہدایہ میں ہے کہ طلاق بدعت وہ ہے جو طلاق سنت کی دو قسموں کے خلاف ہو۔ بایں طور کہ وہ عورت کو تین طلاق دے ایک کلمہ کے ساتھ یا الگ الگ ایک طہر میں دے یا دو دے اسی طرح۔ یا ایک حالت حیض میں دے یا ایسے طہر میں دے جس میں جماع کیا ہو یا اس حیض میں جماع کیا ہو جس کے بعد یہ طہر ہے، پس جب وہ یہ کرے گا تو طلاق واقع ہو جائے گی اور وہ گناہگار ہوگا۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ ان سب میں وقوع' اس کے عدد اور اس کے معصیت ہونے میں اختلاف ہے۔ امامیہ کہتے ہیں کہ تین طلاق کے الفاظ سے اور حالت حیض میں طلاق واقع نہیں ہوتی۔ اس لئے کہ یہ بدعت محرمہ ہے، اور آپ کا ارشاد ہے: جس نے ہمارے طریقے کے خلاف کوئی عمل کیا تو وہ مردود ہے۔ اور آپؐ نے رجوع کرنے کا حکم دیا تھا جب حالت حیض میں طلاق دی تھی' اس سے ان کے قول کا بطلان ہو جاتا ہے اور تین طلاق واقع نہ ہونے کا بیان عنقریب امامیہ کے کلام کے رفع میں آ رہا ہے۔ ایک قوم نے کہا ہے کہ اس سے ایک طلاق واقع ہوتی ہے، اور یہ مروی ہے ابن عباس سے اور یہی ابن اسحٰق کا قول ہے۔ طاؤس اور عکرمہ سے نقل کیا گیا ہے کہ اس شخص نے سنت طریقے کی مخالفت کی ہے لہٰذا اس کو سنت کی طرف لوٹایا جائے گا۔ اور صحیحین میں ہے کہ ابوصہبا نے ابن عباسؓ سے کہا کہ کیا آپ نہیں جانتے کہ رسول اللہ کے زمانہ میں اور حضرت ابوبکر کے زمانہ میں اور حضرت عمر کے شروع دور میں تین طلاق ایک شمار ہوتی تھی۔ ابن عباس رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ہاں۔

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ حضورؐ اور ابوبکرؓ کے زمانہ میں اور حضرت عمرؓ کی خلافت کے شروع دو سالوں میں تین طلاق ایک شمار ہوتی تھی۔ تو حضرت عمر نے فرمایا کہ لوگوں نے اس معاملہ میں جلدی شروع کی ہے، جس میں ان کے لئے مہلت تھی۔ اے کاش اگر ہم ان پر اس کو جاری کر دیں، پس حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس کو جاری کر دیا (کہ تین طلاق سے تین ہی واقع ہوں گی)۔

ابوداؤد کی روایت میں ہے کہ ابن عباس فرماتے ہیں کہ جب آدمی ایک دفعہ میں ''انت طالق ثلاثا'' کہہ دے تو یہ ایک طلاق ہے،ا

اور بعض نے کہا ہے کہ مدخول بہا ہو تو تین واقع ہوں گی، اور غیر مدخول بہا ہو، تو ایک واقع ہوگی۔ ان کی دلیل وہ روایت ہے جو مسلم، ابوداؤد، اور نسائی میں ہے کہ ابوصھباء ابن عباس سے بہت زیادہ سوال کرتے تھے، ابوصہباء نے کہا کہ کیا آپ نہیں

جانتے کہ جب کوئی مرد اپنی بیوی کو قبل الدخول تین طلاق دیتا تھا تو صحابہ اس کو ایک قرار دیتے تھے۔(الحدیث)

ابن عباس نے فرمایا بلکہ جب کوئی مرد دخول سے پہلے پنی بیوی کو تین طلاق دیتا، تو وہ اس کو ایک شمار کرتے تھے رسول اللہ ﷺ کے زمانہ میں' اور حضرت ابوبکر کے دور میں' اور حضرت عمر کے دور کے شروع میں۔ جب حضرت عمر نے دیکھا کہ لوگ پے در پے تین طلاق دینے لگے ہیں، تو فرمایا' **جیزون وھن علیھم**۔ یہ الفاظ ابوداؤد کے ہیں۔ جمہور صحابہ رضی اللہ عنہم' تابعین رحمہم اللہ اور ان کے بعد کے ائمہ مسلمین کا مذہب ہے کہ تین طلاق سے تین ہی واقع ہوتی ہیں۔

اور اس سلسلہ کے دلائل میں سے ایک وہ حدیث ہے جو مصنف ابن ابی شیبہ اور دارقطنی نے ابن عمر سے روایت کی ہے۔ جو ماقبل میں گزری۔ "**قلت: یا رسول اللّٰہ أریت لو طلقتھا ثلاثًا قال اذا قد عصیت ربك وبانت منك امرأتك**" "میں نے کہا اللہ کے رسول اگر میں تین طلاق دوں؟ تو فرمایا: کہ پس آپ اپنے رب کی نافرمانی کرنے والے ہو گے، اور تیری بیوی تجھ سے الگ ہو جائے گی"۔

سنن ابوداؤد میں ہے کہ مجاہد کہتے ہیں کہ میں ابن عباس کے پاس تھا۔ ان کے پاس ایک آدمی آیا، اور کہا کہ اس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی ہے، مجاہد کہتے ہیں کہ ابن عباس خاموش ہو گئے، یہاں تک کہ میں نے گمان کیا کہ آپ اس کی بیوی کو اس کی طرف لوٹا رہے ہیں۔ پھر فرمایا کہ تم میں سے جب کوئی طلاق دیتا ہے تو وہ حماقت پر سوار ہو جاتا ہے، پھر کہتا ہے اے ابن عباس! اللہ فرماتے ہیں: ﴿**ومن یتق اللّٰہ یجعل لہ مخرجًا**﴾[الطلاق: ۲] (اور جو کوئی اللہ سے ڈرتا ہے، اللہ اس کے لئے کشائش پیدا کر دیتا ہے)۔ **عصیت ربك وبانت منك امرأتك**. اور موطاً کی روایت گزر چکی ہے، اور اس میں یہ بھی ہے ایک آدمی ابن مسعودؓ کے پاس آئے اور کہنے لگے کہ میں نے اپنی بیوی کو آٹھ طلاق دی ہے، تو ابن مسعودؓ نے فرمایا کہ اس بارے تجھے کیا کہا گیا ہے؟ اس نے کہا کہ مجھے کہا گیا ہے کہ تیری بیوی تجھ سے جدا ہو گئی ہے۔ ابن مسعودؓ نے فرمایا کہا نہوں نے سچ کہا، یہ اسی طرح فرمایا ہے جیسا کہ صحابہ فرماتے تھے۔

اس کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے کہ اس جواب پر صحابہ کا اجماع ہے۔ سنن ابوداؤد اور موطا مالک میں محمد بن ایاس بن بکیر سے روایت ہے کہ وہ کہتے ہیں کہ ایک آدمی نے دخول سے قبل اپنی بیوی کو تین طلاق دے ڈالیں۔ پھر اس کا خیال ہوا کہ اس کے ساتھ نکاح کر لے تو فتویٰ پوچھنے آیا، میں اس کے ساتھ چلا گیا، پس اس نے عبداللہ بن عباس اور ابوہریرہ سے پوچھا، تو دونوں نے فرمایا کہ ہم نہیں سمجھتے کہ آپ اس کے ساتھ نکاح کر سکیں، یہاں تک کہ وہ آپ کے علاوہ کسی اور شوہر سے نکاح کر لے۔ تو اس نے کہا کہ میں نے اس کو ایک طلاق دی ہے، ابن عباس نے فرمایا کہ جو کچھ آپ کے اختیار میں تھا وہ آپ آگے بھیج چکے ہیں۔ اب آپ کے لئے کچھ نہیں بچا۔ یہ اس روایت کے معارض ہے جو اس سے پہلے گزری کہ غیر مدخول بہا کو تین طلاق دیں، تو وہ ایک ہوتی ہے، اور اس طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما سے منقول تمام روایات کے معارض ہے۔ اور موطا مالک میں اس طرح کی روایت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی ہے۔

حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا تین طلاق کو جاری کرنا و نافذ کرنا صحابہ کے عدم مخالفت کے ساتھ ممکن نہیں ہے، اور باوجود یہ کہ حضرت عمر کو علم تھا کہ یہ ایک طلاق ہے، مگر یہ کہ آخری زمانہ میں وہ نسخ پر مطلع ہوئے۔ اگر یہ اپنے ظاہر پر ہے، تو پھر اس کا یہی مطلب

ہے، یا ان کے اس حکم کے ختم ہونے پر علم کی وجہ سے کہ وہ جان چکے تھے کہ آخری زمانہ میں یہ حکم ختم ہو چکا تھا اور اس کا وجود ان سے ممکن نہیں باوجود کہ شریعت کا حکم ثابت اور موجود تھا۔

یہ عبداللہ بن عمرو بن العاص سے بھی مروی ہے

عبدالرزاق نے علقمہ سے مسنداً ذکر کیا ہے کہ ایک آدمی ابن مسعود رضی اللہ عنہ کے پاس آیا، اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ننانوے طلاق دی ہے، تو ابن مسعود نے ان سے فرمایا' کہ تین طلاق نے اس کو الگ کر دیا اور جدا کر دیا، اور باقی ظلم و زیادتی ہے۔

وکیع نے روایت کیا ہے کہ ایک شخص حضرت علیؓ کے پاس آیا اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاق دی ہے۔ حضرت علی نے ان سے کہا کہ ان میں سے تین سے وہ تجھ سے جدا ہوگئی اور باقی کو اپنی عورتوں پر تقسیم کر دو۔

وکیع نے معاویہ بن یحیٰی سے یہ بھی روایت کیا ہے، کہ ایک شخص حضرت عثمان بن عفان کے پاس آیا، اور کہا کہ میں نے اپنی بیوی کو ہزار طلاق دی ہے۔ حضرت عثمان نے فرمایا' کہ ان میں سے تین کے ذریعے وہ تجھ سے علیحدہ ہوگئی ہے۔

عبدالرزاق نے عبادہ بن صامت سے مسنداً ذکر کیا ہے کہ عبادہ بن صامت کے والد نے اپنی بیوی کو ایک ہزار طلاق دی۔ عبادہ پوچھنے کے لئے گئے تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ تین کے ذریعے اللہ کی نافرمانی کے ساتھ وہ الگ ہوگئی اور باقی نو سو ستانوے زیادتی و ظلم ہے، چاہے اگر وہ (یعنی اللہ تعالیٰ) تو اس کو عذاب دے اور چاہے تو اس کو بخش دے۔ بعض حنابلہ کا یہ کہنا ہے کہ رسول اللہ ﷺ ایک لاکھ ایسے نفوس کو چھوڑ کر دنیا سے رخصت ہوئے جنہوں نے آپ ﷺ کو دیکھا تھا، تو کیا ان لوگوں کی بات درست ہے، یا ان کی جوان صحابہ کے چالیسویں حصہ کے برابر بھی نہیں ہیں۔ جو ایک لفظ کے ساتھ تین طلاقوں کے قائل ہیں۔ بلکہ اگر تم کوشش کر لو، تو ان میں سے بیس افراد سے بھی اس کو نقل کرنے کی طاقت نہیں رکھتے ہو۔

ان حنابلہ کا یہ قول باطل ہے۔

اولاً اس لئے کہ صحابہ کا اجماع اس پر ظاہر ہے کیونکہ صحابہ میں سے کسی کے بارے میں بھی یہ منقول نہیں ہے کہ اس نے حضرت عمرؓ کی مخالفت کی، جب انہوں نے تین طلاق نافذ کی تھیں۔ اور سو افراد سے ایک اجماعی حکم کے نقل کرنے میں یہ بات لازم نہیں ہے کہ ان میں سے ہر ایک کا نام ذکر کیا جائے کیونکہ اس صورت میں ایک ہی حکم ایک ضخیم جلد میں ہوگا' اور پھر یہ کہ اجماع سکوتی تھا۔

ثانیاً اس لئے کہ نقل اجماع میں معتبر وہ ہے جو مجتہدین سے منقول ہو، نہ کہ عوام سے۔ اور وہ ایک لاکھ جن کو چھوڑ کر رسول اللہ ﷺ نے وفات پائی ان میں سے مجتہدین فقہاء کی تعداد بیس تک بھی نہیں پہنچتی۔ جیسے خلفاءؓ عبادلہ زید بن ثابت، معاذ بن جبل، انسؓ ابو ہریرہ اور ان کے علاوہ تھوڑے سے حضرات۔ اور باقی حضرات ان کی طرف رجوع فرماتے تھے اور ان سے فتویٰ طلب کرتے تھے۔ اور ہم ان سے اکثر سے صراحۃً ثابت کر چکے ہیں تین طلاق کا وقوع۔ اور ان میں سے کسی کی مخالفت ظاہر نہیں ہوئی ہے۔ **فما ذا بعد الحق الا الضلال**۔

اس وجہ سے ہم کہتے ہیں کہ اگر کوئی حاکم فیصلہ کر دے کہ ایک لفظ کے ساتھ تین طلاق دینے سے ایک واقع ہوتی ہے تو اس

کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا۔ کیونکہ اس میں اجتہاد کی گنجائش نہیں ہے تو یہ خلاف ہوا نہ کہ اختلاف۔ اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کی روایت ہے کہ یہ تین ہیں طحاوی وغیرہ نے اس کو مسنداً ذکر کیا ہے۔

زیادہ سے زیادہ اس میں یہ ہوگا کہ یہ امہات الاولاد کی بیع کی طرح ہوگا، کہ اس کے عدم جواز پر اجماع ہے حالانکہ زمانہ اول میں ان کی بیع ہوا کرتی تھی، اور اگر حدیث کو اس کے ظاہر کے خلاف پر حمل کیا جائے تا کہ صحابہ کا اجماع جو ہم نے ایک ایک سے نقل کیا ہے، کے ساتھ تعارض ختم ہو جائے، اور اس وجہ سے بھی کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ کی کسی نے مخالفت نہیں کی۔ تو اس کی تاویل یہ ہوگی کہ آدمی کا کہنا: "انت طالق' انت طالق' انت طالق"۔ زمانہ اول میں ایک طلاق ہوا کرتا تھا' کیونکہ اس زمانہ میں اس سے ان کا قصد تاکید کا ہوا کرتا تھا۔ پس جب وہ تجدید کا ارادہ کرنے لگے تو حضرت عمر نے ان پر یہ لازم کر دیا کیونکہ حضرت عمر کو ان کے ارادے کا علم تھا۔

باقی تین طلاق کا ایک کلمہ کے ساتھ معصیت ہے یا نہیں؟ تو اس میں امام شافعی کا اختلاف نقل کیا گیا ہے۔ ان کا استدلال ان آیات سے ہے، جن میں مطلق طلاق کا ذکر ہے۔ جیسے اللہ کا یہ ارشاد ہے: [**لا جناح علیکم ان طلقتم النسآء ما لم تمسوھن**] [البقرة:۲۳۶]

اور جو روایت کیا گیا ہے کہ عویمر العجلانی نے جب اپنی بیوی سے لعان کیا تو کہا کہ یا رسول اللہ! میں نے اس پر جھوٹ بولا ہے اگر میں اس کو اپنے پاس روکے رکھوں۔ اس کو تین طلاق ہے۔ اور حضورؐ نے اس پر نکیر نہیں فرمائی۔

عبدالرحمٰن بن عوف نے مرض موت میں "تماظر" کو تین طلاق دی تھی۔

تو حسن بن علیؓ نے اپنی بیوی شھباء کو تین طلاق دی حضرت علی کے وفات کے بعد جب اس نے حضرت حسن کو خلافت کی مبارک باد دی۔

ہماری دلیل اللہ کا یہ ارشاد ہے: **الطلاق مرتان۔۔۔ فان طلقها**۔ [البقرة:۲۳۰] پس اس سے لازمی طور پر معلوم ہوا کہ شرعاً کوئی طلاق نہیں ہے مگر اس طریقے پر' کیونکہ ماورائے جنس کوئی چیز نہیں ہے، اور یہ حصر کے طریقوں میں سے ایک طریقہ ہے، پس ایک لفظ کے ساتھ تین طلاق دینا مشروع نہیں ہے' اور متبادر تو یہ ہے کہ اس سے کچھ بھی واقع نہ ہو جیسا کہ امامیہ کہتے ہیں' لیکن جب یہ معلوم ہوا کہ اس کی عدم مشروعیت اسی طرح معنیٰ فی غیرہ کی وجہ سے ہے اور وہ اللہ کے مشروع کردہ طریقے کا فوت ہونا ہے، اور پشیمانی کے وقت تدارک کا امکان ہے اور کبھی اس کا نقصان اس کے نفس پر لوٹتا ہے اور کبھی نہیں۔ ہماری دلیل وہ بھی ہے جو ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں' ابن عباس کا قول اس شخص کو جس نے تین طلاق دی تھی، اور پوچھنے کے لئے آیا، تو ابن عباس نے فرمایا، **عصیت ربك**. اور جو ہم پہلے مسند عبدالرزاق کے حوالے سے عبادہ بن صامت کی حدیث ذکر کر چکے ہیں کہ آپؐ نے فرمایا: "**بانت بثلاث فی معصیة**" اور اسی طرح وہ روایت جو طحاوی نے مالک بن حارث سے نقل کیا ہے کہ ایک شخص ابن عباسؓ کے پاس آیا، اور کہا کہ میرے چچا نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی ہے، تو ابن عباس نے فرمایا، کہ تیرے چچا نے اللہ کی نافرمانی کی اور گناہگار رہوا، اور شیطان کی اطاعت کی فلم **یجعل له مخرجًا**۔

اور وہ جو نسائی نے محمود بن لبید سے روایت کی جو پہلے گزری، (انتھیٰ)۔ فقہ کی بعض کتابوں میں ہمارے بعض علماء کی طرف

نسبت ہے، کہ اگر کنواری کو تین طلاق دی جائے تو وہ ایک واقع ہوتی ہے۔ یہ فحش غلطی ہے، اس پر ابن ہمام نے تنبیہ کی ہے۔
رواہ فی المؤطا : مصنف کی عبارت میں تسامح ہے۔ اس مناقشہ کی وضاحت پہلے گزر چکی ہے۔

محبوب ترین اور مبغوض ترین حلال چیزیں

۳۲۹۴: وَعَنْ مُعَاذِ بْنِ جَبَلٍ قَالَ قَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا مُعَاذُ مَا خَلَقَ اللّٰهُ شَيْئًا عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ اَحَبَّ اِلَيْهِ مِنَ الْعِتَاقِ وَلَا خَلَقَ اللّٰهُ شَيْئًا عَلٰى وَجْهِ الْاَرْضِ اَبْغَضَ اِلَيْهِ مِنَ الطَّلَاقِ. (رواه الدارقطني)

اخرجه الدارقطني في السنن ۳۵/٤ الحديث رقم ۹٤ من كتاب الطلاق (٤) في المخطوطة (لما)۔

ترجمہ: ''اور حضرت معاذ بن جبل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے مجھ سے ارشاد فرمایا: ''اے معاذ! اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر جتنی (مستحب) چیزیں پیدا فرمائی ہیں ان میں سے اس کے نزدیک سب سے زیادہ پسندیدہ چیز (غلام ولونڈی کو) آزاد کرنا ہے اور اللہ تعالیٰ نے روئے زمین پر جتنی (حلال) چیزیں پیدا فرمائی ہیں ان میں سے اس کے نزدیک سب سے زیادہ ناپسندیدہ چیز طلاق ہے''۔ (دار قطنی)

تشریح: قوله :ما خلق الله شيئاً على وجه الارض :

احب اليه من العتاق : کیونکہ یہ بندے کے لئے اپنی جیسی مخلوق کی عبودیت سے خلاصی کا سبب ہے اور اپنے خالق کے حق ربوبیت کے قیام کے لئے فارغ ہونے کا سبب ہے۔ اور اس کے آقا کے لئے جہنم سے آزادی اور چھٹکارے کا باعث ہے۔ یہ کامل بدلہ ہے اس شخص کے لئے جس نے اپنے غلام کو مخلوق کی خدمت سے چھڑایا جو کہ عار ہے، اور اس میں اللہ کے اخلاق کو اپنانا اور اس کے حکم کی تعظیم کرنا اور اس کی مخلوق پر شفقت اور رحم کرنا ہے۔

ابغض اليه من الطلاق : یعنی بغیر حاجت اور ضرورت کے، ابن ہمام فرماتے ہیں' بلکہ کبھی طلاق دینا مستحب ہوتا ہے، اس عورت کو جو نماز نہیں پڑھتی، اور فاجرہ ہو۔

فتاویٰ قاضی خان میں ہے کہ ایک آدمی ہے اس کی بیوی نماز نہیں پڑھتی، اس کو یہ حق حاصل ہے کہ اس کو طلاق دے دے، اور اگر اس کے پاس مال نہ ہو تو اس کا مہر اس کو پورا دیدے۔ ابوحفص بخاری سے حکایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے فرمایا' کہ اگر کوئی شخص اللہ سے اس حالت میں ملے کہ عورت کا مہر اس کے ذمہ میں ہو، یہ مجھے زیادہ پسند ہے اس سے کہ وہ جماع کرے ایسی عورت سے جو نماز نہیں پڑھتی۔

یا لام عہد کے لئے ہے یعنی تین طلاقوں سے زیادہ مبغوض کوئی چیز نہیں ہے۔ کیونکہ کبھی یہ معصیت کی طرف لے جاتی ہے، اور اسی وجہ سے یہ شیطان کو سب سے زیادہ پسندیدہ ہے' جیسا کہ مروی ہے کہ وہ اپنے بعض مددگار کی تعظیم کرتا ہے۔

اس حدیث میں دلالت ہے کہ نکاح عبادت کے لئے فارغ ہونے سے افضل ہے، اور اس بات پر کہ بندوں کے افعال عتاق، طلاق وغیرہ اللہ کی مخلوق ہیں۔

بَابُ الْمُطَلَّقَةِ ثَلٰثًا

جس عورت کو تین طلاقیں دی جائیں اس کا بیان

یہ باب مطلقہ ثلاثہ کے حکم کے بارے میں ہے کہ وہ پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہے، جب تک کہ زوج ثانی اس سے جماع نہ کرے۔

مصنف کو چاہیئے تھا کہ ترجمۃ الباب میں "والا یلاء والظھار" بھی کہتے، کیونکہ اس باب میں ایلاء اور ظہار کی احادیث بھی مذکور ہیں۔

الفصل الاول:

مطلقہ ثلاثہ بلا حلالہ پہلے خاوند کے لئے حلال نہیں ہوتی

۳۲۹۵: وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ جَاءَتِ امْرَأَةُ رِفَاعَةَ الْقُرَظِيِّ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ اِنِّي كُنْتُ عِنْدَ رِفَاعَةَ فَطَلَّقَنِيْ فَبَتَّ طَلَاقِيْ فَتَزَوَّجْتُ بَعْدَهُ عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ الزَّبِيْرِ وَمَا مَعَهُ اِلَّا مِثْلُ هُدْبَةِ الثَّوْبِ فَقَالَ اَتُرِيْدِيْنَ اَنْ تَرْجِعِيْ اِلٰى رِفَاعَةَ قَالَتْ نَعَمْ قَالَ لَا حَتّٰى تَذُوْقِيْ عُسَيْلَتَهُ وَيَذُوْقَ عُسَيْلَتَكِ. (متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۲۴۹/۵ الحدیث رقم ۲۶۳۹ومسلم فی ۱۰۵۵/۲ الحدیث رقم (۱۱۱-۱۴۳۳) والترمذی فی السنن ۴۲۷/۳الحدیث رقم ۱۱۱۸ والنسائی فی ۱۴۶/۶ الحدیث رقم ۳۴۰۸وابن ماجه فی ۶۲۱/۱ الحدیث رقم ۱۹۳۲ والدارمی فی ۲۱۵/۲ الحدیث رقم ۲۲۶۸ومالك فی الموطأ۵۳۱/۲ الحدیث رقم ۱۷من كتاب النكاح واحمد فی المسند ۴۲/۶۔

ترجمہ: "حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ (ایک دن) رفاعہ قرظی رضی اللہ عنہ کی بیوی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی کہ میں رفاعہ کے نکاح میں تھی مگر انہوں نے مجھے طلاق دے دی اور طلاقیں بھی تین دیں چنانچہ میں نے رفاعہ رضی اللہ عنہ کے بعد عبدالرحمٰن بن زبیر سے نکاح کر لیا لیکن ان کا پاس تو کپڑے کے پلو کی طرح ہے۔ (یعنی اس عورت نے ازراہ شرم و حیاء عبدالرحمٰن کی نامردی کو کنایۃً ان الفاظ کے ذریعہ بیان کیا کہ وہ عورت کے قابل نہیں ہیں) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) فرمایا کیا تم پھر رفاعہ کے پاس جانا چاہتی ہو؟ اس نے عرض کیا کہ "ہاں"۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: "نہیں (تم اس وقت تک رفاعہ رضی اللہ عنہ سے دوبارہ نکاح نہیں کر سکتیں) جب تک کہ تم اس کا مزہ نہ چکھ لو اور وہ (عبدالرحمٰن) تمہارا مزہ چکھ لے"۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: قوله :فقال :أتريدين أن ترجعي......:

ان ترجعي الى رفاعة :ایک نسخہ میں ہے قالت : نعم قال: لا ترجعي اليه.

الا مثل هدبة الثوب :ایک روایت میں ہے وان ما معه مثل هدبة الثوب فتبسم رسول الله ﷺ.

رفاعة :راء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

القرظي : قاف کے ضمہ اور راء کے فتحہ کے ساتھ ہے،"قريظة" کی طرف منسوب ہے، جو یہود کا ایک قبیلہ ہے۔

عبد الرحمن بن الزبير : روایت زاء کے فتحہ اور باء کے کسرہ کے ساتھ ہے (اس کو ذکر کیا ہے طیبی نے)۔اور بعض شروح میں اکثر اہل نقل سے روایت کیا ہے کہ زاء کے ضمہ اور باء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ابن ہمام فرماتے ہیں کہ زاء کے فتحہ کے ساتھ ہے، نہ کہ اس کے علاوہ کوئی اور احتمال ہے۔مصنف نے ان کا ذکر اپنے اسماء الرجال میں نہیں کیا ہے۔

هدبة الثوب : هاء کے ضمہ اور دال کے سکون کے ساتھ ہے، کپڑے کے کنارے کو کہتے ہیں جو بُنا ہوا نہ ہو۔

حتىٰ تذوقي عسيلته : عسل کی تصغیر ہے، عین کے ضمہ اور سین کے فتحہ کے ساتھ ہے، لذت جماع مراد ہے، اور تاء اس میں لذت یا نطفۃ کی نیت کے بناء پر ہے۔اور اس کو مؤنث اس لئے ذکر کیا ہے کہ مراد قطعة من العسل ہے۔اور بعض نے کہا ہے کہ نطفہ کے معنیٰ میں ہونے کی وجہ سے مؤنث ذکر کیا ہے اور بعض کہتے ہیں کہ"العسل"مذکر اور مؤنث دونوں طرح استعمال ہوتا ہے اور تصغیر سے اشارہ ہے قدر قلیل کی طرف جس سے حلت ثابت ہو جائے۔

فبت طلاقي: یعنی ختم کر دیا ہے، پس تین طلاق میں سے کچھ بھی باقی نہیں رہا، اور بعض نے کہا ہے کہ اس کا مطلب ہے' مجھے تین طلاق دی ہیں۔اور اس میں دونوں احتمال ہیں، کہ ایک ساتھ دی ہوں، یا الگ الگ۔

الا مثل هدبة الثوب : یہ کنایہ ہے اس کے عنین ہونے اور آلہ کے کمزور ہونے سے۔اس کے ساتھ"ذکر"کو تشبیہ دی ہے اس کی نرمی' انکساری عدم قیام اور عدم انتشار میں۔نہایہ میں ہے کہ اس سے مراد ان کی متاع ہے کہ وہ کپڑے کے کنارے کی طرح نرم ہے اس کی کسی ضرورت کو پورا نہیں کرتا۔

ويذوق عسيلتك : حلاوت جماع سے کنایہ ہے یعنی یہاں تک کہ وہ تجھ سے لذت پا لے، تو اس سے لذت پا لے۔ حشفہ کے غائب ہونے کے ساتھ۔اور انزال منی شرط نہیں ہے اور حسن بصری نے اس کو شرط قرار دیا ہے۔ان کے نزدیک زوج ثانی کے انزال کے بغیر اول کے لئے حلال نہ ہوگی، وہ عسیلہ کو اسی پر حمل کرتے ہیں، اور ہم کہتے ہیں کہ یہ معنیٰ صرف دخول سے پورا ہو جاتا ہے اور انزال کمال درجہ ہے۔مسند احمد میں ہے کہ آپ نے فرمایا: العسيلة هي الجماع.علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ آپ نے لذت جماع کو تشبیہ شہد چکھنے کے ساتھ دی ہے۔اور اس کے لئے لفظ ذوق کو عاریت لیا ہے۔

شرح السنہ میں ہے کہ اس حدیث پر اکثر اہل علم صحابہ اور ان کے علاوہ کا عمل ہے۔اور کہا ہے کہ جب آدمی اپنی بیوی کو تین طلاق دیدے، تو وہ اس کے لئے حلال نہیں ہے، وہ دوسرے شوہر کے ساتھ نکاح کرلے اور وہ اس کے ساتھ جماع کر لے، اگر وہ اس کو جدا کر دے یا مر جائے جماع کرنے سے پہلے تو اول کے لئے حلال نہ ہوگی۔اور حلال نہ ہوگی کسی اور کے شبہ کی وجہ سے جماع کرنے کے ساتھ یا زنا کرنے کے ساتھ یا ملک یمین کی وجہ سے۔

ابن المنذر رکہتے ہیں کہ حدیث میں دلالت ہے کہ اگر شوہر نے اس کے ساتھ سونے کی حالت میں، یا بے ہوشی کی حالت میں جماع کرلیا، اور عورت نے اس کی لذت محسوس نہیں کی تو یہ شوہر اول کے لئے حلال نہ ہوگی۔ اس لئے کہ ذوق کہتے ہیں کہ لذت کے محسوس کرنے کو۔ اور اکثر اہل علم کہتے ہیں کہ حلال ہوجائے گی۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں گویا کہ انہوں نے عورت کے لذت محسوس کرنے کو کافی سمجھا ہے، یا یہ کہا جائے کہ ویذوق میں واؤ او کے معنی میں ہے، کیونکہ یہ جواب ہے اور یہ غرض کے زیادہ مشابہ ہے نفی کرنے سے۔ اور اس پر دلالت کررہا ہے بعض روایات میں حتی تذوق عسیلتها پر اکتفاء کرنا ہے یا اس وجہ سے کہ کبھی عورت کا جماع بغیر لذت کے متصور ہوسکتا ہے، لیکن مرد کا جماع بغیر لذت کے متصور نہیں ہوسکتا۔

نووی فرماتے ہیں کہ علماء کا اتفاق ہے کہ حشفہ کا غائب ہونا قبل میں بغیر انزال کے کافی ہے اور حسن نے انزال کو شرط قرار دیا ہے، حتی تذوق عسیلته کی وجہ سے، کہ عسیلہ سے مراد نطفہ ہے۔

ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ویذوق عسیلتك اس کو رد کررہا ہے۔ بلکہ ذوق کے ذکر میں اشارہ ہے کہ انزال شرط نہیں ہے۔ کیونکہ وہ سیر ہونا ہے، اور یہ بھی کہ جماع اختیاری ہے برخلاف انزال کے، اور یہ بھی کہ آیت کے الفاظ ہیں ''حتیٰ تنکح'' اور نکاح کا اطلاق عقد اور مطلق وطی پر ہوتا ہے، بالا جماع۔

ہدایہ میں ہے کہ شرط دخول میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔ ابن ہمام فرماتے ہیں یعنی اہل سنت میں سے اور مراد اختلاف عالی ہے، سوائے سعید بن میتب کے، پس کوئی فرق نہیں پڑے گا بشر مریسی، داؤد ظاہری اور شعبہ کے اختلاف سے جو اس کے قائل ہیں۔ (کہ بغیر دخول کے حلال ہوجائے گی)۔ اور سعید بن المسیب کا قول بہت عجیب وغریب ہے یہاں تک کہ کہا گیا ہے کہ شاید ان تک یہ حدیث نہ پہنچی ہو۔ اور اگر کوئی حاکم اس کے خلاف فیصلہ کرلے، تو اس کا فیصلہ نافذ نہ ہوگا، حدیث مشہور کے خلاف ہونے کی وجہ سے۔ صدر الشہید فرماتے ہیں کہ جس نے اس قول پر فتویٰ دیا، اس پر اللہ اور تمام لوگوں کی لعنت ہو۔ (انتھیٰ)۔ اور یہ اس لئے کہ اس کی مشروعیت شوہر پر سختی کرنے کے لئے ہے، تاکہ وہ کثرت طلاق میں جلد بازی سے کام نہ لے، اس کے ساتھ وہ معاملہ کیا جس کو وہ ناپسند کرتا ہے، جب اس نے مباحات میں سے ناپسند کام کیا۔

تخریج: ابن ہمام فرماتے ہیں اس حدیث کو ایک جماعت نے روایت کیا ہے سوائے ابوداؤد کے اور صحیحین کے الفاظ یہ ہیں: انها كانت تحت رفاعة فطلقها آخر ثلاث تطليقات. اور بخاری کی ایک روایت میں ہے: كذبت والله يا رسول الله انى لانفضها نفض الاديم. کہ اللہ کے رسول یہ جھوٹ بول رہی ہے، میں اس کو چمڑے کی طرح ہلاتا ہوں۔ ولكن ناشزة تريد ان ترجع الى رفاعة لیکن یہ نافرمان ہے، رفاعہ کے پاس جانا چاہتی ہے۔ فقال رسول الله ﷺ وان كان كذلك لم تحلى له حتى يذوق عسيلتك.

ایک جماعت نے حضرت عائشہؓ سے روایت کیا ہے، کہ آپؐ سے ایک آدمی کے بارے میں پوچھا گیا جس نے اپنی بیوی کو تین طلاق دی تھیں اور بیوی نے اس کے علاوہ شوہر کے ساتھ شادی کرلی تھی، اور پھر جماع سے پہلے اس کو طلاق دی، کیا یہ شوہر اول کے لئے حلال ہے، آپؐ نے فرمایا: ''نہیں۔ حتى يذوق الآخر من عسيلتها ما ذاق الاول''۔

الفصل الثانی:

محلل اور محلل لہ مستحق لعنت ہیں

۳۲۹۶: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ الْمُحَلِّلَ وَالْمُحَلَّلَ لَهُ. (رواه الدارمی)

اخرجه الترمذی فی السنن ۴۲۸/۳ الحديث رقم ۱۱۲۰ والنسائی فی ۱۴۹/۶ الحديث رقم ۳۴۱۶ والدارمی فی ۲۱۱/۲ الحديث رقم ۲۲۵۸ واحمد فی المسند ۴۴۸/۱۔

ترجمہ: ''حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے محلل (حلالہ کرنے والے) اور محلل لہ (جس کے لئے حلالہ کیا جا رہا ہے) دونوں پر لعنت فرمائی ہے۔ (دارمی)

تشریح: **المحلل**: لام کے کسرہ کے ساتھ۔ مراد زوج ثانی ہے، جس نے طلاق کے قصد یا شرط پر نکاح کیا ہے۔

والمحلل له: لام کے فتحہ کے ساتھ۔ مراد شوہر اول ہے جس نے تین طلاق دی ہیں۔

قاضی فرماتے ہیں کہ محلل وہ شخص ہے جو مطلقہ غیر کے ساتھ اس ارادے سے نکاح کرے کہ وطی کے بعد اس کو طلاق دے گا، تاکہ طلاق دینے والے کے لئے اس کے ساتھ نکاح حلال ہو جائے، گویا کہ یہ شوہر اول کے لئے نکاح اور جماع کے ساتھ اس کو حلال کر رہا ہے۔ اور **محلل له** وہ طلاق شوہر ہے، اور ان پر لعنت اس لئے ہے کہ اس فعل میں مروت کی ہتک ہے' حمیت کی کمی اور خساست نفس اور گھٹیا پن ہے۔

محلل له کی نسبت سے تو یہ ظاہر ہے، اور محلل کی نسبت سے اس لئے کہ وہ اپنے آپ کو عاریت پر دے رہا ہے، وطی کے ساتھ دوسرے کی غرض کے لئے' کیونکہ یہ اس عورت کے ساتھ وطی اس لئے کر رہا ہے تا کہ اس کو محلل لہ کے لئے پیش کرے، اور اس کی مثال آپ ﷺ نے عاریت پر لئے ہوئے بکرے کے ساتھ دی ہے، اور یہ حدیث بطلان عقد پر دلالت نہیں کرتی جیسا کہ کہا گیا ہے، بلکہ اس حدیث سے عقد کے صحیح ہونے پر استدلال کیا جاتا ہے، کہ اس میں عاقد کو محلل کہا ہے اور یہ اسی وقت ہو سکتا ہے کہ جب عقد صحیح ہو، کیونکہ عقد فاسد اس کو حلال نہیں کر سکتا یہ تو اس وقت ہے جب عقد مطلق ہو اگر دخول کے بعد اس میں طلاق کی شرط ہو تو پھر اس میں اختلاف ہے۔ اور زیادہ ظاہر اس کا باطل ہونا ہے۔

شمنی کہتے ہیں کہ اگر آپ یہ کہیں کہ ان پر لعنت کا کیا مطلب ہے؟ تو میں کہتا ہوں کہ محلل پر لعنت اس لئے ہے کہ اس نے جدائی کے ارادے سے نکاح کیا ہے، حالانکہ نکاح دوام کے لئے مشروع ہے، اور یہ عاریت کے بکرے کی طرح ہوا۔ اور محلل لہ پر لعنت اس لئے ہے کہ وہ اس نکاح کا سبب بنا ہے، اور مراد ان کی گھٹیا پن کو ظاہر کرنا ہے، کیونکہ طبع سلیم ان کے فعل سے نفرت کرتی ہے، حقیقی لعنت مراد نہیں ہے، کیونکہ آپ لعنت بھیجنے کے لئے مبعوث نہیں ہوئے تھے۔ (انتھی)۔

اور جان لے کہ فروع میں اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ قولا تحلیل کی شرط لگانا مکروہ ہے، پس کہا ہے کہ جب کوئی

حلالے کی شرط پر نکاح کرلے، بایں طور کہ کہے میں اس کے ساتھ نکاح کر رہا ہوں، اس شرط پر کہ یہ تیرے لئے حلال کروں، تو یہ مکروہ تحریمی ہے۔ اور حدیث مذکور کی وجہ سے موجب عقاب ہے۔

انہوں نے کہا ہے کہ اگر دونوں حلالہ کی نیت کریں، مگر منہ سے نہ کہیں تو وہ آدمی ماجور ہوگا، ارادۂ اصلاح کی وجہ سے، پس حدیث کو محمول کیا جائے گا، اس فراق کے قصد پر جس کی شرط قولاً ہو اور اگر وہ نیت کرے، تو وہ موجب لعنت نہ ہوں گے، اور بعض نے کہا ہے کہ اصلاح کے ارادے سے اگر قولاً بھی شرط لگائے، تب بھی ماجور ہوگا۔ اور حدیث کی تاویل کی جائے گی کہ یہ اس وقت ہے جب وہ اجرت کی شرط لگائے۔

ہدایہ میں ہے کہ شرط لگانے والا محلل اس حدیث کا محمل ہے کیونکہ اس کا عموم مطلق محلل ہے، جو کہ بالاجماع مراد نہیں ہے، اور رغبۃً شادی کرنے والے کو بھی شامل ہے، جو مراد نہیں ہے۔ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ مفتیٰ بہ قول کے مطابق اگر کوئی عورت جس کو تین طلاق دی گئی ہو، اپنا نکاح غیر کفو میں کردے اور زوج ثانی دخول کردے، تو اول کے لئے حلال نہ ہوگی۔ علماء نے کہا ہے کہ چاہئے کہ اس مسئلے کو محفوظ کیا جائے، اور یاد رکھا جائے کیونکہ محلل عام طور پر غیر کفو ہوتا ہے، اور اگر ولی محلل کے ساتھ عقد کر دے تو اول کے لئے حلال ہو جائے گی۔

زیلعی نے تخریج میں کہا ہے کہ مصنف نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے اس نکاح کے مکروہ ہونے پر جو حلالہ کی شرط پر ہو، اور ظاہر یہ ہے کہ یہ حرام ہے جیسا کہ امام احمد کا مذہب ہے۔ لیکن کہا جاتا ہے کہ جب اس کو محلل کہا، تو یہ اس نکاح کی صحت پر دلالت کر رہا ہے، کیونکہ محلل، حلال کرنے والے کو کہا جاتا ہے۔ اگر یہ نکاح فاسد ہوتا تو پھر اس کو محلل نہ کہتے (انتھیٰ)۔

ظاہر یہ ہے کہ یہ ایک اعتراض تھا جس کا جواب مکمل ہوا۔ اور اعتراض کے پیدا ہونے کی وجہ ہمارے علماء کی اصطلاح کو نہ سمجھنا ہے، اور وہ یہ ہے کہ ہمارے علماء حرام کا اطلاق اس ممنوع چیز پر کرتے ہیں جس کی حرمت دلیل قطعی سے ثابت ہو، اور جب دلیل ظنی سے ثابت ہو، تو اس کو مکروہ کہتے ہیں وہ اس کے باوجود سبب عقاب ہوتا ہے، اور جواب میں اس کا کلام تقاضا کرتا ہے حرمت اور فساد کے لزوم کا۔ حالانکہ ایسا نہیں ہے، اس لئے کہ کبھی عبادات میں بھی گناہ کے ساتھ اس کی صحت کا حکم لگایا جاتا ہے، چہ جائے کہ اس کے علاوہ ہو۔

تخریج: میرک کہتے ہیں کہ ابن مسعود کی حدیث کو ترمذی نے روایت کیا ہے، اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح ہے اور نسائی نے روایت کیا ہے، اور روایت کیا ہے ابوداؤد، ترمذی، اور ابن ماجہ نے حضرت علی سے۔ اور ابن ماجہ نے عقبہ بن عامر سے، جیسا کہ شیخ ابن جوزی نے تصحیح مصابیح میں فرمایا ہے۔ اور یہ مصنف کے کلام کے برخلاف ہے، غور کریں اس میں، (انتھیٰ)۔

اور سیوطی نے یہ حدیث الجامع الصغیر میں ذکر کی ہے اور کہا ہے کہ **رواه احمد والاربعة عن علي والترمذي والنسائي عن ابن مسعود والترمذي عن جابر**. مصنف کو چاہیئے تھا کہ حدیث کی ابتداء عن علی سے کرتے، اور پھر اس کے مخرج کو ذکر کرتے۔ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ حدیث مذکور روایت کی گئی ہے حضرت علی، جابر اور عقبہ بن عامر، اور ابوہریرہ، ابن عباس سے اور بعض سے تخریج ہمارے لئے کافی ہے، ابن مسعود سے، ترمذی اور نسائی نے روایت کیا ہے: "**قال لعن رسول الله ﷺ المحلل والمحلل له**"۔ اور ترمذی نے اس کو صحیح کہا ہے اور عقبہ کی حدیث اس طرح ہے: "**قال: هو المحلل لعن**

الله المحلل والمحلل له. رواه ابن ماجه"۔ابن عبدالحق نے کہا ہے کہ اس کی سند حسن ہے۔

۳۲۹۷:وَرَوَاهُ ابْنَ مَاجَةَ عَنْ عَلِيّ وابْنِ عَبَّاسٍ وَعُقْبَةُ بْنِ عَامِرٍ۔

اخرجه ابن ماجه في السنن ٦٢٢/١ الحديث رقم ١٩٣٤۔

ترجمہ: ابن ماجہ نے اس روایت کو حضرت علی' حضرت ابن عباس اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہم سے نقل کیا ہے"۔

ایلاء کا حکم

۳۲۹۸:وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ قَالَ اَدْرَكْتُ بِضْعَةَ عَشَرَ مِنْ اَصْحَابِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كُلُّهُمْ يَقُوْلُ يُوْقَفُ الْمُؤْلِيْ۔

رواه في شرح السنة

اخرجه البغوی فی شرح السنة ٢٣٧/٩ الحديث رقم ٢٣٦٣ والدارقطنی فی السنن ٦١/٤ الحديث رقم ١٤٨ من كتاب الطلاق

ترجمہ: "اور حضرت سلیمان بن یسارؒ (تابعی) کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کے دس بلکہ اس سے بھی زیادہ صحابیوں کو پایا کہ وہ سب یہ فرمایا کرتے تھے کہ ایلاء کرنے والے کو ٹھہرایا جائے (یعنی اس کو قید کر دیا جائے)"۔ (شرح السنۃ)

تشریح: **المؤلی** : ہمزہ کے ساتھ ہے اور ہمزہ کو تبدیل بھی کیا جاتا ہے، ایلاء سے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔

یقول : کو بصیغہ واحد لانا مفرد لفظ "کل" کی وجہ سے ہے۔

شرح السنہ میں ہے کہ ایلاء یہ ہے کہ آدمی قسم کھالے کہ وہ اپنی بیوی کے قریب نہیں جائے گا چار ماہ سے زیادہ مدت تک۔ پس چار ماہ گزرنے سے پہلے اس پر کچھ نہیں ہے، لیکن جب چار ماہ گزر جائیں تو پھر اس میں اختلاف ہے۔ اکثر صحابہ کے نزدیک طلاق واقع نہ ہوگی بلکہ موقوف رہے گی یا تو وہ رجوع کر لے اور قسم کا کفارہ اداء کرے۔ یہ امام مالک، احمد، اور شافعی اور اسحٰق کا قول ہے، امام شافعیؒ فرماتے ہیں اگر اس کو طلاق دے (دے تو ٹھیک ہے)، ورنہ بادشاہ اس پر ایک طلاق جاری کرے گا۔ اور بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ جب چار ماہ گزر جائیں تو ایک طلاق بائن واقع ہو جائے گی۔ یہ اصحاب ثوری اور امام ابوحنیفہ کا قول ہے۔ اور جو حضرات موقوف ہونے کے قائل ہیں ان کے نزدیک یہ ایلاء کرنے والا نہیں ہوگا، کیونکہ وقف بقاء یمین کی صورت میں ہوتا ہے، اور یہاں چار ماہ کے گزرنے سے وہ ختم ہو چکا ہے۔ اور اگر چار ماہ سے کم پر قسم کھالے تو ایلاء کا حکم ثابت نہ ہوگا، بلکہ وہ قائل قسم اٹھانے والا ہوگا۔

تورپشتی رحمۃ اللہ علیہ فرماتے ہیں کہ بعض صحابہ اور ان کے بعد والے بعض اہل علم فرماتے ہیں کہ اپنی بیوی سے ایلاء کرنے والے

شخص پر جب مدۃ ایلاء گزر جائے، جو بعض کے نزدیک چار ماہ سے زائد ہے، تو یہ (معاملہ) موقوف رہے گا، یا تو وہ رجوع کرے اور یا طلاق دے، اور اگر وہ طلاق دینے سے انکار کرے تو حاکم اس پر ایک طلاق جاری کرے گا۔ یہ وہ حکم ہے جو فقہاء نے آیت سے رائے اور اجتہاد کے طور پر استنباط کیا ہے۔ اور دوسرے حضرات نے ان کی مخالفت کی ہے۔ وہ کہتے ہیں کہ مدت ایلاء چار ماہ ہے، جب یہ گزر جائے تو وہ ایک طلاق کے ساتھ بائنہ ہو جائے گی۔ یہ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ اور یہی آیت کا مقتضیٰ ہے۔ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿للذین یؤلون من نسائھم تربص اربعة اشھر فان فاؤا فان اللہ غفور رحیم﴾ [البقرہ۔۲۲۶]: ''جو لوگ اپنی بیویوں سے (ہم بستری نہ کرنے کی) قسم کھا بیٹھتے ہیں، ان کے لئے مہلت چار ماہ تک ہے، پھر اگر یہ لوگ رجوع کرلیں، تو اللہ بخشنے والا ہے، بڑا مہربان ہے''۔ یعنی ان چار ماہ میں اور ابن مسعود کی قراءت میں ''فان فاؤا فان اللہ غفور رحیم'' ہے۔ اور تربص کا معنیٰ ہے انتظار۔ یعنی اس مدت کے گزرنے تک ان کا انتظار ہوگا۔ وان عزموا الطلاق فان اللہ سمیع علیم [البقرہ:۲۲۷]: (اور اگر طلاق [ہی] کا پختہ ارادہ کرلیں، تو بے شک اللہ بڑا سننے والا، بڑا جاننے والا ہے)۔ یعنی اگر وہ طلاق کا عزم کریں اس مدت کے گزرنے کے انتظار کے ساتھ اور رجوع کو چھوڑنے کے ساتھ اور توقف کے قائلین کے ہاں اس کی تاویل یہ ہے کہ پس اگر وہ رجوع کرلیں (تو ٹھیک ہے)۔ اور اگر انہوں نے مدت گزرنے کے بعد طلاق کا عزم کیا۔ (انتھیٰ)

علامہ طیبی نے پر گرفت کی ہے، کہ ''فان فاؤا'' میں فاء تعقیب کے لئے ہے، اور اس کا جواب صاحب کشاف نے دیا ہے کہ فاء تفصیل کے لئے ہے' یہ مجمل ہے۔ اس کی مزید تحقیق عنقریب آرہی ہے۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ امام شافعی رحمہ اللہ نے مؤطا مالک کی اس روایت سے بھی استدلال کیا ہے، کہ حضرت علیؓ سے منقول ہے وہ فرماتے تھے جب آدمی اپنی عورت سے ایلاء کرلے تو اس پر طلاق واقع نہ ہوگی، پس جب چار ماہ گزر جائیں تو یہ موقوف رہے گا۔ یہاں تک کہ وہ طلاق دے، یا رجوع کرلے۔

دوسرا استدلال: بخاری میں مروی ابن عمر رضی اللہ عنہما کی روایت ہے وہ ایلاء کے بارے میں فرماتے تھے کہ مدت گزرنے کے بعد حلال نہیں ہے، مگر یہ کہ وہ روکے رکھے معروف طریقے سے یا طلاق کا عزم کرے، جیسا کہ اللہ تعالیٰ نے حکم دیا ہے۔

اور بخاری فرماتے ہیں کہ مجھے اسماعیل بن اوس نے کہا ہے کہ مجھے بیان کیا ہے مالک نے نافع سے اور انہوں نے ابن عمر سے کہ وہ فرماتے ہیں جب چار ماہ گزر جائیں تو معاملہ موقوف ہوگا، یہاں تک کہ وہ طلاق دے، اور اس کے طلاق دیئے بغیر طلاق واقع نہ ہوگی۔ (انتھیٰ)۔

ہم کہتے ہیں کہ یہ مذکورہ آثار عبدالرزاق کی مندرجہ ذیل روایت کے معارض ہیں: حضرت عثمان بن عفان اور زید بن ثابت سے کہ وہ ایلاء کے بارے میں کہتے ہیں کہ جب چار ماہ گزر جائیں تو یہ ایک طلاق ہے، اور وہ عورت اپنے نفس کی زیادہ حقدار ہے، اور وہ عدت گزارے مطلقہ کی طرح عدت۔

عبدالرزاق نے معمر عن قتادہ روایت کیا ہے کہ حضرت علیؓ، ابن مسعودؓ اور حضرت ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ جب چار ماہ گزر جائیں تو یہ طلاق ہے، پس یہ عورت اپنے نفس کی زیادہ حقدار ہے، اور مطلقہ کی طرح عدت گزارے۔

(۳) ابن ابی شیبہ نے سعید بن جبیر سے نقل کیا ہے کہ ابن عباسؓ اور ابن عمرؓ فرماتے ہیں کہ جب آدمی ایلاء کر لے اور پھر رجوع نہ کرے، یہاں تک کہ چار ماہ گزر جائیں، تو یہ ایک طلاق بائن ہے۔

پس باقی نہیں رہا، سوائے اس قول کے کہ سب سے زیادہ صحیح حدیث وہ ہوتی ہے جو کتاب بخاری اور مسلم میں ہو پھر وہ جو ان کی شرائط پر ہو، لیکن ہم اس سے پہلے ''کتاب الصلوٰۃ'' میں ذکر کر چکے ہیں کہ یہ محض سینہ زوری ہے، اور بخاری کا یہ قول کہ اصح الاسانید مالك عن نافع عن ابن عمر ہے، اس کے موافق نہیں ہے۔ امام شافعی کی روایت کا حاصل یہ ہے کہ صحابہ کی ایک جماعت کا قول اسی طرح ہے، پس جائز ہے کہ ان میں سے بعض جن کی روایات کے ساتھ تعارض ہے باوجود ان کے طبقات میں اختلاف کے بلند شان اور رتبہ میں کہ جو مروی عنہ کے خلاف ہے وہ زیادہ فقیہ اور اعلیٰ منصب والا ہو، اور ہم نے اکابر صحابہ سے نقل کیا ہے جیسے عثمان اور علی یہ بنی ہے ان روایات کی ترجیح پر جن کے ساتھ ہم نے معارضہ کیا ہے، اور اسی طرح زید بن ثابت سے اور یہ اکابر صحابہ میں سے ہیں، ان میں سے جن کا ابن عباس نے رکاب پکڑا، جب یہ سوار ہوئے اور کہا کہ اس طرح ہمیں حکم ہے کہ ہم اپنے علماء کے ساتھ کریں اور اسی طرح ابن عباس رضی اللہ عنہما سے جیسا کہ ہم پہلے ذکر کر چکے ہیں۔ اسی طرح عمر بن الخطاب رضی اللہ عنہ سے۔ دار قطنی نے نقل کیا ہے: **عن ابی اسحق حدثنی محمد بن مسلم بن شهاب عن سعيد بن المسيب وابو بكر بن عبد الرحمن ان عمر بن الخطاب كان يقول: اذا مضت اربعة اشهر فهي تطليقة وهو املك بردها ما دامت في عدتها.** کہ ''جب چار ماہ گزر جائیں تو وہ ایک طلاق ہے، اور وہ شوہر زیادہ حقدار ہے اس کو لوٹانے کا جب تک وہ عدت میں ہو''۔

عبد الرزاق نے ابوقلابہ سے روایت کیا ہے کہ نعمان نے اپنی بیوی سے ایلاء کیا اور وہ ابن مسعود کے پاس بیٹھے ہوئے تھے، ابن مسعود نے اپنی ران پر ہاتھ مار کر فرمایا: **اذا مضت اربعة اشهر فاعترف بتطليقة**۔ ہمارے مذہب کی طرح عطاء، جابر بن زید، عکرمہ، سعید بن المسیب، ابوبکر بن عبد الرحمٰن، اور مکحول سے بھی نقل کیا ہے۔ دار قطنی نے اسی طرح ابن حنفیہ، شعبی، نخعی، مسروق، حسن، ابن سیرین، قبیصہ، سالم اور ابوسلمہ رضوان اللہ تعالیٰ علیہم اجمعین سے نقل کیا ہے۔ یہ عام ترجیح ہے کہ صحابہ میں سے جو بھی وقوع طلاق کا قائل ہو صرف مدت گزر کے ساتھ، اس کو ترجیح دی جائے گی قول مخالف پر۔ اس لئے کہ اس کے سواء کوئی چارہ نہیں ہے کہ یہ محمول ہے سماع پر، کیونکہ یہ ظاہر آیت کے خلاف ہے، اگر یہ سماع نہ ہوتا تو وہ آیت کے خلاف نہ کہتے، (انتھی)۔ اور آیت یہ ہے [**للذين يؤنون من نسآئهم**] یعنی وہ قسم اٹھالیں کہ وہ ان کے ساتھ جماع نہیں کریں گے، چار ماہ اور اس سے زیادہ مدت تک، اور اگر اس سے کم پر حلف اٹھایا، تو ایلاء نہ ہوگا۔

بیضاوی کا یہ قول کہ امام ابوحنیفہ نے کہا ہے کہ ''چار ماہ اور اس سے کم مدت میں'' خطا ہے۔

''**تربص اربعة اشهر**'' مبتداء ہے اور ماقبل اس کی خبر ہے، اور تربص کا معنیٰ ہے: انتظار''۔ ظرف کی طرف اضافت وسعت کی وجہ سے ہے، یعنی ایلاء کرنے والوں کے لئے ثابت ہے چار ماہ تک انتظار کرنا

''**فان فاؤا**'' یعنی ان مہینوں میں، عبداللہ بن مسعود کی اس قرأۃ کی وجہ سے **فان فاؤا فيهن**. یعنی اگر رجوع کرلیں وطی کی طرف اس کے ترک میں نقصان کی وجہ سے

"فان اللّٰہ غفور رحیم" "کہ کفارہ کو مشروع کیا" وان عزموا الطلاق "یعنی رجوع کے چھوڑنے کے ساتھ فتربصوا ، مدت کے گزرنے تک ،فان اللّٰہ سمیعٌ اس کے ایلاء کو۔

علیم، اس کی نیت پر۔ یہ وعید ہے ان کے ضرر پہنچانے اور رجوع کے چھوڑنے پر۔

امام شافعی کے نزدیک اس کا معنیٰ ہے فان فاؤ، اگر اس کے بعد وہ رجوع کرے' اور اگر طلاق کا عزم کر لیں، مدت گزرنے کے بعد کیونکہ "فا" تعقیب کے لئے ہے۔ اور ہم کہتے ہیں کہ " ان عزموا" تفصیل ہے "للذین یؤلون من نسائھم کے لئے۔ اور تفصیل مفصل کے بعد ہوتی ہے، جیسا کہ صاحب مدارک نے ذکر کیا ہے۔

سید معین الدین اپنی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ بہت سارے سلف کے نزدیک صرف مدۃ کے گزرنے کے ساتھ طلاق واقع ہوتی ہے، یا بائن یا رجعی۔ اور آیت میں دلالت ہے اس بات پر کہ یہ موقوف ہوگا۔ پس اس سے مطالبہ کیا جائے گا اس کا یا اس کا' اور یہ بہت سارے سلف کا مذہب ہے۔ (انتھیٰ)۔

محمد بن الحسن کی موطا میں ہے کہ ہمیں عمر بن الخطاب' عثمان بن عفان' عبداللہ بن مسعود اور زید بن ثابت سے یہ خبر پہنچی ہے کہ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جب آدمی اپنی بیوی سے ایلاء کرلے اور چار ماہ گزر جائیں رجوع کرنے سے پہلے تو وہ ایک طلاق کے ساتھ بائنہ ہو جائے گی۔ ابن عباس اس آیہ کی تفسیر میں فرماتے ہیں کہ "فیء " کا معنیٰ ہے چار ماہ میں جماع اور عزم طلاق کا مطلب ہے چار ماہ کا گزرنا۔ پس جب چار ماہ گزر جائیں تو ایک طلاق کے ساتھ جدا ہو جائے گی، اور اس کے بعد موقوف نہ ہو گا۔ اور ابن عباس تفسیر قرآن کے سب سے بڑے عالم تھے۔

تخریج: ورواہ الشافعی عن سفیان بن عیینہ عن یحیٰی بن سعید عن سلیمان بن یسار۔ والدار قطنی عن ابی بکر النیسابوری عن ابن عیینہ. (کذا نقلہ میرک عن التصحیح)

کفارۂ ظہار سے پہلے صحبت کا حکم

۳۲۹۹: وَعَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ اَنَّ سُلَیْمَانَ ابْنَ صَخْرٍ وَیُقَالُ لَهٗ سَلَمَةُ ابْنُ صَخْرٍ الْبَیَاضِیُّ جَعَلَ امْرَاَتَهٗ عَلَیْهِ كَظَهْرِ اُمِّهٖ حَتّٰی یَمْضِیَ رَمَضَانُ فَلَمَّا مَضٰی نِصْفٌ مِنْ رَمَضَانَ وَقَعَ عَلَیْهَا لَیْلًا فَاَتٰی رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ لَهٗ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَعْتِقْ رَقَبَةً قَالَ لَا اَجِدُهَا قَالَ فَصُمْ شَهْرَیْنِ مُتَتَابِعَیْنِ قَالَ لَا اَسْتَطِیْعُ قَالَ اَطْعِمْ سِتِّیْنَ مِسْكِیْنًا قَالَ لَا اَجِدُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِفَرْوَةَ بْنِ عَمْرٍو اَعْطِهٖ ذٰلِكَ الْعَرَقَ وَهُوَ مِكْتَلٌ یَاْخُذُ خَمْسَةَ عَشَرَ صَاعًا اَوْ سِتَّةَ عَشَرَ صَاعًا لِیُطْعِمَ سِتِّیْنَ مِسْكِیْنًا. (رواہ الترمذی)

اخرجہ الترمذی فی السنن ۳/۳ ۵۰ الحدیث رقم ۱۲۰۰

ترجمہ: "اور حضرت ابو سلمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک صحابی) سلیمان بن صخر رضی اللہ عنہ کہ جن کو سلمہ بن صخر

بیاضی بھی کہا جاتا تھا نے پورا رمضان اپنی بیوی کو اپنے لئے اپنی ماں کی پشت کی مانند قرار دیا (یعنی انہوں نے اپنی بیوی سے یوں کہا کہ رمضان کے ختم ہونے تک تو مجھ پر میری ماں کی پشت کے مثل ہے گویا اس طرح انہوں نے اپنی بیوی کو رمضان کے ختم تک کے لئے اپنے اوپر حرام قرار دیا) جب آدھا رمضان گزر گیا تو انہوں نے ایک رات اپنی بیوی سے صحبت کر لی پھر (جب صبح ہوئی تو) وہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئے اور یہ ماجرا بیان کیا' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ایک غلام آزاد کردو''۔ انہوں نے عرض کیا کہ میں اس کی استطاعت نہیں رکھتا''۔ آنحضرت ﷺ نے ان سے فرمایا: ''دو مہینے مسلسل روزے رکھو''۔ انہوں نے کہا کہ ''مجھ میں اتنی طاقت نہیں ہے'' (کیونکہ حکم الٰہی تو یہ ہے کہ دو مہینے مسلسل اس طرح روزے رکھے جائیں کہ ان مہینوں میں جماع سے کلیتًا اجتناب کیا جائے اور میں اپنے جنسی ہیجان کی وجہ سے اتنے دنوں تک جماع سے باز نہیں رہ سکتا) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ'' انہوں نے عرض کیا کہ میں اس کی بھی استطاعت نہیں رکھتا۔ پھر آپ ﷺ نے (ایک اور صحابی) حضرت فروہ بن عمرو رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ ''ان کو پندرہ صاع یا سولہ صاع والا کھجوروں کا فرق دے دو (فرق کھجوروں کے درختوں کے پتے سے بنے ہوئے ٹوکرے) کو کہتے ہیں جس میں پندرہ صاع یا سولہ صاع (یعنی تقریبًا ساڑھے باون سیر یا چھپن سیر) کھجوریں ساتی ہیں''۔ (ترمذی)

حالاتِ راوی:

سلمۃ بن صخر۔ یہ سلمہ بن صخر ''انصاری بیاضی'' ہیں۔ کہا جاتا ہے کہ ان کا نام سلیمان تھا۔ یہ وہی صحابی ہیں جنہوں نے اپنی بیوی سے ''ظہار'' کرنے کے بعد ''جماع'' کرلیا تھا۔ رونے اور گریہ کرنے والوں میں سے یہ بھی تھے۔ ان سے سلیمان بن یسار اور ابن المسیّب روایت کرتے ہیں۔

تشریح: قولہ :عن ابی سلمة ...... حتی یمضی رمضان:

ان سلمان : ایک نسخہ میں سلیمان، تصغیر کے ساتھ ہے۔

لفروۃ بن عمرو : مصابیح کے بعض نسخوں میں عروۃ، عین مضمومہ کے ساتھ ہے۔ اور یہ تصحیف ہے۔

فلما مضٰی :ایک نسخہ میں ''مر'' ہے۔

البیاضی : باء کے فتحہ اور یاء کی تخفیف کے ساتھ ہے۔

العرق : عین اور راء کے فتحہ کے ساتھ ہے اور راء کو ساکن بھی کیا جاتا ہے۔ نہایہ میں ہے العرق. بفتح الراء زنبیل منسوج من خواص .اور قاموس میں ہے عرق، کھجور کی زنبیل جو کھجور کے پتوں سے بنی ہوئی ہو۔

مکتل : میم کے کسرۂ کاف کے سکون اور تاء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

سلمة بن صخر البیاضی : میرک نے تصحیح سے نقل کیا ہے کہ یہ سلمہ بن صخر ابن سلمان بن حارثہ الانصاری البیاضی ہیں۔ اور بعض نے کہا ہے کہ ان کا نام سلیمان ہے، اور ظاہر یہ ہے کہ یہ ان کا لقب ہے، ان سے روایت کی ہے ابوسلمہ، ابن المسیب اور سلیمان بن یسار نے۔

کظھر امه : طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ انہوں نے اپنی بیوی کو اپنی ماں کے ساتھ تشبیہ دی تھی، اور لفظ ظھر زائد ہے قوت تناسب کے بیان کے لئے ہے۔ جیسا کہ آپ علیہ السلام کے اس قول میں افضل الصدقة عن ظھر غنی ہے۔ یہ زمانہ جاہلیت کی قسموں میں سے ہے اللہ نے ان پر نکیر کی اس ارشاد کے ساتھ: ﴿ما هن امهاتهم ان امهاتم الا اللاتی ولدنهم وانهم ليقولون منكرا من القول وزورا﴾ [المجادلہ: ۲]: (وہ (بیویاں) ان کی مائیں (کچھ ہو) نہیں (جاتی) ہیں۔ ان کی مائیں تو بس وہی ہیں جنہوں نے ان کو جنا ہے، یہ لوگ یقیناً ایک نامعقول بات اور جھوٹ کہہ رہے ہیں) اور: ما هن امهاتهم [المجادلة: ۲] میں اشارہ ہے کہ لفظ "ظھر" زائد ہے۔

شرح السنہ میں ہے کہ جب آدمی اپنی بیوی سے ظہار کر لے، تو اس پر کفارہ لازم ہے، اور اس کے نزدیک جانا، اس کے لئے جائز نہیں ہے، جب تک کہ کفارہ ادا نہ کرے۔ عود کے بارے میں اختلاف ہے، بعض نے کہا ہے کہ اس سے مراد لفظ ظہار کا اعادہ اور تکرار ہے، اور بعض کہتے ہیں کہ مراد وطی ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ عزم علی الوطی مراد ہے۔

امام شافعی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ عود یہ ہے کہ ظہار کے بعد اتنا زمانہ اس کو روکے رکھے کہ جس میں وہ اس عورت کو جدا کر سکتا تھا، اور اس نے نہیں کیا، پس اگر اس نے ظہار کے بعد طلاق دی، یا ان میں سے کوئی ایک مر گیا، تو کفارہ نہیں ہوگا، کیونکہ عود للقول اس کے مخالف کو کہتے ہیں۔ اور ظہار سے اس کا مقصد حرمت ہے، پس جب ظہار کے بعد نکاح برقرار رکھا تو اس نے اپنے قول کی مخالفت کی، لہٰذا اس پر کفارہ لازم ہوگا۔

ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ظہار لغت میں "ظاھر" کا مصدر ہے۔ اور یہ مفاعلہ ہے الظھر سے۔ تو درست ہے کہ اس سے مختلف معانی مراد لیے جائیں، جو "ظھر" کی طرف لوٹتے ہوں معنیً اور لفظاً، اغراض کے اختلاف کے ساتھ۔

اصطلاحِ شریعت میں ظہار کہتے ہیں، بیوی کو یا اس کے جز شائع یا ایسے جز کو جس سے کل کی تعبیر کی جاتی ہو، تشبیہ دینا محرمات میں سے کسی محرمہ کے ایسے عضو کے ساتھ جس کی طرف دیکھنا جائز نہ ہو، اور محرمہ ابدیہ ہو چاہے رضاع کی وجہ سے ہو چاہے سسرالی رشتے کی وجہ سے ہو، اور کوئی فرق نہیں ہے کہ وہ عضو پیٹھ ہو یا اس کے علاوہ کوئی عضو ہو۔ جس کی طرف دیکھنا جائز نہ ہو۔

اس کو ظہار لفظ "ظھر" کی تغلیب کی وجہ سے کہا جاتا ہے، کیونکہ "ظھر" اس کے استعمال میں اصل ہے، یعنی ان کا یہ قول "انت علی کظھر امی"

ظہار کی شرائط:

عورت کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ بیوی ہو، اور مرد کے لئے شرط یہ ہے کہ وہ کفارہ کا اہل ہو، پس ذمی بچے اور مجنون کا ظہار درست نہیں ہے۔

ظہار کا حکم:

وطی اور اس کے دواعی کا حرام ہونا کفارے کے وجود تک۔

کفارے کے وجوب کا سبب عود ہے۔اللہ کے اس ارشاد کی بناء پر ثم یعودون لما قالوا اور ہمارے مشائخ میں سے بہت سارے یہ کہتے ہیں کہ سبب اباحت وطی کا عزم ہے۔

یہ مبنی ہے آیت میں مضاف کے مراد ہونے پر۔اور یہ مبنی ہے آیت کے ظاہر کو مراد لینے کی عدم صحت پر،اور وہ نفس ظہار کا تکرار ہے،جیسا کہ داؤدؒ نے حدیث کی وجہ سے کہا ہے اس کا ظاہر تکرار کے ساتھ عدم تعلق ہے۔اور امام شافعیؒ کے نزدیک سبب ظہار کے بعد سکوت اختیار کرنا ہے اتنا زمانہ جس میں طلاق دینا ممکن تھا۔(انتھی)۔

حتّٰی یمضی رمضان: طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں دلیل ہے ظہار موقت کے صحیح ہونے پر۔

قاضی خان فرماتے ہیں کہ اگر کوئی موقت ظہار کرلے تو وہ فی الحال ظہار کرنے والا ہوگا۔اور جب یہ وقت گزر جائے گا،تو اس کا ظہار باطل ہو جائے گا۔اگر کوئی ظہار کرے،اور اس سے مثلاً جمعہ کے دن کو مستثنیٰ کردے تو یہ جائز نہ ہوگا،اور اگر ایک دن یا ایک ماہ کے لئے ظہار کرے تو اس کا مقید کرنا درست ہے،اور مدۃ گزرنے کے بعد ظہار باقی نہیں رہے گا۔

قال لا استطیع: شاید یہ بڑھاپے کی وجہ سے ہو یا بدن میں کمزوری کی وجہ سے یا جماع پر قوت کی وجہ سے۔حالانکہ اللہ نے فرمایا ہے: [من قبل ان یتماسا] کہ جماع سے پہلے روزے رکھے۔

اطعم ستین مسکیناً: یعنی ہر ایک کو صدقہ فطر کی مقدار یا اس کی قیمت۔جماع سے پہلے جیسا کہ اس کے علاوہ (روایت) میں ہے،آنے والی حدیث کی وجہ سے کہ آپؐ نے فرمایا"اعتزلها حتی تکفر" مطلقاً فرمایا ہے بغیر کسی تفصیل کے، تو اس کو اپنے اطلاق پر جاری کرنا لازم ہے۔

لفروۃ بن عمرو: البیاضی الانصاری،یہ بدر اور اس کے مابعد غزوات میں شریک ہوئے۔ان سے روایت کی ہے ابو حازم تمار نے۔

لیطعم ستین مسکینا: مطلب یہ ہے کہ اس کی مدد کی جائے اس سے یہ لازم نہیں آتا،کہ اس سے پورا وصول کرلے۔ کیونکہ ایک روایت میں ہے: "فاطعم وسقاً" طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں دلیل ہے کہ کفارہ ظہار مرتب لازم ہے۔

ما لا یصیب غیری: اصابت کنایہ ہے،جماع سے۔

تخریج: لیکن بخاری فرماتے ہیں کہ سلیمان بن یسار کو سلمہ بن صخر سے سماع حاصل نہیں ہے۔اور بخاری سے ایک روایت ہے کہ انہوں نے کہا ہے کہ سلیمان نے سلمہ کو نہیں پایا ہے۔اور سلمہ سے ان کی روایت مرسل ہے۔

۳۳۰۰: وَرَوَى اَبُوْدَاوُدَ وَابْنُ مَاجَةَ وَالدَّارِمِيُّ عَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ صَخْرٍ نَحْوَهٗ قَالَ كُنْتُ اِمْرَاً اُصِيْبُ مِنَ النِّسَاءِ مَالَا يُصِيْبُ غَيْرِيْ (وفی روایتهما اعنی ابا داوٗد والدارمی) فَاَطْعِمْ وَسْقًا مِنْ تَمْرٍ بَيْنَ سِتِّيْنَ مِسْكِيْنًا۔

اخرجه ابوداوٗد فی السنن ۲/ ٦٦٠ الحدیث رقم ۲۲۱٤ والدارمی فی ۲/ ۲۱۷ الحدیث رقم ۲۲۷۳ واحمد فی المسند ٥/ ٤٣٦۔

ترجمه: اور ابوداؤدؒ ابن ماجہ اور دارمیؒ نے اس روایت کو سلیمان بن یسار رضی اللہ عنہ سے اور انہوں نے حضرت

سلمہ بن صخر رضی اللہ عنہ سے اسی طرح نقل کیا ہے جس میں حضرت سلمہ رضی اللہ عنہ کے یہ الفاظ بھی ہیں کہ مجھے اپنی عورتوں سے جس قدر لگاؤ تھا' اتنا لگاؤ میرے سوا کسی کو نہ تھا۔ (چنانچہ جنسی ہیجان کے اتنے زیادہ غلبہ ہی کی وجہ سے میں اپنی بیوی سے صحبت کرنے سے نہ رک سکا) اوران دونوں یعنی ابوداؤدؒ اور دارمیؒ کی روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ آپ ﷺ نے (ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلاؤ' فرمانے کی جگہ) یہ فرمایا کہ ساٹھ مسکینوں کو ایک وسق کھجوریں کھلاؤ''۔

تشریح: **وسقًا** :واؤ کے فتحہ اور سین کے سکون کے ساتھ ہے۔۶۰ صاع کا پیمانہ ہے۔

وھو مکتل...... یہ راوی کی طرف سے تفسیر ہے اور جملہ معترضہ ہے متعلق اعطہ ہے، اور متعلق **لیطعم** ہے، کے درمیان۔ بین سقین یا تو اطعم کے متعلق ہے تضمین کے طور پر یا حال ہے یعنی **انا طعم قاسما بین سقین**.

وفي روايتهما اعني ابا داود والدارمي : یہ ایک نا آشنا تقدیر اور عجیب تفسیر ہے، کیونکہ مصنف کا قول ''وفي روايتهما'' دو حال سے خالی نہیں، یا تو یہ ان کا اپنا قول ہے، اور یہ ''اعني'' سے ظاہر ہے. یا مصنف کے علاوہ کا قول ہے، پہلی صورت کے مطابق مصنف کو ''وفي رواية ابي داود والدارمي الخ'' کہنا چاہیئے تھا، تا کہ ضمیر غیر معلوم کی طرف راجع نہ ہو اور غیر مفہوم تفسیر کی ضرورت نہ پڑتی۔ اور دوسری صورت کے مطابق مصنف کو ''یعنی'' کہنا چاہیئے تھا، اور یہ قائل پر اعتراض کی طرح ہو جاتا۔

ظہار کا کفارہ ہے

۳۳۰۱:وَعَنْ سُلَيْمَانَ بْنِ يَسَارٍ عَنْ سَلَمَةَ بْنِ صَخْرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِي الْمُظَاهِرِ يُوَاقِعُ قَبْلَ اَنْ يُّكَفِّرَ قَالَ كَفَّارَةٌ وَّاحِدَةٌ. (رواه الترمذى وابن ماجة)

اخرجه الترمذى فى السنن ۲/۳ ۰ ۵ الحديث رقم ۱۱۹۸ و اخرجه ابن ماجه فى ۱/ ٦٦٦ الحديث رقم ٢٠٦٤ فى المخطوطة (السنة)۔

ترجمہ: ''اور حضرت سلیمان بن یسارؒ (تابعی) حضرت سلمہ بن صخرؓ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس ظہار کرنے والے کے بارے میں فرمایا کہ جو کفارہ ادا کرنے سے پہلے (اپنی بیوی سے) جماع کر لے فرمایا کہ اس پر ایک ہی کفارہ واجب ہوگا''۔ (ترمذی' ابن ماجہ)

تشریح: **قوله :في المظاهر يواقع قبل......** :

في المظاهر : یہ آنے والے ''قال'' کے متعلق ہے۔

كفارة واحدة : شرح مسلم میں ہے کہ یہ اکثر اہل علم کا قول ہے اور یہی امام مالک، شافعی اور احمد کا مذہب ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اگر کفارہ اداء کرنے سے پہلے جماع کر لے تو اس پر دو کفارے لازم ہیں۔ (انتھیٰ)۔ اور ہمارا مذہب یہ ہے کہ اگر کفارہ اداء کرنے سے پہلے وطی کر لے تو اس پر استغفار کرے، اور کفارہ اولیٰ کے علاوہ اس پر کچھ بھی لازم نہیں ہے، لیکن پھر عود نہ کرے یہاں تک کہ کفارہ اداء کر لے۔ اور مؤطا میں ہے کہ امام مالک نے فرمایا، اس شخص کے بارے میں جس نے ظہار کیا اور

پھر کفارہ سے قبل جماع کرلیا، کہ وہ استغفار کرے اور کفارہ اداء کرے۔ اور پھر فرمایا، کہ یہ سب سے اچھا ہے جو میں نے سنا ہے۔ (انتھی)

اس میں ردّ ہے اس پر جو منقول ہے، عمرو بن العاص، قبیصہ، سعید بن جبیرٗ زہری اور قتادہ سے کہ اس پر دو کفارے لازم ہیں، اور اس پر بھی رد ہے جو منقول ہے حسن بصری اور نخعی سے کہ اس پر تین کفارے لازم ہیں۔

جس نے اپنی بیویوں سے کہا: "انتن علی کظھر امی" کہ تم سب مجھ پر میری ماں کی پیٹھ کی طرح ہو" تو وہ سب سے ظہار کرنے والا ہوگا، بغیر کسی اختلاف کے کیونکہ اس نے ظہار کی نسبت سب کی طرف کی ہے تو یہ اس طرح ہے جیسا کہ سب کی طرف طلاق کی نسبت کرے، تو سب کو طلاق ہو جاتی ہے۔

اختلاف کفارہ کے تعدد کے بارے میں ہے۔ ہمارے اور امام شافعی کے نزدیک عورتوں کے تعدد سے کفارہ متعدد ہو جاتا ہے، یعنی جس کے ساتھ بھی وطی کا ارادہ کرے۔ اس سے پہلے کفارہ دینا لازم ہوگا۔ اور یہی حسن بصری، زہری، اور ثوری کا قول ہے۔ امام مالک اور احمد فرماتے ہیں کہ ایک کفارہ لازم ہوگا۔ حضرت عمر، علی، عروہ، طاؤس اور عطاء سے روایت کیا گیا ہے کہ انہوں نے ایلاء میں قسم کا اعتبار کیا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ کفارہ رفع حرمت کے لئے ہوتا ہے، اور وہ متعدد ہوتا ہے عورتوں کے متعدد ہونے کے ساتھ اور قسم کا کفارہ اللہ کے نام کی ہتک کی وجہ سے لازم ہے اور اس کا ذکر متعدد نہیں ہوا ہے۔

اسنادی حیثیت: امام ترمذی فرماتے ہیں یہ حدیث حسن غریب ہے۔

الفصل الثالث:

کفارہ کی ادئیگی صحبت سے پہلے

۳۳۰۲: وَعَنْ عِكْرَمَةَ عَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَجُلاً ظَاهَرَ مِنِ امْرَأَتِهٖ فَغَشِيَهَا قَبْلَ اَنْ يُّكَفِّرَ فَاَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَ ذٰلِكَ لَهٗ فَقَالَ مَا حَمَلَكَ عَلٰى ذٰلِكَ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاَيْتُ بَيَاضَ حَجْلَيْهَا فِي الْقَمَرِ فَلَمْ اَمْلِكْ نَفْسِيْ اَنْ وَقَعْتُ عَلَيْهَا فَضَحِكَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاَمَرَهٗ اَنْ لَّا يَقْرَبَهَا حَتّٰى يُكَفِّرَ (رواه ابن ماجة وروى الترمذى نحوه وقال هذا حديث حسن صحصح غريب وروى ابوداود والنسائى نحوه مسندا ومرسلا وقال النسائى المرسل اولى بالصواب من المسند)

اخرجه ابن ماجه فى السنن ٦٦٦/١ الحديث رقم ٢٠٦٥۔

ترجمہ: "حضرت عکرمہؒ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت نقل کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی بیوی سے ظہار کیا اور پھر کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کرلیا' اس کے بعد وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور آپ ﷺ سے یہ واقعہ ذکر کیا۔ آپ ﷺ نے اس سے فرمایا کہ "کس چیز نے تمہیں ایسا کرنے پر آمادہ کیا؟ (یعنی کیا

وجہ پیش آئی کہ تم کفارہ ادا کرنے سے پہلے جماع کر بیٹھے؟) اس نے عرض کیا کہ ''چاندنی میں اس کی پازیب کی سفیدی پر میری نظر پڑ گئی اور میں جماع کرنے سے اپنے آپ کو روک نہ سکا''۔ (یہ سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم مسکرا دیئے اور اس کو یہ حکم دیا کہ اب دوبارہ اپنی بیوی سے اس وقت تک جماع نہ کرنا جب تک کفارہ ادا نہ کر دو۔ (ابن ماجہ) ترمذی نے بھی اسی طرح کی (یعنی اس کے ہم معنی روایت نقل کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث حسن صحیح غریب ہے۔ نیز ابوداؤد اور نسائی نے اس طرح کی روایت مسند اور مرسل نقل کی ہے اور نسائی نے کہا ہے کہ مسند کی بہ نسبت مرسل زیادہ صحیح ہے''۔

تشریح: قوله :ان رجلا ظاهر من ......:

فغشيها : شین کے کسرہ کے ساتھ ہے یعنی جماع کی۔

حجليها : حاء کے کسرہ کے ساتھ ہے اور اس کو فتحہ بھی دیا جاتا ہے، یا پازیب کو کہتے ہیں صاحب مغرب کہتے ہیں الحجل کسرہ کے ساتھ پازیب اور بیڑی کو کہتے ہیں اور فتحہ بھی ایک لغۃ ہے اور قاموس میں ہے الحجل بالكسر و الفتح الخلخال.

ان لا يقربها : راء کے فتحہ کے ساتھ۔ یعنی دوبارہ جماع نہ کرے۔

ان وقعت عليها : من مقدر ہے، تقدیری عبارت یوں ہے لم استطع أن احبس نفسي من ان وقعت عليها، یا بدل ہے نفسي سے یعنی لم املك وقوع نفسي عليها.

سندًا و مرسلاً : دونوں مفعول سے حال ہیں۔

شاید کہ مرسل سے مرسل صحابی مراد ہو اور وہ ابن عباس ہیں۔ بعض روایات میں یہ حدیث صحابی تک سند کے ساتھ ذکر ہے، اور بعض میں مرسلاً ذکر ہے اور صحابی کا واسطہ حذف ہے، یا مراد یہ ہے کہ عکرمہ بعض مرتبہ ابن عباس کا ذکر کرتے ہیں اور بعض مرتبہ حذف کرتے ہیں۔ واللہ اعلم۔

ظہار میں کفارہ کی مشروعیت کا سبب خولہ یا خویلہ بنت مالک کا قصہ ہے وہ کہتی ہیں مجھ سے میرے شوہر اوس بن صامت نے ظہار کیا میں رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس شکوہ کرنے آئی، اور رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم اس بارے میں مجھ سے جھگڑا اور بحث کر رہے تھے اور فرما رہے تھے کہ اللہ سے ڈرو وہ تیرے چچا کے بیٹے ہیں، پس میں اسی جگہ رہی یہاں تک کہ قرآن نازل ہوا: ﴿قد سمع الله قول التي تجادلك في زوجها وتشتكي الله﴾ [المجادلة-۱] ترجمہ: (اللہ نے بیشک اُس عورت کی بات سن لی، جو آپ سے اپنے شوہر کے بارے میں رد و بدل کر رہی تھی اور اللہ سے فریاد کر رہی تھی)۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا: کہ وہ ایک غلام آزاد کرے، میں نے کہا کہ وہ نہیں پاتے، تو آپ نے فرمایا کہ دو ماہ پے در پے روزے رکھے میں نے کہا اللہ کے رسول وہ بوڑھے آدمی ہیں، روزوں کی طاقت نہیں رکھتے، تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: کہ ساٹھ مسکینوں کو کھانا کھلائے، تو خولہ کہنے لگیں، کہ ان کے پاس صدقہ کرنے کو کچھ نہیں ہے۔ تو آپ علیہ السلام نے فرمایا: کہ میں ایک فرق کھجور سے ان کی معاونت کروں گا۔ میں نے کہا اللہ کے رسول ایک فرق سے میں معاونت کروں گی آپ نے فرمایا: کہ تو نے بہت اچھا کہا، پس جا! اور یہ دونوں فرق

اس کی طرف سے ساٹھ مسکینوں کو کھلا دے، اور اپنے چچازاد کی طرف لوٹ جا۔ راوی کہتا ہے کہ ایک فرق ساٹھ صاع کا ہوتا ہے، اس کو ابوداؤد نے روایت کیا ہے، اور بعض نے کہا ہے کہ فرق' مکتل ہوتا ہے، جس میں تین صاع ہوتے ہیں۔ ابوداؤد فرماتے ہیں کہ یہ زیادہ صحیح ہے۔ اس حدیث میں دیگر الفاظ بھی ہیں، جن کو ابن ماجہ وغیرہ نے روایت کیا ہے۔

پھر جان لیجئے کہ ظہار میں دواعی جماع بھی حرام ہیں، امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک۔ اور یہی زہری، نخعی اور اوزاعی کا قول ہے، اور امام شافعی کا ایک قول ہے، اور احمد سے ایک روایت ہے۔ ابن ہمام فرماتے ہیں، کہ تحقیق یہ ہے کہ ظہار میں دواعی کا ممنوع ہونا منصوص ہے کیونکہ اللہ کا ارشاد [من قبل ان یتماسا][المجادلة۔۳] کو مجاز پر حمل کرنے کا کوئی موجب نہیں ہے، کیونکہ حقیقت ممکن ہے، اور جماع حرام ہے کیونکہ وہ التماس کا فرد ہے۔ پس سب نص کی وجہ سے حرام ہیں، پس مخالف کے قول کا فساد ظاہر ہے۔ اھ۔

ہدایہ میں ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی لونڈی سے ظہار کر لے چاہے موطوءہ ہو یا غیر موطوءہ ہو، یہ صحیح نہیں۔ امام شافعی، احمد اور صحابہ وتابعین میں سے ایک بڑی جماعت کا مذہب یہی ہے۔ امام مالک اور ثوری کا اختلاف ہے۔ مطلقاً لونڈی کے بارے میں اور سعید بن جبیر، عکرمہ، طاؤس اور قتادہ اور زہری کا موطوءہ کے بارے میں اختلاف ہے۔

اور ذمی آدمی کا ظہار صحیح نہیں ہے، اور یہی امام مالک کا قول ہے اور اس میں اختلاف ہے، امام شافعی اور احمد کا اور ان کے جوابات ابن ہمام کی شرح میں تفصیل کے ساتھ موجود ہیں۔

تخریج: ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ اصحاب سنن اربعہ نے اس حدیث کو ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

"عن ابن عباس ان رجلا ظاهر من امرأته فوقع عليها قبل ان يكفر فقال عليه الصلاة والسلام ما حملك على هذا قال رأيت خلخالها في ضوء القمر" اور بعض روایات میں بياض ساقيها کے الفاظ ہیں۔ آپؐ نے فرمایا: "فاعتزلها حتى تكفر". اور ابن ماجہ کے الفاظ یوں ہیں: "فضحك رسول الله ﷺ وامره الا يقر بها حتى يكفر، قال الترمذي حديث حسن صحيح غريب". اور اس حدیث کی صحت کی نفی کو ابن المنذر ری نے رد کیا ہے اپنی مختصر میں، کیونکہ انہوں نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، اور اس کے رجال ثقہ ہیں مشہور ہیں، بعض کا بعض سے سماع ثابت ہے۔

بابٌ

گزشتہ باب کے متعلقات کا بیان

مصنف کا ارادہ اس سے یہ ظاہر کرنا ہے کہ کفارہ ظہار میں غلام کا مؤمن ہونا شرط ہے۔ اور شرح الوقایہ میں ہے کہ اس میں مسلمان اور کافر دونوں جائز ہیں۔ اس میں امام شافعی کا اختلاف ہے۔ اس کی تحقیق اصول فقہ میں مطلق کو مقید پر حمل کرنے کی بحث میں ہے۔ (انتھی)۔ پس آنے والی حدیث میں ایمان کے ساتھ مقید کرنا یا تو مخصوص مراد کی وجہ سے ہے کہ اس میں سوائے مؤمن غلام کے جائز نہ ہو جیسے قتل خطاء کا کفارہ یا افضل اور اکمل کو بیان کرنے کے لئے ہے۔ واللہ اعلم۔

الفصل الاول:

یہ مؤمنہ ہے اس کو آزاد کردو

۳۳۰۳: وَعَنْ مُعَاوِيَةَ بْنِ الْحَكَمِ قَالَ اَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ لِيْ جَارِيَةً كَانَتْ تَرْعٰى غَنَمًا فَجِئْتُهَا وَقَدْ فَقَدَتْ شَاةً مِنَ الْغَنَمِ فَسَاَلْتُهَا عَنْهَا فَقَالَتْ اَكَلَهَا الذِّئْبُ فَاَسِفْتُ عَلَيْهَا وَكُنْتُ مِنْ بَنِيْ اٰدَمَ فَلَطَمْتُ وَجْهَهَا وَعَلَيَّ رَقَبَةٌ اَفَاُعْتِقُهَا فَقَالَ لَهَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَيْنَ اللّٰهُ؟ فَقَالَتْ فِي السَّمَاءِ فَقَالَ مَنْ اَنَا فَقَالَتْ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَعْتِقْهَا (رَوَاهُ مَالِكٌ وَفِيْ رِوَايَةِ مُسْلِمٍ) قَالَ كَانَتْ لِيْ جَارِيَةٌ تَرْعٰى غَنَمًا لِيْ قِبَلَ اُحُدٍ وَالْجَوَّانِيَّةِ فَاطَّلَعْتُ ذَاتَ يَوْمٍ فَاِذَا الذِّئْبُ قَدْ ذَهَبَ بِشَاةٍ مِنْ غَنَمِنَا وَاَنَا رَجُلٌ مِنْ بَنِيْ اٰدَمَ اٰسَفُ كَمَا يَاْسَفُوْنَ لٰكِنْ صَكَكْتُهَا صَكَّةً فَاَتَيْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَعَظَّمَ ذٰلِكَ عَلَيَّ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَفَلَا اُعْتِقُهَا قَالَ ائْتِنِيْ بِهَا فَاَتَيْتُهُ بِهَا فَقَالَ لَهَا اَيْنَ اللّٰهُ قَالَتْ فِي السَّمَاءِ قَالَ مَنْ اَنَا قَالَتْ اَنْتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَعْتِقْهَا فَاِنَّهَا مُؤْمِنَةٌ۔

اخرجه مسلم في صحيحه ۱/۳۸۲ الحديث رقم (۳۳-۳۷) ومالك في الموطأ ۲/۷۷۶ الحديث رقم ۸ من كتاب العتق۔

ترجمہ: "حضرت معاویہ بن حکم رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کیا کہ "یا رسول اللہ ﷺ میری ایک لونڈی ہے جو میری بکریوں کا ریوڑ چراتی ہے میں جب اس کے پاس گیا اور ریوڑ میں اپنی ایک بکری کم پائی تو میں نے اس سے بکری کے بارے میں پوچھا (کہ بکری کہاں گئی؟) اس نے کہا کہ اس کو بھیڑیا کھا گیا۔ اس پر غصہ آ گیا اور چونکہ میں بنی آدم میں سے ہوں (یعنی ایک انسان ہوں اور انسان بتقاضائے

بشریت مغلوب الغضب ہو جاتا ہے) اس لئے میں نے اس لونڈی کے چہرے پر ایک تھپڑ مار دیا اور اس وقت (کفارۂ ظہار یا کفارۂ قسم کے طور پر اور یا کسی اور سبب سے) مجھ پر ایک بردہ (یعنی ایک لونڈی یا ایک غلام) آزاد کرنا واجب ہے تو کیا میں اسی لونڈی کو آزاد کر دوں (تاکہ میرے ذمہ سے وہ کفار بھی ادا ہو جائے اور اس کو تھپڑ مار دینے کی وجہ سے میں جس ندامت و شرمندگی میں مبتلا ہوں اس سے بھی نجات پا جاؤں) رسول اللہ ﷺ نے (یہ سن کر) اس لونڈی سے پوچھا کہ "بتاؤ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟" اس نے کہا آسمان میں، پھر آنحضرت ﷺ نے پوچھا کہ میں کون ہوں؟ اس نے کہا کہ آپ ﷺ اللہ تعالیٰ کے رسول ہیں۔ اس کے بعد آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ "اس کو آزاد کر دو"۔ (مالک) مسلم کی روایت میں یوں ہے کہ "حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ نے کہا کہ میری ایک لونڈی تھی جو احد پہاڑ اور جوانیہ کے اطراف میں میری بکریوں کا ریوڑ چرایا کرتی تھی (جوانیہ احد پہاڑ کے قریب ہی ایک جگہ کا نام ہے) ایک دن جو میں نے اپنا ریوڑ دیکھا تو مجھے معلوم ہوا کہ بھیڑیا میری ایک بکری کو ریوڑ میں سے اٹھا کر لے گیا ہے میں بنی آدم کا ایک مرد ہوں اور جس طرح (کسی نقصان و اتلاف کی وجہ سے) اولاد آدم کو غصہ آ جاتا ہے اسی طرح مجھے بھی غصہ آ گیا اس لئے میں نے اس کو ایک تھپڑ مار دیا پھر میں رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا (اور آپ ﷺ کے سامنے یہ سارا ماجرا بیان کیا) آپ ﷺ نے اس واقعہ کو میرے حق میں بہت بڑا جانا (اور فرمایا "تم نے یہ بڑا گناہ کیا ہے)"۔ میں نے عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! تو کیا میں اس لونڈی کو آزاد کر دوں؟" آپ ﷺ نے فرمایا اس کو میرے پاس بلاؤ۔ میں اس لونڈی کو آپ ﷺ کے پاس لے آیا، آپ ﷺ نے اس سے پوچھا کہ اللہ تعالیٰ کہاں ہے؟ اس نے جواب دیا کہ "آسمان میں"۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ "میں کون ہوں؟" اس نے کہا کہ "آپ ﷺ اللہ کے رسول ہیں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "اس لونڈی کو آزاد کر دو کیونکہ یہ مسلمان ہے!"۔

تشریح: قوله: ان جارية كانت ...... أفأعتقها:

فقدت: واحد متکلم معلوم کا صیغہ ہے، اور ایک نسخہ میں صیغہ مجہول واحد مؤنث غائب کے ساتھ ہے۔

قلت: ایک نسخہ میں "فقلت" ہے۔

اين الله: ایک روایت میں "اين ربك" ہے۔

فا سفت: سین کے کسرے کے ساتھ اس کے دو معانی آتے ہیں: یعنی میں غصہ ہوا اس باندی پر یا میں نے افسوس کیا اس بکری پر۔

"**أحد**" ہمزہ اور حاء کے ضمہ کے ساتھ مدینہ میں ایک معروف پہاڑ ہے۔

الذئب: ہمزہ کے ساتھ ہے اور ہمزہ کو "یا" سے تبدیل بھی کیا جاتا ہے۔

آسف: ہمزہ ممدودہ اور سین کے کسرے کے ساتھ، غصہ کرنا

شاةً: صیغہ معلوم کی صورت میں نصب کے ساتھ ہے اور مجہول کی صورت میں رفع کے ساتھ ہے

وقد فقدت جملہ حالیہ ہے۔

من الغنم : من تبعیضیہ ہے۔

فاذا الزئب...... : اذا فجائیہ ہے، اور الذئب میں لام عہد ذہنی کے لئے ہے جیسے [اذ هما في الغار] [التوبۃ۔۴۰] میں ہے۔

و کنت من بنی آدم : یہ سابقہ غصے افسوس اور تھپڑ کے لئے عذر ہے۔

و جهها : کیونکہ انسان کو اس جبلت پر پیدا کیا گیا ہے۔

و علی رقبة : یعنی اس سبب کے علاوہ کسی اور سبب کی وجہ سے گردن کا آزاد کرنا ہے۔

أفاعتقها : یعنی اس کی وجہ سے یا دونوں سے۔ ابن عمر سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے سنا ہے کہ جس نے اپنے غلام کو ایسے کام پر مارا جو اس نے نہ کیا ہو، تو اس کا کفارہ اس کو آزاد کرنا ہے۔ جیسا کہ عنقریب باب النفقات کی فصل اول میں آ رہا ہے۔ (این اللہ : یعنی اللہ کے حکم، فیصلہ، حکومت اور قدرت کے ظہور کی جگہ کہاں ہے۔

قالت فی السمآء : قاضیؒ فرماتے ہیں کہ یہ اس معنیٰ میں ہے کہ وہ ذات جس کا حکم دینا اور منع کرنا آسمان کی طرف سے آتا ہے، مکان کے بارے میں سوال مراد نہیں ہے، کیونکہ اللہ جیسے زمان سے پاک ہے اسی طرح مکان سے بھی پاک ہے، بلکہ اس سے سوال کرنے سے مراد آپ علیہ السلام کی یہ تھی کہ معلوم کریں کہ یہ موحدہ ہے یا مشرکہ ہے، کیونکہ کفار عرب بتوں کی پوجا کرتے تھے، اور ہر قوم کا ایک مخصوص بت تھا جس کی وہ عبادت کرتے تھے، اور تعظیم کرتے تھے، شاید ان کے ناسمجھ اور جاہل قسم کے لوگ اس کے علاوہ کوئی معبود نہیں جانتے تھے، تو آپؐ نے چاہا کہ یہ اعتراف کرلے جس کی یہ عبادت کرتی ہے۔ پس اس نے کہا "فی السمآء" اور ایک روایت میں ہے کہ اس نے آسمان کی طرف اشارہ کیا تو معلوم ہوا کہ یہ موحدہ ہے اور یہ زمین کے الٰہہ کی نفی کر رہی ہے جو کہ بت ہیں نہ کہ اللہ کے لئے آسمان کو مکان ثابت کر رہی ہے، جس سے اللہ پاک ہے، اور چونکہ آپ علیہ السلام اس بات پر مامور تھے کہ لوگوں سے ان کی عقلوں کے مطابق کلام کریں اور حق کی طرف ان کی راہنمائی کریں ان کی سمجھ کے مطابق تو آپؐ نے اس کو پایا کہ وہ عبادت کا مستحق اس ذات کو سمجھتی ہے جو آسمان سے زمین تک تمام امور کی تدبیر کرتا ہے، نہ کہ وہ الٰہہ جن کی مشرکین عبادت کرتے ہیں، تو آپؐ نے اسی پر قناعت فرمائی، اور اس کو خالص توحید اور حقیقت تنزیہ کے اعتقاد کا مکلف نہیں بنایا۔

بعض کہتے ہیں کہ اس کا معنیٰ ہے کہ اس کا امر نہی، رحمت، اور وحی آسمان کی طرف سے آتی ہے، تو یہ اللہ کے اس قول کی طرح ہے: [أأمنتم من فی السمآء] [الملک:۱۶]

اور بعض احادیث میں آیا ہے کہ یہ باندی گونگی تھی۔ اس لئے امام شافعی رحمہ اللہ نے کفارہ میں گونگے کو آزاد کرنا جائز قرار دیا ہے، تو اس کا قول: "قالت: فی السمآء"، بمعنیٰ "اشارت الی السمآء" کے ہے۔ جیسا کہ ایک روایت میں ہے۔

شارح وقایہ فرماتے ہیں کہ "اصم" یعنی جس کے کانوں میں بوجھ ہو اس کو آزاد کرنا جائز ہے، اور جو کچھ بھی نہ سنتا ہو، اس کو آزاد کرنا جائز نہیں کیونکہ اس کی جنس منفعت فوت ہے۔

قوله : وفی روایة مسلم ...... فعظم ذلك علی

ذات یوم : یعنی ایک دن۔

قبل : قاف کے کسرے اور باء کے فتحہ کے ساتھ "جانب" کے معنیٰ میں ہے

والجوانیة : واؤ کی تشدید کے ساتھ ہے۔

ذات یوم : ذات زائد ہے۔

فعظم : ظاء کی تشدید اور فتحہ کے ساتھ ہے اور ایک نسخہ میں تخفیف اور ضمہ کے ساتھ ہے گراں شمار کرنا۔

لکن : یعنی میں نے اس کو سخت مارنے کا ارادہ کیا جیسا کہ غصے کا تقاضا تھا لیکن میں نے اس کو تھپڑ مارا۔

ذلك علی : یعنی اس معاملے کو یا مار کو نبیؐ نے مجھ پر گراں شمار کیا۔

فقلت یا رسول الله افلا اعتقها : علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اگر آپ کہیں کہ دونوں احادیث کے درمیان تطبیق کیسے ہوگی؟ تو میں کہتا ہوں کہ پہلی روایت دونوں سوالوں کو صراحتاً متضمن ہے تقدیری عبارت یوں ہے کہ مجھ پر لازم ہے کفارے کی وجہ سے غلام کا آزاد کرنا اور اس تھپڑ کی وجہ سے مجھ پر اس کا آزاد کرنا بھی لازم ہوا، تو کیا میرے لئے کافی ہوگا، کہ میں دونوں کی طرف سے اس کو آزاد کروں؟

اور دوسری روایت مطلق ہے اس میں دونوں کا احتمال ہے، اور مطلق مقید پر محمول ہوتا ہے اور اس پر دلالت کہ سوال صرف تھپڑ کے بارے میں نہیں تھا، آپ علیہ السلام کا اس لونڈی سے اس کے ایمان کے بارے میں سوال کرنا ہے۔ (انتھی)

لیکن ظاہر یہ ہے کہ تھپڑ کی وجہ سے آزاد کرنا مستحب ہے۔ پس یہ واجب اعتاق کے ضمن میں آجاتا ہے' یہ تداخل کفارہ کے باب سے نہیں ہے، جیسا کہ وہم ہوا ہے۔

این الله : یعنی عبادت کا مستحق جو تمام صفات کمال کے ساتھ موصوف ہے۔

قالت فی السمآء : یعنی جیسا کہ زمین میں ہے اور اقتصار باب اکتفاء سے ہے۔ اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وهو الذی فی السماء اله وفی الارض اله﴾ [الزخرف:۸۴] اور دوسری جگہ ارشاد فرمایا: ﴿و هو الله فی السمٰوٰت والارض﴾ [الانعام:۳] اور یہ بھی ممکن ہے کہ اقتصار شرکت فی العبودیت کے توہم کو ختم کرنے کے لئے ہو' زمین کے بتوں کی عبادت کرنے والوں پر رد کرنے کے لئے۔

فانها مؤمنة : یعنی اللہ پر' اس کے رسول پر اور جو کچھ اس کی طرف سے آیا ہے اس پر ایمان رکھتی ہے۔ جملہ ایمان اجمالی کے قبول ہونے پر اور تکلیف استدلالی کی نفی پر یہ دلالت کر رہا ہے۔

بَابُ اللِّعَانِ

لعان کا بیان

لعان کی لغوی تحقیق:

مغرب میں ہے: لعنه لعنا، ولاعنه ملاعنة ولعانا، وتلاعنوا' اس کا معنی ہے:لعن بعضهم بعضاً.اور اصل معنی ہیں "طرد" دور کرنا۔

لعان کی وجہ تسمیہ:

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس کو لعان اس لئے کہا گیا ہے کہ زوجین میں سے ہر ایک دوسرے سے دور ہو جاتا ہے، اور ان کے درمیان نکاح ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتا ہے۔

لعان ہمارے جمہور علماء کے نزدیک یمین ہے اور بعض نے کہا ہے کہ شہادۃ ہے۔اور بعض نے کہا ہے کہ یمین ہے جس کے ساتھ شہادت ملی ہوئی ہے۔

چاہیئے کہ یہ امام وقت قاضی اور مسلمانوں کے ایک جم غفیر کے سامنے ہو۔ یہ ایک قسم کی تغلیظ ہے، کیونکہ اس میں زمان' مکان اور جمع کے ساتھ تغلیظ پیدا ہو جاتی ہے۔

محقق ابن ہمام ؒ فرماتے ہیں کہ یہ لاعن کا مصدر سماعی ہے نہ کہ قیاسی' اور قیاسی مصدر "ملاعنة" ہے' اور بہت سارے نحویوں نے الفعال اور المفاعلة کو "فاعل" کا قیاسی مصدر قرار دیا ہے، اور لعن لغت میں طرد' اور دور کرنے کو کہتے ہیں۔

لعان کی تعریف:

اصطلاحِ فقہ میں نام ہے ان شہادات کا جو زوجین کے درمیان معلوم الفاظ کے ساتھ جاری ہوتی ہیں۔

اس کا نام لعان اس لئے رکھا ہے کہ اس میں لفظ لعن پانچویں مرتبہ میں موجود ہے۔کُل کا نام جزء کے ساتھ رکھا ہے۔اس کا نام غضب نہیں رکھا، حالانکہ اس میں لفظ غضب بھی موجود ہے اس لئے کہ غضب عورت کے کلام میں ہے اور لعن مرد کے کلام میں ہے۔اور شوہر کا کلام پہلے ہوتا ہے اور سبقت اسباب ترجیح میں سے ہے۔

لعان کی شرط:

لعان کے لئے شرط نکاح کا قائم ہونا ہے۔

سبب لعان:

اس کا سبب شوہر کا اپنی بیوی پر ایسی تہمت لگانا ہے جو اگر اجنبی عورت پر لگے تو حد کو لازم کرنے والی ہو۔ اس کا حکم یہ ہے کہ لعان کے بعد یہ عورت شوہر کے لئے حرام ہو جاتی ہے۔

لعان کے لئے اہلیت:

لعان کا اہل وہ ہوتا ہے جو گواہی کا اہل ہو، کیونکہ لعان ہمارے نزدیک شہادات ہیں جو قسموں کے ساتھ مؤکدہ ہیں۔ اور شافعی کے نزدیک قسمیں ہے جو مؤکدہ شہادات کے ساتھ ہیں اور یہی امام مالک اور احمد کے قول سے ظاہر ہے۔ اس کی مکمل تحقیق شرح ہدایہ میں ہے۔

الفصل الاول:

عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ کے لعان کا واقعہ

۳۳۰۴: عَنْ سَهْلِ بْنِ سَعْدِ السَّاعِدِيِّ قَالَ اِنَّ عُوَيْمِرَ الْعَجْلَانِيَّ قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اَرَأَيْتَ رَجُلًا وَجَدَ مَعَ امْرَأَتِهِ رَجُلًا اَيَقْتُلُهُ فَيَقْتُلُوْنَهُ اَمْ كَيْفَ يَفْعَلُ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَدْ اُنْزِلَ فِيْكَ وَصَاحِبَتِكَ فَاذْهَبْ فَأْتِ بِهَا قَالَ سَعْدٌ فَتَلَاعَنَا فِي الْمَسْجِدِ وَاَنَا مَعَ النَّاسِ عِنْدَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَلَمَّا فَرَغَا قَالَ عُوَيْمِرٌ كَذَبْتُ عَلَيْهَا يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنْ اَمْسَكْتُهَا فَطَلَّقَهَا ثَلَاثًا ثُمَّ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اُنْظُرُوْا فَاِنْ جَاءَتْ بِهِ اَسْحَمَ اَدْعَجَ الْعَيْنَيْنِ عَظِيْمَ الْاِلْيَتَيْنِ خَدَلَّجَ السَّاقَيْنِ فَلَا اَحْسِبُ عُوَيْمِرَ اِلَّا قَدْ صَدَقَ عَلَيْهَا وَاِنْ جَاءَتْ بِهِ اُحَيْمِرَ كَاَنَّهُ وَحَرَةٌ فَلَا اَحْسِبُ عُوَيْمِرًا اِلَّا قَدْ كَذَبَ عَلَيْهَا فَجَاءَتْ بِهِ عَلَى النَّعْتِ الَّذِيْ نَعَتَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مِنْ تَصْدِيْقِ عُوَيْمِرٍ فَكَانَ بَعْدُ يُنْسَبُ اِلَى اُمِّهِ. (متفق علیہ)

اخرجه البخاری فی صحیحه ٤٤٦/٩ الحديث رقم ٥٣٠٨ ومسلم فی ١١٢٩/٢ الحديث رقم ١٤٩٢/١ وابوداؤد فی السنن ٦٧٩/٢ الحديث رقم ٢٢٤٥ والنسائی فی ١٧٠/٦ الحديث رقم ٣٤٦٦ وابن ماجه فی ٦٦٧/١ الحديث رقم ٢٠٦٦ ومالك فی الموطأ ٥٦٦/٢ الحديث رقم ٣٤ من كتاب الطلاق واحمد فی المسند ٣٣٤/٥۔

ترجمہ: "حضرت سہل بن سعد ساعدی رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک صحابی) عویمر عجلانی رضی اللہ عنہ نے (دربار رسالت میں حاضر ہو کر) عرض کیا کہ "یا رسول اللہ! مجھے اس شخص کے بارے میں بتایئے جو اپنی بیوی کے ساتھ کسی اجنبی مرد کو پائے (اور اسے یہ یقین ہو کہ اس مرد نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کیا ہے) کیا وہ اس مرد کو قتل کر ڈالے؟

(اگر وہ اس کو مار ڈالے گا) تو (اس صورت میں مقتول کے وارث) اس کو قتل کر دیں گے ایسی صورت میں وہ کیا کرے؟ (آیا اس عار پر صبر کرے یا کوئی اقدام کرے؟) رسول اللہ ﷺ نے (یہ سن کر ان سے) فرمایا کہ "تم میاں بیوی کے قضیہ میں حکم نازل ہو چکا ہے' جاؤ اپنی بیوی کو لے کر آؤ۔ حضرت سہل رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ عویمر رضی اللہ عنہ اپنی بیوی کو لے آئے اور میاں بیوی نے مسجد نبوی میں لعان کیا اور میں بھی اس وقت دوسرے لوگوں کے ساتھ رسول اللہ ﷺ کے پاس ہی موجود تھا چنانچہ جب وہ دونوں میاں بیوی (لعان سے) فارغ ہوئے تو عویمر رضی اللہ عنہ (یعنی میاں) نے کہا کہ یا رسول اللہ ﷺ! اگر میں اس عورت کو اپنے پاس رکھوں تو گویا میں نے اس پر جھوٹی تہمت لگائی ہے اس کے بعد انہوں نے اس عورت کو تین بار طلاق دی پھر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: دیکھو اگر یہ عورت (اپنے موجودہ حمل سے) ایسا بچہ جنے جس کا رنگ سیاہ آنکھیں موٹی اور بہت کالی ہوں' کولہے بڑے ہوں اور دونوں پنڈلیوں کا گوشت بھرا ہو تو پھر میں یہی سمجھوں گا کہ عویمر رضی اللہ عنہ نے اس عورت کے بارے میں سچ کہا ہے (کیونکہ عویمر رضی اللہ عنہ نے جس مرد کی طرف زنا کی نسبت کی وہ اسی رنگ وصورت کا ہے اور جب اسی کی شباہت کا بچہ پیدا ہوگا تو یہی کہا جائے گا کہ وہ اسی کے نطفہ سے ہے) اور اگر اس عورت نے ایسا بچہ جنا جس کا رنگ سرخ ہو گویا کہ وہ زہریلی چھپکلی ہے تو پھر میں یہی سمجھوں گا کہ عویمر رضی اللہ عنہ نے اس کے بارے میں جھوٹ کہا ہے"۔ (یعنی عویمر رضی اللہ عنہ چونکہ سرخ رنگ کے ہیں اس لئے بچہ کی رنگت بھی سرخ ہوئی تو سمجھا جائے گا کہ بچہ عویمر رضی اللہ عنہ ہی کے نطفہ سے ہے اور عویمر رضی اللہ عنہ نے اپنی بیوی کو جھوٹی تہمت لگائی ہے) چنانچہ جب اس عورت کا بچہ پیدا ہوا تو وہ اسی رنگ وصورت کا تھا جس کو رسول اللہ ﷺ نے عویمر رضی اللہ عنہ کی تصدیق کے لئے ذکر کیا تھا (یعنی وہ بچہ اسی مرد کی شباہت کا تھا جس کی طرف عویمر رضی اللہ عنہ نے زنا کی نسبت کی تھی گویا عویمر رضی اللہ عنہ کی بات سچ ثابت ہوئی) اس کے بعد وہ بچہ (آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد کے مطابق) اپنی ماں کی طرف منسوب کیا گیا"۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: قوله :انظروا' فان......:

فيقتلونه : یاء کے ساتھ ہے اور مصابیح کے بعض نسخوں میں تقتلونه، تاء کے ساتھ ہے۔

العجلاني : عین کے فتحہ اور جیم کے سکون کے ساتھ عجلان بن زید الانصاری کی طرف نسبت ہے۔

فطلقها ثلاثًا : ایک روایت میں ہے: **فطلقها عويمر ثلاثا قبل أن يأمره رسول الله صلى الله عليه**.اور ابوداؤد کی روایت میں ہے: **فطلقها ثلاث تطليقات فانفذه رسول الله ﷺ وكان ما ع عند رسول الله ﷺ سنته**.

قوله :عن سهل بن سعد...... ام كيف يفصل:

فيقتلونه : یعنی اس قاتل آدمی کو مقتول کے ورثاء قتل کریں گے۔ زین العرب کہتے ہیں کہ یہ خطاب آنحضرت ﷺ کو ہے اگر چہ لفظ جمع کے ساتھ ہے، (انتھی) مقصود اس سے تعظیم ہے، اور یہ بھی ممکن ہے کہ خطاب آپ اور آپ کے صحابہ کو ہو، یا تمام

مسلمانوں کو ہو۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں اختلاف ہے، کہ جس شخص نے کسی ایسے آدمی کو قتل کر دیا، جس کے بارے میں اس کو یقین ہے کہ اس نے اس کی بیوی کے ساتھ زنا کیا ہے، تو کیا اس قاتل کو قتل کیا جائے گا؟ جمہور علماء فرماتے ہیں کہ اس کو قتل کیا جائے گا، الا یہ کہ وہ اس پر گواہ پیش کر دے، یا مقتول کے ورثاء اس کا اعتراف کر لیں اور مقتول محصن ہو گواہ چار ہوں عادل اور مرد ہوں۔ وہ زنا کے یقینی ہونے پر گواہی دیں۔ البتہ اللہ اور اس کے درمیان کا معاملہ ہے۔ اگر یہ سچا ہے تو اس پر کچھ نہیں ہے۔

ام كيف يفعل : طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ام میں دو احتمال ہیں: اول: یہ "ام" متصلہ ہو۔ مطلب یہ ہوگا کہ جب آدمی یہ منکر اور رسواء کن فعل دیکھ لے اور اس پر غیرت وحمیت غالب آ جائے، تو کیا وہ اس کو قتل کرے، پھر آپؐ اس کو قتل کریں گے، یا اس عیب اور عار پر صبر کرے۔

دوم: یہ "ام" منقطعہ ہو۔ مطلب یہ ہوگا کہ پہلے اس نے قتل مع القصاص کے بارے میں سوال کیا۔ پھر اس سے اپنے سوال کی طرف پھیر گیا، کیونکہ "ام" "منقطعہ" "بل" کو متضمن ہوتا ہے۔ کہا گیا ہے کہ ہمزہ کلام سابق سے اضراب کے لئے ہے، معنی یہ ہوگا کہ وہ کیا کرے؟ عار پر صبر کرے یا اس کے لئے کوئی حکم آئے گا؟

قوله: قد انزل فيك وفي صاحبتك : وہ نازل ہونے والا حکم یہ تھا: ﴿**والذين يرمون ازواجهم ولم يكن لهم شهداء الا انفسهم**﴾ [النور: ٤] : (اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگائیں اور ان کے پاس بجز اپنے (اور) کوئی گواہ نہ ہو)۔

بعض نے کہا ہے کہ یہ آیت ۹ھ شعبان میں نازل ہوئی ہے۔

اس بارے میں متعدد اقوال ہیں:

آیت لعان کس کے بارے میں نازل ہوئی تھی؟

ابن الملک فرماتے ہیں کہ اس حدیث کے ظاہر سے معلوم ہوتا ہے، کہ یہ آیت عویمر کے بارے میں نازل ہوئی ہے اور یہ اسلام میں پہلا لعان تھا۔ (۲) بعض علماء نے کہا ہے کہ یہ آیت ہلال بن امیہ کے بارے میں نازل ہوئی ہے۔ یہ پہلے شخص تھے جنہوں نے اسلام میں لعان کیا ہے۔ ابن الملک نے کہا ہے کہ انزل فيك کا معنیٰ ہے: "انزل فی شانك" تیرے معاملے میں کیونکہ یہ حکم تمام لوگوں کو شامل ہے۔

(۳) بعض نے کہا ہے کہ یہ احتمال بھی ہے کہ آیت دونوں کے بارے میں نازل ہوئی ہو، لیکن دونوں نے الگ الگ وقت میں پوچھا ہو پھر دونوں کے بارے میں آیت اتری ہو، اور ہلال نے لعان کرنے میں سبقت کی ہو۔

قوله : كذبت عليها...... فطلقها ثلاثا :

كذبت عليها...... : مستقل کلام ہے۔

دعج : نہایہ میں ہے "دعج" آنکھ میں سیاہی کو کہتے ہیں، اور بعض نے کہا ہے کہ دعج آنکھ کے بہت زیادہ سفیدی میں زیادہ سیاہی کو کہتے ہیں۔

الالیتین : ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

خدلج: لام کی تشدید اور فتحہ کے ساتھ ہے۔

احسب : سین کے کے کسرے اور ضمہ کے ساتھ ہے۔

صدق : دال کی تخفیف کے ساتھ ہے۔

احیمر : احمر کی تصغیر ہے۔

وحرۃ : تینوں حروف کے فتحہ کے ساتھ ایک چھوٹا سا جانور ہے، جو زمین کے ساتھ چپکا ہوتا ہے۔

کذب : ذال کی تخفیف کے ساتھ ہے۔

فطلقها ثلاثاً : یہ نیا کلام ہے ماقبل سے منقطع ہے۔ اور تصدیق ہے ان کے اس قول کے لئے کہ میں اس کو اپنے نکاح میں نہیں رکھتا۔ ابن شہاب کہتے ہیں کہ پھر یہ وقت لعان کرنے والوں کا طریقہ ٹھہرا۔ سھل فرماتے ہیں کہ اس وقت میں رسول اللہ ﷺ کے پاس تھا اس کے بعد لعان کرنے والوں میں یہ طریقہ جاری ہوا، کہ ان کے درمیان ہمیشہ ہمیشہ کے لئے جدائی کی جائے اور پھر وہ کبھی بھی جمع نہ ہوں گے۔

بیہقی فرماتے ہیں کہ امام شافعیؒ نے فرمایا کہ عویمر اس وقت ناواقف تھے کہ لعان کی وجہ سے بیوی اس سے جدا ہوگئی ہے۔ ان کا گمان تھا کہ لعان کی وجہ سے وہ اس کے لئے حرام نہیں ہوئی ہے اس لئے انہوں نے طلاق کے ذریعہ حرام کرنے کا ارادہ کرلیا۔ بعض شوافع نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ ایک لفظ کے ساتھ تین طلاق دینا حرام نہیں ہے۔ کیونکہ آپؐ نے نکیر اس لئے نہیں فرمائی کہ انہوں نے طلاق ''محل مملوک'' میں نہیں واقع کی۔ بعض اصحاب مالک نے کہا ہے کہ لعان کے بعد تین طلاق اس لئے دی تھیں کہ طلاق کا اظہار مستحب ہے، اور جدائی نفس لعان سے واقع ہوئی تھی۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ قول فاسد ہے کیونکہ اجنبیہ عورت کو طلاق دینا کیسے مستحب ہوسکتا ہے۔

بعض مالکیہ نے استدلال کیا ہے کہ لعان سے فرقت واقع نہیں ہوتی بلکہ طلاق کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور جمہور بشمول امام ابوحنیفہ امام مالک اور امام شافعی رحمہم اللہ فرماتے ہیں، کہ جدائی نفس لعان سے واقع ہو جاتی ہے' اس عورت کے ساتھ اس کے شوہر کے لئے نکاح کرنا ہمیشہ کے لئے حرام ہو جاتا ہے۔ لیکن امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ شوہر کے لعان سے صرف فرقت واقع ہوتی ہے۔ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ ہم ایسی کوئی دلیل نہیں جانتے کہ جو شوہر کے لعان سے صرف فرقت واقع ہونے کو لازم کرنے والی ہو۔

بعض نے کہا ہے کہ پھر تو عورت کو بالکل لعان نہیں کرنا چاہئے، کیونکہ وہ اس کی بیوی نہیں رہی۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ لعان کے بعد قاضی کے فیصلے کے بغیر جدائی واقع نہیں ہوتی اس کی دلیل یہ جملہ ہے۔ ''**ثم فرق بینهما**'' اور بعض نے آپؐ کے قول: ''**لا سبیل لك علیها**'' جو عنقریب آرہا ہے، سے استدلال کیا ہے کہ فرقت واقع ہونے کے لئے قاضی کے فیصلہ کی کوئی ضرورت نہیں ہے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ یہ قول قضاء قاضی میں سے ہو۔

ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ یہ انکار ہے، شوہر کے اس مال کی طلب کا جو عورت کے پاس ہے۔ جس پر مکمل حدیث دلالت کر

رہی ہے۔اور حدیث مکمل اس طرح ہے کہ اس شخص نے کہا اللہ کے رسول میرا مال؟ آپؐ نے فرمایا: تیرا کوئی مال نہیں ہے۔اگر تو نے اس کے بارے میں سچ بولا ہے تو مال اس کے عوض میں ہوا، جو تو نے اس سے صحبت کی صورت فائدہ حاصل کیا ہے، اور اگر تو نے جھوٹ بولا ہے تو پھر یہ تیرے لئے اس سے مال طلب کرنا بہت دوری کی بات ہے۔

آپ علیہ السلام کا تفریق کرنا طلاق کے وقوع پر دلالت کرتا ہے۔معارض نہیں ہے وہ روایت جو سنن ابوداؤد میں ابن عباس سے ہلال بن امیہ کے قصہ اور لعان کے بارے میں روایت کیا ہے: "**وقضى رسول الله ﷺ ان ليس لها عليه قوت ولا سكنى من اجل انهما مفتر قان من غير طلاق**"۔کیونکہ "**مفتر قان من غير طلاق**" ابوداؤد کا قول ہے۔ اس کا یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ اگر صرف لعان سے جدائی واقع ہوتی، تو رسول اللہ ﷺ عویمر پر نکیر فرماتے، اور اس کے جواب میں یہ بھی کہا گیا ہے کہ اس حدیث میں ترک انکار (ہمارے خلاف) حجت نہیں ہے کیونکہ ہم یہ نہیں کہتے کہ یہ حرام ہے، یہاں تک کہ ترک انکار ہمارے خلاف حجت ہو، بلکہ ہمارا دعویٰ یہ ہے کہ یہ لغو ہے۔پس (آپ کا) سکوت اس کی طرف عدم التفات کی وجہ سے ہے۔اور اس کا جواب دیا گیا ہے، کہ اس صورت میں اس سے فساد لازم آئے گا۔کیونکہ سکوت اس کی تقریر اور اس کے وقوع کا فائدہ دے گا کہ یہ واقع ہے اب اگر طلاق واقع ہوا اور اس سے پہلے لعان کی وجہ سے جدائی واقع ہو چکی ہو، تو یہ سکوت مفضی الی الفاسد ہے (کیونکہ یہ مکرر واقع ہونے کا فائدہ دے رہا ہے۔پس اس طرح کے فساد لازم ہونے کی صورت میں سکوت اختیار کرنا جائز نہیں ہے۔)

غرض یہ ہے کہ ہمارے نزدیک لعان سے فارغ ہونے کے بعد قاضی اس کو حکم دے گا، کہ وہ طلاق دیدے، اگر وہ انکار کر دے، تو قاضی خود طلاق دیدے۔اور اس پر ابن عمر کی حدیث دلالت کرتی ہے: "**فانفذه رسول الله ﷺ**" یعنی اس طلاق کو جاری فرمایا۔یہ حجت ہے ان لوگوں کے خلاف جو کہتے ہیں کہ تین طلاق واقع نہیں ہوتیں یا ایک واقع ہوتی ہے۔یہ روایت ابن عباس کی روایت سے اولیٰ ہے کیونکہ اس میں آپ علیہ السلام کا طلاق نافذ کرنا واقع ہے، تو یہ آپ علیہ السلام کی طرف سے اس طلاق کے معتبر ہونے کی علامت ہے۔

امام ابو یوسف فرماتے ہیں کہ جب لعان کرنے والوں میں جدائی واقع ہو جائے، تو یہ کبھی بھی جمع نہ ہوں گے، اور ان کے درمیان حرمت رضاعت کی طرح حرمت ثابت ہو جائے گی۔یہی ائمہ ثلاثہ کا قول ہے اور جب اس کی حرمت مؤبدہ ہو گئی تو پھر یہ طلاق نہیں ہے بلکہ فسخ ہے۔ابو یوسف کے قول کے مطابق لازم آتا ہے کہ یہ جدائی قاضی کی جدائی پر موقوف نہ ہو، کیونکہ حرمت بالاتفاق اس سے پہلے سے ثابت ہے۔ابن ہمامؒ کہتے ہیں کہ دارقطنی نے اپنی سند کے ساتھ ابن عمر کی حدیث نقل کی ہے کہ آپؐ نے فرمایا: "**المتلا عنان اذا فترقا لا يجتمعان ابدا**"۔

شیخ ابوبکر رازی نے نبی علیہ السلام سے اس کے ثبوت پر اعتراض کیا ہے لیکن صاحب تنقیح فرماتے ہیں کہ اس کی سند عمدہ ہے اور اس کے مفہوم مخالف سے بشرطیکہ معتبر ہو لازم آتا ہے کہ صرف لعان سے جدائی واقع نہیں ہوتی۔پس یہ امام شافعی کے خلاف حجت ہے، ان کی رائے کے تقاضے کے مطابق۔دارقطنی نے اس کو حضرت علی رضی اللہ عنہ اور ابن مسعود رضی اللہ عنہ سے موقوف نقل کیا ہے اور عبدالرزاق نے عمر اور ابن مسعود رضی اللہ عنہما سے روایت کیا ہے: **المتلا عنان لا يجتمعان ابدا** اور ابن ابی شیبہ نے اس کو عمر، ابن

عمراور ابن مسعود پر موقوف روایت کیا ہے۔

خدلج الساقین : اس سے معلوم ہوا کہ مشابہ ہونے سے استدلال کرنا جائز ہے جو کہ غالب امر اور عام عادت پر مبنی ہے۔

الی امه : آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی اس حدیث کی وجہ سے: ''الولد للفراش وللعاهر الحجر''.کہ بچہ فراش کے لئے ہوتا ہے، اور زانی کے لئے پتھر ہے۔

لعان کرنے سے وہ اولاد ماں کی طرف منسوب ہوتی ہے

۳۳۰۵:وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا عَنَ بَيْنَ رَجُلٍ وَّامْرَأَتِهٖ فَانْتَفٰى مِنْ وَلَدِ هَا فَفَرَّقَ بَيْنَهُمَا وَاَلْحَقَ الْوَلَدَ بِالْمَرْاَةِ (متفق عليه وفی حديثه لهما) اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَعَظَهٗ وَذَكَّرَهٗ وَاَخْبَرَهٗ اَنَّ عَذَابَ الدُّ نْيَا اَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْاٰ خِرَةِ ثُمَّ دَعَا هَا فَوَعَظَهَا وَذَكَّرَهَا وَاَخْبَرَهَا اَنَّ عَذَابَ الدُّنْيَا اَهْوَنُ مِنْ عَذَابِ الْاٰ خِرَةِ ۔

اخرجه البخاری فی صحیحه ۴۶۰/۹ الحدیث رقم ۵۳۱۵ ومسلم فی ۱۱۳۲/۲ الحدیث رقم (۸-۱۴۹۴) وابوداوٗد فی السنن ۶۹۳/۲ الحدیث رقم ۲۲۵۹ والترمذی فی ۵۱۸/۳ الحدیث رقم ۱۲۰۳ والنسائی فی ۱۷۸/۶ الحدیث رقم ۳۴۷۷ وابن ماجه فی ۶۶۹/۱ الحدیث رقم ۲۰۶۹ ومالك فی الموطأ ۵۶۷/۲ الحدیث رقم ۳۵ من کتاب الطلاق واحمد فی المسند ۔

ترجمہ:''اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص اور اس کی بیوی کے درمیان لعان کرایا چنانچہ (اس لعان کی وجہ سے) اس شخص نے اس عورت کے بچہ (کے نسب) سے انکار کر دیا (یعنی بچہ کے نسب سے انکار کر دیا) نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان دونوں کے درمیان تفریق (جدائی) کرا دی اور بچہ کو عورت کے حوالہ کر دیا۔ (بخاری و مسلم) اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کی ایک اور روایت جو بخاری و مسلم ہی نے نقل کی ہے اس کے الفاظ یہ ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کو نصیحت کی اور اس کو (آخرت کا عذاب) یاد دلایا (تاکہ وہ جھوٹ نہ بولے اور عورت اپنے الزام کو ناحق ثابت نہ کرے) اور اس کو اس بات سے آگاہ کیا کہ دنیا کا عذاب' آخرت کے عذاب سے آسان اور ہلکا ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے عورت کو بلایا اور اس کو بھی نصیحت کی اور اس کو (آخرت کا عذاب) یاد دلایا اور آگاہ کیا کہ دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے سہل ہے''۔

تشریح: قوله :ان النبی ﷺ لا عن ...... والحق الولد بالمرأة:

فانتفٰی : علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں ''فا'' سببیہ ہے۔ای الملا عنة کانت سببا لا نتفاء الرجل من ولد المرأة والحاقه بها.

فرق : راء مفتوحہ کی تشدید کے ساتھ ہے۔ذکرہ تشدید کے ساتھ ہے۔

یعنی لعان سبب بنا اس عورت کے بچے کے مرد سے نفی ہونے اور عورت کے ساتھ ملنے کا۔

یعنی نبی ﷺ نے ان کے درمیان جدائی کا فیصلہ کیا۔ یہ دلیل ہے کہ ان کے درمیان جدائی حاکم کے تفریق کرنے سے ہوگی نہ کہ محض لعان سے اور یہی امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مذہب ہے۔ اس میں اختلاف ہے امام زفر اور امام شافعیؒ کا۔ کیونکہ اگر نفس لعان سے جدائی واقع ہو، تو پھر تین طلاق کا کوئی مطلب نہیں بنتا۔ (جیسا کہ اکمل وغیرہ نے ہمارے علماء میں سے اس حدیث کی شرح میں ذکر کیا ہے۔)

الحق الولد بالمرأة : کیونکہ مرد سے اس کی نفی ہو چکی تھی ان کے درمیان لعان کرنے اور حاکم کے جدائی کرنے کے کی وجہ سے۔

ان عذاب الدنیا : جو کہ حد قذف ہے۔

اهون من عذاب الأخرة : اور عقل مند آدمی آسان کو اختیار کرتا ہے، مشکل کے مقابلے میں۔

واخبر ها ان عذاب الدنیا : جو کہ رجم ہے اور عار ہے۔

من عذاب الآخرة : اور وہ رسوائی اور آگ کا عذاب ہے۔

لعان میں مہر کی واپسی نہیں

۳۳۰۶: وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لِلْمُتَلَاعِنَيْنِ حِسَابُكُمَا عَلَى اللّٰهِ اَحَدُكُمَا كَاذِبٌ لَا سَبِيْلَ لَكَ عَلَيْهَا قَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا لِيْ قَالَ لَا مَالَ لَكَ اِنْ كُنْتَ صَدَقْتَ عَلَيْهَا فَهُوَ بِمَا اسْتَحْلَلْتَ مِنْ فَرْجِهَا وَاِنْ كُنْتَ كَذَبْتَ عَلَيْهَا فَذَاكَ اَبْعَدُ وَاَبْعَدُ لَكَ مِنْهَا. (متفق عليه)

اخرجه البخاري في صحيحه ٤٩٦/٩ ومسلم في صحيحه ١١٣١/٢ الحديث رقم (٥-١٤٩٣) وابوداؤد في السنن ٦٩٢/٢ الحديث رقم ٢٢٥٧ والنسائي في ١٧٧/٦ الحديث رقم ٣٤٧٦ واحمد في المسند ١١/٢۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے لعان کرنے والوں سے فرمایا: (ہم صرف ظاہری احوال و وجوہ کی بنیاد ہی پر کوئی حکم نافذ کر سکتے ہیں اور وہ ہم نے لعان کی صورت میں نافذ کر دیا ہے البتہ) تمہارا حساب اللہ کے ذمہ ہے کیونکہ (نفس الامر اور حقیقت کے اعتبار سے) تم دونوں میں سے کوئی ایک ضرور جھوٹا ہے (پھر آپ ﷺ نے مرد سے فرمایا کہ) اب عورت کے بارے میں تمہارے لئے کوئی راہ نہیں ہے (یعنی لعان کے بعد اب اس عورت کے ساتھ رہنا تمہارے لئے جائز نہیں ہے کیونکہ یہ تمہارے لئے ہمیشہ کے لئے حرام ہوگئی ہے) مرد نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! اور میرا مال (یعنی میں نے اس عورت کو جو مہر دیا ہے کیا وہ مجھے واپس نہیں ملے گا؟ آپ ﷺ نے فرمایا: اس مال پر تمہارا کوئی حق نہیں (یعنی دیئے ہوئے مہر کو واپس لینے کا تمہیں کوئی حق حاصل نہیں کیونکہ) اگر تم نے اس عورت کے بارے میں سچ کہا ہے (یعنی تمہارے کہنے کے مطابق اگر اس عورت نے واقعتا

بدکاری کرائی ہے) تو وہ مال اس چیز کا بدلہ ہو گیا کہ تم نے اس کی شرم گاہ کو حلال کیا ہے اگر تم نے اس عورت کے بارے میں جھوٹ بولا ہے تو وہ اس صورت میں میر کا واپس لوٹنا تمہارے لئے بہت بعید ہے اور تمہارا اس عورت سے مطالبہ کرنا بعید ہے (یعنی جب سچ کی صورت میں مہر کو واپس لینے کا تمہیں کوئی حق نہیں ہے تو جھوٹ کی صورت میں تو بدرجۂ اولی تمہیں وہ مہر واپس نہ لینا چاہئے)۔'' (بخاری ومسلم)

تشریح: مالی : یہ فعل محذوف کا فاعل ہے تقدیری عبارت ''ایذھب مالی'' ہے یا'' این یذھب مالی'' ہے۔

احد کما : یعنی لاعلی التعیین ہمارے نزدیک۔

لا سبیل لك علیھا : یعنی تیرے لئے اس کی معیت جائز نہیں ہے بلکہ وہ تجھ پر ہمیشہ کے لئے حرام ہو گئی ہے۔ کہا گیا ہے کہ اس حدیث سے تفریق حاکم کے بغیر نفس لعان سے جدائی کا واقع ہونا معلوم ہوتا ہے، اور یہی امام شافعیؒ کا مسلک ہے۔ اکمل کہتے ہیں کہ یہ دلالت واضح نہیں ہے کیونکہ جائز ہے کہ ''لا سبیل لك علیھا'' کا معنیٰ ہو، لا سبیل لك علیھا بعد التفریق اھ کہ تفریق کے بعد جائز نہیں ہے، (انتھی)۔ اس حدیث پر تفصیلی کلام کچھ ہی دیر پہلے گزر چکا ہے۔

قولہ :ان کنت صدقت علیھا:

فھو بما استحللت من فرجھا : یعنی تیرا مال اس کے ساتھ وطی کرنے کے مقابلہ میں ہوا، اس سے معلوم ہوا کہ لعان کرنے والا عورت سے مہر کا رجوع نہیں کرسکتا، جب دخول کیا ہو۔ اس پر علماء کا اتفاق ہے اور اگر دخول نہ کیا ہو تو امام ابوحنیفہؒ، شافعیؒ اور احمدؒ فرماتے ہیں کہ اس کے لئے آدھا مہر ہوگا اور بعض نے کہا مہر نہیں ہوگا۔

قولہ: فذاك ابعدوا بعد لك منھا :'' **لك**'' میں لام بیان کے لئے ہے، متعلق ہے ''**ابعد**'' اول کے۔ جیسا کہ اللہ جل شانہ کے اس فرمان میں ہے:[**ھیت لك**] [یوسف:۲۳] میں ہے، اور ''**ابعد**'' ثانی زائد ہے، تاکید کے لئے ہے۔

الیك ابعد : کیونکہ جب سچ کی صورت میں تیری طرف نہیں لوٹتا تو جھوٹ کی صورت میں تو بطریق اولیٰ نہیں لوٹے گا۔

وابعد لك منھا : یعنی اس سے مطالبہ کرنا۔ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ اشارہ ہے اس کے قول ''**ما لی**'' کی طرف یعنی اگر تو نے سچ کہا ہے تو یہ مطالبہ کرنا تجھ سے بعید ہے کیونکہ یہ مال بضع کا بدل ہے اور اگر تو نے جھوٹ بولا ہے تو پھر بہت بعید اور دور ہے۔

نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ فریق ایک دوسرے پر جھوٹ بول رہے ہوں، تو ان میں سے کسی ایک کو بھی سزا نہیں دی جائے گی، اگرچہ ہمیں مبہم طور ہر ایک کا جھوٹا ہونا معلوم ہے، اور اس میں دلیل ہے کہ دخول سے مہر کو استقرار حاصل ہو جاتا ہے، اور دلیل ہے کہ لعان کرنے والی کے لئے مہر کے ثبوت پر جس کے ساتھ دخول کیا ہو۔ اور اس سے یہ بھی معلوم ہوا کہ اگر وہ عورت شوہر کی تصدیق کر دے اور زنا کا اقرار کر لے تو مہر ساقط نہ ہوگا۔ کیونکہ مہر کے وجوب کا سبب یعنی صحبت پائی گئی ہے۔

آیت: ﴿وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ﴾ کا سبب نزول

۳۳۰۷: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ هِلَالَ بْنَ اُمَيَّةَ قَذَفَ امْرَاَتَهٗ عِنْدَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِشَرِيْكِ بْنِ سَحْمَاءَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْبَيِّنَةَ اَوْحَدًّا فِيْ ظَهْرِكَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِذَا رَأَى اَحَدُنَا عَلٰى اِمْرَاَتِهٖ رَجُلًا يَنْطَلِقُ يَلْتَمِسُ الْبَيِّنَةَ فَجَعَلَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اَلْبَيِّنَةُ وَاِلَّا حَدٌّ فِيْ ظَهْرِكَ فَقَالَ هِلَالٌ وَالَّذِيْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ اِنِّيْ لَصَادِقٌ فَلَيُنْزِلَنَّ اللّٰهُ مَا يُبَرِّئُ ظَهْرِيْ مِنَ الْحَدِّ فَنَزَلَ جِبْرِيْلُ وَاَنْزَلَ عَلَيْهِ وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ فَقَرَأَ حَتّٰى بَلَغَ اِنْ كَانَ مِنَ الصَّادِقِيْنَ فَجَاءَ هِلَالٌ فَشَهِدَ وَالنَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ اِنَّ اللّٰهَ يَعْلَمُ اَنَّ اَحَدَكُمَا كَاذِبٌ فَهَلْ مِنْكُمَا تَائِبٌ ثُمَّ قَامَتْ فَشَهِدَتْ فَلَمَّا كَانَتْ عِنْدَ الْخَامِسَةِ وَقَفُوْهَا وَقَالُوْا اِنَّهَا مُوْجِبَةٌ قَالَ ابْنُ عَبَّاسٍ فَتَلَكَّأَتْ وَنَكَصَتْ حَتّٰى ظَنَنَّا اَنَّهَا تَرْجِعُ ثُمَّ قَالَتْ لَا اَفْضَحُ قَوْمِيْ سَائِرَ الْيَوْمِ فَمَضَتْ وَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَبْصِرُوْهَا فَاِنْ جَاءَتْ بِهٖ اَكْحَلَ الْعَيْنَيْنِ سَابِغَ الْاِلْيَتَيْنِ خَدَلَّجَ السَّاقَيْنِ فَهُوَ لِشَرِيْكِ ابْنِ سَحْمَاءَ فَجَاءَتْ بِهٖ كَذَالِكَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَوْلَا مَا مَضٰى مِنْ كِتَابِ اللّٰهِ لَكَانَ لِيْ وَلَهَا شَاْنٌ. (رواه البخاری)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۴۴۹/۸ الحدیث رقم ۴۷۴۷ وابوداوٗد فی السنن ۶۸۶/۲۲ الحدیث رقم ۲۲۵۴ والترمذی فی ۳۰۹/۵ الحدیث رقم ۳۱۷۹ وابن ماجه فی ۶۶۸/۱ الحدیث رقم ۲۰۶۷۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ (ایک صحابی) ہلال بن امیہؓ نے نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے سامنے اپنی بیوی پر شریک بن سحماء کے ساتھ زنا کی تہمت لگائی (یعنی ہلال رضی اللہ عنہ نے کہا کہ شریک بن سحماء نے میری بیوی کے ساتھ زنا کیا ہے) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (ہلال رضی اللہ عنہ سے) فرمایا کہ ''(اپنے الزام کے ثبوت میں) گواہ پیش کرو ورنہ (جھوٹی تہمت لگانے کے جرم میں) تمہاری پیٹھ پر حد جاری کی جائے گی (یعنی اسی کوڑے مارے جائیں گے) ہلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! اگر ہم میں سے کوئی کسی مرد کو اپنی بیوی کے ساتھ زنا میں مبتلا دیکھے تو کیا وہ گواہ تلاش کرنے چلا جائے (یعنی اول تو ایسی صورت میں اتنا موقع کہاں کہ کسی کو گواہ بنائے پھر یہ کہ کسی کو گواہ کرنے کی وہ جگہ کیا ہے) لیکن نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم یہی فرمائے جا رہے تھے کہ گواہ پیش کرو ورنہ تمہاری پیٹھ پر حد جاری کی جائے گی۔ پھر ہلال رضی اللہ عنہ نے عرض کیا کہ قسم ہے اس پاک ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ بھیجا ہے' کیا میں سچا ہوں مجھے یقین ہے کہ اللہ تعالیٰ ایسا حکم ضرور نازل فرمائے گا جو میری پیٹھ کو حد سے محفوظ رکھے گا' آخرکار (کچھ ہی عرصہ بعد) حضرت جبرئیل علیہ السلام تشریف لائے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم پر یہ آیتیں نازل فرمائیں: وَالَّذِيْنَ يَرْمُوْنَ اَزْوَاجَهُمْ ...... (یعنی اور جو لوگ اپنی بیویوں پر تہمت لگاتے ہیں...... پھر اس کے بعد کی آیتوں

اِنْ کَانَ مِنَ الصّٰدِقِیْنَ تک تلاوت کی' اس کے بعد ہلال رضی اللہ عنہ (دربارِ رسالت میں) حاضر ہوئے اور انہوں نے گواہی دی (یعنی لعان کی جو تفصیل پیچھے بیان کی جا چکی ہے اس کے ساتھ انہوں نے پانچ مرتبہ گواہی کے ذریعہ لعان کیا) اور نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم فرماتے تھے کہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ جانتا ہے کہ تم میں سے کوئی ایک جھوٹا ہے سو تم میں سے کون ہے جو توبہ کرے اس کے بعد ہلال رضی اللہ عنہ کی بیوی کھڑی ہوئی اور لعان کیا (یعنی چار مرتبہ اپنی پاکدامنی کی شہادت دی) اور جب وہ پانچویں مرتبہ گواہی دینے چلی تو (صحابہؓ نے) اس کو روکا اور کہا کہ (اچھی طرح سوچ سمجھ لو) یہ پانچویں گواہی تم دونوں کے درمیان (جدائی کو) واجب کرنے والی ہے (یا اگر تم جھوٹی ہوگی تو آخرت کے عذاب کو واجب کر دے گی) ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں (یہ سن کر) وہ عورت ٹھہر گئی اور پیچھے ہٹی (یعنی وہ پانچویں مرتبہ کچھ گواہی دینے میں متردد ہوئی) یہاں تک کہ ہمیں یہ گمان ہوا کہ یہ اپنی بات سے رجوع کر لے لیکن پھر اس نے کہا کہ میں (لعان سے بچ کر اور اپنے شوہر کی تصدیق کر کے) اپنی قوم کو ساری عمر کے لئے رسوا نہیں کروں گی (یہ کہہ کر) اس نے پانچویں گواہی کو بھی پورا کر دیا (اس طرح جب لعان پورا ہو گیا اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دونوں میاں بیوی کے درمیان جدائی کرا دی تو) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''اس کو دیکھو اگر اس نے ایسے بچہ کو جنم دیا جس کی آنکھیں سرمئی' کولہے بھاری اور پنڈلیاں موٹی ہوں تو وہ بچہ شریک بن سحماء کا ہے' (کیونکہ شریک بن سحما اسی طرح کے ہیں) چنانچہ جب اس عورت نے اسی طرح کے بچہ کو جنم دیا جو تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اگر کتاب اللہ کا مذکورہ حکم پہلے سے نہ ہوتا نہ ہوتا (جس سے یہ واضح ہوتا کہ لعان کرنے والوں پر حدود تعزیر جاری نہیں ہوگی) تو پھر میں اس عورت کے ساتھ دوسرا ہی معاملہ کرتا (یعنی شریک کے ساتھ اس بچہ کی مشابہت اس عورت کی بدکاری کی ایک واضح نشانی ہے۔ اس لئے میں اس کی اس بدکاری میں اس کو ایسی سزا دیتا کہ دیکھنے والوں کو بھی عبرت ہوتی)''۔ (بخاری)

تشریح: قوله :ان هلال بن امية ...... والاخذ في ظهرك.

حد في ظهرك :ابن ہمام کی روایت میں ''والا فحد في ظهرك'' ہے۔

أمية :ہمزہ کے ضمہ' میم کے فتحہ اور یاء کی تشدید کے ساتھ ہے۔

سحماء :سین کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

قوله :فقال هلال :والذي بعثك بالحق...... من الصادقين:

فلينزلن :لام کے سکون' یاء کے ضمہ' زاء کے کسرہ کے ساتھ ہے اور آخر میں نون مشدد ہے تاکید کے لئے۔ یہ امر بمعنیٰ دعاء ہے۔

يبرئ :راء کی تشدید اور تخفیف دونوں کے ساتھ ہے۔

تلكأت :کاف کی تشدید کے ساتھ ہے۔ ''تلكأ في الامر'' کا معنیٰ ہے، کام میں سستی کرنا' ڈھیلا پڑھنا''۔

سابغ :سبوغ، باء کے ساتھ اس چیز کو کہتے ہیں جو تام اور پوری ہو، اور وافر ہو، تو کہا جاتا ہے کہ انه سابغ.

البينة :حرف نصب کے ساتھ ہے نہ۔ تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں تقدیری عبارت ''اقم البينة'' ہے۔

أو حدًا : منصوب ہے مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے ای تحد حد. ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ تقدیری عبارت "فتثبت حدا" ہے اور بعض نے کہا ہے کہ "حد حدا" ہے۔

ینطلق : یہ جواب ہے "اذا" کا ہمزہ استفہام مقدر ہے۔

یقول البینة : نصب کے ساتھ ہے اور بعض نسخوں میں رفع کے ساتھ ہے۔

حد : مصدر ہے مرفوع ہے تقدیری عبارت اس طرح ہے: فثبت عندی حد.

والا : یعنی اگر گواہ نہ ہو۔

ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ ابویعلی نے اپنی مسند میں اپنی سند کے ساتھ ذکر کیا ہے انس بن مالک سے کہ سب سے پہلا لعان اسلام میں وہ تھا جو ہلال بن امیہ نے شریک بن سحماء پر اپنی بیوی کے ساتھ زنا کرنے کی تہمت لگائی، اور فیصلہ رسول اللہ ﷺ کے پاس لے گئے، آپ علیہ السلام نے فرمایا کہ چار گواہ پیش کرو، ورنہ تو تیری پیٹھ پر حد لگے گی۔

پس مسئلہ یہ ہے کہ چار گواہوں کا ہونا قطعی اور اجماعی ہے، اور حکمت اس میں ستر اور پردہ پوشی ہے جو کہ مندوب ہے۔

قولہ :فجاء ھلال فشھد ...... فمضت:

فھل منکما تائب : زیادہ ظاہر یہ ہے کہ یہ آپ نے ان کو لعان سے فارغ ہونے کے بعد فرمایا تھا اور مطلب یہ ہے کہ جو جھوٹا ہے اس پر توبہ لازم ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ لعان کے بعد فرمایا ہے لعان سے ڈرانے کے لئے۔

وقفوھا : یعنی اس کو منع کیا لعان کو جاری رکھنے سے اور اس کو ڈانٹا۔ اور بعض نے کہا ہے کہ **وقفوھا** کا مطلب ہے کہ انہوں نے اس عورت کو پانچویں مرتبہ کے حکم پر مطلع کر دیا اور وہ حکم یہ ہے کہ اس کے ساتھ لعان تمام ہو جاتا ہے اس کے آثار اس پر مرتب ہو جاتے ہیں اور یہ لعنت کا موجب ہے جو کہ عذاب کی طرف لے جانے والا ہے اگر جھوٹا ہو تو۔

نکصت : یعنی پیچھے ہٹ گئی، مطلب یہ ہے کہ چوتھے کلمہ کے بعد وہ خاموش ہو گئی۔

ظننا انھا ترجع : یعنی شوہر کی تکذیب اور برائی کے دعویٰ سے جو شوہر نے اس پر تہمت لگائی تھی۔

وسائر الیوم : یعنی پوری زندگی کے لئے یا جتنے دن باقی ہیں۔ "الیوم" سے مراد جنس ہے اسی لئے اس کو عام کی جگہ رکھا ہے، اور سائر جیسے "باقی" کے معنی میں آتا ہے اسی طرح "جمع" کے معنی میں بھی آتا ہے۔

اکحل العینین : یعنی جس کے آنکھوں کی پلکوں میں سیاہی ہو اور آنکھیں سرمہ لگائے بغیر سرگین ہوں۔

فجاء ت بہ کذلك : علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہاں اور اسی طرح عویمر کے قصے میں جو گزرا بچے کا ان اوصاف کے عین مطابق پیدا ہونا جو رسولؐ نے بیان کیے تھے، حالانکہ یہ بھی ہو سکتا تھا کہ اس کے خلاف پیدا ہوتا۔ یہ آپ کا معجزہ اور غیب کی خبر دینا ہے۔

لو لا ما مضی ...... : یعنی اگر قرآن کا حکم لعان کی وجہ سے حد کا ساقط ہونا اس عورت سے پہلے نہ گزرا ہوتا۔

لکان لی ولھا شان : یعنی اس پر حد قائم کرنے میں یا مطلب یہ ہے کہ اگر قرآن نے یہ فیصلہ نہ کیا ہوتا کہ لعان کرنے والوں پر حد اور تعزیر نہیں ہے تو میں اس کے ساتھ وہ کرتا جو دیکھنے والوں کے لئے عبرت اور سننے والوں کے لئے نصیحت ہوتا۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ لفظ "شان" کے نکرہ لانے میں تہویل ہے اس سے جو آپ کا ارادہ تھا اس کے ساتھ کرنے کا۔ بوجہ اس کے گناہ کے دگنا ہونے کے۔

اس حدیث میں دلیل ہے کہ حاکم گمان اور علامات کی طرف توجہ نہیں دیتا بلکہ وہ ظاہر کے مطابق اور دلائل اور قسموں کے مقتضیٰ کے مطابق فیصلہ کرتا ہے۔ اور یہ کہ مرد کا لعان عورت کے لعان پر مقدم ہوتا ہے۔ کیونکہ وہ مثبت ہے اور عورت کا لعان ساقط کرنے والا ہے۔ اور سقوط کی ضرورت اثبات کے بعد پڑتی ہے۔

ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث بخاری اور ابوداوٗد دونوں میں ہے، اور الفاظ دونوں کے مختلف ہیں۔ اور ابن عباس کی روایت کے الفاظ میں باہم اتفاق ہے کہ ہلال بن امیہ عشاء کے وقت اپنی زمین سے آئے تو اپنی گھر والی کے پاس ایک مرد کو پایا، اس کو اپنے آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا اور اس کو کچھ نہیں کہا، یہاں تک کہ صبح ہوگئی صبح کے وقت رسول اللہ ﷺ کے پاس آئے، اور کہا اللہ کے رسولؐ میں اپنی گھر والی کے پاس عشاء کے وقت آیا، تو میں نے اس کے پاس ایک مرد کو پایا جس کو میں نے اپنی آنکھوں سے دیکھا اور کانوں سے سنا۔ رسول اللہ ﷺ نے اس کو ناپسند کیا۔ آپؐ پر یہ بہت گراں گزرا۔ اس پر یہ آیت نازل ہوئی: **والذین یرمون ازواجھم ولم یکن لھم شھداء الا انفسھم** [النور:٦] تو رسول اللہ ﷺ خوش ہوگئے اور فرمایا، خوش ہوجا اے ہلال! اللہ نے تیرے لئے راستہ اور گنجائش نکالی ہے، ہلال نے کہا کہ مجھے اپنے ربّ سے یہی اُمید تھی۔ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ اس عورت کے پاس کسی کو بھیجو، پس وہ آگئی۔ رسول اللہ ﷺ نے آیت پڑھ کر اس کو سنائی، اور دونوں کو نصیحت کی، اور ان کو خبردار کیا کہ آخرت کا عذاب دنیا کے عذاب سے سخت ہے۔ ہلال نے کہا، اللہ کی قسم! میں نے اس کے بارے میں سچ کہا ہے۔ عورت نے کہا کہ تو نے جھوٹ بولا ہے، تو رسول اللہ ﷺ نے فرمایا کہ ان کے درمیان لعان کراؤ۔ تو ہلال نے اللہ کو چار مرتبہ گواہ بنایا کہ وہ سچا ہے۔ جب پانچویں مرتبہ گواہی دینے کی باری آئی، تو ہلال سے کہا گیا اللہ سے ڈر! دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے بہت ہی ہلکا ہے اور بلاشبہ یہ پانچویں گواہی تم پر عقاب کو واجب کردے گی تو اس نے کہا، اللہ کی قسم! اللہ مجھے اس پر عذاب نہیں دے گا۔

پانچویں مرتبہ گواہی یوں دی: **ان لعنة اللّٰه علیه ان کان من الکاذبین.** پھر عورت سے کہا' کہ تو بھی گواہی دے، تو اس نے چار مرتبہ اللہ کو گواہ بنایا، کہ یہ جھوٹا ہے جب پانچویں مرتبہ گواہی دینے کی نوبت آئی تو اس کو کہا گیا اللہ سے ڈر! دنیا کا عذاب آخرت کے عذاب سے ہلکا ہے اور یہ لعان عذاب کو لازم کرنے والا ہے، تو وہ کچھ دیر کے لئے ٹھہر گئی، پھر کہنے لگی: **واللّٰه لا افضح قومی.** پس پانچویں گواہی دی: **ان غضب اللّٰه علیھا ان کان من الصادقین.** پس رسول اللہ نے ان کے درمیان جدائی کردی۔ اور فیصلہ کیا کہ اس عورت کے بچے کی نسبت باپ کی طرف نہ کی جائے اور اس عورت کے بچے پر تہمت نہ لگائی جائے۔ جس نے اس عورت پر تہمت لگائی یا فرمایا کہ اس کے بچہ پر تہمت لگائی تو اس پر حد لگے گی اور فیصلہ کیا کہ اس عورت کے لئے شوہر پر نان نفقہ لازم نہیں ہے اس وجہ سے کہ ان کے درمیان بغیر طلاق و وفات کے جدائی واقع ہوئی ہے۔ پھر فرمایا، کہ اگر اس نے کمزور' اُبھرے ہوئے کولہوں والا' باریک پنڈلیوں والا بچہ جنا تو وہ ہلال سے ہوگا اور اگر مٹیالہ رنگ گھنگھریالے بالوں ...(۱) موٹی پنڈلیوں والا' بڑے کولہوں والا جنا، تو وہ اس شخص کا ہوگا، جس کے ساتھ اس عورت نے زنا کیا ہے۔ اس نے مٹیالہ رنگ

اور آخر تک دوسرے اوصاف والا بچہ جنا۔ آپ علیہ السلام نے فرمایا "لو لا الا مان لكان لي ولها شان" عکرمہ کہتے ہیں کہ اس عورت کا وہ بچہ بعد میں مصر کا گورنر بنا۔ اور اس کی نسبت باپ کی طرف نہیں کی جاتی تھی۔ یہ الفاظ ابوداؤد کی روایت کے ہیں۔

اور دوسری روایت میں ہے: سائر اليوم لاأفضح قومي۔ مسلم اور نسائی میں انس بن مالک سے روایت ہے کہ ہلال بن امیہ نے اپنی بیوی پر شریک بن سحماء کے ساتھ زنا کرنے کی تہمت لگائی شریک براء بن مالک کے بھائی تھے۔ ہلال پہلے شخص ہیں جنہوں نے اسلام میں لعان کیا، آپ علیہ السلام نے فرمایا انتظار کرو، اگر اس نے سفید، سیدھے بالوں والا بچہ جنا، تو وہ ہلال بن امیہ سے ہوگا۔ اور اگر کالے آنکھوں والا گھنگھریالے بالوں والا' موٹی پنڈلیوں والا جنا، تو وہ شریک بن سحماء کا ہوگا۔

سنن نسائی میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے یہ مروی ہے کہ ان رسول اللّٰہ لاعن بين العجلاني وامرأته كانت حبلى. اور عبدالرزاق نے بھی اسی طرح روایت کیا ہے۔ ابن سعد نے طبقات میں عویمر کے ترجمہ میں عبداللہ بن جعفر سے روایت کیا ہے، وہ کہتے ہیں کہ عویمر بن الحارث عجلان کے پاس حاضر ہوا' انہوں نے اپنی بیوی پر شریک بن سحماء کے ساتھ زنا کرنے کی تہمت لگائی تھی رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان لعان کرایا۔ اور وہ عورت حاملہ تھی۔ میں نے ان دونوں کو دیکھا کہ وہ منبر کے پاس کھڑے ہو کر لعان کر رہے ہیں، پھر اس نے بچہ جنا، پس اس بچے کو عورت کے ساتھ ملا دیا گیا۔ اس نے شریک بن سحماء کے مشابہ بچہ جنا تھا۔ عویمر کو اس کی قوم نے ملامت کیا۔ اور کہا کہ یہ ایک عورت ہے ہم اس کے بارے میں خیر کے سوا کچھ نہیں جانتے۔ پس جب اس نے شریک کے شبیہ بچہ جنا تو لوگوں نے ان سے معذرت کر لی اور وہ بچہ دو سال تک زندہ رہا اور پھر مر گیا۔ اس کی والدہ اس کے بعد تھوڑے عرصہ تک زندہ رہی۔ اور شریک اس کے بعد بری حالت میں رہے۔

واقدی کہتے ہیں کہ مجھے بیان کیا ہے ضحاک بن عثمان نے کہ عویمر۔۔۔۔ اور پھر حدیث بیان کی یہاں تک کہ کہا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے عویمر پر شریک بن سحماء پر تہمت لگانے کی وجہ سے حد نہیں لگائی، اور اس روایت میں ہے کہ وہ بچہ دو سال تک زندہ رہا اور پھر مر گیا۔ پس ہلال اور عویمر دونوں کے قصے میں تہمت کی نسبت شریک کی طرف ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ ان کو اس طور پر جمع کیا جائے گا کہ یہ دو واقعات ہیں۔ لیکن دل میں پھر بھی اس کے بارے میں کھٹک رہتی ہے۔

صحیحین میں ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ آپ نے فرمایا: اے اللہ واضح کر دے، پس اس عورت نے بچہ جنا، اس شخص کے مشابہ جس کا تذکرہ اس کے شوہر نے کیا تھا، کہ انہوں نے اپنی بیوی کے پاس پایا ہے۔ تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ان کے درمیان لعان کرایا۔ اور اس حدیث میں ہے کہ ان کے درمیان لعان وضع حمل کے بعد ہوا تھا، اور اس سے پہلی روایات اس کے خلاف ہیں۔ لہٰذا یہ تعارض ہے۔ واللہ اعلم۔

پھر جان لیجئے کہ حمل کی نفی کرنے سے لعان نہیں ہوتا ہے، اگرچہ عورت چھ ماہ کے اندر بچہ جنے، یہ امام ابوحنیفہؒ اور زفرؒ کا قول ہے اور یہی امام احمد، ثوری، حسن، شعبی' ابن ابی لیلی اور ابوثور کا قول ہے۔ امام ابو یوسف اور محمدؒ کے نزدیک لعان واجب ہے، جب وہ چھ ماہ سے کم عرصہ میں بچہ جنے۔ چونکہ یہ یقینی بات ہے تہمت کے وقت حمل ہے امام مالک اور امام ابوحنیفہ بھی پہلے یہی فرماتے تھے۔ طحاوی نے امام ابو یوسف سے ذکر کیا ہے کہ ولادت سے پہلے پہلے لعان کیا جائے گا، جیسا کہ امام شافعیؒ کا قول ہے، ہلال بن امیہ کی حدیث کی وجہ سے۔

اللہ تعالیٰ سب سے زیادہ غیرت والے ہیں

۳۳۰۸: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ لَوْ وَجَدْتُّ مَعَ اَهْلِیْ رَجُلًا لَمْ اَمَسَّهُ حَتّٰى اٰتِیَ بِاَرْبَعَةِ شُهَدَآءَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ قَالَ كَلَّا وَالَّذِیْ بَعَثَكَ بِالْحَقِّ اِنْ كُنْتُ لَاُعَاجِلُهٗ بِالسَّيْفِ قَبْلَ ذٰلِكَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اسْمَعُوْا اِلٰى مَا يَقُوْلُ سَيِّدُكُمْ اِنَّهٗ لَغَيُوْرٌ وَاَنَا اَغْيَرُ مِنْهُ وَاللّٰهُ اَغْيَرُ مِنِّیْ. (رواه مسلم)

اخرجه مسلم فی ۱۱۳۵/۲ الحديث رقم (۱۶-۱۴۹۸)۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک صحابی) سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ اگر میں کسی اجنبی مرد کو اپنی بیوی کے پاس (حالت غیر میں) پاؤں تو جب تک کہ چار گواہ فراہم نہ کرلوں اس کو ہاتھ نہ لگاؤں؟ (یعنی نہ اس کو ماروں اور نہ قتل کروں؟) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ہاں'' سعد رضی اللہ عنہ نے کہا کہ ہرگز نہیں قسم ہے اس ذات کی جس نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو حق کے ساتھ مبعوث فرمایا ہے۔ اگر میرے ساتھ ایسا معاملہ ہوا تو میں قبل اس کے کہ چار گواہ فراہم کروں فوری طور پر تلوار سے اس کا خاتمہ کردوں گا۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے (حاضرین مجلس کو مخاطب کر کے) فرمایا: اپنے سردار (یعنی سعد) کی بات کو غور سے سنو۔ بلاشبہ وہ غیرت مند ہے میں اس سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ تعالیٰ مجھ سے بھی زیادہ غیرت مند ہے''۔ (مسلم)

تشریح: قوله :لو وجدت مع اهلي ...... قبل ذلك:

سید کم : میرک کہتے ہیں کہ اسی طرح بعض روایات میں واقع ہے، جو صحیح ہیں اور صاحب کشاف نے نقل کیا ہے کہ اکثر روایات میں ''سیدنا'' ہے۔ پھر فرمایا کہ اس کی اضافت تین حال سے خالی نہیں، (۱) اس کی اضافت اُن کی طرف ہے جن کے یہ سردار تھے۔ لیکن یہ وجہ یہاں نہیں بنتی۔ (۲) مراد اس سے یہ ہے کہ ''انه سید عندنا'' کہ یہ ہمارے نزدیک سردار ہے، اور ہمارے نزدیک اس کی سرداری کی گواہی دی گئی ہے۔ (۳) یہ وہ ہے جس کو ہم نے اس کی قوم کا سردار بنایا ہے، جیسا کہ بادشاہ کہتا ہے ''فلان امیرنا''۔ اور کہا ہے کہ ''الی سید کم'' بھی روایت کیا گیا ہے۔

لم امسه : ہمزہ استفہام استبعادی کے حذف کے ساتھ ہے۔

حتّٰی آتی : ہمزہ ممدودہ اور تاء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

سید کم : صاحب کشاف فرماتے ہیں کہ ''سید'' فعیل کے وزن پر ہے ساد' یسود سے ماخوذ ہے اس کی واؤ کو یاء سے تبدیل کیا ہے یاء کی مناسبت اور ماقبل کے سکون کی وجہ سے۔

والله اغیر منی : نہایہ میں ہے ''الغیرة'' الحمية والانفة اور ''غیور'' مبالغہ کا صیغہ ہے۔ جیسے: شکور اور کفور۔

اسمعوا الی ما یقول : '' سمع'' کو ''الی '' کے ساتھ متعدی کیا ہے۔ کیونکہ وہ اصغاء کے معنیٰ کو متضمن ہے یعنی غور

سے سنو اس بات کو جو ذکر کر رہا ہے تمہارا سردار۔

ان كنت لا عاجله...... : ان مخففہ از مثقلہ ہے'لام فارقہ ہے اور ضمیر شان محذوف ہے۔ اور کلام میں تاکید ہے۔

قال كلا ...... : امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ "کلا" رسول اللہ کے قول کو رد کرنے اور اس کے حکم کی مخالفت کے لئے نہیں ہے بلکہ اس کا معنیٰ ہے کہ وہ اپنے نفس کی حالت کے بارے میں خبر دے رہے ہیں کہ جب وہ کسی مرد کو اپنی بیوی پاس دیکھیں گے تو ان پر غصہ کا غلبہ یوں ہوگا، کہ وہ اس وقت تلوار کے ذریعہ اس کا علاج کریں گے۔

سيد كم : ام الدرداء کے قول: **حدثني سيدي ابو درداء** میں تعظیم مراد ہے یا ملک زوجیت مراد ہے جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے ﴿**وا لفينا سيدها لدى الباب**﴾ [یوسف:۲۵]

انه لغيور : یہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی طرف سے حضرت سعد رضی اللہ عنہ کے عذر کی قبولیت ہے، کہ انہوں نے یہ بات غیرت کی وجہ سے کہی ہے۔ اور لفظ سید ذکر کرنے میں یہاں اشارہ ہے کہ غیرت معززین اور سرداروں کی خصلتوں میں سے ہے۔ اس لئے اس کے بعد "**و انا اغير منه**" فرمایا۔

والله اغير مني : مظہر فرماتے ہیں کہ ممکن ہے کہ سعد کا یہ قول رخصت کی طمع سے ہو نہ کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کے قول کو رد کرنے کے لئے جب رسول اللہ نے رخصت دینے سے انکار کر دیا، تو وہ خاموش ہو گئے اور تابع فرمان ہو گئے۔ شرح السنہ میں ہے کہ اللہ کی طرف غیرت کی نسبت کرنے کا مطلب زجر ہے۔ "**والله غيور**" کا معنیٰ ہے زجور یعنی زجر عن المعاصی کہ اللہ تعالیٰ لوگوں کو معاصی سے منع کرتے ہیں کیونکہ غیرت کہا جاتا ہے اس تبدیلی کو جو انسان پر طاری ہو اپنے اہل کے پاس ناپسندیدہ امر کو دیکھنے کے وقت اور یہ اللہ پر محال ہے۔

سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ میں سرداروں والی صفات

۳۳۰۹ :وَعَنِ الْمُغِيْرَةِ قَالَ قَالَ سَعْدُبْنُ عُبَادَةَ لَوْرَاَيْتُ رَجُلاً مَعَ امْرَاَتِيْ لَضَرَبْتُهٗ بِالسَّيْفِ غَيْرَ مُصْفَحٍ فَبَلَغَ ذٰلِكَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَتَعْجَبُوْنَ مِنْ غَيْرَةِ سَعْدٍ وَاللّٰهِ لَاَ نَا اَغْيَرُ مِنْهُ وَاللّٰهُ اَغْيَرُ مِنِّي وَمِنْ اَجْلِ غَيْرَةِ اللّٰهِ حَرَّمَ اللّٰهُ الْفَوَاحِشَ مَا ظَهَرَ مِنْهَا وَمَا بَطَنَ وَلَا اَحَدٌ اَحَبَّ اِلَيْهِ الْعُذْرُ مِنَ اللّٰهِ مِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ بَعَثَ الْمُنْذِرِيْنَ وَالْمُبَشِّرِيْنَ وَلَا اَحَدٌ اَحَبَّ اِلَيْهِ الْمِدْحَةُ مِنَ اللّٰهِ وَمِنْ اَجْلِ ذٰلِكَ وَعَدَ اللّٰهُ الْجَنَّةَ (متفق عليه)

اخرجه البخاري في صحيحه ۳۹۹/۱۳ الحديث رقم ۷۴۱۶ ومسلم في ۱۱۳۶/۲ الحديث رقم (۱۷-۱۴۹۹) والدارمي في السنن ۲۰۰/۲ و الحديث رقم ۲۲۲۷ واحمد في المسند ۲۴۸/۴۔

ترجمہ: "اور حضرت مغیرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے یہ کہا کہ اگر میں کسی اجنبی مرد کو اپنی بیوی کے پاس (حالت غیر میں) دیکھوں تو میں تلوار کی دھار کے ساتھ اس کو قتل کر دوں۔ جب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تک یہ

بات پہنچی (کہ سعد اس طرح کہتے ہیں) تو آپ ﷺ نے (صحابہؓ سے فرمایا کہ کیا تمہیں سعد رضی اللہ عنہ کی اس غیر معمولی) غیرت مندی پر تعجب ہے؟ اللہ کی قسم! میں یقیناً ان سے زیادہ غیرت مند ہوں اور اللہ مجھ سے بھی زیادہ غیرت مند ہے اور اللہ تعالیٰ نے اپنی غیرت ہی کی وجہ سے (تمام) ظاہری و پوشیدہ گناہوں کو حرام قرار دیا ہے اور عذر کو اللہ تعالیٰ سے زیادہ کوئی محبوب نہیں رکھتا اور اسی لئے اللہ تعالیٰ نے ڈرانے والوں اور بشارت دینے والوں (یعنی پیغمبروں) کو مبعوث فرمایا ہے۔ اللہ تعالیٰ سے زیادہ تعریف کرنے والے کو کوئی پسند نہیں کرتا اور اسی کے سبب اللہ تعالیٰ نے جنت کا وعدہ کیا ہے"۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: مصفح : فاء مخففہ کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ اور ایک نسخہ میں فتحہ کے ساتھ ہے۔ امام نووی کہتے ہیں کہ یہ فاء کے کسرے کے ساتھ ہے، اور مطلب یہ ہے کہ وہ تلوار کی بلکہ دھار سے مارے گا۔ (انتھی) اور ایک نسخہ میں فاء مفتوحہ کی تشدید کے ساتھ ہے۔ فتح الباری میں ہے کہ عیاض کہتے ہیں کہ یہ فاء کے کسرہ اور صاد کے سکون کے ساتھ ہے۔ اور کہا ہے کہ فاء کے فتحہ کے ساتھ بھی روایت کیا گیا ہے۔ پس جس نے اس کو فتح دیا ہے تو انہوں نے اس کو "سیف" کا وصف بنایا ہے، اس سے حال قرار دیا ہے۔ اور جس نے اس کو کسرہ دیا ہے اس نے اسکو ضارب کے لئے وصف اور اس سے حال بنایا ہے۔ ابن تین کا گمان ہے کہ تمام اصول میں فاء کی تشدید کے ساتھ ہے۔ تلوار کے پھل اور دھار کو کہتے ہیں۔

العذر من الله : نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ "عذر" یہاں "اعذار" کے معنیٰ میں ہے۔ جس کے معنی ہیں "ازالة العذر" یعنی عذر ختم کرنا۔

المدحة : میم کے کسرہ کے ساتھ مدح کے معنیٰ میں ہے۔

والله اغير منى : لفظ جلالہ کے رفع کے ساتھ اس کا عطف ہے مقسم علیہ پر اور وہ "لانا اغير منه" ہے۔

قوله :ولا أحد أحب اليه العذر من الله:

ولا احد : فتحہ کے ساتھ ہے، اور ایک نسخہ میں رفع کے ساتھ ہے۔ (**احب اليه** : رفع کے ساتھ ہے، اور ایک نسخہ میں نصب کے ساتھ ہے۔ عسقلانی فرماتے ہیں کہ "احد" رفع اور نصب دونوں جائز ہے۔

ابن الملک شرح المشارق میں فرماتے ہیں: **لا احد اغير من الله**. میں **اغير** رفع کے ساتھ ہے۔ یہ افعل التفضیل ہے "غیرة" سے اور یہ بھی جائز ہے کہ یہ "احد" کی صفت ہو اور خبر محذوف ہو۔ علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ یہاں "لا" بمعنیٰ "لیس" ہے اور اسم و خبر دونوں کو اس کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ نحوی اس حدیث سے غافل رہے ہیں کہ انہوں نے صرف اس قول پر اکتفاء کیا ہے "انا ابن قيس لا براح"۔

اور "**العذر من الله**": "احب" کے لئے فاعل ہے۔

قوله :ومن اجل غيرة الله...... : یہ اللہ کی غیرت کی تفسیر ہے، کہ اللہ نے لوگوں کو محرمات سے منع کیا ہے اور اس پر سزائیں مقرر کی ہیں۔ کیونکہ غیرت اصل میں کہا جاتا ہے کہ آدمی ناپسند کرے اور غصہ ہو کسی اور کے اس کی ملکیت میں تصرف کرنے پر۔ اور لوگوں میں مشہور ہے، کہ غیرت اس کو کہتے ہیں کہ آدمی غصہ ہو جائے اس پر جو اس کے بیوی کے ساتھ ناپسندیدہ

فعل کرے یا اس کی طرف دیکھے۔ اور اللہ کے حق میں غیرت یہ ہے کہ ممنوع فعل پر وہ غصہ ہوتا ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ جب اللہ نے اپنے بندوں اور بندیوں پر غیرت کی تو فواحش کو حرام ٹھہرایا، اور اس کے ارتکاب پر دنیا اور آخرت میں سزائیں مرتب کی، تا کہ لوگ اس سے باز رہیں۔

ما ظهر منها وما بطن : یعنی جو اس میں سے علانیہ کیا جائے اور جو چھپ کر کیا جائے اور بعض نے کہا ہے جس پر عمل کیا اور جس کی نیت کی اور بعض نے کہا ہے کہ ظاہر سے مراد طوائف کے کوٹھوں وغیرہ میں زنا ہے، اور باطن سے مراد چھپی دوستی کرنا ہے۔

قوله: بعث المبشرين والمنذرين : یعنی اللہ نے خوشخبری سنانے والے اور ڈرانے والے بھیجے، تا کہ لوگوں کے لئے اللہ پر کوئی حجت باقی نہ رہے۔ جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے: ﴿وَمَا كُنَّا مُعَذِّبِينَ حَتّٰى نَبْعَثَ رَسُوْلًا﴾ [الاسراء: ۱۵] ''اور جب تک ہم پیغمبر نہ بھیج لیں عذاب نہیں دیا کرتے''۔

والا احد احب اليه المدحة...... : اسی وجہ سے خود اللہ نے اور اس کے اولیاء نے اس کی مدح کی ہے۔ طیبیؒ کہتے ہیں کہ اس کا معنیٰ ہے کہ جب اللہ نے اس کا وعدہ فرمایا اور ترغیب دی تو بندوں نے کثرت کے ساتھ اللہ کی حمد و تعریف کی۔

اور بعض نے کہا ہے کہ ہم میں محبت، غضب، خوشی، پریشانی اور جو اس کے مشابہ ہے عبارت ہے دل کے تغیر سے اور ہم میں سے ہر کوئی چاہتا ہے کہ کوئی اس کی مدح کرے اور کبھی اس کی قدر کم ہو جاتی ہے مدح کے ترک کرنے سے، اور اللہ مخلوق کی صفات سے پاک ہے بلکہ اللہ میں حب کا معنیٰ ہے کسی چیز پر رضا' رحمت اور خیر پہنچانا اس کی طرف جس کے ساتھ محبت ہے اور غضب کا معنی ہے عذاب پہنچانا اس کی طرف جن پر غصہ ہے۔

قوله :ومن أجل ذلك:

وعد الله الجنة : اس سے جس نے اس کی مدح کی اور اطاعت کی، اور اس وجہ سے جنتیوں کی آخری پکار یہ ہوگی: **ان الحمد لله رب العالمين.**

تخریج: روایت کیا ہے احمد، بخاری اور مسلم نے اسماء بنت ابی بکر سے ''**لا شيء اغير من الله تعالٰى جل عظيم الشان**''.

غیرتِ الٰہی کا تقاضا حرام کو حرام قرار دو

۳۳۱۰: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى يُغَارُ وَاِنَّ الْمُؤْمِنَ يُغَارُ وَغَيْرَةُ اللّٰهِ اَنْ لَا يَاْتِیَ الْمُؤْمِنُ مَاحَرَّمَ اللّٰهُ (متفق عليه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۳۱۹/۹ الحديث رقم ۵۲۲۳ ومسلم فی ۲۱۱۴/۴ الحديث رقم (۳۶-۲۷۶۱) والترمذی فی السنن ۴۷۱/۳ الحديث رقم ۱۱۶۸ واحمد فی المسند ۳۴۳/۲۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''بلاشبہ اللہ تبارک و تعالی

غیرت مند ہے اور بلاشبہ مؤمن (بھی) غیرت مند ہے (یعنی غیرت دراصل اللہ تعالیٰ کی صفت ہے جو مؤمن میں بھی موجود ہے) اور اللہ تعالیٰ کی غیرت کا تقاضا یہ ہے کہ مؤمن اللہ تعالیٰ کی حرام کردہ چیز کا ارتکاب نہ کرے''۔

(بخاری ومسلم)

تشریح: قوله :ان الله تعالٰی یغارُ......

حرم الله :ایک روایت میں (اس کے بعد) علیه (کا اضافہ بھی) ہے۔

یغار: یاء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

غیرة مبتدا ہے اور ''ان لا یأتی المؤمن ماحرم الله ''اس کی خبر ہے۔

ان لا یأت المؤون :یعنی نزدیک جائے اور نہ کرے۔

تخریج:ورواہ احمد و الترمذی.

اعرابی کا کالا لڑکا

۳۳۱۱:وَعَنْهُ اَنَّ اَعْرَابِيًّا اَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ امْرَأَتِيْ وَلَدَتْ غُلَامًا اَسْوَدَ وَاِنِّي اَنْكَرْتُهُ فَقَالَ لَهُ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ لَكَ مِنْ اِبِلٍ قَالَ نَعَمْ قَالَ فَمَا اَلْوَانُهَا قَالَ حُمْرٌ قَالَ هَلْ فِيْهَا مِنْ اَوْرَاقَ قَالَ اِنَّ فِيْهَا لَوُرْقًا قَالَ فَاَنّٰى تُرٰى ذٰلِكَ جَاءَ هَا قَالَ عِرْقٌ نَزَعَهَا قَالَ فَلَعَلَّ هٰذَا عِرْقٌ نَزَعَهٗ وَ لَمْ يُرَخِّصْ لَهٗ فِي الْاِنْتِفَاءِ مِنْهُ . (متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۲۹٦/۱۳ الحدیث رقم ۷۳۱٤ومسلم فی ۱۱۳۷/۲ الحدیث رقم (۱۸-۱۵۰۰) وابوداؤد فی السنن ٦۹٤/۲ الحدیث رقم ۲۲٦۰والترمذی فی ۳۸۲/٤ الحدیث رقم ۲۱۲۸ والنسائی فی ۱۷۸/٦ الحدیث رقم ۳٤۷۸وابن ماجه فی السنن ٦٤٥/۱ الحدیث رقم ۲۰۰۲ واحمد فی المسند ۲۳۳/۲۔

ترجمہ:''اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک دیہاتی رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ میری بیوی نے ایک ایسے بچہ کو جنم دیا ہے جس کا رنگ کالا ہے اور (اس وجہ سے کہ وہ میرا ہم رنگ نہیں ہے) میں نے اس (کی نسبت) کا انکار کر دیا ہے (یعنی یہ کہہ دیا ہے کہ یہ بچہ میرا نہیں ہے) رسول اللہ ﷺ نے (یہ سن کر) ارشاد فرمایا: ''تمہارے پاس کچھ اونٹ ہیں؟'' اس نے عرض کیا کہ ہاں! آپ ﷺ نے فرمایا: ان کے رنگ کیسے ہیں؟ اس نے عرض کیا : سرخ رنگ کے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: کیا ان اونٹوں میں کوئی خاکستری رنگ کا بھی ہے؟ اس نے عرض کیا کہ ان میں خاکستری رنگ کے اونٹ بھی ہیں۔ آپ ﷺ نے فرمایا'' تمہارا کیا خیال ہے یہ خاکستری رنگ کے اونٹ کہاں سے آ گئے (یعنی ان میں خاکستری رنگ کہاں سے آیا جب کہ ان کے ماں باپ خاکستری رنگ کے نہیں ہیں؟) اس نے عرض کیا'' کوئی رگ ہوگی جس نے انہیں کھینچ لیا (یعنی ان کی اصل میں کوئی

خاکستری کا رہا ہوگا جس کے مشابہ یہ بھی ہوگئے) آپ ﷺ نے فرمایا: تو پھر یہ بچہ بھی کسی ایسی رگ کے سبب کالا ہوا ہے جس نے اس کو کھینچ لیا ہے (یعنی اس بچہ کی اصل میں بھی کوئی شخص کالے رنگ کا ہوگا جس کے مشابہ یہ بھی پیدا ہوگیا ہے)اور اس طرح آپ ﷺ نے اس دیہاتی کو اس بچہ کا انکار کرنے کی اجازت نہیں دی''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: قوله :ان اعرابيا أتي...... قال :عرق نزعها:

حمر : حاء کے ضمہ اور میم کے سکون کے ساتھ،''**احمر**'' کی جمع ہے۔اور جمع مطابقت کے لئے لائی گئی ہے۔اور''حمر'' کا اطلاق بطور غلبہ کے ہے۔

اورق : جس میں سفیدی سیاہی کی طرف مائل ہو راکھ کے رنگ کی طرح۔ اصمعی کہتے ہیں اونٹوں میں سے سب سے زیادہ لذیذ گوشت اسی کا ہوتا ہے لیکن چلنے میں اور کام کاج میں اچھا شمار نہیں ہوتا۔

فانی تراى : تاء کے ضمہ کے ساتھ'' **این تظن**'' کے معنیٰ میں ہے۔

عرق : عین کے کسرے کے ساتھ ہے،ضرب المثل ہے:**العرق نزاع** اور''**عرق**''اصل میں ماخوذ ہے **عرق الشجر** سے۔کہا جاتا ہے''**فلان له عرق فی الکرم**'' کہ فلاں کی سخاوت میں جڑیں ہیں۔

قوله :هذا عرق نزعه : مطلب یہ ہے کہ یہ مٹیالہ رنگ کا ہے کیونکہ ان کے دور کے اصول میں ایسے اونٹ تھے جو اس رنگ کے تھے، یا ایسے رنگ کے تھے کہ جن کے ملاپ سے مٹیالہ رنگ حاصل ہوا ہو۔کیونکہ اصول کے مزاج کبھی بعد والوں میں بھی پائے جاتے ہیں،اسی وجہ سے اصول کی بیماریاں فروع میں پائی جاتی ہے اور رنگ اس کے تابع ہوتے ہیں۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ حدیث سے معلوم ہوا کہ صرف کمزور علامات کی وجہ سے بچے کے نسب کی نفی کرنا ممنوع ہے، بلکہ مضبوط دلیل کا ضروری ہے،مثلاً اس نے وطی نہ کی ہو۔یا وطی کی ابتداء سے لے کر بچے کی ولادت تک چھ ماہ سے کم عرصہ گزرا ہو۔یہاں وصف کا اعتبار تہمت کے دفع کرنے کے لئے نہیں کیا ہے، کیونکہ اصل مسلمانوں کا تہمت سے بری کرنا ہے۔ برخلاف اس کے کہ جن اوصاف کا حدیث شریک میں اوصاف کا اعتبار کیا ہے، کیونکہ وہاں دفع تہمت' تہمت کے لئے نہیں تھی بلکہ اس بات پر تنبیہ کے لئے تھی کہ ظاہری حیلہ کتاب اثر کی نص کے مقابلہ میں مضمحل ہے تو آثار خفیہ کا کیا کہنا۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث سے معلوم ہوا کہ نفی ولد کی طرف تعریض کرنے سے نفی نہیں ہوتی اور تہمت کی طرف اشارہ کرنے سے تہمت شمار نہیں ہوتی یہ امام شافعیؒ اور ان کی موافقت کرنے والوں کا مذہب ہے۔اور اس حدیث سے قیاس کا ثابت ہونا اور اشباہ کا معتبر ہونا اور ضرب المثل کا معتبر ہونا معلوم ہوتا ہے اور اس سے معلوم ہوا کہ نسب کے معاملہ میں احتیاط ہے صرف احتمال اور امکان ہو تو بھی بچے کو والد کی طرف منسوب کیا جائے اور اس کے ساتھ ملایا جائے۔

فقط قرائن سے نسب نہیں بدلتا

۳۳۱۲:وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ كَانَ عُتْبَةُ بْنُ اَبِيْ وَقَّاصٍ عَهِدَ اِلٰى اَخِيْهِ سَعْدِ بْنِ اَبِيْ وَقَّاصٍ اَنَّ ابْنَ وَلِيْدَةِ زَمْعَةَ مِنِّيْ فَا قْبِضْهُ اِلَيْكَ فَلَمَّا كَانَ عَامُ الْفَتْحِ اَخَذَهُ سَعْدٌ فَقَالَ اِنَّهُ ابْنُ اَخِيْ وَقَالَ عَبْدُ بْنُ

زَمْعَةَ اَخِیْ فَتَسَاوَقَا اِلٰی رَسُوْلِ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ فَقَالَ سَعْدٌ یَا رَسُوْلَ اللّٰہِ اِنَّ اَخِیْ کَانَ عَھِدَ اِلَیَّ فِیْہِ وَقَالَ عَبْدُ بْنُ زَمْعَةَ اَخِیْ وَابْنُ وَلِیْدَةِ اَبِیْ وُلِدَ عَلٰی فِرَاشِہٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ ھُوَ لَکَ یَا عَبْدَ ابْنَ زَمْعَةَ اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاھِرِ الْحَجَرُ ثُمَّ قَالَ لِسَوْدَةَ بِنْتِ زَمْعَةَ احْتَجِبِیْ مِنْہُ لِمَا رَأٰی مِنْ شِبْھِہٖ بِعُتْبَةَ فَمَا رَاٰھَا حَتّٰی لَقِیَ اللّٰہَ وَفِیْ رِوَایَةٍ قَالَ ھُوَ اَخُوْکَ یَا عَبْدُ ابْنُ زَمْعَةَ مِنْ اَجْلِ اَنَّہٗ وُلِدَ عَلٰی فِرَاشِ اَبِیْہِ . (متفق علیہ)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۳۷۱/۵ الحدیث رقم ۲۷۴۵ومسلم فی ۱۰۸۰/۲ الحدیث رقم (۳٦-۱۴۵۷) وابوداؤد فی السنن ۷۰۳/۲ الحدیث رقم ۲۲۷۳ والترمذی فی السنن ۴٦۳/۳ الحدیث رقم ۱۱۵۷ والنسائی فی ۱۸۱/٦ الحدیث رقم ۳۴۸۷وابن ماجه فی ٦۴٦/۱ الحدیث رقم ۲۰۰۴ والدارمی فی ۲۰۳/۲ الحدیث رقم ۲۲۳٦ومالك فی الموطا۷۳۹/۲ الحدیث رقم ۲۰من کتاب الاضحیة واحمد فی المسند۱۲۹/٦۔ (۲) فی المخطوطة (یکسرون)

ترجمہ: ''اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ عتبہ بن ابی وقاص نے اپنے بھائی سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ کو وصیت کی کہ زمعہ کی لونڈی کا لڑکا میرا ہے (یعنی میرے نطفہ سے ہے) تم اس کو اپنے قبضہ میں لے لینا چنانچہ فتح مکہ کے سال سعد رضی اللہ عنہ نے اس لڑکے کو لے لیا اور کہا کہ یہ میرا بھتیجا ہے جب کہ ابن زمعہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ یہ میرا بھائی ہے۔ پھر وہ دونوں اپنا معاملہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں لے کر حاضر ہوئے اور سعد رضی اللہ عنہ نے کہا یا رسول اللہ! میرے بھائی نے اس کے بارے میں مجھے وصیت کی تھی اور ابن زمعہ نے عرض کیا کہ (یہ لڑکا) میرا بھائی ہے اور میرے باپ کی لونڈی کا بیٹا ہے جو میرے باپ کے بستر پر پیدا ہوا ہے''۔ رسول اللہ ﷺ نے (دونوں کی بات سن کر) فرمایا ''کہ اے عبد بن زمعہ! اس بچہ کے تم ہی حقدار ہو کیونکہ بچہ صاحب فراش کی طرف منسوب ہوتا ہے اور زانی کے لئے (نسب و میراث سے محرومی اور) پتھر ہے (یا یہ کہ زانی سنگساری کا مستوجب ہے) پھر آپ ﷺ نے حضرت سودہ بنت زمعہ رضی اللہ عنہا سے فرمایا کہ تم اس لڑکے سے پردہ کیا کرو کیونکہ اس میں عتبہ کی شباہت نظر آتی ہے۔ چنانچہ حضرت سودہ رضی اللہ عنہا اس لڑکے کے سامنے (کبھی نہیں آئیں یہاں تک کہ وہ واصل بحق ہو گیا)۔ ایک روایت میں یوں ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ارشاد فرمایا: عبد ابن زمعہ! وہ لڑکا تمہارا بھائی ہے اس لئے کہ وہ لڑکا ان کے باپ کے بستر پر پیدا ہوا تھا''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: **قوله :کان عتبة بن ابی وقاص...... فتساوقا الی رسول الله:**

عتبة : عین کے ضمہ اور تاء کے سکون کے ساتھ ہے۔

زمعة : زاء اور میم پر فتحہ ہے، اور کبھی میم کو سکون بھی دیا جاتا ہے جیسا کہ جامع الاصول میں ہے اور ابن ہمامؒ نے دونوں کے فتحہ پر اکتفاء کیا ہے، اور مغنی میں ہے کہ اکثر فقہاء اور محدثین میم کو سکون دیتے ہیں۔

فاقبضه : باء کے کسرے کے ساتھ ہے۔

لما رأىٰ :لام کے کسرہ اور میم کی تخفیف کے ساتھ ہے۔

فتسا وقا :از باب تفاعل" سوق" سے ماخوذ ہے۔

عتبة بن ابی وقاص : یہ وہ بد بخت تھا جس نے غزوہ اُحد میں پر نبیؐ کے دندان مبارک شہید کیے تھے اور کفر کی حالت میں مرا تھا۔

اور سعد بن ابی وقاص عشرہ مبشرہ میں سے تھے۔

وليدة زمعة : یہ ایک بدکار لونڈی تھی، زمعہ کی زمانہ جاہلیت میں۔

فا قبضه : عتبہ نے زمعہ کی اس لونڈی سے زنا کیا جس کے نتیجے میں لڑکا پیدا ہوا۔اس نے گمان کیا کہ "حرامی بچے" کا نسب زانی سے ثابت ہوتا ہے، اس کے مطابق اس کے لڑکے کے بارے میں دعویٰ کیا کہ یہ میرا ہے، اور اپنے بھائی کو وصیت کی کہ تم اس لڑکے کو اپنی تحویل میں لے کر اس کی پرورش کرنا۔حضرت سعد رضی اللہ عنہ نے فتح مکہ کے سال وصیت کے مطابق اس لڑکے کو اپنی تحویل میں لے لیا، ادھر زمعہ کے بیٹے عبد نے دعویٰ کیا کہ یہ میرا بھائی ہے کیونکہ اس کو میرے باپ نے اپنی لونڈی سے جنوایا ہے لہٰذا میں اس کا زیادہ حقدار ہوں۔

الولد للفراش : یعنی بچہ والدہ کا تابع ہوتا ہے جب وطی بالزناء ہو، یہاں یہی مراد ہے اور جب بچے کے والدین غلام ہوں یا ایک غلام ہو تو تب بھی بچہ والدہ کا تابع ہوتا ہے۔

وللعاهر حجر : یعنی زانی کے لئے سنگساری ہے اگر وہ محصن ہو، اور حد لگائی جائے گی اگر غیر محصن ہو۔اور یہ بھی احتمال ہے کہ وہ مال اور میراث سے محروم ہو۔اس تاویل کے مطابق" **حجر** " کنایہ ہے محرومی سے جیسا کہ محروم کے بارے میں کہا جاتا ہے: **في يده التراب والحجر**.کہ اس کے ہاتھ میں مٹی اور پتھر ہے۔

قاضی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ولیدہ لونڈی کو کہتے ہیں۔عرب زمانہ جاہلیت میں لونڈیاں رکھتے تھے اور ان پر رقم مقرر کر دیتے کہ وہ کما کر لائیں تو وہ بدکاری سے کما کر لاتی تھیں۔اور مالک بھی ان کے ساتھ وطی کرنے سے پرہیز نہیں کرتے تھے۔پس جب لونڈی بچہ جن لیتی اور آقا نے اس کو فراش بنایا ہوتا تو اور اس نے زنا بھی کیا ہوتا اگر ان میں سے کوئی ایک اس کے نسب کا دعویٰ کر لیتا تو بچے کو اس کے ساتھ ملا کر اس کی طرف منسوب کیا جاتا، اور اگر دونوں میں سے ہر ایک دعویٰ کر لیتا اور جھگڑا کرتے تو پھر اس کو قیافہ شناس پر پیش کرتے تھے۔چنانچہ عتبہ نے بھی زمانہ جاہلیت میں زمعہ کے لونڈی کے ساتھ یہی معاملہ کیا تھا اور یہ گمان کیا تھا کہ بچہ اس کا ہے۔اس لئے اپنے بھائی کو وصیت کی کہ وہ اس بچے کو اپنی تحویل میں لے کر اس کی نسبت اپنے بھائی کی طرف کرے۔عتبہ کافر تھا۔فتح مکہ کے سال سعد نے اس کی وصیت کو نافذ کرنے کا عزم کر لیا اور بچے کو اپنے تحویل میں لے لیا تو عبد بن زمعہ نے اس کا انکار کر دیا پس دونوں اس معاملہ کو آنحضرتؐ کی خدمت میں لے کر آئے۔آپؐ نے فیصلہ کر دیا کہ بچہ صاحب فراش کا ہوتا ہے اور زانی کے لئے سوائے محرومی اور وبال کے کچھ نہیں ہوتا۔اور ان کے زمانہ جاہلیت کے دستور کہ "بچہ زانی کی طرف منسوب ہوتا ہے" کو باطل کر دیا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ دعویٰ جس طرح اموال میں چلتا ہے اسی طرح نسب میں بھی چلتا ہے۔اور یہ کہ لونڈی وطی

کرنے سے فراش بن جاتی ہے۔اور یہ کہ جب آقا وطی کا اقرار کرے اور پھر وہ بچہ جنے اور اس سے اس بچے کا ہونا ممکن ہو، تو وہ بچہ اس کی طرف منسوب ہوگا اگر چہ غیر نے بھی سے وطی کی ہو۔اور اس میں وارث کا اقرار اس کے اقرار کی طرح ہے۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جس چیز سے عورت فراش بنتی ہے اگر وہ بیوی ہے تو نفس نکاح سے بن جاتی ہے۔اس پر علماء نے اجماع نقل کیا ہے۔امکان وطی اس کے لئے شرط قرار دیا ہے، پس اگر وطی کا امکان نہ ہو جیسے کہ مشرق میں رہنے والا مرد مغرب میں رہنے والی عورت سے نکاح کرلے اور دونوں اپنے وطن کو نہ چھوڑیں، پھر وہ عورت چھ ماہ یا اس سے زیادہ مدت کے بعد بچہ جن لے تو اس بچے کو اس کی طرف منسوب نہیں کیا جائے گا۔ یہ امام مالک اور شافعیؒ کا قول ہے، مگر امام ابوحنیفہؒ نے امکان وطی کی شرط نہیں لگائی ہے، یہاں تک کہ اگر کوئی شخص بچہ پیدا ہونے کے فوراً بعد طلاق دیدے اور پھر وہ عورت چھ ماہ کے بعد بچہ جن لے تو وہ بچہ اس کی طرف منسوب ہوگا۔ یہ قول کمزور ہے اور اس کا فاسد ہونا ظاہر ہے۔اس کی بنیاد ظہور فساد اور امام ابوحنیفہؒ کا قول کے مطلب اور تحقیق سے غفلت پر ہے۔کیونکہ امام ابوحنیفہ نے امکان وطی کی شرط لگائی ہے لیکن عادی امکان پر اکتفاء نہیں کیا ہے بلکہ ان کے اجتماع کو جائز قرار دیا ہے خرق عادت کے طور پر تا کہ حتی الامکان مؤمن کا فعل اصلاح اور احسان پر محمول ہو۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اگر وہ عورت لونڈی ہو تو امام شافعیؒ اور مالکؒ کے نزدیک نفس ملکیت سے فراش بن جائے گی، پس جب وہ ہم بستری کے بعد اتنی مدت میں بچہ جن لے کہ اس کا الحاق واطی کے ساتھ ممکن ہو، تو اس بچے کو واطی کے ساتھ ملایا جائے گا۔اور امام ابوحنیفہ فرماتے ہیں کہ بچہ جنے بغیر لونڈی فراش نہیں بن سکتی۔

من شبهه بعتبة : یعنی یہ لڑکا شرعی حکم کے اعتبار سے تمہارا بھتیجا ہے لیکن چونکہ وہ لڑکا عتبہ کے مشابہ ہے، اس لئے احتیاط اور ورع کا تقاضا یہی ہے کہ تم اس کے سامنے نہ آؤ۔امام نووی فرماتے ہیں کہ بعض حنفیہ نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے کہ حرمت مصاہرت میں وطی بالزناء کا وہی حکم ہے جو وطی بالنکاح کا ہے۔امام شافعیؒ اور مالک فرماتے ہیں کہ وطی زنا کا کوئی اثر نہیں ہوتا' بلکہ زانی کے لئے زانیہ کی ماں سے اور اس کی بیٹی سے نکاح کرنا جائز ہے، مزید یہ کہ امام شافعیؒ نے زنا کے پانی سے پیدا ہونے والی بیٹی سے بھی نکاح کو جائز قرار دیا ہے۔

وہ کہتے ہیں کہ اس حدیث سے استدلال اس طرح ہے، کہ آپؐ نے سودہ کو اس سے پردہ کرنے کا حکم دیا تھا۔ یہ استدلال ضعیف ہے، کیونکہ یہ اس تقدیر پر تھا کہ وہ زنا سے ہے پس وہ سودہ کے لئے اجنبی تھا اس کے سامنے سودہ کا آنا جائز نہ تھا، چاہے اس کو زانی کی طرف منوب کیا جاتا ہو یا نہ کیا جاتا ہو اور مذکورہ مسئلہ کے ساتھ اس کا کوئی تعلق نہیں ہے۔اور اس حدیث سے معلوم ہوا کہ حاکم کا فیصلہ باطن میں کسی چیز کو حلال نہیں کرتا۔پس جب حاکم اور قاضی دو جھوٹے گواہوں کی گواہی پر فیصلہ کر دیں، تو وہ محکوم (جس کا فیصلہ ہوا ہے) محکوم لہ (جس کیلئے فیصلہ ہوا ہے) کے لئے حلال نہ ہوگا۔کیونکہ آپؐ نے عبد بن زمعہ کے لئے فیصلہ کیا کہ وہ بچہ اس کا بھائی ہے، اور حضرت سودہ کو پردے کا حکم دیا تھا (انتھی)۔

یہ محل نظر ہے چونکہ سودہ کے لئے پردہ کرنے کا فیصلہ احتیاط کے باب سے تھا، جیسا کہ اس پر اس کی دلیل اور اس کی علت دلالت کر رہے ہیں اور وہ علت مشابہ ہونا تھا کہ جس کی وجہ سے شبہ پیدا ہوتا تھا۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم کا فیصلہ ظاہر اور باطن دونوں میں نافذ ہوا۔ واللہ اعلم۔

حتی لقی الله :اس میں اشارہ ہے کہ وہ لڑکا حضرت سودہ سے پہلے وفات پا گیا تھا۔

قوله :وفي رواية......

ولد علی فراش ابیه : یہ دراصل حدیث کے راوی کا اپنا قول ہے،اسی وجہ سے" علی فراش ابیك "نہیں کہا۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ جب لونڈی اپنے آقا سے بچہ جنے تو اس کا نسب آقا سے ثابت نہ ہوگا جب تک وہ اس بچہ کا اعتراف نہ کرلے،اگرچہ وہ ہم بستری کا اعتراف کرتا ہو۔ یہ ثوری،شعبہ،حسن بصری اور ہارون کا قول ہے۔ یہ قول حضرت عمر اور زید بن ثابت سے مروی ہے عزل کے باوجود امام مالک اور شافعی فرماتے ہیں کہ نسب آقا سے ثابت ہو جائے گا جب وہ وطی کرنے کا اعتراف کرلے،اگرچہ اس نے عزل کیا ہو۔اور اگر اس نے دبر میں وطی کی ہو،تو امام مالک کے نزدیک بچہ پھر بھی اسی کا کہلائے گا اور اسی طرح کا قول امام احمد کا بھی ہے۔

حرمت مصاہرت کے عدم ثبوت میں ان کی اصل دلیل وہ حدیث ہے جو محدثین کی ایک جماعت نے سوائے ترمذی کے روایت کی ہے کہ حضرت عائشہ فرماتی ہیں:

"اختصم سعد بن ابی وقاص وعبد بن زمعة الی رسول الله ﷺ تعنی فی ابن ولیدة زمعة فقال سعد : یارسول الله هذا ابن اخی عتبة بن ابی وقاص عهد الی انه ابنه انظر الی شبهه ۔وقال عبد بن زمعة : هذا اخی یارسول الله ولد علی فراش ابی۔فنظر رسول الله ﷺ الی شبهة فرای شبها بینا بعتبة فقال : هو لك یا عبد بن زمعة، الولد للفراش وللعاهر الحجر ، واحتجبی منه یا سودة ،فلم تره سودة قط"

اس کا جواب یہ دیا گیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے اس بچے کا فیصلہ عبد بن زمعہ کے لئے اس لئے کیا تھا کہ وہ اس کا غلام تھا جو اس کو وراثت میں ملا تھا' نہ کہ وہ اس کا بھائی تھا اسی لئے تو آپؐ نے فرمایا"هو لك "کہ وہ تیرا ہے،یہ نہیں فرمایا ہو' اخوك" کہ وہ تیرا بھائی ہے۔اور فرمایا:"احتجبی منه یا سودة "اگر شرعی حکم کے مطابق وہ سودہ کا بھائی ہوتا تو پھر اس سے پردہ کرنے کا حکم نہ دیتے۔پس یہ شرعی طور پر"اخوت" کی نفی کر رہا ہے۔اور پہلا لفظی طور پر کر رہا ہے۔

پہلے کا جواب دیا گیا ہے کہ ایک روایت میں ہے:"هو اخوك"اور پردہ کرنے کے حکم کا جواب دیا گیا ہے کہ یہ عتبہ کے ساتھ واضح مشابہت دیکھنے کی وجہ سے دیا تھا۔

جواب اول پر اعتراض یہ ہوتا ہے کہ اس صورت میں تو" هوا اخوك" "هو لك" کے معارض ہے۔اور یہ روایت راجح ہے، کیونکہ یہ مشہور و معروف ہے لہٰذا شاذ روایت اس کی معارض نہیں بن سکتی،اور شبہ شرعی بہن سے پردہ کرنے کو واجب نہیں کرتا،ورنہ تو یہ حکم اب تک رہتا کہ ہر وہ شخص جو ثابت النسب ہو اور اپنے والد کے علاوہ کسی اور کا مشابہ ہو تو شبہ کی وجہ سے اس کی بہن،پھوپھی،اور دادی کا اس سے پردہ کرنا لازم ہوتا۔حالانکہ یہ شرعاً منتفی ہے اور" الولد للفراش " کے ذریعے آپؐ نے اس لڑکے کی نسبت کی حضرت سعد سے نفی کر دی،بایں طور کہ وہ اس کا بھتیجا ہو اور عبد بن زمعہ سے بھی بایں طور کہ وہ اس کا بھائی ہو۔

یعنی کہ بچہ صاحب فراش کا ہوتا ہے اور عتبہ اور زمعہ میں سے کسی کے لئے فراش نہیں ہے۔ اور اس سے روایت کا'' هو اخوك '' والی روایت سے معارضہ قولی ہو جاتا ہے۔ ممکن ہے کہ اس کا جواب دیا جائے کہ یہ حکم مستمر اور عام نہیں تھا بلکہ آنحضرت کی ازواج کے ساتھ خاص تھا کیونکہ ان کے پردہ کرنے میں زیادہ سختی تھی، اللہ کا ارشاد ہے: ﴿لستن كاحد من النسآء﴾ [الاحزاب:۳۲] تو اس کے مطابق ولیدہ کو محمول کرنا ضروری ہے اس بات پر کہ اس نے اس سے پہلے زمعہ کے لئے بچہ جنا تھا۔ اور ''الولد للفراش'' سے مراد ام ولد ہو، اور ''هو لك'' کا معنیٰ ہے کہ اس کا تیرے لئے فیصلہ کیا گیا ہے، اور مراد یہ ہو کہ وہ آپ کا بھائی ہے جیسا کہ دوسری روایت میں ہے۔ اور جو حضرت عمر بن الخطاب سے نقل کیا گیا ہے، کہ انہوں نے فرمایا: **ما بال رجال يطؤن ولا ئدهم ثم يعتزلونهن، لا تأ تيني وليدة يعترف سيدها انه قد الم بها الا الحقت ولدها بها ، فاعتزلوا بعد ذلك او اتركوا. رواه الشافعي.** کہ لوگوں کو کیا ہوا ہے کہ وہ اپنی لونڈی سے وطی کر کے پھر ان سے عزل کر لیتے ہیں۔ میرے پاس ایسی جو بھی لونڈی آئے کہ جس کا آقا اقرار کرتا ہو کہ وہ اس کے ساتھ جماع کرتا ہے، تو میں اس کے بچے کو اس لونڈی کے ساتھ ملاؤں گا، چاہے تم عزل کرو اس کے بعد یا چھوڑ دو۔

یہ معارض ہے اس روایت کے جو حضرت عمر سے مروی ہے، کہ وہ اپنی لونڈی سے عزل کرتے تھے۔ اس لونڈی نے ایک کالا بچہ جنا، تو یہ بات حضرت عمر رضی اللہ عنہ پر گراں گزری۔ انہوں نے کہا کہ یہ کس سے ہے؟ لونڈی نے کہا اونٹوں کے چرواہے سے ہے تو حضرت عمر نے اللہ کی حمد وثناء بیان کی اور اس کو اپنے اوپر لازم نہیں کیا۔

طحاوی نے مسند میں ذکر کیا ہے: **عن عكرمة عن ابن عباس انه كان له جارية فحملت فقال: ليس مني اني أيتتها اتيانا لم ارد به الولد.**

زید بن ثابت سے روایت ہے کہ وہ ایک فارسی لونڈی سے ہم بستری کرتے تھے اور پھر عزل کرتے، پس اس نے بچہ جنا تو انہوں نے بچے کو آزاد کر دیا اور لونڈی کو کوڑے لگائے۔ اور زید بن ثابت سے روایت ہے کہ انہوں نے لونڈی سے پوچھا کہ یہ بچہ کس سے ہے؟ تو اس نے کہا تجھ سے، تو وہ بولے کہ تو نے جھوٹ بولا ہے، تجھ تک وہ نہیں پہنچا ہے کہ جس سے حمل ہو جائے۔ اس سے وطی کرنے کے اعتراف کے باوجود اس کو اپنے پر لازم نہیں کیا۔

حضرت عمر کا یہ قول کہ بچے کو مطلقاً جماع کرنے والے کے ساتھ ملایا جائے گا۔ یہ اس وجہ سے تھا کہ ان کو معلوم ہوا تھا بعض لوگوں سے انکار کرنا جن پر اس کا استحقاق واجب تھا۔ اور ہم بیان کر چکے ہیں کہ جب جماع کرنے والا عزل نہ کرے اور لونڈی کو پاک دامن رکھے تو اس پر بچے کا اعتراف واجب ہو جاتا ہے۔ پس حضرت عمرؓ کو معلوم ہوا تھا کہ لوگ لونڈیوں کی اولاد سے مطلقاً انکار کرتے ہیں۔ تو حضرت عمرؓ نے فرمایا، کہ میں مطلقاً ان کی اولاد کو تم سے ملاؤں گا۔ اور جس کے بارے میں معلوم تھا کہ وہ لونڈی سے عزل کرتا ہے تو اس کو کچھ نہیں کہا۔

یہ جو ہم نے ذکر کیا کہ بچہ کا اس سے عدم لزوم اگر چہ وہ جماع کا اعتراف کرلے، یہ اس وقت تک ہے جب تک قضاءً اس کا کوئی داعی نہ ہو، یعنی بغیر دعویٰ نسب کے اس پر فیصلہ نہیں کیا جائے گا، کہ بچہ اس سے ہے۔ باقی جہاں تک بات ہے دیانت کی تو یہ اس کے اور اس کے رو کا معاملہ ہے۔ چنانچہ امام ابو حنیفہ سے روایت کیا گیا ہے کہ جب اس نے وطی کی ہو، اور عزل نہ کیا ہو، اور

اس لونڈی کو زنا کے شک وشبہ سے پاک رکھا ہو، تو اللہ کی طرف سے بالاجماع اس پر لازم ہے، کہ وہ اس بچے کے نسب کا دعویٰ کر لے۔ کیونکہ اس حالت میں ظاہر یہی ہے کہ وہ اس سے ہے اور ظاہر پر عمل کرنا واجب ہے۔

سبوط میں امام ابو یوسف سے روایت ہے کہ جب آدمی نے لونڈی سے وطی کر لی، اور اس کے بعد اس کا استبراء رحم نہیں کیا یہاں تک کہ اس نے بچہ جن لیا۔ تو اس پر لازم ہے کہ وہ اس کا دعویٰ کر لے چاہے اس نے عزل کیا ہو یا نہ کیا ہو، اس کو پاک دامن رکھا ہو یا نہ رکھا ہو۔ اس پر حسن ظن کی وجہ سے اور اس کے معاملے کو اصلاح پر محمول کرنے کیوجہ سے جب تک کہ اس کے خلاف کچھ ظاہر نہ ہو۔ یہ امام شافعیؒ اور جمہور کے مذہب کی طرح ہے، کیونکہ جس چیز کا سبب ظاہر ہو جائے تو وہ اس پر محمول ہوتا ہے جب تک اس کے خلاف ظاہر نہ ہو۔

امام محمد سے منقول ہے کہ آدمی کو لونڈی کے بچے کا دعویٰ نہیں کرنا چاہیئے جب تک کہ اس کو یہ معلوم نہ ہو کہ وہ بچہ اس سے ہے بلکہ چاہیئے کہ وہ اس بچے کو آزاد کر دے۔ ایضاح میں دونوں کا ذکر استحباب کے الفاظ کے ساتھ ہے۔ ابو یوسف فرماتے ہیں کہ احب ان یدعیه، میں چاہتا ہوں کہ وہ اس کا دعویٰ کر لے اور امام محمد نے فرمایا: احب ان یعتق الولد۔ اور سبوط کی عبارت سے وجوب معلوم ہوتا ہے۔

اُسامہ رضی اللہ عنہ کے متعلق مجزز مدلجی کا قیافہ

۳۳۱۳: وَعَنْهَا قَالَتْ دَخَلَ عَلَى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ ذَاتَ يَوْمٍ وَهُوَ مَسْرُوْرٌ فَقَالَ اَىْ عَائِشَةُ اَلَمْ تَرَىْ اَنَّ مُجَزِّزًا الْمُدْلِجِىَّ دَخَلَ فَلَمَّا رَاٰى اُسَامَةَ وَزَيْدًا وَعَلَيْهِمَا قَطِيْفَةٌ قَدْ غَطَّيَا رُؤُوْسَهُمَا وَبَدَتْ اَقْدَامُهُمَا فَقَالَ اِنَّ هٰذِهِ الْاَقْدَامَ بَعْضُهَا مِنْ بَعْضٍ۔ (متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۵۶/۱۲ الحدیث رقم ۶۷۷۱ ومسلم فی ۱۰۸۲/۲ الحدیث رقم (۳۸-۱۴۵۹) وابوداؤد فی السنن ۶۹۸/۲ الحدیث رقم ۲۲۶۷ والنسائی فی ۱۸۴/۶ الحدیث رقم ۳۴۹۴ وابن ماجه فی ۷۸۷/۲ الحدیث رقم ۲۳۴۹ واحمد فی المسند ۲۲۶/۶۔

ترجمہ: ''اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک دن رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم بہت خوش خوش میرے ہاں تشریف لائے اور فرمایا کہ ''اے عائش! کیا تمہیں معلوم نہیں آج مجزز مدلجی (مسجد نبوی میں) آیا اور جب اس نے اسامہ اور زید (رضی اللہ عنہما) کو اس حال میں دیکھا کہ ان دونوں پر ایک چادر تھی اور ان دونوں نے اپنے سروں کو اس سے ڈھانپا ہوا تھا اور ان کے پاؤں کھلے ہوئے تھے۔ اس نے کہا یہ پاؤں ایک دوسرے کے مطابق ہیں (یعنی یہ پاؤں جن دو آدمیوں کے ہیں وہ آپس میں باپ بیٹے ہیں''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: قوله :دخل علی رسول الله ﷺ ذات یوم ......:

لم تری : حذف نون کے ساتھ ''الم تعلمی'' کے معنیٰ میں ہے۔

مجززا : زاءاول کے شد اور کسرہ کے ساتھ ہے، اور ایک نسخہ میں زاء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

المدلجی : مدلج کی طرف نسبت ہے، میم کے ضمہ دال کے سکون اور لام کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

قطیفة : موٹی چادر کو کہتے ہیں۔

القائف : قائف اس شخص کو کہا جاتا ہے جو والد کی علامات بیٹوں میں تلاش کرتے ہیں اور اس کے علاوہ علامات وآثار۔ یہ ''**قاف اثرہ یقوف**'' سے ماخوذ ہے'' **قفا اثرہ**'' سے مقلوب ہے جیسے ''اُریٰ'' مقلوب ہے ''رأیٰ'' کا۔

وھو مسرور : جملہ حالیہ ہے۔

ای عائشة : ای نداءِ قریب کے لئے ہے۔

رؤوسھما : علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ دلیل ہے کہ اقل جمع دو ہے اور یہ اللہ کے اس قول کے قبیل سے نہیں ہے: [**فقد صغت قلوبکما**]: [التحریم: ٤] کیونکہ کبھی ایک شخص کے بارے میں کہا جاتا ہے، کہ ''**له قلوب**'' باعتبار دواعی کے کیونکہ دل محل دواعی ہے۔ اس بحث کی تحقیق پہلے گزری ہے۔

قیافہ شناسی بنو مدلج اور بنو اسد کی مشہور تھی، یہاں تک کہ عرب ان کی قیافہ شناسی کا اعتراف کرتے تھے۔

ھذہ الاقدام بعضھا من بعض : امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ جاہل اور منافق لوگ حضرت اسامہ بن زید کے نسب میں عیب لگاتے تھے باوجودیکہ ان کو ان کے والد زید کے ساتھ ملایا تھا اور ان کی طرف منسوب کیا تھا۔ کیونکہ وہ بہت کالے تھے اور زید بہت گورے تھے۔ پس جب اس قیافہ شناس نے اس کے نسب کا فیصلہ کر دیا رنگت کے اختلاف کے باوجود تو نبیؐ اس کی وجہ سے بہت خوش ہوئے کیونکہ اہل عرب کے ہاں قیافہ شناس کا قول معتبر تھا۔ آپ ﷺ کو اطمینان ہو گیا کہ اب منافقین ان کے نسب کے بارے میں طعن کرنے کی ہمت نہیں کریں گے۔ اسامہ کی ماں کا نام برکہ تھا اور کنیت ام ایمن تھی وہ حبشی اور کالی تھی۔

قیافہ شناس کے قول کے معتبر ہونے کے بارے میں اختلاف ہے۔ اس کے قول کے معتبر ہونے کے قائلین اس بات پر متفق ہیں کہ اس میں عدالت شرط ہے۔ اور کیا اس میں عدد بھی شرط ہے، یا ایک آدمی بھی کافی ہے؟ تو صحیح یہ ہے کہ ایک پر اکتفاء کرنا درست ہے اس حدیث کی بناء پر۔ (انتھیٰ)۔

اور کہا گیا ہے کہ اس (حدیث) میں قیافہ شناس کے قول پر فیصلے کا جواز ہے۔ اور یہی ائمہ ثلاثہ کا مسلک ہے۔ اس میں امام ابوحنیفہؒ کا اختلاف ہے۔ (ملا علی قاری فرماتے ہیں) کہ اس حدیث میں قیافہ کے علم سے ثبوت نسب کا کوئی ذکر نہیں ہے بلکہ صرف دلیل کے لئے تقویت اور تہمت وگمان کا رفع ہے جیسا کہ دو آدمی چاند دیکھنے کی گواہی دیں، اور ایک نجومی بھی ان کی موافقت اختیار کرلے تو نجومی کا قول کوئی مستقل دلیل نہیں بن سکتا نہ نفی کے لئے اور نہ اثبات کے لئے' دلیل شرعی (یعنی گواہی) کے لئے مقوی بن سکتا ہے۔ پس غور کرلیں۔

قاضی فرماتے ہیں کہ اس میں دلیل ہے انسان میں قیافہ شناس کے قول کے معتبر ہونے کی اور یہ کہ اثبات نسب میں اس کا دخل ہے۔ ورنہ آپ ﷺ اس پر خوش نہ ہوتے اور نہ اس پر نکیر فرماتے۔ چونکہ یہ بات جائز نہیں کہ جن بعض صورتوں میں حق کے موافق ہونے کا احتمال ہو خاص کر کے جب اس کا [illegible] ہونا غیر معتبر ہو اور اس کا غلط ہونا کسی پاک دامن پر تہمت لگا رہا ہو اور

غیر دلیل سے استدلال کرنا بھی درست نہیں ہے۔ یہی مذہب حضرت عمر ابن عباس اور ان کے علاوہ صحابہ کا ہے اور یہی مذہب امام مالک عطاء اوزاعی' امام شافعی، احمد اور اکثر محدثین ہے۔ یہ حضرات فرماتے ہیں کہ جب دو یا دو سے زیادہ آدمی ایک مجہول النسب بچے کے نسب کا دعویٰ کریں اور اس کے پاس کوئی گواہ نہ ہو یا چند مرد ایک عورت کے ساتھ وطی بالشبہ میں شریک ہوئے اور اس عورت سے ایک ایسا بچہ پیدا ہوا جو ان میں سے ہر ایک سے ہوسکتا ہے اور ان کا اختلاف ہوا، تو قیافہ شناس کا فیصلہ جس کے بارے میں ہو، اسی کے ساتھ اس بچے کو ملایا جائے گا۔

اصحاب ابی حنیفہ نے اس کا اعتبار نہیں کیا ہے، بلکہ وہ فرماتے ہیں کہ بچہ ان سب کے ساتھ نسب کے اعتبار سے ملایا جائے گا۔ امام ابو یوسفؒ فرماتے ہیں کہ دو یا تین مردوں سے ملایا جائے گا، اس سے زائد مردوں اور دو عورتوں کے ساتھ نہیں ملایا جائے گا۔ امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ دو عورتوں کے ساتھ بھی ملایا جاسکتا۔ لیکن یہ سارے اقوال ضعیف ہیں۔

ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ جب باندی دو شریکوں کی ہو، اور اس نے بچہ جنا اور ان میں سے ایک نے دعویٰ کیا، تو نسب اسی سے ثابت ہوگا، خواہ وہ باندی بیماری کی حالت میں ہو یا تندرست ہو اور باندی اس کی ام ولد بن جائے گی بالاتفاق۔ اور یہ اپنے شریک کے حصے کا ضامن ہوگا مالداری اور تنگ دستی دونوں حالتوں میں۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اگر دونوں نے ایک ساتھ دعویٰ کیا تو دونوں سے نسب ثابت ہو جائے گا۔ اور باندی دونوں کی ام ولد بن جائے گی' ان میں سے ہر ایک کی ایک دن خدمت کرے گی' جب ان میں سے کوئی ایک مرے گا تو وہ لونڈی آزاد ہو جائے گی۔ اور بیٹا ان میں سے ہر ایک کا وارث ہوگا، کامل بیٹا ہونے کے طور پر۔ اور یہ دونوں اس کے وارث ہوں گے ایک باپ کی حیثیت سے۔ اور جب شریکین میں سے کوئی ایک مر جائے تو بیٹے کی کل میراث دوسرے کی ہوئی۔ اور فرمایا کہ ہمارے قول کے مطابق، ثوری اور اسحٰق بن راہویہ نے بھی کہا ہے، اور شافعی کا قول قدیم بھی یہی ہے۔

احمد نے حدیث قیافہ کو ترجیح دی ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ اس پر تب عمل کیا جائے گا کہ جب قیافہ شناس مفقود ہوں۔

امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ قیافہ شناس کے قول کی طرف رجوع کیا جائے گا۔ اگر قائف نہ پایا جائے تو پھر توقف کیا جائے گا، یہاں تک کہ وہ بچہ بالغ ہو جائے، پھر جسکو وہ چاہے اس کی طرف اس کی نسبت کر دی جائے۔ اگر کسی ایک کی طرف بھی اس کی نسبت نہ کی گئی تو پھر اس کا نسب موقوف رہے گا، والدہ کے علاوہ کسی سے اس کا نسب ثابت نہ ہوگا۔ یہی امام احمدؒ کا قول ہے۔ اور یہی امام مالک نے ''امالی'' میں کہا ہے۔ یہ اس لئے کہ ایک بچے کا نسب دو شخصوں سے ثابت کرنا متعذر ہے' باوجود یہ کہ ہم جانتے ہیں کہ ایک بچہ دو مردوں کے پانی سے پیدا نہیں ہوسکتا، کیونکہ جب ایک سے علوق ہو جائے، تو رحم کا منہ بند ہو جاتا ہے' اور مشابہت پر عمل قائف کے قول سے ثابت ہے۔ جیسا کہ ائمہ ستہ نے اپنی کتب میں روایت کیا ہے، کہ حضرت عائشہؓ فرماتی ہیں: ایک دن رسول اللہ بہت خوش خوش میرے پاس تشریف لائے، اور فرمایا: عائشہ! کیا تمہیں معلوم نہیں کہ آج مجزز مدلجی میرے پاس آیا، میرے پاس اسامہ اور زید اس طرح چادر اوڑھے ہوئے لیٹے تھے کہ ان کے سر چھپے ہوئے تھے، اور پیر کھلے ہوئے تھے۔ تو اس نے کہا کہ ان کے پیر ایک دوسرے کے مطابق ہیں۔ ابوداؤد کہتے ہیں کہ اسامہ کالے تھے، اور زید گورے تھے۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں کہ ہماری دلیل حضرت عمرؓ کا وہ خط ہے جو انہوں نے اس مسئلے کے بارے میں شریح کی طرف لکھا

تھا ذکر کیا جاتا ہے۔ یہ کہ شریح نے حضرت عمرؓ کی طرف یہ دیکھ کر بھیجا کہ ایک باندی دو شریکوں کی ہے، اس نے بچہ جنا ہے، اور دونوں دعویٰ کر رہے ہیں، تو حضرت عمرؓ نے جواب میں لکھا کہ ان دونوں نے اپنا پانی خلط ملط کیا تو ان پر معاملہ خلط ملط ہوا، اگر یہ اپنا پانی الگ رکھتے تو مسئلہ ان کے لئے واضح ہوتا۔ وہ بچہ ان دونوں کا بیٹا ہے، وہ ان دونوں کا وارث ہوگا، اور یہ دونوں اس کے وارث ہوں گے۔ اور جب ان میں سے کوئی ایک مرے گا تو وہ دوسرے کا ہوگا۔ یہ فیصلہ صحابہ کی موجودگی میں ہوا، کسی نے اس پر نکیر نہیں کی۔ لہٰذا یہ اجماع کے قائم مقام ہوا۔

ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ واللہ اعلم کہ اس واقعے کی حقیقت کیا ہے۔ حضرت عمرؓ کے قصے کے بارے میں مشہور بات وہ ہے جو سعد بن منصور نے ذکر کی ہے۔ **قال سعد بن منصور حدیثاً سفیان عن یحیٰی بن سعید عن سلیمان بن یسار عن عمر**: اس عورت کے بارے میں جس کے ساتھ ایک طہر میں دو مردوں نے جماع کیا تھا، تو قیافہ شناس نے کہا کہ اس میں دونوں شریک ہیں تو حضرت عمرؓ نے وہ دونوں کا قرار دیدیا۔

شعبی نے کہا ہے کہ علیؓ فرماتے ہیں کہ وہ ان دونوں کا بیٹا ہے اور وہ دونوں اس کے باپ ہیں، یہ اس بچے کے وارث ہوں گے، اور وہ ان کا وارث ہوگا۔ اس کو سعد نے بھی ذکر کیا ہے۔

اثرم نے اپنی سند کے ساتھ سعید بن مسیب سے روایت کیا ہے' دو مرد ایک عورت کے طہر میں شریک ہوئے یا دو مردوں نے ایک طہر میں وطی کی۔ تو قائف نے کہا کہ یہ دونوں اس میں شریک ہیں۔ پس اس عورت کو حمل ٹھہرا اور پھر بچہ جنا جو دونوں کا شبیہ تھا، یہ فیصلہ حضرت عمرؓ کے پاس لے جایا گیا، تو حضرت عمرؓ نے قیافہ شناسوں کو بلایا اور انہوں نے بچے کو دیکھا اور کہا کہ ہم اس کو دونوں کا مشابہ سمجھتے ہیں۔ حضرت عمرؓ نے وہ بچہ ان دونوں سے ملایا، اور ان کو بچے کا اور بچے کو ان کا وارث ٹھہرایا۔

عبدالرزاق نے عروہ بن زبیر سے روایت کیا ہے کہ دو آدمیوں نے ایک بچے کے نسب کا دعویٰ کیا، تو حضرت عمرؓ نے قیافہ شناس کو بلایا، اور اس مسئلے میں حضرت عمرؓ نے قیافہ شناس کی بصیرت کا اعتبار کیا اور اس کو دونوں میں سے ایک کے ساتھ ملایا۔ عبد الرزاق نے معمر عن ایوب عن ابن سیرین روایت کیا ہے کہ جب عمرؓ نے قیافہ شناس کو بلایا تو انہوں نے بچے میں دونوں کی مشابہت دیکھی اور حضرت عمرؓ نے بھی ان کے مطابق رائے دی۔ اور فرمایا کہ میں جانتا تھا کہ کتیا نہیں جنتی مگر کتا۔ تو ہر بلا اپنے باپ کا ہوتا ہے، لیکن میں یہ نہیں سمجھتا تھا کہ دو پانی ایک بچے میں جمع ہو جاتے ہیں۔ عبدالرزاق نے عن معمر عن قتادۃ نقل کیا ہے کہ حضرت عمرؓ اور قیافہ شناس دونوں نے بچے میں ان دونوں کی مشابہت دیکھی اور فرمایا کہ یہ تم دونوں کے درمیان ہے۔ (یعنی تم دونوں کا ہے) ہے یہ تم دونوں کا وارث بنے گا اور تم اس کے وارث بنو گے۔ قتادہ کہتے ہیں کہ میں نے یہ بات ابن المسیب کے سامنے ذکر کی تو انہوں نے فرمایا، یہ آخری ہے دونوں میں سے۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ صاحب ہدایہ کا قول" **وعن علی مثل ذلك**" اشارہ ہے اس روایت کی طرف جس کو امام طحاوی نے شرح معانی الآثار میں عن سماک عن مولیٰ مخزومی روایت کیا ہے، وہ فرماتے ہیں کہ دو آدمیوں نے ایک طہر میں جماع کیا اور اس باندی کو علوق ہوا۔ پس معلوم نہ ہو سکا کہ یہ کس سے ہے۔ تو وہ حضرت علیؓ کے پاس آئے۔ حضرت علیؓ نے فرمایا کہ وہ بچہ تم دونوں کا ہے وہ تم دونوں کا وارث بنے گا اور تم اس کے وارث بنو گے۔ اور تم میں سے جو باقی ہوگا وہ اس کا ہوگا۔

عبدالرزاق نے حضرت علیؓ کی یہ روایت نقل کی ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ ان کے پاس دو آدمی آئے جنہوں نے ایک عورت کے ساتھ ایک ہی طہر میں وطی کی تھی تو حضرت علیؓ نے فرمایا: ''الولد بینکما وھو للباقی منکما''۔ اس کو بیہقی نے ضعیف قرار دیا ہے۔ بیہقی کہتے ہیں کہ اس کو سماک نے ایک مجہول آدمی سے روایت کیا ہے اور اس کا نام ذکر نہیں کیا ہے۔ اور قابوس سے روایت کیا ہے۔ اور وہ ناقابل استدلال ہے اور حضرت علیؓ سے اس کے برخلاف مرفوعاً مروی ہے۔ پھر انہوں نے ابوداؤد کے طریق سے زید بن ارقم کی روایت نقل کی ہے۔ وہ فرماتے ہیں کہ حضرت علیؓ کے پاس یمن میں تین آدمی لائے گئے، جنہوں نے ایک ہی طہر میں ایک ہی عورت کے ساتھ جماع کیا تھا۔ حضرت علیؓ نے ان میں سے دو سے پوچھا کہ کیا تم اس بچے کا اقرار کرتے ہو؟ تو انہوں نے کہا نہیں یہاں تک کہ سب سے پوچھا، جب بھی وہ دو سے پوچھتے تو وہ کہتے ''نہیں''۔ پس حضرت علیؓ نے ان کے درمیان قرعہ ڈالا، اور بچہ اس کے ساتھ ملایا جس کا قرعہ نکلا۔ اور دو تہائی دیت قرار دیا۔ اس کا ذکر نبیؐ کے سامنے کیا تو آپؐ ہنس پڑے یہاں تک کہ آپؐ کے نواجذ نظر آنے لگے۔ اس کو ابوداؤد نے بھی موقوفاً روایت کیا ہے۔ اور اسی طرح نسائی بھی حضرت علیؓ سے مرفوع سند سے زیادہ عمدہ سند کے ساتھ روایت کیا ہے۔ اسی طرح حمیدی نے روایت کیا ہے اپنی مسند میں، کہ اس کے ساتھیوں پر لونڈی کی قیمت کے دو ثلث کا ضمان لازم کیا۔ یہ زیادہ اچھا ہے اس میں ماقبل روایت کی دیت کا مقصد بھی بیان کیا۔

ماقبل کی روایات کا حاصل یہ ہے کہ آپ علیہ السلام قیافہ شناس کے قول سے خوش ہوئے۔ اور حضرت عمرؓ نے ان کے قول کے موافق فیصلہ کیا۔ اور آپ علیہ السلام نے حضرت علیؓ کے قرعہ کے ذریعے ثابت کرنے پر نکیر نہیں فرمائی۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ اعتماد اس پر ہوگا جو آپ علیہ السلام کی طرف منسوب ہے اور وہ ہے آپؐ کا قیافہ شناس کے قول سے خوش ہونا۔

صاحب ہدایہ نے اس کا یہ جواب دیا ہے، کہ آپ علیہ السلام خوش اس لئے ہوئے تھے کہ کفار حضرت اسامہ کے نسب میں طعن و تشنیع کرتے تھے، وجہ اس کی وہی ہے جو ابوداؤد کی روایت میں گزری کہ اسامہ کالے اور زید گورے رنگ کے تھے۔ اس کی وجہ سے کفار اسامہ کے زید سے ثبوت نسب پر طعن کرتے تھے، اور اس کے ساتھ ساتھ وہ کفار قیافہ شناس کے قول پر اعتقاد رکھتے تھے، تو قیافہ شناس کا قول ان کے طعن کو قطع کرنے والا ہوا۔ پس آپؐ کے خوش ہونے میں کوئی شک نہیں کہ جب اس کے ذریعے ان کا طعن ختم ہوا اور ایک مسلمان کی تکلیف ختم ہوئی۔ اور ان کی بات غلط ثابت ہوئی۔ پھر اس میں یہ بھی احتمال ہے کہ فی نفسہ وہ قیافہ بھی حق ہو۔ تو وہ بھی آپؐ کے خوش ہونے سے متعلق ہو جائے گا، یا حق نہ ہو تو آپ کی خوشی خاص ہو جائے گی، اس کے ساتھ جو ہم نے ذکر کیا۔

ابن ہمام فرماتے ہیں قیافہ کے صحیح ہونے پر لعان والی حدیث سے استدلال کیا گیا ہے کہ آپ علیہ السلام نے فرمایا: کہ اگر اس عورت نے سرخ رنگ باریک پنڈلیوں والا بچہ جنا تو وہ اس کے شوہر کا ہوگا۔ اور اگر مٹیالے رنگ کا موٹی پنڈلیوں والا بڑے کولہوں والا گھنگھریالے بالوں والا جنا، تو وہ اس شخص کا ہوگا، جس پر تہمت لگی ہے۔ تو یہی قیافہ اور شبیہ ہونے پر فیصلہ ہے۔

ہمارے علماء نے اس کا جواب دیا ہے کہ آپ علیہ السلام کی یہ معرفت وحی کے ذریعہ تھی نہ کہ قیافہ شناسی کے ذریعے۔ اور حقیقت یہ ہے کہ یہ حدیث خود ان کے خلاف ہے کیونکہ اگر شریعت میں قیافہ کا اعتبار ہوتا تو پھر لعان صرف اس وقت ہوتا جب بچے کی مشابہت شوہر کے ساتھ نہ ہوتی کیونکہ مشابہت کے وقت حکم شرعی موجود تھا اور وہ بچہ نفی کرنے والے کا بیٹا نہ ہوتا، او

عورت کا اس کو شوہر کی طرف منسوب کرنے کو جھوٹ ثابت کرتا۔

اور یہ جواب بھی دیا گیا ہے کہ آپ علیہ السلام کے قیافہ کے حق ہونے سے یہ لازم نہیں آتا، کہ آپ کے غیر کا قیافہ بھی صحیح ہو۔ لیکن اس جواب میں اشکال ہے۔ کیونکہ قیافہ شناسی امور ظاہرہ کے اعتبار سے ہوتی ہے، اور اس کی پہچان میں تمام لوگ برابر ہوتے ہیں۔

پھر یہ کہ آپ علیہ السلام حضرت علیؓ کے فعل سے خوش ہوئے تھے یعنی قرعہ کے ذریعے بچے کے نسب کو کسی کے ساتھ ملانا۔ اور یہ بعض علماء سے منقول ہے۔

اس کے علاوہ حضرت عمرؓ کا قیافہ شناس کے قول پر عمل رہا، تو یہ کثرتِ طرق کی وجہ سے بہت قوی ہے۔ شریح کا قصہ اس کا معارض نہیں بن سکتا، اس کے مخفی ہونے اور عدم وضاحت کی وجہ سے۔ اگر چہ قیافہ والا قصہ مرسل ہے کیونکہ سلیمان بن یسار نے حضرت عمر سے اس کو مرسلا روایت کیا ہے، اسی طرح عروہ بھی ان سے مرسل نقل کر رہے ہیں۔ اور یہ دونوں امام ہیں جو غیر قوی سے روایت نہیں کرتے، اور اس کے ساتھ ساتھ مرسل روایت ہمارے نزدیک حجت بھی ہے، ہاں عبدالرزاق کی سند میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ سے موصولا ہے، اس لئے کہ سعید بن المسیب نے حضرت عمرؓ سے روایت کیا ہے بالجملہ اس کے ثبوت میں کوئی اختلاف نہیں ہے۔

اور جب حضرت عمرؓ کا قیافہ شناس کے قول پر عمل کرنا ثابت ہوا تو اس سے لازمی طور پر ثابت ہوتا ہے کہ آپ علیہ السلام کے خوش ہونے کا احتمال بھی یہی تھا۔ اور امام شافعیؒ جب ایک بچے کے دو مردوں کی طرف نسبت کرنے کے قائل نہیں ہے تو ان پر لازم ہے کہ وہ یہ اعتقاد رکھیں کہ حضرت عمرؓ کا فعل اپنی رائے سے تھا نہ کہ قیافہ شناسوں کے قول پر پس ان پر دو مردوں سے ثبوت نسب کا قائل ہونا لازم ہو جاتا ہے، کیونکہ یہ محل اجماع میں ہے، اور یہ دو باتوں میں سے ایک لازم کرنے والا ہے۔ یا تو آپ علیہ السلام کی خوشی صرف ان کے طعن کو رد کرنے کے ساتھ متعلق تھی، یا اس کے منسوخ ہونے کو لازم کرتا ہے اور یہی ہم کہتے ہیں، مگر یہ کہ ہم کہتے ہیں کہ وہ بچہ دونوں کے مادے منویہ سے ہوتا ہے جیسا کہ بعض روایات، سے سمجھ میں آتا ہے، کیونکہ دونوں کا مادہ منویہ رحم میں جمع نہیں ہوتا، مگر یکے بعد دیگرے۔ جب یہ فرض کر لیا گیا، کہ وہ ایک سے پیدا ہوا ہے تو دوسرے سے اس کا پیدا ہونا متصور نہیں ہو سکتا، بلکہ یہ پہلے کی قوت سمع اور بصر میں قوت پیدا کرتا ہے، باقی یہ علت بیان کرنا کہ ایک سے علوق کے بعد رحم کا منہ بند ہو جاتا ہے، تو یہ صرف ہمارے قول پر مقصور ہے کہ ہمارے نزدیک حاملہ کو حیض نہیں آتا، اور جو حضرات کہتے ہیں کہ حاملہ کو حیض آتا ہے تو ان کے نزدیک رحم کے منہ بند ہونے کا قول ممکن نہیں۔ پس نسب دونوں سے ثابت ہوگا، باوجود اس حکم کے کہ نفس الامر میں وہ کسی ایک کے نطفہ سے ہے۔

تخریج: اس حدیث کو اصحابِ سنن اربعہ نے بھی روایت کیا ہے۔

غیر باپ کی طرف نسبت کرنے والے پر جنت حرام

٣٣١٤: وَعَنْ سَعْدِ بْنِ اَبِیْ وَقَّاصٍ وَاَبِیْ بَكْرَةَ قَالَا قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنِ ادَّعٰى

اِلٰی غَیْرِ اَبِیْہِ وَھُوَ یَعْلَمُ اَنَّہٗ غَیْرُ اَبِیْہِ فَالْجَنَّۃُ عَلَیْہِ حَرَامٌ. (متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۵٤/۱۲ الحدیث رقم ٦٧٦٦ ومسلم فی ۸۰/۱ الحدیث رقم (۱۱٥٤-٦۳) وابن ماجه فی السنن ۸۷۰/۲ الحدیث رقم ۲٦۱۰ والدارمی فی ٤٤۲/۲ الحدیث رقم ۲۸٦۰ واحمد فی المسند ٤٦/٥۔

ترجمہ: ''اور حضرت سعد بن ابی وقاص رضی اللہ عنہ اور حضرت ابوبکرہ رضی اللہ عنہ دونوں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے اپنے آپ کو اپنے والد کے بجائے کسی دوسرے شخص کی طرف منسوب کیا اس حال میں کہ وہ یہ جانتا بھی ہو کہ یہ میرا باپ نہیں ہے تو اس پر جنت حرام ہے''۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: قوله :من ادعی الی غیر ابیه......:

ادعی :دال کی تشدید کے ساتھ نسبت کرنے کے معنیٰ میں ہے۔

وھو یعلم :جملہ حالیہ ہے ای ''والحال انه یعلم''۔

فالجنة علیه حرام :بعض نسخوں میں ''فالجنة حرام علیه'' ہے لیکن وہ اصول معتمدہ کے خلاف ہے۔

یعنی اگر وہ اس کے حلال ہونے کا عقیدہ رکھتا ہو، یا اس کو بقدر گناہ سزا ملنے سے پہلے اس پر جنت حرام ہے، یا یہ محمول ہے زجر پر، کیونکہ یہ ایک بہت بڑے فساد کی طرف لے جانے والا ہے۔

ابوداؤد کی روایت میں ہے:

''من ادعی الی غیر أبیه او انتصی الی غیر موالیه فعلیه لعنة اللّٰه المتتابعة الی یوم القیامة''.

تخریج: اس کو احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے روایت کیا ہے۔

غیر باپ کی طرف نسبت کفرانِ نعمت ہے

۳۳۱۵: وَعَنْ اَبِیْ ھُرَیْرَۃَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَرْغَبُوْا عَنْ اٰبَائِکُمْ فَمَنْ رَغِبَ عَنْ اَبِیْہِ فَقَدْ کَفَرَ. (متفق علیه)

اخرجه ابوداوٗد فی السنن ٤٥/۱۲ الحدیث رقم ٦٧٦٨ ومسلم فی ۸۰/۱ الحدیث رقم (۱۳-٦۲) واحمد فی المسند ٥۲٦/۲۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''تم (غیر شخص سے اپنا نسب جوڑ کر) اپنے باپ سے اعراض نہ کرو کیونکہ جس شخص نے اپنے باپ سے اعراض کیا (یعنی اس سے اپنے نسب کا انکار کیا) تو اس نے کفر کیا (یعنی درحقیقت کفرانِ نعمت کیا)''۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: وذکر :اور ایک صحیح نسخہ میں '' وقد ذکر'' ہے۔

ما من احد اغیر ...... :امام سیوطیؒ فرماتے ہیں نصب کے ساتھ ''ما'' حجازیہ ہے اور رفع کے ساتھ ''ما'' تمیمیہ ہے۔

فقد کفر : یعنی کفر کے قریب ہوا، یا اس پر کفر کا خطرہ ہے۔
نہایہ میں ہے کہ "**دعوۃ**" کسرہ کے ساتھ نسب کو کہتے ہیں۔ وہ یہ ہے کہ انسان اپنے باپ یا قبیلہ کے علاوہ کسی اور کی طرف اپنی نسبت کرے۔ زمانہ جاہلیت میں لوگ اس طرح کرتے تھے، توان کو منع کیا گیا اور اپنے باپ کے علاوہ کسی اور کی طرف نسبت کرنا جاننے کے باوجود حرام ہے اور جو اس کو جائز سمجھے تو کافر ہو جاتا ہے، اجماع کے مخالفت کی وجہ سے، اور جو اس کو جائز نہ سمجھے تو پھر کفر کے دو مطلب ہیں: ایک تو یہ ہے کہ اس کا یہ فعل کفار کے فعل کا مشابہ ہے۔ دوسرا یہ ہے کہ وہ نعمت اسلام کا ناشکرہ ہے۔
علامہ طیبی فرماتے ہیں کہ **فالجنة علیه حرام** کا معنیٰ پہلے قول کے مطابق تو ظاہر ہے اور دوسرے کے مطابق تغلیظ پر محمول ہے۔

توضیح و تخریج:

ابن ہمام نے اس حدیث کو ان الفاظ سے نقل کیا ہے: "**من ادعی اباً فی الاسلام غیر أبیه وهو یعلم انه غیر أبیه فالجنة علیه حرام**"۔ اور کتاب کے الفاظ الجامع الصغیر کے مطابق ہیں۔

الفصل الثّانی:

خاوند کی طرف بچہ منسوب کرنے والی جنت میں نہ جائے گی

۳۳۱۶: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّهٗ سَمِعَ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ لَمَّا نَزَلَتْ اٰیَةُ الْمُلَاعَنَةِ اَیُّمَا امْرَأَةٍ اَدْخَلَتْ عَلٰی قَوْمٍ مَنْ لَیْسَ مِنْهُمْ فَلَیْسَتْ مِنَ اللّٰهِ فِیْ شَیْءٍ وَلَنْ یُدْخِلَهَا اللّٰهُ جَنَّتَهٗ وَاَیُّمَا رَجُلٍ جَحَدَ وَلَدَهٗ وَهُوَ یَنْظُرُ اِلَیْهِ احْتَجَبَ اللّٰهُ مِنْهُ وَفَضَحَهٗ عَلٰی رُؤُوْسِ الْخَلَائِقِ فِی الْاَوَّلِیْنَ وَالْاٰخِرِیْنَ. (رواہ ابوداود والنسائی والدارمی)

اخرجه ابوداؤد فی السنن ۲/ ۶۹۵ الحدیث رقم ۲۲۶۳ والنسائی فی ۶/ ۱۷۹ الحدیث رقم ۳۴۸۱ وابن ماجه ۲/ ۹۱۶ الحدیث رقم ۲۷۴۳ والدارمی فی ۲/ ۲۰۴ الحدیث رقم ۲۲۳۸۔

ترجمہ: "اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے لعان کی آیت نازل ہونے کے موقع پر نبی کریم ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا کہ "جو عورت کسی (بچہ) کو اس قوم میں داخل کرے جس میں سے وہ نہیں ہے (یعنی کسی عورت نے بدکاری کرائی اور پھر اس بدکاری کے نتیجہ میں بچہ کو جنم دیا اور اس بچہ کو اپنے شوہر کی طرف منسوب کر دیا) تو وہ اللہ کے نزدیک کسی درجہ میں نہیں ہے (یعنی اللہ کے ہاں! اس کی کوئی عزت نہیں ہے) اور اللہ تعالیٰ کو (اپنے مقرب اور نیک بندوں کے ساتھ) ہرگز اپنی جنت میں داخل نہیں کرے گا اور جو شخص اپنے بچہ کا انکار کرے (یعنی اس کی بیوی نے جس بچہ کو جنم دیا ہے۔ اس کے بارے میں یہ کہے کہ یہ میرا بچہ نہیں ہے) حالانکہ وہ اس کی طرف دیکھتا ہے (یعنی وہ جانتا ہے کہ بچہ میرا ہی ہے) تو اللہ تعالیٰ اس سے پردہ کرے گا (یعنی اس کو اللہ کا دیدار

نصیب نہیں ہوگا) اور اللہ تعالیٰ اس کو تمام اگلی پچھلی مخلوق میں رسوا کرے گا (یعنی جب میدانِ حشر میں تمام اگلی پچھلی مخلوق جمع ہوگی تو انکے درمیان اس کو ذلیل و رسوا کرے گا۔)''۔ (ابوداؤد' نسائی' دارمی)

تشریح: قوله :وايما رجل جحد ولده...... :

وهو ينظر اليه : اس میں اس کی قلت شفقت ورحم اور قساوت قلبی کی زیادت کی طرف اشارہ ہے یا اس کا مطلب یہ ہے کہ حالانکہ وہ آدمی اپنے بیٹے کی طرف دیکھ رہا ہے۔ یہ مطلب زیادہ ظاہر ہے۔ اس کی تائید تورپشتی رحمہ اللہ کے اس قول سے ہوتی ہے وہ فرماتے ہیں کہ دیکھنے کا ذکر اس کے فعل کو ثابت کرنے کے لئے ہے۔ اور اس کے گناہ جس کا اس نے ارتکاب کیا ہے اس کے عظیم ہونے کو ثابت کرتا ہے کہ وہ اس کی فرقت پر راضی نہیں ہوا مگر اس وقت کہ جب اس نے اپنے چہرے سے حیاء کا پردہ ہٹایا۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ''وهو ينظر'' یہ ماقبل کے معنیٰ کے لئے تتمہ اور مبالغہ کے طور پر ہے۔

اور بعض نے کہا ہے کہ '' وهو ينظر اليه'' کا معنیٰ ہے کہ اور وہ جانتا ہے، کہ یہ اس کا بیٹا ہے۔ اس صورت میں یہ قید احترازی ہوگی۔

في الاولين والآخرين : علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس میں ایک احتمال تو یہ ہے کہ یہ ''فضحه'' کے لئے ظرف ہو، اور ''على رؤس الخلائق ''ضمیر منصوب سے حال ہو، اور دوسرا احتمال یہ ہے کہ یہ ''من الخلائق'' سے حال مؤکدہ ہو، اس صورت میں تقدیری عبارت یوں ہوگی: على رؤس الخلا ئق اجمعين.

تخریج: اس کو روایت کیا ہے ابن ماجہ نے اپنی سنن میں اور حاکم نے مستدرک میں، اور اس کے آخر میں ''يوم القيامة'' کے الفاظ زائد ذکر کئے ہیں۔

بدکار عورت کو طلاق دیدو

۳۳۱۷: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ لِي امْرَأَةً لَا تَرُدُّ يَدَلَامِسٍ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ طَلِّقْهَا قَالَ اِنِّي اُحِبُّهَا قَالَ فَاَمْسِكْهَا اِذًا (رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالنِّسَائِيُّ وَقَالَ النَّسَائِيُّ رَفَعَهُ اَحَدُ الرُّوَاةِ اِلَى ابْنِ عَبَّاسٍ وَاَحَدُهُمْ لَمْ يَرْفَعْهُ قَالَ وَهٰذَا الْحَدِيْثُ لَيْسَ بِثَابِتٍ).

اخرجه ابوداؤد في السنن ٢/٥٤١ الحديث رقم ٢٠٤٩ والنسائي في ٦/١٦٩ الحديث رقم ٣٤٦٤۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ (ایک دن) ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ ''میری بیوی کسی چھونے والے کے ہاتھ کو جھٹکتی نہیں نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''اسے طلاق دے دو''۔ اس نے عرض کیا'' (یہ ممکن نہیں) کیونکہ میں اس سے (بہت) محبت کرتا ہوں''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تو پھر اس کو اپنے نکاح میں روکے رکھو'' ابوداؤد اور نسائی نے کہا ہے کہ اس روایت کے راویوں

میں سے ایک راوی نے تو اس کو حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تک پہنچایا ہے اور وصل کیا ہے اور ایک راوی نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما تک نہیں پہنچایا ہے اور وصل نہیں کیا ہے نیز نسائی نے کہا ہے کہ یہ حدیث ثابت نہیں ہے (یعنی یہ حدیث متصل نہیں بلکہ منقطع ہے)''۔

تشریح: قوله :ان لی امرأة ...... فامسكها اذاً:

لی : یاء کے فتحہ اور سکون دونوں کے ساتھ ہے۔

امرأة : نصب کے ساتھ ہے، ان کا اسم ہونے کی بناء پر۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ بدکار بیوی کو طلاق دینا اولیٰ ہے، کیونکہ آنحضرت ﷺ نے طلاق دینے کا حکم پہلے دیا اور نگہبانی کرنے کا حکم بعد میں دیا، ہاں اگر کسی وجہ سے طلاق دینا آسان نہ ہو مثلاً اس سے اتنی زیادہ محبت ہو کہ اس کو اپنے سے جدا کرنا ناممکن ہو یا اس کے بطن سے کوئی بچہ ہو، جو ماں کی جدائی کو برداشت نہ کر سکتا ہو، یا اس بیوی کا اپنے اوپر کوئی ایسا قرض ہو، جس کو اداء کرنے پر قادر نہ ہو، تو ایسی صورتوں میں جائز ہے کہ اس کو طلاق نہ دے لیکن یہ شرط ہے کہ وہ اس کو بدکاری سے روکے اور اگر اس کو بدکاری سے نہ روک سکا تو پھر طلاق نہ دینے کی صورت میں گنہگار ہوگا۔

میرک نے ''التصحيح للجزری '' سے نقل کیا ہے کہ اس حدیث کے مطلب میں علماء کا اختلاف ہے۔

ابن الاعرابی فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے کہ وہ بدکاری سے باز نہیں آتی۔

علامہ خطابیؒ فرماتے ہیں کہ مطلب یہ ہے کہ وہ فرمان بردار ہے ہر اس شخص کی جو اس کا ارادہ کرے۔ نسائی نے اپنی سنن میں اس پر باب باندھا ہے، ''باب تزوج الزانية'' کہ یہ باب بدکار عورت کے ساتھ شادی کے بیان میں ہے۔

امام احمد فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب ہے کہ وہ بے وقوف ہے شوہر کا مال دیتی ہے اور اس کے مال سے جو بھی لینا چاہے اس کو کچھ کہتی نہیں ہے۔ یہ مطلب دو وجوہ سے اولیٰ ہے: ایک وجہ تو یہ ہے کہ اگر اس آدمی کا ارادہ یہ ہے کہ یہ زانیہ ہے تو یہ تہمت ہے۔ پس آپؐ اس کو اس پر برقرار نہ رکھتے۔ دوسری وجہ یہ ہے کہ اگر وہ واقعی بدکار ہوتی تو پھر آپ علیہ السلام اس کو اپنے پاس روکنے کا حکم نہ دیتے۔

شرح السنہ میں ہے کہ وہ بات مانتی ہے ہر اس شخص کی جو اس کا ارادہ کرے اور کسی کے ہاتھ کو اپنے سے دور نہیں کرتی۔ تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس مطلب کا احتمال الفاظ میں تو ہے لیکن رسول اللہ ﷺ کا قول ''امسكها'' اس کا انکار کرتا ہے، اور اللہ کی پناہ کہ رسول اللہ ﷺ ایسے عورت کو اپنے پاس رکھنے کی اجازت دیں، جو اپنے آپ کو بدکاری سے نہیں بچاتی۔ چہ جائیکہ اس کو پاس رکھنے کا حکم دیں، بلکہ اس کی توجیہ یہ ہے کہ اس آدمی نے اس عورت کی بے وقوفی اور گھر کی اشیاء کی حفاظت کرنے میں کوتاہی برتنے کی شکایت کی۔ اور جو بھی چاہے اس کے مال کو تو اس پر خرچ کرتی ہے۔

قاضی عیاضؒ فرماتے ہیں کہ یہ توجیہ ضعیف ہے کیونکہ بدکار عورت کو پاس رکھنا حرام نہیں ہے۔ یہاں تک کہ اس کی اجازت نہ دی جائے۔ خاص کر کے جب وہ اس کے ساتھ محبت کرنے والا ہو۔ اس لئے کہ کبھی اس کو اپنے اوپر یہ خوف ہوتا ہے کہ اگر اس کو طلاق دی تو یہ صبر نہ کر سکے گا، تو یہ بھی بدکاری میں واقع ہو جائے گا۔ بلکہ اس پر واجب ہے کہ اس کی تادیب کرے، اور اس کو

بدکاری سے بچانے کی کوشش کرے۔

شرح السنہ میں ہے کہ اس حدیث میں بدکار عورت کے ساتھ نکاح کرنے کے جواز پر دلیل ہے، اگرچہ بہتر اس کے علاوہ ہے اور یہی اکثر اہل علم کا قول ہے۔

تخریج: شیخ جزریؒ فرماتے ہیں کہ حدیث ابن عباس کو ابوداؤدؒ نے روایت کیا ہے، اور اس پر سکوت اختیار کیا ہے۔ منذریؒ کہتے ہیں کہ اس کی سند کے رجال سے صحیحین میں متفق علیہ اور متفرد روایات بھی ہیں۔اھ اس کو شافعیؒ نے مسند میں روایت کیا ہے عن سفيان بن عيينة عن هارون بن زيات عن عبد الله بن عبيد الله بن عمير، قال أتى رجل رسول اللہؐ انہی الفاظ کے ساتھ مرسل روایت کیا ہے۔اور نسائی نے روایت کیا ہے عن عبداللہ بن عبیداللہ بن عمیر عن ابن عباس مسنداً اور کہا ہے کہ یہ ثابت نہیں ہے کلام الشیخ، اھ۔اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کا وصل ثابت نہیں ہے اور مرسل اصح ہے' یہ نہیں کہ اصل حدیث ہی ثابت نہیں ہے۔جیسا کہ مصنف کے کلام سے سمجھ میں آ رہا ہے۔غور کریں۔(اس کو ذکر کیا ہے میرکؒ نے۔)

الحاقِ نسب کا شاندار ضابطہ

۳۳۱۸:وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَضٰى اَنَّ كُلَّ مُسْتَلْحَقٍ اسْتُلْحِقَ بَعْدَ اَبِيْهِ الَّذِىْ يُدْعٰى لَهٗ اِدَّعَاهُ وَرَثَتُهٗ فَقَضٰى اَنَّ كُلَّ مَنْ كَانَ مِنْ اَمَةٍ يَمْلِكُهَا يَوْمَ اَصَابَهَا فَقَدْ لَحِقَ بِمَنِ اسْتَلْحَقَهٗ وَلَيْسَ لَهٗ مِمَّا قُسِمَ قَبْلَهٗ مِنَ الْمِيْرَاثِ شَىْءٌ وَمَا اَدْرَكَ مِنْ مِيْرَاثٍ لَمْ يُقْسَمْ فَلَهٗ نَصِيْبُهٗ وَلَا يُلْحَقُ اِذَا كَانَ اَبُوْهُ الَّذِىْ يُدْعٰى لَهٗ اَنْكَرَهٗ فَاِنْ كَانَ مِنْ اَمَةٍ لَمْ يَمْلِكْهَا اَوْ مِنْ حُرَّةٍ عَاهَرَ بِهَا فَاِنَّهٗ لَايَلْحَقُ وَلَا يَرِثُ وَاِنْ كَانَ الَّذِىْ يُدْعٰى لَهٗ هُوَ الَّذِىْ ادَّعَاهُ فَهُوَ وَلَدُ زِنْيَةٍ مِنْ حُرَّةٍ كَانَ اَوْ اَمَةٍ۔ (رواه ابوداود)

اخرجه ابوداؤد في السنن ٦٩٦/٢ الحديث رقم ٢٢٦٥ وابن ماجه في ٩١٧/٢ الحديث رقم ٢٧٤٦ والدارمي في ٤٨٣/٢ الحديث رقم ٣١١٢ واحمد في المسند ٢١٩/٢۔

ترجمہ: ''اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے اس لڑکے کے بارے میں یہ (حکم دینے کا) فیصلہ کیا کہ جس کا نسب اس کے اس باپ کے مرنے کے بعد کہ جس کی طرف نسبت کی گئی ہے' ملایا گیا ہے اور اس کا دعویٰ اس کے باپ کے وارثوں نے کیا ہے (یعنی مثلاً زید کے مرنے کے بعد اس کے وارثوں نے ایک لڑکے بکر کے بارے میں کہا کہ یہ زید کا بیٹا ہے' لہٰذا یہ بھی ہماری طرح زید کا وارث ہے) تو (اس کے بارے میں آپ ﷺ نے حکم صادر فرمایا کہ) اگر وہ لڑکا (جس کا نسب ملایا گیا ہے) ایسی لونڈی کے بطن سے ہے جو صحبت کے دن اس کے باپ کی ملکیت میں تھی (یعنی اس لونڈی سے اس کے باپ کا جائز طریقہ پر

جماع ہوا ہو) تو وہ بچہ اس شخص کے ورثاء ساتھ نسب میں مل جائے گا۔جس نے اس کو ملایا ہے (یعنی جو وارث اس کو ملائیں گے وہ ان وارثوں میں مل جائے گا اور ان کے ساتھ میراث کا حقدار ہوگا بایں طور کہ اگر اس کو سبھی وارث ملائیں گے تو سب کے حق میں وارث ہوگا اور اگر بعض وارثوں نے ملایا ہوگا تو انہی بعض کے حق میں وارث ہوگا) اور جو میراث اس کو ورثاء میں شامل ہونے سے پہلے تقسیم ہو چکی ہوگی اس سے وہ محروم ہوگا ہاں جو میراث ابھی تک تقسیم نہیں ہوئی اس میں سے اس کو حصہ ملے گا اور اگر وہ لڑکا ایسا ہو کہ اس کی نسبت جس باپ کی طرف کی جاتی ہے اس نے اس کا انکار کر دیا تھا (یعنی اس باپ نے اپنی زندگی میں اس کے اپنا بیٹا ہونے کا انکار کر دیا تھا) تو وہ لڑکا اس کے مرنے کے بعد وارثوں کے ملانے سے نہیں ملے گا اور اس باپ کا وارث نہیں ہوگا اسی طرح اگر وہ لڑکا کسی ایسی لونڈی کے بطن سے ہو جو صحبت کے دن اس باپ کی ملکیت میں نہ رہی ہو (یعنی اس نے کسی دوسرے شخص کی لونڈی سے زنا کیا تھا اور اس زنا کے نتیجہ میں یہ لڑکا پیدا ہوا تھا) یا کسی ایسی آزاد عورت کے بطن سے ہو جس سے اس کے باپ نے زنا کیا تھا تو وہ لڑکا اس باپ کے وارثوں میں شامل نہیں کیا جائے گا اور نہ اسے میراث ملے گی اگر چہ خود اس شخص (یعنی باپ) نے کہ جس کی طرف اس لڑکے کی نسبت کی جاتی ہے اس کا دعویٰ کیا ہو۔(یہ جملہ گویا پہلے حکم کی تاکید کے طور پر ہے کہ وہ لڑکا ولد الزنا ہو تو اس کو اس باپ یعنی زانی کے وارثوں میں شامل کرنا جائز نہیں کیونکہ اگر خود وہ زانی اپنی زندگی میں اس کے نسب کا دعویٰ کرتا ہے کہ یہ میرا بیٹا ہے تب بھی اس کے ساتھ اس لڑکے کا نسب نہ ملتا چہ جائیکہ اس کے مرنے کے بعد اس کے وارث اس لڑکے کو اپنے میں شامل کریں) لہٰذا وہ لڑکا ولد الزنا (یعنی حرامی) ہے خواہ وہ لونڈی کے بطن سے ہو یا آزاد عورت کے پیٹ سے پیدا ہوا ہو"۔(ابوداؤد)

تشریح: قوله ان النبی ﷺ قضی ان کل مستلحق......

هو ادعاه: ایک نسخہ میں **هو الذی ادعّاه** دال کے شد کے ساتھ ہے۔

مستلحق: حاء کے فتحہ کے ساتھ وہ شخص جس کو ورثاء اپنے ساتھ ملانے کا دعویٰ کریں۔**استلحقه** کا معنیٰ ہے **ادعاه**۔

یدعی: تخفیف کے ساتھ ہے۔

قسم: صیغہ مجہول کے ساتھ ہے۔

ولا یلحق: یاء کے فتحہ کے ساتھ اور ایک نسخہ میں ضمہ کے ساتھ ہے۔

زنیة: زاء کے کسرہ اور نون کے سکون کے ساتھ ہے۔

استلحق: صیغہ مجہول کے ساتھ "مستلحق" کیلئے صفت ہے۔

ادعاه ورثته: "ان" کی خبر ہے۔اور **فقضی** میں 'فا' تفصیلیہ ہے تقدیری عبارت یوں ہے: **فاراد رسول اللّٰه ان یقضی فقضی** جیسا کہ [**فتوبوا الی بارئکم فاقتلوا أنفسکم**] [البقرة:٥٤] میں ہے۔اور بعض نے کہا ہے کہ "**ادعاه**" **مستلحق** کے لئے صفت ثانی ہے۔اور 'اِن' کی خبر محذوف ہے۔جو کہ 'من کان' ہے جس پر مابعد دلالت کر رہا ہے۔

وان کان الذی......: میں ان وصلیہ ہے ماقبل کے لئے تاکید اور مبالغہ ہے۔

خطابیؒ کہتے ہیں کہ یہ وہ احکام ہیں جو شروع زمانہ اسلام میں آنحضرتؐ نے نافذ فرمائے تھے، اور وہ یہ ہیں کہ جب ایک آدمی مرجائے اور اس کے ورثاء نے ایک بچے کو اس کے ساتھ ملانے کا دعویٰ کر دیا، پس اگر وہ آدمی جس کی وفات کے بعد ورثاء نے بچے کی نسبت اس کی طرف کی ہے اس نے اپنی زندگی میں اس لڑکے کے نسب کا انکار کر دیا ہو تو وہ لڑکا ورثاء کے ساتھ شامل نہ ہوگا اور نہ ہی اس کا وارث ہوگا۔ اور اگر اس نے انکار نہ کیا ہو، اور وہ لڑکا ایسی لونڈی کے بطن سے ہو جو اس کی ملکیت میں رہی ہو تو یہ لڑکا صرف اس میراث میں حصہ دار ہوگا جو ابھی تقسیم نہیں ہوئی ہے' جو میراث اس دعویٰ سے پہلے تقسیم ہوئی ہے اس میں سے اسے کوئی حصہ نہیں ملے گا۔ اگر وہ لڑکا ایسی لونڈی کے بطن سے ہو مثلاً جو زید کی ملکیت میں نہیں تھی جیسا کہ زمعہ کے بیٹے کے بارے میں گزر چکا ہے یا کسی ایسی آزاد عورت کے بطن سے ہو جو اس کے نکاح میں نہ تھی یعنی وہ لڑکا اس کے زنا کے نتیجہ میں پیدا ہوا ہو تو اس میں نہ وہ اس کی طرف منسوب ہوگا اور نہ اس آدمی کے میراث میں اس کو حصہ ملے گا۔ بلکہ اگر یہ آدمی اپنی زندگی میں یہ چاہے کہ اس کے ساتھ اپنا نسب جوڑ کر اس کو اپنے وارثوں میں شامل کرے تو بھی وہ شامل نہیں کیا جائے گا۔ کیونکہ ولد الزنا کا نسب زانی سے ثابت نہیں ہوتا۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کا مطلب یہ ہے کہ جب آدمی کی بیوی ہو یا لونڈی ہو اور وہ مدت امکان کے اند بچہ جنے تو وہ بچہ اس آدمی کا بیٹا ہوگا، اور ان کے مابین میراث اور دیگر احکام جاری ہوں گے، چاہے شکل وصورت میں اس کے ساتھ موافق ہو یا مخالف ہو۔ (اس کو سیوطی رحمہ اللہ نے نقل کیا ہے۔)

بعض تکبر و غیرت اللہ کو پسند اور بعض ناپسند

۳۳۱۹: وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَتِيْكٍ اَنَّ نَبِيَّ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مِنَ الْغَيْرَةِ مَا يُحِبُّ اللّٰهُ وَمِنْهَا مَا يُبْغِضُ اللّٰهُ فَاَمَّا الَّتِيْ يُحِبُّهَا اللّٰهُ فَالْغَيْرَةُ فِي الرِّيْبَةِ وَاَمَّا الَّتِيْ يُبْغِضُهَا اللّٰهُ فَالْغَيْرَةُ فِيْ غَيْرِ رِيْبَةٍ وَاِنَّ مِنَ الْخُيَلَاءِ مَا يُبْغِضُ اللّٰهُ وَمِنْهَا مَا يُحِبُّ اللّٰهُ فَاَمَّا الْخُيَلَاءُ الَّتِيْ يُحِبُّ اللّٰهُ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَا خْتِيَالُ الرَّجُلِ عِنْدَ الْقِتَالِ وَاخْتِيَالُهُ عِنْدَ الصَّدَقَةِ وَاَمَّا الَّتِيْ يُبْغِضُ اللّٰهُ فَاخْتِيَالُهُ فِي الْفَخْرِ (وَ فِيْ رِوَايَةٍ) فِي الْبَغْيِ۔ (رواه احمد وابوداود والنسائی)

اخرجه ابو داؤد فی السنن ۱۱٤/۳ الحديث رقم ۲۶۵۹ والنسائی فی ۷۸/۵ الحديث رقم ۲۵۵۸ والدارمی فی ۲۰۰/۲ الحديث رقم ۲۲۲۶ واحمد فی المسند۵/٤٤٥۔

ترجمہ: اور حضرت جابر بن عتیک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: (اپنی بیوی اور لونڈی کے بارے میں) غیرت کی ایک قسم ایسی ہے جس کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور غیرت کی ایک قسم ایسی ہے جس کو اللہ ناپسند فرماتا ہے۔ چنانچہ جس غیرت کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے وہ شک وشبہ کی جگہ پیدا ہونے والی غیرت ہے (مثلاً بیوی یا لونڈی غیر مردوں کے سامنے آتی ہے یا غیر مرد اس کے پاس آتے ہیں اور وہ ان سے ہنسی مذاق کرتی ہے تو اس

موقع پر شوہر جو غیرت محسوس کرتا ہے اس کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور جس غیرت کو اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے وہ غیرت ہے جو کسی شک وشبہ کی وجہ کے بغیر پیدا ہوئی ہو (مثلاً کسی قرینہ وسبب کے بغیر شوہر کے دل میں بیوی کے کردار کے بارے میں بدگمانی پیدا ہو جائے اور پھر اس پر غیرت محسوس کرے) اسی طرح تکبر کی ایک قسم ایسی ہے جس کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے اور تکبر کی ایک قسم ایسی ہے جس کو اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتا ہے۔ چنانچہ جس تکبر کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتا ہے وہ لڑائی کے وقت آدمی کا تکبر کرنا ہے (یعنی جہاد میں جب کفار سے مقابلہ ہو تو اپنی قوت و برتری اور کفار کی حقارت وکمتری کے اظہار کے لئے خوب اکڑے اور اپنی بڑائی وشجاعت کو بڑے فخر وغرور کے ساتھ ظاہر کرے) اور وہ تکبر بھی اللہ تعالیٰ کو پسند ہے جو (اللہ کی راہ میں) صدقہ دینے کے سلسلہ میں ہو (یعنی جب صدقہ وخیرات دے تو خوش دلی اور بے پروائی کے ساتھ دے اور زیادہ سے زیادہ دینے کو بھی تھوڑا جانے) اور جس تکبر کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے وہ (اپنے نسب پر) فخر کا تکبر ہے اور ایک روایت میں (فی الفخر کی بجائے) في البغي ہے یعنی جس تکبر کو اللہ تعالیٰ ناپسند کرتا ہے وہ ظلم کا تکبر ہے (یعنی وہ تکبر جو بلا کسی حق استحقاق کیا جائے جس کی کئی صورتیں ہو سکتی ہیں)''۔ (احمد' ابوداؤد' نسائی)

تشریح: قوله :من الخيرة ما ...... فالغيرة في غير ريبة:

في غير ريبة :ایک نسخہ میں'' من غير ريبة'' ہے۔

عتيك : عین کے فتحہ اور تاء کے کسرہ کے ساتھ ہے، اور تاء کے بعد یاء ہے۔

الغيرة : غین کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ (الريبة :راء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

الخيلاء : خاء کے ضمہ اور یاء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ نہایہ میں ہے کہ'' خيلاء'' ضمہ اور کسرہ کے ساتھ کبر اور عجب کو کہتے ہیں۔

فاما التي يحبوا الله : یہ ماقبل کی تفصیل ہے لف نشر مرتب کے طور پر۔

فاما الخيلاء التي يحب الله : یہ تفصیل ہے ماقبل کے لئے لف ونشر مشوش کے طریقے پر' جیسے اس آیت میں ہے:

﴿يوم تبيض وجوه وتسود وجوه فاما الذين اسودت وجوههم﴾ [آل عمران :١٠٦] ''جس دن بہت سے منہ سفید ہوں گے اور بہت سے سیاہ تو جن لوگوں کے منہ سیاہ ہوں گے (ان سے خدا فرمائے گا) کیا تم ایمان لا کر کافر ہو گئے تھے؟ سو (اب) اس کفر کے بدلے عذاب (کے مزے) چکھو''۔

فاما التي يحبها الله : یعنی جس غیرت کو اللہ تعالیٰ پسند فرماتے ہیں وہ شک وشبہ کی جگہ پیدا ہونے والی غیرت ہے۔ مثلاً بیوی یا لونڈی غیر مردوں کے سامنے آتی ہے، یا غیر مرد اس کے پاس آتے ہیں اور وہ ان سے ہنسی مذاق کرتی ہے۔ اور جس غیرت کو اللہ تعالیٰ ناپسند فرماتے ہیں وہ غیرت ہے جو کسی شک وشبہ اور قرینہ کے بغیر پیدا ہو۔

فا ختيال الرجل عند القتال : یعنی جہاد میں جب کفار سے مقابلہ ہو، تو اپنی قوت وبرتری اور کفار کی حقارت وکمتری کے اظہار کے لئے خوب اکڑے اور اپنی لڑائی اور شجاعت کو بڑے فخر وغرور کے ساتھ بیان کرے۔ جیسا کہ آپ ؐ نے فرمایا'' أنا

النبی لا کذب أنا ابن عبد المطلب" کہ میں نبی ہوں، جھوٹا نہیں میں عبدالمطلب کا بیٹا ہوں۔

واختیاله عند الصدقة : یعنی جب صدقہ وخیرات دے تو خوش دلی اور بے پروائی کے ساتھ دے اور زیادہ سے زیادہ دینے کو بھی تھوڑا سمجھے اور بعض نے کہا ہے کہ اگر وہ زیادہ صدقہ کر دے اپنے نفس سے کہے کہ میں مالدار ہوں اللہ پر بھروسہ اور توکل ہے، پس مجاہدہ بدن اور مجاہدہ مال کے وقت تکبر محمود ہے۔

فی الفخر: یعنی یہ کہتا پھرے کہ مجھے نسب میں برتری اور امتیاز حاصل ہے، حالانکہ ارشاد ربانی ہے:﴿ان اکرمکم عند اللہ اتقاکم﴾[الحجرات۔۱۳]" اللہ تعالیٰ کے نزدیک تم میں سے زیادہ بزرگ وہ شخص ہے جو تم میں سے زیادہ متقی ہے"۔

مشکوٰۃ کے ایک نسخہ میں "فی الفخر" کی بجائے "فی الفقر" ہے، یعنی جس فقر کو اللہ ناپسند کرتا ہے وہ فقر کا تکبر ہے۔ مطلب یہ ہے کہ خدا کو یہ بات پسند نہیں ہے کہ کوئی شخص حالت فقر میں اپنی قناعت اور اپنے صبر و توکل پر تکبر کرے۔ چنانچہ یہ تکبر اس تکبر سے بدتر ہے جو اپنے غنا اور اپنی ثروت پر کیا جاتا ہے۔ فقر کا تکبر اس وقت ناپسند ہے کہ جب وہ فقراء کے مقابلہ میں کیا جائے۔ ہاں اگر وہ تکبر امراء اور اغنیاء کے مقابلہ میں ہو تو وہ اچھا ہے۔ کیونکہ ایسے تکبر کو "صدقہ" کہا گیا ہے۔

الفصل الثّالث:

اسلام میں جاہلیت والا انتساب نہیں

۳۳۲۰: وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ قَالَ قَامَ رَجُلٌ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ فُلَانًا ابْنِيْ عَاهَرْتُ بِاُمِّهٖ فِي الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا دِعْوَةَ فِي الْاِسْلَامِ ذَهَبَ اَمْرُ الْجَاهِلِيَّةِ اَلْوَلَدُ لِلْفِرَاشِ وَلِلْعَاهِرِ الْحَجَرُ. (رواہ ابوداود)

اخرجه ابو داوٗد فی السنن ۲/ ۷۰٦ الحدیث رقم ۲۲۷٤۔

ترجمہ: "حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد (حضرت شعیبؒ سے) اور حضرت شعیبؒ اپنے داد (حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص (مجلس نبوی میں) کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا کہ "یا رسول اللہ! فلاں میرا لڑکا ہے میں نے زمانۂ جاہلیت میں اس کی ماں کے ساتھ زنا کیا تھا"۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اسلام میں (بچے کے نسب) کا دعویٰ نہیں (یعنی یہ بات زمانۂ جاہلیت ہی کے ساتھ مخصوص تھی اور جو بچہ زنا کے نتیجہ میں پیدا ہوا کرتا تھا اس کا نسب زانی اپنے ساتھ جوڑ لیتا تھا) اب جاہلیت کے معاملات ختم ہو گئے۔ بچہ صاحب فراش کا ہے اور زانی کیلئے پتھر (یعنی محرومی یا سنگساری) ہے"۔ (ابوداؤد)

تشریح: قوله :ان فلانا ابنی عاهرت:

لا دعوة : دال کے کسرہ کے ساتھ دعویٰ نسب مراد ہے۔

ابنی: "ان" کی خبر ہے، اور "عاهرت......" جملہ مستانفہ ہے اثبات دعویٰ کے لئے۔

تخريج: اخرجه الشيخان والاربعة من طرق.

چار قسم کی عورتوں پر لعان نہیں

۳۳۲۱: وَعَنْهُ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَرْبَعٌ مِنَ النِّسَاءِ لَا مُلَاعَنَةَ بَيْنَهُنَّ النَّصْرَانِيَّةُ تَحْتَ الْمُسْلِمِ وَالْيَهُوْدِيَّةُ تَحْتَ الْمُسْلِمِ وَالْحُرَّةُ تَحْتَ الْمَمْلُوْكِ وَ الْمَمْلُوْكَةُ تَحْتَ الْحُرِّ.

(رواه ابن ماجة)

اخرجه ابن ماجه في ۶۷۰/۱ الحديث رقم ۲۰۷۶۔

ترجمہ: "اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "چار طرح کی عورتیں ہیں کہ ان کے (اور ان کے شوہروں کے) درمیان لعان نہیں ہوتا۔ ایک تو وہ نصرانیہ (یعنی عیسائی عورت) جو کسی مسلمان کے نکاح میں ہو اور دوسری وہ یہودیہ (یعنی یہودی عورت) جو کسی مسلمان کے نکاح میں ہو اور تیسری وہ آزاد عورت جو کسی غلام کے نکاح میں ہو اور چوتھی وہ لونڈی جو کسی آزاد کے نکاح میں ہو"۔ (ابن ماجہ)

تشریح: قوله: لا ملاعنة بينهن: عفیف کے نسخہ میں اس کے بعد ہے: وبين ازواجهن کے الفاظ ہیں۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس تقدیری عبارت کا ہونا ضروری ہے۔ اس لئے کہ النصرانية تحت المسلم...... اس کے لئے تفصیل ہے۔

شرح الوقایہ میں ہے اگر شوہر قاذف غلام ہو یا کافر ہو یا اس کو پہلے حد قذف لگی ہو (یہ اپنی بیوی پر تہمت لگائے تو) ان کے درمیان لعان نہ ہوگا (کیونکہ لعان کے لئے اہلیت شہادۃ ضروری ہے)۔ اور اگر شوہر گواہی کا اہل ہے لیکن بیوی لونڈی ہے یا کافرہ ہے یا اس کو تہمت میں حد لگی ہے یا نابالغہ ہے، یا پاگل ہے یا زانیہ ہے تو اس صورت میں تہمت لگانے والے شوہر پر نہ حد لگے گی اور نہ ہی ان کے درمیان لعان ہوگا۔

تخریج: اس حدیث کو ابن ماجہ نے اپنی سنن میں ابن عطاء عن ابیہ عطاء الخراسانی، عن عمرو بن شویب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے مرفوعاً روایت کیا ہے۔ اور دارقطنی نے عثمٰن بن عبدالرحمٰن الرقاشی عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے ان کا قول نقل کیا ہے مگر مرفوعاً ذکر نہیں کیا ہے۔ پھر اسی طرح اس کی تخریج کی ہے موقوفاً پھر عمار بن مطر عن عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ کی سند سے اسی طرح ذکر کیا ہے۔ اور اس کے راویوں کو ضعیف قرار دیا ہے۔ آپ جانتے ہیں کہ ضعیف حدیث کے جب طرق متعدد ہوں تو وہ قابل حجت ہوتی ہے۔ اور یہ روایت بھی اسی طرح ہے۔ (ابن ہمام نے اسی طرح ذکر کیا ہے۔)

لعان کو حتی الامکان ٹالنے کی کوشش

۳۳۲۲:وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَرَ رَجُلاً حِيْنَ اَمَرَ الْمُتَلاَعِنَيْنِ اَنْ يَتَلاَعَنَا اَنْ يَّضَعَ يَدَهُ عِنْدَ الْخَامِسَةِ عَلٰى فِيْهِ وَقَالَ اِنَّهَا مُوْجِبَةٌ. (رواه النسائى)

اخرجه ابوداوٗد فى السنن ٦٨٨/٢ الحديث رقم ٢٢٥٥ والنسائى فى ١٧٥/٦ الحديث رقم ٣٤٧٢۔

ترجمہ:''اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ (ایک مرتبہ) جب نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے دو لعان کرنے والے (یعنی میاں بیوی لعان کر رہے تھے تو نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے ایک شخص کو حکم دیا کہ وہ پانچویں گواہی کے وقت لعان کرنے والے کے منہ پر ہاتھ رکھ دے اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ (وہ پانچویں گواہی) واجب کرنے والی ہے''۔ (نسائی)

تشریح: قوله :ان النبى ﷺ امر رجلا......

ان يتلا عنا :یہ متعلق ہے ''امر'' کے۔

ان يضع يده :یہ متعلق ہے ''امر'' کے۔

ظاہر یہ ہے کہ یہ اس آدمی کو تلقین ہے کہ وہ منہ پر ہاتھ رکھ کر یہ کہے۔اور یہ بھی ممکن ہے کہ'' قال'' کی ضمیر آپ کی طرف راجع ہو،اور جملہ بتقدیر ''قد'' حال ہو۔

مجھے شیطان سے محفوظ کر دیا گیا ہے

۳۳۲۳:وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ خَرَجَ مِنْ عِنْدِهَا لَيْلاً قَالَتْ فَغِرْتُ عَلَيْهِ فَجَاءَ فَرَأٰى مَا اَصْنَعُ فَقَالَ مَالَكِ يَا عَائِشَةُ اَغِرْتِ فَقُلْتُ مَالِيَ لَا يُغَارُ مِثْلِي عَلٰى مِثْلِكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَقَدْ جَاءَ كِ شَيْطَانُكِ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمَعِيَ شَيْطَانٌ قَالَ نَعَمْ قُلْتُ وَمَعَكَ يَا رَسُوْلَ لِلّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ نَعَمْ وَلٰكِنْ اَعَانَنِي اللّٰهُ عَلَيْهِ حَتّٰى اَسْلَمَ ـ (رواه مسلم)

اخرجه مسلم فى صحيحه ٢١٦٨/٤ الحديث رقم(٧٠-٢٨١٥) واحمد فى المسند١١٥/٦۔

ترجمہ:''اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے بارے میں منقول ہے کہ (ایک مرتبہ شعبان کی پندرھویں) رات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم ان کے پاس سے اٹھ کر چلے گئے تو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے جانے کے بعد) پھر جب مجھے غیرت آ گئی (یعنی میں جذباتی ہوگئی) پھر جب آپ صلی اللہ علیہ وسلم واپس تشریف لائے اور میں جس کیفیت میں مبتلا تھی اس کو دیکھا تو فرمایا کہ''اے عائشہ! تمہیں کیا ہوا؟ کیا تم مجھ پر غیرت کرتی ہو؟ میں نے عرض کیا کہ'' مجھے

کیا ہے کہ بھلا میرے جیسی عورت کو آپ صلی اللہ علیہ وسلم جیسے مرد پر غیرت نہ آئے گی؟'' رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''دراصل تمہارے پاس تمہارا شیطان آ گیا ہے (یعنی شیطان نے تمہیں شک وشبہ میں مبتلا کر دیا ہے) میں نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم! کیا میرے ساتھ شیطان ہے؟ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ''ہاں''۔ میں نے کہا ''یا رسول اللہ! کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے ساتھ بھی ہے؟'' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا: ہاں' لیکن اللہ تعالیٰ نے اس کے خلاف میری مدد فرمائی ہے۔ یہاں تک کہ میں اس (کے وسوسہ) سے سالم (محفوظ) رہتا ہوں یا (حَتّٰی اَسْلَمَ) کا ترجمہ یہ ہے کہ یہاں تک کہ وہ مسلمان ہو گیا ہے یعنی میرا تابع ہو گیا ہے''۔ (مسلم)

تشریح: **قوله :لا يغار مثلي عيل مثلك**:

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ''**لا يغار**'' حال ہے مجرور سے اور ''**مثل**'' کو ضمیر کی جگہ رکھا ہے جو ضمیر ذوالحال کی طرف راجع ہے اور یہ عرب کے اس قول کی طرح ہے: **مثلك يجود** یعنی **انت تجود**.

لا يغار مثلي...... :یعنی مجھ جیسی عورت آپ جیسے مرد پر کیسے غیرت نہ کرے؟ یعنی اگرچہ مجھے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی بے پناہ محبت حاصل ہے لیکن میری سوکنیں بھی ہیں اور پھر آپ تمام ظاہری اور باطنی کمال سے متصف ہیں، اور پھر وہ اس وقت میں اس جیسی عورت کے ہاں سے نکلا ہو۔

لقد جاء ك شيطانك...... : اس میں اشارہ ہے جابر بن عتیک کی گزری ہوئی حدیث کی طرف، جس میں ہے: ''**اما التي يبغضها الله فالغيرة من غير ريبة**'' یعنی تم مجھ پر کیسے غیرت کر رہی ہو اور مجھے سمجھ رہی ہو کہ میں تم پر ظلم کروں گا یعنی یہ موقع شک کرنے کا نہیں ہے۔

أمعي شيطان : یعنی باوجود یہ کہ میں آپ کی حمایت اور رعایت میں ہوں۔ (**اعانني الله عليه** :یعنی بچا لیا جیسا کہ اللہ کا ارشاد ہے: ﴿**ان عبادی ليس لك عليهم سلطان**﴾[الحجر: ۴۲]: (بے شک میرے بندوں پر تیرا ذرا بھی بس نہ چلے گا)۔

حتى اسلم : اس فعل کے بارے میں دو احتمال ہیں: ① مضارع متکلم کا صیغہ ہے، اس صورت میں ترجمہ ہوگا: میں اس کے وسوسوں سے محفوظ ہوں۔

یا ماضی کا صیغہ ہے اور ضمیر مستتر شیطان کی طرف راجع ہے وہ میرا تابع بن گیا ہے۔ وہ مجھ سے چھیڑ چھاڑ نہیں کرتا۔

بَابُ الْعِدَّةِ

عدت کا بیان

لغت میں عدت کا معنٰی ہے "شمار کرنا"۔ کہا جاتا ہے: عددت الشيء عدت بمعنٰی "احصيته احصاء" اور اس کا اطلاق "معدود" (جس کو شمار کیا جائے) پر بھی ہوتا ہے۔

اصطلاحِ شریعت میں عدت کہتے ہیں اس انتظار کو جو عورت پر لازم ہو، اس نکاح کے ختم ہونے پر جو دخول کے ساتھ مؤکدہ ہو۔ یا جو اس کا قائم مقام (کے ساتھ مؤکد) ہو۔ جیسے خلوت صحیحہ اور موت۔

ابن ہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ تعریف میں شبہ نکاح کی قید بھی زیادہ کرنی چاہیئے۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ گویا کہ فقہاء نے نکاح سے مراد حقیقی اور حکمی مراد لیا ہے اور وہ معلوم بات ہے کہ طلاق قبل الدخول سے عدت لازم نہیں ہوتی۔ بوجہ اللہ کے اس ارشاد کے:

﴿ يَاأَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا إِذَا نَكَحْتُمُ الْمُؤْمِنَاتِ ثُمَّ طَلَّقْتُمُوهُنَّ مِنْ قَبْلِ أَنْ تَمَسُّوهُنَّ فَمَا لَكُمْ عَلَيْهِنَّ مِنْ عِدَّةٍ تَعْتَدُّونَهَا فَمَتِّعُوهُنَّ وَسَرِّحُوهُنَّ سَرَاحًا جَمِيلًا﴾ [الاحزاب:۴۹] "مؤمنو! جب تم مومن عورتوں سے نکاح کر کے ان کو ہاتھ لگانے (یعنی ان کے پاس جانے) سے پہلے طلاق دے دو تو تم کو کچھ اختیار نہیں کہ ان سے عدت پوری کراؤ ان کو کچھ فائدہ (یعنی خرچ) دے کر اچھی طرح سے رخصت کردو۔"

عرضِ مرتب:

جیسا کہ ابھی اوپر بیان کیا گیا کہ لغت میں عدت گننے اور شمار کرنے کو کہتے ہیں۔ مگر شریعت میں عورت کے اس ٹھہرنے کو کہا جاتا ہے جو خاوند کے مرجانے یا زوال نکاح یا طلاق کے بعد دوسری جگہ نکاح سے پہلے ٹھہرتی ہے اور عدت اس نکاح کے زوال پر ہوتی ہے جس میں صحبت یا اس کے قائم مقام خلوت صحیحہ واقع ہوئی ہو۔ یا اس چیز کے زوال پر وہ ٹھہرنا ہو جو نکاح کے مشابہ ہے۔

① ایام مقررہ: یعنی اگر آزاد عورت کو خاوند نے طلاق دی یا اس سے نکاح فسخ ہوا اور اس کو حیض آتا ہے تو اس کی عدت تین حیض ہوگی اسی طرح وہ عورت جس سے شبہ میں صحبت واقع ہوئی۔ یا نکاح فاسد جیسے نکاح موقت وغیرہ کی وجہ سے صحبت ہوئی اور اب تفریق کرادی گئی یا خاوند بلا تفریق مرگیا یا وہ ام ولد تھی مگر وہ آزاد کردی گئی یا آقا کے مرجانے پر خود آزاد ہوگئی تو ان سب عورتوں کی عدت بھی تین حیض ہوگی جب کہ حیض آتا ہو۔ البتہ وہ حیض جس میں طلاق دی گئی وہ گنتی میں شامل نہ ہوگا۔

② اگر حیض نہیں آتا خواہ کم عمری کی وجہ سے یا زیادہ عمر کی وجہ سے یا بانجھ ہوجانے کی وجہ سے تو ان کی عدت تین ماہ ہوگی۔

③ جس کا خاوند فوت ہوجائے اس کی عدت چار ماہ دس دن ہوگی جب کہ وہ حاملہ نہ ہو۔

④ اگر خاوند اپنی بیوی کو جو کسی کی لونڈی ہو طلاق دے اور اسے حیض آتا ہو تو اس کی عدت دو حیض ہے اور اگر لونڈی کو حیض نہ آتا ہو تو عدت ڈیڑھ ماہ ہوگی اور اگر اس کا خاوند مر جائے تو عدت دو ماہ پانچ دن ہوگی۔

⑤ حاملہ عورت کی عدت مطلقاً وضع حمل ہے۔ خواہ خاوند نے طلاق دی یا فوت ہوا۔ عورت آزاد ہے یا لونڈی' بچہ پیدا ہوتے ہی وہ عدت سے نکل جائے گی۔ خواہ طلاق کے بعد ذرا سی دیر گزری ہو۔ عدت کے باقی مسائل کتب فقہ میں ملاحظہ کر لئے جائیں۔ (ح۔ع)

الفصل الاول :

مطلقہ بائنہ سکنیٰ اور نفقہ کی حقدار ہوگی یا نہ

۳۳۲۴: عَنْ اَبِیْ سَلَمَةَ عَنْ فَاطِمَةَ بِنْتِ قَیْسٍ اَنَّ اَبَا عَمْرِوبْنَ حَفْصٍ طَلَّقَهَا الْبَتَّةَ وَهُوَ غَائِبٌ فَاَرْسَلَ اِلَیْهَا وَكِیْلُهُ الشَّعِیْرَ فَسَخِطَتْهُ فَقَالَ وَاللّٰهِ مَالَكِ عَلَیْنَا مِنْ شَیْءٍ فَجَاءَتْ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَذَكَرَتْ ذٰلِكَ لَهُ فَقَالَ لَیْسَ لَكِ نَفَقَةٌ فَاَمَرَهَا اَنْ تَعْتَدَّ فِیْ بَیْتِ اُمِّ شَرِیْكٍ ثُمَّ قَالَ تِلْكَ امْرَأَةٌ یَغْشَاهَا اَصْحَابِیْ اِعْتَدِّیْ عِنْدَ ابْنِ اُمِّ مَكْتُوْمٍ فَاِنَّهُ رَجُلٌ اَعْمٰی تَضَعِیْنَ ثِیَابَكِ فَاِذَا اَحْلَلْتِ فَاٰذِنِیْنِیْ قَالَتْ فَلَمَّا حَلَلْتُ ذَكَرْتُ لَهُ اَنَّ مُعَاوِیَةَ ابْنِ اَبِیْ سُفْیَانَ وَاَبَا جَهْمٍ خَطَبَانِیْ فَقَالَ اَمَا اَبُوْالْجَهْمِ فَلَا یَضَعُ عَصَاهُ عَنْ عَاتِقِهٖ وَاَمَّا مُعَاوِیَةُ فَصُعْلُوْكٌ لَا مَالَهُ اِنْكِحِیْ اُسَامَةَ بْنَ زَیْدٍ فَكَرِهْتُهُ ثُمَّ قَالَ اِنْكِحِیْ اُسَامَةَ فَنَكَحْتُهُ فَجَعَلَ اللّٰهُ فِیْهِ خَیْرًا وَ اغْتُبِطْتُ وَفِیْ رِوَایَةٍ عَنْهَا فَاَمَّا اَبُوْجَهْمٍ فَرَجُلٌ ضَرَّابٌ لِلنِّسَاءِ (رواہ مسلم وفی روایة) اَنَّ زَوْجَهَا طَلَّقَهَا ثَلَاثًا فَاَتَتِ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَا نَفَقَةَ لَكِ اِلَّا اَنْ تَكُوْنِیْ حَامِلاً۔

اخرجه مسلم فی صحیحه ۱۱۱٤/۲ الحدیث رقم (۳٦۔۱٤۸۰) وابوداؤد فی السنن ۷۱۲/۲ الحدیث رقم ۲۲۸٤ والنسائی فی ۷۵/٦ الحدیث رقم ۳۲٤۵ واحمد فی المسند ٤۱۳/٦ ومالك فی الموطأ فی ۵۸۰/۲ الحدیث رقم ٦۷ من كتاب الطلاق۔

ترجمہ: ''ابو سلمہ رضی اللہ عنہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہ سے نقل کرتے ہیں کہ ابو عمرو بن حفص رضی اللہ عنہ نے فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا کو (جو ان کی اہلیہ تھیں) تین طلاقیں دیں جب کہ وہ خود موجود نہیں تھے (یعنی مدینہ سے ابو عمرو کہیں باہر تھے وہیں سے انہوں نے کسی کی زبانی کہلا کر بھیجا کہ میں نے اپنی زوجہ کو تین طلاقیں دیں) پھر ابو عمرو رضی اللہ عنہ کے وکیل (کارندے) نے (بطور نفقہ) کچھ جو فاطمہ رضی اللہ عنہا کے پاس بھیجے۔ فاطمہ رضی اللہ عنہا (کے خیال میں جو کی وہ مقدار بہت کم تھی اس لئے وہ) اس پر ناراض ہوئیں وکیل نے کہا کہ ''اللہ کی قسم! ہم پر تمہارا کوئی حق نہیں ہے'' (کیونکہ تمہیں تین طلاقیں مل چکی اس کے نفقہ کا کوئی حکم نہیں ہے۔ اس وقت تمہیں جو کی جو بھی

مقدار دی گئی ہے وہ محض احسان وسلوک کے طور پر ہے) فاطمہ رضی اللہ عنہا (یہ سن کر) رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئیں اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے یہ واقعہ بیان کیا آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ تمہارا نفقہ (ابوعمرو رضی اللہ عنہ پر) واجب نہیں ہے پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فاطمہ رضی اللہ عنہا کو اُمّ شریک کے گھر عدت گزارنے کا حکم دیا پھر آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا کہ اُم شریک ایسی خاتون ہیں کہ ان کے گھر میں میرے صحابہؓ (جو ام شریکؓ کے عزیز واقارب اور آل اولاد ہیں) آتے جاتے رہتے ہیں (اس لئے ان کے گھر میں تمہارا بیٹھنا مناسب نہیں ہوگا) البتہ تم ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کے ہاں عدت کے دن گزارلو کیونکہ وہ ایک نابینا صحابی ہیں وہاں تم اپنے کپڑے رکھ سکتی ہو اور جب تم حلال ہو جاؤ (یعنی تمہاری عدت کے دن پورے ہو جائیں) تو مجھے اطلاع کر دینا (تاکہ میں تمہارے دوسرے نکاح کی فکر کروں) فاطمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ پھر جب میں حلال ہوگئی تو میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم سے عرض کیا کہ ''معاویہ بن ابی سفیان رضی اللہ عنہ اور ابوجہم دونوں نے میرے پاس نکاح کا پیغام بھیجا ہے (آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی کیا رائے ہے؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''ابوجہم رضی اللہ عنہ (کی بات تو یہ ہے کہ وہ) اپنی لاٹھی اپنے کاندھے سے (کبھی) اتارتے ہی نہیں (یعنی نہایت سخت مزاج ہیں) اور معاویہ رضی اللہ عنہ غریب آدمی ہیں جن کے پاس مال واسباب نہیں ہے (لہٰذا میری رائے میں تو مناسب یہ ہے کہ) تم اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے نکاح کرلو''۔ میں نے اس کو پسند نہ کیا۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے (دوبارہ) فرمایا کہ اسامہ بن زید سے نکاح کرلو چنانچہ میں نے اسامہ رضی اللہ عنہ سے نکاح کرلیا اور اللہ تعالیٰ نے اس (نکاح اور اسامہ رضی اللہ عنہ کی رفاقت) میں خیر وبرکت عطا فرمائی اور مجھ پر رشک کیا جانے لگا (یعنی ہم دونوں کی رفاقت اتنی راس آئی اور ہم میں اتنی الفت ومحبت پیدا ہوئی کہ جو بھی دیکھتا مجھ پر رشک کرتا) اور ایک روایت میں یوں ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے الفاظ یہ ہیں کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا ''ابوجہم رضی اللہ عنہ ایک ایسا مرد ہے جو عورتوں کو بہت مارتا ہے''۔ (مسلم) اور مسلم ہی کی ایک اور روایت میں یوں ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا کے شوہر نے ان کو تین طلاقیں دی تھیں چنانچہ جب وہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کے پاس آئیں تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا کہ ''تمہارا نفقہ (تمہارے شوہر کے ذمہ) نہیں ہے ہاں اگر تم حاملہ ہوتیں (تو اس پر تمہارا نفقہ واجب ہوتا)''۔

تشریح: فسخطته: ایک نسخہ میں فتسخطته ہے۔

وكيله الشعير: ایک روایت میں ''بشعیر'' ہے۔

واغتبطت: ایک روایت میں ''واغتبطت به'' ہے۔ امام نووی فرماتے ہیں کہ ایک نسخہ میں اس طرح بھی ہے۔

البتة: ہمزہ وصل باء کے فتحہ اور تاء کے شد کے ساتھ ہے۔ قاضی کہتے ہیں کہ اس کا معنیٰ ہے تین طلاق۔ یا تیسری طلاق کیونکہ وہ کاٹنے والی ہوتی ہے، بایں طور کہ وہ نکاح کے جوڑ کو کاٹ دیتی ہے۔ یہاں مراد اول معنیٰ ہے۔

فسخطه: خاء کے کسرہ کے ساتھ ہے اور ایک نسخہ میں فتسخطته: باب تفعّل سے ہے یعنی اس کو کم سمجھا، اور اس پر راضی نہیں ہوئی۔ اس کو امام طیبیؒ نے ذکر کیا ہے۔ اور مفاتیح میں ہے کہ وہ راضی نہیں ہوئی اس وجہ سے کہ وہ جو تھے یا اس وجہ سے کہ وہ جو کم تھے اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ باب الحذف والایصال کے قبیل سے ہو۔ اور ضمیر وکیل کی طرف راجع ہو: أي وتسخطت

علی الو کیل بار سالہ الثمیر قلیلاأو کثیرا۔

تلك : کاف کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

فآ ذنیني : مد اور ذال کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

أباجھم : جیم کے فتحہ اور ھاء کے سکون کے ساتھ ہے۔ مصنف کہتے ہیں کہ یہ عامر بن حذیفہ عدوی قرشی ہیں۔ یہ اپنے کنیت کے ساتھ مشہور ہیں۔ یہ وہی ہیں جنہوں نے آپ سے جبہ مانگا تھا۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ ان ابوجہم کے علاوہ ہیں جن کا ذکر تیمم اور مرور بین یدی المصلی میں ہے۔

فقال أما : میم کی تشدید کے ساتھ برائے تفصیل ہے۔

عاتقه : تاء کے کسرہ کے ساتھ بمعنی منکب یعنی کندھا۔

صعلوك : صاد کے ضمہ کے ساتھ، فقیر کو کہتے ہیں۔

أنكحي : ہمزہ وصلی کے ساتھ اور کاف کے کسرے کے ساتھ ہے۔

تضعین ثیابك : جملہ مستانفہ ہے یا حال ہے " اعتدی " کے فاعل سے۔

ما لك علینا من شيء : کیونکہ تو بائنہ ہو چکی ہے۔ یا جو کے علاوہ آپ کے لئے ہم پر کچھ لازم نہیں ہے۔

لیس لك نفقة : قوله : یعنی اس وکیل پر کیونکہ وہ مامور نہیں ہے، یا مراد وہ نفقہ ہے جو وہ چاہتی تھی اس سے۔ وہ عمدہ نفقہ چاہتی تھی۔

امام نووی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ جس عورت کو طلاق بائن دی گئی ہو، اور وہ حاملہ نہ ہو تو عدت پوری ہونے تک اس کا نفقہ اور سکنیٰ شوہر کے ذمہ ہے یا نہیں؟

چنانچہ حضرت عمر فاروقؓ امام ابوحنیفہؒ اور بعض دیگر علماء کے نزدیک شوہر پر اس عورت کا نفقہ اور سکنیٰ واجب ہے، سکنیٰ تو آیت سے ثابت ہے: ﴿اسکنو هن من حیث سکنتم من و جد کم﴾ [الطلاق:٦] " تم ان (مطلقہ) کو اپنی وسعت کے موافق رہنے کا مکان دو جہاں تم رہتے ہو"۔ اور نفقہ اس اعتبار سے واجب ہے کہ وہ عورت اسی شوہر کی وجہ سے تمام پابندیوں کے ساتھ عدت میں بیٹھی ہے۔ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں کہ ہم ایک عورت (فاطمہ بنت قیس) کے کہنے سے کتاب اللہ اور سنت رسول اللہ ﷺ کو ترک نہیں کر سکتے۔ ہمیں معلوم نہیں کہ اس عورت کو آپ علیہ السلام کا اصل ارشاد یاد ہے یا بھول گئی ہے۔ چنانچہ میں نے خود رسول کریم ﷺ کو یہ فرماتے ہوئے سنا کہ اس عورت کا نفقہ اور سکنیٰ شوہر کے ذمہ ہے۔

ابن الملک فرماتے ہیں کہ یہ واقعہ صحابہ کے سامنے پیش آیا، اس لئے یہ بمنزلہ اجماع کے ہوا۔

امام احمدؒ اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ اس عورت کے لئے نہ تو نفقہ واجب ہے اور نہ سکنیٰ، انہوں نے اس حدیث سے استدلال کیا ہے۔ امام مالک، امام شافعیؒ اور بعض علماء فرماتے ہیں کہ اس کے لئے سکنیٰ واجب ہے۔ اس آیت کے بموجب، اور نفقہ واجب نہیں ہے: ﴿وان کن اولات حمل فانفقوا علیهن﴾ [الطلاق:٦] (اور اگر وہ حمل والیاں ہوں، تو انہیں خرچ دیتے رہو)۔

اس کا مفہوم (مخالف) یہ ہے کہ اگر وہ حاملہ نہ ہو تو ان پر خرچ نہیں کیا جائے گا۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں کہ مفہوم کا اعتبار ہمارے نزدیک نہیں ہے علاوہ ازیں یہ قید حمل مقید ہے غایت کے ساتھ اور وہ [حتّٰى يضعن حملهن][الطلاق: ٦] ہے، یہ مطلقاً انفاق کے لئے قید نہیں ہے۔ اسی لئے صاحب مدارک فرماتے ہیں کہ شرط حمل کا فائدہ یہ ہے کہ کبھی مدۃ حمل طویل ہو جاتی ہے تو گمان کرنے والے یہ گمان کر لیتے ہیں کہ اس کے ذمہ سے نفقہ ساقط ہو گیا ہے بوجہ غیر حاملہ کی عدت کی مقدار مدۃ گزر جانے کے، تو اس آیت میں اس وہم کی نفی کر دی ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ ان حضرات نے سکنیٰ کے سقوط کے بارے میں فاطمہ بنت قیس کی حدیث کا جواب سعید بن المسیب کے ذریعہ دیا ہے کہ یہ بداخلاق اور تندخو عورت تھی، اور شوہر کے رشتہ داروں پر زبان درازی کرتی تھی۔ چنانچہ آپ ؐ نے اس کو ام شریک کے گھر منتقل ہونے کا حکم دیا۔

تضعين ثيابك : اس کا مطلب یہ ہے کہ وہاں تم جب تک عدت میں رہو، زینت و آرائش کے کپڑے نہ پہننا، یا مطلب یہ ہے کہ وہاں تمہیں پردہ کے بارے میں احتیاط کی ضرورت نہیں ہوگی۔ یا پھر اس جملے کے ذریعے کنایۃً یہ اظہار مقصود تھا کہ ایام عدت میں گھر سے باہر نکلنا جائز نہیں ہے۔

امام نووی فرماتے ہیں کہ ان کو ابن ام مکتوم کے گھر منتقل ہونے کا حکم دیا کیونکہ وہ اس عورت کو دیکھ نہیں سکتے تھے، اور ان کے گھر نہیں آتے تھے وہ لوگ جو ام شریک کے گھر آتے جاتے تھے۔ چہ جائیکہ اگر وہ کپڑے اتارتیں قضاء حاجت کے لئے تو وہ اس کو دیکھ لیتے۔ اس حدیث سے بعض علماء نے استدلال کیا ہے کہ عورت کو اجنبی مرد کی طرف دیکھنا جائز ہے، لیکن مرد کا اجنبی عورت کو دیکھنا جائز نہیں ہے لیکن یہ استدلال ضعیف ہے اور صحیح وہی بات ہے جو اکثر علماء کا قول ہے کہ جس طرح اجنبی مرد کو اجنبی عورت کی طرف دیکھنا حرام ہے اسی طرح اجنبی عورت کو بھی اجنبی مرد کی طرف دیکھنا حرام ہے۔ کیونکہ اللہ تعالیٰ نے جس طرح مردوں کے حق میں حکم دیا ہے کہ: ﴿قل للمؤمنين يغضوا من ابصارهم﴾ [النور: ٣٠] ''آپ مسلمان مردوں سے کہہ دیجئے! کہ اپنی نگاہیں نیچے رکھیں''۔ اسی طرح عورتوں کے حق میں بھی یہی حکم دیا ہے، نیز اس بارے میں ام المؤمنین ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی وہ روایت بھی ایک بڑی واضح دلیل ہے جس میں ہے کہ آنحضرت نے فرمایا: ''افعمياوان انتما''۔ کیا تم دونوں بھی اندھی ہو، جیسا کہ پہلے گزر چکا ہے۔ پھر حضرت فاطمہ کی روایت سے بھی یہ کسی طرح ثابت نہیں ہوتا کہ ان کو ابن ام مکتوم کی طرف دیکھنے کی اجازت دی تھی۔ بلکہ اس حدیث میں تو یہ ہے کہ وہ ان کی نظر سے محفوظ ہوں گی اور وہ خود اس بات کی پابند تھیں کہ اپنی نگاہ نیچی رکھیں، (انتہیٰ)۔

ہمارے نزدیک اجنبی مرد کے چہرے کو دیکھنا تب ناجائز ہے کہ جب وہ شہوت کے ساتھ ہو۔

خطبانی : نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ دوران عدت بائنہ کو پیغام نکاح بھیجنا جائز ہے۔ (ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں) کہ اس حدیث میں اس بات پر کوئی دلیل نہیں ہے بلکہ ظاہر یہ ہے کہ یہ پیغام نکاح عدت کے بعد صراحتاً دیا ہوگا۔

اما ابو الجهم...... : یہ کنایہ ہے کثرت سفر سے یا زیادہ مارنے سے، اور یہ زیادہ صحیح ہے اس کی تائید دوسری روایت سے ہوتی ہے جس میں ہے: ''انه ضراب النسآء کہ وہ عورتوں کو بہت زیادہ مارتے ہیں۔ اس کو امام نووی نے ذکر کیا ہے۔ اور

دونوں کو جمع کرنا بھی ممکن ہے۔ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس سے معلوم ہوا کہ مشورہ یا طلب نصیحت کے وقت متعلقہ شخص کا عیب ذکر کرنا جائز ہے اور یہ غیبت محرمہ میں داخل نہیں ہے۔

قوله : اوله محاوية صعلوك : یہ دلالت کر رہا ہے کہ وہ انتہائی فقر وفاقہ میں مبتلا تھے، یہاں تک کہ آپؐ نے ان کے بارے میں فرمایا وہ صعلوک ہیں، اس میں اللہ کے اس ارشاد کی طرف اشارہ ہے: ﴿**وليستعفف الذين لا يجدون نكاحًا حتّٰى يغنيهم الله من فضله**﴾[النور:۳۳]: (اور جن لوگوں کو نکاح کا مقدور نہیں انہیں چاہیئے کہ وہ ضبط سے کام لیں، یہاں تک کہ اللہ انہیں اپنے فضل سے غنی کردے)۔

اس حدیث میں اس طرف بھی اشارہ ہے کہ جس سے مشورہ طلب کیا جائے وہ امانت دار ہوتا ہے جیسا کہ ایک اور حدیث میں صراحت کے ساتھ آیا ہے۔

اور اس میں آپ علیہ السلام کی طرف سے یہ تصریح ہے کہ جس شخص کو مرد یا عورت کا کوئی عیب معلوم ہو تو منگنی کے وقت اس کا اظہار کر دینا جائز ہے۔ تاکہ شادی کے بعد وہ دونوں کسی تکلیف و پریشانی میں مبتلا نہ ہوں۔

بعض حضرات نے کہا ہے کہ حضرت معاویہ کا فقر صرف اسی وقت تھا، کیونکہ ان کے والد کافر تھے اور ابھی تک وہ مسلمان نہیں ہوئے تھے، اور بیٹے کو مسلمان ہونے کے بعد کچھ بھی نہیں دیا تھا۔ لیکن یہ بات مردود ہے۔ کیونکہ مواہب میں تصریح ہے کہ معاویہ اور ان کے والد فتح مکہ کے مسلمانوں میں سے تھے، پس زیادہ ظاہر یہ ہے کہ وہ والد کے بخل کی وجہ سے فقیر تھے جیسا کہ عنقریب آرہا ہے کہ وہ بیوی بچوں پر بھی خرچ کرن میں بخیل تھے حالت اسلام میں بھی' تو حالت کفر میں ان کی حالت کیا ہوگی۔

قوله :انكحى اسامة بن زيد...... واغتبطت :

فكرهته : وجہ یہ تھی کہ اسامہ آپ کے غلام کے بیٹے تھے اور دوسرا ان کا رنگ کالا تھا۔ لیکن آپؐ نے اسامہ کے ساتھ نکاح کا مشورہ اس لئے دیا کہ آپ علیہ السلام حضرت اسامہ کے علم وفضل' حسن اخلاق اور عادات سے واقف تھے۔

شرح السنہ میں ہے کہ اس حدیث میں دلیل ہے کہ کفو میں مال معتبر ہے اور اس بات پر کہ جب مرد بیوی کے نفقہ پر قادر نہ ہو اور بیوی اس سے فراق چاہے تو ان کے درمیان تفریق کر دی جائے گی۔ (ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں) کہ اس حدیث میں اس پر کوئی دلیل نہیں ہے۔

صاحب شرح السنہ فرماتے ہیں کہ اس بات پر بھی دلیل ہے کہ دوسرے کے پیغام نکاح پر پیغام نکاح بھیجنا جائز ہے جب وہ تو اجازت نہ دے اور نہ ہی عورت اس کی طرف مائل ہو۔

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں کہ یہ بات محتاج ہے کہ غیر کے پیغام نکاح کا علم ہو۔

وہ فرماتے ہیں کہ اس میں دلیل ہے عورت کی رضا سے اس کا نکاح کرنا غیر کفو میں جائز ہے' کیونکہ فاطمہ بنت قیس قرشیہ تھی اور اسامہ موالی میں سے تھے، اس میں یہ بات ہے کہ آپ گو اس کے اولیاء کی عدم رضا کا علم نہیں تھا بلکہ ظاہر یہ ہے کہ اس کے اولیاء بھی راضی تھے آپؐ کے حکم کی وجہ سے۔ اور یہ واقعہ نظیر ہے اس کی جو زید بن حارثہ اور زینب بنت جحش کے بارے میں نازل ہوا تھا: ﴿**وما كان لمؤمن ولا مؤمنة اذا قضى الله ورسوله امرا أن يكون لهم الخيرة من امرهم**﴾[الاحزاب:۳۶]:

(اور کسی مؤمن یا مؤمنہ کے لئے یہ درست نہیں کہ جب اللہ اور اس کا رسول کسی اُمر کا حکم دیدیں تو پھر ان کو اپنے (اس) امر میں کوئی اختیار باقی رہ جائے)۔

اغتبطت : تاء اور باء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔یعنی میں رشک والی ہوگئی اس طور پر کہ میرے مقدر پر عورتیں مجھ پر رشک کرنے لگیں۔امام نووی شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ بعض نسخوں میں **اغتبطت به** ہے، کہا جاتا ہے **غبطته بما نال اغبطه**، باء کے کسرے کے ساتھ،" **غتبط**" یہ **منعه فامتنع** اور **حبسه' فاحتبس** کی طرح ہے۔قاموس میں ہے **غبطه**، کسرہ کے ساتھ۔اچھے حال اور خوشی کو کہتے ہیں۔یہ باب افتعال سے بھی آتا ہے۔

باب ضرب اور سمع سے اس کا معنیٰ آتا ہے کسی نعمت کی تمنا کرنا بغیر اس کے کہ وہ صاحب نعمت سے چھن جائے اور "اغتباط" کہتے ہیں اچھی حالت پر خوش ہونے کو۔

خطرناک جگہ کی وجہ سے مکان بدلنے کا حکم دیا

۳۳۲۵ :وَعَنْ عَآئِشَةَ قَالَتْ اِنَّ فَا طِمَةَ كَانَتْ فِيْ مَكَانٍ وَحْشٍ فَخِيْفَ عَلٰى نَاحِيَتِهَا فَلِذَالِكَ رَخَّصَ لَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَعْنِيْ فِي النُّقْلَةِ (وَفِيْ رِوَايَةٍ) قَالَتْ مَا لِفَا طِمَةَ اِلَّا تَتَّقِي اللّٰهَ تَعْنِيْ فِيْ قَوْلِهَا لَا سُكْنٰى وَلَا نَفَقَةَ. (رواه البخاری)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۴۷۷/۹ الحدیث رقم ۵۳۲۵ومسلم فی ۱۱۲۱/۲۰ الحدیث رقم (۵۴-۱۴۸۱) وابوداؤد فی السنن ۷۱۸/۲ الحدیث رقم ۲۲۹۲۔

ترجمہ:"اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ فاطمہ بنت قیس رضی اللہ عنہا جس مقام میں رہتی تھی وہ ایک ویران جگہ تھی اور وہاں اس کے بارے میں اندیشہ محسوس کیا گیا اس لئے نبی کریم ﷺ نے اس کو رخصت عطا فرمائی۔ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد یہ ہے کہ اس وجہ سے آپ ﷺ نے ان کو (اپنے گھر سے) ابن مکتوم رضی اللہ عنہ کے مکان میں)منتقل ہونے کی اجازت عطا فرمائی۔ایک اور روایت میں یہ الفاظ بھی ہیں کہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے کہا کہ "فاطمہ رضی اللہ عنہا کو کیا ہوا ہے کہ وہ اللہ سے نہیں ڈرتی ؟اس سے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کی مراد فاطمہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کہ (مطلقہ ثلاثہ کے لئے) نہ نفقہ ہے نہ سکنی ہے(کی تردید کرنا ہے)۔"۔(بخاری)

حالاتِ راوی:

فاطمہ بنت قیس:ان کا نام "فاطمہ" ہے۔یہ "قیس" کی بیٹی اور "ضحاک" کی بہن ہیں۔خاندانی اعتبار سے قریش میں سے ہیں۔ان کا شمار مہاجرین اولین میں ہوتا ہے۔نیک سیرت بھلی صورت اور سمجھدار اور باکمال عورت تھیں۔پہلے ابوعمرو بن حفص کے نکاح میں تھیں۔انہوں نے طلاق دے دی تو آنحضرت ﷺ نے ان کا نکاح حضرت اسامہ بن زید رضی اللہ عنہ سے کر دیا۔زید رضی اللہ عنہ آپ ﷺ کے آزاد کردہ تھے۔فاطمہ بنت قیس سے متعدد لوگوں نے روایت کی۔

تشریح: قوله :ان فاطمة كانت...... في النقلة:

وحش : حا کے کسرہ کے ساتھ ہے اور سکون کے ساتھ بھی درست ہے، مجنون کے معنیٰ میں ہے اس کو ذکر کیا ہے میرکؒ نے ،مطلب یہ ہے کہ ایک خالی مکان جس میں کوئی رہنے والا نہ ہو۔

النقلة : نُون کے ضمہ اور قاف کے سکون کے ساتھ ہے۔

فخیف علی نا حیتها : مبنی للمفعول ہے اس کا اسناد جار مجرور کی طرف ہے۔

قولہ: ألاتتقى الله تعنى فى قولها لا سكنٰى...... : یعنی آپ علیہ السلام کی طرف اس قول کی نسبت کرنے میں کہ بائنہ کے لئے نہ سکنیٰ ہے اور نہ نفقہ۔ حالانکہ رسول اللہ ﷺ نے یہ بات نہیں فرمائی ہے بلکہ جس عورت کو طلاق بائن دی گئی ہو اس کے لئے سکنیٰ اور نفقہ دونوں واجب ہیں، یہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کا مذہب ہے۔ اور امام ابوحنیفہؒ کا مسلک بھی یہی ہے۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس کا مطلب یہ ہے کہ کیا فاطمہ اللہ سے نہیں ڈرتی، اس قول کے بارے میں کہ طلاق بائن والی عورت کے لئے نہ سکنیٰ ہے اور نفقہ۔ وہ یہ فتویٰ کیسے دے رہی ہے یہ حضرت عمرؓ کے اس قول کی طرح ہے کہ ہم اللہ کی کتاب کو ایک عورت کی بات پر نہیں چھوڑ سکتے ہیں۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے اس قول کے دو مطلب ہو سکتے ہیں: ایک تو وہی جو حضرت عمرؓ کا مذہب ہے کہ مطلقہ بائنہ کے لئے سکنیٰ اور نفقہ دونوں واجب ہیں۔ دوسرا وہ مطلب ہے جو امام شافعیؒ اور امام مالک کا مذہب ہے کہ مطلقہ بائنہ کے لئے سکنیٰ واجب ہے، نہ کہ نفقہ۔ میرکؒ "التصحیح" سے نقل کرتے ہوئے فرماتے ہیں کہ حضرت عائشہؓ نے اس بات کو ناپسند کیا کہ فاطمہ بنت قیس نے حدیث میں اس سبب کو ذکر نہیں کیا کہ جس کی وجہ سے ان کو شوہر کے گھر کے علاوہ دوسرے گھر میں عدت گزارنے کا حکم دیا گیا تھا۔ اس ڈر سے کہ کہیں اس سبب کا پتہ کسی اور کو نہ چلے تو اور یہ گمان ہونے لگے کہ مطلقہ بائنہ جہاں چاہے عدت گزارے۔

زبان درازی کی وجہ سے عدت دوسری جگہ گزاری جاسکتی ہے

۳۳۲۶: وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيِّبِ قَالَ اِنَّمَا نُقِلَتْ فَا طِمَةُ لِطُوْلِ لِسَا نِهَا عَلٰى اَحْمَائِهَا.

(رواه فی شرح السنة)

اخرجه البغوى فى شرح السنة۹/۲۹٤ الحدیث رقم ۲۳۸٤۔

ترجمہ: "اور حضرت سعید بن مسیب سے مروی ہے کہ فاطمہ رضی اللہ عنہا (کو عدت کے زمانہ میں اس کے شوہر کے گھر سے) اس لئے منتقل کر دیا گیا تھا کہ وہ (اپنے شوہر کے) عزیز و اقارب سے زبان درازی کیا کرتی تھیں"۔

(شرح السنۃ)

تشریح: ابن ہمام کی شرح ہدایہ میں ہے کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں کہ مبتوتہ اور مختلعہ کے لئے نفقہ نہیں ہے۔ مبتوتہ سے مراد وہ عورت ہے جس کو تین طلاق دی گئی ہوں اور مختلعہ سے مراد وہ عورت ہے جس نے خلع لیا ہو۔ کیونکہ ان کے نزدیک ان دو صورتوں کے علاوہ بینونت یعنی تفریق واقع نہیں ہوتی۔ الا یہ کہ وہ عورت حاملہ ہو کیونکہ اسکے پیٹ میں اس شوہر کا بچہ ہوتا ہے۔

فاطمہ بنت قیس کی حدیث مسلم نے آخر تک روایت کی ہے اور اس میں ہے "لا نفقة لك و لا سكنى" اور ایک اور روایت میں ہے کہ ابوحفص بن مغیرہ حضرت علی بن ابی طالب کے ساتھ نکلے اور اپنی بیوی فاطمہ بنت قیس کے پاس اس کی باقی طلاق کا پیغام بھیجا۔ اس صورت میں تین طلاق والی روایت اس پر محمول ہوگی کہ انہوں نے ایک طلاق واقع کی جس سے تین مکمل ہوگئیں۔ حارث بن ہشام اور عیاش بن ربیعہ نے اس کے نفقے کا حکم دیا، تو وہ ناراض ہوگئیں۔ اس پر ان دونوں نے ان سے کہا کہ واللہ ليس لك نفقة الا ان تكوني حاملا۔ کہ خدا کی قسم تیرے لئے کوئی نفقہ نہیں ہے مگر صرف اس صورت میں ہوتا کہ جب تو حاملہ ہوتی۔ چنانچہ وہ حضور کے پاس آئیں اور ان دونوں کی بات حضورؐ کے سامنے ذکر کی تو حضورؐ نے فرمایا "لا نفقة لك"۔ ابوداؤد نے مسلم کی سند کے ساتھ عیاش بن ربیعہ اور حارث بن ہشام کے قول کے بعد یہ الفاظ زائد نقل کیے ہیں: ليس لك نفقة الا ان تكوني حاملا۔ شرح کنز میں اس زیادتی کی نسبت مسلم کی طرف کی ہے لیکن صحیح بات وہی ہے جو آپ جان چکے ہیں۔

مسلم کی ایک روایت میں ہے کہ ابوحفص مخزومی ان کو تین طلاق دیکر یمن چلے گئے۔ فاطمہ کو ابوحفص بن مغیرہ کے گھر والوں نے کہا کہ تیرے نفقہ کی ذمہ داری ہم پر نہیں ہے۔ تو خالد بن ولید چند آدمیوں کے ساتھ آپؐ کے پاس میمونہ کے گھر آ گئے۔ (الحدیث)

جواب: خبر واحد کی قبولیت کے لئے شرط ہے کہ اس میں نہ تو سلف کا طعن ہو اور نہ اس میں اضطراب ہو اور نہ ہی اس کا کوئی ایسا معارض ہو کہ اس معارض کا مقدم کرنا اس خبر واحد پر واجب ہو۔ اور اس حدیث میں یہ تمام امور پائے جاتے ہیں۔ طعن سلف تو یہ ہے کہ اس پر اکابر صحابہ نے اعتراض کیا ہے جن میں سے بعض ہم ذکر کرنے والے ہیں، باوجود یہ کہ وہ کسی راوی پر عورت ہونے کی وجہ سے یا دیہاتی ہونے کی وجہ سے طعن نہیں کرتے تھے، بلکہ ان اسلاف نے فریعہ بنت مالک بن سنان، ابوسعید کی بہن کی حدیث: "جس عورت کا شوہر مر جائے وہ شوہر کے گھر میں عدت گزارے" قبول کی ہے۔ حالانکہ فریعہ اس حدیث کے علاوہ نہیں جانی جاتیں، برخلاف فاطمہ بنت قیس کے کہ وہ اس حدیث سے بھی پہچانی جاتی ہے اور رجال حدیث کہتے ہیں کہ انہوں نے اس حدیث کے طویل ہونے کے باوجود اس کو یاد کیا اور محفوظ رکھا، اور پھر ادا کیا، پھر ان کی سمجھ داری بھی ظاہر ہے جس نے ان کو علم وجلالت کا فائدہ دیا۔

اس کو مسلم نے روایت کیا ہے کہ مروان نے ان کی طرف قبیصہ بن ابی ذویب کو بھیجا تا کہ ان سے حدیث کے بارے میں پوچھیں۔ مروان نے کہا کہ یہ حدیث صرف ایک عورت سے سنی گئی ہے، پس ہم وہی محفوظ طریقہ اپناتے ہیں جس پر لوگ عمل پیرا ہیں۔ فاطمہ کو جب مروان کی یہ بات پہنچی تو اس نے کہا کہ میرے اور آپ کے درمیان قرآن ہے۔ اللہ تعالیٰ فرماتے ہیں: ﴿لا تخرجوهن من بيوتهن ولا يخرجن الا أن يأتين بفاحشة مبينة...... لعل الله يحدث بعد ذلك امرا﴾ [الطلاق: ۱]: (انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو، اور نہ وہ خود نکلیں، بجز اس صورت کے کہ وہ کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں، یہ اللہ کی (مقرر کی ہوئی) حدود ہیں، اور جو کوئی اللہ کی حدود سے تجاوز کرے گا اس نے اپنے اوپر ظلم کیا، تجھے خبر نہیں شاید کہ اللہ اس کے بعد کوئی نئی بات پیدا کر دے)۔ فاطمہ نے کہا کہ یہ اس عورت کے حق میں ہے کہ جس سے رجوع کا حق ہو، ورنہ اس کے بعد

اور کونسا امر پیدا ہوگا۔ پس تم کیسے کہتے ہو کہ اس کے لئے نفقہ نہیں ہے، جب تک کہ وہ حاملہ نہ ہو، اور پھر کس وجہ سے تم اس کو گھر میں محبوس رکھتے ہو۔

بعض نے کہا ہے کہ حضرت عمرؓ نے ضحاک بن سفیان کلابی کی حدیث کو قبول کیا ہے، جو اس نے اکیلے بیان کی تھی، حالانکہ وہ دیہاتی تھے۔

پس ہم نے یقین کر لیا کہ حضرت عمر وغیرہ کا فاطمہ کی حدیث کو رد کرنا اس وجہ سے تھا کہ ان حضرات کو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے اس کے مخالف حکم کا علم تھا، اور اس پر عمل آپ علیہ السلام کی وفات کے بعد تک اسلاف میں جاری رہا یہاں تک کہ فاطمہ نے یہ حدیث ذکر کی۔ اور جب حضرت عمرؓ نے اس کو رد کیا تو اس روایت کی تصریح بھی کر دی، جو اس کی مخالف تھی۔

صحیح مسلم میں ابو اسحاق سے روایت ہے وہ کہتے ہیں کہ میں اسود بن یزید کے ساتھ مسجد اعظم میں بیٹھا ہوا تھا اور ہمارے ساتھ شعبی بھی تھے۔ تو شعبی نے فاطمہ بنت قیس کی حدیث بیان کی، کہ **ان رسول اللہ ﷺ لم یجعل لھا نفقہ و لا سکنٰی**. تو وہ ایک مٹھی کنکریاں لے کر شعبی کو ماریں اور کہا کہ تیرا ناس ہو، تو یہ حدیث بیان کر رہا ہے، حالانکہ اس کے بارے میں عمرؓ نے فرماتے ہیں: **لا نترک کتاب ربنا و لا سنۃ جنینا بقول امرأۃ لا ندری حفظت ام نسیت، لھا سکنیٰ و النفقۃ، قال اللہ تعالیٰ: ﴿لا تخرجوھن من بیوتھن الا أن یأتین بفاحشۃ......﴾** [الطلاق: ۱] ''نہ وہ (خود ہی) نکلیں ہاں اگر وہ صریح بے حیائی کریں (تو نکال دینا چاہیے) اور یہ خدا کی حدیں ہیں۔ جو خدا کی حدوں سے تجاوز کریگا وہ اپنے آپ پر ظلم کرے گا۔ (اے طلاق دینے والے) تجھے کیا معلوم شاید خدا اس کے بعد کوئی (رجعت کی) سبیل پیدا کر دے''۔

تو حضرت عمرؓ نے بتا دیا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی سنت یہ ہے کہ اس کے لئے سکنیٰ اور نفقہ دونوں ہیں اور اس میں کوئی شک نہیں کہ جب صحابی کہے ''**من السنۃ کذا**'' تو یہ مرفوع حدیث کے حکم میں ہوتا ہے۔ اور پھر جب کہ اس کا راوی بھی حضرت عمرؓ جیسا شخص ہوا۔

طحاوی اور دارقطنی کی روایت میں یہ اضافہ ہے کہ حضرت عمرؓ فرماتے ہیں: **سمعت رسول اللہ ﷺ یقول للمطلقۃ ثلاثًا النفقۃ و السکنٰی**. اب یہاں حضرت عمر اور فاطمہ رضی اللہ عنہما کی روایات میں تعارض ہے تو دونوں روایتوں میں سے کس روایت کو مقدم کرنا ضروری ہے؟ سعید بن منصور کہتے ہیں **حدثنا معاویۃ عن الاعمش عن ابراھیم قال کان عمر رضی اللہ عنہ اذا ذکر عندہ حدیث فاطمۃ، قال: ما کنا نغیر فی دیننا بشھادۃ امرأۃ** ''حضرت عمرؓ جب فاطمہ کی حدیث سنتے تو فرماتے کہ ہم ایک عورت کی گواہی پر اپنے دین کو تبدیل نہیں کرتے''۔ تو یہ شاہد ہے کہ دین میں جو معروف و مشہور ہے وہ نفقہ اور سکنیٰ کا واجب ہونا ہے۔ تو حدیث فاطمہ کو شاذ کے منزلہ میں اتارا جائے گا۔ اور ثقہ جب کوئی شاذ بات روایت کرے، تو اس کا شذوذ قبول نہیں کیا جاتا۔ اور اس سے مسلم میں مروی مروان کے اس قول کی تصریح ہو جاتی ہے: **سنأخذ بالعصمۃ التی وجد علیھا الناس** اور لوگ اس وقت صحابہ تھے۔ تو یہ صحابہ کے اجماع نقل کرنے کے معنیٰ میں ہے اور اس کو عصمت کے ساتھ موصوف کیا ہے۔

صحیحین میں ہے کہ عروہ نے حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے کہا کہ فلانہ بنت الحکیم کو اس کے شوہر نے تین طلاق دی تھیں، اور وہ گھر

سے نکل گئی ہیں۔ تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ بہت بُرا کیا ہے اس نے، تو میں نے کہا کہ کیا آپؓ نے فاطمہ کی بات نہیں سنی ہے؟ تو حضرت عائشہؓ نے فرمایا کہ فاطمہ کے لئے اس بات کے ذکر کرنے میں کوئی بھلائی نہیں ہے۔

یہ نکیر کی انتہاء ہے کہ حضرت عائشہؓ نے بالکلیہ حکم کی نفی کر دی۔ اور حضرت عائشہؓ عورتوں کے احوال کو سب سے زیادہ جاننے والی تھیں۔ کہ عورتیں ان کے گھر آتی تھیں اور آپ علیہ السلام سے مسائل پوچھا کرتی تھیں۔ اور یہ بہت کثرت اور تکرار کے ساتھ ہوتا تھا۔

صحیح بخاری میں ہے کہ حضرت عائشہؓ نے فاطمہ سے کہا: کیا تو اللہ سے نہیں ڈرتی، یعنی اس قول کے بارے میں: **لا سکنٰی ولا نفقة.**

قاضی اسماعیل اور نصر بن علی کہتے ہیں: **حدثنا ابو هريرة عن محمد بن اسحاق، قال احسبه عن محمد بن ابراهيم ان عائشة قالت لفاطمة بنت قيس انما اخرجك هذاا للسان.** یعنی وہ رشتہ داروں پر زبان درازی کرتی تھیں اس وجہ سے آپ علیہ السلام نے ان کو شوہر کے گھر سے نکالا، اور اس قول کی حضرت عائشہؓ سے ثابت ہونے کی تائید اس سے ہوتی ہے کہ سعید بن المسیب اس سے استدلال کرتے تھے حالانکہ وہ حضرت عائشہؓ کے معاصر ہیں۔ اور اسی طرح سلیمان بن یسار بھی اس سے استناداً فرماتے ہیں **خروج فاطمة كان من سوء خلق.** اس کو ابوداؤدؒ نے اپنے سنن میں روایت کیا ہے۔ اور جن لوگوں نے اس کو رد کیا ہے ان میں سے فاطمہ کے شوہر اسامہ بن زید حب رسول اللہ ﷺ ہے۔ محمد بن اسامہ زید کہتے ہیں کہ جب فاطمہ اپنی عدت کے دوران شوہر کے گھر سے منتقل ہونے کا تذکرہ کرتی تو اسامہ کے ہاتھ میں جو چیز ہوتی اس سے فاطمہ کو مارتے، باوجود یہ کہ اسامہ نے ان کے ساتھ نکاح رسول اللہ ﷺ کے حکم سے کیا تھا۔ وہ اس مکان کو خوب جانتے تھے، جہاں سے انہوں نے فاطمہ کو رخصتی کے وقت اپنے گھر منتقل کیا تھا۔ تو یہ یقینی ہے کہ اسامہ یہ اس لئے کرتے تھے کہ ان کو معلوم تھا کہ فاطمہ کی بات غلط ہے یا ان کو معلوم تھا کہ اس کے منتقل ہونے کا جواز کا سبب ان کی زبان درازی یا مکان کی تنگی تھی۔ لیکن مصنف کو اسامہ کی حدیث کی تخریج میں کامیابی حاصل نہیں ہوئی اس لئے اس کو غریب سمجھا ہے۔ واللہ المیسر۔

ابوسلمہ بن عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے فاطمہ کی حدیث بیان کی تو لوگوں نے اس پر رد کیا اور اس کے عدت گزرنے سے قبل خروج پر نکیر کی۔

معجم طبرانی میں ہے: ”**عن ابراهيم ان ابن مسعود وعمر رضى الله عنهما قالا. المطلقة ثلاثا لها سكنٰى والنفقة**“۔ دارقطنی اور طبرانی نے روایت کیا ہے: ”**عن حرب بن عالية عن ابى الزبير عن جابر عن النبىؐ قال: المطلقة ثلاثا لها سكنٰى والنفقة**“۔ یہاں تک تعارض اور طعن کا بیان مکمل ہوا۔

اضطراب کا بیان:

بعض روایات میں ہے: **انه طلقها وهو غائب.** اور بعض میں ہے طلقها ثم سافر۔ کچھ میں ہے: **انها ذهبت الى رسول الله ﷺ فسألته.** اور بعض میں ہے **ان خالد بن وليد ذهب فى نفر فسئلوه عليه الصلاة والسلام.** بعض روایات میں شوہر کا نام ابوعمرو بن حفص ہے اور بعض میں ابوجعفر بن مغیرہ ہے۔ اور اضطراب حدیث کے ضعف کا موجب ہوتا

ہے۔ جیسا کہ اصول حدیث میں معلوم ہو چکا ہے۔ اور اس حدیث کو جن لوگوں نے رد کیا ہے ان میں زید بن ثابت، مروان بن الحکمؒ تابعین میں سے ابن مسیب، شریح شعبی، حسن، اسود بن یزید اور ان کے بعد والوں میں ثوری، احمد بن حنبل اور بہت سارے لوگ شامل ہیں۔

پس اگر یہ اعتراض کیا جائے کہ فاطمہ کو تو آپ علیہ السلام نے کہا تھا کہ **لا نفقة لك و لا سكنٰى** تو اس کا کیا جواب ہے؟ ہم کہتے ہیں کہ اول تو ہم پر اس کی روایت کا عذر بیان کرنا ضروری نہیں ہے۔ بلکہ وہ کافی ہے جو ہم ذکر کر چکے ہیں، کہ یہ شاذ ہے امت کے معمول بہا طریقہ کے مخالف ہے، اور حضرت عمرؓ کی روایت کے خلاف ہے۔ لیکن پھر بھی اس کی روایت کو صحت پر محمول کر کے اس کی طرف سے عذر کا بیان اچھا ہے۔ ہم کہتے ہیں کہ سکنٰی تو اس وجہ سے نہیں تھا جو وجہ اوپر آپ معلوم کر چکے ہیں اور نفقہ کی وجہ یہ تھی کہ ان کا شوہر غائب تھا اور اس نے کسی کے پاس مال بھی نہیں چھوڑا تھا، سوائے اس کے جو ان کے پاس بھیجا گیا تھا۔ جیسا کہ مسلم میں ہے کہ شوہر نے ان کو جب طلاق دی تو یمن چل گئے۔ اس کے گھر والوں نے فاطمہ کو کہا کہ تیرا نفقہ ہم پر نہیں ہے۔ اسی لئے آپ علیہ السلام نے فرمایا "**لا نفقه لك و لا سكنٰى**"۔ یعنی اس نے کسی کے پاس مال نہیں چھوڑا ہے اور اس کے اہل پر تیرے لئے کچھ بھی واجب نہیں ہے، پس تیرا نفقہ کسی پر بھی لازم نہیں ہے، لیکن وہ آپ کا مقصد اور غرض نہ سمجھ سکیں، چنانچہ وہ مطلقاً روایت کرنے لگیں۔

پھر یہ کہ کتاب اللہ میں فاطمہ نے وہ حکم نہیں دیکھا، جو اس کے لئے نفقہ واجب کرتا ہے، وہ اللہ تعالیٰ کا ارشاد ہے: ﴿**اسكنوهن من حيث سكنتم من وجدكم**﴾ [الطلاق: ٦] اور یہ معلوم ہے کہ اس سے مراد **وانفقو عليهن من وجدكم** ہے یعنی اپنی استطاعت کے مطابق ان پر خرچ کرو۔ اور اسی کے مطابق ابن مسعود کی قراءت ہے جو رسول اللہ ﷺ سے ہے جو اس آیت کی تفسیر ہے اور یہ آیت بائنہ عورتوں کے بارے میں ہے اس پر معطوف دلیل ہے جو اس کے بعد ہے: ﴿**ولا تضار وهن لتضيقوا عليهن وان كن اولات حمل فانفقوا عليهن حتى يضعن حملهن**﴾ [الطلاق: ٦] "اور تنگ کرنے کے لئے انہیں تکلیف مت پہنچاؤ، اور اگر وہ حمل والیاں ہوں، تو اپنی خرچ دیتے رہو، ان کے حمل کے پیدا ہونے تک"۔

اگر یہ آیت غیر مطلقات یا طلاق رجعی والوں کے بارے میں ہوتی تو تقدیری عبارت یوں ہوتی: **اسكنوا الزوجات او الراجعيات من حيث سكنتم من وجدكم وان كن اولات حمل فانفقوا عليهن**. اور یہ بات معلوم ہے کہ اس وقت اس کا غیر مطلقات اور یا طلاق رجعی وضع حمل تک انفاق کے وجوب کو غایہ بنانے کا کوئی مطلب نہیں بنتا۔ کیونکہ ان دونوں کے لئے نفقہ مطلقاً واجب ہے، چاہے حاملہ ہوں یا نہ ہوں۔ وضع حمل ہو یا نہ ہو، برخلاف اس صورت کے جب یہ بائنہ کے بارے میں ہو، تو اس صورت میں غایت کے ساتھ مقید کرنے نے یہ فائدہ ہے کہ اس میں ایک وہم کو رفع کر دیا گیا ہے کہ معتدہ حاملہ کے لئے پوری مدت حمل میں نفقہ لازم نہیں ہوگا مدت کے طویل ہونے کی وجہ سے بلکہ تین حیض کے مقدار یا تین ماہ پر اکتفاء کیا جائے گا۔ اسی طرح اللہ کا ارشاد ہے: ﴿**لا تخرجوهن من بيوتهن ولا يخرجن الا أن يأتين بفاحشة مبينة**﴾ [الطلاق: ١] "انہیں ان کے گھروں سے نہ نکالو، اور نہ وہ خود نکلیں بجز اس صورت کے کہ وہ کسی کھلی بے حیائی کا ارتکاب کریں"۔

کیونکہ یہ بھی مطلقات کے بارے میں عام ہے۔ اور یہ آیت: ﴿فاذا بلغن اجلهن فامسكو هن بمعروف﴾ [الطلاق:۲] رجعی طلاق والیوں کے بارے میں ہے۔ اور ایک خاص حکم کا ذکر جس کو کلام صدر شامل ہو صدر کلام کے عموم کو باطل نہیں کرتا، (محقق ابن ہمام کا کلام تمام ہوا۔)

معتدہ ضرورت کی وجہ سے باہر نکل سکتی ہے

۳۳۲۷: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ طُلِّقَتْ خَالَتِيْ ثَلَاثًا فَاَرَادَتْ اَنْ تَجُدَّ نَخْلَهَا فَزَجَرَهَا رَجُلٌ اَنْ تَخْرُجَ فَاَتَتِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ بَلٰى فَجُدِّيْ نَخْلَكِ فَاِنَّهٗ عَسٰى اَنْ تَصَدَّقِيْ اَوْ تَفْعَلِيْ مَعْرُوْفًا. (رواه مسلم)

اخرجه مسلم في صحيحه ۱۱۲۱/۲ الحديث رقم (۵۵-۱۴۸۳) وابوداوٗد في السنن ۷۲۰/۲ الحديث رقم ۲۲۹۷ والنسائي في ۲۰۹/۶ الحديث رقم ۳۵۵۰ وابن ماجه في ۶۵۶/۱ الحديث رقم ۲۰۳۴ والدارمي في ۲۲۲/۲ الحديث رقم ۲۲۸۸۔

ترجمہ: "اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میری خالہ کو تین طلاقیں دی گئیں (اور وہ عدت میں بیٹھ گئیں) پھر (ایک دن) انہوں نے ارادہ کیا کہ (گھر سے باہر جا کر اپنے کھجور) توڑ لائیں تو ایک شخص نے انہیں گھر سے باہر نکلنے سے روکا۔ وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئیں (اور یہ واقعہ بیان کیا) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیوں نہیں! (اس میں کوئی حرج نہیں ہے) جاؤ اور اپنے درخت سے کھجوریں توڑ لاؤ' کیونکہ شاید تم وہ کھجوریں اللہ تعالیٰ کی راہ میں صدقہ دو یا ان کے ذریعہ نیکی کا کام کرو"۔ (مسلم)

تشریح: قوله: طلقت خالتي ثلاثًا......:

طلقت: طاء کے ضمہ اور لام کی تشدید کے ساتھ ہے۔ ایک نسخہ میں طاء کے فتحہ اور لام کی تخفیف کے ساتھ ہے۔

أو تفعلي......: میں أو تنویع کے لئے ہے۔

آپؐ کے ارشاد کا مطلب یہ تھا کہ اگر وہ کھجوریں اتنی مقدار میں ہو جائیں کہ ان پر زکوٰۃ واجب ہو جائے تم ان کی زکوٰۃ اداء کرو گی اور اگر بقدر نصاب نہیں ہوں گی تو پھر تم ان کے ذریعہ احسان وسلوک کرو گی، بایں طور کہ اپنے ہمسایوں اور فقراء کو نفل صدقہ کے طور پر دو گی، یا لوگوں کے بطور تحفہ بھیجو گی اس سے معلوم ہوا کہ اگر وہ صدقہ نہ کرتیں، تو ان کے لئے گھر سے باہر نکلنا جائز نہ ہوتا۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ مال کی حفاظت کرنا اور اچھے کاموں کے لئے مال حاصل کرنے کی اجازت ہے۔
امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ جو عورت طلاق بائن کی عدت میں بیٹھی ہو، اس کے لئے کسی ضرورت کے لئے باہر نکلنا جائز ہے اور عدت وفات میں اس کے لئے نکلنا جائز نہیں ہے امام ابوحنیفہ رحمۃ اللہ علیہ کی عدت وفات میں ان کے ساتھ موافقت کی ہے۔

حاملہ کی عدت وضع حمل ہے

۳۳۲۸: وَعَنِ الْمِسْوَرِ بْنِ مَخْرَمَةَ اَنَّ سُبَيْعَةَ الْاَ سْلَمِيَّةَ نُفِسَتْ بَعْدَ وَفَاةِ زَوْجِهَا بِلَيَالٍ فَجَاءَ تِ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاسْتَأْذَنَتْهُ اَنْ تَنْكِحَ فَاَذِنَ لَهَا فَنَكَحَتْ۔ (رواه البخاری)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۴۷۰/۹ الحدیث رقم ۵۳۲۰ والنسائی فی ۱۹۰/۶ الحدیث رقم ۳۵۰۶ وابن ماجه فی ۶۵۴/۱ الحدیث رقم ۲۰۲۹ واحمد فی المسند ۳۲۷/۴۔

ترجمہ: ''اور حضرت مسور بن مخرمہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ سبیعہ اسلمیہ کے ہاں ان کے شوہر کی وفات کے چند دنوں بعد ولادت ہوئی تو وہ نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہو کر آپ ﷺ سے دوسرا نکاح کرنے کی اجازت طلب کرنے لگیں۔ آپ ﷺ نے ان کو اجازت عطا فرمائی اور انہوں نے نکاح کر لیا''۔ (بخاری)

حالاتِ راوی:

سبیعہ۔ یہ سبیعہ ''حارث'' کی بیٹی ہیں۔ قبیلہ ''اسلم'' کی ہیں۔ سعد بن خولہ کے نکاح میں تھیں۔ حجۃ الوداع والے سال میں مکہ میں سعد کا انتقال ہوا۔ ان کی حدیث کوفہ والوں میں زیادہ ہے۔ ایک جماعت ان سے روایت کرتی ہے۔ ''سبیعہ'' اسم مصغر ہے۔

سبیعة : قوله ان سبیعة الاسلمیة نفست :

تشریح: الاسلمیة : بنی اسلم کی طرف منسوب ہے۔ (نفست : نون کے ضمہ کے ساتھ ''ولدت'' کے معنیٰ میں ہے۔ یعنی بچے کا پیدا ہونا۔ اور فتحہ کے ساتھ ''حاضت'' کے معنیٰ میں ہوتا ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ یہ مشہور لغت کے مطابق نون کے ضمہ کے ساتھ ہے، اور ایک لغت میں فتحہ کے ساتھ ہے یہ دونوں لغت ولادت کے معنی میں ہیں۔

(ان تنکح : تاء کے فتحہ اور کاف کے کسرہ کے ساتھ تتزوج کے معنیٰ میں ہے۔

نکحت : تاء تانیث کے علاوہ تمام حروف پر فتحہ ہے۔

ان کے شوہر سعد بن خولہ تھے، یہ مکہ میں حجۃ الوداع کے موقع پر وفات پا گئے تھے۔ یہ بدر میں شریک ہوئے تھے۔ حاصل یہ ہے کہ سبیعہ اپنے خاوند کی وفات کے وقت حاملہ تھیں، چنانچہ خاوند کی وفات کے کچھ ہی دنوں بعد ان کے ہاں ولادت ہوئی تو آنحضرتؐ نے ان کو دوسرا نکاح کرنے کی اجازت دیدی۔ اس پر اجماع ہے اللہ کے اس ارشاد کی وجہ سے: ﴿واولات الاحمال اجلهن ان یضعن حملهن......﴾ [الطلاق:۴] ''اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل (یعنی بچہ جننے) تک ہے۔ اور جو خدا سے ڈرے گا خدا اس کام میں سہولت کر دے گا''۔

بعض شراح نے کہا ہے کہ اگر خاوند کی وفات یا طلاق کے بعد عورت کے ہاں ولادت ہو جائے، تو وہ عدت سے نکل جاتی ہے اور اس کے لئے دوسرا نکاح جائز ہو جاتا ہے، اگر چہ ولادت وفات یا طلاق کے تھوڑی ہی دیر بعد ہو۔

ابن ہمام کہتے ہیں کہ خلاصہ میں ہے کہ ہر وہ عورت جس کا دوران عدت حمل ٹھہر جائے اس کی عدت وضع حمل ہے اور جس عورت کا شوہر وفات پا گیا ہو، اگر اس کا حمل شوہر کے وفات کے بعد ٹھہرے، تو اس کی عدت مہینوں کے اعتبار سے ہوگی۔

ایّامِ عدت میں زینت والی چیز اختیار کرنا درست نہیں

۳۳۲۹: وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ جَاءَ تِ امْرَأَةٌ اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ بِنْتِيْ تُوُفِّيَ عَنْهَا زَوْجُهَا وَقَدِ اشْتَكَتْ عَيْنُهَا اَفَنَكْحُلُهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا مَرَّتَيْنِ اَوْ ثَلَاثًا كُلُّ ذٰلِكَ يَقُوْلُ لَا ثُمَّ قَالَ اِنَّمَا هِيَ اَرْبَعَةُ اَشْهُرٍ وَعَشْرٌ وَقَدْ كَانَتْ اِحْدَاكُنَّ فِي الْجَاهِلِيَّةِ تَرْمِيْ بِالْبَعْرَةِ عَلٰى رَأْسِ الْحَوْلِ۔ (متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۹/۴۸۴ الحدیث رقم ۵۳۳۶ ومسلم فی ۲/۱۱۲۴ الحدیث رقم ۱۴۸۸ وابو داؤد فی السنن ۲/۷۲۱ الحدیث رقم ۲۲۹۹ والنسائی فی ۶/۲۰۵ الحدیث رقم ۳۵۳۸ وابن ماجه فی ۱/۶۷۳ الحدیث رقم ۲۰۸۴۔

ترجمہ: اور حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ایک عورت نبی کریم ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کرنے لگی کہ میری بیٹی کا شوہر فوت ہو گیا ہے (جس کی وجہ سے وہ عدت میں ہے) اور اس کی آنکھیں دکھتی ہیں، تو کیا میں اس کی آنکھوں میں سرمہ لگا دوں؟ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "نہیں"۔ اس عورت نے یہ دو بار یا تین بار پوچھا اور آپ ﷺ نے ہر بار یہی جواب دیا کہ "نہیں" پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ "عدت چار مہینہ اور دس دن ہے جب کہ ایام جاہلیت میں تم میں سے ہر ایک عورت (یعنی بیوہ) سال کے ختم ہونے پر (اونٹ کی) مینگنیاں پھینکتی تھی"۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: قوله: ان بنتی توفی...... کل ذلك يقول:

توفی: تاء اور واؤ کے ضمہ اور فاء کی تشدید کے ساتھ ہے۔

نکحلها: نون کے فتحہ اور حاء کے ضمہ کے ساتھ ہے، اور ایک نسخہ میں تاء تانیث کے ساتھ ہے۔

اشتکت عینها: رفع کے ساتھ ہے اور ایک نسخہ میں نصب کے ساتھ ہے، امام نوویؒ شرح مسلم میں فرماتے ہیں کہ عینها، نون کے رفع کے ساتھ ہے۔ اور بعض اصول میں عیناها، الف کے ساتھ ہے۔ علامہ زرکشی تنقیح میں فرماتے ہیں کہ نون کے ضمہ کے ساتھ بھی جائز ہے، اور اس صورت میں دکھنے والی، آنکھ ہی ہوگی، اور فتحہ کے ساتھ بھی جائز ہے۔ اس صورت میں اشتکت میں ضمیر فاعل ہوگی، اور اس سے مراد وہی سوگ والی عورت ہوگی (نہ کہ آنکھ) اور پہلی صورت کو ترجیح دی گئی ہے چونکہ ایک روایت میں "عیناها" ہے۔

أفنكحلها: اس میں ضمیر بار زعورت کی طرف راجع ہے یا "عینها" کی طرف راجع ہے۔

کل ذلك: نصب کے ساتھ ہے اور ایک نسخہ میں رفع کے ساتھ ہے۔

یقول لا : علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ ''ثلاثا'' کے لئے صفت مؤکدہ ہے۔

اربعة أشهر وعشر : رفع کے ساتھ ہے ''اربعة'' پر عطف ہے۔ جیسا کہ مشکوٰۃ کے حاضر نسخوں میں ہے اور اصول صحیحہ معتمدہ میں ہے۔ سیوطی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ ''عشرًا'' نصب کے ساتھ ہے الفاظ قرآنی کی حکایت ہے اور بعض نے رفع کے ساتھ روایت کیا ہے۔ عسقلانی فرماتے ہیں ''عشرًا'' اسی طرح اصل میں نصب کے ساتھ ہے لفظ قرآنی کی حکایت کے طور پر۔ اور بعض کے نزدیک رفع کے ساتھ ہے، اور وہ زیادہ واضح ہے۔

ابن الملکؒ فرماتے ہیں یہ حدیث امام احمد کی دلیل ہے ان کے نزدیک اس عورت کو سرمہ لگانا جائز نہیں ہے، جس کا خاوند مر گیا ہو، اور وہ عدت میں بیٹھی ہو، خواہ آنکھیں دکھنے کی وجہ سے اس کو سرمہ لگانے کی ضرورت ہو خواہ محض زینت یا عادت کی وجہ کی بناء پر لگانا چاہتی ہو جب کہ امام ابوحنیفہ اور امام مالک کے نزدیک مجبوری کے حالت میں مثلاً آنکھ دکھنے کی صورت میں سرمہ لگانا جائز ہے، امام شافعی بھی آنکھ دکھنے کی صورت میں سرمہ لگانے کی اجازت دیتے ہیں مگر اس شرط کے ساتھ کہ رات میں لگائے اور دن میں پونچھ ڈالے۔

اس حدیث کے بارے میں حنفی علماء فرماتے ہیں کہ اس عورت نے زینت کے لئے سرمہ لگانا چاہا ہوگا۔ مگر بہانہ کیا ہوگا آنکھ دکھنے کا اور آپؐ کو اس کا علم ہوگیا ہوگا اس لئے آپؐ نے سرمہ لگانے کی اجازت دینے سے انکار کر دیا۔

البعرة : عین کے سکون کے ساتھ ہے۔ اور ایک نسخہ میں فتحہ کے ساتھ ہے۔ اونٹ کی مینگنی کو کہا جاتا ہے۔ قاموس میں ہے البعر اور اس کا واحد ھاء کے ساتھ ہوتا ہے۔ سیوطی نے اس کو عین کے سکون کے ساتھ ضبط کیا ہے اور تنقیح میں عین کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

قوله: وقد كانت احداكن في الجاهلية ...... : قاضی عیاض فرماتے ہیں کہ زمانہ جاہلیت میں یہ رسم تھی کہ جس عورت کا خاوند مر جاتا وہ ایک تنگ و تاریک کوٹھڑی میں داخل ہو جاتی، اور بہت خراب کپڑے پہنے رہا کرتی تھی۔ زینت کی کوئی چیز استعمال نہیں کرتی تھی، خوشبو بھی نہیں لگاتی تھی، غرض یہ کہ پورا سال اسی حال میں رہتی، پھر جس دن سال ختم ہوتا اس دن اس کے پاس گدھا، بکری، اور کوئی جانور یا پرندہ لایا جاتا جس سے وہ اپنی شرمگاہ رگڑتی اور اس کے بعد وہ کوٹھڑی سے باہر نکلتی۔ پھر اس کے ہاتھ میں چند مینگنیاں دی جاتیں تھیں جن کو وہ پھینک کر عدت سے نکل آتی تھی۔

آنحضرتؐ نے اسی رسم کی طرف اشارہ فرمایا ہے کہ اسلام میں عدت بنسبت جاہلیت کی مدت کے بہت کم ہے، یعنی چار ماہ دس دن ہے، اور اس میں خرابیاں اور پریشانی بھی نہیں ہے، تو اتنا اضطراب کیوں ہے۔

''شرح السنۃ'' میں ہے کہ جس عورت کا خاوند مر جاتا اس کی عدت ابتداء میں پورا سال ہوتی تھی، پھر چار ماہ دس دن مقرر ہوئی تو یہ منسوخ ہوگئی۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ آزاد عورت کی عدت وفات چار ماہ دس دن ہے، چاہے وہ مدخول بہا ہو یا نہ ہو، مسلمان ہو یا کتابیہ ہو، مسلمان کے نکاح میں ہو، صغیرہ ہو یا کبیرہ ہو، یا آئسہ ہو، شوہر اس کا آزاد ہو یا غلام ہو، اس مدت میں اس کو حیض آیا ہو یا نہ آیا ہو، اور اس کا حمل ظاہر نہ ہوا ہو۔ بعض سلف نے کہا ہے کہ عزیمت ایک سال ہے اور عدت رخصت چار ماہ دس دن ہے اللہ

کے اس ارشاد کی وجہ سے ﴿ والذين يتوفون منكم ويذرون ازواجا ﴾ [البقرة:۲۳٤] اور جمہور فرماتے ہیں کہ یہ حکم آیت اشہر کے ذریعے منسوخ ہو چکا ہے۔ اوزاعی فرماتے ہیں چار ماہ دس راتیں ہیں اور اس کے ساتھ دن بھی شامل ہیں۔ پس اگر وہ دسویں دن نکاح کر لے تو جائز ہے، یہ بات انہوں نے عشر عدد کے مذکر ہونے سے اخذ کی ہے کہ معدود الليالي (یعنی راتیں) ہوگا۔ ورنہ تو عدد کو مؤنث لاتے، ہم کہتے ہیں کہ اس طرح کا استعمال ایام کے لئے ہوتا ہے، جیسا کہ تاریخ سے معلوم ہوتا ہے کہ راتیں لکھی جاتی ہیں۔ صاحب مدارک فرماتے ہیں وہ اعشر لیالٍ، یعنی دس راتیں اور دن اس کے ساتھ داخل ہیں۔

قاضی بیضاوی فرماتے ہیں کہ "عشر" کی تذکیر "لیال" کے اعتبار سے ہے کیونکہ راتیں مہینوں اور ایام کے "غرر" سے ہوتی ہیں۔ اور اس کی تائید "ان لبثتم الا عشرا" اور "ان لبثتم الا يوما" سے ہوتی ہے۔

عموم الفاظ کا تقاضا ہے کہ اس میں مسلمان عورت اور کتابیہ برابر ہو جیسا کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں اور آزاد اور باندی برابر ہو جیسا کہ اصم فرماتے ہیں اور حاملہ اور غیر حاملہ برابر ہو۔ لیکن قیاس نے مدۃ کو باندی کے حق میں آدھا کر دیا ہے اور اجماع نے حاملہ کو اس سے خاص کر دیا ہے بوجہ اللہ کے اس فرمان کے: ﴿ واولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن...... ﴾ [الطلاق:٤] "اور حمل والی عورتوں کی عدت وضع حمل (یعنی بچہ جننے) تک ہے۔ اور جو خدا سے ڈرے گا خدا اس کام میں سہولت کر دے گا"۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اگر لونڈی ہو، تو اس کی عدت دو ماہ پانچ دن ہے۔ اب رہی یہ بات کہ عدت کی ابتداء کب سے ہو گی؟ جمہور علماء کے نزدیک اس مدت کی ابتداء خاوند کی موت کے بعد سے ہوگی، لیکن حضرت علیؓ اس کے قائل تھے کہ عدت کی ابتداء اس وقت سے ہوگی جس وقت عورت کو خاوند کے انتقال کی خبر ہوئی ہے۔ لہٰذا اگر کسی عورت کا خاوند کہیں سفر میں مر گیا اور اس عورت کو اس کی خبر نہیں ہوئی، یہاں تک کہ چار مہینے دس دن گزر گئے تو جمہور علماء کے نزدیک عدت پوری ہو گئی۔ حضرت علی کے نزدیک مدت سوگ منانے کے وقت سے شروع ہوتی ہے اور اس پر عمل بغیر اس کی موت کی خبر کے نہیں ہو سکتا۔ لہٰذا ان کے نزدیک عدت خبر کے بعد شروع ہوگی۔

ہم کہتے ہیں کہ کم سے کم یہ اس عورت کی طرح ہے، جس کو علم ہو مگر اس نے سوگ نہیں منایا، یہاں تک کہ مدت عدت گزر گئی تو بالاتفاق وہ عدت سے نکل جاتی ہے، اور مقصود چونکہ کسی اور سے نکاح نہ کرنا ہے اور وہ پایا گیا ہے اور عبادت کا معنیٰ یہاں تابع ہے۔

قاضی بیضاوی فرماتے ہیں شاید عدت کی یہ مدت مقرر کرنے کا مقتضی یہ ہو کہ ماں کے پیٹ میں بچہ عام طور پر تین ماہ تک حرکت شروع کر دیتا ہے اگر وہ نر ہو اور اگر مؤنث ہو چار ماہ تک۔ یہاں دونوں میں سے زیادہ مدت کا اعتبار کیا اور دس دن اس پر زیادہ کیے اس کو ظاہر کرنے کے لئے کہ کبھی بچہ کی حرکت میں ابتداءً ضعف ہوتا ہے جس کا احساس نہیں ہو پاتا۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ اگر متوفى عنها زوجها حاملہ ہو، تو اس کی عدت وضع حمل ہے چاہے آزاد ہو یا لونڈی ہو جیسے مطلقہ اور نکاح فاسد کی وجہ سے چھوڑی ہوئی عورت اور جس عورت کے ساتھ وطی بالشبہ ہوئی ہو۔ اگر وہ حاملہ ہے تو اس کی بھی یہی عدت ہے کیونکہ اللہ کا یہ ارشاد مطلق ہے: ﴿ واولات الاحمال اجلهن ان يضعن حملهن...... ﴾ [الطلاق:٤] "اور حمل

والی عورتوں کی عدت وضع حمل (یعنی بچہ جننے) تک ہے۔ اور جو خدا سے ڈرے گا خدا اس کام میں سہولت کر دے گا"۔ حضرت علیؓ اور ابن عباسؓ فرماتے ہیں کہ وضع حمل اور چار ماہ دس دن دونوں ضروری ہیں کیونکہ وضع حمل کے ساتھ عدت پر آیت مذکورہ سے واجب ہے اور چار ماہ دس دن: ﴿يتربصن بانفسهن اربعة اشهر وعشرا﴾ [البقرة: ٢٣٤] سے واجب ہے، تو احتیاطاً دونوں کو جمع کرے۔

موطأ مالک میں سلیمان بن یسار سے روایت ہے کہ عبداللہ بن عباس اور ابو سلمہ بن عبدالرحمٰن بن عوف کا اختلاف ہوا اس عورت کے بارے میں جس کا وضع حمل شوہر کی وفات کے چند دن بعد ہوا۔ ابو سلمہ نے کہا اس کا وضع حمل ہو چکا ہے یہ حلال ہو گئی ہے۔ ابن عباس نے فرمایا کہ آخر الا جلین (یعنی جو مدت لمبی ہو) وہ عدت ہوگی۔ تو ابو ہریرہ نے فرمایا، کہ میں اپنے بھتیجے یعنی ابو سلمہ کے ساتھ ہوں۔ انہوں نے ابن عباسؓ کے آزاد کردہ غلام کریب کو ام سلمہ کے پاس بھیجا، کہ اس بارے میں ان سے پوچھتے ہیں۔ کریب نے واپسی پر خبر دی کہ ام سلمہ کہتی ہیں کہ سبیعہ اسلمیہ کے ہاں ولادت شوہر کی وفات کے چند دن بعد ہوئی۔ جب نبیؐ کے سامنے اس کا ذکر کیا گیا تو آپؐ نے فرمایا: "قد حللت انكحي من شئت" کہ تو حلال ہو چکی ہو جس سے چاہو نکاح کر لے۔ اور ترمذی کی روایت میں ہے کہ وفات کے ۲۳ یا ۲۵ دن بعد ولادت ہوئی۔ بخاری، ابوداؤد، نسائی، اور ابن ماجہ نے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے: "من شاء لا عنته لا نزلت سورة النسآء القصرى بعد الاربعة اشهر وعشر" کہ جو چاہے میں اس کے ساتھ ملاعنہ کے لئے تیار ہوں کہ سورۃ طلاق سورۃ بقرہ کے بعد نازل ہوئی ہے۔ اور بزار نے من شاء حالفته کے الفاظ کے ساتھ تخریج کی ہے۔

عبداللہ ابن احمد نے اپنے والد کی مسند میں ابی بن کعب سے روایت کرتے ہیں کہ وہ کہتے ہیں کہ میں نے نبیؐ سے کہا: واولات الا حمال اجلهن ان يضعن حملهن للمطلقة ثلاث والمتوفى عنها زوجها یعنی اس آیت میں وہ عورت مراد ہے جس کو تین طلاقیں ہوئی ہوں اور جس عورت کا شوہر وفات پا گیا ہو، اس کے بارے میں ہے؟ تو آپؐ نے فرمایا: انہی کے بارے میں ہے لیکن اس حدیث کی سند میں مثنیٰ بن صباح متروک راوی ہے۔

خاوند کے علاوہ سوگ کی مدت میں تین روز

۳۳۳۰: وَعَنْ اُمِّ حَبِيْبَةَ وَزَيْنَبَ بِنْتِ جَحْشٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَحِلُّ لِامْرَأَةٍ تُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ اَنْ تُحِدَّ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثِ لَيَالٍ اِلَّا عَلٰى زَوْجٍ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَّعَشْرًا. (متفق عليه)

اخرجه البخاری فی صحيحه ٤٨٤/٩ الحديث رقم ٥٣٣٤ومسلم فی ١١٢٣/٢ الحديث رقم (٥٨-١٤٨٦) وابوداؤد فی السنن ٧٢١/٢ الحديث رقم ٢٢٩٩ والترمذی فی ٥٠١/٣ الحديث رقم ١١٩٦ والنسائی فی ١٩٩/٦ الحديث رقم ٣٥٣٧ والدارمی فی ٢٢٠/٢ الحديث رقم ٢٢٨٤ومالك فی الموطأ ٥٩٦/٢ الحديث رقم ١٠١ من كتاب الطلاق۔

ترجمہ: ''اور حضرت اُمّ حبیبہ رضی اللہ عنہا اور حضرت زینب بنت جحش رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے نقل کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو بھی عورت اللہ تعالیٰ اور یومِ آخرت پر ایمان رکھتی ہے اس کیلئے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ اپنے شوہر کی وفات پر چار ماہ دس دن کے علاوہ کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ کرے۔'' (بخاری ومسلم)

تشریح: جحش: جیم کے فتحہ اور حاء کے سکون کے ساتھ ہے۔

قوله :لا يحل لامرأة تؤمن:

لا يحل :صیغہ مذکر کے ساتھ ہے اور رفع کے ساتھ ہے اور بعض نسخوں میں تانیث کی ساتھ ہے، لیکن تانیث کی یہاں کوئی صحیح وجہ نہیں ہے۔ یہ نفی ہے لفظاً اور معنیً۔ علامہ طیبیؒ کی اس بات میں کہ ''یہ نفی بمعنی نہی کے ہے بر سبیل تاکید'' ایک طرح کا تسامح ہے: ''لایحل'' یہاں **لا یجوز** کے معنیٰ میں ہے۔

ان تحد : تاء کے ضمہ اور حاء کے کسرہ کے ساتھ ہے اور دال مشدد کے فتحہ کے ساتھ۔ **أحد، يحد** سے ہے **أعد، يعد** کی طرح اور ایک نسخہ میں اول کے فتحہ اور ثانی کے ضمہ کے ساتھ ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ حاء کے کسرہ کے ساتھ ہے **حد، يحد** سے جیسے **فر يفر** اور **مر يمر**، اس کو شمنی نے ذکر کیا ہے۔ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ یہ باب نصر، باب ضرب، اور باب افعال سے آتا ہے۔ نہایہ میں ہے کہ: **أحدت المرأة على زوجها تحد فهي محدة، وحدت تحد فهي حادة**، جب وہ شوہر پر رنجیدہ ہو جائے اور غم کے کپڑے پہن لے اور زیب وزینت ترک کر دے۔ قاضی عیاض نے مشارق میں لکھا ہے کہ یہ تاء کے ضمہ اور حاء کے کسرہ کے ساتھ ہے، اور تاء کے فتحہ اور حاء کے ضمہ کے ساتھ بھی ہے۔ کہا جاتا ہے **حدت و أحدت حددا، و احدادا**، جب وہ زیب وزینت اور خوشبو لگانے کو چھوڑ دے۔ اس کا اصل معنیٰ ''منع'' ہے۔ پس معنیٰ یہ ہوگا کہ وہ اپنے آپ کو زینت سے روکے اور خوشبو لگانا چھوڑ دے۔

فوق ثلاث ليال : ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ بخاری کی روایت میں ''**فوق ثلاثة ايام**'' ہے۔

تؤمن بالله واليوم الآخر : مؤمن بہ کے دو اطراف پر اکتفاء کیا اختصار کی وجہ سے، اور اشارہ ہے کہ ایمان کا مدار ان دونوں پر ہے خاص کر کے مقام تخویف میں۔ علامہ طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ وصف ایمان کا ذکر علت پر دلالت کر رہا ہے، کہ جو شخص اللہ پر ایمان رکھتا ہے تو وہ ایسے بڑے گناہ کی جرأت نہیں کر سکتا، حدیث کا سیاق اگرچہ عبارت النص کے طور پر مؤمن بہ کے اختصاص پر دلالت کر رہا ہے، لیکن اشارۃ النص کے طور پر غیر پر بھی دلالت کر رہا ہے۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ صحیحین میں زینب بنت ابی سلمہ کی حدیث ہے وہ کہتی ہیں کہ حضرت ام حبیبہ کا کوئی رشتہ دار فوت ہوا، تو انہوں نے خوشبو منگوائی اور اپنے ہاتھوں پر ملی اور فرمایا: میں نے یہ اس لئے کیا کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے سنا ہے، کہ آپؐ نے فرمایا: جائز نہیں ہے کسی عورت کے لئے جو اللہ اور آخرت پر ایمان رکھتی کہ وہ تین دن سے زیادہ کسی پر سوگ منائے مگر شوہر پر جو کہ چار ماہ دس دن ہے۔

اس حدیث کو دوسرے الفاظ کے ساتھ بھی روایت کیا گیا ہے، اور اس میں واقعہ تفصیل سے مذکور ہے کہ ان کے والد ابو سفیان وفات پا گئے تھے۔ لیکن یہ بات مخفی نہیں ہے کہ اس حدیث میں سوگ کے وجوب پر کوئی دلیل نہیں ہے۔ کیونکہ حدیث کا

حاصل نفی حلت سے سوگ کا استثناء ہے اس سے صرف اس کا حلال ہونا ثابت ہوتا ہے اس بارے میں کوئی کلام نہیں ہے۔
شعبی اور حسن بصری کا کہنا ہے کہ حداد یعنی سوگ واجب نہیں ہے، لیکن حلال ہے۔ اس پر دلالت کر رہی ہے وہ روایت جو ابوداؤدؒ نے اپنے مراسیل میں ذکر کی ہے عمرو بن شعیب کی سند سے: **ان رسول اللّٰہ رخص للمرأة أن تحد علی زوجها حتی تنقضی عدتها وعلی من سواه ثلاثة ایام.** کہ رسول اللہ ﷺ نے عورت کو اپنے شوہر پر سوگ منانے کی اجازت دی ہے، عدت ختم ہونے تک۔ اور اس کے علاوہ پر تین دن کے لئے۔ حق یہ ہے کہ حدیث حفصہ سے جو صحیح میں ہے استدلال کیا جائے، کہ آپ نے فرمایا: **"لا یحل لامرأة تؤمن باللّٰہ والیوم الآخر أن تحد علی میت فوق ثلاثة ایام الا علی زوجها' فانها تحد علیه اربعة اشهر وعشراً"** کہ اس میں صراحۃً خبر دی ہے۔

خاوند کے علاوہ سوگ کی مدت میں تین روز

۳۳۳۱: وَعَنْ اُمِّ عَطِيَّةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا تُحِدُّ امْرَأَةٌ عَلٰى مَيِّتٍ فَوْقَ ثَلَاثٍ اِلَّا عَلٰى زَوْجٍ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا وَلَا تَلْبَسُ ثَوْبًا مَصْبُوْغًا اِلَّا ثَوْبَ عَصْبٍ وَلَا تَكْتَحِلُ وَلَا تَمَسُّ طِيْبًا اِلَّا اِذَا طَهُرَتْ نُبْذَةً مِنْ قُسْطٍ اَوْ اَظْفَارٍ (متفق علیه وزاد ابو داود) وَلَا تَخْتَضِبُ.

اخرجه البخاری فی صحیحه ۴۹۲/۹ الحدیث رقم ۵۳۴۱ ومسلم فی ۱۱۲۸/۲ الحدیث رقم (۶۶/۹۳۸) وابو داؤد فی السنن ۷۲۵/۲ الحدیث رقم ۲۳۰۲ والنسائی فی ۲۰۴/۶ الحدیث رقم ۳۵۳۶ واحمد فی المسند ۸۵/۵۔

ترجمہ: "اور حضرت اُم عطیہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کوئی عورت کسی میت پر تین دن سے زیادہ سوگ نہ کرے سوائے اپنے شوہر کے مرنے پر چار ماہ دس دن تک سوگ کرے اور (ان ایام یعنی زمانۂ عدت میں) عصب (یعنی دھاری دار چادر) کے علاوہ نہ تو کوئی رنگین کپڑا پہنے' نہ سرمہ لگائے اور نہ خوشبو لگائے البتہ حیض سے پاک ہوتے وقت تھوڑا سا قسط یا اظفار کی معمولی سی خوشبو استعمال کر لے (اس میں کوئی قباحت نہیں)"۔" (بخاری و مسلم)

تشریح: **قوله :لا تحد امرأة...... اربعة اشهر و عشرا:**
لا تحد :صیغۂ نفی کا ہے نہی کے معنی میں۔ اور ایک نسخہ میں صیغۂ نہی کے ساتھ ہے۔
عصب :صاد کے سکون کے ساتھ ہے۔ یہ اس زمانے میں ایک خاص قسم کی چادر کو کہتے تھے، جو اس طور پر بنی جاتی تھی کہ پہلے سوت کو جمع کر کے ایک جگہ باندھ لیتے تھے، پھر اس کو کسم میں رنگتے تھے، اس کے بعد اس کو بُنتے تھے، چنانچہ وہ سرخ رنگ کی ایک چادر ہو جاتی تھی، جس میں سفید دھاریاں بھی ہوتی تھیں، کیونکہ سوت کو باندھ کر رنگنے کی وجہ سوت کا وہ حصہ سفید رہ جاتا تھا، جو بندھا ہوتا تھا۔
اس سے معلوم ہوا کہ عورت کو جو سرخ ~~کپڑا پہننے~~ کی ممانعت ہے اس کا تعلق اس کپڑے سے ہے جو بُننے کے بعد رنگا گیا ہو،

جیسا کہ ہمارے علماء میں سے بعض شراح نے کہا ہے۔ اور امام طیبی نے بھی اس کی اتباع کی ہے۔

ولا تمس : سین کے ضمہ کے ساتھ ہے اور بعض نے کہا ہے کہ فتحہ کے ساتھ ہے۔

طهرت : ہاء کے فتحہ اور ضمہ دونوں کے ساتھ ہے۔

قسط : قاف کے ضمہ کے ساتھ ایک قسم کی خوشبو ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ عود ہندی کو کہتے ہیں جو ادویہ میں استعمال ہوتی ہے۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ اک جڑی بوٹی ہے جو ادویہ میں معروف ہے، اور عمدہ خوشبو والی ہے۔ نفاست والی عورتوں اور بچوں کو اس کی دھونی دی جاتی ہے۔

اظفار : ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ خوشبو کی جنس میں سے ہے، اس لفظ کا واحد نہیں ہے۔ بعض نے کہا ہے کہ اس کا مفرد ''ظفر'' ہے اور بعض نے کہا ہے کہ یہ جڑ سے اکھڑے ہوئے ناخن کے مشابہ ہوتا ہے۔ اور بعض نے کہا ہے کہ یہ کالے عطر کی ایک قسم ہے اور اس کا ٹکڑا ناخن کا مشابہ ہوتا ہے۔ نوویؒ فرماتے ہیں کہ **قسط** اور **اظفار** خوشبو کی دو قسمیں ہیں، لیکن اس کے لگانے سے مقصود خوشبو نہیں ہوتی بلکہ حیض سے پاک ہونے والی عورت کو اس کی اجازت دی گئی ہے، بدبو دور کرنے کے لئے۔ خون صاف کرنے کے بعد اس کو شرمگاہ پر لگاتی ہیں۔ (**نبذة** :نون کے ضمہ کے ساتھ'' **شيء يسير** '' کو کہتے ہیں۔

الا على زوج : علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ'' **الا على زوج** '' میں استثناء متصل ہے بشرطیکہ'' **اربعة اشهر وعشرا** '' کو فعل مقدر **اعني** یا **اذكر** کی وجہ سے منصوب مانا جائے۔ اور یہ بیان ہے'' **فوق ثلاث** '' کے لئے۔ یہ عرب کے اس قول کے قبیل سے ہے: **ما حتقرت الا منكم رقيقا** مفسر'' **اربعة اشهر** '' کو استثناء یعنی'' **الا على زوج** '' پر مقدم کیا ہے، اور تقدیری عبارت یوں ہوگی: **لا تحد امرأة على ميت فوق ثلاث اعني اربعة اشهر الا على زوج** . اور اگر'' **تحد** '' کا معمول ضمیر کو مان لیا جائے تو پھر یہ مستثنیٰ منقطع ہوگا، اور تقدیری عبارت یوں ہوگی: **لا تحد امرأة على ميت فوق ثلاث ولكن تحد على زوج اربعة اشهر** اھ۔ ثانی زیادہ ظاہر ہے کیونکہ بعض روایات میں یوں ہے: **الا على زوجها فانها تحد عليه اربعة اشهر وعشرا** .

قوله :ولا تلبس ثوبًا مصبوغا : اس سے مراد وہ کپڑا ہے جو کسم اور زعفران میں رنگا گیا ہو، اور کتاب کافی میں لکھا ہے کہ اگر کسی عورت کے پاس رنگین کپڑوں کے علاوہ اور کوئی کپڑا نہ ہو تو وہ رنگین کپڑا بھی پہن سکتی ہے، کیونکہ ستر پوشی بہر حال ضروری ہے۔ لیکن وہ رنگین کپڑوں کو زیب و زینت کے مقصد سے استعمال نہ کرے۔

ثوب عصب : علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ ہمارے علماء کے نزدیک عدت والی عورت کو عصب پہننا بھی درست نہیں ہے۔ امام شافعیؒ کے نزدیک عدت والی عورت کو پہننا جائز ہے خواہ وہ موٹا ہو یا باریک ہو، جب کہ امام مالکؒ باریک عصب کو منع کرتے ہیں۔ اور حنابلہ کا اس میں آپس میں اختلاف ہے۔

الصحاح میں عصب کی تفسیر میں لکھا ہے کہ یہ ایک یمنی چادر ہے۔ اس کو بُننے کے بعد رنگا جاتا ہے۔ ابن ہمام کہتے ہیں کہ کالے کپڑے پہننا جائز ہے عدت والی عورت کے لئے ائمہ کے نزدیک اور ظاہر یہ نے اس کو سبز اور سرخ کی طرح قرار دیا ہے۔

ولا تكتحل : ابن ہمام فرماتے ہیں کہ عدت والی عورت کو مجبوری کی حالت میں سرمہ لگانا جائز ہے، ویسے جائز نہیں

ہے۔ یہ جمہور ائمہ کا مذہب ہے۔ اور ظاہر یہ کہتے ہیں کہ سرمہ نہ لگائے اگر چہ درد اور مجبوری ہو کیونکہ ماقبل میں ایک حدیث صحیح میں تاکید کے ساتھ حکم ممانعت گذرا۔ اس عورت کو جس کی آنکھ دکھ رہی تھی۔ جمہور کہتے ہیں کہ اس کی آنکھ کے بارے میں نقصان کا اندیشہ ہے۔

یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ جس عورت کا خاوند مر گیا ہو، اس پر عدت کے زمانہ میں سوگ کرنا واجب ہے اس پر تمام علماء کا اتفاق ہے۔ البتہ اس کی تفصیل میں اختلاف ہے۔ امام شافعی اور جمہور تو یہ کہتے ہیں کہ خاوند کی وفات کے بعد ہر عدت والی عورت پر سوگ کرنا واجب ہے' خواہ وہ مدخول بہا ہو یا غیر مدخول بہا ہو' خواہ چھوٹی ہو بڑی' خواہ باکرہ یا ثیبہ' خواہ آزاد ہو یا لونڈی' اور خواہ مسلمہ ہو یا کتابیہ۔

امام ابوحنیفہ' اہل کوفہ اور بعض مالکیہ کہتے ہیں کہ سوگ کرنا مؤمنہ کے ساتھ خاص ہے، کتابیہ پر واجب نہیں ہے آپؐ کے اس فرمان کی وجہ سے: "لا یحل لا مرأۃ تؤمن باللہ والیوم الآ خر".جمہور نے اس میں یہ تاویل کی ہے کہ یہاں اختصاص اس وجہ سے ہے کہ مؤمن کو ہی خطاب شارع مستمر رہتا ہے، اور وہ ہی اس سے فائدہ حاصل کرتا ہے اور اس کا تابع ہوتا ہے۔

امام ابوحنیفہ رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ چھوٹی کے لئے بھی سوگ کرنا نہیں ہے اور اسی طرح باندی پر بھی۔ اس کا جواب یہ ہے کہ صغیرہ اس حکم میں داخل ہے لیکن چونکہ وہ نادرہ ہوتی ہے، پس وہ بطور غلبہ کے حکم کے تحت داخل ہے،

حکم کو" اربعة اشهر عشرا" کے ساتھ مقید اس لئے کیا ہے کہ عام طور پر عدت گزارنے والی مہینوں کے اعتبار سے عدت گزارتی ہے اگر وہ عورت حاملہ ہے تو اس کی عدت وضع حمل ہے، اور اس پر وضع حمل تک سوگ کرنا لازم ہے چاہے مدت کم ہو یا زیادہ۔ علماء فرماتے ہیں کہ سوگ کرنے کی حکمت عدت وفات میں ہے نہ کہ طلاق میں، کیونکہ زیب وزینت اور خوشبو لگانا دواعی نکاح میں سے ہے تو اس لئے اس کو منع کیا زجر کے طور پر کیونکہ میت اس کو نکاح سے نہیں روک سکتی، برخلاف طلاق دینے والے زندہ آدمی کے کہ اس کا وجود دوسرے زواجر سے استغناء کے لئے کافی ہے۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ تزوج کی وجہ سے خلع یافتہ' تین طلاق والی اور ایک طلاق بائن پانے والی کے لئے بھی لازم ہے۔

بیوی پر شوہر کے سوگ کے علاوہ دیگر رشتہ داروں میں سے کسی کا سوگ واجب نہ ہونے میں کسی کا اختلاف نہیں ہے۔

کیا ان پر سوگ کرنا مباح ہے؟ تو امام محمدؒ نوادر میں فرماتے ہیں کہ حلال نہیں ہے سوگ کرنا اس عورت کے لئے جس کا والد یا بیٹا یا والدہ یا بھائی مرا ہو۔ اور بے شک سوگ شوہر کے ساتھ خاص ہے۔ بعض حضرات نے کہا ہے کہ امام محمدؒ کا مقصد اس سے، وہ ہے جو تین دن سے زائد ہو کیونکہ تین دن تک مسلمان عورتوں کے لئے شوہروں کے علاوہ رشتہ داروں پر سوگ کا جواز حدیث میں ہے۔

اور ماقبل میں سوگ کو طلاق بائن کے ساتھ مقید کرنا اس بات کا فائدہ دیتا ہے کہ طلاق رجعی پانے والی عورت کے لئے سوگ نہیں ہے۔ اور چاہیئے کہ اگر عورت تین دن تک اپنے رشتہ داروں پر سوگ کرنا چاہتی ہے، اور اس کا شوہر ہے تو وہ اس کو منع کرے۔ کیونکہ زیب وزینت شوہر کا حق ہے، یہاں تک کہ وہ اس کے ترک پر بیوی کو مار سکتا ہے، جب بیوی زینت اختیار کرنے سے انکار کرے، اور شوہر چاہتا ہو، اور یہ سوگ کرنا اس کے لئے جائز ہے واجب نہیں ہے۔ اور اس کے کرنے سے شوہر کا حق

فوت ہو جاتا ہے۔

امام شافعی فرماتے ہیں کہ طلاق بائن پانے والی عورت کے لیے سوگ نہیں ہے، کیونکہ یہ اظہار افسوس کے لئے ہوتا ہے اور وہ موت میں ہوتا ہے، کہ شوہر نے تادم مرگ اس کو ساتھ رکھا تھا۔

ہم کہتے ہیں کہ محل نزاع میں نص وارد ہے، اور وہ آپ کا یہ ارشاد ہے: آپ ؐ نے معتدہ کو مہندی لگانے سے منع کرتے ہوئے فرمایا ہے "الحناء طيب"۔ سروجی نے اس کو ایک مستقل حدیث کے طور پر ذکر کیا ہے اور نسبت نسائی کی طرف کی ہے۔ اس کے الفاظ ہیں: "نهى المعتده عن الكحل والدهن والخضاب بالحنا، وقال: الحنا الطيب"۔ واللہ اعلم۔ ہوسکتا ہے کہ یہ نسائی کی بعض کتابوں میں ہو۔ اور اگر مان لیا جائے کہ اس حدیث میں معتدہ سے مراد عدت وفات گزارنے والی ہے تو تب بھی ہمارا مطلب معتدہ وفات پر قیاس کرنے سے حاصل ہو جاتا ہے کہ دونوں میں مشترکہ وجہ اظہار افسوس ہے، کہ یہ نعمت نکاح جو دنیا و آخرت کی نجات کے اسباب میں سے ایک سبب ہے، کے فوت ہونے پر افسوس کرے۔ کیونکہ یہ ضابطہ ہے اس حکمت کے لئے جو شوہر کے فوت ہونے پر مقصود ہے، اور زیب و زینت اور خوشبو لگانا یہ شہوت کو ابھارنے والے ہیں، اور شرعاً اس مدت میں عورت کیلئے نکاح ممنوع ہے تو دواعی نکاح بھی ممنوع ہیں۔ اور اللہ کا یہ ارشاد: ﴿لكيلا تأسوا على ما فاتكم﴾ تو اس سے مراد چیخ پکار کے ساتھ افسوس کرنا اور خوشی منانا ہے، یہ ابن مسعود سے موقوفاً اور مرفوعاً دونوں طرح منقول ہے۔

الفصل الثانی:

حضرت فریعہ رضی اللہ عنہا کی عدت کا واقعہ

۳۳۳۲: وَعَنْ زَيْنَبَ بِنْتِ كَعْبٍ اَنَّ الْفُرَيْعَةَ بِنْتَ مَالِكِ بْنِ سِنَانٍ وَهِيَ اُخْتُ اَبِي سَعِيْدِ الْخُدْرِيِّ اَخْبَرَتْهَا اَنَّهَا جَاءَ تْ اِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ تَسْأَلُهُ اَنْ تَرْجِعَ اِلٰى اَهْلِهَا فِي بَنِي خُدْرَةَ فَاِنَّ زَوْجَهَا خَرَجَ فِي طَلَبِ اَعْبُدٍ لَّهُ اَبَقُوْا فَقَتَلُوْهُ قَالَتْ فَسَاَلْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ اَرْجِعَ اِلٰى اَهْلِيْ فَاِنَّ زَوْجِيْ لَمْ يَتْرُكْنِيْ فِي مَنْزِلٍ يَمْلِكُهُ وَلَا نَفَقَةٍ فَقَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ فَانْصَرَفْتُ حَتّٰى اِذَا كُنْتُ فِي الْحُجْرَةِ اَوْ فِي الْمَسْجِدِ دَعَانِي فَقَالَ اُمْكُثِيْ فِيْ بَيْتِكِ حَتّٰى يَبْلُغَ الْكِتَابُ اَجَلَهُ قَالَتْ فَاعْتَدَدْتُ فِيْهِ اَرْبَعَةَ اَشْهُرٍ وَعَشْرًا.

(رواه مالك والترمذی وابوداود والنسائی وابن ماجة والدارمی)

اخرجه ابوداؤد فی السنن ۷۲۳/۲ الحديث رقم ۲۳۰۰ والترمذی فی ۵۰۸/۳ الحديث رقم ۱۲۰۴ والنسائی فی ۲۰۰/۶ الحديث رقم ۳۵۳۲ وابن ماجه فی ۶۵٤/۱ الحديث رقم ۲۰۳۱ والدارمی فی ۲۲۱/۲ الحديث رقم ۲۲۸۷ ومالك فی الموطأ ۵۹۱/۲ الحديث رقم ۸۷ من كتاب الطلاق۔

ترجمہ: "حضرت زینب بنت کعب رضی اللہ عنہا فرماتی ہیں کہ فریعہ بنت مالک بن سنان جو حضرت ابوسعید خدری

رضی اللہ عنہ کی ہمشیرہ ہیں' نے مجھے بتایا کہ وہ (فریعہ) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں یہ پوچھنے کے لئے حاضر ہوئیں کہ کیا وہ (اپنی عدت گزارنے کے لئے) بنی خدرہ اپنے (والدین کے) گھر میں منتقل ہو سکتی ہیں کیونکہ ان کا شوہر اپنے بھاگے ہوئے غلاموں کی تلاش میں نکلا ہوا تھا کہ ان غلاموں نے اسے قتل کر ڈالا چنانچہ فریعہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ سے دریافت کیا کہ میں اپنے گھر والوں کے پاس چلی جاؤں کیونکہ میرے شوہر نے نہ تو ایسا گھر چھوڑا جس کے وہ مالک ہوں (یعنی میں جس مکان رہتی ہوں وہ ان کی ملکیت میں نہیں تھا) اور نہ ہی میرے پاس نفقہ (کھانے پینے کے خرچ کا کوئی انتظام ہے) فریعہ کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (یہ سن کر) ارشاد فرمایا: ''ہاں! بہتر ہے کہ تم اپنے میکے چلی جاؤ۔ چنانچہ میں (یہ اجازت حاصل کر کے) واپس ہوئی اور جب حجرۂ مبارکہ کے صحن میں یا مسجد نبوی میں پہنچی تو آپ ﷺ نے مجھے پھر بلایا اور ارشاد فرمایا: ''تم اپنے اسی گھر میں عدت گزارو (جس میں تمہارے شوہر کے مرنے کی خبر آئی ہے اگرچہ وہ تمہارے شوہر کی ملکیت میں نہیں ہے) تا آنکہ کتاب (یعنی عدت) اپنی انتہاء تک پہنچ جائے''۔ فریعہ کہتی ہیں کہ میں (آنحضرت ﷺ کے اس حکم کے مطابق) چار مہینہ دس دن تک اسی مکان میں عدت میں گزاری''۔ (مالک' ترمذی' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ' دارمی)

تشریح: فقتلوہ: ابن ہمام کی روایت میں ہے: "حتّٰی اذا کان بطرف القدام لحقھم فقتلوہ"۔

فریعۃ: فاء کے ضمہ اور راء کے فتحہ کے ساتھ۔

سنان: سین کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

خدرۃ: خاء معجمہ کے ضمہ اور دال کے سکون کے ساتھ ہے، قبیلہ کے دادا کا نام ہے۔

اعبد: ہمزہ کے فتحہ اور عین کے سکون کے ساتھ ہے، ''عبد'' کی جمع ہے۔

امکثی: کاف کے ضمہ کے ساتھ'' تو قفی و اثبتی'' کے معنیٰ میں ہے۔

أبقو: ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ'' ھر بو'' کے معنیٰ میں ہے۔

تسألہ: حال ہے یا استئناف تعلیل ہے، اور اس کی تائید اس نسخہ سے ہوتی ہے جس میں'' لتسألہ'' ہے۔

ولا نفقۃ: جر کے ساتھ ہے ای و لا فی نفقۃ اور ایک تصحیح شدہ نسخہ میں فتحہ کے ساتھ ہے ای و لا نفقۃ لی.

شرح السنہ میں لکھا ہے کہ اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ جو عورت اپنے خاوند کے مر جانے کی وجہ سے عدت میں بیٹھی ہو، اس کے لئے سکنیٰ ضروری ہے یا نہیں؟ چنانچہ اس سلسلے میں امام شافعیؒ کے دو قول ہیں، جن میں سے زیادہ صحیح قول یہ ہے کہ اس کے لئے سکنیٰ ہے۔ حضرت عمر، حضرت عثمان، حضرت عبداللہ بن مسعود اور حضرت عبداللہ ابن عمر رضی اللہ عنہم بھی اسی کے قائل تھے، ان کی طرف سے یہی حدیث بطور دلیل پیش کی جاتی ہے، کہ آنحضرت ﷺ نے پہلے تو فریعہ کو مکان سے منتقل ہونے کی اجازت دیدی، مگر پھر آپ ﷺ نے ان کو منتقل ہونے سے منع کر دیا اور یہ حکم دیا کہ وہ اپنے شوہر کے اسی مکان میں عدت گزاریں، اس سے ثابت ہوا کہ فریعہ کو پہلے آپ ﷺ کا اجازت دینا آپ ﷺ کے اس ارشاد:'' امکثی فی بیتك......'' (تم اپنے اسی گھر میں عدت میں بیٹھو) کے ذریعے منسوخ ہے۔

امام شافعیؒ کا دوسرا قول یہ ہے کہ معتدہ وفات کے لئے سکنیٰ ضروری نہیں ہے بلکہ وہ جہاں چاہے عدت میں بیٹھ جائے۔ یہی قول حضرت علیؓ، حضرت ابن عباسؓ اور حضرت عائشہؓ کا ہے اس قول کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے فریعہؓ کو مکان میں منتقل ہونے کی اجازت عطا فرمائی تھی، اور پھر بعد میں آپؐ نے ان کو اپنے ہی مکان میں عدت گزارنے کا جو حکم فرمایا وہ استحباب کے طور پر تھا۔

تخریج: اس حدیث کو مالک نے موطأ میں اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں ذکر کیا ہے۔ حاکم نے بھی اس کی تخریج کی ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث بخاری اور مسلم دونوں کے اصول کے مطابق صحیح الاسناد ہے اور انہوں نے اس کی تخریج نہیں کی ہے۔ علامہ ذہبی نے کہا ہے کہ یہ حدیث صحیح و محفوظ ہے۔ ابن قطان کہتے ہیں الحديث صحيح. ابن عبدالبر فرماتے ہیں کہ یہ حدث مشہور ہے۔ لہٰذا اس کا اعتبار اور اس پر عمل واجب ہے، باقی جو دارقطنی نے روایت کیا ہے: "انه عليه السلام امر متوفی عنها زوجها ان تغتسل حيث شاء ت" تو اس کے بارے میں کہا ہے، اس کو ابو مالک نخعی کے علاوہ کسی نے مسنداً ذکر نہیں کیا ہے اور وہ خود ضعیف ہیں۔ ابن قطان کہتے ہیں کہ محبوب بن محرز بھی ضعیف راوی ہے۔ اور عطاء بن سائب مختلط راوی ہیں، اور ابوبکر بن مالک ان سب سے کمزور ہے۔ اسی وجہ سے دارقطنی نے اس کو معلول قرار دیا ہے۔ اور تمام راویوں کا ذکر زیادہ صحیح ہے کیونکہ یہ بھی احتمال ہے کہ نقصان کسی اور کی طرف سے ہو۔

حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا کے ایام عدت کا تذکرہ

۳۳۴۳: وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ دَخَلَ عَلَيَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ حِيْنَ تُوُفِّيَ اَبُوْ سَلَمَةَ وَقَدْ جَعَلْتُ عَلَيَّ صَبِرًا فَقَالَ مَا هٰذَا يَا اُمَّ سَلَمَةَ قُلْتُ اِنَّمَا هُوَ صَبِرٌ لَيْسَ فِيْهِ طِيْبٌ فَقَالَ اِنَّهُ يَشُبُّ الْوَجْهَ فَلَا تَجْعَلِيْهِ اِلَّا بِاللَّيْلِ وَتَنْزَعِيْهِ بِالنَّهَارِ وَلَا تَمْتَشِطِيْ بِالطِّيْبِ وَلَا بِالْحِنَّاءِ فَاِنَّهُ خِضَابٌ قُلْتُ بِاَيِّ شَيْءٍ اَمْتَشِطُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ؟ قَالَ بِالسِّدْرِ تُغَلِّفِيْنَ بِهٖ رَاْسَكِ. (رواه ابوداود والنسائی)

اخرجه ابوداؤد فی السنن ۷۲۷/۲ الحديث رقم ۲۳۰۵ والنسائی فی ۲۰۴/۶ الحديث رقم ۳۵۳۷ ومالك فی الموطأ ۶۰۰/۲ الحديث رقم ۱۰۸ من كتاب الطلاق۔ (۳) فی المخطوطة (الجوهری)

ترجمہ: "اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا (جو آنحضرت ﷺ کی زوجہ مطہرہ ہیں) روایت کرتی ہیں کہ جب (میرے پہلے شوہر) ابوسلمہ رضی اللہ عنہ کا انتقال ہوا (اور میں عدت میں بیٹھی ہوئی تھی) تو (ایک دن) رسول اللہ ﷺ میرے گھر تشریف لائے' اس وقت میں نے اپنے منہ پر ایلوا لگا رکھا تھا' آپ ﷺ نے یہ (دیکھ کر) فرمایا کہ اے اُم سلمہ! یہ کیا ہے؟ (یعنی تم نے عدت کے دنوں میں منہ پر یہ کیا لگا رکھا ہے؟) میں نے عرض کیا کہ "یہ تو ایلوا ہے جس میں کسی قسم کی کوئی خوشبو نہیں ہے"۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "مگر ایلوا چہرے کو جوان بنا دیتا ہے (یعنی ایلوا لگانے سے چہرہ چمکدار ہو جاتا ہے اور اس کا رنگ نکھر جاتا ہے) لہٰذا تم اس کو سوائے رات کے وقت کے نہ لگاؤ اور دن میں صاف کر ڈالو (کیونکہ رات میں استعمال کرنے سے بناؤ سنگھار کا گمان نہیں ہوگا) اسی طرح خوشبودار کنگھی

بھی نہ کرو اور نہ ہی مہندی کے ساتھ کنگھی کرو کیونکہ مہندی (سرخ) رنگ لئے ہوتی ہے اور اس میں خوشبو ہوتی ہے جب کہ یہ سوگ کی حالت میں ممنوع ہے) میں نے عرض کیا یارسول اللہ! پھر میں کس چیز کے ساتھ کنگھی کروں؟ (یعنی اپنے بالوں کو کس چیز سے صاف کروں؟) آپ ﷺ نے فرمایا: بیری کے پتوں کے ساتھ اور ان پتوں سے اپنے سر کو لیپ لیا کرو (یعنی بیری کے پتے اپنے سر پر اتنی مقدار میں ڈالو کہ وہ تمہارے سر کو غلاف کی طرح ڈھانپ لیں''۔

(ابوداؤد' نسائی)

تشریح: عَلَيّ : یاء کے شد کے ساتھ ہے۔

توفی : تاء اور واؤ کے ضمہ اور فاء کے شد کے ساتھ ہے۔ اور تاء کے فتحہ کے ساتھ بھی جائز ہے،

صبر: صاد کے فتحہ اور باء کے کسرہ کے ساتھ ہے اور ایک نسخہ میں باء کے سکون کے ساتھ ہے۔ اور قاموس میں ہے کہ یہ باء کے کسرہ کے ساتھ کتف کی طرح ہے، اور سکون بغیر ضرورت شعری کے درست نہیں ہے۔ (انتھٰی)۔ بعض نے کہا ہے کہ دونوں یکساں طور پر جائز ہیں۔ جیسے کَتِفْ اور کَتْف. اور جعبری نے کہا ہے کہ صبر، صاد کے فتحہ اور باء کے کسرہ کے ساتھ معروف ہے۔ جیسا کہ شاعر کا قول ہے:

لا تحسب المجد تمرا انت آكله

لن تبلغ المجد حتى تعلق الصبرا

''تو بلند مرتبت کو کھجور مت سمجھ کہ تو اسے کھالے گا، تو اس مقام تک ہرگز نہیں پہنچ سکتا، یہاں تک کہ تو ایلوا چاٹ لے۔''

باء کے سکون اور صاد کے کسرہ کے علاوہ فتحہ کے ساتھ بھی آیا ہے۔ اور مصباح میں ہے کہ ''الصبر'' باء کے کسرہ کے ساتھ ہے ایک مشہور کڑوی دواء ہے، اور سکون باء تخفیف کے لئے یہ بھی ایک لغت ہے۔ یہ صاد کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ بھی روایت کیا گیا ہے۔ پس اس میں تین لغات ہیں۔

طیب : طاء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔ ''عطر''

یشب : یاء کے فتحہ شین کے ضمہ اور باء کے شد کے ساتھ ہے۔

قوله :قالَ :بالسدر تغلفين به رأسك:

تنزعیه : زاء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

تغلفين به : ایک تاء کے حذف کے ساتھ ہے۔ تغلف الرجل بالغالية سے ماخوذ ہے۔ جس کے معنی ہیں ''تلطخ''۔ اور تاء کے ضمہ اور لام کے کسرہ کے ساتھ بھی روایت کیا گیا ہے تغليف سے، اس کا معنی ہے ایک شئے کو دوسرے شئے کے لئے غلاف بنانا، اس صورت میں باء زائدہ ہے۔ کہا جاتا ہے، غلف بها لحيته غلفا، جیسے آپ کا قول ''غلفت الغارة'': بمعنیٰ جعلتها فی غلاف، گویا کہ اس کو سر پر ملنے والا اس کو اپنے سر کے لئے غلاف بنالیتا ہے۔ علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ ''تغلفين'' جامع الاصول کے مطابق تاء کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ اور مصابیح کے بعض نسخوں میں یہ تغلف سے ہے، تو اس میں تاء مضموم ہے۔

اور ان میں فرق یہ ہے کہ تفعل میں تکلف ہے

وتنزعیه : کا عطف'' فلا تجعلیه '' پر ہے اور تقدیری عبارت یوں ہے: فاجعلیه باللیل وانزعیه بالنهار. کیونکہ ''الا'' کلام استثناء مفرغ میں لغو ہوتا ہے اور کلام مثبت ہوتا ہے، اور'' تنزعیه'' میں نون کا حذف تخفیف کے لئے ہے۔ اور یہ خبر، بمعنی امر ہے۔ اور ابن ہمام کی روایت میں ہے: وانزعیه بالنهار۔

ولا تمشطی بالطیب : باء مشط سے حال ہے اور تقدیری عبارت یوں ہے: لا تستحلی المشط مطیبا.

تغلفین به : امام طیبیؒ فرماتے ہیں کہ یہ'' امتشطی '' کے فاعل سے حال ہے یا استیناف ہے۔

مبسوط میں ہے کہ کشادہ دانت والی کنگھی سے کنگھی کرے' تنگ دانت والی سے نہ کرے۔ ابن ہمام فرماتے ہیں کہ ائمہ ثلاثہ نے اس کو مطلقاً منع فرمایا ہے اور حدیث میں بھی مطلق ممانعت آئی ہے۔ تنگ دانت والی سے زینت حاصل ہوتی ہے، اور زینت ممنوع ہے اور کشادہ دانت والی سے دفع ضرر ہوتا ہے، بلکہ کبھی جوؤں کے نکالنے کے لئے تنگ دانت والی کنگھی کی بھی ضرورت پڑ جاتی ہے، ہاں جب بھی اس کو زیب وزینت کی نیت سے استعمال کرے گی جائز نہ ہوگا۔ خوشبو دار تیل کے بارے میں علماء کا اتفاق ہے، کہ عدت والی عورت اس کا استعمال نہ کرے، البتہ بغیر خوشبو کے تیل مثلاً روغن زیتون اور روغن تل کے بارے میں اختلاف ہے۔ تو ہمارے اور امام شافعی کے نزدیک یہ بھی منع ہے۔ امام مالک' احمد بن حنبل اور ظاہریہ نے اس کو جائز قرار دیا ہے۔

تخریج: اس کی سند میں ایک راوی مجہول ہے۔

عدتِ وفات کی من جملہ ہدایات

۳۳۳۴: وَعَنْهَا عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُتَوَفّٰى عَنْهَا زَوْجُهَا لَا تَلْبَسُ الْمُعَصْفَرَ مِنَ الثِّيَابِ وَلَا الْمُمَشَّقَةَ وَلَا الْحُلِيَّ وَلَا تَخْتَضِبُ وَلَا تَكْتَحِلُ. (رواہ ابوداود والنسائی)

اخرجه ابوداوٗد فی السنن ۷۲۷/۲ الحدیث رقم ۲۳۰٤ والنسائی فی ۲۰۳/٦ الحدیث رقم ۳۵۳۵ واحمد فی المسند ۳۰۲/٦۔

ترجمہ: ''اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم ﷺ سے نقل کرتی ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس عورت کا شوہر فوت ہو جائے وہ نہ کسم میں رنگا ہوا کپڑا پہنے (یعنی زرد رنگ کے کپڑے نہ پہنے) نہ گیرو میں رنگا ہوا کپڑا پہنے (یعنی سرخ رنگ کے کپڑے نہ پہنے)' نہ زیور پہنے' نہ (ہاتھ پاؤں اور بالوں پر) مہندی لگائے اور نہ سرمہ لگائے''۔ (ابوداؤد' نسائی)

تشریح: قوله :المتوفی عنها زوجها......:

الممشقة : میم اول کے ضمہ اور شین مشددہ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ المصبوغة بالمشق کے معنیٰ میں ہے۔ یعنی گیرو میں رنگا ہوا کپڑا۔ یہ سرخ قسم کی مٹی ہوتی ہے۔ اس کی تانیث حلة کے اعتبار سے ہے، یا ثیاب کے اعتبار سے ہے۔

الحلی : حا کے ضمہ کے ساتھ ہے اور اس کے کسرہ کے ساتھ بھی جائز ہے، اور یاء کی تشدید کے ساتھ ہے''حلیة'' کی جمع

ہے۔ وہ چیز جس کے ذریعے زیب وزینت حاصل کی جائے۔
ہدایہ میں لکھا ہوا ہے کہ معتدہ وفات کے لئے کسی عذر مثلاً کھجلی، جوئیں، یا بیماری کی وجہ سے ریشمی کپڑا پہننا جائز ہے۔ امام مالک فرماتے ہیں کہ اس کے لئے کالے رنگ کا ریشم اور زیور پہننا جائز ہے۔
ابن ہمام فرماتے ہیں کہ نص کا معنیٰ معقول رنگے ہوئے کپڑے کی نفی کرتا ہے اور زیورات کی ممانعت بھی حدیث میں صراحۃً آئی ہے۔ رنگے ہوئے کپڑے سے سوائے پٹی کے کوئی مستثنیٰ نہیں ہے، لہٰذا یہ کالے رنگ کی ممانعت کو بھی شامل ہے۔

اَلْفَصْلُ الثَّالِثُ:

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کا عدت سے متعلق فتویٰ

۳۳۳۵: وَعَنْ سُلَيْمَانَ ابْنِ يَسَارٍ اَنَّ الْاَحْوَصَ هَلَكَ بِالشَّامِ حِيْنَ دَخَلَتِ امْرَأَتُهٗ فِي الدَّمِ مِنَ الْحَيْضَةِ الثَّالِثَةِ وَقَدْ كَانَ طَلَّقَهَا فَكَتَبَ مُعَاوِيَةُ بْنُ اَبِيْ سُفْيَانَ اِلٰى زَيْدِ بْنِ ثَابِتٍ يَسْأَلُهٗ عَنْ ذٰلِكَ فَكَتَبَ اِلَيْهِ زَيْدٌ اَنَّهَا اِذَا دَخَلَتْ فِي الدَّمِ مِنَ الْحَيْضَةِ الثَّالِثَةِ فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ وَبَرِئَ مِنْهَا لَا يَرِثُهَا وَلَا تَرِثُهٗ. (رواه مالك)

اخرجه مالك في الموطأ ٢/٢٧٧ الحديث رقم ٥٦ من كتاب الطلاق۔

ترجمہ: ''حضرت سلیمان بن یسارؒ کہتے ہیں کہ احوصؒ ملک شام میں اس وقت فوت ہوئے جب کہ ان کی بیوی کا تیسرا حیض شروع ہو چکا تھا اور احوصؒ نے (اپنے مرنے سے پہلے) ان کو طلاق دے دی تھی۔ چنانچہ حضرت معاویہ بن ابوسفیان رضی اللہ عنہ نے اس مسئلہ کو دریافت کرنے کے لئے حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ کو خط لکھا' حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو جواب میں لکھا کہ 'جب اس عورت کا تیسرا حیض شروع ہو گیا تو وہ احوصؒ سے بری الذمہ ہے اور احوصؒ اس سے بری الذمہ ہے نہ تو احوصؒ اس کے وارث ہوئے اور نہ وہ احوصؒ کی وارث ہوئی''۔ (مالک)

حالاتِ راوی:

الاحوص۔ یہ ''احوص بن جواب'' ہیں اور ان کی کنیت ''ابوالجواب الضبی'' ہے۔ اہل کوفہ میں سے تھے۔ ان سے ''علی ابن مدینی'' نے روایت کی ہے۔ ۲۲۱ھ میں انتقال ہوا۔ جواب میں جیم مفتوح اور واؤ مشدد اور باء موحدہ ہے۔

تشریح: قوله :ان الاحوص هلك بالشام ...... يسأله عن ذلك:

الحيضة: حاء کے فتحہ کے ساتھ ہے، اور ایک نسخہ میں کسرہ کے ساتھ ہے۔ قاموس میں ہے کہ ''حیضة'' مدت کے لئے آتا ہے، اور کسرہ کے ساتھ اسم ہے۔ مشارق میں ہے کہ اس حالت کو کہتے ہیں جس پر وہ عورت ہو۔

فكتب معاوية: یہ خط حضرت معاویہ نے اس لئے لکھا تھا کہ مذکورہ مسئلہ اور اس پر مرتب ہونے والے مسائل کو معلوم کرنا

چاہتے تھے کہ یہ عورت اس شوہر کی وارث ہوگی، یا نہیں۔ حضرت معاویہ رضی اللہ عنہ کو اس مسئلہ میں تردد تھا، یا ان کے ساتھیوں کا اس میں اختلاف تھا۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اس سے صریحاً یہ ثابت ہوتا ہے کہ اللہ تعالیٰ نے قرآن کریم میں مطلقہ عورت کی عدت کے بارے میں یہ حکم دیا ہے:

﴿وَالْمُطَلَّقٰتُ يَتَرَبَّصْنَ بِاَنْفُسِهِنَّ ثَلٰثَةَ قُرُوْٓءٍ﴾ (البقرہ: ۲۲۸)

''اور طلاق دی ہوئی عورتیں اپنے آپ کو روکے رکھیں تین حیض ختم ہونے تک''۔

اس میں ''قروء'' سے مراد 'طہر' ہے۔ (ملا علی قاری فرماتے ہیں) اول تو یہ ایک صحابی کا مسلک ہے اور دوسرے یہ کہ خود انہی سے اس امر کے برخلاف منقول ہے۔ پھر یہ بھی قطعاً معلوم نہیں کہ حضرت معاویہ نے حضرت زید کے قول پر عمل بھی کیا تھا یا نہیں۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ ''قروء'' ہمارے نزدیک ''حیض'' ہے اور شافعی فرماتے ہیں کہ طہر ہے۔ اور یہی امام مالک کا قول ہے۔ اور یہی حضرت عائشہؓ اور ابن عمرؓ اور زید بن ثابت سے منقول ہے۔ ہمارا قول خلفاء راشدین 'عبادلہ، ابی بن کعب، معاذ بن جبل، ابو درداء، عبادہ بن صامت، زید بن ثابت، ابو موسیٰ اشعری رضی اللہ عنہم کا قول ہے، اور ابوداؤد اور نسائی نے معبد جہنی کا نام بھی ذکر کیا ہے اور جو ہم نے ذکر کیا کہ یہ عبادلہ کا قول ہے تو یہ اس پر مبنی ہے کہ یہ ابن عمر کا بھی قول ہے، تو ابن عمر سے روایات متعارض ہیں۔ جن لوگوں نے اس کو روایت کیا ہے ان میں امام طحاوی بھی شامل ہیں اور اس کو بعض حفاظ حنابلہ نے ثابت قرار دیا ہے۔ طحاوی نے مسنداً ذکر کیا ہے کہ قبیصہ بن ذویب نے زید بن ثابت سے سنا کہ وہ فرما رہے تھے: ''عدت الامة حيضتان'' کہ باندی کی عدت دو حیض ہے، تو زید کی روایات بھی متعارض ہوئیں۔ اور یہی قول سعید بن المسیب، ابن جبیر، عطاء، طاؤس، عکرمہ، مجاہد، قتادہ، ضحاک، حسان بن حی، حسن بصری، مقاتل، شریح قاضی، ثوری، اوزاعی، ابن شبرمہ، ربیعہ اسدی، ابوعبید، اور اسحٰق رحمہم اللہ کا ہے۔ اور اس کی طرف امام احمد نے رجوع کیا ہے۔ امام محمد بن الحسن موطاً میں فرماتے ہیں: حدثنا عيسى بن ابى عيسى الخياط المدنى، عن ثلاثة عشر من اصحاب النبىؐ كلهم قال: الرجل احق با مراته حتى تغتسل من الحيضة الثالثة کہ آپؐ کے تیرہ صحابہ سے منقول ہے وہ فرماتے تھے، کہ مرد اپنی عورت کا زیادہ حقدار ہے یہاں تک کہ وہ تیسرے حیض کے بعد غسل کر لے۔

یہ اطلاق ان کی طرف سے تب درست ہو سکتا ہے کہ جب قروء سے مراد حیض ہو نہ کہ طہر، جب اس کو حیض میں طلاق دے، اور جو طہر ہے تو اس میں سے شمار ہو تو اس سے لازم آئے گا عدت کا ختم ہونا تیسرے حیض کے شروع ہونے 'پر اور طہر میں طلاق دینا ہی ان کے نزدیک معروف ہے لہٰذا اسی پر ان کے قول کی بنیاد ہوگی۔

عدت کے متعلق حضرت عمر رضی اللہ عنہ کا قول

۳۳۳۶: وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ قَالَ قَالَ عُمَرُ بْنُ الْخَطَّابِ اَيُّمَا امْرَأَةٍ طُلِّقَتْ فَحَاضَتْ حَيْضَةً اَوْ حَيْضَتَيْنِ ثُمَّ رُفِعَتْهَا حَيْضَتُهَا فَاِنَّهَا تَنْتَظِرُ تِسْعَةَ اَشْهُرٍ فَاِنْ بَانَ بِهَا حَمْلٌ فَذٰلِكَ وَاِلَّا اعْتَدَّتْ بَعْدَ التِّسْعَةِ الْاَشْهُرِ ثَلَاثَةَ اَشْهُرٍ ثُمَّ حَلَّتْ. (رواه مالك)

اخرجه مالك في الموطأ ۵۸۲/۲ الحديث رقم ۷۰ من كتاب الطلاق۔

ترجمہ: ''اور سعید بن مسیب کہتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے ارشاد فرمایا: ''جس عورت کو (اس کے شوہر کی جانب سے) طلاق دی گئی ہو اور اس کو ایک یا دو بار حیض آیا اور پھر اس کا حیض موقوف ہو گیا تو وہ نو مہینے تک انتظار کرے اگر (اس عرصہ میں) حمل ظاہر ہو جائے تو پھر یہی (وضع حمل) ہے (کہ جب ولادت ہو گی تو عدت پوری ہو گی) اور اگر حمل ظاہر نہ ہو تو پھر نو مہینے کے بعد تین ماہ تک عدت کے دن گزارے اور اس کے بعد حلال ہو جائے (یعنی عدت سے نکل آئے)''۔ (مالک)

تشریح: قوله :ايما امرأة طلقت...... فانها تنتظر تسعة اشهر :

طلقت :صیغہ مجہول کے ساتھ تطلیق سے ہے۔

حيضة : حاء کے فتحہ اور کسرہ دونوں کے ساتھ ہے۔

رفعتها : صیغہ مجہول کے ساتھ ہے۔

الا : ''ان ''شرطیہ مدغم ہے'' لا'' میں۔

حيضتها : علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ اسی طرح پایا ہے ہم نے موطأ اور جامع الاصول میں پس ''حیضتها'' فاعل ہے ''رفعتها'' کے لئے اور ضمیر منصوب بنزع الخافض ہے تقدیری عبارت یوں ہے: رفعت حيضتها عنها.

فانها تنتظر : جواب شرط ہے۔

فذلك : مبتدا ہے خبر اس کی محذوف ہے، تقدیری عبارت یوں ہے: فذلك ظاهر حكمه. چونکہ اس کی عدت وضع حمل ہے۔ بعد التسعة الا شهر: ''التسعة ''مضاف پر الف لام کو داخل کیا ہے، یہ کوفیوں کے مذہب کے موافق ہے۔ جیسے: الثلاثة الا ثواب یا ثانی بدل ہے نہ کہ مضاف الیہ۔

علامہ طیبیؒ فرماتے ہیں کہ صورت مسئلہ یہ ہے کہ ''ذوات الاقراء'' (یعنی حیض والی عورتوں) پر تین قروء اور حمل والی پر وضع حمل تک انتظار لازم ہے۔ تو دو حیضوں کے بعد خون کے منقطع ہونے سے معلوم ہوا کہ یہ ذوات الاقراء میں سے نہیں ہے، اور مدت حمل کے گزر جانے سے معلوم ہوا کہ وہ حمل والی نہیں ہے۔ پس اس وقت ظاہر ہوا کہ یہ ان عورتوں میں سے ہے جو سن ایاس تک پہنچ چکی ہیں لہٰذا اس پر عدت مہینوں کے اعتبار سے لازم ہو گی۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں کہ جس عورت کا خون آنا منقطع ہو جائے، پس اگر وہ کسی معلوم عارض کی وجہ سے بند ہوا ہے جیسے رضاع،

نفاس، یا کسی باطنی بیماری کی وجہ سے، تو یہ صبر کرے حیض شروع ہونے تک اور پھر حیض کے اعتبار سے عدت گزارے۔ یہاں تک کہ سن ایاس تک پہنچ جائے تو پھر مہینوں کے اعتبار سے عدت گزارے گی۔ اور لمبی مدۃ تک انتظار کی کوئی پرواہ نہیں ہے۔ اور اگر خون کا بند ہونا کسی معلوم بیماری اور علت کی وجہ سے نہیں ہے تو قول جدید کے مطابق اس کا حکم بھی وہی ہے جو عارض کی وجہ سے بند ہونے کا تھا' اور قول قدیم یہ ہے کہ یہ نو ماہ تک انتظار کرے اور ایک قول میں چار سال تک۔

ابن ہمام فرماتے ہیں کہ وہ عورت جس کو شوہر نے بیماری میں طلاق دیدی میراث سے فرار اختیار کرنے کے لئے اور پھر وہ مر گیا اور عورت عدت میں تھی تو یہ اس کی وارث ہوگی، اور اس کی عدت ابعد الاجلین ہوگی، یعنی چار ماہ دس دن اور تین حیض میں سے جو عدت لمبی ہوگی وہی گزارے گی۔ پس اگر اس نے انتظار کیا یہاں تک کہ تین حیض گزر گئے، اور چار ماہ دس دن نہیں گزرے تو اس کی عدت ختم نہ ہوگی یہاں تک کہ یہ گزر جائیں۔ اور اگر وہ کوئی سال صبر کرتی رہی اور سن ایاس میں داخل نہ ہوئی ہو تو وہ عدت بالاشہر گزارے گی۔ سن ایاس، ۵۵ سال کی مقرر کیا گیا ہے۔

اور ایک روایت میں '۶۰' سال اور ایک روایت میں '۷۰' سال ہے، اور یہ حسن کی روایت ہے، اور اسی پر اکثر مشائخ ہیں۔ منافع میں ہے کہ یہی ابواللیث کا قول ہے، پھر یہاں طلاق سے مراد طلاق بائن ہے، خواہ ایک ہو یا تین ہوں اور اگر طلاق رجعی دی ہو تو پھر اس کی عدت' عدت وفات ہوگی، چاہے اس کو حالت مرض میں طلاق دی ہو یا صحت میں اور جو عورت عدت طلاق میں داخل ہوئی اور پھر اس کا شوہر فوت ہو گیا تو اس کی عدت، طلاق سے عدت وفات کی طرف منتقل ہو جائے گی اور وہ اپنے خاوند کی وارث ہوگی۔ برخلاف اس صورت کے کہ جب حالت صحت میں طلاق بائن دی ہو اور پھر شوہر مر گیا ہو تو نہ اس کی عدت منتقل ہوگی اور نہ ہی یہ وارث ہوگی' بالاتفاق۔

فرماتے ہیں کہ اگر دو حیض کے بعد وہ سن ایاس تک پہنچ جائے تو اس کی عدت نئے سرے سے مہینوں کے اعتبار سے شروع ہوگی۔

بَابُ الْاِسْتِبْرَاءِ

استبراء کا بیان

"مغرب" میں ہے، بریء من الدین والعیب براء ۃ، اسی سے استبرأ الجاریۃ ہے۔ جس کا معنی لونڈی کے رحم کا حمل سے بری کرنا۔

عرضِ مرتب:

① استبراء کا لغت میں معنی ہے براءت طلب کرنا اور شرع میں جس کسی لونڈی کا کوئی مالک بن جائے خواہ خرید کر یا وصیت سے یا ہبہ یا وراثت سے تو اس سے صحبت اور لوازمات صحبت بوس وکنار، مساس وغیرہ حرام ہے جب تک اس کے رحم کے متعلق یہ معلوم نہ کرلیا جائے کہ وہ حمل سے خالی ہے۔ یہ ایک حیض آنے سے معلوم ہوگا۔ اس حیض کے آنے کو استبراء رحم کہا جاتا ہے یہ حکم اس وقت استبراء کا لگے گا جب کہ وہ عورت حیض والی ہے اور اگر اس کو حیض نہ آتا ہو تو پھر ایک ماہ گزرنے پر یا حاملہ ہونے کی صورت میں بچہ جننے پر استبراء حاصل ہوگا۔ ② استبراء ہر حال میں ضروری ہے۔ خواہ وہ لونڈی باکرہ ہو یا اس نے عورت سے خریدی ہو یا مرد سے خریدی ہو یا اس کو کسی نابالغ سے بطور میراث ملی ہو ان میں بھی استبراء لازم ہے۔ اگرچہ قیاس کا تقاضا یہ ہے کہ ان صورتوں میں استبراء لازم نہ ہونا چاہئے۔ کیونکہ استبراء کی حکمت یہ ہے کہ رحم کا نطفۂ غیر سے پاک ہونا معلوم ہو۔ تاکہ اس کے نطفہ سے دوسرے کے نطفہ کا اختلاط ہو کر نسب مشتبہ نہ ہو جائے اور مندرجہ بالا صورتوں میں غیر کے نطفہ کا احتمال ہی نہیں مگر نص کے مقابلہ میں قیاس کو ترک کیا گیا ہے۔ آپ ﷺ نے اوطاس سے حاصل شدہ باندیوں کے متعلق فرمایا کہ حاملہ سے ہرگز صحبت نہ کرنا یہاں تک کہ ان کا حمل وضع ہو اور غیر حاملہ سے بھی ایک حیض کے گزر جانے تک صحبت نہ کرنا اور یہ ظاہر ہے کہ ان حاصل شدہ لونڈیوں میں باکرہ عورتیں بھی ضرور ہوں گی۔ (ح)

اَلْفَصْلُ الْاَوَّلُ:

استبراء رحم کے بغیر جماع کرنے والا مستحق لعنت ہے

۳۳۳۷: عَنْ اَبِی الدَّرْدَاءِ قَالَ مَرَّ النَّبِیُّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ بِامْرَأَةٍ مُجِحٍّ فَسَأَلَ عَنْهَا فَقَالُوْا اَمَةٌ لِفُلَانٍ قَالَ اَیُلِمُّ بِهَا قَالُوْا نَعَمْ قَالَ لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ اَلْعَنَهٗ لَعْنًا یَدْخُلُ مَعَهٗ فِیْ قَبْرِهٖ کَیْفَ یَسْتَخْدِمُهٗ وَهُوَ لَا یَحِلُّ لَهٗ اَمْ کَیْفَ یُوَرِّثُهٗ وَهُوَ لَا یَحِلُّ لَهٗ۔ (رواہ مسلم)

اخرجه مسلم فی صحیحه ۱۰۶۵/۲ الحدیث رقم ۱۳۹-۱۴۴۱ وابوداؤد فی السنن ۶۱۴/۲ الحدیث رقم

٢١٥٦ والدارمي في ٢/٢٩٩ الحديث رقم ٢٤٧٨ واحمد في المسند ٦/٤٤٦۔

ترجمہ: ''حضرت ابودرداء رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ ایک عورت کے قریب سے گزرے جس کے جلد ہی ولادت ہونے والی تھی' آپ ﷺ نے اس کے بارے میں دریافت فرمایا (کہ یہ کوئی آزاد عورت ہے یا لونڈی ہے؟) صحابہؓ نے عرض کیا کہ ''فلاں شخص کی لونڈی ہے'' آپ ﷺ نے پوچھا ''کیا وہ شخص اس سے جماع کرتا ہے؟'' صحابہؓ نے عرض کیا ''ہاں''۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: میں نے ارادہ کیا کہ اس شخص پر ایسی لعنت کروں جو اس کے ساتھ قبر میں بھی جائے (یعنی ایسی لعنت جو ہمیشہ رہے اس طور پر اس کا اثر اس کے مرنے کے بعد باقی رہے) وہ کس طرح اس (یعنی اپنے بیٹے) سے خدمت کا تقاضا کرسکتا ہے جب کہ وہ اس کے لئے حلال نہیں ہے' (یعنی بیٹے کو خدمت کے لئے کہنا یا اس کو غلام بنانا حلال نہیں ہے) یا اس کو کس طرح اپنا وارث قرار دے گا جبکہ وہ اس کے لئے حلال نہیں ہے''۔ (مسلم)

تشریح: مجح : میم کے ضمہ' جیم کے کسرہ اور حاء کے شد کے ساتھ ہے، وہ حاملہ کو جس کے ایام ولادت قریب ہوں۔

یلم : '' **یجامع** '' کے معنیٰ میں ہے''' کنایات وطی میں سے ہے۔ **یورثه** : راء کے شد کے ساتھ ہے۔

ام کیف : ام منقطعہ ہے، انکار سے ابلغ کی طرف اضراب ہے۔

حضورؐ نے اس شخص پر لعنت کا ارادہ اس لئے فرمایا کہ اس نے اپنی لونڈی سے جماع کیا جو حالت حمل میں اس کی ملکیت میں آئی، تو اس نے استبراء کو ترک کیا حالانکہ وہ فرض ہے۔

کیف یستخدمه ...... : آپؐ نے اس ارشاد کے ذریعے ترک استبراء پر لعنت کے سبب کی طرف اشارہ فرمایا ہے جس کا حاصل یہ ہے کہ جب کوئی شخص اپنی لونڈی سے بغیر استبراء کے صحبت کرے گا، اور پھر چھ ماہ سے کم میں اس سے بچہ پیدا ہوگا تو اس بچہ کے بارے میں دو احتمال ہیں: پہلا احتمال: وہ اس شخص کے نطفہ سے ہے جس کی ملکیت سے نکل کر یہ لونڈی بغیر استبراء کے صحبت کرنے والے کی ملکیت میں آئی ہے، اس صورت میں اگر وہ شخص جس نے بغیر استبراء کے اس لونڈی سے جماع کیا ہے، اس بچہ کے نسب کا اقرار کرے گا۔ جبکہ حقیقت میں وہ اس کے نطفہ سے نہیں ہے، اور وہ بچہ اس کا وارث ہوگا' اس طرح ایک دوسرے شخص کے بچے کو اپنا وارث بنانا لازم آئے گا، جو حرام ہے اور اس پر وہ لعنت کا مستحق ہوگا۔ یا پھر یہ صورت ہوگی کہ وہ اس بچہ کے نسب سے انکار کرے گا۔ جبکہ حقیقت میں وہ بچہ اس کا بیٹا ہوگا، تو اس طرح اپنے ہی بیٹے سے غلامی کرانا لازم آئے گا، اور اپنا نسب منقطع کرنا لازم آئے گا۔ اور یہ بھی لعنت کو مستحق کرنے والی صورت ہے۔ لہٰذا ثابت ہوا کہ تحقیق حال کے لئے استبراء نہایت ضروری ہے۔

الفصل الثانی:

وضع حمل اور استبراء سے قبل کسی لونڈی سے صحبت نہ کرو

۳۳۳۸: عَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ رَفَعَهُ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ فِی سَبَایَا اَوْطَاسٍ لَا تُوْطَاُ حَامِلٌ حَتّٰی تَضَعَ وَلَا غَیْرَ ذَاتِ حَمْلٍ حَتّٰی تَحِیْضَ حَیْضَةً. (رواه احمد وابوداود والدارمی)

اخرجه ابوداؤد فی السنن ۲/ ۶۱۴ الحدیث رقم ۲۱۵۷ والدارمی فی ۲/ ۲۲۴ الحدیث رقم ۲۹۹۵ واحمد فی المسند ۳/ ۶۲۔

ترجمہ: ''حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے بطریق مرفوع روایت نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے غزوہ اوطاس میں گرفتار ہونے والی لونڈیوں کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ کسی حاملہ عورت سے اس وقت تک جماع نہ کیا جائے جب تک کہ وضع حمل (یعنی اس کے ہاں ولادت) نہ ہو جائے اور غیر حاملہ سے بھی اس وقت تک جماع نہ کیا جائے یہاں تک کہ اس کو ایک حیض آ جائے''۔ (احمد' ابوداؤد' دارمی)

تشریح: اوطاس : منصرف ہے اور کبھی اس کو غیر منصرف بھی پڑھا جاتا ہے۔ یہ ایک جگہ کا نام ہے، جو مکہ سے تین مراحل کے فاصلے پر واقع ہے اور غزوہ اوطاس اسی جگہ ہوا تھا۔

لا توطأ: آخر میں ہمزہ ہے، **لا تجامع** کے معنیٰ میں ہے، اور یہ خبر بمعنی نہی کے ہے۔

یعنی پکڑ کر لائی جانے والی لونڈی حاملہ کے ساتھ وضع حمل تک صحبت نہ کرو، اور اگر وہ حیض والی ہے تو ایک کامل حیض کے گزرنے تک اس کے ساتھ صحبت نہ کرو اور اگر لونڈی حیض کی حالت میں کسی کی ملکیت میں آ جائے تو استبراء میں اس حیض کا اعتبار نہ ہوگا، بلکہ دوسرے پورے حیض کا اعتبار کیا جائے گا۔ اور اگر کسی غیر حاملہ کو اس کی کم عمری کی وجہ یا زیادہ عمر ہو جانے کے سبب سے حیض نہ آتا ہو، تو اس کا استبراء یہ ہے کہ ایک مہینہ یا تین مہینے گذر جانے تک اس کے پاس جانے سے اجتناب کرے۔ علماء کے یہ دو قول ہیں، صحیح اول ہے۔ یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ لونڈی کے لئے نئی ملکیت کا پیدا ہو جانا استبراء کو واجب کرتا ہے، چاروں ائمہ کا یہی مسلک ہے، اس کو میرک ؒ نے نقل کیا ہے۔

''شرح السنۃ'' میں ہے کہ اس حدیث میں کئی سارے فقہی مسائل ہیں، ان میں سے ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر میاں بیوی دونوں یا ان میں سے کوئی ایک دار الحرب سے پکڑ کر لایا جائے تو اس سے ان کا پہلا نکاح ختم ہو جاتا ہے۔ اور اگر دونوں میں سے صرف ایک کو گرفتار کر کے لایا جائے اس سے نکاح کے ختم ہونے میں علماء کا کوئی اختلاف نہیں ہے۔ کیونکہ نبیؐ نے وضع حمل کے بعد قیدی عورتوں سے جماع کو جائز قرار دیا تھا۔ یا ایک حیض گزرنے بعد۔ بغیر کسی تفصیل کے کہ وہ شوہر والی ہو، یا بغیر شوہر کے ہو اور بغیر اس تفصیل کے کہ وہ شوہر سمیت قید ہوئی ہو یا بغیر شوہر کے۔ اور ان قیدی عورتوں میں ہر قسم کی قیدی عورتیں تھیں۔ تو یہ دلالت کرتا ہے کہ ان سب کا حکم ایک ہے۔ اور یہی امام مالک اور شافعی کا مذہب ہے۔ احناف کہتے ہیں کہ اگر میاں بیوی دونوں

ایک ساتھ پکڑ کر لائے جائیں تو نکاح باقی رہتا ہے۔

قیدی عورتوں کے ساتھ صحبت کرنا جائز نہیں ہے۔ حاملہ عورت کا استبراء وضع حمل ہے، اور غیر حاملہ جو حیض والی ہو اس کا استبراء ایک حیض کا گزر جانا ہے۔ برخلاف عدت کے' کہ وہ طہر کے ساتھ ہوتی ہے۔ کیونکہ ابن عمر رضی اللہ عنہما کی حدیث میں ہے: "فطلقا طاهرا قبل ان تمسها، فتلك العدت التي امر الله ان يطلق لها النسآء"، تو آپؐ نے عدت کو طہر کے ساتھ اور استبراء کو حیض کے ساتھ قرار دیا۔

اور ان مسائل میں سے ایک یہ ہے کہ ملکیت نئی ہونے کے بعد ایک کامل حیض کا گزرنا ضروری ہے، اگر کسی نے لونڈی حالت حیض میں خرید لی، تو اس حیض کا اعتبار نہ ہوگا۔ اور حسن بصری کہتے ہیں کہ جب اس کو حالت حیض میں خرید لے تو وہی حیض استبراء کے لئے کافی ہو جائے گا۔ اور اگر لونڈی ایسی ہو کہ اس کو حیض نہیں آتا تو اس کا استبراء مہینہ کے اعتبار سے ہوگا۔ اور زہری کہتے ہیں کہ تین ماہ گزرنے سے ہوگا۔ یہ حدیث ان لوگوں کی دلیل ہے جو کہتے ہیں کہ حاملہ عورت کو حیض نہیں آتا، اور وہ خون جو حاملہ کو آتا ہے وہ حیض نہیں ہوتا اگرچہ وہ حیض کے وقت اور صفات پر ہو۔ کیونکہ نبیؐ نے حیض کو براءتِ رحم کی علامت ٹھہرایا ہے۔

استحداث ملکیت سے استبراء لازم ہو جاتا ہے۔ چاہے وہ لونڈی کنواری ہو یا ثیبہ ہو، مرد اس کا مالک ہوا ہو یا عورت' اسی طرح مکاتبہ جب بدل کتابت کے اداء کرنے سے عاجز ہو جائے یا فروخت شدہ لونڈی جب بائع کی طرف واپس لوٹائی جائے' اقالہ کی وجہ سے یا کسی عیب کی وجہ سے، تو اس کے ساتھ استبراء سے پہلے صحبت کرنا جائز نہیں ہے۔

اہل علم کا اتفاق ہے کہ دوران استبراء مالک کے لئے وطی کرنا حرام ہے۔ اور وطی کے علاوہ مباشرت کے بارے میں اختلاف ہے۔ بعض حضرات نے اس کو وطی کی طرح حرام قرار دیا ہے، اور یہی امام شافعیؒ کا قول ہے۔ امام شافعیؒ کا ایک اور قول یہ ہے کہ یہ صرف خریدی ہوئی باندی کے ساتھ حرام ہے، اور قیدی کے ساتھ حرام نہیں ہے، کیونکہ خریدی ہوئی لونڈی کبھی کسی غیر سے حاملہ ہوتی ہے، تو مشتری اس کا مالک نہیں ہوتا، اور قید ہو کر آئی ہوئی لونڈی کا حمل اس کے مالک کا ہونے سے مانع نہیں۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

استبراء کے بغیر لونڈی اور تقسیم کے بغیر غنیمت کا استعمال جائز نہیں

۳۳۳۹: وَعَنْ رُوَيْفِعِ بْنِ ثَابِتٍ الْاَنْصَارِيِّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ حُنَيْنٍ لَا يَحِلُّ لِامْرِءٍ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِاَنْ يَسْقِيَ مَاءَهُ زَرْعَ غَيْرِهٖ يَعْنِي اِتْيَانَ الْحُبَالٰى وَلَا يَحِلُّ لِامْرِءٍ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِاَنْ يَقَعَ عَلَى امْرَاَةٍ مِنَ السَّبْيِ حَتّٰى يَسْتَبْرِءَهَا وَلَا يَحِلُّ لِامْرِءٍ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِاَنْ يَبِيْعَ مَغْنَمًا حَتّٰى يُقْسَمَ۔ (رواه ابوداود ورواه الترمذي الى قوله زرع غيره)

اخرجه ابوداوٗد في السنن ٦١٥/٢ الحديث رقم ٢١٥٨ والترمذي في ٤٣٧/٣ الحديث رقم ١١٣١ واحمد في المسند ١٠٨/٤۔

ترجمہ: ''اور حضرت رویفع بن ثابت الانصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غزوہ حنین کے دن فرمایا کہ ''جو شخص اللہ اور قیامت پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے یہ حلال نہیں ہے کہ وہ کسی دوسرے کی کھیتی کو اپنے پانی سے سیراب کرے۔ (یعنی کسی شخص کی باندی سے جماع کرنا جائز نہیں جو اس کے نطفہ سے حاملہ نہ ہو) اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے یہ بھی حلال نہیں ہے کہ وہ (کفار سے جنگ میں) گرفتار شدہ لونڈی سے جماع کرے یہاں تک کہ ایک حیض آنے یا ایک مہینہ گزرنے کا انتظار کر کے اس (کے رحم) کا استبراء نہ کرلے اور جو شخص اللہ اور آخرت کے دن پر ایمان رکھتا ہے اس کے لئے یہ بھی درست نہیں ہے کہ وہ مال غنیمت کو فروخت کرے یہاں تک کہ وہ تقسیم نہ ہو جائے (یعنی مال غنیمت میں کسی قسم کا تصرف اور خیانت نہ کرے) ابوداؤد اور امام ترمذیؒ نے اس روایت کو لفظ زرع تک نقل کیا ہے''۔

تشریح: قوله :عن رويفع ابن ثابت الانصاری......:

رويفع : تصغیر کے ساتھ ہے۔

حنين : تصغیر کے ساتھ ہے۔ طائف کی ایک وادی ہے۔

ان يسقى : حرف اول کے فتح کے ساتھ ہے۔

الحبالى : حاء کے فتحہ کے ساتھ بمعنی حمل والی۔

''ورواه'' اور ایک نسخہ میں ''وروى'' ہے۔

الفصل الثالث:

۳۳۴۰: عَنْ مَالِكٍ قَالَ بَلَغَنِيْ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَانَ يَأْمُرُ بِاسْتِبْرَاءِ الْاِمَاءِ بِحَيْضَةٍ اِنْ كَانَتْ مِمَّنْ تَحِيْضُ وَثَلَاثَةِ اَشْهُرٍ اِنْ كَانَتْ مِمَّنْ لَا تَحِيْضُ وَيَنْهٰى عَنْ سَقْيِ مَآءِ الْغَيْرِ۔

ترجمہ: ''امام مالکؒ کہتے ہیں کہ مجھ تک یہ حدیث پہنچی ہے کہ رسول اللہ ﷺ ان لونڈیوں کو جن کو حیض آتا اور جن کو حیض نہیں آتا تھا تین ماہ کے ذریعے رحم کے استبراء کا حکم فرمایا کرتے تھے۔ (یعنی آپ ﷺ نے یہ حکم جاری فرمایا تھا کہ جن لونڈیوں کو حیض نہیں آتا ہے ان سے ان کے نئے مالک اس وقت تک جماع نہ کریں جب تک تین مہینہ کی مدت نہ گزر جائے) نیز آپ ﷺ نے غیر کو اپنے پانی سے سیراب کرنے سے منع فرمایا ہے''۔

تشریح: قوله :بلغی ان رسول الله ﷺ كان يامر ......:

الا ماءِ : حرف اول کے کسرے کے ساتھ ''امة'' کی جمع ہے، مملوکہ لونڈی کو کہتے ہیں۔

وينهى : ''يأمر'' پر عطف ہے، تقدیری عبارت یوں ہے: وكان ينهى.

بلغنی : یعنی تابعین سے مجھے یہ بات پہنچی ہے تو اس صورت میں یہ مرسل ہے یا صحابہ سے تابعین کے واسطے سے پہنچی ہے۔

تو پھر یہ مسند ہے۔

قوله: بحيضة ......: ظاہر یہ ہے کہ یہ مدرج ہے، نوویؒ فرماتے ہیں کہ اگر استبراء والی عورت مہینوں کے اعتبار سے عدت گزارنے والی ہو تو کیا اس کے لئے استبراء کے لئے ایک ماہ کافی ہے یا تین ماہ؟ تو اس میں دو قول ہیں، جن میں سے زیادہ ظاہر جمہور کا قول ہے ایک ماہ کا' کیونکہ یہ ایک حیض کا بدل ہے، اور صاحب مہذب اور علماء کی ایک جماعت نے تین کو راجح قرار دیا ہے۔

۳۳۴۱: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّهٗ قَالَ اِذَا وَهَبَتِ الْوَلِيْدَةُ الَّتِيْ تُوْطَأُ اَوْ بِيْعَتْ اَوْاُعْتِقَتْ فَلْتَسْتَبْرِئْ رَحِمَهَا بِحَيْضَةٍ وَلَا تَسْتَبْرِئُ الْعَذْرَاءُ۔

رَوَاهُمَا رَزِيْنٌ۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ انہوں نے ارشاد فرمایا: ''جب کوئی ایسی لونڈی جس سے جماع کیا جاتا تھا ہبہ کی جائے' یا فروخت کی جائے یا آزاد کی جائے تو اس کو چاہئے کہ ایک حیض کے ذریعہ اپنے رحم کو پاک (صاف) کرلے البتہ باکرہ (کنواری) کو پاک (صاف) کرنے کی ضرورت نہیں ہے''۔ (یعنی اس کو ایک حیض کے ذریعے اپنے رحم کو پاک کرنے کا حکم دینے کی ضرورت نہیں ہے) یہ دونوں روایتیں رزینؒ نے نقل کی ہیں''۔

تشریح: قوله :اذا وهبت الوليدة......

وهبت :صیغہ مجہول کے ساتھ ہے۔

الوليدة : جاریہ یعنی لونڈی۔

ولا تستبرى : آخر پر ضمہ ہے، صیغہ نفی کا ہے، یا جزم کے ساتھ ہے، اور یا آخر میں کسرہ ہے۔ التقاء ساکنین کی وجہ سے۔ اور صیغہ ان دونوں صورتوں میں نہی کا ہے اور اول زیادہ ظاہر ہے۔

العذراء : البكر یعنی کنواری۔

صاحب ہدایہ نے لکھا ہے کہ جس ام ولد کا آقا مر جائے، یا اس کو اس کا آقا آزاد کردے، تو اس کی عدت کی مدت تین حیض ہے، اور اگر اس کو حیض نہ آتا ہو، تو اس کی مدت تین مہینے ہوگی۔

علامہ ابن ہمامؒ فرماتے ہیں کہ یہ حکم اس صورت میں ہے جب کہ وہ ام ولد نہ تو حاملہ ہو اور نہ کسی دوسرے شخص کے نکاح میں ہو، اور نہ کسی کی عدت میں ہو۔ چنانچہ اگر وہ حاملہ ہوگی، تو پھر اس کی عدت تا وضع حمل ہوگی۔ اور اگر وہ کسی دوسرے شخص کے نکاح میں ہوگی یا کسی کی عدت میں ہوگی، تو چونکہ ان صورتوں میں مولیٰ کے ساتھ اس کے جنسی اختلاط کا کوئی سوال ہی نہیں، اس لئے آقا کے آزاد کرنے کی وجہ سے یا آقا کے مرجانے کی وجہ سے اس پر عدت واجب نہیں ہوگی۔ یہ حنفیہ کا مسلک ہے۔ امام شافعی اور مالک کا مسلک یہ ہے کہ ان صورتوں میں ام ولد کی عدت ایک حیض ہے، اور یہی قول امام محمدؒ کا بھی ہے۔ اور۔ یہی قول ابن عمرؓ اور حضرت عائشہؓ کا بھی ہے۔ سعید بن المسیب، ابن جبیر، ابن سیرین، مجاہد، زہری، اوزاعی اور اسحٰق رحمہم اللہ سے منقول ہے کہ چار

ماہ دس دن عدت کی مدت ہے۔ ہمارے قول کے مطابق حضرت عمر، علی، ابن مسعود، عطاء، نخعی اور ثوری کا قول ہے۔

ظاہریہ کے نزدیک ام ولد پر استبراء لازم نہیں ہے۔ اگر وہ چاہے تو شادی کر لے اگر حاملہ نہ ہو تب، اور اس کی بنیاد ظاہریہ کے ہاں قیاس کے عدم معتبر ہونے پر ہے، سوائے قیاس جلی کے جس کو ہم دلالۃ النص کہتے ہیں۔ ہمارے علاوہ حضرات اس کو مفہوم موافقت کہتے ہیں۔ اور یہ مسئلہ قیاسی ہے۔ اور اس میں کوئی شک نہیں کہ آقا کے مرنے یا اس کے آزاد کرنے سے دو امر ثابت ہوتے ہیں: (۱) زوال ملک یمین (۲) زوال فراش۔ دوسرے حضرات نے اس کو اول پر قیاس کیا ہے، اور کہا ہے کہ تربص ملک یمین کے زوال کے سبب سے لازم ہے، تو اس کا اندازہ ایک حیض کے ساتھ لگایا جائے گا۔ جیسے استبراء میں ہے۔

اور ہم کہتے ہیں کہ یہ تربص زوال فراش کی وجہ سے ہے، تو اس کا اندازہ تین حیض کے ساتھ لگایا جائے۔ جیسے طلاق میں ہوتا ہے۔ یہ زیادہ راجح ہے، کیونکہ عدت کے اثبات میں احتیاط سے کام لیا جاتا ہے۔ پس وہ قیاس جو موجب اکثر ہے وہی واجب الاعتبار ہوگا۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: ''اس سلسلہ میں ہمارے مقتدیٰ حضرت عمر فاروقؓ ہیں۔''. ابن ہمام فرماتے ہیں: ''**روی ابن أبی شیبة فی مصنفه حدیث عیسیٰ بن یونس، عن الاوزاعی، عن یحییٰ بن کثیر ان عمرو بن العاص امر ام الولد اذا أعتقت أن تعتد ثلاث حیض و کتب الی عمرؓ، فکتب بحسن رأیه**''. کہ عمرو بن العاص نے ام ولد کو حکم دیا کہ جب وہ آزاد ہو جائے تو وہ تین حیض کے گزرنے تک عدت میں رہے، اور پھر اپنی یہ رائے حضرت عمرؓ کی طرف لکھ کر بھیجی۔ حضرت عمرؓ نے ان کی رائے کو اچھا قرار دیا۔ پس جو اس نے وفات کے بارے میں بھی یہی فرمایا ہے۔ تو اللہ ہی اس کو بہتر جانتا ہے۔ اور ایسا شخص جس کا قول وفات کی عدت کے بارے میں تین حیض ہے، اس سے یہ لازم نہیں ہوتا کہ اس نے آزاد ہونے کی عدت میں بھی یہی کہا ہو۔ ابن حبان اور حاکم نے اپنی صحیح میں روایت کیا ہے: ''**عن قبیصة عن عمرو بن العاص قال: لا تلبسوا علینا سنة نعدها عدة ام الولد المتوفی عنها زوجها اربعة اشهر و عشر**''. کہ ہم پر سنت کو خلط ملط نہ کرو، ہم ام ولد (جس کا شوہر مرا ہو) اس کی عدت چار ماہ دس دن شمار کرتے ہیں۔

لیکن دار قطنی کہتے ہیں کہ قبیصہ کو عمرو سے سماع حاصل نہیں، لہٰذا یہ حدیث منقطع ہے اور ہمارے نزدیک یہ نقصان دہ نہیں اگر قبیصہ ثقہ ہو۔ اور ابن ابی شیبہ نے حارث کی سند سے حضرت علیؓ اور عبد اللہ ابن مسعودؓ سے نقل کیا ہے کہ وہ فرماتے ہیں کہ جس ام ولد کا شوہر مر جائے اس کی عدت تین حیض ہے۔ اور یہی ابراہیم نخعی، ابن سیرین، حسن بصری، اور عطاء سے نقل کیا ہے۔ تو اس کے مطابق ابن سیرین سے روایت متعارض ہوئے۔ اور سند میں حارث ضعیف ہے۔ لیکن عام طور پر نقل مذاہب بہت کم اس سے خالی ہوتے ہیں۔

تحقیق بات یہ ہے کہ یہ مسئلہ سلف کے مابین اختلافی ہے، اور وہ اختلاف رائے کی طرف راجع ہے، اور ہم اپنے رائے کے موافق بات کی ترجیح بیان کر چکے ہیں۔

فلتستبرء: امام نوویؒ فرماتے ہیں، کہ استبراء کا سبب حصول ملک ہے، پس جو شخص بھی کسی لونڈی کا مالک ہو جائے، میراث کے ذریعے یا ہبہ کے ذریعے یا کسی اور ذریعے سے، تو اس پر اس لونڈی کی استبراء لازمی ہے، چاہے اس کی طرف ملکیت

کا انتقال اس شخص کی طرف سے ہوا ہو جس سے لونڈی کا رحم اس کے پانی سے مشغول ہونا متصور ہو، یا ایسا نہ ہو جیسے عورت، بچہ وغیرہ، اور خواہ وہ لونڈی چھوٹی ہو، آیسہ ہو، یا ان کے علاوہ ہو، کنواری ہو، یا ثیبہ ہو۔ خواہ بائع نے فروخت کرنے سے پہلے اس کا استبراء کیا ہو، یا نہ کیا ہو۔

ابن سریج کہتے ہیں کہ کنواری کا استبراء ضروری نہیں ہے۔ مزنی کہتے ہیں کہ صرف حاملہ، اور جس کے ساتھ صحبت کی گئی، ان کا استبراء لازمی ہے۔ رویانی کہتے ہیں کہ میں بھی اسی طرف مائل ہوں۔ اور امام شافعیؒ نے اوطاس کے قیدیوں کے بارے میں احادیث کے اطلاق سے استدلال کیا ہے، کیونکہ آپ کو یہ بات معلوم تھی کہ ان قیدیوں میں کم عمر بھی ہیں، کنواری بھی ہیں اور وہ بھی ہیں جن کو عمر زیادہ ہونے کی وجہ سے حیض نہیں آتا، پھر بھی مطلقاً منع فرمایا۔ واللہ اعلم۔

بَابُ النَّفَقَاتِ وَحَقِّ الْمَمْلُوْكِ

نفقات اور لونڈی وغلام کے حقوق کا بیان

عرضِ مرتب:

نفقات یہ نفقہ کی جمع ہے' جس چیز کو خرچ کیا جائے اسے نفقہ کہا جاتا ہے۔اس کی انواع واقسام کا لحاظ کر کے اس کو یہاں جمع لایا گیا ہے۔مثلاً بیویوں کا نفقہ' اولادووالدین کا نفقہ' اعزہ واقربا کا نفقہ۔ظاہر عبارت سے معلوم ہوتا ہے کہ یہاں نفقہ سے واجب وغیرہ ہر ایک مراد ہے۔

مملوکہ اور مملوک کے خرچہ سے مراد ان کو کھلانا اور پہنانا اور ان کو ان کی طاقت سے باہر کام سپرد نہ کرنا ہے۔جیسا کہ احادیث سے معلوم ہوتا ہے۔(ح)

۲ بیوی کا نفقہ:

بیوی کے لئے لباس' مکان' خوراک واجب ہے' یہ خاوند کے ذمہ ہے خواہ وہ چھوٹا ہو یا بڑا اور بیوی مسلمان ہو یا کافرہ بڑی ہو یا چھوٹی کہ جس سے صحبت کی جاسکتی ہو اور عورت اپنے آپ کو خاوند کے مکان میں خاوند کے سپرد کر دے لیکن اگر اپنے حق کی وجہ سے سپرد نہ کیا یا خاوند کے مطالبہ نہ کرنے کی وجہ سے سپرد نہ کیا ہو تو بھی وہ نفقہ کی حقدار ہوگی۔نفقہ تو ہر ماہ کا مقرر کیا جائے اور شوہر وہ نفقہ عورت کے حوالے کر دے۔لباس ہر چھ ماہ کا مقرر ہوگا۔نفقہ اور لباس بقدر کفایت ہونا چاہئے تاکہ اس مدت میں فضول خرچی اور تنگدستی کے بغیر کافی ہو سکے۔

میاں بیوی اگر دونوں مالدار ہوں تو مالداروں جیسا خرچہ اور اگر دونوں تنگدست ہوں تو تنگدستوں جیسا خرچہ لازم ہو گا۔اور اگر بیوی تنگدست اور خاوند مالدار ہے یا خاوند محتاج وتنگدست ہے اور بیوی مالدار ہے تو متوسط انداز کا خرچہ ہوگا۔بعض نے کہا کہ خاوند کے حال کا اعتبار ہے فقط۔اگر دونوں کے مابین تنگدستی ووسعت میں اختلاف ہے۔تو خاوند کا قول معتبر ہوگا اور اگر بیوی کے پاس گواہ ہوں گے تو ان کا اعتبار ہوگا اور اگر اس کے پاس گواہ نہ ہوں تو خاوند کا قول معتبر ہوگا۔اگر خاوند صاحب حیثیت ہے تو ایک خادم کا خرچہ بھی معین کرے اور اگر مفلس ہو تو صحیح روایت کے مطابق اس پر خادم کا خرچہ لازم نہیں۔

اگر خرچہ خاوند کے افلاس کی حالت میں متعین ہوا پھر خاوند مالدار ہو گیا پھر بیوی مطالبہ کرے تو مالداری کا خرچہ اس کو پورا کر کے دے۔اور اگر مالداری میں خرچہ مقرر ہوا اور پھر وہ مفلس ہو گیا تو مفلسوں جیسا خرچہ لازم ہوگا۔

۳ جس کے لئے خرچہ نہیں:

جو عورت نافرمان ہو اور خاوند کے گھر سے بلا اجازت نکل جائے اس کا خرچہ لازم نہیں اور اس عورت کا بھی خرچہ لازم نہیں

جو قرض کے بدلے قید کی گئی ہو اور اس عورت کا جو بیماری کی وجہ سے خاوند کے گھر شادی کے بعد نہ بھیجی گئی ہو یا کسی نے اس کو غصب کر لیا ہو یا ایسی نو عمر ہو کہ اس سے صحبت نہ کی جا سکتی ہو یا خاوند کے بغیر حج کو گئی ہو اور اگر خاوند کے ساتھ حج کو گئی تو اس کے لئے حضر کا خرچہ تو ہوگا مگر سفر' سواری کا کرایہ لازم نہیں اگر خاوند کے گھر بیمار ہوئی تو نفقہ ہوگا اور اگر اپنے والدین کے گھر میں بیمار ہوئی اور نکاح کے بعد بیمار ہی خاوند کے گھر بھیجی گئی تو اس کا نفقہ بھی خاوند پر لازم نہ ہوگا۔

④ مکان:

خاوند پر لازم ہے کہ وہ بیوی کو ایسے مکان میں رکھے جو خود اس کے اہل سے خالی ہو اگرچہ وہ اہل اس کا کسی دوسری عورت سے بیٹا ہی ہو۔ اسی طرح وہ مکان بیوی کے اہل وعیال سے بھی خالی ہو۔ وہ مکان کفایت یہ ہے کہ عورت کے لئے مکان ہی میں ایک الگ حجرہ ہو یا جس کے کواڑ وغیرہ ہو تاکہ بموقعہ بند کیا جا سکے تو اس صورت میں عورت کا علیحدہ مکان کا مطالبہ پورا ہو جائے گا۔

⑤ خاوند کا حق:

خاوند کو حق پہنچتا ہے کہ وہ بیوی کو اس کے رشتہ داروں سے منع کرے اگرچہ وہ اس کا بیٹا ہو جو کسی اور خاوند سے ہو۔ یعنی داخل ہونے سے روک سکتا ہے گھر میں۔ البتہ اس کو محارم کے دیکھنے اور ان سے کلام کرنے سے جب وہ چاہے نہیں روک سکتا۔ صحیح یہ ہے کہ خاوند بیوی کو اپنے ماں' باپ کے ہاں جانے اور ان کے آنے سے منع نہ کرے اور یہ ہفتہ میں ایک مرتبہ ہو۔ اسی طرح والدین کے علاوہ محارم کو آنے جانے سے منع نہ کرے اور یہ سال میں ایک مرتبہ کافی ہے۔

⑥ کس کا سکنیٰ واجب:

طلاق رجعی یا بائن کی عدت گزارنے والی عورت کا خرچہ واجب ہے بشرطیکہ اس عورت کا جدا ہونا بلا معصیت ونافرمانی ہو مثلاً خیار عتق' خیار بلوغ اور وہ تفریق جو کفو نہ ہونے کی وجہ سے کرائی گئی ہو۔ جو عورت موت کی عدت میں ہو اس کے لئے نفقہ وسکنیٰ نہیں ہے۔ اسی طرح وہ عورت جو گناہ کی وجہ سے الگ اور جدا ہو اس کا نفقہ نہیں مثلاً مرتدہ ہو جائے یا اپنے خاوند کے بیٹے کے ساتھ ایسا کام کر لیا جس کی وجہ سے حرمت مصاہرت ثابت ہوگئی اور وہ عورت اپنے خاوند پر حرام ہوگئی مثلاً شوہر کے بیٹے کو اپنے اوپر قدرت دیدی یا شہوت سے اس کا بوسہ لے لیا یا چھو لیا وغیرہ۔ اگر کوئی عورت تین طلاقوں کی عدت گزارتے ہوئے مرتد ہو جائے تو نفقہ ساقط ہو جائے گا۔ اگر اس نے خاوند کے بیٹے سے زنا کر لیا تو نفقہ ساقط نہ ہوگا۔ فقیر کی لڑکی کا نفقہ اس کے باپ پر لازم ہے اگرچہ وہ فقیر ہو۔

⑦ رضاعت:

دودھ پلانے پر ماں کو مجبور نہیں کیا جا سکتا مگر جب کہ وہ معین ہو جائے مثلاً بچہ اور کسی عورت کا دودھ نہیں پیتا' یا ماں کے علاوہ دودھ پلانے والی ملتی ہی نہیں تو اس صورت میں ماں پر جبر کیا جائے گا لیکن اگر وہ دودھ پلانے کے لئے متعین نہ ہو تو باپ دودھ

پلانے والی دائی رکھے جو ماں کے پاس رہ کر دودھ پلائے۔ اگر باپ لڑکے کی ماں ہی کو دائی رکھے تا کہ وہ بچے کو دودھ پلائے خواہ وہ اس کی بیوی ہو یا اس کی عدت میں ہو جو طلاق رجعی کی عدت ہو تو جائز نہیں اور اگر طلاق بائن کی عدت ہو تو بعض نے دودھ پلانے کے لئے اجرت پر رکھنے کو جائز قرار دیا ہے بعض نے اس صورت میں بھی اس کو جائز قرار نہیں دیا۔ البتہ عدت کے بعد جائز ہے بلکہ وہ تو اس کی زیادہ حقدار ہے جب کہ وہ غیر کے مقابلے میں زیادہ اجرت کا مطالبہ نہ کرے۔

اگر بیوی کو اس طور پر دائی بنائے کہ دوسری بیوی سے پیدا ہونے والے بچے کو وہ دودھ پلائے تو درست ہے۔ باپ پر لازم ہے کہ اپنی بالغہ محتاج بیٹی اور بالغ فقیر واپاہج بیٹے کا خرچہ ادا کرے اسی پر فتویٰ ہے۔ بعض نے کہا دو تہائی باپ پر اور ایک تہائی ماں پر لازم ہے۔

⑧ اصول کا خرچہ:

اصول یعنی ماں' باپ' دادا' دادی' نانا' نانی اگرچہ اوپر کے درجہ سے ہوں اور محتاج ہوں تو اولاد پر ان کا خرچہ واجب ہے۔ بشرطیکہ اولاد اس طرح کی مالدار ہو کہ ان پر صدقہ حرام ہو۔ پس یہ بیٹے اور بیٹی پر واجب ہے۔ اس میں قرب و جزئیت کا لحاظ ہے وراثت کا نہیں' مثلاً اگر کسی کی بیٹی اور پوتا دونوں ہوں تو خرچہ بیٹی پر لازم ہوگا اگرچہ میراث دونوں کو پہنچتی ہے۔

اگر نواسی اور بھائی ہو تو نفقہ نواسی پر لازم ہے باوجودیکہ کل میراث بھائی کو ملتی ہے۔

⑨ مالدار کی ذمہ داری:

مالدار پر اس کے ہر ذی رحم محرم کا خرچہ لازم ہے۔ وہ ذی رحم چھوٹا ہو یا عورت یا اپاہج اندھا یا نادانی کی وجہ سے اچھی طرح کمانہ سکتا ہو یا اس وجہ سے کہ اس کا خاوندان مذکورہ بالا لوگوں میں سے ہو یا طالب علم ہو۔ اگر وہ خرچہ نہ دے تو اس پر جبر کیا جائے گا۔ ذی رحم محارم کا نفقہ میراث کی مقدار سے لازم ہوتا ہے یعنی محتاجی و تنگدستی کی وجہ سے اس کے ذی رحم محرم کا اس کا اتنا ہی نفقہ واجب ہوگا جس قدر وہ اس کی میراث میں سے اس کا وارث بنے گا۔ مثلاً اس کی متفرق بہنیں ہوں حقیقی' سوتیلی اور اخیافی تو اس کا خرچہ تینوں پر اس طرح لازم ہوگا کہ خرچے کے پانچ حصے بنائیں گے۔ تین تو حقیقی پر لازم ہوں گے اور دو حصے ایک ایک سوتیلی و اخیافی کے ذمہ ہوں گے۔ یہ مقدار زید کی وراثت میں ان کے حصص کے مطابق ہے۔ وراثت کی مقدار کے ہر وقت متعین و معلوم ہونے کی ضرورت نہیں بلکہ وراثت کا اہل ہونا کافی ہے۔ مثلاً جو شخص ماموں اور چچا کا بیٹا ہے تو ماموں پر نفقہ لازم ہوگا اور باپ کی بیوی کا خرچہ اس کے بیٹے پر ہے اور بہو کا خرچہ سسر (لڑکے کا باپ) پر لازم ہے بشرطیکہ وہ لڑکا نابالغ یا اپاہج ہو۔

⑩ مفلس کا حکم:

جو آدمی خود محتاج و مفلس ہے' اس پر کسی کا خرچہ واجب نہیں خواہ اس کے ذی رحم رشتہ دار اور والدین ہی کیوں نہ ہوں البتہ بیوی اور اولاد کا خرچہ ہر صورت میں لازم ہے۔

⑪ اختلافِ دین:

دین ومذہب کے اختلاف کی صورت میں ایک دوسرے پر خرچہ لازم نہیں رہتا مگر بیوی' والدین اگر چہ اوپر کے درجہ کے ہوں اور بیٹا بیٹی خواہ نچلے درجہ کے ہوں ان کا خرچہ اختلاف دین کے باوجود لازم رہتا ہے۔

اگر والد اپنے خرچ کے لئے بیٹے کے اسباب وسامان کو فروخت کرے تو جائز ہے۔مگر عقار یعنی غیر منقولہ اشیاء زمین' مکان 'باغات کو فروخت کرنا جائز نہیں۔البتہ والد اپنے قرضہ جات کے لئے جو اس کے بیٹے پر لازم ہوں۔ بیٹے کے سامان' اسباب کو فروخت نہیں کر سکتا۔ البتہ ماں کو بیٹے کی منقولہ وغیر منقولہ جائیداد کو اپنے خرچہ کے لئے فروخت کرنا جائز نہیں۔ صاحبینؒ کے نزدیک تو والد کو بھی جائز نہیں کہ وہ اولاد کی منقولہ یا غیر منقولہ جائیداد کو اپنے خرچے کے لئے فروخت کرے۔

⑫ غلام کا خرچہ:

غلام کا نفقہ مالک پر لازم ہے خواہ وہ غلام کسی قسم کے ہوں۔ اگر مالک غلام کے خرچہ سے انکار کردے تو غلام کمائی کر کے اپنے اوپر خرچ کریں اور اگر وہ کمانے پر قادر نہ ہو تو مالک کو ان کے فروخت کرنے پر مجبور کیا جائے گا۔

⑬ جانور کا خرچہ:

اگر کسی نے جانور خریدا تو اس کے خرچہ پر اس کو مجبور تو نہیں کیا جا سکتا البتہ دیانۃً اور اخلاقی طور پر ان پر خرچہ کرنے کا حکم دیا جائے گا۔(ملتقی)

الفصل الاول:

معروف مقدار میں اولاد کا خرچہ بلا اجازت خاوند کے مال سے لیا جا سکتا ہے

۳۳۴۲:عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اِنَّ هِنْدَ بِنْتَ عُتْبَةَ قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ اَبَا سُفْيَانَ رَجُلٌ شَحِيْحٌ وَّلَيْسَ يُعْطِيْنِىْ مَا يَكْفِيْنِىْ وَوَلَدِىْ اِلَّا مَا اَخَذْتُ مِنْهُ وَهُوَ لَا يَعْلَمُ فَقَالَ خُذِىْ مَا يَكْفِيْكِ وَوَلَدَكِ بِالْمَعْرُوْفِ. (متفق عليه)

اخرجه البخاری فی ۵۰۷/۹ الحديث رقم ۵۳۶۴ومسلم فی ۱۳۳۸/۳ الحديث رقم (۷-۱۷۱٤) وابوداؤد فی السنن ۸۰۲/۳ الحديث رقم ۲۲۵۹وابن ماجه فی ۷۶۹/۲ الحديث رقم ۲۲۹۳۔

ترجمہ:''اُمّ المؤمنین حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ ہندہ بنت عتبہ رضی اللہ عنہا نے عرض کیا کہ''یا رسول اللہ! (میرا شوہر) ابوسفیان بہت بخیل شخص ہے وہ مجھ کو اتنا خرچ نہیں دیتا جو مجھے اور میری اولاد (کی ضروریات) کے لئے کافی ہو جائے البتہ میں اس (کے مال میں) سے اس طرح لیتی ہوں کہ اس کو پتہ نہیں چلتا (تو کیا یہ جائز ہے کہ میں شوہر کو خبر کئے بغیر اس کے مال میں سے اپنی اور اپنی اولاد کی ضروریات کے بقدر کچھ نکال لوں؟) آپ ﷺ

نے ارشاد فرمایا: اپنی اور اپنی اولاد کی ضروریات کے بقدر مال کہ جو دستور کے مطابق ہو (یعنی اوسط درجہ کا خرچ) اس کے مال میں سے لے لیا کرو''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: قوله :یا رسول الله ﷺ! ان ابا سفیان رجل:

شحیح :امام طیبیؒ فرماتے ہیں، شحیح بروزن فعیل ہے۔ شح سے مشتق ہے۔ شح اس بخل کو کہتے ہیں جس کے ساتھ حرص بھی ہو۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وأحضرت الأنفس الشحّ﴾ [النساء: ۱۲۸]

یعطینی :ایک روایت میں ''من النفقة'' کا اضافہ ہے۔

ما یکفینی و ولدی :ایک روایت میں ''ویکفی بنی'' کے الفاظ ہیں۔

الا ما أخذت منه وهو لا یعلم :ایک روایت میں ''الا ما أخذته من غیر علمه'' کے الفاظ ہیں۔

خذی ما یکفیك و ولدك بالمعروف :اور ایک روایت میں ''خذی من ماله بالمعروف ما یکفیك ویکفی بنیك''۔

وهو لا یعلم :جملہ حالیہ ہے۔

الا ما أخذت :استثناء منقطع ہے، أی: لکن یکفینی مع ما یعطینی ما أخذت

وولدك :منصوب ہے، ضمیر منصوب پر عطف ہو رہا ہے۔

مال کو اپنے اور اہل پر خرچ کرنا مال کا شکریہ ہے

۳۳۴۳ :وَعَنْ جَابِرِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اَعْطَى اللّٰهُ اَحَدَكُمْ خَيْرًا فَلْيَبْدَأْ بِنَفْسِهٖ وَاَهْلِ بَيْتِهٖ۔ (رواه مسلم)

اخرجه مسلم فی صحیحه ۱۴۵۳/۳ الحدیث رقم (۱۸۲۲/۱۰)۔

ترجمہ: ''اور حضرت جابر بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب اللہ تعالیٰ تم میں سے کسی کو مال ودولت سے نوازے تو اس کو چاہئے کہ وہ پہلے اپنی ذات پر اور اپنے اہل وعیال پر خرچ کرے۔ (پھر اس کے بعد حسب مراتب اپنے دیگر متعلقین واعزاء اور فقراء ومساکین پر خرچ کرے)''۔ (مسلم)

تشریح: خیرا: سے مراد مال ہے، جیسا کہ ان آیات کریمہ میں ''خیر'' سے مراد مال ہے: ① ﴿ان ترك خیرًا﴾ [البقرة: ۱۸۰] ② ﴿وانه لحب الخیر لشدید﴾ [العادیات: ۸]

تخریج: اس حدیث کو امام احمدؒ نے بھی روایت کیا ہے۔ امام نسائیؒ حضرت جابرؓ سے مرفوعاً نقل کرتے ہیں:

ابدأ بنفسك فتصدق علیها، فان فضل شیء فلأهلك، فان فضل عن اهلك شیء فلذی قرابتك، فان فضل عن ذی قرابتك شیء فهكذا و هكذا.

ابن ہمام فرماتے ہیں: نسائی میں حضرت ابو ہریرہؓ سے مروی ہے: أفضل الصدقة ما ترك غنی. اور ایک روایت میں

یوں ہے: ما كان عن ظهر غنى، واليد العليا خير من اليد السفلى، وابدأ بمن تعول، فقيل: من أعول يا رسول الله؟ قال: امرأتك تقول: أطعمني والا فارقني، خادمك يقول: أطعمني واستعملني ولدك يقول: الى من تتركني ۔نسائی کے تمام نسخوں میں یوں ہے۔

مالک پر غلام کا حق روٹی کپڑا ہے

۳۳۴۴: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لِلْمَمْلُوْكِ طَعَامُهٗ وَكِسْوَتُهٗ وَیُكَلَّفُ مِنَ الْعَمَلِ اِلَّا مَا یُطِیْقُ. (رواه مسلم)

اخرجه مسلم فی صحیحه ۱۲۸۴/۳ الحدیث رقم (۴۱-۱۶۶۲) ومالك فی الموطأ ۹۸۰/۲ الحدیث رقم ۴۰ من كتاب الاستذان واحمد فی المسند ۲۴۷/۲۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے غلام کے بارے میں ارشاد فرمایا کہ اس کا کھانا اور اس کا لباس (دستور کے مطابق آقا کے ذمہ) ہے اور یہ کہ اس سے اتنا کام لیا جائے جو اس کی طاقت و ہمت کے مطابق ہو''۔

تشریح: طعامه وكسوته : امام طیبیؒ فرماتے ہیں: یہ اضافت مفعول کی طرف بھی ہو سکتی ہے۔مظہر کے کلام کا حاصل بھی یہی ہے، چنانچہ وہ فرماتے ہیں: يجب على السيد نفقة رقيقه خبزا واداما قدر ما يكفيه من غالب قوت مماليك ذلك البلد، وغالب الأدام والكسوة.اور اضافت الی الفاعل بھی ہو سکتی ہے۔اگلی حدیث کا ظاہر بھی اس پر دال ہے۔

تخریج: اس حدیث کو امام احمدؒ نے اپنی مسند میں اور امام بیہقیؒ نے شعب الایمان میں روایت کیا ہے۔امام طبرانیؒ نے حضرت عبداللہ بن عباس رضی اللہ عنہما سے ان الفاظ کے ساتھ مرفوعاً روایت کیا ہے:

للملوك على سيده ثلاث خصال، لا يعجله عن صلاته، ولا يقيمه عن طعامه، ويشبعه كل الا شباع.

غلام تمہارے ماتحت انسانی بھائی ہیں

۳۳۴۵: وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِخْوَانُكُمْ جَعَلَهُمُ اللّٰهُ تَحْتَ اَیْدِیْكُمْ فَمَنْ جَعَلَ اللّٰهُ اَخَاهُ تَحْتَ یَدَیْهِ فَلْیُطْعِمْهُ مِمَّا یَاْكُلُ وَلْیُلْبِسْهُ مِمَّا یَلْبَسُ وَلَا یُكَلِّفْهُ مِنَ الْعَمَلِ مَا یَغْلِبُهٗ فَاِنْ كَلَّفَهٗ مَا یَغْلِبُهٗ فَلْیُعِنْهُ عَلَیْهِ. (متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۴۶۵/۱۰ الحدیث رقم ۶۰۵۰ ومسلم فی ۱۲۸۲/۳ الحدیث رقم (۳۸-۱۶۶۱) وابوداؤد فی السنن ۳۶۰/۵ الحدیث رقم ۵۱۵۸ والترمذی فی ۲۹۴/۴ الحدیث رقم ۱۹۴۵

واحمد فی المسند ۱۶۱/۵۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''(غلام) تمہارے بھائی ہیں' ان کو اللہ تعالیٰ نے (تمہاری آسائش کے لئے) تمہارے ماتحت بنایا ہے لہٰذا اللہ تعالیٰ جس شخص کے بھائی کو اس کا ماتحت بنائے (یعنی جو شخص کسی غلام کا مالک بنے) تو اس کو چاہئے کہ وہ جو خود کھائے وہی اس کو بھی کھلائے اور جو خود پہنے وہی اس کو بھی پہنائے نیز اس سے کوئی ایسا کام نہ لے جو اس کی طاقت سے باہر ہو اور اگر کوئی ایسا کام اس سے لیا جائے جو اس کی طاقت سے باہر ہو تو اس کام میں خود بھی اس کی معاونت کرے''۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: قوله :اخوانكم جعلهم الله تحت ايديكم:

اخوانكم :ایک روایت میں خولكم،اور ایک دوسری روایت میں ''هم اخوانكم ''کے الفاظ ہیں۔

جعلهم الله :ایک روایت میں ''فتنةً'' کا اضافہ بھی ہے۔

فمن جعل الله أخاه تحت يده: مما يلبس :ایک اور روایت میں ''فمن كان أخوه تحت يديه'' کے الفاظ ہیں۔

مما يأكله :ایک روایت میں ''من طعامه'' کا اضافہ ہے۔

مما يلبسه :ایک دوسری روایت میں ''من لباسه'' کی زیادتی بھی ہے۔

واخوانكم :امام طیبیؒ فرماتے ہیں،اس میں دو صورتیں ہیں:

(۱) یہ مبتدا محذوف کی خبر ہے۔أي: مما ليككم اخوانكم.اور اخوت،حضرت آدم علیہ السلام کی نسبت سے ہے،بایں طور کہ اصل پیدائش اور دین کے اعتبار سے سارے لوگ حضرت آدم علیہ السلام سے ہیں۔چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿انما المؤمنون اخوة﴾ [الحجرات: ۱۰] اور ''جعلهم الله'' کلام میں موجود معنیٰ تشبیہ سے حال ہے۔

(۲)''اخوانكم'' مبتدا ہے اور مابعد جملہ ''جعلهم الله'' خبر ہو۔اس احتمال کے مطابق اخوانكم مستعار ہے،مشبہ کے ذکر سے پہلو تہی کی گئی ہے۔

لفظ ''اُخوۃ'' کا خصوصی طور پر ذکر کرنے میں اس طرف اشارہ ہے کہ انفاق میں مساوات کی علت اخوت ہے۔

تخریج:اس حدیث کو امام احمد،ابوداؤد،ترمذی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔

ابن ہمام فرماتے ہیں: یہ حدیث صحیحین میں ہے،اور ابوداؤد نے سند صحیح کے ساتھ اس اضافہ سمیت روایت کی ہے:

ومن لا يلائمكم منهم فبيعوهم ولا تعذبوا خلق الله.

غلام کی خوراک روک لینا بڑا گناہ ہے

۳۳۴۶ :وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو جَاءَهُ قَهْرَمَانٌ لَهُ فَقَالَ لَهُ اَعْطَيْتَ الرَّقِيْقَ قُوْتَهُمْ قَالَ لَا قَالَ فَانْطَلِقْ فَاَعْطِهِمْ فَاِنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَفٰى بِالرَّجُلِ اِثْمًا اَنْ يَحْبِسَ عَمَّنْ

يَمْلِكُ قُوْتَهُ (وَفِي رِوَايَةٍ) كَفٰى بِالْمَرْءِ اِثْمًا اَنْ يُضَيِّعَ مَنْ يَقُوْتُ ۔ (رواه مسلم)

اخرجه مسلم في صحيحه ۶۹۲/۲ الحديث رقم (۴۰-۹۹۶) وابوداوٗد في السنن ۳۲۱/۲ الحديث رقم ۱۶۹۲ واحمد في المسند ۱۹۳/۲ ۔ (۳) في المخطوطة (ليس) (۴) الرواية الثانية (عفى بالمرء انما ان يضيع من يقوت) ذكرها في الجامع الصغير ۳۸۹/۲ الحديث رقم ۶۲۳۷ والاولى الحديث رقم ۶۲۴۷۔

ترجمہ: ''اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کے بارے میں منقول ہے کہ (ایک دن) ان کے پاس ان کا کارندہ آیا تو انہوں نے اس سے پوچھا کہ کیا تم نے غلاموں کو ان کا کھانا دیا ہے؟ اس نے کہا کہ ''نہیں''۔ انہوں نے فرمایا کہ ''(فوراً) واپس جاؤ اور ان کو ان کا کھانا دو کیونکہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ آدمی کے گناہ کے لئے یہ بات کافی ہے کہ وہ اپنے مملوک کے کھانے کو روک لے (یعنی اپنے غلاموں کو کھانا نہ کھلائے)''۔ اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''آدمی کے گناہ کے لئے یہ بات کافی ہے کہ جس شخص کی روزی اس کے ہاتھ میں ہے (یعنی اپنے اہل وعیال اور غلام ولونڈی) وہ اس کی روزی کو ضائع کر دے''۔ (صحیح مسلم)

تشریح: قوله: جاء ه قهرمان له ......:

قهرمان: قاف اور راء کے فتحہ کے ساتھ، فارسی کا لفظ ہے، معرب ہے بمعنیٰ وکیل، صاحب نہایہ لکھتے ہیں: **هو الخازن والوكيل الحافظ لما تحت يده والقائم بأمور الرجل بلغة الفرس.**

أن يضيع: یاء کی تشدید کے ساتھ، اور تخفیف کے ساتھ، ''تضيع ''یا'' اضاعة'' سے مشتق ہے۔

يقوت: یہ **قاته يقوته** بمعنیٰ **أعطاه قوته** سے ماخوذ ہے کسی کو اس کے گزارہ کے بقدر اس کی خوراک دینا۔ **أقاته يقيته:** بقدر سدرمق کھلانا۔ یہ ارشاد باری تعالیٰ بھی اسی معنیٰ میں ہے: ﴿**وكان الله على كل شيء مقيتا**﴾ [النساء:۸۵]

أعطيت الرقيق قوتهم؟: یہاں حرف استفہام محذوف ہے۔ **قوته:** مفعول ہے يحبس کا۔

ابن الملک فرماتے ہیں: یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ ثواب کی چاہت میں اس مال کو صدقہ نہ کیا جائے جو اہل خانہ کی قوت سے اضافی نہ ہو، چونکہ اگر ایسا کیا تو (یہ ثواب نہ ہوگا بلکہ) گناہ ہوگا۔ اور ایک احتمال یہ ہے کہ اس سے مراد ''**تضييع أمر من يقوته**'' یعنی باری تعالیٰ مراد ہو، یعنی اللہ جل شانہٗ کے امور کا ضیاع مراد ہو۔

تخریج: امام میرکؒ فرماتے ہیں: مسلم اور ابوداؤد نے اول الذکر روایت کے ہم معنیٰ روایت نقل کی ہے۔ اور نسائی نے بھی اسی طرح روایت کی ہے۔ اور دوسری روایت کو ابوداؤد اور نسائی نے نقل کیا ہے۔ یہ روایت صحیحین میں موجود ہے، اور نہ صحیحین میں سے کسی ایک میں۔ مصنفؒ کے اس روایت کو یہاں (یعنی فصل اول میں) ذکر کرنے سے یہ وہم ہوتا ہے کہ یہ روایت صحیحین میں سے کسی ایک کی ہے۔ (کذا أفاده الشیخ الجزری فی تصحیح المصابیح)۔ لہٰذا صاحب مشکوٰۃ کا ''**رواه مسلم**'' کہنا محل تأمل ہے، اھ۔ اور الجامع الصغیر میں دوسری روایت کو امام احمد، ابوداؤد، حاکم، اور بیہقی کی شعب الایمان کی طرف عن ابن عمرو، بالواؤ منسوب کیا ہے۔ اور پہلی روایت کو مسلم عن عمرو بالواؤ ان الفاظ کے ساتھ منسوب کیا ہے: **كفى اثما أن تحبس**

عمن تملك قوته، یہ روایت صیغہ خطاب کے ساتھ مروی ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

بتقاضائے مروت غلام کو اپنے ساتھ کھلانا

۳۳۴۷: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا صَنَعَ لِاَحَدِكُمْ خَادِمُهٗ طَعَامَهٗ ثُمَّ جَاءَهٗ بِهٖ وَقَدْ وَلِّيَ حَرَّهٗ وَدُخَانَهٗ فَلْيُقْعِدْهُ مَعَهٗ فَلْيَاْكُلْ فَاِنْ كَانَ الطَّعَامُ مَشْفُوْهًا قَلِيْلًا فَلْيَضَعْ فِيْ يَدِهٖ مِنْهُ اُكْلَةً اَوْ اُكْلَتَيْنِ۔ (متفق عليه)

اخرجه البخاری فی صحيحه ۵۸۱/۹ الحديث رقم ۵۴۶۰ ومسلم فی ۱۲۸۴/۳ الحديث رقم (۴۲-۱۶۶۳) وابوداؤد فی السنن ۱۸۵/۴ الحديث رقم ۳۸۴۶ والترمذی فی ۲۵۲/۴ الحديث رقم ۱۸۵۳ والدارمی فی ۱۴۶/۲ الحديث رقم ۲۰۷۴ واحمد فی المسند ۴۰۹/۲

ترجمہ: "اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جب تم میں سے کسی کا خادم اس کے لئے کھانا تیار کرے اور پھر وہ کھانا لے کر اس کے پاس آئے تو اس (مالک) کو چاہیے کہ اس (خادم) کو اپنے ساتھ بٹھا کر کھانا کھلائے کیونکہ اس نے آگ کی تپش اور دھوئیں کو (اپنے مالک کے لئے) برداشت کیا ہے۔ تو اس کھانے میں سے ایک دو لقمہ لے کر اس خادم کے ہاتھ پر رکھ دے"۔ (مسلم)

تشریح: قوله :اذا صنع واحدكم خادمه......:

طعامه :ایک نسخہ میں طعاما ہے۔

ثم جاء :ایک نسخہ صحیحہ میں "جاء ہ" ہے۔

خادمه :یہاں خادم سے مراد غلام، باندی یا مطلق مراد ہے۔

ولی :لام مخففہ کے کسرہ کے ساتھ، امام تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ممکن ہے کہ ولی، ولایۃ سے مشتق ہو۔ أی: تولی ذلك. اور یہ بھی ممکن ہے کہ "الولی" بمعنی "القرب والدنو" سے مشتق ہو۔

مشفوها :بمعنی قلیل ہے۔ عرب کے قول "رجل مشفوه" سے مأخوذ ہے۔ یعنی ایسا شخص کہ جس کا سارا مال ومتاع، لوگوں کی زیادہ مانگ کے باعث خرچ ہو گیا ہو۔ (ماء مشفوه :کثیر الورود پانی۔ "شفة" سے مشتق ہے۔

صاحب الفائق لکھتے ہیں: المشفوه: القليل، وأصله الماء الذی كثرت عليه الشفاة حتی قل، وقيل أراد أنه كان مكثورا عليه أی كثرت أكلته،

أكلة: صاحب قاموس اور صاحب نہایہ لکھتے ہیں: الأكلة بالضم اللقمة المأكولة، وبالفتح المرة من الأكل.

الفائق میں لکھتے ہیں: الأكلة بالفتح اللقمه. امام نوویؒ فرماتے ہیں: الأكلة فيها بضم الهمزة، الأكلة بضم الهمزة ما يؤكل دفعة وهو القمة. ان عبارات کا حاصل یہ ہے:

① حدیث باب میں یہ لفظ دونوں جگہ ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ ہے۔

۲ یہ لفظ ہمزہ کے ضمہ کے ساتھ ہو تو بمعنی لقمہ ہوتا ہے۔
۳ اگر ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہو تو دو معنیٰ میں آتا ہے: (الف) ایک مرتبہ کھانا۔ (ب) لقمہ۔
وقد ولی: یہ جملہ محل نصب میں ''حال'' ہے۔
قلیلا: حال ہے۔ تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: مشفوہ بمعنی قلیل کی تقدیر پر ''قلیلا'' بدل ہے، اور احتمال ہے کہ تفسیر ہو۔ أکلة أو أکلتین: أو برائے تنویع ہے، یا بمعنی ''بل'' ہے۔

فائدہ: امام نووی فرماتے ہیں: اس حدیث میں (مندرجہ ذیل امور کی) ترغیب ہے۔
مکارم اخلاق اپنائے جائیں، کھانے میں مؤاساۃ کا معاملہ برتا جائے۔ خصوصاً کھانا تیار کرنے والے افراد اور کھانا لانے (اور چننے والے افراد) کے ساتھ چونکہ ان لوگوں نے کھانے کے معاملہ میں مشقت جھیلی ہے۔ کہ کھانا تیار کرتے وقت کی گرمی، دھواں برداشت کر کے ہی کھانے کی تیاری ممکن ہوئی ہے۔ اور پھر یقیناً اس کا جی بھی یہ کھانا کھانے کو چاہ رہا ہوگا۔ البتہ یہ سارے احکامات (اپنے ساتھ بٹھانا، اس کو کچھ کھلانا) استحبابی ہیں، اھ۔
اس حکم کا سبب بظاہر ''ما لا یدرك كله لا يترك كله'' ہے۔ کہ اس خادم کو کلی طور پر محروم نہ رکھا جائے، بلکہ کچھ نہ کچھ دیا جائے۔

اس حدیث کا حاصل یہ ہے کہ کوئی شخص اپنے خادموں اور نوکروں کے ساتھ کھانا کھانے میں عار محسوس نہ کرے کیونکہ خادم و نوکر بھی اس کا بھائی ہے پھر اس میں یہ حکمت بھی ہے کہ ایک دسترخوان پر جتنے زیادہ لوگ ایک ساتھ کھانا کھاتے ہیں اس کھانے میں برکت ہوتی ہے' چنانچہ ایک روایت میں ہے: أفضل الطعام ما كثرت عليه الأيدى۔ افضل کھانا وہ ہے جس میں زیادہ ہاتھ پڑیں۔

تخریج: جامع صغیر کے الفاظ یہ ہیں: اذا أتى أحدكم خادمه بطعامه قد كفاه علاجه ودخانه فليجلسه معه' فان لم يجلسه فليناوله أكلة أو أكلتين.
اس روایت کو شیخین، ابوداؤد، ترمذی، اور ابن ماجہ نے حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے نقل کیا ہے۔

فرمانبردار غلام کو دوہرا اَجر ملے گا

۳۳۴۸: وَعَنْ عَبْدِاللّٰهِ بْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ الْعَبْدَ اِذَا نَصَحَ لِسَيِّدِهٖ وَاَحْسَنَ عِبَادَةَ اللّٰهِ فَلَهٗ اَجْرُهٗ مَرَّتَيْنِ ۔ (متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۱۷۵/۵ الحدیث رقم ۲۵٤٦ ومسلم فی ۱۲۸٤/۳ الحدیث رقم (٤٣-۱٦٦٤) وابوداؤد فی السنن ۳٦٥/٥ الحدیث رقم ٥۱٦۹ ومالك فی الموطأ ۹۸۱/۲ الحدیث رقم ٤٣ واحمد فی المسند ۱۰۲/۲۔

ترجمہ: ''اور حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جب کوئی غلام اپنے آقا کی

خیر خواہی کرتا ہے (یعنی اس کی دل و جان سے خدمت کرتا ہے) اور پھر اللہ تعالیٰ کی عبادت بھی اچھے انداز میں کرتا ہے تو اس کو دوہرا (دوگنا) ثواب ملتا ہے"۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: قوله :ان العبد اذا نصح لسيده......:

احسن عبادة الله: ایک روایت میں "أحسن عبادة ربه" کے الفاظ ہیں۔

فله أجره مرتين : اور ایک دوسری روایت میں "كان له أجره مرتين" کے الفاظ ہیں۔

نصح لسيده: النصيحة سے مشتق ہے۔ نصیحت کہتے ہیں "منصوح له" کے لئے خیر طلب کرنے کو۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں نصحته اور نصحت له دونوں مستعمل ہیں۔ لام کی زیادتی برائے مبالغہ ہے۔ نصيحة العبد للسيد کا مطلب ہے: امتثال أمره والقيام على ما عليه من حقوق سيده.

اس کو دوہرا ثواب ملنے کی صورت یہ ہوتی ہے کہ ایک ثواب تو اپنے آقا کی خدمت کی وجہ سے اور ایک ثواب اللہ تعالیٰ کی عبادت کے سبب سے ملتا ہے اس سے معلوم ہوا کہ اپنے آقا کی خیر خواہی یعنی اس کی خدمت کرنا بھی عبادت ہے بلکہ حقیقت میں وہ بھی خدا کی عبادت ہے کیونکہ عبادت کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کرنا اور چونکہ اللہ تعالیٰ کا یہ حکم ہے کہ اپنے آقا کی خدمت و خیر خواہی کی جائے اس لئے جو غلام اپنے آقا کی خدمت کرتا ہے۔ درحقیقت وہ اللہ تعالیٰ کے حکم کی فرمانبرداری کرتا ہے

حاصل یہ ہے کہ غلام، آزاد کے مقابلے میں ایک اضافی بات (آقا کی خدمت) کا مکلف ہے، چنانچہ اس پر اسے ثواب دیا جائے گا۔ اس حیثیت سے غلام کو آزاد پر یک گونہ فضیلت حاصل ہے۔

تخریج: اس حدیث کو امام احمد اور ابوداؤد نے روایت کیا ہے۔ بعض حفاظ حدیث نے "فيمن يؤتى اجره مرتين" کے عنوان سے (مستقل) احادیث جمع کی ہیں۔

بہترین غلام

۳۳۴۹: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ نِعِمَّا لِلْمَمْلُوْكِ اَنْ يَّتَوَفَّاهُ اللّٰهُ بِحُسْنِ عِبَادَةِ رَبِّهٖ وَطَاعَةِ سَيِّدِهٖ نِعِمَّالَهٗ ۔ (متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۱۷۵/۵ الحدیث رقم ۲۵۴۹ ومسلم فی ۱۲۸۵/۳ الحدیث رقم (۴۶-۶۶۷) واحمد فی المسند ۲۷۰/۲۔

ترجمہ: "اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ایک غلام کے لئے کتنی اچھی بات ہے کہ وہ اپنے پروردگار کی اچھے انداز میں عبادت کرتے ہوئے اپنے مالک کی بہترین خدمت کرتے ہوئے اپنی جان اللہ کے سپرد کر دے"۔ (یعنی غلام کے لئے سب سے بڑی سعادت یہی ہے کہ اس کی پوری زندگی اپنے مالک حقیقی یعنی اللہ تعالیٰ کی اطاعت و عبادت اور مالک مجازی یعنی مالک کی خدمت و فرمانبرداری میں گزر

جائے)''۔(بخاری ومسلم)

تشریح: قولہ :نعما للملوك......:

نعما: نون اور عین دونوں کے کسرہ، اور میم کی تشدید کے ساتھ، عین میں اختلاس بھی درست ہے۔اور ایک نسخہ میں نون کے فتحہ کے ساتھ ہے۔اس آیت کریمہ: ﴿فنعما هي﴾ [البقرة:۲۷۱] میں " نعما"کو تینوں طرح پڑھا گیا ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: اس کلمہ میں تین لغات ہیں:

① نون کے کسرہ اور عین کے سکون کے ساتھ۔

② (نون کے کسرہ اور) عین کے کسرہ کے ساتھ۔

③ نون کے فتحہ اور عین کے کسرہ کے ساتھ،اھ۔

امام طیبیؒ کی بیان کردہ پہلی لغت میں مسامحت ہے، چونکہ اس سے مراد اختلاس ہے جس کو اخفاء سے تعبیر کیا جاتا ہے، چونکہ یہ ناصرف متعسر بلکہ متعذر ہے اس لئے کہ میم کی تشدید کے ساتھ عین کا ساکن پڑھنا متعذر ہے۔ کما لا یخفی.

نعما: کے بارے میں لکھتے ہیں: ما نعما میں نکرة غیر موصولة ولا موصوفة بمعنى شيء أي نعم شيئا.

أن يتوفاه الله: مخصوص بالمدح ہے۔اور تقدیری عبارت یوں ہے: توفية الله اياه.

"نعما" کا تکرار یا تو برائے مبالغہ ہے، کہ اس کے اس معاملہ کی تحسین مقصود ہے۔گویا اصل ارشاد یوں ہے: نعما له فنعما له اور یہ بھی ممکن ہے کہ پہلا "نعما" دنیا کی حالت کے اعتبار سے فرمایا ہو، اور دوسرا آخرت کے اعتبار سے۔

حکایت ہے کہ کسی غنی نے ایک نیک وصالح غلام کو آزاد کیا، تو وہ غلام بولا: بئس ما فعلت نقصت أجري من عند ربي. آپ نے جو کیا بہت بُرا کیا، آپ نے میرے ربّ کے ہاں میرا اجر کم کر دیا۔

۳۳۵۰: وَعَنْ جَرِيْرٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ إِذَا اَبَقَ الْعَبْدُ لَنْ تُقْبَلَ لَهُ صَلَاةٌ (وَفِيْ رِوَايَةٍ) عَنْهُ قَالَ اَيُّمَا عَبْدٍ اَبَقَ فَقَدْ بَرِئَتْ مِنْهُ الذِّمَّةُ وَفِيْ رِوَايَةٍ عَنْهُ قَالَ اَيُّمَا عَبْدٍ اَبَقَ مِنْ مَوَالِيْهِ فَقَدْ كَفَرَ حَتّٰى يَرْجِعَ اِلَيْهِمْ ۔ (رواه مسلم)

اخرجه مسلم في صحيحه ۸۳/۱ الحديث رقم (۱۲٤-۷۰) والنسائي في السنن ۱۰۲/۷ الحديث رقم ٤٠٤٩ واحمد في المسند ٣٦٥/٤۔

ترجمہ: ''اور حضرت جریر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب غلام بھاگ جاتا ہے تو اس کی کوئی نماز قبول نہیں کی جاتی''۔ایک روایت میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ سے یہ الفاظ منقول ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو غلام بھاگ گیا اس سے ذمہ ختم ہو گیا ایک اور روایت میں حضرت جریر رضی اللہ عنہ ہی سے یہ منقول ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو غلام اپنے مالکوں کے ہاں سے بھاگا وہ کافر ہو گیا جب تک کہ ان کے پاس واپس نہ لوٹ آئے''۔(مسلمؒ)

تشریح: قولہ: لم تقبل له صلاة : اس جملہ کے متعدد مطالب بیان کئے گئے ہیں:

① نماز سے مراد کامل نماز ہے۔یعنی اس کی کوئی بھی نماز کامل طور قبول نہیں ہوتی۔

② امام طیبیؒ فرماتے ہیں: مطلب یہ ہے کہ شرعا براءت ذمہ ہوجائے گا، مگر عنداللہ مقبول نہ ہوگی۔

قوله: برئت منه الذمة: (اس جملہ کے بھی متعدد مطالب بیان کئے گئے ہیں):

① اس غلام سے اسلام کا ذمہ وعہد ختم ہوگیا۔

② بعض کا کہنا ہے کہ حالت اباق میں اگر غلام سے کوئی جنایت سرزد ہوگی تو اس جنایت کا ارش آقا پر لازم نہیں ہوگا، علاوہ ازیں اس حالت کا نفقہ بھی مولیٰ کے ذمہ نہیں ہوگا۔

③ مظہرؒ فرماتے ہیں: اگر غلام بھاگ کر دارالکفر چلا گیا، اور مرتد ہوگیا تو اس غلام کا عہد اسلام ختم ہوگیا۔ایسے غلام کو قتل کرنا بھی جائز ہے۔اور اگر غلام بھاگ کر دارالسلام چلا گیا، اور ارتداد کی نیت نہ تھی، تو اس غلام کو قتل کرنا جائز نہیں، اس صورت میں یہ حدیث تہدید اور مبالغہ فی جواز الضرب پر محمول ہوگی۔

قوله: وفي رواية عنه قال ايما عبد أبق من مواليه فقد كفر:

اس ارشادِ گرامی کے متعدد مطالب بیان کئے گئے ہیں:

[1] کفر کے قریب ہوگیا۔

[2] ایسے غلام پر کفر کا اندیشہ ہے۔

[3] بھاگنے کا عمل کافر کا عمل ہے۔

[4] زجر پر محمول ہے۔

[5] مظہر رحمہ اللہ فرماتے ہیں: کفر بمعنی ستر ہے۔ أي ستر نعمة السيد عليه.

قوله: حتى رجع اليهم: اس جملہ کے متعلق میں دو احتمال ہیں: ایک احتمال یہ ہے کہ اس کا تعلق آخری روایت کے ساتھ ہے۔الجامع الصغیر کی روایت سے یہی مستفاد ہوتا ہے اور ایک احتمال یہ ہے کہ اس کا تعلق تمام روایات سے ہے۔

اپنے غلام پر زنا کی تہمت لگانے والا قیامت کے دن کوڑے کھائے گا

۳۳۵۱: وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ قَالَ سَمِعْتُ اَبَا الْقَاسِمِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ قَذَفَ مَمْلُوْكَهٗ وَهُوَ بَرِیْءٌ مِمَّا قَالَ جُلِدَ يَوْمَ الْقِيَامَةِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ كَمَا قَالَ. (متفق عليه)

اخرجه البخاري في صحيحه ١٢/١٨٥ الحديث رقم ٦٨٥٨ ومسلم في ٣/١٢٨٢ الحديث رقم (٣٧-١٦٦٠) وابوداوٗد في السنن ٥/٣٦٣ الحديث رقم ٣١٦٥ والترمذي في ٤/٢٩٥ الحديث رقم ١٩٤٧ واحمد في المسند ٢/٥٠٠۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے ابوالقاسم (نبی کریم) ﷺ کو ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''جس شخص نے اپنے غلام پر زنا کی تہمت لگائی جب کہ حقیقت میں وہ اس بات سے پاک ہو جو اس کے بارے

میں کہی گئی ہے (یعنی اس نے زنا نہ کیا ہو) تو قیامت کے دن اس شخص (مالک) کو کوڑے مارے جائیں گے ہاں اگر وہ غلام واقعتاً ایسا ہو جیسا کہ کہا گیا (یعنی اگر تہمت درست ہو تو پھر اس مالک کو کوڑے نہیں لگائے جائیں گے)۔''

(بخاری ومسلم)

تشریح: قوله :من قذف مملوكه وهو برئ:

وهو برئ :یہ جملہ حالیہ ہے۔

جلد : صیغہ مجہول کے ساتھ ہے۔

يوم القيامة :ایک روایت میں ''حدًا'' کا اضافہ بھی ہے۔

اس حدیث سے معلوم ہوا کہ صدق وکذب کا مرجع، مطابقت واقع ہے نہ کہ اعتقاد مخبر۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں: اس حدیث سے اشارۃً یہ بات معلوم ہوئی کہ غلام پر تہمت لگانے والے شخص پر کوئی حد نہیں ہے اور یہ مسئلہ مجمع علیہ ہے۔ البتہ اس قاذف پر تعزیر جاری کی جائیگی، خواہ وہ غلام رقیق کامل ہو، خواہ مدبر ہو، خواہ ام ولد ہو، خواہ اس میں شائبہ حریت ہو۔

تخریج :اس حدیث کو امام احمد، ابوداؤد اور ترمذی نے بھی نقل کیا ہے، امام حاکم نے اپنی مستدرک میں عمرو بن العاصؓ سے مرفوعاً نقل کیا ہے: أيما عبد أو وليدة قال أو قالت لوليدتها: يا زانية ولم تطلع منها على زنا جلدتها وليدتها يوم القيامة لأنه لا حد لهن في الدنيا.

۳۳۵۲: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ مَنْ ضَرَبَ غُلَامًا لَّهُ حَدًّا لَمْ يَأْتِهِ اَوْ لَطَمَهُ فَاِنَّ كَفَّارَتَهُ اَنْ يُّعْتِقَهُ. (رواه مسلم)

اخرجه مسلم في صحيحه ۱۲۷۹/۳ الحديث رقم (۳۰-۱۶۵۷) واحمد في المسند ۶۱/۲۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جس شخص نے اپنے غلام پر ناکردہ جرم پر حد جاری کی (یعنی اس کو بے گناہ مارا) یا اس کو تھپڑ امارے تو اس کا کفارہ یہ ہے کہ اس غلام کو آزاد کردے''۔ (مسلم)

تشریح: قوله :من ضرب غلامًا له:

اس کی ترکیب حیثیت میں تین احتمال ہیں:

حدًا :① حذف مضاف کے ساتھ مفعول مطلق ہے۔ ② یا مفعول لہ ہے۔ ③ اور ایک احتمال یہ ہے کہ تمیز ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: لم يأت. یہ جملہ ''حدًا'' کی صفت ہے، اور ضمیر عائد ضمیر منصوب ہے. أى لم يأت موجبه، مضاف کو حذف کردیا گیا۔ یہ جملہ حضرت عبداللہ بن مسعود کی اگلی حدیث کے مطلق کے لئے تقیید ہے۔

أو لطمه :اس کا عطف ''ضرب غلامه حدًا'' پر ہے۔

تخریج: طبرانی نے سند حسن کے ساتھ حضرت عمارؓ سے مرفوعاً یوں نقل کیا ہے:

من ضرب مملوكه ظلما أقيد منه يوم القيامة.

حضرت ابومسعود رضی اللہ عنہ کا مارنے کے بدلے غلام آزاد کرنا

۳۳۵۳: وَعَنْ اَبِیْ مَسْعُوْدِ الْاَنْصَارِیِّ قَالَ كُنْتُ اَضْرِبُ غُلَامًا لِیْ فَسَمِعْتُ مِنْ خَلْفِیْ صَوْتًا اِعْلَمْ اَبَا مَسْعُوْدٍ لَلّٰهِ اَقْدَرُ عَلَيْكَ مِنْكَ عَلَيْهِ فَالْتَفَتُّ فَاِذَا هُوَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ هُوَ حُرٌّ لِوَجْهِ اللّٰهِ فَقَالَ اَمَا لَوْ لَمْ تَفْعَلْ لَلَفَحَتْكَ النَّارُ اَوْ لَمَسَّتْكَ النَّارُ. (رواہ مسلم)

اخرجه مسلم فی صحيحه ۱۲۸۱/۳ الحديث رقم (۳۵-۱۶۵۹) وابوداؤد فی السنن ۳۶۱/۵ الحديث رقم ۵۱۵۹ والترمذی فی السنن ۲۹۶/۴ الحديث رقم ۱۹۴۸۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابومسعود انصاری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) میں اپنے غلام کو مار رہا تھا کہ میں نے اپنے پیچھے کی جانب سے یہ آواز سنی: ''ابومسعود! جان لو! اللہ تعالیٰ تم پر اس سے زیادہ قدرت رکھتا ہے جتنی قدرت تم اس غلام پر رکھتے ہو''۔ جب میں نے پیچھے مڑ کر دیکھا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم تھے میں نے عرض کیا ''یا رسول اللہ! (مجھے اپنے اس فعل پر ندامت ہے اب) یہ غلام اللہ کی رضا کے لئے آزاد ہے''۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: سن لو! اگر تم اس غلام کو آزاد نہ کرتے تو تمہیں دوزخ کی آگ جلا دیتی'' یا فرمایا کہ ''تمہیں دوزخ کی آگ چھو لیتی''۔ (مسلم)

تشریح: قوله :فسمعت من خلفي ......:

أبا مسعود: (حرف نداء محذوف ہے)، أی: یا أبا مسعود۔

لله: لام مفتوحہ ہے۔ امام طیبی فرماتے ہیں: اعلم میں تعلیق ہے لام ابتدائیہ پر اعتماد کرتے ہوئے۔ ''لله'' مبتدا ہے اور ''أقدر'' اس کی خبر ہے۔ اور

''عليك'' أقدر کا صلہ ہے۔ اور

''منك'' افعل کے متعلق ہے۔

تنبیہ: ''عليه'' أقدر کے متعلق نہیں ہو سکتا اور نہ مصدر مقدر کے متعلق ہو سکتا ہے جیسا کہ مظہر اسی کے قائل ہیں، بلکہ کاف سے حال ہے، أی أقدر منك حال كونك قادرا عليه.

أما: تخفیف کے ساتھ ہے۔

الفصل الثانی:

۳۳۵۴: وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَجُلًا اَتَى النَّبِیَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ لِیْ مَالًا وَاِنَّ وَالِدِیْ يَحْتَاجُ اِلٰى مَالِیْ قَالَ اَنْتَ وَمَالُكَ لِوَالِدِكَ اِنَّ اَوْلَادَكُمْ مِنْ اَطْيَبِ كَسْبِكُمْ كُلُوْا مِنْ كَسْبِ اَوْلَادِكُمْ (رواہ ابوداود وابن ماجة)

اخرجه ابوداؤد فی السنن ۸۰۲/۳ الحديث رقم ۳۵۳۰ وابن ماجه فی ۷۶۹/۲ الحديث رقم ۲۲۹۲ واحمد فی

المسند ۲/ ۲۱۴۔

ترجمہ: ''حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ (ایک دن) ایک شخص نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ میرے پاس مال ہے میرے والد کو میرے مال کی حاجت ہے۔ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تم اور تمہارا مال (دونوں) تمہارے والد کیلئے ہیں کیونکہ تمہاری اولاد تمہاری سب سے بہتر کمائی ہے لہٰذا اپنی اولاد کی کمائی کھاؤ''۔ (ابوداؤد نسائی ابن ماجہ)

تشریح: قوله :انت و مالك لوالدك......:

مالك : اضافت کے ساتھ مرفوع ہے۔ سنن ابن ماجہ میں مروی حضرت جابر کی روایت میں، اور طبرانی میں مروی حضرت سمرہ اور عبداللہ بن مسعود کی روایت میں ''أنت و مالك لأبيك'' کے الفاظ ہیں۔

أطيب : اسم تفضیل کا صیغہ ہے، ''طیب'' بمعنیٰ حلال سے مشتق ہے۔

تم اور تمہارا مال (دونوں) تمہارے باپ کے لئے ہیں''۔ کا مطلب یہ ہے کہ جس طرح تم پر اپنے باپ کی خدمت و اطاعت واجب ہے اسی طرح تم پر بھی یہ واجب ہے کہ اپنا مال اپنے باپ پر خرچ کرو اور اس کی ضروریات زندگی پوری کرو نیز تمہارے باپ کے لئے یہ جائز ہے کہ وہ تمہارے مال میں تصرف کرے۔

گویا اس حدیث میں اس بات کی دلیل ہے کہ باپ کا نفقہ بیٹے پر واجب ہوتا ہے۔ (اس حدیث کے ضمن میں یہ مسئلہ بھی بیان کیا جاتا ہے کہ) اگر کوئی باپ اپنے بیٹے کے مال میں سے کچھ چرا لے یا اس کی لونڈی سے جماع کر لے تو بسبب شبہ ملکیت اس پر حد جاری نہیں ہوگی۔

''تمہاری اولاد تمہاری سب سے بہتر کمائی ہے'' کا مطلب یہ ہے کہ انسان محنت و مشقت کر کے جو کچھ کماتا ہے اس میں سب سے حلال اور افضل کمائی اس کی اولاد ہوتی ہے لہٰذا اولاد جو کچھ کمائے وہ باپ کے لئے حلال ہے اور وہ باپ کے حق میں اپنی کمائی کے مثل ہے۔ اولاد کو باپ کی ''کمائی'' اس اعتبار سے کہا گیا ہے کہ دراصل اولاد باپ کے ذریعہ اور اس کی سعی و فعل کے نتیجہ میں وجود میں آتی ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: **لا حاجة الى التقدير**، (تقدیری عبارت کی کوئی ضرورت نہیں) چونکہ "**ان أولادكم من أطيب كسبكم**" خطاب عام ہے، اور'' **أنت ومالك لوالدك** '' کے لئے تعلیل ہے۔ اولادُ والد کا کسب ہے، اس معنی میں کہ باپ نے اس کو طلب کیا ہے اور اس کی تحصیل کے لئے سعی کی ہے۔ چونکہ کسب کے معنی ہیں تحصیل رزق و معیشت کی طلب و سعی کرنا اور مال اس کے تابع ہے۔

اولاد کو نفس کسب کہنا مبالغہ ہے اس مفہوم کی طرف قرآن کریم نے اشارہ کیا ہے: ﴿**وعلى المولد له رزقهن**﴾ ''ولد'' کو ''مولود'' کا نام دینا اس بات کی طرف اشارہ ہے کہ ''والدات'' صرف ''والدات'' ہیں، اسی وجہ سے اولاد کو آباء کی طرف منسوب کیا جاتا ہے۔

چنانچہ مأمون بن رشید کے لئے یہ شعر پڑھا گیا:

فانما أمهات الناس أوعية
مستودعات وللآباء أبناء

''لوگوں کی مائیں تو صرف برتن ہیں، اور بیٹے تو باپوں کے ہوتے ہیں۔''

''أنت ومالك لوالدك'' سے ''ان أولادكم من أطيب كسبكم'' کی طرف انتقال کو ''التفات'' کہا جا سکتا ہے، کہ نہیں؟ تو میں کہتا ہوں نہیں! چونکہ تین صیغوں سے دوسرے کی طرف انتقال نہیں پایا جا رہا یعنی حکایت، خطاب اور غیبت، چونکہ مفہوم ایک ہی ہے۔ بلکہ یہ ''انتقال من الخاص الی العام'' ہے، لہٰذا یہ ''تلوین للخطاب'' ہے۔

تخریج و توضیح:

ابن ہمامؒ فرماتے ہیں: آنحضرت ﷺ سے اس حدیث کو صحابہؓ کی ایک جماعت نے روایت کیا ہے، اصحاب سنن اربعہ نے اس حدیث کو حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کے حوالہ سے یوں نقل کیا ہے: قال صلی الله علیه وسلم: ان أطيب ما أكل الرجل من كسبه و ان ولده من كسبه. امام ترمذیؒ نے اس حدیث کی تحسین فرمائی ہے۔
اگر یہ کہا جائے کہ اس حدیث کا مقتضیٰ تو یہ ہے کہ باپ کو اولاد کے مال میں ملک ناجز حاصل ہے، تو ہم یہ کہتے ہیں: ہاں، اگر اس کو اس حدیث نے مقید نہ کر دیا ہوتا، جس کو امام حاکم نے روایت کیا ہے، اور صحیح قرار دیا ہے، اور امام بیہقی نے بھی مرفوعاً روایت کیا ہے: ان أولادكم هبة يهب لمن يشاء اناثا ويهب لمن يشاء الذكور، وأموالهم لكم اذا احتجتم اليها.
پہلی حدیث کے مؤول ہونے کی دلیل یہ بھی ہے کہ شریعت نے پوتے کے ساتھ باپ کو بیٹے کا چھٹے حصہ کا وارث بنایا ہے، اگر سارے کا سارا اس کی ملکیت ہوتا تو اس کے علاوہ کسی کو کوئی بھی چیز نہ ملتی۔

عرض مرتب:

نفقہ کے تفصیلی احکام آغازِ باب میں ملاحظہ فرمائیے۔

متولی ضرورۃً یتیم کے مال سے بقدرِ کفایت استعمال کر سکتا ہے

۳۳۵۵: وَعَنْهُ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَجُلًا اَتَى النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنِّي فَقِيْرٌ لَيْسَ لِي شَيْءٌ وَلِي يَتِيْمٌ فَقَالَ كُلْ مِنْ مَّالِ يَتِيْمِكَ غَيْرَ مُسْرِفٍ وَلَا مُبَادِرٍ وَلَا مُتَاَثِّلٍ.

(رواه ابوداود والنسائي وابن ماجة)

اخرجه ابوداؤد في السنن ۲۹۲/۳ الحديث رقم ۲۸۷۲ والنسائي في ۲۵۶/۶ الحديث رقم ۳۶۶۸ وابن ماجه في ۹۰۷/۲ الحديث رقم ۲۷۱۸۔

ترجمہ: ''اور حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ میں ایک مفلس آدمی ہوں میرے پاس کچھ بھی

نہیں ہے اور میری نگہداشت میں ایک یتیم ہے (تو کیا میں اس کے مال میں سے کچھ کھالوں؟) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''یتیم کے مال میں سے اس طرح کھاؤ کہ اس میں اسراف (فضول خرچی) نہ کرو' خرچ کرنے میں جلد بازی نہ کرو اور نہ اپنے لئے جمع کرو''۔ (ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ)

تشریح: مبادر : مشکوۃ کے تمام تصحیح شدہ موجود نسخوں میں دال مہملہ کے ساتھ ہے۔ ابن الملکؒ اس کی توضیح میں لکھتے ہیں: **مستعجل في الأخذ من ماله قبل حفولا لحاجة** اور زیادہ ظاہر یہ ہے کہ اس سے مراد غیر **مبادر بلوغه و كبره** ہے۔ اس کی دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿**ولا تأكلوها اسرافا وبدارا أن يكبروا**﴾[النساء: ٦] قاضیؒ اس کی وضاحت میں فرماتے ہیں: یعنی کھانے میں اسراف نہ کرے بایں طور کہ زائد از احتیاج نہ کھائے۔ اور نہ تبذیر کرے بایں طور کہ کئی طور کے کھانے بنائے چونکہ یہ فقراء کے شایان شان نہیں۔ چنانچہ فقراء کی نسبت سے ایسا کرنا تبذیر شمار ہوگا۔

لا متاثل : تائے مثلثہ مکسورۃ کی تشدید کے ساتھ، یعنی یتیم کے مال سے مال نہ بنائے، مثلاً اس مال سے رأس المال بنائے اور پھر اس میں تجارت کرے۔ اھ۔

اس سے صراحت ہوتی ہے کہ مصابیح میں اصل حدیث میں مباذر، ذال معجمہ کے ساتھ ہے، چنانچہ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: روایت صحیحہ دال مہملہ کے ساتھ ہے، اور قرآن کریم کے موافق بھی یہی ہے: ﴿**ولا تأكلوها اسرافا وبدارا**﴾[النساء: ٦] یہاں یہ سوال ہوسکتا ہے کہ موافقت کہاں سے ثابت ہے؟ چونکہ قرآن کریم میں لفظ ''متاثل'' تو کہیں بھی نہیں آیا؟ میں کہتا ہوں ممکن ہے کہ یہ ''**ولا مبادر**'' کے لئے بمنزلہ تفسیر کے ہو۔ کہ یتیم کے مال میں تصرف کرنے میں مبادرت نہ کرے، یتیم کے مال کو رأس المال بنائے تا کہ اس میں نفع ہو، اس خوف سے کہ کہیں بڑا ہو کر ہمارے ہاتھ سے مال چھین نہ لے، چنانچہ جب بالغ ہو، تو اس کو رأس المال دے دے، اور نفع خود لے لے۔

نماز اور ماتحتوں کا خیال رکھنا

٣٣٥٦: وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنَّهٗ كَانَ يَقُوْلُ فِيْ مَرَضِهِ الصَّلَاةَ وَمَا مَلَكَتْ اَيْمَانُكُمْ۔ (رواه البيهقي في شعب الايمان)

اخرجه البيهقي في شعب الايمان ٣٦٩/٦ الحديث رقم ٨٥٥٣۔

ترجمہ: ''اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتی ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم اپنے مرض الموت میں یہ ارشاد فرمایا کرتے تھے کہ نماز اور جو لوگ تمہاری ملکیت میں ہیں (یعنی نماز کا اور غلاموں کے حقوق کا خیال رکھنا)''۔ (بیہقی)

تشریح: **الصلاة** : منصوب ہے، اس کا عامل محذوف ہے۔ وہ عامل مقدر مندرجہ ذیل افعال میں سے کوئی بھی ہوسکتا ہے: **الزموا، أقيموا، احفظوا الصلاة بالمواظبة عليها والدوام على حقوقها**۔

الصلاة وما ملكت أيمانكم : '' صلاۃ'' سے مراد تو سب حضرات کے نزدیک نماز ہی ہے، البتہ ''وما ملكت

أيمانكم“ سے مراد کی تعیین میں آراء کا اختلاف ہے، آراء کا خلاصہ پیش خدمت ہے:

① حقوق زکوٰۃ اور اپنے اموال سے اخراج زکوٰۃ مراد ہے۔

② امام تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اظہر یہ ہے کہ اس سے مراد ”مماليك“ یعنی غلام ہیں۔

③ امام طیبیؒ فرماتے ہیں، اس سے مراد وہ تمام اشیاء ہیں کہ جن میں انسان ملکاً وقہراً تصرف کرتا ہے۔

④ بعض حضرات فرماتے ہیں: اس سے مراد حقوق زکوٰۃ اور مملوکہ اموال کی ادائیگی زکوٰۃ ہے، گویا کہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام یہ بات جان چکے تھے، کہ میرے دنیا سے رخصت ہو جانے کے فوراً بعد ہی میری اُمت میں ارتداد پھیل جائے گا، اور بعض لوگ وجوب زکوٰۃ کا انکار کر دیں گے، اور خلیفہ وقت کو زکوٰۃ ادا کرنے سے انکار کر دیں گے۔ ایسے لوگوں کی دلیل کا قلع قمع کرنے کی خاطر اپنے آخری ارشاد گرامی میں صلوٰۃ اور زکوٰۃ کو اکٹھے ذکر فرمایا۔ اور پہلی بات ظاہر ہے، اپنی اس وصیت میں نماز اور غلاموں کا اکٹھے ذکر فرمایا، تا کہ اُمت اس بات سے آگاہ ہو جائے گا، کہ غلاموں کے حقوق، نفقہ وکسوہ وغیرہ کے ترک کرنے کی بالکل گنجائش نہیں ہے، بالکل اس طرح کہ جس طرح ترک نماز کی گنجائش نہیں۔ (**كذا نقله ميرك عن التصحيح جزري: زاد في النهاية**) چنانچہ ابوبکر صدیقؓ نے بھی اس کے یہی معنی سمجھے، یعنی دوسرے معنی سمجھے، اور فرمایا: **لأ قاتلن من فرق بين الصلوٰة والزكوٰة۔**

مظہرؒ نے فرمایا: اس سے زکوٰۃ مراد لینے کی وجہ یہ ہے کہ قرآن وحدیث میں جہاں نماز کا ذکر ہوا ہے، اکثر مواقع پر زکوٰۃ کا ذکر بھی ہوا ہے۔ قاضیؒ فرماتے ہیں: حذف فعل میں کئی احتمال ہیں: ایک احتمال یہ ہے کہ ”**احفظوا**“ مقدر ہے، أی: **احفظوها بالموظة عليها، وما ملكت أيما نكم بحسن الماكية والقيام بما يحتاجون اليه من الكسوة والطعام.**

دوسرا احتمال یہ ہے کہ ”**احذروا**“ مقدر ہے، **أى احذروا تضيعهما وخافوا مارتب عليه من العذاب تفخيم لأمره و تعظم لشانه** تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: زیادہ ظاہر بات یہ ہے کہ **ما ملكت ايمانكم** سے مراد ممالیک ہیں۔ اور غلاموں کا ذکر نماز کے ساتھ یکجا اس لئے کیا تا کہ یہ بات معلوم ہو جائے کہ غلاموں کی حاجات طعام وکسوہ وغیرہ کا پورا کرنا مالکوں پر اسی طرح لازم ہے جس طرح نماز لازم ہے کہ اس کے ترک کی گنجائش نہیں۔ بعض علماء نے مملوکہ جانوروں کو بھی غلاموں کے حکم میں شامل کیا ہے

مِلک کی اضافت ”عین“ کی طرف ایسی ہی ہے جیسی ملک کی اضافت ”ید“ کی طرف۔ **اكساب و املاك** کی اضافت ”ہاتھوں“ کی طرف کی جاتی ہے، چونکہ مالک اپنے ہاتھ کے ذریعے ان پر تمکن پاتا ہے، اور تصرف کرتا ہے اور اس کی اضافت ”یمین“ کی طرف ”ید“ کی طرف اضافت کے مقابلہ میں **ابلغ و انفذ** ہے، چونکہ یمین، قوت وتصرف میں ابلغ ہے، اور محترم ومکرم اشیاء کے تناول میں اُولیٰ ہے۔

میرے نزدیک اس میں ایک صورت اور بھی ہے وہ یہ کہ ”ممالیک“ کی اضافت ”ایمان“ کی طرف خصوصی طور پر کرنا، شرف وکرم انسانی پر تنبیہ ہے اور اس کی وضاحت کرنا مقصود ہے کہ جتنی چیزوں پر اسم ملک واقع ہوتا ہے ان سب میں یہ افضل

ہے۔اور لفظ یمین کے ذریعہ ان تمام چیزوں سے امتیاز بخشا ہے کہ ہاتھ جن کا احاطہ کئے ہوئے ہیں، اور جن پر املاک مشتمل ہیں۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: دنیا سے رخصت ہوتے ہوئے تنگ وقت میں اپنی امت کو وصیت کرنے کا مقتضیٰ یہ ہے کہ ''احذروا'' فعل مقدر مانا جائے۔جیسا کہ عرب کہتے ہیں: أهلك والليل ورأسك والسيف.اور یہ کہ حدیث جوامع الکلم میں سے ہو اس کا تقاضا بھی یہی ہے، چنانچہ لفظ صلاۃ، تمام مأمورات ومنہیات کے قائم مقام ہے، بایں طور کہ الصلاة تنهى عن الفحشاء والمنكر.اور ما ملكت ايمانكم.ان تمام چیزوں کے قائم مقام ہے کہ جن میں انسان ازروئے ملک غلبہ تصرف کرتا ہے۔اسی وجہ سے یمین کا ذکر خصوصی طور پر فرمایا۔جیسا کہ شاعر کا یہ قول:

وكنا الأيمنين اذا التقينا
وكان الأيسرين بنو أبينا

چنانچہ لفظ صلاۃ کے ذریعے تعظیم امر اللہ پر تنبیہ فرمائی، اور''ما ملكت ايمانكم''کے ذریعہ اللہ کی مخلوق پر شفقت کرنے پر متنبہ فرمایا۔اور چونکہ ''ما'' عام ہے ذوی العلم اور غیر ذوی العلم دونوں پر اطلاق ہوتا ہے اور جب ذوی العلم کے لئے استعمال ہو، تو اس سے صفت مراد ہوتی ہے، اور یہ تعظیم وتحقیر ہر دو کو محتمل ہے۔اس کو ممالیک پر محمول کرنا، ان کی تحقیر شان کا مقتضیٰ ہے، اور یہ کہ یہ اپنے مولا کے لئے مسخر ہیں۔پہلی صورت اپنے عموم کی وجہ سے اُوجہ ہے، چنانچہ اس میں ممالیک بھی شامل ہوں گے۔

۳۳۵۷:وَرَوَى اَحْمَدُ وَاَبُوْدَاوُدَ عَنْ عَلِيٍّ نَحْوَهُ.

اخرجه ابن ماجه في السنن ٥١٩/١ الحديث رقم ١٦٢٥ واحمد في المسند ٢٩٠/٦ واحمد في المسند ٢٩٠/٦۔

ترجمہ:اور احمد وابوداؤد نے اسی طرح کی روایت حضرت علی رضی اللہ عنہ سے نقل کی ہے''۔

تخریج: جامع صغیر میں ہے: الصلاة وما ملكت أيمانكم مرتين.اس حدیث کو امام احمد، نسائی، ابن ماجہ، ابن حبان نے اپنی صحیح میں حضرت انسؓ سے، احمد اور ابن ماجہ نے ام سلمہ سے، اور طبرانی نے حضرت عبداللہ بن عمرؓ سے نقل کیا ہے۔

غلاموں سے بدسلوکی کرنے والے کا بیان

۳۳۵۸:وَعَنْ اَبِیْ بَکْرِ الصِّدِّيْقِ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ سَيِّئُ الْمَلَكَةِ

(رواه الترمذي وابن ماجة)

اخرجه الترمذي في السنن ٢٩٥/٤ الحديث رقم ١٩٤٦ وابن ماجه في ١٢١٧/٢ الحديث رقم ٣٦٩١ واحمد في المسند ٤/١۔

ترجمہ:''اور ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''غلاموں کے ساتھ برائی وبدسلوکی کرنے والا شخص جنت میں (ابتدائی مرحلہ پر نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ) داخل

نہیں ہوگا''۔(ترمذی' ابن ماجہ)

سیء الملکة : صاحب النہایہ لکھتے ہیں: ای الذی یسیء صحبة الممالیك. (یعنی وہ شخص جو اپنے غلاموں اور باندیوں کے ساتھ بدسلوکی کے ساتھ پیش آیا ہے) امام طیبیؒ فرماتے ہیں یعنی سوء ملکه، بدخلقی پر دلالت کرتا ہے۔ ایسا شخص مشؤم (منحوس) ہے۔ یہ فعل ذلت ورسوائی ودخول نار کا سبب بنتا ہے۔ اسی وجہ سے اگلی حدیث میں سوءالخلق کو حسب الملک مقابل کے طور پر ذکر فرمایا:

۳۳۵۹: وَعَنْ رَافِعِ بْنِ مَكِيْثٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ حُسْنُ الْمَلَكَةِ يُمْنٌ وَسُوْءُ الْخُلُقِ شُؤْمٌ (رواہ ابوداود ولم ارفی غیر المصابیح ما زاد علیه فیه من قوله) وَالصَّدَقَةُ تَمْنَعُ مِيْتَةَ السُّوْءِ وَالْبِرُّ زِيَادَةٌ فِي الْعُمُرِ۔

اخرجه ابوداؤد فی السنن ۳۶۱/۵ الحدیث رقم ۵۱۶۲ واحمد فی المسند۔

ترجمه: ''اور حضرت رافع بن مکیث رضی اللہ عنہ نقل کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: غلام کے ساتھ بھلائی اور حسن سلوک' خیر و برکت کا باعث ہے اور غلام کے ساتھ بدسلوکی' بے برکتی نحوست کا باعث ہے۔ (ابوداؤد) اور مشکوٰۃ کے مصنف فرماتے ہیں کہ میں نے مصابیح کے علاوہ اور کسی کتاب میں وہ الفاظ نہیں دیکھے ہیں جو صاحب مصابیح نے اس حدیث میں نقل کئے ہیں (اور وہ زائد الفاظ یہ ہیں کہ) آپ ﷺ نے یہ بھی ارشاد فرمایا صدقہ وخیرات بری موت سے محفوظ رکھتا ہے اور نیکی عمر کو بڑھاتی ہے''۔

حالاتِ راوی:

رافع بن مکیث۔ یہ رافع بن مکیث قبیلہ ''جہینہ'' میں ہیں۔ صلح حدیبیہ کے موقع پر حاضر تھے۔ ان سے ان کے دو بیٹے ہلال اور حارث روایت کرتے ہیں۔ ''مکیث'' میں میم کا فتحہ کاف کا کسرہ اور دو نقطوں والی یاء کا سکون اور آخر میں ثائے مثلثہ ہے۔

تشریح: قوله :حسن الملکة یمن......:

حسن : حاء مہملہ کے ضمہ کے ساتھ، یمن: یاء کے ضمہ کے ساتھ۔

سوء الخلق : خاء اور لام دونوں کے ضمہ کے ساتھ، نیز لام کے سکون کے ساتھ۔

شؤم :صاحب قاموس لکھتے ہیں: الشؤم، شین معجمہ کے ضمہ اور ہمزہ کے سکون کے ساتھ ہے۔ یمن کی ضد ہے۔ اور النہایہ میں ہے کہ ''شؤم'' یمن کی ضد ہے۔ یہ کلمہ اپنی اصل کے اعتبار سے مہموز العین ہے، تخفیفا واؤ سے بدل دیا گیا، اس کلمہ پر تخفیف ہی غالب ہے حتی کہ ہمزہ کے ساتھ مستعمل ہی نہیں۔ قاضیؒ فرماتے ہیں:

اکثر ایسا ہوتا ہے کہ جب مالک اپنے مملوکوں کے ساتھ حسن سلوک کرتا ہے تو وہ اپنے آقا کے بہت زیادہ تابعدار اور بن جاتے ہیں اور جو کام ان کے سپرد کیا جاتا ہے اسے وہ پوری دلجمعی و محنت اور ایمانداری کے ساتھ کرتے ہیں اور یہی چیزیں خیرو

برکت کا باعث ہوتی ہیں۔اس کے برعکس اگر اپنے مملوک کے ساتھ بدسلوکی و بدخواہی کا معاملہ کیا جاتا ہے تو ان کے دلوں میں مالک کی طرف سے بغض ونفرت کے جذبات پیدا ہو جاتے ہیں اور آخر کار وہ اپنے مالک کی جان و آبرو اور مال و دولت کی ہلاکت ونقصان کے ارتکاب سے گریز نہیں کرتے۔

والصدقة تمنع ميتة السوء :

''بری موت'' سے مراد ''مرگ مفاجات (اچانک موت) ہے یا ''توحید اور یادحق سے غفلت کے ساتھ مرنا'' مراد ہے! ''مرگِ مفاجات'' اس اعتبار سے ''بری موت'' ہے کہ انسان یکا یک موت کی آغوش میں چلا جاتا ہے نہ تو حقوق اللہ اور حقوق العباد کے سلسلہ میں سرزد کوتاہیوں کی تلافی کا موقع ملتا ہے اور نہ توبہ کرنے کی مہلت نصیب ہوتی ہے۔

''نیکی'' سے مراد ''مخلوق کے ساتھ احسان وسلوک کرنا'' ہے اور ''خالق کی طاعت وعبادت'' بھی مراد ہو سکتی ہے۔''نیکی'' کی وجہ سے عمر کا بڑھنا حقیقتاً بھی ممکن ہے بایں طور کہ اللہ تعالیٰ کسی کی عمر کو معلق کر دے کہ اس بندہ کی عمر اتنے سال ہے لیکن اگر یہ نیکی کرے گا یعنی اپنے پروردگار کی طاعت وعبادت اور مخلوق خدا کے ساتھ حسن سلوک وخیر خواہی میں مشغول رہے گا تو اس کی عمر میں اتنے سال کا اضافہ ہو جائے گا لہٰذا نیکی کرنے کی صورت میں اس کی عمر اتنے ہی سال بڑھ جائے گی۔

یہ وضاحت تو ''زیادتی عمر'' کے حقیقی مفہوم مراد لینے کی صورت میں ہے اور اس کا معنوی مفہوم یہ ہے کہ ''نیکی'' کی وجہ سے عمر میں خیر و برکت حاصل ہوتی ہے یا نیکی کرنے والے کو اس کی موت کے بعد لوگ بھلائی کے ساتھ یاد کرتے ہیں پس معنوی طور پر یہ بھی عمر کا بڑھنا ہی ہے۔

ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَاللّٰهُ خَلَقَكُمْ مِّنْ تُرَابٍ ثُمَّ مِنْ نُّطْفَةٍ ثُمَّ جَعَلَكُمْ اَزْوَاجًا ؕ وَمَا تَحْمِلُ مِنْ اُنْثٰى وَلَا تَضَعُ اِلَّا بِعِلْمِهٖ ؕ وَمَا يُعَمَّرُ مِنْ مُّعَمَّرٍ وَّلَا يُنْقَصُ مِنْ عُمُرِهٖۤ اِلَّا فِيْ كِتٰبٍ ؕ اِنَّ ذٰلِكَ عَلَى اللّٰهِ يَسِيْرٌ﴾ [فاطر:۱۱] ''اور خدا ہی نے تم کو مٹی سے پیدا کیا پھر نطفے سے پھر تم کو جوڑا جوڑا بنا دیا اور کوئی عورت نہ حاملہ ہوتی ہے اور نہ جنتی ہے مگر اسکے علم سے اور نہ کسی بڑی عمر والے کو عمر زیادہ دی جاتی ہے اور نہ اس کی عمر کم کی جاتی ہے مگر (سب کچھ) کتاب میں (لکھا ہوا) ہے بیشک یہ خدا کو آسان ہے'' تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: المیتة، میم کے کسرہ کے ساتھ ''جلسة'' اور ''ركبة'' کی طرح ہے۔''میتة'' اس حالت انسانی کو کہتے ہیں جس پر موت واقع ہو، عرب کہتے ہیں: فلان مات ميتة حسنة أو سيئة.

قوله: البر زيادة في العمر : ایک احتمال تو یہ ہے کہ اس سے مراد عمر میں برکت کی زیادتی ہے۔چنانچہ جس شخص کی عمر میں برکت ہوتی ہے، وہ اللہ کے فضل وکرم سے ایک ایک دن میں وہ کچھ حاصل کر لیتا ہے، جو دوسرے لوگ اپنی عمر کے کئی کئی برس لگا کر بھی حاصل نہیں کر پاتے۔دوسرا مطلب یہ ہے کہ اس سے مراد عمر کی زیادتی کا سبب ہے۔اور اس کو زیادت کہنا اس کے طول کے اعتبار سے ہے۔مثلاً ''تداوی'' کو سلامتی کا سبب بنا دیتا ہے۔اور طاعت کو حصول درجات کا سبب بنا دیتا ہے۔اور یہ سب چیزیں بھی عمر کی طرح مقدر ومقرر ہوتی ہیں اھ۔امام میرک رحمہ اللہ فرماتے ہیں: شیخ جزری رحمہ اللہ کے کلام سے یہ مفہوم ہوتا ہے کہ اس روایت کو صاحب مصابیح نے جس طرح نقل کیا ہے بالکل اسی طرح پوری روایت امام احمد رحمہ اللہ نے بھی نقل کی ہے، اھ۔

چنانچہ روایت کے آخری ٹکڑے پر صاحب مشکوٰۃ نے جو اعتراض صاحب مصابیح پر کیا ہے وہ صحیح نہیں ہے۔چونکہ من

حفظ حجة على من لم يحفظ.اور اس کی تائید الجامع الصغیر کی روایت سے بھی ہوتی ہے: حسن الملكة يمن، وسوء الخلق شؤم.

اس حدیث کو ابوداؤد نے رافع بن مکیث سے روایت کیا ہے، اور امام احمد اور طبرانی نے ان سے یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ نقل کی ہے:

''حسن الملكة نماء، وسوء الخلق شؤم، والبر زيادة في العمر، والصدقة تمنع ميتة السوء''.

اس حدیث کو ابن عساکر نے حضرت جابر سے ان الفاظ کے ساتھ ذکر کیا ہے:

''حسن الملكة يمن، وسوء الخلق شؤم، وطاعة المرأة ندامة، والصدقة تدفع القضاء السوء''.

غلام پر رحم کی ترغیب

۳۳۶۰:وَعَنْ اَبِيْ سَعِيْدٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِذَا ضَرَبَ اَحَدُكُمْ خَادِمَهٗ فَذَكَرَ اللّٰهَ فَارْفَعُوْا اَيْدِيَكُمْ (رواه الترمذي والبيهقي في شعب الا يمان لكن عنده) فَلْيُمْسِكْ بَدَلَ فَارْفَعُوْا اَيْدِيَكُمْ.

اخرجه الترمذي في السنن ۲۹۷/٤ الحديث رقم ۱۹۵۰۔

ترجمہ:''اور حضرت ابوسعید رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:''(مثال کے طور پر) اگر تم میں سے کوئی شخص اپنے غلام کو مارے اور وہ اللہ کو یاد کرے (یعنی یوں کہے کہ تمہیں اللہ کا واسطہ مجھے معاف کر دو) تو تم (اس کو مارنے سے) اپنا ہاتھ اٹھا لو (یعنی روک لو)''۔ اس روایت کو ترمذیؒ نے نقل کیا ہے اور شعب الایمان میں بیہقی کی روایت میں فارفعوا ایدیکم کی بجائے فلیمسك نقل کیا گیا ہے (اور دونوں الفاظ کا مطلب ایک ہی ہے)''۔

تشریح: قوله :اذا ضرب احدكم خادمه:

فذك الله :اس جملہ کا عطف شرط پر ہے۔اور ''فارفعوا'' جزاء ہے۔

طیبیؒ کہتے ہیں کہ ''تم اپنا ہاتھ روک لو'' کا تعلق اس صورت سے ہے جب کہ اس غلام کا مالک تادیباً مار رہا ہو اور اگر اس پر حد جاری کر رہا ہو (یعنی شراب پینے یا کسی پر جھوٹی تہمت لگانے کی سزا میں اس کو کوڑے مار رہا ہو) تو پھر ہاتھ نہ روکے بلکہ حد پوری کرے۔

اور یہی حکم اس صورت کا ہے جب وہ مکر کر رہا ہو۔

تخریج: سنن ابی داؤد میں مروی حضرت ابو ہریرہؓ کی مرفوع روایت کے الفاظ یہ ہیں: اذا ضرب أحدكم فليتق الوجه.اور اس ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ چہرہ اشرف الاعضاء ہے، چہرہ پر مارنے کی صورت میں بعض اعضاء کو نقصان پہنچنے کا اندیشہ ہوتا ہے۔

ماں بیٹے میں جدائی ڈالنا جائز نہیں

۳۳۶۱: وَعَنْ اَبِیْ اَیُّوْبَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰہِ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ فَرَّقَ بَیْنَ وَالِدَۃٍ وَوَلَدِھَا فَرَّقَ اللّٰہُ بَیْنَہٗ وَبَیْنَ اَحِبَّتِہٖ یَوْمَ الْقِیَامَۃِ۔ (رواہ الترمذی والدارمی)

اخرجہ الترمذی فی السنن ۵۸۰/۳ الحدیث رقم ۱۲۸۳ والدارمی فی ۲۹۹/۲ الحدیث رقم ۲۴۷۹ واحمد فی المسند ۴۱۳/۵۔

ترجمہ: اور حضرت ابوایوب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جس شخص نے ماں اور اس کے بیٹے کے درمیان جدائی کرائی تو قیامت کے دن اللہ تعالیٰ اس کے اور اس کے عزیز و اقارب کے درمیان جدائی کرادے گا''۔ (ترمذی' دارمی)

تشریح: قولہ: من فرق بین والدۃ......:

فرق: راء کی تشدید کے ساتھ ہے۔

''ماں اور بیٹے'' سے مراد ''لونڈی اور اس کا بچہ'' ہے ان کے درمیان ''جدائی کرانے'' کا مطلب یہ ہے کہ کوئی مالک مثلاً لونڈی کو تو کسی کے ہاتھ فروخت کردے یا کسی کو ہبہ کردے اور بچہ کو اپنے پاس روک لے' یا بچہ کو کسی کے ہاتھ فروخت کردے یا کسی کو ہبہ کردے اور اس کی ماں کو اپنے پاس رہنے دے لہٰذا اگر کوئی شخص اس طرح سے ماں اور بیٹے کو ایک دوسرے سے جدا کرے گا تو قیامت کے دن اس موقف میں کہ جہاں تمام مخلوق اپنے تمام عزیزوں کے ساتھ جمع ہوگی اور لوگ اپنے پروردگار سے ایک دوسرے کی شفاعت کررہے ہوں گے اللہ تعالیٰ اس شخص اور اس کے عزیزوں مثلاً ماں باپ یا اولاد وغیرہ کے درمیان جدائی کرا دے گا۔

اس حدیث میں صرف ''ماں بیٹے'' کا ذکر محض اتفاقی ہے ورنہ تو ہر چھوٹے (کمسن) بردہ اور اس کے ذی رحم محرم رشتہ دار خواہ وہ ماں ہو' باپ دادا ہو یا دادی اور بھائی ہو یا بہن کے درمیان جدائی کرانے کا یہی حکم ہے۔ حنفیہ کے ہاں دو چھوٹے بھائیوں کو ایک دوسرے سے جدا کردینا جائز ہے۔

مذکورہ بالا وضاحت سے یہ بات ثابت ہوئی کہ ''چھوٹے'' کی قید سے بڑے کا استثناء ہوگیا' یعنی اگر بڑی عمر والے بردہ کو اس کی ماں یا اس کے باپ یا کسی اور ذی رحم محرم رشتہ دار سے جدا کردیا جائے تو جائز ہے۔ اب سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ ''بڑے'' کی تعریف کیا ہے تو اس بارے میں علماء کے اختلافی اقوال ہیں کہ کس عمر کے بردہ کو بڑا کہیں گے چنانچہ امام شافعیؒ کے نزدیک تو سات برس یا آٹھ برس کی عمر والا ''بڑا'' کہلائے گا' جب کہ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ جو بالغ ہو جائے وہ بڑا کہلائے گا۔ نیز امام اعظمؒ اور امام محمدؒ کے نزدیک چھوٹے بچے اور اس کے ذی رحم محرم رشتہ دار کو ایک دوسرے سے علیحدہ کرکے بیچنا مکروہ ہے جب کہ امام ابو یوسفؒ یہ فرماتے ہیں کہ اگر ان دونوں یعنی بچہ اور اس کے ذی رحم محرم رشتہ دار میں ولادت کی قرابت ہو (جیسے وہ دونوں ماں اور بیٹا ہوں یا باپ اور بیٹا ہوں) تو اس صورت میں ان دونوں کو جدا کرکے بیچنا سرے

سے جائز ہی نہیں ہوگا اور ان کا قول یہ بھی ہے کہ ولادت کی قربت کے استثناء کے بغیر تمام ذی رحم محرم رشتہ داروں کے بارے میں یہی حکم ہے۔

اشرفؒ فرماتے ہیں: اس حدیث مبارکہ میں نبی کریم علیہ الصلاۃ والسلام نے لفظ "والدہ" اور "ولد" کے درمیان لفظ "بین" کے ذریعہ فاصلہ نہیں فرمایا اور جزاء کے درمیان لفظ "بین" کے ذریعہ فصل فرمایا، بایں طور کہ لفظ "بین" کو دوسرے لفظ کے ساتھ بھی ذکر فرمایا (یعنی فرق اللہ بینہ وبین أحبتہ۔)، یہ اسلوب اہتمام شان کے پیش نظر اختیار فرمایا، اور یہ کہ جب ان دونوں کے درمیان لفظ بین کے فاصلہ گوارا نہیں، تو ان دونوں ذاتوں کے درمیان تفریق کیوں کر روا ہوگی۔

امام طیبیؒ نے فرمایا: درۃ الغواص میں حریریؒ لکھتے ہیں: **ومن أوهام الخواص أن يدخلوا بين المظهرين وهو وهم، وانما اعتادوا بين المظهر والمضمر قياسًا على المجرور بالحرف، كقوله تعالٰى جل جلاله ﴿تساء لون به والارحام﴾** [النساء۔۱] **لأن المضمر المتصل كاسمه، فلا يجوز العطف على جزء الكلمة بخلاف المظهر لا ستقلاله.**

تخریج: اسی طرح اس روایت کو امام احمد نے، اور امام حاکم نے اپنی مستدرک میں ذکر کیا ہے۔ طبرانی نے حضرت معقل بن یسار سے "**من فرق فليس منا**" کے یوں روایت کیا ہے:

دو بھائیوں میں تفریق جائز نہیں

۳۳۶۲: وَعَنْ عَلِيٍّ قَالَ وَهَبَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ غُلَامَيْنِ اَخَوَيْنِ فَبِعْتُ اَحَدَهُمَا فَقَالَ لِيْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَاعَلِيُّ مَا فَعَلَ غُلَامُكَ فَاَخْبَرْتُهٗ فَقَالَ رُدَّهٗ رُدَّهٗ۔

(رواه الترمذى وابن ماجة)

اخرجه الترمذى فى السنن ۳/۵۸۰ الحديث رقم ۱۲۸۴ وابن ماجه فى ۲/۷۵۵ الحديث رقم ۲۲۴۹ واحمد فى المسند ۱/۹۷۔

ترجمہ: "اور حضرت علی رضی اللہ عنہ فرماتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھے دو غلام عطا فرمائے جو آپس میں بھائی بھائی تھے پھر (جب) میں نے ان میں سے ایک کو فروخت کر دیا تو رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے مجھ سے پوچھا کہ "اے علی! تمہارا (ایک) غلام کہاں گیا؟" میں نے آپ صلی اللہ علیہ وسلم کو بتا دیا (کہ ایک غلام میں نے فروخت کر دیا ہے) آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اس کو واپس لاؤ' اس کو واپس لاؤ"۔ (ترمذی' ابن ماجہ)

تشریح: فقال رده رده: "اس کو واپس کرلو" کا مطلب یہ تھا کہ تم نے جو بیع کی ہے اس کو فسخ کر دو اور اس غلام کو اپنے پاس لے آؤ تا کہ دونوں بھائیوں کے درمیان جدائی واقع نہ ہو۔

اس جملہ کو تاکیداً دو مرتبہ فرمانے میں اس طرف اشارہ تھا کہ جو حکم دیا جا رہا ہے وہ وجوب کے طور پر ہے اور بیع مکروہ تحریمی ہے اس حدیث سے معلوم ہوا کہ ایک دوسرے کے درمیان جدائی نہ کرانے کا حکم صرف ماں بیٹوں کے ساتھ مخصوص نہیں ہے۔

کافی میں لکھا ہے: ایک روایت میں "أدرك أدرك" کے الفاظ ہیں۔ واضح رہے کہ تفریق صغیر مکروہ ہے، خواہ بذریعہ بیع ہو یا کسی اور سبب سے۔ البتہ اگر قرابت قرابت ولا ہو تو ایک کی بیع دوسرے کے بغیر جائز نہیں۔ چونکہ رسول اللہ ﷺ کا فرمان ہے: "أدرك أدرك". چنانچہ اگر بیع نافذ ہوتی تو استدراک ممکن نہیں تھا۔ ہاں اگر کسی مستحق کا استحقاق ہو مثلاً ان میں سے ایک کو اس کی جنایت کے سبب، ولی الجنایت کے سپرد کر دیا، یا "رد بالعیب" ہو گیا، تو یہ تفریق مکروہ نہیں۔

ماں اور بیٹے میں تفریق درست نہیں

۳۳۶۳: وَعَنْهُ اَنَّهُ فَرَّقَ بَيْنَ جَارِيَةٍ وَوَلَدِهَا فَنَهَاهُ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ذَالِكَ فَرَدَّ الْبَيْعَ۔

(رواه ابو داود منقطعا)

اخرجه ابو داوٗد في السنن ۱۴۴/۳ الحديث رقم ۲۶۹۶۔

ترجمہ: اور حضرت علی رضی اللہ عنہ کے بارے میں منقول ہے کہ (ایک مرتبہ) انہوں نے ایک لونڈی اور اس کے بیٹے کو ایک دوسرے سے جدا کر دیا (یعنی ان دونوں میں ایک کو فروخت کر دیا اور ایک کو اپنے پاس رہنے دیا) چنانچہ نبی کریم ﷺ نے اس سے منع فرمایا اور انہوں نے (یعنی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے) اس بیع کو فسخ کر دیا"۔ ابوداؤد نے اس روایت کو بطریق انقطاع نقل کیا ہے"۔

آسان موت کے آسان اسباب

۳۳۶۴: وَعَنْ جَابِرٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ ثَلَاثٌ مَنْ كُنَّ فِيهِ يَسَّرَ اللّٰهُ حَتْفَهُ وَاَدْخَلَهُ جَنَّتَهُ رِفْقٌ بِا لضَّعِيفِ وَشَفَقَةٌ عَلَى الْوَالِدَيْنِ وَاِحْسَانٌ اِلَى الْمَمْلُوكِ (رواه الترمذی وقال هذا حديث غريب)

اخرجه الترمذي في السنن ۵۶۶/۴ الحديث رقم ۲۴۹۴۔

ترجمہ: "اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جس شخص میں یہ تین باتیں موجود ہوں گی اللہ تعالیٰ اس پر موت کو آسان کر دے گا اور اس کو جنت میں داخل فرمائے گا۔ ① کمزوروں اور ضعیفوں کے ساتھ نرمی کرنا ② ماں باپ پر شفقت کرنا ③ اپنے مملوک (غلام) پر احسان کرنا۔ اس روایت کو امام ترمذی نے نقل کیا ہے اور کہا ہے کہ یہ حدیث غریب ہے"۔

تشریح: الجامع الصغیر کی روایت میں "يسر الله حتفه" کی بجائے "نشر الله تعالى عليه كنفه" کے الفاظ ہیں۔ وادخله: ایک نسخہ میں وأدخل ہے۔

ثلاث: کی تمیز محذوف ہے، أی ثلاث خصال.

فیہ: جار مجرور "مجتمعة" محذوف کے متعلق ہے۔
حتفه : حاء کے فتحہ اور تاء کے سکون کے ساتھ۔امام طیبیؒ النہایۃ کے حوالہ سے لکھتے ہیں: کہا جاتا ہے: مات حتف أنفه: یہ تب کہتے ہیں کہ جب مرنے والا اپنے بستر پر مرا ہو، گویا کہ یہ شخص اپنے ناک کے بل گر کر مرا۔ حتف کے معنیٰ ہلاکت کے ہیں۔(اہل عرب) یہ خیال کرتے تھے کہ مریض کی روح اس کے ناک سے نکلتی ہے، اور اگر وہ زخمی ہو، تو اسکے زخم سے نکلتی ہے۔
رفق بالضعیف: یہاں "ضعیف وکمزور" سے ہر وہ شخص مراد ہے جو خواہ جسم وجان کے اعتبار سے ضعیف ہو یا مالی حالت کے اعتبار سے ضعیف ہو یا عقل کے اعتبار سے کمزور ہو! "احسان کرنے" کا مطلب یہ ہے کہ مالک پر اس کے غلام کے تئیں جو کچھ واجب ہے اس سے بھی زیادہ اس کے ساتھ سلوک کرے۔

نمازی غلام کو مارنے کی ممانعت

۳۳۶۵: وَعَنْ اَبِیْ اُمَامَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَهَبَ لِعَلِيٍّ غُلَامًا فَقَالَ لَا تَضْرِبْهُ فَاِنِّي نُهِيْتُ عَنْ ضَرْبِ اَهْلِ الصَّلٰوةِ وَقَدْ رَاَيْتُهُ يُصَلِّيْ هٰذَا لَفْظُ الْمَصَابِيْحِ۔

اخرجه احمد فی المسند ۲۵۸/۵۔

ترجمہ: "اور حضرت ابو امامہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے حضرت علی رضی اللہ عنہ کو ایک غلام ہبہ کیا اور یہ حکم دیا کہ اس کو نہ مارنا کیونکہ مجھے (میرے رب کی طرف سے) نمازیوں کو مارنے سے منع کیا گیا ہے اور میں نے اس غلام کو نماز پڑھتے دیکھا ہے"۔ یہ الفاظ (جو مشکوۃ میں مذکور ہیں) مصابیح کے ہیں۔
تشریح: اس سے مراد شاید یہ ہے کہ نمازی کو تادیب بالضرب کی حاجت نہیں، چونکہ جب وہ اپنے مولائے حقیقی کی عبادت کا بجا آور ٹھہرا اور دوسری طرف نماز فحش کاموں اور منکرات سے روکتی ہے۔
طیبیؒ فرماتے ہیں کہ جب اللہ تعالیٰ نے دنیا میں نمازیوں کو مارنے سے منع کیا ہے تو اس کے لطف وکرم سے امید ہے کہ وہ آخرت میں ان کو عذاب میں مبتلا کر کے ذلیل ورسوا نہیں کرے گا۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے:
﴿ربنا انك من تدخل النار فقد أخزيته﴾

۳۳۶۶: وَفِي الْمُجْتَبٰى لِلدَّارَقُطْنِيْ اَنَّ عُمَرَ بْنَ الْخَطَّابِ قَالَ نَهَانَا رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ ضَرْبِ الْمُصَلِّيْنَ۔

اخرجه الدارقطنی فی السنن ۵۴/۲ الحدیث رقم ۸ من باب التشدید فی ترك الصلاة۔

ترجمہ: اور دارقطنی کی تصنیف مجتبیٰ میں یہ منقول ہے کہ حضرت عمر بن خطاب رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ہمیں نمازیوں کو مارنے سے منع فرمایا ہے"۔

غلام کو دن میں ستّر مرتبہ معاف کرو

۳۳۶۷: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ قَالَ جَاءَ رَجُلٌ إِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ كَمْ نَعْفُوْ عَنِ الْخَادِمِ فَسَكَتَ ثُمَّ أَعَادَ عَلَيْهِ الْكَلَامَ فَصَمَتَ فَلَمَّا كَانَتِ الثَّالِثَةُ قَالَ اُعْفُوْا عَنْهُ كُلَّ يَوْمٍ سَبْعِيْنَ مَرَّةً۔ (رواہ ابوداود)

اخرجه ابوداؤد فی السنن ٣٦٢/٥ الحديث رقم ٥١٦٤ واحمد فی المسند ١١١/٢۔

ترجمہ: "اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک شخص حاضر ہوا اور عرض کرنے لگا کہ یا رسول اللہ ﷺ! ہم کتنی مرتبہ (اپنے) خادم کی خطائیں معاف کریں؟ آپ ﷺ خاموش رہے (اور کوئی جواب نہیں دیا) اس شخص نے پھر یہی سوال کیا تو اس مرتبہ بھی آپ ﷺ خاموش رہے پھر جب اس نے تیسری مرتبہ یہی سوال کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "ہر روز ستّر مرتبہ"۔ (ابوداؤد)

تشریح: کم نعفو عن الخادم؟ فسکت: مشکوۃ کے تصحیح شدہ نسخوں میں عبارت یوں ہی ہے، جیسے متن میں ہے۔ امام طیبیؒ کے کلام سے اس کے برعکس مفہوم ہوتا ہے، وہ "ثم أعاد علیه الکلام" کے بعد فرماتے ہیں: ثم فيه يدل على التراخي بين السؤالين وذلك يدل على الاهتمام بشأنه، ومن ثم عقبه بقوله فصمت بالفاء السببية، ولم يأت به في النوبة الاولى بناء على عدم الاعتناء بشانه، يعني لما رای ذلك الا هتمام والاعتناء صمت. اور یہ ممکن ہے کہ آپ ﷺ نے وحی کے انتظار میں خاموشی اختیار فرمائی ہو۔

سبعین مرۃ: "ستّر مرتبہ" سے یہ خاص عدد مراد نہیں ہے بلکہ جیسا کہ اہل عرب کے ہاں کسی چیز کی زیادتی اور کثرت کو بیان کرنے کے لئے عام طور پر ستّر کا عدد ذکر کیا جاتا تھا' آپ ﷺ کا مقصد بھی واضح کرنا تھا کہ زیادہ سے زیادہ مرتبہ ان کی خطائیں معاف کرو۔

ممکن ہے کہ یہ حدیث نبوی، اللہ جل شانہٗ کے اس ارشاد کے عموم سے اقتباس ہو: ﴿وجزاء سيئة سيئة مثلها فمن عفا وأصلح فأجره على الله﴾ [الشوری: ۴۰] اور ایک اور حدیث میں ہے: اغفر فان عاقبت فعاقب بقدر الذنب واتق الوجه اس کو طبرانی اور ابونعیم نے "المعرفۃ" میں "جزء" سے نقل کیا ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: هو مبني على أحد الأمرين، وهو التكثير والتحديد، ونصبه على المصدر اى، سبعين عفوة. "دو باتوں میں سے کسی ایک پر مبنی ہے یا تکثیر پر یا تحدید پر۔ یہ مفعول مطلق ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔"

۳۳۶۸: وَرَوَاهُ التِّرْمِذِيُّ عَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو

اخرجه الترمذی فی ٢٩٦/٤ الحديث رقم ١٩٤٩۔

ترجمہ: نے اس روایت کو حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما سے نقل کیا ہے"۔

اسنادی حیثیت: امام میرک فرماتے ہیں: امام ترمذیؒ کا فرمانا ہے کہ یہ حدیث ''حسن غریب'' ہے۔ بعض نسخوں میں ''حسن صحیح'' ہے۔ اور ابو یعلی نے جید اسناد کے ساتھ ذکر کیا ہے۔ (کذا ذکر المنذری)

تشریح: حافظ منذری ''الترغیب والترہیب'' میں لکھتے ہیں:

ہمارے سماع کے مطابق اس روایت کو ابوداؤد اور ترمذی نے عبد اللہ بن عمرو (واؤ کے ساتھ) سے روایت کیا ہے، اور بخاری نے اپنی تاریخ میں عباس بن خلید کے طریق سے عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کیا ہے۔ اور ان (بخاری) ہی کی روایت عبداللہ بن عمر بن خطاب سے مروی ہے۔ امام ترمذی فرماتے ہیں بعض نے اس حدیث کو اسی سند سے روایت کیا ہے۔ اور فرمایا کہ عبداللہ بن عمرو (واؤ کے ساتھ) سے مروی ہے۔ امیر ابونصر نے ذکر کیا ہے کہ عباس بن خلید ان دونوں (یعنی عبداللہ بن عمرو بن عاص اور عبداللہ بن عمر بن خطاب) سے روایت کرتے ہیں۔ جیسا کہ بخاری نے ذکر کیا ہے۔ نہ ابن یونس نے تاریخ مصر میں، اور نہ ابن ابی حاتم نے اس روایت کو عبداللہ بن عمرو بن عاص سے روایت کیا ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

(انتہیٰ کلام المنذری)

مطیع غلاموں کی خبر گیری کرو

۳۳۶۹: وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍّ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ لَاءَمَكُمْ مِنْ مَمْلُوْكِكُمْ فَاَطْعِمُوْا مِمَّا تَاْكُلُوْنَ وَاكْسُوْهُ مِمَّا تَكْسُوْنَ وَمَنْ لَّا يُلَاءِمُكُمْ مِنْهُمْ فَبِيْعُوْهُ وَلَا تُعَذِّبُوْا خَلْقَ اللّٰهِ.

(رواہ احمد وابوداود)

اخرجه ابوداؤد فی السنن ۳۵۹/۵ الحدیث رقم ۵۱۵۷ واحمد فی المسند ۱۶۸/۵۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''تمہارے مملوک (لونڈی غلام) میں سے جو (لونڈی غلام) تمہاری اطاعت وخدمت (تمہاری خواہش کے مطابق) کرے (اور وہ تمہارے مزاج کے موافق ہو) تو اس کو وہی کھلاؤ جو تم خود کھاتے ہو اور اس کو وہی پہناؤ جو تم خود پہنتے ہو (کیونکہ جب وہ تمہارا دل خوش کرتا ہے تو تم بھی اس کا دل خوش کرو) اور جو (لونڈی غلام) تمہارے مزاج کے موافق نہ ہو تو اس کو (تکلیف نہ دو بلکہ) فروخت کر دو اور اللہ کی مخلوق کو سزا نہ دو''۔ (احمد، ابوداؤد)

تشریح: اس کے ظاہر کا تقاضا یہ ہے کہ ترمذی کی روایت میں عبداللہ بن عمر بغیر واؤ کے ہے۔ یہ عبارت مؤلف کی عبارت کے مقتضی کے خلاف ہے۔ شیخ جزری رحمہ اللہ فرماتے ہیں: اس کو ابوداؤد اور ترمذی نے عباس بن خلید کے طریق سے عبداللہ بن عمر بن خطاب سے روایت کیا ہے، اور فرمایا یہ حدیث حسن غریب ہے۔ اور فرمایا بعض نے اس حدیث کو عبداللہ بن عمرو بن عاص اور عبداللہ بن حارث بن جزء سے روایت کیا ہے۔ اور امام بخاری رحمہ اللہ نے اس حدیث کو اپنی تاریخ میں عباس بن خلید کے طریق سے ان دونوں سے روایت کیا ہے۔ اور کہا ہے کہ اس حدیث میں اضطراب ہے۔ واللہ تعالیٰ أعلم.

من لاءمکم: مشکوۃ کے تمام معتمد نسخوں میں ہمزہ کے ساتھ ہے صاحب النہایہ لکھتے ہیں، أی: وافقکم وساعدکم؟

وقد يخفف الهمز فيصير ياء، وفي الحديث يروى بالياء منقلبة عن الهمز ذكره الطيبي. یہاں یہ محل نظر ہے کہ یہ تخفیف قیاس کے مناسب نہیں، علاوہ ازیں رسم الخط کے مخالف بھی ہے، ممکن ہے کہ تخفیف کا تعلق "من لا يلا ئمكم" سے ہو۔ یہاں پر تخفیف کا قول کرنا رسم الخط اور قیاس ہر دو کے موافق ہے۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

قوله: من لاء مكم من مملوك كم، فأطعموه مما تأكلون، واكسوه مما تكسون:
اس سے متعلقہ تشریحات ماقبل میں گزر چکی ہیں۔ ملاحظہ فرمائیے: حدیث: ۳۳۴۴

قوله :من لا يلاء مكم منهم فبيعوه، ولا تعذبوا خلق الله : اس میں عموم ہے، چنانچہ یہ حکم تمام حیوانات و بہائم کو شامل ہے۔ اور اس بات کی طرف بھی اشارہ ہے کہ اپنے آپ کو بھی عذاب مت دو۔ ہمارے بعض مشائخ فرماتے ہیں: من أراد أن يحسن أدب مملوكه فيسيء أدبه وكذا بالعكس. لہٰذا ان دنوں احتمالوں میں سے ایک احتمال بہرحال ہے۔

لفظ ملائمہ ذکر کرنے میں موافقت کاملہ کے عدم حصول کی طرف اشارہ ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: یعنی اس بات میں تم اور وہ برابر ہو کہ تم دونوں اللہ کی مخلوق ہو۔ تمہیں یہ فضیلت حاصل ہے کہ تم ان کے مالک ہو، چنانچہ اگر وہ تمہاری موافقت کریں تو تم ان کے ساتھ حسن سلوک کرو، وگرنہ ان کو دوسروں کے لئے چھوڑ دو۔ یہ اس آیت کریمہ کے قبیل سے ہے: ﴿والله فضل بعضكم على بعض في الرزق فما الذين فضلوا برادى رزقهم على ما ملكت ايمانهم فهم فيه سواء﴾ [النحل:۷۱] یعنی تمہارے اور ان کے درمیان رزق میں تفاوت ہے، تمہارا رزق تمہارے مملوکین سے زیادہ ہے۔ وہ بھی تمہاری طرح بشر ہیں، تمہارے بھائی ہیں، اور مناسب ہے کہ تم اپنے رزق کا اضافی حصہ ان کو دے دو، تاکہ وہ طعام و لباس میں بھی تمہارے مساوی ہو جائیں۔ اھ۔

اس آیت کا تحقیقی مفہوم وہ ہے جو بیضاویؒ نے ذکر کیا ہے، وہ فرماتے ہیں:

> والله فضل بعضكم على بعض في الرزق ، فمنكم غني، ومنكم فقير،موال يتولون رزقهم ورزق غير هم ، ومنكم مماليك حالهم على خلاف ذلك، فما الذين فضلوا برادى رزقهم اى بمعطي رزقهم اى رزق انفسهم على ما ملكت ايمانهم فهم فيه سواء ،فات ما يردون عليهم رزقهم الذى جعله الله في ايديهم فهم فيه سواء فالموالي والمماليك سواء في ان الله رزقهم فالجملة لازمة للجملة المنفية اومقررة لها ويجوز ان تكون واقعة موقع الجواب كانه قيل فما الذين فضلوا برادى رزقهم على ماملكت ايمانهم فيستووا في الرزق على انه رد وانكار على المشركين فانهم يشركون بالله بعض مخلوقاته في الالوهية ولايرضون ان يشاركهم عبيدهم فيما انعم الله عليهم فيساووهم فيه۔

لحق : حائے مہملہ کے کسرہ کے ساتھ۔ قاضیؒ فرماتے ہیں: "معجمہ" اس کو کہتے ہیں، جو بولنے پر قادر نہ ہو۔ اسی وجہ سے جانوروں کو بھی "معجمہ" کہا جاتا ہے

حیوانات کی قوت بھی واجب ہے

۳۳۷۰: وَعَنْ سَهْلِ بْنِ الْحَنْظَلِيَّةِ قَالَ مَرَّ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ بِبَعِيْرٍ قَدْ لَحِقَ ظَهْرُهُ بِبَطْنِهِ فَقَالَ اتَّقُوْا اللّٰهَ فِيْ هٰذِهِ الْبَهَائِمِ الْمُعْجَمَةِ فَارْكَبُوْهَا صَالِحَةً وَاتْرُكُوْهَا صَالِحَةً. (رواہ ابوداود)

اخرجه ابوداوٗد فی السنن ۳/۴۹ الحدیث رقم ۲۵۴۸ واحمد فی المسند ۴/۱۸۰۔

ترجمہ: ''اور حضرت سہل بن حنظلیہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ ایک اونٹ کے قریب سے گزرے تو دیکھا کہ (بھوک و پیاس کی شدت اور سواری و بار برداری کی زیادتی سے) اس کی پیٹھ پیٹ سے لگ گئی تھی۔ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ان بے زبان چوپایوں کے بارے میں اللہ تعالیٰ سے ڈرو اور ان پر ایسی حالت میں سوار ہو جب کہ وہ (قوی اور) سواری کے قابل ہوں اور ان کو ایسی اچھی حالت میں چھوڑ دو کہ اچھے ہوں (وہ تھکے نہ ہوں)''۔ (ابوداوٗد)

تشریح: قوله: مر رسول الله ﷺ ببعير قد لحق......

مطلب یہ ہے کہ یہ بولنے پر قادر نہیں ہیں کہ اپنی بھوک و پیاس وغیرہ کا اظہار اپنے مالک سے کر سکیں (اس لئے ان کے چارہ پانی کے جو بھی اوقات ہوں ان میں ان کو کھلانے پلانے میں کوتاہی نہ کرو۔) یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ چوپایوں کا چارہ (اور پانی) ان کے مالکوں پر واجب ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: ''ان پر ایسی حالت میں سواری نہ کرو الخ'' کا مقصد گھاس دانہ کے ذریعہ کی خبر گیری رکھنے کی ترغیب دلانا ہے (کہ ان کے گھاس دانہ میں کمی و کوتاہی نہ کرو) تاکہ یہ کے قابل رہیں' نیز جب یہ تھکنے کے قریب ہوں تو ان کو چھوڑ دو اور گھاس دانہ دو جب وہ کھا پی لیں اور ان میں توانائی آ جائے تو اس کے بعد ان پر سواری یا بار برداری کرو' کیونکہ اس طرح چوپائے فربہ ہوتے ہیں۔

تخریج: احمد اور ابو یعلیٰؒ نے اپنی مسند میں، اور طبرانی و حاکم نے حضرت معاذ بن انس سے ان الفاظ کے ساتھ روایت کیا ہے:

"اركبوا هذه الدواب سالمة، وابتدعوها سالمة، لا تتخدوها كراسى لأحاديثكم فى الطرق والأسواق، فرب مركوبة خير من راكبها، وأكثر ذكر الله منه".

الفصل الثالث:

۳۳۷۱: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ لَمَّا نَزَلَ قَوْلُهُ تَعَالٰى وَلَا تَقْرَبُوْا مَالَ الْيَتِيْمِ اِلَّا بِالَّتِيْ هِيَ اَحْسَنُ وَقَوْلُهُ تَعَالٰى اِنَّ الَّذِيْنَ يَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْيَتٰمٰى ظُلْمًا الْآيَةِ انْطَلَقَ مَنْ كَانَ عِنْدَهُ يَتِيْمٌ فَعَزَلَ طَعَامَهُ مِنْ طَعَامِهِ وَشَرَابَهُ مِنْ شَرَابِهِ فَاِذَا فَضَلَ مِنْ طَعَامِ الْيَتِيْمِ وَشَرَابِهِ شَيْءٌ حُبِسَ لَهُ حَتّٰى يَاْكُلَهُ اَوْ يَفْسُدَ

فَاشْتَدَّ ذٰلِكَ عَلَيْهِمْ فَذَكَرُوْا ذٰلِكَ لِرَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَنْزَلَ اللّٰهُ تَعَالٰى وَيَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْيَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَيْرٌ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ فَخَلَطُوْا طَعَامَهُمْ بِطَعَامِهِمْ وَشَرَابَهُمْ بِشَرَابِهِمْ۔

اخرجه ابو داوٗد فی السنن ۲۹۱/۳ الحدیث رقم ۲۸۷۱ والنسائی فی ۲۵۶/۶ الحدیث رقم ۳۶۷۰۔

ترجمہ: ''حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں جب اللہ تعالیٰ کا یہ ارشاد نازل ہوا: ''یتیم کے مال کے پاس نہ جاؤ مگر اس عادت کے ساتھ جو نیکی پر مبنی ہے (یعنی امانت و دیانت کے ساتھ) اس کا فرمان: بلاشبہ جو لوگ یتیموں کا مال از راہ ظلم (بلا استحقاق) کھاتے (برتتے) ہیں..... تو جن لوگوں کے پاس (یعنی جن کی نگرانی و پرورش میں) یتیم تھے انہوں نے (سخت احتیاط برتنی شروع کی) اور ان کے کھانے کے سامان کو اپنے کھانے کے سامان سے اور ان کے پینے کی چیزوں کو اپنی پینے کی چیزوں سے الگ کر دیا یہاں تک کہ ان یتیموں کے کھانے پینے کی چیزوں میں سے جو کچھ بچ رہتا اس کو اٹھا کر رکھ دیا جاتا جس کو وہ یتیم یا دوسرے وقت کھا پی لیتا یا وہ خراب ہو جاتا تھا یہ بات ان نگرانوں پر بہت دشوار گزری۔ چنانچہ انہوں نے رسول اللہ ﷺ سے اس کا ذکر کیا' اللہ تعالیٰ نے یہ آیت نازل فرمائی اور جو لوگ آپ ﷺ سے یتیم بچوں کا حکم پوچھتے ہیں' فرما دیجئے کہ ان کی مصلحت کی رعایت رکھنا زیادہ بہتر ہے اور اگر تم ان کے ساتھ خرچ شامل رکھو تو وہ بچے تمہارے (دینی) بھائی ہیں چنانچہ (اس آیت کے نازل ہونے کے بعد) ان نگرانوں نے یتیموں کے کھانے پینے کو اپنے کھانے پینے کے ساتھ شامل کر لیا''۔ (ابوداوٗد' نسائی)

تشریح: قوله :لما نزل قوله تعالىٰ ......:

حبس : صیغہ معروف کے ساتھ ہے، اور ایک نسخہ میں صیغہ مفعول کے ساتھ ہے۔ أی امسك له۔

أو يفسد : یا ''الی أن'' کے معنیٰ میں ہے۔ أی، حتیٰ یفسد أو الی أن یفسد بعضه۔

ذلك : 'کا' مشار الیہ محذوف ہے۔ أی: صعب ما ذكر من العزل والفساد۔ **فذكروا ذلك**: کا مشار الیہ'' الاشتداد عليهم'' ہے۔

ابن ہمام فرماتے ہیں: (اہل علم) فرماتے ہیں، شرکاء سفر میں سے کسی پر بے ہوشی طاری ہو گئی اور رفقاء نے اس پر خرچ کیا، یا کوئی وفات پا گیا، اور کسی شریک نے اس کے مال سے تجہیز و تکفین کر دی، تو خرچ کنندہ پر کوئی ضمان نہ ہوگا' استحساناً۔

حکایت: محمد بن حسن کے اصحاب حج کے لئے نکلے، ان میں سے ایک صاحب کا انتقال ہو گیا، چنانچہ ان کے ساتھیوں نے اس کا سامان بیچ ڈالا (اور اس کی تجہیز و تکفین کر دی) جب یہ لوگ واپس پہنچے تو محمد کے سامنے صورت حال ذکر کی تو وہ فرمانے لگے: اگر تم ایسا نہ کرتے تو تم فقہاء (کہلانے کے لائق) نہ ہوتے۔

حکایت: اسی طرح منقول ہے کہ امام محمد کے ایک شاگرد کا انتقال ہو گیا تو انہوں نے اس کی کتابیں فروخت کر کے اس کی تجہیز و تکفین کا انتظام کیا' لوگوں نے ان سے کہا کہ آپ کے اس شاگرد نے اس کی وصیت تو نہیں کی تھی آپ نے ایسا کیوں کیا؟ امام محمد نے اس کے جواب میں یہی آیت:

﴿اِنَّ الَّذِیْنَ یَاْكُلُوْنَ اَمْوَالَ الْیَتٰمٰى ظُلْمًا اِنَّمَا یَاْكُلُوْنَ فِیْ بُطُوْنِهِمْ نَارًا وَسَیَصْلَوْنَ سَعِیْرًا﴾

(النساء: ۱۰)

''بلاشبہ جو لوگ یتیموں کا مال بطور ظلم کھاتے (ہڑپ کر ڈالتے) ہیں وہ درحقیقت اپنے شکموں میں (جہنم) کی آگ بھر رہے ہیں اور جلد ہی وہ جلتی آگ میں داخل ہوں گے''۔

آخر تک پوری آیت یوں ہے:

﴿وَیَسْئَلُوْنَكَ عَنِ الْیَتٰمٰى قُلْ اِصْلَاحٌ لَّهُمْ خَیْرٌ وَاِنْ تُخَالِطُوْهُمْ فَاِخْوَانُكُمْ وَاللّٰهُ یَعْلَمُ الْمُفْسِدَ مِنَ الْمُصْلِحِ وَلَوْ شَآءَ اللّٰهُ لَاَعْنَتَكُمْ﴾ (البقرہ: ۲۲۰)

''اور لوگ آپ (ﷺ) سے یتیموں (کی بابت) حکم دریافت کرتے ہیں آپ (ﷺ) فرما دیجئے کہ ان کی مصلحت کی رعایت رکھنا بہت بہتر ہے اور اگر تم ان کے ساتھ خرچ شامل رکھو تو وہ یتیم تمہارے (دینی) بھائی ہیں اور اللہ تعالیٰ مصلحت کے ضائع کرنے والے اور مصلحت کی رعایت رکھنے والے کو خوب جانتے ہیں اور اگر اللہ چاہتا تو سخت قانون مقرر کر کے تم کو مصائب میں مبتلا کر ڈالتا''۔ پڑھی۔

تفریق ڈالنے والا ملعون ہے

۳۳۷۲: وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰى قَالَ لَعَنَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ فَرَّقَ بَیْنَ الْوَالِدِ وَوَلَدِهٖ وَبَیْنَ الْاَخِ وَبَیْنَ اَخِیْهِ (رواه ابن ماجة والدا رقطنی)

اخرجه ابن ماجه فی السنن ۷۵۶/۲ الحدیث رقم ۲۲۵۰۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ وہ شخص جو باپ اور اس کے بیٹے کے درمیان اور دو بھائیوں کے درمیان جدائی ڈالے رسول اللہ ﷺ نے اس پر لعنت فرمائی ہے''۔ (ابن ماجہ، دارقطنی)

تشریح: قوله :لعن رسول الله ﷺ من فرق......:

بین الأخ وبین أخیه : یہ اس بات کی دلیل ہے کہ ''بین'' دو اسمائے ظاہرہ کے درمیان بھی آ سکتا ہے۔ علاوہ ازیں اس قائل کا رد بھی ہے کہ جو دو اسموں کے درمیان بین کے دخول کو وہم قرار دیتا ہے۔ حدیث میں تصریح ہے کہ تفریق کی کراہت اولاد کے ساتھ مخصوص نہیں ہے، بلکہ اس کا تعلق ہر ذی رحم محرم کے ساتھ ہے جیسا کہ ہمارا مذہب ہے۔

ایک گھر کے قیدی ایک کے حوالے

۳۳۷۳: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ ابْنِ مَسْعُوْدٍ قَالَ كَانَ النَّبِیُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اُتِیَ بِالسَّبْیِ اَعْطٰى اَهْلَ الْبَیْتِ جَمِیْعًا كَرَاهِیَةَ اَنْ یُّفَرِّقَ بَیْنَهُمْ

اخرجه ابن ماجه فی ۷۵۵/۲ الحدیث رقم ۲۲۴۸۔

ترجمہ: ''اور حضرت عبداللہ بن مسعود رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب (کسی غزوہ وغیرہ میں) قیدی نبی کریم ﷺ کے پاس لائے جاتے تو آپ ﷺ ایک گھر کے تمام افراد میں سے کسی ایک شخص کو (بطور لونڈی غلام) عطا فرما دیتے تھے (یعنی قیدیوں میں ایک گھر کے جتنے بھی افراد ہوتے ان سب کو آپ کسی ایک ہی شخص کے حوالے کر دیتے تھے) کیونکہ ان کے درمیان جدائی ڈالنا آپ ﷺ کو ناپسند تھا''۔ (ابن ماجہ)

تشریح: **قوله :كان النبی ﷺ اذا بالسبی......:**

السبی : سین کے فتحہ اور باء کے سکون کے ساتھ۔

أهل البيت : مفعول ثانی ہے۔

جميعًا : حال مؤکدہ ہے۔ اور مفعول اول ''**معطی له**'' ہے۔ اس کی نظیر یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿**فعززناهما بثالث**﴾ [یٰس۔ ۱۴] صاحب کشاف لکھتے ہیں:

"وانما ترك ذكر المفعول به لان الغرض ذكر العزز به وهو شمعون ومالطف فيه من التدبير حتى عز الحق وذل الباطل واذا كان الكلام منصبا الى غرض من الاغراض جعل سياقه له وتوجهه اليه كان ما سواه مرفوض مطروح.

كراهية : یاء کی تخفیف کے ساتھ ہے۔ مفعول لہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ أن: مصدریہ ہے۔

يفرق : رائے مشددہ مکسورہ کے ساتھ ہے۔

تخریج: اس حدیث کو امام احمدؒ نے بھی روایت کیا ہے۔

بروں کی علامات

۳۳۷۴: **وَعَنْ اَبِیْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اَلَا اُنَبِّئُكُمْ بِشِرَارِكُمُ الَّذِیْ يَاْكُلُ وَحْدَهٗ وَيَجْلِدُ عَبْدَهٗ وَيَمْنَعُ رِفْدَهٗ۔**

اخرجه ابن ماجه فی السنن ۱۲۱۷/۲ الحدیث رقم ۳۶۹۱۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: کیا میں تمہیں یہ نہ بتادوں کہ تم میں برے لوگ کون ہیں؟ (تو سنو) برا وہ شخص ہے جو کھانا تنہا کھاتا ہے' اپنے غلام کو (ناحق) مارتا ہے اور کسی کو اپنی بخشش و عطا سے فائدہ نہیں پہنچاتا''۔ (رزین)

تشریح: **قوله :الا انبئكم بشراركم......:**

ألا : تخفیف کے ساتھ ہے۔

أنبئکم : تصحیح شدہ اکثر نسخوں میں بائے موحدہ کی تشدید کے ساتھ ہے۔اور اصل نسخوں میں بائے موحدہ کی تخفیف کے ساتھ،از باب افعال''انباء'' سے ہے۔

شرار کم : شین کے کسرہ کے ساتھ،''شر'' کی جمع ہے۔

وحدہ : کوفیوں کے نزدیک منصوب علی الحالیۃ ہے۔یا'' منفردا'' کی تاویل میں ہے۔

رفدہ : راء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

حدیث کا حاصل یہ ہے کہ جو لوگ بدخلق بھی ہوں اور بخیل بھی،وہ انتہائی برے لوگ ہیں۔

تخریج: جامع صغیر میں حضرت معاذ رضی اللہ عنہ سے مروی ابن عساکر کی ایک روایت میں یوں ہے:

ألا أنبئك بشر الناس؟ من اكل وحده، ومنع رفده، وسافر وحده، وضرب عبده۔ الا انبئك بشر من هذا ؟ من اكل الدنيا بالدين ۔

میرک فرماتے ہیں''الترغیب'' میں حافظ منذری کے کلام سے معلوم ہوتا ہے کہ اس حدیث کو طبرانی نے ابن عباس رضی اللہ عنہ سے مرفوعا یوں نقل کیا ہے:

من يبغض الناس يبغضونه ،قال: الا انبئكم بشراركم ؟ قالوا: بلى،ان شئت يا رسول الله !قال: ان شراركم الذى ينزل وحده ،ويجلد عبده،ويمنع رفده، افلا انبئكم بشر من ذلك؟قالوا: بلى قال: الذين لايقبلون عثرة، ولايقبلون معذرة ،ولايغفرون ذنبا، قال: افلا انبئكم بشر من ذلك ؟قالوا: بلى يا رسول الله !قال : من لا يرجى خيره، ولا يؤمن شره ۔

غلام سے بداخلاقی کرنے والا جنت سے محروم ہے

۳۳۷۵:وَعَنْ اَبِیْ بَکْرٍ الصِّدِّیْقِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا یَدْخُلُ الْجَنَّةَ سَیِّئُ الْمَلَکَةِ قَالُوْا یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَلَیْسَ اَخْبَرْتَنَا اَنَّ هٰذِهِ الْاُمَّةَ اَکْثَرُ الْاُمَمِ مَمْلُوْکِیْنَ وَیَتَامٰی قَالَ نَعَمْ فَاَکْرِمُوْهُمْ کَکَرَامَةِ اَوْلَادِکُمْ وَاَطْعِمُوْهُمْ مِمَّا تَاکُلُوْنَ قَالُوْا فَمَا تَنْفَعُنَا الدُّنْیَا قَالَ فَرَسٌ تَرْتَبِطُهٗ تُقَاتِلُ عَلَیْهِ فِیْ سَبِیْلِ اللّٰهِ وَمَمْلُوْكٌ یَکْفِیْكَ فَاِذَا صَلّٰی فَهُوَ اَخُوْكَ۔

اخرجه ابن ماجه فى السنن ۱۲۱۷/۲ الحديث رقم ۳۶۹۱۔

ترجمہ:''اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اپنے غلام لونڈی کے ساتھ بدسلوکی کرنے والا کبھی جنت میں داخل نہیں ہوگا۔(یہ سن کر) صحابہؓ نے عرض کیا کہ''یا رسول اللہ! کیا آپ ﷺ نے ہمیں یہ نہیں بتایا کہ یہ امت' غلام لونڈی اور یتیموں کے اعتبار سے پچھلی تمام امتوں سے بڑھی ہوئی ہوگی (یعنی آپ ﷺ کی امت میں غلام لونڈی اور یتیم بہت ہوں گے تو کیا اتنی کثرت کی حالت میں سب کے ساتھ

خوش خلقی کا برتاؤ کرنا ممکن ہوگا؟) آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''ہاں! (میری امت میں لونڈی غلام بہت ہوں گے اور اتنی کثرت کی حالت میں سب ہی کے ساتھ خوش خلقی کا برتاؤ کرنا مشکل بھی بہت ہوگا لیکن اگر تم جنت میں داخل ہونا چاہتے ہو تو دوسری طرح ایسے احسان کرو جو ان کے ساتھ تمہاری بد خلقی کا بدلہ ہو جائیں اور وہ احسان یہ ہے کہ) تم ان کو اپنی اولاد کی طرح عزیز رکھو۔ (یعنی ان پر بایں طور نرمی و رحم کیا کرو کہ ان پر کسی ایسے کام کا بوجھ نہ ڈالو جو ان کی طاقت وہمت سے باہر ہو اور ان پر ظلم و زیادتی نہ کیا کرو) اور ان کو وہی کھلاؤ جو خود کھاتے ہو۔ صحابہؓ نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! ہمیں دنیا میں نفع پہنچانے والی کون سی چیز ہے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا ایک گھوڑا جس کو تم اللہ کی راہ میں لڑنے کے لئے باندھ رکھو اور ایک غلام جو تمہیں کفایت کرے (یعنی وہ تمہارے دنیاوی امور کو انجام دیتا رہے تاکہ تم فارغ رہ کر آخرت کے امور انجام دے سکو اور جب وہ نماز پڑھے تو وہ تمہارا بھائی ہے۔ (لہٰذا اس کے ساتھ بھائی جیسا سلوک کرو)''۔ (ابن ماجہ)

تشریح: **أطعموهم مما تأكلون** : کسوہ کو ذکر نہ کرنا ''اکتفاء'' کی وجہ سے ہے یا ''مقایست'' کی وجہ سے ہے۔

قوله :لا يدخل الجنة سيء الملكة......:

فما ينفعنا : 'ما' استفہامیہ بمعنیٰ ''ای شیء'' ہے۔ أي: **أي شيء يفيدنا.**

فهو أخوك میں ایک احتمال یہ ہے کہ تشبیہ بلیغ ہو، ای: **فهو كأخيك.**

بَابُ بُلُوْغِ الصَّغِيْرِ وَحِضَانَتِهٖ فِي الصِّغَرِ

چھوٹے بچوں کی تربیت و پرورش اور ان کے بالغ ہونے کا بیان

"حضانة": حائے مہملہ کے کسرہ اور فتحہ کے ساتھ ہے۔ اس کے معنی ہیں "تربیت"۔ بعض شراح فرماتے ہیں: الحضانة القيام بأمر من لا يستقل بنفسه ولا يهتدى لمصالحه اور "مغرب" میں ہے: "حضن" بغل سے نچلے حصہ کو کہا جاتا ہے۔ اور "حاضنه" اس عورت کو کہتے ہیں جو جو بچہ کو کھلاتی، اٹھاتی ہے، اور اس کی تربیت کرتی ہے۔ کہا جاتا ہے: قدحضنت ولدهاحضانة، اور قاموس میں لکھتے ہیں:

حضن الصبى حضنا وحضانا بالكسر جعله في حضنه أورباه كاحتضنه وفي النهاية الحاضن المربى والكافل والانثى حاضنة والحضانة بالفتح فعلها۔

عرضِ مرتب:

لڑکی اور لڑکے کے بالغ ہونے کی حدود وعلامات کو اس باب میں ذکر کریں گے اور یہ بیان کریں گے کہ پرورش کا حق کس کو حاصل ہے؟

بلوغ ولد و بنت:

لڑکا احتلام سے بالغ ہوتا ہے یا اگر اس کی شادی کردی جائے تو اس کی بیوی حاملہ ہوجائے یا اس کو انزال ہوجائے۔ لڑکی کا بلوغ بھی احتلام سے ہوتا ہے یا حیض کے آنے یا حمل ٹھہر جانے سے ہوتا ہے۔ پھر اگر یہ چیزیں نہ پائی جائیں تو جب ان کی عمر پندرہ برس کو پہنچے گی وہ بالغ شمار ہوں گے مفتیٰ بہ قول یہی ہے۔

لڑکے کے بلوغ کی کم از کم عمر بارہ سال اور لڑکی کی نو سال ہے۔ اگر دونوں قریب البلوغ ہوں اور وہ کہیں کہ ہم بالغ ہو گئے تو ان کی تصدیق کی جائے گی اور یہ دونوں بالغوں کے حکم میں شمار ہوں گے۔

حضانت و پرورش کا حق:

نمبر ۱ سب سے اول ماں کو بلا جبر حضانت کا حق ہے خواہ وہ مطلقہ ہو یا غیر مطلقہ نمبر ۲ پھر نانی کو حق حاصل ہوگا خواہ وہ اوپر کے درجہ سے ہو نمبر ۳ پھر دادی کو نمبر ۴ پھر حقیقی بہن کو نمبر ۵ پھر اخیافی بہن کو نمبر ۶ پھر سوتیلی بہن کو نمبر ۷ پھر اس کی خالہ کو نمبر ۸ پھر پھوپھی کو نمبر ۹ اسی طرح بھانجیاں بھتیجیوں سے اولیٰ ہیں اور بھتیجیاں پھوپیوں سے اولیٰ ہیں۔

شرطِ حضانت:

جن کو حق حضانت حاصل ہوتا ہے۔ ان کا آزاد ہونا شرط ہے۔ لونڈی اور ام ولد کو حق حاصل نہیں ہے۔ ذمیہ اور مسلمہ حق

حضانت میں اس وقت تک برابر ہیں یہاں تک کہ لڑکا دین سمجھنے لگے۔

سقوطِ حق:

وہ عورت جس کو حضانت حاصل ہے اگر وہ بچے کے غیر محرم سے نکاح کرے تو اس کا حق حضانت ساقط ہو جاتا ہے اور اگر محرم سے نکاح کرے تو پھر حق حضانت ساقط نہیں ہوتا۔ مثلاً اگر ماں لڑکے کے چچا سے نکاح کرے۔

عودِ حق:

اور اگر ایسا نکاح ختم ہو جائے جس کی وجہ سے حق ساقط ہوا تھا تو وہ حق واپس لوٹ آئے گا۔

زمانہ حضانت:

لڑکا ان عورتوں کے ہاں رہے گا یہاں تک کہ وہ کھانے' پینے کپڑے پہننے لگے اور خود استنجاء کرنے لگے اور اس کا اندازہ نو برس کی عمر یا سات برس سے کیا گیا ہے۔ پھر ان سے بچے کو زبردستی والد لے لے۔

لڑکی' ماں اور نانی کے پاس رہے یہاں تک کہ وہ حائضہ ہو اور امام محمد رحمہ اللہ کہتے ہیں یہاں تک کہ اسے مرد کی طرف میلان ہو۔ جیسا کہ ماں' نانی' دادی کے علاوہ اور کسی کے ہاں رہنے کی یہ شرط ہے اور فساد زمانہ کی وجہ سے اسی قول پر فتویٰ ہے۔

ثانوی حق:

اگر ان عورتوں میں سے کوئی نہ ہو تو پھر عصبات کو حق ہے اور اس میں میراث کی ترتیب کا لحاظ ہوگا۔ لیکن لڑکی غیر محرم عصبہ کو نہ دی جائے گی جیسے مولیٰ عتاقہ اور چچا کا بیٹا۔ اسی طرح لڑکی فاسق بے پرواہ کو حضانت کے لئے نہ دی جائے گی۔

(مولانا عبدالعزیز ملتقی)

الفصل الاول:

بیٹی کی پرورش کا حق ماں کے بعد خالہ کو ہے

۳۳۲۷: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ عُرِضْتُ عَلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَامَ اُحُدٍ وَاَنَا ابْنُ اَرْبَعَ عَشَرَةَ سَنَةً فَرَدَّنِي ثُمَّ عُرِضْتُ عَلَيْهِ عَامَ الْخَنْدَقِ وَاَنَا ابْنُ خَمْسَ عَشَرَةَ سَنَةً فَاَجَازَنِي فَقَالَ عُمَرُ ابْنُ عَبْدِالْعَزِيْزِ هٰذَا فَرْقُ مَا بَيْنَ الْمُقَاتِلَةِ وَالذُّرِّيَّةِ۔ (متفق عليه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ٢٧٦/٥ الحديث رقم ٢٦٦٤ ومسلم فی ١٤٩٠/٣ الحديث رقم (٩١-١٨٦٨) والترمذی فی ٦٤١/٣ الحديث رقم ١٣٦١ وابن ماجه فی ٨٥٠/٢ الحديث رقم ٢٥٤٣۔

ترجمه: ''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ (تین ہجری میں) غزوۂ احد کے موقع پر (جہاد میں جانے کے لئے) مجھے رسول اللہ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا جب کہ میری عمر چودہ سال تھی مگر آپ ﷺ نے مجھے لوٹا دیا۔ (یعنی

جہاد میں شرکت کے لئے مجھ کو نہ لے گئے) پھر غزوۂ خندق کے موقع پر جب کہ میری عمر پندرہ برس تھی مجھے آپ ﷺ کے سامنے پیش کیا گیا تو آپ ﷺ نے مجھے (جہاد میں جانے کی) اجازت مرحمت فرمائی (کیونکہ بالغ ہونے کی عمر پندرہ سال ہے) حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ فرماتے ہیں کہ ''عمر لڑنے والوں اور چھوٹے بچوں کے درمیان فرق کا معیار یہی ہے''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: قوله :عرضت على رسول الله ﷺ عام احد......:

عرضت: صیغہ مجہول کے ساتھ ہے۔

عرضت على رسول الله صلى الله عليه وسلم : یہ کلام'' عرض العسكر على الأمير'' کے قبیل سے ہے۔

أربع عشرة : دونوں عین مفتوح ہیں،شین کو ساکن ومکسور دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

وأنا ابن عشرة سنة : جملہ حالیہ ہے۔

فأجازني کے تین مطلب بیان کئے گئے ہیں: (۱) اى فى المقاتله.(۲) المبايعة.(۳) وقيل: كتب الجائزة لى وهي رزق الغزاة.

جب حضرت عمر بن عبدالعزیزؒ نے یہ حدیث سنی تو مذکورہ بالا جملہ ارشاد فرمایا جس سے ان کی مراد یہ تھی کہ جب لڑکا پندرہ سال کی عمر کو پہنچ جائے اور جو پندرہ سال کی عمر کو نہ پہنچے اس کو نابالغ لڑکوں میں شمار کیا جائے اس سے معلوم ہوا کہ بالغ ہونے کی عمر پندرہ سال ہے۔

شرح السنہ میں لکھتے ہیں اس پر اکثر اہل علم کا عمل ہے۔

۳۳۷۷: وَعَنِ الْبَرَاءِ ابْنِ عَازِبٍ قَالَ صَالَحَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَوْمَ الْحُدَيْبِيَةِ عَلٰى ثَلَاثَةِ اَشْيَاءَ عَلٰى اَنَّ مَنْ اَتَاهُ مِنَ الْمُشْرِكِيْنَ رَدَّهُ اِلَيْهِمْ وَمَنْ اَتَاهُمْ مِنَ الْمُسْلِمِيْنَ لَمْ يَرُدُّوْهُ وَعَلٰى اَنْ يَدْخُلَهَا مِنْ قَابِلٍ وَيُقِيْمُ بِهَا ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ فَلَمَّا دَخَلَهَا وَمَضَى الْاَجَلُ خَرَجَ فَتَبِعَتْهُ اِبْنَةُ حَمْزَةَ تُنَادِيْ يَا عَمِّ يَا عَمِّ فَتَنَا وَلَهَا عَلِيٌّ فَاَخَذَ بِيَدِهَا فَاخْتَصَمَ فِيْهَا عَلِيٌّ وَزَيْدٌ وَجَعْفَرٌ فَقَالَ عَلِيٌّ اَنَا اَخَذْتُهَا وَهِيَ بِنْتُ عَمِّيْ وَقَالَ جَعْفَرٌ بِنْتُ عَمِّيْ وَخَالَتُهَا تَحْتِيْ وَقَالَ زَيْدٌ بِنْتُ اَخِيْ فَقَضٰى بِهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لِخَالَتِهَا وَقَالَ الْخَالَةُ بِمَنْزِلَةِ الْاُمِّ وَقَالَ لِعَلِيٍّ اَنْتَ مِنِّيْ وَاَنَا مِنْكَ وَقَالَ لِجَعْفَرٍ اَشْبَهْتَ خَلْقِيْ وَخُلُقِيْ وَقَالَ لِزَيْدٍ اَنْتَ اَخُوْنَا وَمَوْلَانَا. (متفق عليه)

اخرجه البخارى فى صحيحه ۳۰۴/۵ الحديث رقم ۲۷۰۰ ومسلم فى ۱۴۰۹/۳ الحديث رقم (۹۰-۱۷۸۳) والترمذى فى السنن ۲۷۶/۴ الحديث رقم ۱۹۰۴۔

ترجمہ: ''اور حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے حدیبیہ کے دن (کفار مکہ سے)

تین باتوں پر صلح کی تھی ایک تو یہ کہ مشرکوں میں سے جو شخص آپ ﷺ کے پاس آ جائے آپ ﷺ اسے واپس فرما دیں گے اور مسلمانوں میں سے جو شخص ہمارے پاس آئے گا ہم اسے واپس نہیں کریں گے۔ دوسرے یہ کہ آپ ﷺ آئندہ سال (مدینہ سے) مکہ تشریف لائیں اور اپنا عمرہ قضا کریں (اور ارکان عمرہ کی ادائیگی اور استراحت کے لئے) مکہ میں صرف تین دن قیام فرمائیں' چنانچہ (آئندہ سال) جب آپ ﷺ مکہ تشریف لائے اور متعینہ مدت پوری ہوگئی (یعنی تین دن گزر گئے) اور آپ ﷺ نے (مکہ سے) واپسی کا ارادہ کیا تو حضرت حمزہ کی بیٹی' اے میرے چچا اے میرے چچا کہتی ہوئی آپ ﷺ کے پیچھے لگ گئی حضرت علی رضی اللہ عنہ نے اس کو پکڑنے (یعنی اپنے ہمراہ لینے) کا ارادہ کیا اور اس کو ہاتھ پکڑ لیا (یعنی اپنے ہمراہ لے لیا' اس کے بعد حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی اس بیٹی کی پرورش کے بارے میں حضرت علی رضی اللہ عنہ' حضرت زید رضی اللہ عنہ اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے درمیان تنازعہ پیدا ہو گیا حضرت علی رضی اللہ عنہ تو یہ کہتے تھے کہ پہلے میں نے اس بچی کو لیا ہے اور یہ میرے چچا کی بیٹی ہے (اس لئے اس کی پرورش کا سب سے زیادہ حق مجھ کو ہے) اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ یہ کہتے تھے کہ یہ میرے چچا کی بیٹی ہے اور اس کی خالہ میرے نکاح میں ہے (اس لئے اس کی پرورش کا سب سے زیادہ حق مجھ کو ہے) نبی کریم ﷺ نے (اس تنازعہ کا فیصلہ اس طرح کیا کہ) اس کو اس کی خالہ کے سپرد کر دیا (جو جعفر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں) اور فرمایا کہ خالہ ماں کے برابر ہے' پھر آپ ﷺ نے حضرت علی رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا کہ میں تم سے ہوں اور تم مجھ سے ہو (یعنی ہم دونوں میں کمال اخلاص و یگانگت ہے) اور حضرت جعفر رضی اللہ عنہ سے فرمایا کہ تم میری پیدائش اور میرے خلق میں مشابہ ہو اور حضرت زید رضی اللہ عنہ سے ارشاد فرمایا: تم ہمارے بھائی اور ہمارے محبوب ہو''۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: قوله :صالح النبی ﷺ یوم الحديبية...... :

من أتاه من المشركين : ''من المشركين من أتاه'' کا بیان ہے۔

یا عم یا عم : یہ تکرار مفید تاکید ہے۔ اصل میں یا عمّی تھا۔ کسرہ پر اکتفاء کرتے ہوئے یاء کو حذف کر دیا گیا۔

''حدیبیہ'' مکہ سے تقریباً پندرہ میل کے فاصلہ پر بجانب جدہ ایک جگہ کا نام ہے۔

۶ھ میں آنحضرت ﷺ اپنے صحابہ کی معیت میں عمرہ کرنے کے لئے مدینہ سے مکہ کو روانہ ہوئے جب حدیبیہ پہنچے تو کفار نے وہیں سے روک دیا اور مکہ میں نہ آنے دیا اور پھر اس مقام پر آنحضرت ﷺ اور کفار مکہ کے درمیان ایک معاہدہ کے تحت صلح ہوئی جس کی تین بنیادی دفعات کا ذکر اس حدیث میں کیا گیا ہے یہ صلح حدیبیہ بڑا مشہور واقعہ ہے اور اس کا تفصیلی بیان ان شاء اللہ کتاب الجہاد میں آئے گا۔

حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ آنحضرت ﷺ کے چچا اور دودھ شریک بھائی تھے کیونکہ آنحضرت ﷺ نے اور حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ نے ابولہب کی لونڈی ثوبیہ کا دودھ پیا تھا اسی رشتۂ رضاعت کی بناء پر حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی نے آنحضرت ﷺ کو چچا کہا۔

حضرت جعفر رضی اللہ عنہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے چچا زاد بھائی تھے یعنی ابو طالب کے لڑکے اور حضرت علی کرم اللہ وجہہ کے بھائی تھے اور عمر میں حضرت علی رضی اللہ عنہ سے دس سال بڑے تھے۔ان کی کنیت ابو عبداللہ تھی۔

حضرت زید بن ثابت رضی اللہ عنہ ایک غلام تھے جن کو آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے آزاد کیا تھا اور اپنا متبنیٰ (لے پالک) بنایا تھا ان سے آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کو بہت محبت تھی "جامع الاصول" میں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے دوسرے صحابہؓ کی مانند حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ اور حضرت زید رضی اللہ عنہ کے درمیان بھائی چارہ کا تعلق قائم کر دیا تھا اس لئے حضرت زید رضی اللہ عنہ نے حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کو بھتیجی کہا۔

حضرت علی رضی اللہ عنہ جب حضرت حمزہ رضی اللہ عنہ کی بیٹی کو مدینہ لے آئے تو اس کی پرورش کے بارے میں مذکورہ بالا تینوں حضرات کے درمیان تنازعہ ہوا ان میں سے ہر ایک یہ دعویٰ کرتا تھا کہ اس بچی کی پرورش کرنا سب سے زیادہ میرا حق ہے اور ہر شخص یہ چاہتا تھا کہ یہ میری تربیت و کفالت میں رہے چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس تنازعہ کا فیصلہ اس طرح فرمایا کہ اس بچی کو اس کی خالہ کی پرورش میں دے دیا جو حضرت جعفر رضی اللہ عنہ کے نکاح میں تھیں اور ان تینوں حضرات کی تسلی اور ان کا دل خوش کرنے کے لئے مذکورہ کلمات ارشاد فرمائے تا کہ وہ آزردہ نہ ہوں۔

فائق میں لکھتے ہیں: **لما قال صلی اللّٰہ علیہ وسلم لزید: أنت أخونا ومولانا حجل أی رفع رجلا وقفز أی: وثب علی الأخری من الفرح**.امام طیبیؒ فرماتے ہیں: ممکن ہے کہ اخوت سے مراد مواخات ہو۔اور مروی ہے کہ وہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب تھے۔اھ۔اور مشہور بات یہ ہے کہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کے محبوب اسامہ بن زید ہی تھے۔واللہ تعالیٰ اعلم۔

الفصل الثانی:

مطلقہ جب تک آگے نکاح نہ کرے پرورش کی وہ سب سے زیادہ حقدار ہے

۳۳۷۸: وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عَمْرٍو اَنَّ امْرَاَةً قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنَّ ابْنِيْ هٰذَا كَانَ بَطْنِيْ لَهٗ وِعَاءً وَثَدْيِيْ لَهٗ سِقَاءً وَحِجْرِيْ لَهٗ حِوَاءً وَاِنَّ اَبَاهُ طَلَّقَنِيْ وَاَرَادَ اَنْ يَّنْزِعَهٗ مِنِّيْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْتِ اَحَقُّ بِهٖ مَا لَمْ تَنْكِحِيْ.

(رواہ احمد وابوداود)

اخرجہ ابو داوٗد فی السنن ۲/ ۷۰۷ الحدیث رقم ۲۲۷۶ واحمد فی المسند ۲/ ۱۸۲۔

ترجمہ: "حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنے والد مکرم (حضرت شعیبؒ) اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمرو رضی اللہ عنہما سے نقل کرتے ہیں کہ ایک عورت نے عرض کیا: "یارسول اللہ! میرا یہ بیٹا کہ (ایک مدت تک) میرا پیٹ اس کا برتن رہا (یعنی مدتوں یہ میرے پیٹ میں رہا) میری چھاتی اس کی مشک رہی (یعنی مدتوں میری چھاتی سے دودھ پیتا رہا) اور میری گود اس کا گہوارہ رہی (یعنی مدتوں میں نے اس کو اپنی گود میں پالا ہے) اب اس کے باپ نے مجھے

طلاق دے دی ہے اور میرے بیٹے کو بھی مجھ سے چھین لینا چاہتا ہے۔ رسول اللہ ﷺ نے (یہ سن کر) ارشاد فرمایا: ''جب تک تم کسی سے نکاح نہ کرو اس بچہ کی پرورش کرنے کی تم سب سے زیادہ مستحق ہو''۔ (احمد، ابوداؤد)

تشریح: قوله :ان ابنی هذا کان بطنی......:

وعاء، سقاء، حجری، حواء: یہ تمام کلمات فاءِ کلمہ کے کسرہ کے ساتھ ہیں۔ ''حجری'' کے بارے میں ابن ہمام اور نوویؒ کا کہنا ہے کہ فاءِ کلمہ کے کسرہ اور فتحہ ہر دو کے ساتھ ہے۔

ابن ہمامؒ فرماتے ہیں: الحواء بالکسر بیت من الوبر، اھ۔ چنانچہ کلام میں استعارہ ہے، یا تشبیہ بلیغ ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: شاید کہ یہ بچہ سن تمیز کو نہیں پہنچا تھا، اسی وجہ سے آنحضرت ﷺ نے بچہ کی پرورش کے لئے ماں کو مقدم فرمایا، اور حضرت ابوہریرہؓ کی اگلی حدیث میں جس بچہ کا ذکر ہے، وہ ممیّز تھا، اسی وجہ سے اس کو اختیار عنایت فرمایا تھا۔ اھ اس پر مزید کلام آگے آئے گا۔

تخریج واسنادی حیثیت:

ابن ہمام فرماتے ہیں: اس حدیث کو حاکم نے روایت کیا ہے، اور صحیح قرار دیا ہے۔ اور ''عمرو'' سے مراد عمرو بن شعیب بن محمد بن عبداللہ بن عمرو بن العاص رضی اللہ عنہ ہیں۔ چنانچہ ''جدہ'' سے ''محمد'' مراد ہونے کی صورت میں حدیث مرسل ہوگی۔ اور جب اس سے مراد عبداللہ ہوں، تو روایت متصل ہوگی۔ اور جہاں منصوص نہ ہو وہاں ارسال واتصال ہر دو کا احتمال ہے۔ اور یہاں ''جدہ'' سے عبداللہ مراد ہونا منصوص ہے۔ لہٰذا اتصال ہوا۔ اور اشکال بھی رفع ہوگیا۔

عرضِ مرتب: ابن ہمام کے اس کلام کا بقیہ حصہ اگلی حدیث کے ذیل میں ذکر کریں گے۔

سن شعور والے بچے کو چناؤ کا اختیار

۳۳۷۹: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ خَیَّرَ غُلَامًا بَیْنَ اَبِیْهِ وَاُمِّهٖ (رواه الترمذی)

اخرجه الترمذی فی السنن ۶۳۸/۳ الحدیث رقم ۱۳۵۷ واحمد فی المسند ۲۴۶/۲۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ایک لڑکے کو یہ اختیار دیا کہ اگر وہ چاہے تو اپنے باپ کے پاس رہے اور چاہے تو اپنی ماں کے پاس رہے''۔ (ترمذی)

تشریح: ''غلام'' سے مراد یہ ہے کہ وہ سن بلوغ کو پہنچ چکا تھا۔ رہی بات اس کو ''غلام'' سے تعبیر کرنے کی، سو وہ باعتبار ما کان (ماضی) کے ہے۔ جیسا کہ اس ارشاد باری تعالیٰ میں: ﴿وآتوا الیتامٰی اموالهم﴾ [النساء۔ ۲] اور بعض کا کہنا ہے کہ غلام ممیز مراد ہے۔

الفصل الثالث:

بچے نے ماں کو اختیار کر لیا

۳۳۸۰: وَعَنْهُ قَالَ جَاءَتِ امْرَأَةٌ إِلٰى رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَتْ إِنَّ زَوْجِي يُرِيْدُ أَنْ يَذْهَبَ بِابْنِي وَقَدْ سَقَانِيْ وَنَفَعَنِيْ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا أَبُوْكَ وَهٰذِهِ أُمُّكَ فَخُذْ بِيَدِ أَيِّهِمَا شِئْتَ فَأَخَذَ بِيَدِ أُمِّهِ فَانْطَلَقَتْ بِهِ (رواه ابو داود والنسائی)

اخرجه ابوداوٗد فی السنن ۷۰۸/۲ الحدیث رقم ۲۲۷۷ والنسائی فی ۱۸۵/۶ الحدیث رقم ۳۴۹۶ وابن ماجه فی ۷۸۷/۲ الحدیث رقم ۲۳۵۱ والدارمی فی ۲۲۳/۲ الحدیث رقم ۲۲۹۳۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک عورت رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں حاضر ہوئی اور عرض کیا کہ ''میرا شوہر چاہتا ہے کہ میرے بیٹے کو لے جائے حالانکہ وہ مجھے پانی پلاتا ہے اور نفع پہنچاتا ہے (یعنی وہ اب اس عمر کو پہنچ گیا ہے کہ میں اس کی خدمت سے فائدہ اٹھاتی ہوں) نبی کریم ﷺ نے (اس لڑکے سے) فرمایا کہ یہ تمہارا باپ اور یہ تمہاری ماں ہے ان میں سے تم جس کو پسند کرو اس کا ہاتھ پکڑ لو۔ چنانچہ اس لڑکے نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ لیا اور وہ اس کو اپنے ساتھ لے گئی''۔ (ابوداؤد' نسائی' دارمی)

حالاتِ راوی:

غریف بن عیاش۔ یہ غریف ہیں۔ امام حاکم رحمہ اللہ مستدرک میں فرماتے ہیں کہ ''غریف'' عبداللہ بن دیلمی کا لقب ہے۔ کبھی ان کو دادا کی طرف منسوب کر دیا جاتا ہے اھ۔ عیاش بن الدیلمی کے بیٹے۔ واثلہ بن الاسقع سے روایت کرتے ہیں۔ ان کا شمار اہل شام میں کیا جاتا ہے۔ ''مقبول راویوں'' میں سے ہیں' پانچویں طبقہ سے تعلق رکھتے ہیں۔ ''غریف'' میں غین معجمہ پر زبر اور راء مہملہ (غیر منقوط) پر زیر اور آخر میں فاء ہے۔

بالغ بچے کو ماں' باپ میں سے کسی ایک کے پاس رہنے کا اختیار

۳۳۸۱: وَعَنْ هِلَالِ بْنِ أُسَامَةَ عَنْ أَبِيْ مَيْمُوْنَةَ سُلَيْمَانَ مَوْلًى لِأَهْلِ الْمَدِيْنَةِ قَالَ بَيْنَمَا أَنَا جَالِسٌ مَعَ أَبِيْ هُرَيْرَةَ جَاءَتْهُ امْرَأَةٌ فَارِسِيَّةٌ مَعَهَا ابْنٌ لَهَا وَقَدْ طَلَّقَهَا زَوْجُهَا فَادَّعَيَاهُ فَرَطَنَتْ لَهُ تَقُوْلُ يَا أَبَا هُرَيْرَةَ زَوْجِي يُرِيْدُ أَنْ يَذْهَبَ بِابْنِي فَقَالَ أَبُوْهُرَيْرَةَ اسْتَهِمَا عَلَيْهِ رَطَنَ لَهَا بِذٰلِكَ فَجَاءَ زَوْجُهَا وَقَالَ مَنْ يُحَاقُّنِي فِي ابْنِي فَقَالَ أَبُوْ هُرَيْرَةَ اَللّٰهُمَّ إِنِّي لَا أَقُوْلُ هٰذَا إِلَّا إِنِّي كُنْتُ قَاعِدًا مَعَ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَأَتَتْهُ امْرَأَةٌ فَقَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ إِنَّ زَوْجِي يُرِيْدُ أَنْ يَذْهَبَ بِابْنِي وَقَدْ

نَفَعَنِیْ وَسَقَانِیْ مِنْ بِئْرِ اَبِیْ عِنَبَةَ وَعِنْدَ النَّسَائِیِّ مِنْ عَذْبِ الْمَاءِ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اسْتَهِمَا عَلَیْهِ فَقَالَ زَوْجُهَا مَنْ یُحَاقُّنِیْ فِیْ وَلَدِیْ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ هٰذَا اَبُوْكَ وَهٰذِهٖ اُمُّكَ فَخُذْ بِیَدِ اَیِّهِمَا شِئْتَ فَاَخَذَ بِیَدِ اُمِّهٖ (رواہ ابوداود والنسائی) لٰکِنَّهٗ ذَکَرَ الْمُسْنَدَ۔ (رواہ الدارمی عن هلال بن اسامة)

اخرجه ابوداؤد فی السنن ۲/ ۷۰۸ الحدیث رقم ۲۲۷۷ والدارمی فی ۲/ ۲۲۳ الحدیث رقم ۲۲۹۳۔

ترجمہ: ''حضرت ہلال بن اسامہ رضی اللہ عنہ حضرت ابومیمونہ رضی اللہ عنہ سے کہ جن کا نام سلیمان تھا اور اہل مدینہ میں سے کسی کے آزاد کردہ غلام تھے نقل کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا (ایک دن) جب کہ میں حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کے ہاں بیٹھا ہوا تھا ان کے پاس فارس کی ایک عورت آئی جس کے ساتھ اس کا لڑکا بھی تھا اور اس کے شوہر نے اس کو طلاق دے دی تھی اور میاں بیوی کے درمیان اس لڑکے کے بارے میں تنازعہ تھا۔ اس عورت نے ابوہریرہ رضی اللہ عنہ سے فارسی زبان میں گفتگو کرتے ہوئے کہا کہ ابوہریرہ رضی اللہ عنہ میرا شوہر میرے بیٹے کو لے جانا چاہتا ہے! حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ تم دونوں اس پر قرعہ ڈالو (جس کے نام قرعہ نکل آئے وہ اس لڑکے کو لے لے) حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے بھی اس عورت کے سامنے اسی مفہوم کو فارسی زبان میں ادا کیا پھر اس عورت کا شوہر آ گیا کہ میرے بیٹے کے بارے میں مجھ سے کون جھگڑا کرتا ہے؟ حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ نے فرمایا کہ ''یا اللہ! میں یہ بات (اپنی طرف سے) نہیں کہہ رہا ہوں بلکہ حقیقت یہ ہے کہ میں (ایک دن) رسول اللہ ﷺ کی خدمت میں بیٹھا ہوا تھا۔ ایک عورت آئی اور عرض کیا ''یارسول اللہ میرا شوہر چاہتا ہے کہ میرے بیٹے کو مجھ سے چھین لے جب کہ یہ مجھے فائدہ پہنچاتا ہے اور ابو عنبہ کے کنوئیں سے مجھ کو پانی اور نسائی میں یہ الفاظ ہیں کہ وہ (شہر کے باہر کافی فاصلہ سے) میٹھا پانی لا کر) مجھ کو پلاتا ہے۔ یہ سن کر رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''تم دونوں اس پر قرعہ ڈالو۔ شوہر نے کہا کہ ''میرے بیٹے کے بارے میں مجھ سے کون جھگڑا کرتا ہے؟'' پھر رسول اللہ ﷺ نے (اس لڑکے سے) فرمایا کہ ''یہ تمہارا باپ ہے اور یہ تمہاری ماں ہے ان دونوں میں سے تم جس کو پسند کرو اس کا ہاتھ پکڑ لو! چنانچہ اس لڑکے نے اپنی ماں کا ہاتھ پکڑ لیا (اور وہ اس کو اپنے ساتھ لے گئی)۔ (ابوداؤد' نسائی' دارمی)

حالاتِ راوی:

ھلال بن علی۔ یہ ہلال ہیں۔ علی بن اسامہ کے بیٹے ہیں۔ اپنے دادا ہلال بن ابی میمونہ فہری کی طرف منسوب ہیں۔ حضرت انس' عطاء بن یسار رضی اللہ عنہ سے روایت کی' اور ان سے مالک انس رحمہ اللہ وغیرہ نے روایت کی۔

تشریح: قوله :بینما انا جالس مع ابی هریرة......:

فارسية : راء کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

فرطنت : صاحب النہایہ لکھتے ہیں: ''الرطانة'' راء کے فتحہ اور کسرہ کے ساتھ ہے۔ تراطن اس کلام کو کہتے ہیں جسے

لوگوں کی اکثریت سمجھ نہ پائے۔ اہل عرب لفظ ''رطانة'' کا غالب استعمال عجمی کلام پر کرتے ہیں۔ صاحب الصحاح لکھتے ہیں:
رطنت له اذا كلمته بالعجمية. چنانچہ ''رطنت له'' کا مطلب ہو: ''ا تكلمت بالفارسية'' ۔

يا ابا هريرة! زوجي يريد أن يذهب بابني : عورت کا اصل کلام تو فارسی میں تھا، راوی نے عربی میں تعبیر ان الفاظ کے ساتھ کی ہے۔

استهما عليه : اس میں ''تغليب الحاضر على الغائب'' ہے۔

يحا قني : حاء مہملہ اور قاف مشدد کے ساتھ۔

الا أني : ہمزہ مفتوحہ کے ساتھ ہے۔ ای لأنی

عنبة : عین کے کسرہ، نون کے فتحہ اور بائے موحدہ کے ساتھ ہے،

عذب الماء: صفت کی اضافت موصوف کی طرف ہے، أي: الماء العذب.

قوله: ذكر المسند : یعنی امام نسائیؒ نے اس حدیث کو سنداً ذکر کیا ہے نہ کہ موقوفاً۔ نسائی شریف کی عبارت یوں ہے:
''أخبرنا محمد بن الأعلى، حدثنا خالد، حدثنا ابن جريج، أخبرنا زياد، عن هلال بن أسامة، عن أبي ميمونة قال: بينما أنا عند أبي هريرة افجائت امرأة زوجي يريد أن يذهب ابني، وقد نفعني وسقاني من بئر أبي عنبة، فجار زوجها فقال: من يقاسمني في ابني؟ فقال: يا غلام هذا أبوك وهذه أمك، فخذ بيد أيهما شئت فأخذ بيد أمه، فانطلّقت به''.

ابن ہمامؒ فرماتے ہیں: ابو ہریرہ کی حدیث کو اصحاب سنن اربعہ نے روایت کیا ہے۔ امام ترمذیؒ فرماتے ہیں: یہ حدیث حسن صحیح ہے۔ ابوداؤدؒ اور نسائیؒ کی حدیث میں اصل حدیث سے پہلے ایک قصہ ہے، جس کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی خدمت اقدس میں ایک قضیہ پیش ہوا، آپؐ نے بچہ کو اختیار عطا فرمایا اس کے بعد حدیث کے الفاظ یوں ہیں:
''سمعت امرأة جاء ت الى النبى ﷺ وانا قاعد عنده فقالت: يا رسول الله! ان زوجي يريد ان يذهب بابني وقد سقاني من بئر ابي عنبة وقد نفعني۔ فقال رسول الله ﷺ : استهما عليه فقال زوجها : من يحاقني في ولدي؟ فقال عليه الصلاة والسلام : هذا ابوك، وهذه امك، فخذ بيد ايهما شئت۔ فاخذ بيد امه فانطلقت ۔''

صاحب ہدایہ نے اس حدیث سے عدم تخییر پر استدلال کیا ہے اور ظاہر بھی یہی ہے، اور حدیث کے دو جواب دیئے ہیں:
پہلا جواب: آنحضرت علیہ الصلوٰۃ والسلام نے دعا فرمائی تھی: اے اللہ! یہ بچہ والدین میں سے اس کو اختیار کرے، جو اس بچہ کے حق میں زیادہ مفید ہو۔ جیسا کہ ابوداؤد نے باب الطلاق میں اور امام نسائی نے ''باب الفرائض'' میں روایت کیا ہے۔
عن عبد الحميد بن جعفر عن ابيه عن جده رافع بن سنان: انه اسلم وابت امرأته فجاء هما ابن له صغير لم يبلغ فأجلس النبى ﷺ الاب هنا والام هنا ثم خيره وقال : اللهم اهده لابيه

اور ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں:

انه اسلم وابت امه ان تسلم فاتت النبی ﷺ فقالت ابنتی وھی فطیم وقال رافع ابنتی فاقعد النبی الام ناحیة والاب ناحیة واقعد الصبی ناحیة' وقال لهما ادعواه' فمالت الصبیة الی امها فقال النبی ﷺ :اللهم اهدها فمالت الی ابیها اخذها

دار قطنی کی روایت میں ہے کہ "اور (اس) بچی کا نام عمیرہ رکھا۔" ابن ماجہ اور دار قطنی نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے:

ان ابوین اختصما فی ولد الی رسول الله ﷺ واحدهما کافر فخیره النبی ﷺ فتوجه الی الکافر' فقال: اللهم اهده فتوجه الی المسلم فقضٰی له به.

دوسرا جواب: بچہ بالغ تھا، بالغ ہونے کی دلیل یہ ہے کہ وہ کنویں سے پانی بھر کر لاتا تھا اگر وہ نابالغ ہوتا تو نہ صرف یہ کہ وہ اپنی کم سنی کی وجہ سے پانی بھر لانے کی ہمت نہ کرتا بلکہ اس کی ماں بھی اس خوف سے کہ کہیں یہ اپنی نادانی کی وجہ سے کنویں میں نہ گر جائے' اس کو کنویں سے پانی لانے کے لئے ہرگز نہ بھیجتیں۔

اور ہم کہتے ہیں کہ بچہ جب بالغ ہو جائے، تو اس کو یہ حق حاصل ہوتا ہے، کہ وہ چاہے ماں کے پاس رہے، اور چاہے باپ کے ساتھ رہے، اور چاہے تو اکیلا رہے، الا یہ کہ بچہ سفیہ ومفسد ہو۔ اور اسی وجہ سے صحابہ کرام کا اختیار نہ دینا بھی درست ہے، جیسا کہ حضرت عمر اور ابوبکر صدیق کے قصہ میں ہے۔ اور جہاں تک تعلق ہے مصنف عبدالرزاق میں مروی حضرت عمر رضی اللہ عنہ کے قصہ کا کہ بچے کو اختیار دیا گیا اور بچہ نے ماں کو اختیار کر لیا، اور وہ بچہ کو لے گئی، تو اس کو اس پر محمول کیا گیا ہے کہ انہوں نے بچے کا ماں کی طرف میلان پہچان لیا تھا، اور فی الواقع وہ پرورش کے لئے احق بھی تھی۔ چنانچہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس کے باپ کی خوش دلی کو پسند فرمایا، اس میں شرع کی مخالفت بھی نہیں تھی۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ سے مراجعت نہیں کی۔

اس کا جواب یہ ہے کہ عدم مراجعت کوئی دلیل نہیں ہے، چونکہ ابوبکر امامِ وقت تھے' ان کی رائے سے سرزد ہونے والے حکم کا نفاذ بھی ضروری تھا، اگرچہ محکوم علیہ کی رائے کے مخالف ہو۔ چنانچہ توجیہ وہی ہے جو ہم نے ذکر کی، تاکہ باب کی اس روایت کے ساتھ موافقت ہو جائے جو ہم نے آغاز باب میں ذکر کی ہے۔

کِتَابُ الْعِتْقِ

آزاد کرنے کا بیان

''المغرب'' میں لکھتے ہیں: '' عتق'' کا مطلب ہے مملوکیت سے نکل جانا، کہا جاتا ہے اعتق العبد (غلام آزاد کرنا) عتق عتقا و عتاقا عتاقة (آزاد ہونا) وھو عتیق (آزاد کردہ غلام) وأعتقه مولاہ۔ (مولیٰ کا غلام کو آزاد کرنا) پھر یہ لفظ ''کرم'' اور اس سے متصل معنی میں استعمال ہونے لگا۔ مثلاً حریت۔ چنانچہ کہا جانے لگا: فرس عتیق (خوش منظر گھوڑا) عتاق الجمل (عمدہ اونٹ) والطیر کرائمھا۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ ترکیب کا مدار تقدم پر ہے۔ ''عاتق'' اور ''عتیق'' بھی اسی سے ہے۔ (یہ دونوں صفت کے صیغے ہیں)۔

ابن ہمام فرماتے ہیں: اعتاق کے محاسن کسی پر مخفی نہیں، چونکہ ''رِقّ'' کفر کا اثر ہے، چنانچہ ''عتق'' اثر کفر کا ازالہ ہے، یہ ایک اعتبار سے احیاء حکمی ہے۔ چونکہ جب اس نے اپنی زندگی سے نفع نہیں اٹھایا، اور اس کی اعلیٰ حلاوت چکھی ہی نہیں تو گویا کہ اس میں روح ہی نہیں ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿أو من کان میتا فأحییناہ﴾ [الانعام۔ ۱۲۲] أی کافرا فھدیناہ. غلامی، کفر کا وہ اثرِ بد ہے کہ جو اس کی وہ اہلیت سلب کر لیتی ہے جو اہلیت دوسرے عقلاء میں ہوتی ہے۔

آزادی کی شرعی حیثیت ☆

شرعی نقطہ نظر سے ''آزادی'' دراصل ایک ایسی قوت حکمیہ کا نام ہے جو انسان کو اس کا یہ فطری اور پیدائشی حق دیتی ہے کہ وہ مالک ہونے' سرپرست بننے اور شہادت (گواہی) دینے کا اہل بن جائے' چنانچہ جس انسان کا یہ فطری اور پیدائشی حق مسلوب ہوتا ہے بایں طور کہ وہ کسی کی غلامی میں ہوتا ہے اور پھر اسے آزادی کی صورت میں یہ قوت حکمیہ حاصل ہو جاتی ہے تو اس میں نہ صرف مالک ہونے کی لیاقت' سرپرست بننے کی قابلیت اور شہادت دینے کی اہلیت پیدا ہو جاتی ہے بلکہ وہ اس قوت حکمیہ یا یہ کہیے کہ اس آزادی کی وجہ سے دوسروں پر تصرف کرنے اور دوسروں کے تصرف کو اپنے سے روکنے پر قادر ہو جاتا ہے اور وہ آزاد و خودمختار انسانوں کی صف میں آ کھڑا ہوتا ہے۔

آزاد کرنے کی شرط ☆

کسی بردہ (غلام باندی) کو آزاد کرنے کے لئے شرط یہ ہے کہ آزاد کرنے والا آزاد ہو بالغ ہو عقل مند ہو اور جس بردہ کو آزاد کر رہا ہے اس کا مالک ہو۔

آزاد کرنے کی قسمیں ☆

غلام کو آزاد کرنا بعض صورتوں میں واجب ہے۔ جیسے کفارہ۔ بعض صورتوں میں مستحب ہے اور بعض صورتوں میں گناہ بھی ہے، جیسے اگر یہ ظن غالب ہو کہ اگر اس غلام کو آزاد کر دیا جائے گا تو یہ دارالحرب بھاگ جائے گا یا مرتد ہو جائے گا یا یہ خوف ہو کہ چوری یا قزاقی کرنے لگے گا! بعض صورتوں میں مباح ہے۔ جیسے کسی شخص کی خاطر یا کسی شخص کو ثواب پہنچانے کے لئے بردہ کو آزاد کیا جائے۔ اور بعض صورتوں میں عبادت ہے جیسے کسی بردہ کو محض اللہ تعالیٰ کی رضا و خوشنودی کے لئے آزاد کیا جائے۔

الفصل الاول :

بردہ (غلام یا باندی) کو آزاد کرنے کا اجر

۳۳۸۲ :عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَعْتَقَ رَقَبَةً مُسْلِمَةً اَعْتَقَ اللّٰهُ بِکُلِّ عُضْوٍ مِّنْهُ عُضْوًا مِنَ النَّارِ حَتّٰی فَرْجَهُ بِفَرْجِهِ . (متفق علیہ)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۵۹۹/۱۱ الحدیث رقم ۶۷۱۵ومسلم فی ۱۱۴۷/۲ الحدیث رقم ۲۳-۱۵۰۹ والترمذی فی السنن ۹۷/۴ الحدیث رقم ۱۵۴۱ واحمد فی المسند ۴۴۷/۲۔

ترجمہ: ''حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص کسی مسلمان غلام کو غلامی سے نجات دے گا اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کو اس غلام کے ہر عضو کے بدلے دوزخ کی آگ سے نجات دے گا یہاں تک کہ اس کی شرمگاہ کو اس غلام کی شرمگاہ کے بدلے (نجات دے گا)''۔ (بخاری و مسلم)

تشریح : قوله : مَنْ اَعْتَقَ رَقَبَةً مُسْلِمَةً اَعْتَقَ اللّٰهُ بِکُلِّ عُضْوٍ مِّنْهُ عُضْوًا مِنَ النَّارِ :

رقبة :ایک عضو خاص ہے، یہ ان اعضاء میں سے ہے جن کو مطلق بولا جائے تو ذات مراد ہوتی ہے۔ اطلاق الجزء وارادۃ الکل کے باب سے ہے۔ النہایہ میں لکھتے ہیں: رقبہ کے اصل معنیٰ عتق کے ہے۔ ذات انسان سے کنایہ ہے، تسمیة للشیء ببعضه کے قبیل سے ہے، چنانچہ جب کسی نے أعتق رقبة کہا، تو گویا کہ اس نے یوں کہا: أعتق عبدا أو أمة.

''مسلمة'' :اسلام کی قید اس لئے لگائی گئی ہے تاکہ اس فعل (آزاد کرنے) کا ثواب زیادہ ہو۔ (یوں تو کسی بھی بردہ کو آزاد کرنا اجر کا باعث ہے لیکن اگر کسی مسلمان کو آزاد کیا جائے تو اسکے اجر کی حیثیت اور ثواب کی مقدار کہیں زیادہ ہوگی۔)

أعتق الله :یہاں أعتق فرمانا۔ مشاکلت کے طور پر ہے۔ وگرنہ تو ''أنجا'' کے معنیٰ میں ہے۔

بكل عضو منه عضوا :ایک صحیح نسخہ میں "عضوا" کے بعد منہ کا اضافہ بھی ہے جیسا کہ مسلم کی روایت میں بھی ہے، چنانچہ عسقلانی اور سیوطی نے اس کی تصریح کی ہے۔أی عضوا كائنا من المعتق۔

من النار۔دوسرے "أعتق" کے متعلق ہے۔

قوله :حَتّٰى فَرْجَهٗ بِفَرْجِهٖ :

حتى فرجه :منصوب ہے، "عضواً" کا معطوف ہے۔حتی کا مابعد اپنے ماقبل سے "أدون" ہے۔چنانچہ عرب کے اس قول کی طرح ہے:حج الناس حتى المشاة۔

اشرف فرماتے ہیں "ہر عضو" کے ذکر کے بعد پھر "شرمگاہ" کو بطور خاص اس لئے ذکر کیا گیا ہے کہ وہ زنا کی جگہ ہے اور زنا شرک کے بعد سب سے بڑا گناہ ہے لہٰذا وضاحت فرمائی گئی کہ اللہ تعالیٰ جسم کے اس حصہ کو بھی نجات دے گا۔

اور اظہر یہ ہے کہ "حتى فرجه" کا ذکر فرمانا بطور مبالغہ کے ہے، چنانچہ مطلب یہ ہوگا کہ اللہ تعالیٰ اس کے جسم کے ہر ہر حصے کے عضو جہنم سے خلاصی عنایت فرمائیں گے۔اور اس کی تائید اس روایت سے بھی ہوتی ہے:

"ايما رجل مسلم اعتق رجلا مسلما فان الله تعالى جاعلا وقاء كل عظم من عظامه عظما من عظام محررة من النار يوم القيامة (فتح القدير :۴/۲۳۲۔۲۳۳) اس حدیث کو ابوداؤد اور ابن حبان نے اپنی صحیح میں ابو نجیح سلمی سے روایت کیا ہے۔

خطابی رحمہ اللہ فرماتے ہیں بعض اہل علم نے اس کو مستحب قرار دیا ہے کہ جس غلام کو آزاد کرنے کا ارادہ ہو وہ خصی نہ ہو، تا کہ وہ ناقص العضو نہ ہو، تا کہ اس کو آزاد کرنے والا اس موعود کو پالے کہ اس کے ہر ہر عضو کے بدلہ میں اس کے جسم کے ہر ہر عضو کو جہنم سے خلاصی ملے گی۔

تخریج :حدیث باب کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے بھی روایت کیا ہے۔جیسا کہ الجامع الصغیر میں مذکور ہے۔ابن الہمام رحمہ اللہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث کو اصحاب صحاح ستہ نے اپنی کتب میں حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کیا ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:

ايما امرىء مسلم اعتق امرأ مسلما استنقذه الله بكل عضو منه عضوا منه من النار

اور ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں:**من اعتق رقبة مؤمنة اعتق الله بكل عضو منها عضوا من اعضائه من النار حتى الفرج بالفرج**۔اس حدیث کو امام ترمذی رحمہ اللہ نے "**كتاب الايمان والنذور**" میں ذکر کیا ہے، اور ابن ماجہ نے "الاحکام" میں اور دیگر محدثین نے باب عتق میں نقل کیا ہے۔

ابوداؤد اور ابن ماجہ نے کعب بن مرہ عن النبی صلی اللہ علیہ وسلم روایت کیا ہے:

ايما رجل مسلم اعتق رجلا مسلما كان فكاكه من النار ،وايما امرأة مسلمة اعتقت امرأة مسلمة كانت فكاكها من النار۔

ابوداؤد کی حدیث میں ہے:

وایما رجل اعتق امرأتین مسلمتین کانتا فکاکه من النار یجزیء مکان عظمیں منهما عظما من عظامه.

اس سے استقلال ملتا ہے مصنف یعنی صاحب ہدایہ کی اس بات کو کہ مرد کیلئے مرد کو، اور عورت کیلئے عورت کو آزاد کرنا مستحب ہے۔ چونکہ حدیث سے ظاہر ہوا کہ آدمی کو جہنم سے خلاصی دو عورتوں کو آزاد کرنے سے ہوگی، بخلاف ایک مرد کو آزاد کرنے کے۔ اھ۔ اس مسئلہ کا ماخذ کہ "عورت کیلئے عورت کو آزاد کرنا مستحب ہے۔" ممکن ہے وہ حدیث ہو کہ جس میں فرج کے بدلہ فرج کا ذکر آیا ہے۔

الجامع الصغیر میں لکھتے ہیں:

ایما امریء مسلم اعتق امرأمسلما فهو فکاکه من النار ،یجزیء بکل عظم منه عظما منه،وایما امرأة مسلمة اعتقت امراة مسلمة فهی فکاکها من النار ،تجزیء بکل عظم منها عظما منها،وایما امریء مسلم اعتق امراتین مسلمتین فهمافکاکه من النار ،یجزیء بکل عظمین منهما عظما منه،

اس حدیث کو طبرانی نے عبدالرحمٰن بن عوف سے، اور ابوداؤد، ابن ماجہ، اور طبرانی نے مرۃ بن کعب سے، اور امام ترمذی نے ابوامامہ سے روایت کیا ہے۔

گراں قیمت اور اپنا پسندیدہ غلام آزاد کرنا زیادہ بہتر ہے

۳۳۸۳: وَعَنْ اَبِیْ ذَرٍ قَالَ سَأَ لْتُ النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمَ اَیُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ ؟ قَالَ اِیْمَانٌ بِاللّٰہِ وَجِہَادٌ فِیْ سَبِیْلِہٖ قَالَ قُلْتُ فَاَیُّ الرِّقَابِ اَفْضَلُ قَالَ اَغْلاَ ھَا ثَمَنًا وَاَنْفَسُھَا عِنْدَ اَھْلِھَا قُلْتُ فَاِنْ لَّمْ اَفْعَلْ قَالَ تُعِیْنُ صَا نِعًا اَوْ تَصْنَعُ لِاَخْرَقَ قُلْتُ فَاِنْ لَّمْ اَفْعَلْ قَالَ تَدَعُ النَّاسَ مِنَ الشَّرِّ فَاِنَّھَا صَدَقَةٌ تَصَدَّقُ بِھَا عَلٰی نَفْسِكَ. (متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۱۴۸/۵ الحدیث رقم ۲۵۱۸ ومسلم فی ۸۹/۱۰ الحدیث رقم (۱۳۶-۸۴) وابن ماجه فی السنن ۸۴۳/۲ الحدیث رقم ۲۵۲۳ واحمد فی المسند ۱۵۰/۵۔

ترجمہ: "اور حضرت ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے دریافت کیا کہ کون سا عمل افضل ہے؟ تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "اللہ پر ایمان لانا اور اس کی راہ میں جہاد کرنا"۔ ابوذر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ پھر میں نے عرض کیا "کون سا غلام آزاد کرنا بہتر ہے؟" آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "جو گراں قیمت ہو اور اپنے اہل (یعنی مالک) کو بہت پیارا ہو"۔ میں نے عرض کیا کہ "اگر میں ایسا نہ کر سکوں؟ (یعنی از راہ کسل نہیں بلکہ از راہ

عجز وعدم استطاعت ایسا غلام آزاد نہ کرسکوں؟) '' آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: '' کام کرنے والے کی مدد کرو یا جو شخص کسی چیز کو بنانا نہ جانتا ہو اس کی وہ چیز بنا دو''۔ میں نے عرض کیا '' اگر میں یہ (بھی) نہ کرسکوں (تو کیا کروں؟) آپ ﷺ نے فرمایا: '' لوگوں کو برائی پہنچانے سے اجتناب کرو یاد رکھو یہ ایک ایسا صدقہ ہے جس کے ذریعہ تم اپنی جان کے ساتھ بھلائی کر سکتے ہو''۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: قوله :اَیُّ الْعَمَلِ اَفْضَلُ ؟ قَالَ اِیْمَانٌ بِاللّٰہِ وَجِھَادٌ فِیْ سَبِیْلِه

ایمان کا بہتر ہونا تو بالکل بدیہی بات ہے کہ خیر و بھلائی کی بنیاد ہی ایمان ہے' اگر ایمان کی روشنی موجود نہ ہو تو پھر کوئی بھی عمل مقبول نہیں ہوتا خواہ وہ کتنا ہی اہم اور کتنا ہی افضل کیوں نہ ہو! اور جہاد اس اعتبار سے بہتر عمل ہے کہ وہ دین کی تقویت اور مسلمانوں کی برتری و عظمت اور غلبہ کا باعث ہوتا ہے۔

جہاں تک نماز' روزہ کا تعلق ہے وہ تو دوسری حیثیات اور دوسری وجوہ کی بناء پر (ایک دوسرے) عمل سے برتر اور بہتر ہیں لہٰذا یہاں جہاد کو نماز و روزہ پر فوقیت دینا مراد نہیں ہے۔ یا پھر یہ کہ اس موقع پر '' جہاد'' سے مراد مطلق '' مشقت برداشت کرنا'' ہے جس کا تعلق جہاد سے بھی ہے اور دوسری طاعات و عبادات سے بھی' چنانچہ مامورات پر عمل کرنے اور منہیات سے بچنے کی نفسانی مشقت اور ریاضت کو '' جہاد اکبر'' فرمایا گیا ہے۔ اس صورت میں آنحضرت ﷺ کے مذکورہ بالا جواب کا حاصل یہ ہوگا کہ سب سے بہتر عمل ایمان لانا اور ایمان کے تقاضوں پر عمل کرنا ہے جیسا کہ فرمایا گیا ہے: **قُلْ اٰمَنْتُ بِاللّٰہِ ثُمَّ اسْتَقِمْ**

قوله :قُلْتُ فَاِنْ لَّمْ اَفْعَلْ قَالَ تُعِیْنُ صَانِعًا اَوْ تَصْنَعُ لِاَخْرَقَ

صانعا : صاد مہملہ اور نون کیساتھ ہے۔ دار قطنی نے اسی ضبط کو درست کہا ہے۔ اور ایک نسخہ میں ضاد معجمہ کے بعد الف اور پھر ہمزہ ہے۔ بقول امام زہری اصل لفظ صانع ہے۔ تفصیل آگے آرہی ہے۔

امام سیوطی رحمہ اللہ بخاری شریف کے حاشیہ میں لکھتے ہیں:

قوله :تعین ضائعا :بالضاد المعجمة بعد الالف تحتية بالاتفاق وضبط من قال من شراح البخاری انه روی بالصاد المهملة والنون للاتفاق علی ان هشاما انما رواه بالمعجمة والیاء وقد نسبه الزهری الی التصحیف ووافقه الدار قطنی لمقابلته بالاخرق۔اه۔

علامہ سیوطی رحمہ اللہ کا کہنا '' بعد الالف تحتیۃ'' قبل از تعلیل اصل کلمہ پر محمول ہے۔ چونکہ اس یاء کو ہمزہ سے بدلنا واجب ہے جیسا کہ قائل، بائع، عائش اور اس کے امثال میں ہے۔ زرکشی رحمہ اللہ تنقیح میں فرماتے ہیں کہ امام بخاری نے ہشام کی جو روایت نقل کی ہے اس میں '' ضائعا'' ضاد معجمہ کے ساتھ ہے۔ اس صورت میں مطلب ہوگا: **ذا ضیاع من فقر او عیال اوحال قصر عن القیام بها**۔ یہ لفظ صاد مہملہ کے ساتھ بھی ضبط کیا گیا ہے۔ دار قطنی فرماتے ہیں یہی درست ہے چونکہ اخرق کے مقابل کے طور پر ہے۔ معمر فرماتے ہیں: امام زہریؒ فرماتے تھے کہ ہشام نے تصحیف کی ہے، اصل لفظ صانع ہے۔

واللہ تعالیٰ اعلم۔

لأخرق :خرق، خرقا، راء کے فتحہ کے ساتھ، بمعنیٰ جہل از باب سمع ہے۔ قاضیؒ فرماتے ہیں: الاخرق هنا الذی لا یحسن صنعه امام سیوطیؒ فرماتے ہیں: اہل لغت کہتے ہیں رجل أخرق لا صنعة له، والجمع خرق بضم فسکون.

قوله :قُلْتُ فَاَیُّ الرِّقَابِ اَفْضَلُ قَالَ اَغْلاَ هَا ثَمَنًا وَاَنْفَسُهَا عِنْدَ اَهْلِهَا

اغلا ها :غین معجمہ کے ساتھ ہے اور عین مہملہ کے ساتھ بھی مروی ہے (کذا فی التنقیح) امام سیوطیؒ کا کہنا ہے کہ عین مہملہ کے ساتھ ہے۔ کشمینی اور نسفی کا کہنا ہے کہ غین معجمہ کے ساتھ ہے، اور معنیٰ متقارب ہیں۔ اھ۔

تعین :مرفوع ہے۔ خبر بمعنیٰ نہی ہے۔ اور ایک نسخہ میں نصب کے ساتھ ہے۔ چنانچہ تقدیری عبارت یوں ہوگی: فان لم أفعل أی شیء یقوم مقامه فقال :أن تعین

أو تصنع۔ اس کو بھی دونوں طرح پڑھا گیا ہے۔

کام کرنے والے کی مدد کرو میں ''کام سے'' مراد ہر وہ چیز ہے جو انسان کے معاش کا ذریعہ خواہ وہ صنعت وکاریگری ہو یا تجارت ہو۔ یعنی جو شخص اپنے کسی پیشہ وکسب میں لگا ہوا ہو اور اس کا وہ پیشہ وکسب اس کی اور اس کے اہل وعیال کی ضروریات کو پورا نہ کرتا ہو یا وہ شخص اپنے ضعف ومجبوری کی وجہ سے اس کسب وپیشہ کو پوری طرح انجام نہ دے سکتا ہو تو تم اس شخص کی مدد کرو!

اسی طرح ''جو شخص کسی چیز کو بنانا نہ جانتا ہو الخ'' کا مطلب بھی یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اپنی کسی مجبوری مثلاً فقر وفاقہ یا اہل وعیال کی وجہ سے اپنے پیشے کے کام کو نہ کر سکتا ہو تو تم اس کا کام کر دو تا کہ وہ تمہارے سہارے اپنی ضروریاتِ زندگی کو پورا کر سکے۔

قوله :قُلْتُ فَاِنْ لَّمْ اَفْعَلْ قَالَ تَدَعُ النَّاسَ مِنَ الشَّرِّ فَاِنَّهَا صَدَقَةٌ تَصَدَّقُ بِهَا عَلٰی نَفْسِكَ

تدع :کو بھی دونوں طرح ضبط کیا گیا ہے۔

فانها صدقة :ضمیر اس مصدر کی طرف راجع ہے جس پر فعل دلالت کر رہا ہے، اور ضمیر مؤنث کی اس لئے لائی گئی کہ خبر مؤنث ہے، یا باعتبار ''فعلة'' یا ''خصله'' کے۔

تصدق :اصل میں تتصدق ہے۔

حدیث کے اس جزو کا مطلب یہ ہے کہ کسی کو برے کام میں مبتلا نہ کرو کسی کو اپنی زبان اور اپنے ہاتھ سے ایذا نہ پہنچاؤ اور نہ کسی کو کسی بھی قسم کا نقصان پہنچاؤ کیونکہ لوگوں کو برائی پہنچانے سے اجتناب کرنا بھی خیر وبھلائی ہے۔

الفصل الثانی:

بردہ کو آزاد کرنے یا بردہ کی آزادی میں مدد کرنے کی فضیلت

۳۳۸۴:عَنِ الْبَرَاءِ بْنِ عَازِبٍ قَالَ جَاءَ اَعْرَابِیٌّ اِلَی النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ عَلِّمْنِی عَمَلاً یُدْخِلُنِیَ الْجَنَّةَ قَالَ لَئِنْ كُنْتَ اَقْصَرْتَ الْخُطْبَةَ لَقَدْ اَعْرَضْتَ الْمَسْئَلَةَ اَعْتِقِ النَّسَمَةَ وَفُكَّ الرَّقَبَةَ

قَالَ اَوَلَيْسَا وَاحِدًا قَالَ لَا عِتْقُ النَّسَمَةِ اَنْ تَفَرَّدَ بِعِتْقِهَا وَفَكُّ الرَّقَبَةِ اَنْ تُعِيْنَ فِيْ ثَمَنِهَا وَالْمِنْحَةَ الْوَكُوْفُ وَالْفَيْءُ عَلٰى ذِي الرَّحْمِ الظَّالِمِ فَاِنْ لَمْ تُطِقْ ذٰلِكَ فَاَطْعِمِ الْجَائِعَ وَاسْقِ الظَّمْاٰنَ وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ فَاِنْ لَمْ تُطِقْ ذٰلِكَ فَكُفَّ لِسَانَكَ اِلَّا مِنْ خَيْرٍ.

(رواه البيهقي في شعب الايمان)

اخرجه احمد في المسند ٢٩٩/٤ والبيهقي في شعب الايمان ٦٦/٤ الحديث رقم ٤٣٣٥٠۔

ترجمہ: ''حضرت براء بن عازب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم ﷺ کی خدمت میں ایک دیہاتی آیا اور عرض کرنے لگا کہ ''مجھے کوئی ایسا عمل سکھایئے جو مجھے (ابتدائی مرحلہ میں نجات یافتہ لوگوں کے ساتھ) جنت میں داخل کر دے؟ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اگرچہ تم نے سوال کرنے میں بہت اختصار سے کام لیا ہے لیکن بڑی اہم بات دریافت کی ہے (پھر آپ ﷺ نے اس کو یہ عمل بتایا کہ) تم جان کو آزاد کرو اور غلام کو نجات دو''۔ دیہاتی نے عرض کیا کہ ''کیا یہ دونوں باتیں (یعنی جان کو آزاد کرنے اور غلام کو نجات دینا) ایک ہی نہیں ہیں؟'' آپ ﷺ نے فرمایا: ''نہیں! جان کا آزاد کرنا تو یہ ہے کہ تم اس کو آزاد کرنے میں تنہا ہو اور غلام کو نجات دینا یہ ہے کہ تم اس کی قیمت کی ادائیگی میں اس کی معاونت کرو (نیز جنت میں داخل کرنے والا یہ بھی عمل ہے کہ) تم کسی محتاج کو شیر دار منحہ (زیادہ دودھ دینے والا جانور) دو اور ظالم رشتہ دار پر مہربانی اور احسان کرو (جو تم پر ظلم کرتا ہے!) اگر تم سے یہ نہ ہو سکے تو بھوکے کو (کھانا) کھلاؤ اور پیاسے کو پانی پلاؤ۔ نیز (لوگوں کو) بھلائی کا حکم کرو اور برائی سے روکو اور اگر تم یہ (بھی) نہ کر سکو تو پھر (کم سے کم اتنا ہی کرو کہ) بھلائی کی بات کے علاوہ اپنی زبان کو بند رکھو''۔ (بیہقی)

تشریح: قوله: جَاءَ اَعْرَابِيٌّ اِلَى النَّبِيِّ ﷺ...... وَاْمُرْ بِالْمَعْرُوْفِ وَانْهَ عَنِ الْمُنْكَرِ:

يدخلني: مرفوع پڑھنے کی صورت میں ''عملاً'' کی صفت ہے۔ جواب امر قرار دیا جائے تو مجزوم ہوگا۔ البتہ ہر دو اعرابی وجوہ میں یاء پر فتحہ اور سکون دونوں درست ہیں۔

نسمة: نون اور سین ہر دو کے فتح کے ساتھ بمعنیٰ روح یا نفس۔ اصل عبارت حذف مضاف کے ساتھ ہے، أی ذا نسمة.

فك: فاء کے ضمہ اور کاف کے فتحہ کے ساتھ کسرہ بھی جائز ہے۔

اعتق النسمة: مصدر کو حاصل مصدر کے ساتھ تعبیر فرمایا۔

الوكوف: واؤ کے فتحہ کے ساتھ۔

الفيء: آخر میں ہمزہ ہے۔

كف: کاف کے ضمہ اور فاء کی تشدید کے ساتھ، فاء پر تینوں حرکتیں درست ہیں۔

لئن كنت: لام موطۂ للقسم ہے۔ اور جملہ معترضہ ہے۔

فك الرقبة: اسم ضمیر کی جگہ اسم ظاہر کا لانا بطور ''تفنن فی العبارة'' کے ہے۔

الوکوف :صفت ہے المنحۃ۔

الفیء :مشہور روایت کے مطابق منصوب ہیں۔عبارت کی تقدیر یوں ہے:**وامنح المنیحۃ و آثر الفیء**۔اس صورت میں اس کا عطف جملہ سابقہ پر ہوگا۔بعض نسخوں میں رفع کے ساتھ ہیں۔چنانچہ اگر یہ روایۃً درست ہو تو ترکیبی حیثیت سے مبتدا ہوں گے۔**أی :مما یدخل الجنۃ المنیحۃ و الفیء**۔

بردہ کو آزاد کرنے اور بردہ کو نجات دینے میں فرق کا حاصل یہ ہے کہ جان کو آزاد کرنا تو یہ ہے کہ تم خود اپنے بردہ کو آزاد کرو اور بردہ کو نجات دینا یہ ہے کہ تم کسی دوسرے شخص کے بردہ کی آزادی کے لئے سعی وکوشش کرو بایں طور کہ اس کی قیمت کی ادائیگی میں اس بردہ کی مدد کرو! مثال کے طور پر زید نے اپنے غلام کو لکھ کر دے دیا کہ جب تم مجھے اتنے روپے ادا کر دو گے تو تم آزاد ہو جاؤ گے اب اس غلام کی روپے پیسے سے امداد کرنا تا کہ وہ متعینہ رقم اپنے مالک زید کو ادا کر کے آزاد ہو جائے' دوسرے شخص کے بردہ کی آزادی کے لئے سعی وکوشش کرنا ہے' یاد رہے کہ ایسے غلام کو''مکاتب'' کہا جاتا ہے۔

''منحہ'' سے مراد وہ بکری یا اونٹنی ہے جو کسی محتاج کو اس مقصد سے عارضی طور پر دے دی جائے کہ وہ اس بکری یا اونٹنی کے دودھ یا ان کے بالوں سے نفع حاصل کرے اور''وکوف'' بہت دودھ دینے والے جانور کو کہتے ہیں۔

''بھلی بات کے علاوہ اپنی زبان کو بند رکھو''۔اس مضمون کو ایک دوسری حدیث میں یوں فرمایا گیا ہے:

مَنْ كَانَ يُؤْمِنُ بِاللّٰهِ وَالْيَوْمِ الْاٰخِرِ فَلْيَقُلْ خَيْرًا اَوْ لِيَصْمُتْ

''جو شخص اللہ تعالیٰ اور یوم آخرت پر ایمان رکھتا ہے اسے چاہئے کہ وہ اپنی زبان سے بھلائی (کی بات) نکالے یا خاموشی اختیار کرے''۔

قولہ :فَاِنْ لَّمْ تُطِقْ ذٰلِكَ فَكُفَّ لِسَانَكَ اِلَّا مِنْ خَيْرٍ :

ان دونوں فرمودات کا حاصل یہ ہے کہ اپنی زبان پر پوری طرح قابو رکھنا چاہئے۔یا وہ گوئی' بدکلامی اور بری باتوں کا زبان سے صدور نہ ہونا چاہئے' زبان جب بھی حرکت میں آئے' اس سے بھلائی کی بات نکلنی چاہئے۔کیونکہ یہ ایک ایسا نکتہ ہے' جس پر عمل کر کے بہت سی خرابیوں اور دینی ودنیاوی نقصانات سے محفوظ رہا جا سکتا ہے۔

علماء لکھتے ہیں کہ ان دونوں حدیثوں میں''بھلائی'' سے مراد وہ چیز ہے جس میں ثواب ہو اس صورت میں وہ کلام جس پر مباح کا اطلاق ہوتا ہو' بھلائی کے زمرہ میں نہیں آئے گا لیکن زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ''بھلائی'' سے مراد وہ چیز ہے جو برائی کے مقابل ہو لہٰذا اس صورت میں مباح کلام بھلائی کے زمرہ میں آئے گا ورنہ حصر غیر موزوں رہے گا۔

اس میں اشارہ ہے کہ یہ عمل اس کے زمانہ یا حال کے اعتبار سے ایمان کا اضعف درجہ ہے۔جیسا کہ ہمارے زمانہ میں ہے۔چنانچہ بعض کا کہنا ہے:**وقتنا وقت السکوت، ولزوم البیوت، والقناعۃ بالقوت الی أن یموت**.

عرض مرتب:مرقات کے محشی اس مقولہ کی بابت لکھتے ہیں:یہ کہنا محل نظر ہے۔ارشاد باری تعالیٰ ہے:

﴿كنتم خير أمة أخرجت للناس تأمرون بالمعروف وتنهون عن المنكر ......﴾. الآية

۳۳۸۵:وَعَنْ عَمْرِو بْنِ عَبَسَةَ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ بَنٰى مَسْجِدًا لِيُذْكَرَ اللّٰهُ فِيْهِ بُنِيَ لَهٗ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ وَمَنْ اَعْتَقَ نَفْسًا مُسْلِمَةً كَانَتْ فِدْيَتُهٗ مِنْ جَهَنَّمَ وَمَنْ شَابَ شَيْبَةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَانَتْ لَهٗ نُوْرًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ . (رواه في شرح السنة)

اخرجه النسائي في السنن ۳۱/۲ الحديث رقم ٦٨٨ والبغوي في الشرح ۳۵۵/۹ الحديث رقم ۲٤۲۰ واحمد في المسند ۱۱۳/٤۔

ترجمہ:''اور حضرت عمرو بن عبسہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: جو شخص کوئی (چھوٹی یا بڑی) مسجد (نام نمود کے لئے نہیں بلکہ اس نیت سے) بناتا ہے تاکہ اس میں اللہ کا ذکر کیا جائے تو اس کے لئے جنت میں ایک مکان بنایا جاتا ہے اور جو شخص کسی مسلمان غلام کو آزاد کرے گا تو وہ غلام اس شخص کے لئے دوزخ کی آگ سے نجات کا فدیہ بن جاتا ہے اور جو شخص اللہ کی راہ میں (یعنی جہاد میں یا حج میں یا طلب علم میں اور یا اسلام میں جیسا کہ ایک روایت میں فرمایا گیا ہے) بوڑھا ہوا تو اس کا بڑھاپا قیامت کے دن اس کے لئے نور ہوگا (جس کے سبب وہ اس دن کی تاریکیوں سے نجات پائے گا۔) اس روایت کو صاحب مصابیح نے (اپنی اسناد کے ساتھ) شرح السنۃ میں نقل کیا ہے''۔

تشریح: قوله :مَنْ بَنٰى مَسْجِدًا لِيُذْكَرَ اللّٰهُ فِيْهِ بُنِيَ لَهٗ بَيْتٌ فِي الْجَنَّةِ :

بنی بصیغہ مجہول کے ساتھ ہے۔

بیت ۔اس کی تنوین تعظیم کے لئے ہے،أی قصر عظیم۔ یہ مضاعفت کیفیت کے اعتبار سے ہوگی اور ایک احتمال یہ بھی ہے کہ کمیت کے اعتبار سے بھی ہو۔

الجامع الصغير : من بنى لله مسجدا بنى الله له بيتا في الجنة اس حدیث کو ابن ماجہ نے حضرت علی سے روایت کیا ہے۔

احمد، شیخین، ترمذی اور ابن ماجہ نے حضرت عثمان سے یوں روایت کیا ہے:

من بنى مسجدا يبتغى به وجه الله بنى الله له مثله في الجنة۔

اس حدیث کو احمد شیخین، ترمذی اور ابن ماجہ نے ابن عباس سے یوں روایت کیا ہے:

من بنى لله مسجدا ولو كمفحص قطاة لبيضها بنى الله له بيتا في الجنة

اور طبرانی ء نے الکبیر میں ابوامامہ سے یوں روایت کیا ہے:

من بنى لله مسجدا بنى الله له في الجنة اوسع منه

اور اوسط میں ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے یوں روایت کیا ہے:

من بنی لله بيتا يعبد الله فيه من حلال بنی الله له بيتا فی الجنة من در وياقوت

قوله : وَمَنْ اَعْتَقَ نَفْسًا مُسْلِمَةً كَانَتْ فِدْيَتَهُ مِنْ جَهَنَّمَ

حدیث کے اس دوسرے ٹکڑے کے کئی نظائر ماقبل میں گزر چکے ہیں۔

قوله :وَمَنْ شَابَ شَيْبَةً فِيْ سَبِيْلِ اللّٰهِ كَانَتْ لَهُ نُوْرًا يَوْمَ الْقِيَامَةِ

حدیث کے اس آخری حصہ کی تخریج ترمذی، نسائی نے کعب بن مرہ سے کی ہے:

من شاب شيبة فی الاسلام كانت له نورا يوم القيامة۔

اور حاکم نے ''الکنی'' میں ام سلمہ سے یوں روایت ذکر کی ہے:

من شاب شيبة فی الاسلام كانت له نورا ما لم يغير ها

شاب شيبة : یعنی داڑھی کے بال سفید ہو گئے یا جسم کے کسی حصہ کے بال سفید ہو گئے۔

قوله :رواه فی شرح السنة :

اس میں اشارہ ہے کہ مشکوۃ کے مصنف کو یہ حدیث شرح السنۃ کے علاوہ حدیث کی کسی اور کتاب میں نہیں ملی ہے۔

اور شاید کہ ان کی مراد یہ ہے کہ یہ مکمل روایت عمرو بن عبسہ کے حوالہ سے صرف شرح السنہ میں مذکور ہے، وگرنہ تو اس حدیث کا متفرق طور پر مروی ہونا، امر محقق ہے۔ جیسا کہ اوپر کئی روایات گذری ہیں۔

الفصل الثالث :

۳۳۸۶:عَنِ الْغَرِيْفِ ابْنِ عَيَّاشٍ الدَّيْلَمِيِّ قَالَ اَتَيْنَا وَاثِلَةَ بْنَ الْاَسْقَعِ فَقُلْنَا حَدِّثْنَا حَدِيْثًا لَيْسَ فِيْهِ زِيَادَةٌ وَلَا نُقْصَانٌ فَغَضِبَ وَقَالَ اِنَّ اَحَدَكُمْ لَيَقْرَأُ وَمُصْحَفُهُ مُعَلَّقٌ فِيْ بَيْتِهِ فَيَزِيْدُ وَيَنْقُصُ فَقُلْنَا اِنَّمَا اَرَدْنَا حَدِيْثًا سَمِعْتَهُ مِنَ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اَتَيْنَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فِيْ صَاحِبٍ لَنَا اَوْجَبَ يَعْنِي النَّارَ بِالْقَتْلِ فَقَالَ اَعْتِقُوْا عَنْهُ يُعْتِقِ اللّٰهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِنْهُ مِنَ النَّارِ. (رواه ابوداود والنسائی)

اخرجه ابو داوٗد فی السنن ٢٧٣/٤ الحديث رقم ٣٩٦٤۔ (٤) وهی نسخة المتن۔

ترجمہ:''اور حضرت غریف بن عیاش دیلمی (تابعی) کہتے ہیں کہ ہم حضرت واثلہ بن اسقع رضی اللہ عنہ (صحابی) کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ ہم سے کوئی ایسی حدیث بیان کیجئے جس میں (کسی بھی قسم کی) کمی بیشی نہ ہو''۔ حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ (یہ بات سن کر) غصہ ہوئے اور کہنے لگے کہ تم میں سے ہر ایک (شب وروز) قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے اور اس کا قرآن کریم اس کے گھر میں لٹکا رہتا ہے لیکن اس کے باوجود (از راہ سہو وخطا) کمی بیشی ہو ہی جاتی ہے (یعنی جب کوئی شخص قرآن کریم کی تلاوت کرتا ہے تو اس کا قرآن کریم اس کے گھر میں یا اس کے پاس موجود ہوتا ہے اور اس صورت میں اگر اسے کہیں کوئی شبہ ہو تو وہ قرآن دیکھ سکتا ہے لیکن اس کے باوجود

تلاوت میں غلطی سے کوئی لفظ چھوڑ دیتا ہے یا کوئی لفظ بڑھا دیتا ہے' لہٰذا معلوم ہوا کہ ضبط وتکرار اور پوری احتیاط کے باوجود نقل روایت میں الفاظ کی کمی بیشی کا ہو جانا ضروری ہے) ہم نے عرض کیا کہ "ہم نے تو ایسی حدیث سننے کا ارادہ کیا تھا جسے آپ نے نبی کریم ﷺ سے سنا ہو' حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ نے یہ حدیث بیان کی کہ (ایک دن) ہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں اپنے ایک دوست کا معاملہ لے کر حاضر ہوئے جس نے (خودکشی کر کے یا کسی دوسرے کو ناحق) قتل کر کے اپنے لئے دوزخ کی آگ کو واجب کر لیا تھا' آپ ﷺ نے (واقعہ سن کر) فرمایا کہ "اس شخص کی طرف سے (غلام آزاد کرو) اللہ تعالیٰ اس کے ہر عضو کے بدلے قاتل کے ہر عضو کو دوزخ کی آگ سے آزاد کر دے گا"۔ (ابوداؤد)

حالاتِ راوی

واثلہ بن اسقع اہل صفہ میں سے تھے۔ کہا جاتا ہے کہ ان کو آنحضرت ﷺ کی تین سال تک خدمت کا شرف حاصل ہے۔

قوله فقلنا : حدثنا حديثا...... فقلنا انما اردنا حديثا سمعته من النبي ﷺ -

حدثنا : صیغۂ امر کے ساتھ ہے۔

ولا نقصان : لا کی زیادتی، مزید تاکید کے لئے ہے۔

ومصحفه معلق في بيته : یہ جملہ اسمیہ حال واقع ہو رہا ہے۔

حضرت واثلہ رضی اللہ عنہ سمجھے کہ غریف کی مراد یہ ہے کہ حدیث بیان کرتے ہوئے آنحضرت ﷺ کے الفاظ بعینہٖ روایت کئے جائیں۔ چنانچہ ان کو اس بات پر غصہ آیا اور مذکورہ بالا جواب دیا۔ لیکن حضرت غریفؒ نے اپنی بات کی وضاحت کرتے ہوئے کہا کہ ہمارا مطلب یہ نہیں تھا جو آپ سمجھے ہیں بلکہ ہماری مراد تو یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی حدیث اس طرح بیان فرمائیں کہ اس کے مضمون ومفہوم میں کوئی تغیر نہ ہو اگرچہ الفاظ میں کمی بیشی ہو جائے۔

اس سے معلوم ہوا کہ حدیث کو اس طرح بیان کرنا کہ اس کا مضمون ومفہوم بعینہٖ نقل ہو جائے گو الفاظ میں کچھ کمی زیادتی ہو تو جائز ہے۔

قوله : فَقَالَ اَتَيْنَا ...... فَقَالَ اعْتِقُوْا عَنْهُ يُعْتِقِ اللّٰهُ بِكُلِّ عُضْوٍ مِنْهُ عُضْوًا مِّنْهُ مِنَ النَّارِ :

يعني النار : یہ کلام غریف بن عیاش کا ہے۔ ان کے اس کلام کا مقصود یہ تھا کہ واثلہ بن اسقع کے کلام میں "أوجب" کا مفعول محذوف ہے، اور وہ ہے "النار :

بالقتل : "أوجب کے متعلق ہے۔ یہ الفاظ واثلہ بن اسقع کے کلام کا تتمہ ہیں۔

يعني النار : یہ جملہ معترضہ ہے، بیان کی غرض سے لایا گیا ہے۔ اگر راوی یہ کلام یوں کرتے :أوجب بالقتل يعني النار تو اولیٰ ہوتا۔ وجہ اولویت بالکل عیاں ہے۔ عیاں راچہ بیاں۔

أعتقوا :صیغۂ جمع کے ساتھ لانے کی چند وجوہ ہوسکتی ہیں:

① اس کلام کا مخاطب "قاتل" ہے۔اور جمع لانا تغلیباً ہے۔

② اس کلام میں تعمیم مقصود ہے کہ اس جیسے فعل کے مرتکب لوگ یوں کریں۔

③ اس کلام کے مخاطبین قاتل کے اُقارب واصحاب ہیں،أی اعتقوا یااقارب القاتل أو أصحابه.

يعتق الله :جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے،اور وصل کے باعث اس پر کسرہ پڑھا جارہا ہے،ایک نسخہ میں مرفوع ہے،اس صورت میں جملہ مستانفہ ہوگا۔

من النار :یعتق کے متعلق ہے۔

عرض مرتب:

مرقاۃ کے تحتانی متن میں صرف "رواه ابو داؤد" کے الفاظ ہیں۔اور فوقانی نسخہ میں "رواه ابو داؤد والنسائی" کے الفاظ ہیں۔چنانچہ ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں:ایک صحیح نسخہ میں(رواه ابو داؤد کے بعد)والنسائی (کا اضافہ بھی) ہے۔

۳۳۸۷:وَعَنْ سُمُرَةَ بْنِ جُنْدُبٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ الشَّفَاعَةُ بِهَا تُفَكُّ الرَّقَبَةُ ۔ (رواه البيهقي في شعب الايمان)

• اخرجه البيهقي في شعب الايمان ۶/۱۲۴ الحديث رقم ۷۶۸۲۔

ترجمہ:"اور حضرت سمرہ بن جندب رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:"بہترین صدقہ ایسی سفارش ہے جس کے باعث (غلام کی) گردن کو نجات حاصل ہوجائے"۔(بیہقی)

تشریح: قوله : اَفْضَلُ الصَّدَقَةِ الشَّفَاعَةُ بِهَا تُفَكُّ الرَّقَبَةُ :

بها تفك الرقبة :صیغۂ مجہول کے ساتھ ہے،جملہ مستانفہ ہے،بہااس کا متعلق مقدم ہے۔ایک نسخہ میں عبارت یوں ہے:"التی بها تفك الرقبة"اس صورت میں الشفاعة کی صفت ہوگا،جیسا کہ ظاہر ہے۔امام طیبیؒ فرماتے ہیں:اگر "الشفاعة" نکرہ مروی ہوتا تو (مابعد جملہ) اس کی صفت ہوتا۔اور اگر" الشفاعة" سے جنس مراد ہو اور کلام کو:"ولقد أمر علي اللئيم يسبني" کی طرح مان لیا جائے تو مقصود سے بُعد لازم آتا ہے۔اور اگر اس کو"حال" قرار دیا جائے تو أبعد (یعنی أبعد عن المقصود)ہوگا۔

جملہ مستانفہ کی تقدیر پر اصل کلام گویا یوں ہوگا:قال رسول اللّٰہ صلی اللّٰہ علیہ وسلم أفضل الصدقة الشفاعة، قيل، لماذا؟ أجيب. بها يتخلص الانسان من الشدة۔اس صورت میں معنیٰ درست ہوگا اور اس آیت کریمہ کی طرح ہوگا:﴿من يشفع شفاعة حسنة يكن له نصيب منها﴾لیکن یہ مفہوم خارج از باب ہے۔واللہ تعالیٰ اعلم بالصواب۔

مطلب یہ ہے کہ سفارش کر کے کسی غلام کو آزاد کرادیا یا تو سفارش کر کے اس غلام کو بچانا بہترین صدقہ ہے۔

تخریج: الجامع الصغیر میں طبرانی وبیہقی کے حوالے سے حضرت سمرہ رضی اللہ عنہ کی حدیث کے یہ الفاظ مروی ہیں: **أفضل الصدقة الشفاعة تفك بها الا سير، وتحقن بها الدم، وتجر بها المعروف والاحسان الى أخيك، وتدفع** عنه الكريهة.

ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: اس روایت میں وارد افعال بظاہر صیغۂ خطاب کے ساتھ ہیں۔

بَابُ اِعْتَاقِ الْعَبْدِ الْمُشْتَرَكِ وَشِرَاءِ الْقَرِيْبِ وَالْعِتْقِ فِي الْمَرَضِ

مشترک غلام کو آزاد کرنے، قرابت دار کو خریدنے اور بیماری کی حالت میں آزاد کرنے کا بیان

الفصل الاول:

مشترک غلام کو آزاد کرنے کے بارے میں ایک ہدایت

۳۳۸۸: عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَعْتَقَ شِرْكًا لَهُ فِي عَبْدٍ وَكَانَ لَهُ مَالٌ يَبْلُغُ ثَمَنَ الْعَبْدِ قُوِّمَ الْعَبْدُ عَلَيْهِ قِيْمَةَ عَدْلٍ فَاُعْطِيَ شُرَكَاءُهُ حِصَصَهُمْ وَعَتَقَ عَلَيْهِ الْعَبْدُ وَاِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ۔ (متفق عليه)

اخرجه البخاري في صحيحه ۱۵۱/۵ الحديث رقم ۲۵۲۲ومسلم في ۱۱۳۹/۲ الحديث رقم (۱-۱۵۰۱) وابوداوٗد في السنن ۲۵۶/۴ الحديث رقم ۳۹۴۰والترمذي في ۶۲۹/۳ الحديث رقم ۱۳۴۶ والنسائي في ۳۱۹/۷ الحديث رقم ۴۶۹۹وابن ماجه في ۸۴۴/۲ الحديث رقم ۲۵۲۸۔

ترجمہ: ''حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے کسی (مشترک) غلام میں اپنے حصہ کو آزاد کر دیا (تو اس کے لئے بہتر یہ ہے کہ) اگر اس کے پاس اتنا مال موجود ہو جو (اس غلام کے باقی حصوں) کی قیمت کے بقدر ہے تو انصاف کے ساتھ (یعنی بغیر کمی بیشی کے) اس غلام کے (باقی ان حصوں) کی قیمت لگائی جائے گی اور وہ اس غلام کے شرکاء کو ان کے حصوں کے مطابق دی جائے گی۔ وہ غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا ورنہ (اور اگر اس کے پاس اتنا مال نہ ہو تو پھر) اس غلام کا جو حصہ اس شخص نے آزاد کیا ہے وہ آزاد ہو جائے گا (اور دوسرے شرکاء کے حصے مملوک رہیں گے)''۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: قوله :مَنْ اَعْتَقَ شِرْكًا لَهُ فِي عَبْدٍ...... وَاِلَّا فَقَدْ عَتَقَ مِنْهُ مَا عَتَقَ :

شركا :شین کے کسرہ اور راء کے سکون کے ساتھ، أي :حصة ونصيبا'' (علی ما فی النهاية)

فاعطی :صیغہ مجہول کے ساتھ ہے۔

(**شركاءه** :نائب فاعل ہونے کی وجہ سے مرفوع ہے۔

حصصهم :حاء مہملہ کے کسرہ کے ساتھ ہے، حصّۃ کی جمع ہے۔ عتق :فتحہ کے ساتھ ہے اور ایک نسخہ میں صیغہ مجہول کے

ساتھ ہے۔

واِلّا :اصل عبارت یوں ہے: وان لم یکن له مال یبلغ ذلك الثمن۔

فقد عتق منه :ایک نسخہ میں (''منہ'' کے بجائے) عنہ کے الفاظ ہیں۔

اس حدیث کا ظاہری مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ اگر ایک غلام کے مثلاً دو مالک ہوں اور ان میں سے ایک حصہ دار اپنا حصہ آزاد کرنا چاہے تو اگر وہ آزاد کرنے والا شخص مقدور ہو تو وہ دوسرے شریک کو اس کے حصہ کے بقدر قیمت ادا کر دے اس صورت میں وہ غلام اس کی طرف سے آزاد ہو جائے گا اور اگر آزاد کرنے والا شخص صاحب مقدور نہ ہو (اور دوسرے شریک کو اسکے حصہ کی قیمت ادا نہ کر سکتا ہو) تو اس صورت میں وہ غلام اس شخص کے حصہ کے بقدر تو آزاد ہو جائے گا اور دوسرے شریک کے حصہ کے بقدر غلام رہے گا۔

نیز حدیث کا ظاہری مفہوم اس بات پر دلالت کرتا ہے کہ آزادی اور غلامی متجزی ہو سکتی ہیں (یعنی کسی غلام کا کچھ حصہ آزاد ہو جانا اور کچھ حصہ غلام رہنا جائز رہتا ہے) اور دوسرے شریک کو اپنا حصہ آزاد کرنے پر مجبور نہیں کیا جا سکتا اور نہ اس غلام سے استسعاء (محنت) کرائی جائے! چنانچہ حضرت امام شافعیؒ کا یہی مسلک ہے۔

امام اعظم ابو حنیفہ رحمہ اللہ باوجودیکہ آزادی اور غلامی کے متجزی ہونے کے قائل ہیں لیکن اس صورت میں ان کا مسلک یہ ہے کہ اگر آزاد کرنے والا شخص صاحب مقدور ہو تو وہ دوسرے شریک کا حصہ بھر دے (یعنی وہ اس کو اس کے حصہ کی قیمت ادا کر دے) یا دوسرا شریک اپنے حصے کے بقدر اس غلام سے استسعاء کرائے یا وہ شریک بھی اپنا حصہ آزاد کر دے اور اگر آزاد کرنے والا شخص صاحب مقدور نہ ہو تو پھر وہ اپنے شریک کو اس کا حصہ نہ پھیر دے۔ بلکہ وہ شریک یا تو اس غلام سے استسعاء کے ذریعہ اپنے حصے کی قیمت وصول کر لے یا اپنا حصہ آزاد کر دے اس صورت میں حق ولاء دونوں کو حاصل ہوگا اس بارے میں صاحبین یعنی حضرت امام ابو یوسفؒ اور امام محمدؒ کا یہ قول ہے کہ آزاد کرنے والا شخص اگر صاحب مقدور ہو تو دوسرے شریک کا حصہ پھیر دے اور اگر صاحب مقدور نہ ہو تو دوسرا شریک اس غلام سے استسعاء کے ذریعہ اپنے حصہ کی قیمت حاصل کر لے اور چونکہ آزادی متجزی نہیں ہوتی اس لئے اس صورت میں حق ولاء صرف آزاد کرنے والے کو حاصل ہوگا۔

امام طحاوی رحمہ اللہ نے عبدالرحمٰن بن یزید سے سنداً نقل کیا ہے:

قال: كان لنا غلام شهد القادسية، فأبلى فيها، وكان بيني وبين أمي وأخي الأسود، فأرادوا عتقه، وكنت يومئذ صغيراً، فذكر الأسود ذلك لعمر بن الخطاب رضي الله عنه فقال: أعتقوا أنتم، فاذا بلغ عبد الرحمن ورغب فيما رغبتم أعتق، والا فضمنكم.

۳۳۸۹:وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ اَعْتَقَ شِقْصًا فِیْ عَبْدٍ اُعْتِقَ كُلُّهُ اِنْ كَانَ لَهٗ مَالٌ فَاِنْ لَّمْ یَكُنْ لَهٗ مَالٌ اُسْتُسْعِیَ الْعَبْدُ غَیْرَ مَشْقُوْقٍ عَلَیْهِ ۔ (متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۱۳/۵ الحدیث رقم ۲۵۰۴ ومسلم فی ۱۱۴۰/۲ الحدیث رقم (۳۔۱۵۰۳) وابوداؤد فی السنن ۲۵۴/۴ الحدیث رقم ۳۹۳۸ والترمذی فی ۶۳۰/۳ الحدیث رقم ۱۳۴۸ وابن ماجه فی

۸۴۴/۲ الحدیث رقم ۲۵۲۷ واحمد فی المسند ۲۵۵/۲۔

ترجمہ:''اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: جس شخص (مشترک) غلام میں اپنے حصہ کو آزاد کردیا' اگر وہ شخص مالدار ہے تو غلام مکمل طور پر آزاد کردیا جائے گا (بشرطیکہ اپنے حصے کے علاوہ حصوں کی بھی ادائیگی کرسکے) اور اگر اس کے پاس اتنا مال نہ ہو تو پھر وہ غلام (ان باقی حصوں) کے بقدر محنت مزدوری یا دوسرے شرکاء کی خدمت پر مامور کیا جائے لیکن غلام کو (کسی ایسے کام اور محنت کی) مشقت میں مبتلا نہ کیا جائے (جو اس کی طاقت سے باہر ہو)''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: قوله :مَنْ اَعْتَقَ شِقْصًا فِیْ عَبْدٍ اُعْتِقَ كُلُّهٗ...... اُسْتُسْعِيَ الْعَبْدُ غَيْرَ مَشْقُوْقٍ عَلَيْهِ :

شقصا :شین کے کسرہ اور قاف کے سکون کے ساتھ۔

فی عبد :ایک نسخہ میں من عبد ہے۔

اعتق :صیغہ مجہول کے ساتھ ہے۔

استسعی :صیغہ مجہول کے ساتھ ہے۔

غیر مشقوق علیه :غیر منصوب علی حالیۃ ہے۔اور ایک نسخہ میں مرفوع ہے۔مبتدا محذوف کی خبر ہونے کی بنیاد پر۔

شرح مسلم النووی میں لکھتے ہیں' قاضی عیاضؒ نے فرمایا: لفظ استسعاء کے ذکر میں رواۃ کا اختلاف ہے، چنانچہ ملاحظہ ہوں اہل علم کی آراء:

نوٹ:دار قطنی اور ابن ہمام کی آراء اگلے باب میں تفصیلاً درج کردی گئی ہیں۔

استسعاء کا مطلب:اس کے بارے میں بھی اقوال فقہاء مختلف ہیں۔

امام نووی فرماتے ہیں:معنی الاستسعاء أن العبد يكلف بالاكتساب و الطلب حتى يحصل قيمة نصيب الشريك الآخر، فاذا دفعها اليه عتق، كذا فسره الجمهور وقال بعضهم :هو أن يخدم سيده الذى لم يعتق بقدر ماله فيه من الرق.

شرح السنہ میں لکھتے ہیں:قال بعضهم :أى. لا يستغلى عليه فى الثمن.

ابن ہمام فرماتے ہیں :والاستسعاء أن يؤجره فيأخذ نصف قيمته من الأرة (ذكره فى الجوامع الفقه)۔

مرض الموت میں اپنے تمام غلام آزاد کر کے اپنے ورثاء کی حق تلفی نہ کرو

۳۳۹۰:وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ اَنَّ رَجُلاً اَعْتَقَ سِتَّةَ مَمْلُوْكِيْنَ لَهٗ عِنْدَ مَوْتِهٖ وَلَمْ يَكُنْ لَهٗ مَالٌ غَيْرُهُمْ فَدَعَا بِهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَجَزَّاَهُمْ اَثْلَاثًا ثُمَّ اَقْرَعَ بَيْنَهُمْ فَاَعْتَقَ اثْنَيْنِ وَاَرَقَّ اَرْبَعَةً وَقَالَ لَـهٗ قَوْلاً شَدِيْدًا (رواه مسلم ورواه النسائى عنه وذكر) لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ لاَّ

اُصَلِّیَ عَلَیْهِ بَدَلَ وَقَالَ لَهٗ قَوْلًا شَدِیْدًا (وفی روایة ابی داود قال) لَوْ شَهِدْتُهٗ قَبْلَ اَنْ یُدْفَنَ لَمْ یُدْفَنْ فِیْ مَقَابِرِ الْمُسْلِمِیْنَ۔

اخرجه مسلم فی صحیحه ۱۲۸۸/۳ الحدیث رقم (۵۶۔۱۶۶۸)وابوداؤد فی السنن ۲۶۶/۴ الحدیث رقم ۳۹۵۸ والترمذی فی ۶۴۵/۳ الحدیث رقم ۱۳۶۴ والنسائی فی ۶۴/۴ الحدیث رقم ۱۹۵۸وابن ماجه فی ۷۸۶/۲ الحدیث رقم ۲۳۴۵ واحمد فی المسند ۴۲۸/۴۔

ترجمہ: ''اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنی موت کے وقت اپنے چھ غلام آزاد کر دیئے اور اس کے پاس ان کے علاوہ اور کوئی مال نہ تھا۔ چنانچہ رسول اللہ ﷺ نے ان غلاموں کو بلایا اور (دو دو کی تعداد میں) ان کے تین حصے کئے اور پھر ان کے درمیان قرعہ ڈالا' اس طرح ان سے دو کو تو آزاد کر دیا اور چار کو غلام رکھا۔ اس طرح ان سے آپ ﷺ نے آزاد کرنے والے کے حق میں (اظہار ناراضگی) کے لئے سخت الفاظ فرمائے''۔ اور نسائی کی روایت میں جو حضرت عمران رضی اللہ عنہ ہی سے منقول ہے ان الفاظ ''سخت الفاظ فرمائے'' کی بجائے یہ الفاظ ہیں کہ ''کہ میں نے تو یہ ارادہ کر لیا تھا کہ اس شخص کی نماز جنازہ نہ پڑھوں'' اور ابوداؤد کی روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے اس (شخص کے حق میں بطور تنبیہ و تہدید) یہ فرمایا کہ اگر میں اس کی تدفین سے پہلے موجود ہوتا تو اسے مسلمانوں کے قبرستان میں دفن نہ کیا جاتا''۔

تشریح: قوله : اِنَّ رَجُلًا اَعْتَقَ سِتَّةَ مَمْلُوْکِیْنَ لَهٗ عِنْدَ مَوْتِهٖ ......قوله : فَدَعَا بِهِمْ رَسُوْلُ اللّٰهِ ﷺ فَجَزَّاَهُمْ اَثْلَاثًا ثُمَّ اَقْرَعَ بَیْنَهُمْ۔

لم یکن له مال غیرهم : مرفوع ہے، اور ایک نسخہ میں نصب کے ساتھ ہے۔

فَاَعْتَقَ اثْنَیْنِ وَاَرَقَّ اَرْبَعَةً :

فدعابهم : باء برائے تعدیہ ہے۔

جزأ : بزاء کی تشدید کے ساتھ ہے، اور ایک نسخہ میں تخفیف کے ساتھ ہے۔ امام نوویؒ فرماتے ہیں : راء کی تشدید اور تخفیف دونوں مشہور لغات ہیں۔ ان دونوں لغات کو ابن السکیت وغیرہ نے ذکر کیا ہے۔

اثلاثا : ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: ''ثلاثا'' مصدر ہے یعنی مفعول مطلق ہے، ای ثلاثة أجزاء.

''دو کو تو آزاد کر دیا الخ'' کا مطلب یہ ہے کہ آپ ﷺ نے یہ حکم جاری فرمایا کہ جن دو کے نام قرعہ نکلا ہے وہ آزاد ہیں اور باقی چاروں غلام رہیں گے۔ اس سے یہ ثابت ہوا کہ اگر کوئی شخص اپنے مرض الموت میں اپنے سارے غلاموں کو آزاد کر دے تو اس آزادی کا اجراء ان غلاموں میں صرف تہائی تعداد میں ہوگا کیونکہ مرض الموت میں اس کے مال کے ساتھ اس کے ورثاء کا حق متعلق ہو جاتا ہے' اسی طرح وصیت' صدقہ' ہبہ اور ان کے مثل کا اجراء بھی تہائی مال میں ہوگا۔

زین العربؒ نے کہا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہ حکم اس لئے جاری فرمایا کہ اس وقت عام طور پر غلام زنگی ہوا کرتے تھے جو قیمت میں مساوی ہوتے تھے۔ امام نوویؒ نے امام ابوحنیفہؒ کا یہ قول نقل کیا ہے کہ ایسی صورت میں ہر غلام کا تہائی حصہ تو آزاد

متصور ہوگا اور باقی دو حصوں کے بقدر اس سے محنت یا خدمت لی جائے گی۔

قوله : لَقَدْ هَمَمْتُ اَنْ لَّا اُصَلِّيَ عَلَيْهِ بَدَلَ وَقَالَ لَهُ قَوْلًا شَدِيْدًا :

آنحضرت ﷺ نے اس شخص پر اس لئے اظہارِ ناراضگی فرمایا کہ اس نے چھ کے چھ غلاموں کو آزاد کر کے اپنے ورثاء کو بالکل محروم کر دیا تھا جو آپ ﷺ کی نظر میں سخت مکروہ عمل تھا' حدیث کے اس جزو سے یہ معلوم ہوا کہ میت کو اس کے کسی نامشروع اور ظالمانہ عمل پر برا کہہ سکتے ہیں اور یہ اس ارشاد گرامی اذکروا اموات‌کم بالخیر (اپنے مرے ہوئے لوگوں کو بھلائی کے ساتھ یاد کرو) کے منافی نہیں ہے۔

قوله :وفي رواية ابي داود قال :لَوْ شَهِدْتُّهُ قَبْلَ اَنْ يُّدْ فَنَ لَمْ يُدْفَنْ فِيْ مَقَا بِرِ الْمُسْلِمِيْنَ ـ

امام نووی فرماتے ہیں، آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد مبارک کو اس معنیٰ پر محمول کیا جائے گا، کہ فقط نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام اس شخص کی نماز جنازہ ادا نہ فرماتے، تاکہ دوسروں کو اس لئے عبرت حاصل ہو، البتہ صحابہ کرام نے یقیناً نماز جنازہ اداء کی ہو گی۔ اھ۔ ملا علی قاری فرماتے ہیں: یہ تشریح ابو داؤد کی روایت کے اس ٹکڑے کے ساتھ مناسبت نہیں رکھتی: "لو شهدته"......لہٰذا بہتر یہی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے اس کلام کو زجر و تہدید پر محمول کیا جائے، باوجودیکہ ارادہ سے عدم فعل لازم نہیں آتا۔ واللہ تعالیٰ اعلم۔

غلام باپ کو خریدنے کا مسئلہ

۳۳۹۱: وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا يَجْزِيْ وَلَدٌ وَالِدَهُ اِلَّا اَنْ يَّجِدَهُ مَمْلُوْكًا فَيَشْتَرِيَهُ فَيُعْتِقَهُ . (رواه مسلم)

اخرجه في صحيحه ١١٤٨/٢ الحديث رقم (٢٥-١٥١٠)وابو داوٗد في السنن ٣٤٩/٥ الحديث رقم ٥١٣٧ والترمذي في ٢٧٨/٤ الحديث رقم ١٩٠٦ وابن ماجه في ١٢٠٧/٢ الحديث رقم ٣٦٥٩ واحمد في المسند ٢٣٠/٢ـ

ترجمه: "اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "کوئی بیٹا اپنے باپ کے احسانات کا بدلہ نہیں اتار سکتا مگر اس صورت میں ادا کر سکتا ہے کہ وہ اپنے باپ کو کسی کا غلام پائے اور اس کو خرید کر آزاد کر دے"۔ (مسلم)

تشریح: قوله : لَا يَجْزِيْ وَلَدٌ وَالِدَهُ اِلَّا اَنْ يَّجِدَهُ مَمْلُوْكًا......

لا يجزی :پہلی یاء کے فتحہ اور آخری یاء کے سکون کے ساتھ۔

مملوکا :یجدہ کی ضمیر منصوب سے حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔

فیشتریہ فیعتقہ :دونوں فعل منصوب ہیں۔

قاضیؒ فرماتے ہیں کہ بعض اہل ظاہر کا کہنا ہے کہ باپ محض بیٹے کے خرید لینے سے ہی آزاد نہیں ہو جاتا (بلکہ جب اسے

اس کا بیٹا خرید کر آزاد کرے تب آزاد ہوتا ہے۔) جمہور کا یہ مسلک ہے کہ باپ اپنے بیٹے کی محض ملکیت میں آ جانے سے آزاد ہو جاتا ہے' اس کی صراحت دوسری فصل کی پہلی حدیث سے بھی ہوتی ہے اور اس حدیث کے معنی بھی یہی ہیں۔ مظہرؒ فرماتے ہیں کہ فیعتقہ میں حرف فا سبب کے لئے ہے۔ اس صورت میں حدیث کے آخری جزء کا ترجمہ یہ ہوگا کہ "جب کہ وہ اپنے باپ کو کسی کا غلام پائے اور اس کو آزاد کرنے کے لئے خرید لے" لہٰذا خریدنے کے بعد اس کی ضرورت نہیں ہوگی کہ بیٹا اس باپ سے یوں کہے کہ میں نے تمہیں آزاد کیا بلکہ وہ محض بیٹے کے خرید لینے ہی سے آزاد ہو جائے گا۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں اس سے اور اس بات سے تسلی حاصل نہیں ہوتی۔ آگے فرماتے ہیں، چونکہ ابوت مالکیت کا تقاضا کرتی ہے جیسا کہ عمرو بن شعیب کی حدیث میں گزرا: "أنت ومالك لوالدك". اور ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿وعلى المولود له رزقهن﴾ اور شراء مقدمات ملک میں سے ہے اور عتق اس کے مقتضیات میں سے ہے۔ جیسا کہ علم اصول میں یہ بات مقررہ ہے کہ جس شخص نے یہ کہا: "أعتق عبدك عني". تو یہ کلام اولاً تو اس کے لئے تملیک اور پھر اس کے لئے اعتاق کا مقتضی ہے۔ لہٰذا یہ تعلیق بالمحال کے قبیل سے ہے اور مبالغہ مقصود ہے۔ لہٰذا حدیث کا مطلب یہ ہوا: لا يجزى ولد والده الا أن يملكه فيعتقه وهو محال فالمجازاة محال. جیسا کہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ولا تنكحوا ما نكح آباؤكم من النسآء الا ماقد سلف﴾ [النساء:۲۲]

صاحب کشاف لکھتے ہیں: یعنی ان أمكنكم أن تنكحوا ما قد سلف فانكحوه، فلا يحل لكم غيره، وذلك غير ممكن، والغرض المبالغة فى تحريمه وسد الطريق الى اباحته كما يعلق بالمحال. اور یہ بھی ممکن ہے کہ یہ فاء، اس ارشاد باری تعالیٰ میں موجود فاء کے قبیل سے ہو: ﴿فتوبوا الى بارئكم فاقتلوا أنفسكم﴾ [البقرة:۵۴] کہ نفس قتل کو توبہ قرار دیا ہے۔

تخریج: اس حدیث کو امام بخاری نے تاریخ میں، ابوداؤد، ترمذی اور ابن ماجہ نے اپنی سنن میں روایت کیا ہے۔

مدبر غلام کو بیچنا جائز ہے یا نہیں؟

۳۳۹۲: وَعَنْ جَابِرٍ اَنَّ رَجُلًا مِنَ الْاَ نْصَارِ دَبَّرَ مَمْلُوْكًا وَلَمْ يَكُنْ لَهُ مَالٌ غَيْرُهُ فَبَلَغَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ مَنْ يَشْتَرِيْهِ مِنِّى فَاشْتَرَاهُ نُعَيْمُ بْنُ النَّحَّامِ بِثَمَانِ مِائَةِ دِرْهَمٍ (متفق عليه وفى رواية لمسلم) فَاشْتَرَاهُ نُعَيْمُ بْنُ عَبْدِ اللّٰهِ الْعَدَوِيِّ بِثَمَانِ مِائَةِ دِرْهَمٍ فَجَاءَ بِهَا اِلَى النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَدَفَعَهَا اِلَيْهِ ثُمَّ قَالَ اِبْدَا بِنَفْسِكَ فَتَصَدَّقْ عَلَيْهَا فَاِنْ فَضَلَ شَىْءٌ فَلِاَ هْلِكَ فَاِنْ فَضَلَ عَنْ اَهْلِكَ شَىْءٌ فَلِذِىْ قَرَابَتِكَ فَاِنْ فَضَلَ عَنْ ذِىْ قَرَابَتِكَ شَىْءٌ فَهٰكَذَا وَهٰكَذَا يَقُوْلُ فَبَيْنَ يَدَيْكَ وَعَنْ يَمِيْنِكَ وَعَنْ شِمَالِكَ۔

اخرجه البخارى فى صحيحه ۶۰۰/۱۱ الحديث رقم ۶۷۱۶ ومسلم فى ۱۲۸۹/۳ الحديث رقم (۵۸-۹۹۷)

والترمذی فی ۳/۵۲۳ الحدیث رقم ۱۲۱۹۔

''اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ایک انصاری شخص نے اپنے غلام کو مدبر بنایا (یعنی یوں کہا کہ یہ غلام میرے مرنے کے بعد آزاد ہے) اوراس کے پاس اس غلام کے علاوہ اور کوئی مال نہیں تھا' جب نبی کریم ﷺ کو اس کی خبر پہنچی تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''اس غلام کو مجھ سے کون خریدتا ہے؟ چنانچہ ایک شخص نعیم بن نحام نے اس غلام کو آٹھ سو درہم کے عوض خرید لیا۔ (بخاری ومسلم) مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ ''چنانچہ نعیم بن عبداللہ عدوی نے اس غلام کو آٹھ سو درہم کے عوض خرید لیا۔ اس نے آٹھ سو درہم نبی کریم ﷺ کی خدمت میں پیش کئے اور نبی کریم ﷺ نے وہ درہم اس شخص کو دے دیئے (جس کا وہ غلام تھا) اور فرمایا کہ تم اس رقم کو سب سے پہلے اپنی ذات پر خرچ کرو اوراس کے ذریعہ صدقہ دے کر ثواب حاصل) کرو اوراس کے بعد اگر کچھ بچ جائے تو اس کو اپنے اہل و عیال پر خرچ کرو اگر ان پر خرچ کرنے کے بعد بھی بچ جائے تو رشتہ داروں پر خرچ کرو اور اگر رشتہ داروں پر خرچ کرنے کے بعد بھی کچھ بچ جائے تو اس کو اس طرح اوراس طرح خرچ کرو۔ راوی کہتے ہیں کہ اس طرح سے مراد یہ ہے کہ اس کو اپنے آگے' اپنے دائیں اور اپنے بائیں خرچ کرو (یعنی تمہارے لئے آگے اور دائیں بائیں جو سائل جمع ہوں ان کو اللہ کی رضا وخوشنودی کی خاطر دے دو)''۔

قولہ : انَّ رَجُلًا مِنَ الْاَ نْصَارِ دَبَّرَ مَمْلُوْکًا...... فَبَلَغَ النَّبِیَّ ﷺ فَقَالَ مَنْ یَشْتَرِیْهِ مِنِّی :

ابن ہمام فرماتے ہیں: **التدبير لغة النظر فی عواقب الأمور وشرعا العتق الموقع بعد الموت معلقا بالموت مطلقا لفظا ۔**

مدبر کے احکام:

''مدبر'' کے معنی یہ ہیں کہ کوئی شخص اپنے غلام سے یہ کہہ دے کہ تم میرے مرنے کے بعد آزاد ہو۔

چنانچہ اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے مطابق اس غلام کو بیچنا امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک جائز ہے' امام اعظم ابو حنیفہؒ یہ فرماتے ہیں کہ مدبر دو طرح کے ہوتے ہیں ایک تو مدبر مطلق اور دوسرا مدبر مقید۔ مدبر مطلق وہ غلام ہے جس کا مالک اس سے یوں کہے کہ میرے مرنے کے بعد تم آزاد ہو اور مدبر مقید وہ غلام ہے جس سے اس کا مالک یوں کہے کہ اگر میں اس بیماری میں مرجاؤں تو تم آزاد ہو۔ مدبر مطلق کا حکم تو یہ ہے کہ ایسے غلام کو آزادی کے علاوہ کسی اور صورت میں اپنی ملکیت سے نکالنا مالک کے لئے جائز نہیں ہے یعنی وہ مالک اس غلام کو آزاد تو کرسکتا ہے لیکن نہ تو اس کو فروخت کرسکتا ہے اور نہ ہبہ کرسکتا ہے' ہاں اس سے خدمت لینا جائز ہے' اسی طرح اگر لونڈی ہو تو اس سے جماع کرنا بھی جائز ہے اوراس کی مرضی کے بغیر اس کا نکاح کرنا بھی جائز ہے ایسا غلام اپنے مالک کے مرنے کے بعد اس کے تہائی مال میں سے آزاد ہو جاتا ہے اور اگر تہائی مال میں سے پورا آزاد نہ ہوسکا ہو تو پھر تہائی مال کے بقدر (جزوی طور پر ہی آزاد ہوگا) مدبر مطلق کے برخلاف مدبر مقید کو بیچنا جائز ہے اور اگر وہ شرط پوری ہو جائے یعنی مالک اس مرض میں مرجائے تو پھر جس طرح مدبر مطلق اپنے مالک کے مرجانے کے بعد آزاد ہو جاتا

ہے اسی طرح مدبر مقید بھی آزاد ہو جائے گا! لہٰذا امام ابوحنیفہؒ اس حدیث کے مفہوم میں یہ تاویل کرتے ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے جس مدبر کو فروخت فرمایا وہ مدبر مقید ہوگا۔

قولہ :فَاشْتَرَاهُ نُعَيْمُ بْنُ النَّحَّامِ بِثَمَانِ مِائَةِ دِرْهَمٍ :

مشکوٰۃ کے تمام نسخوں میں نعیم بن نحام لکھا ہے لیکن علماء نے یہ وضاحت کی ہے کہ یہ کتابت کی غلطی ہے اصل میں نعیم ہی کا دوسرا نام نحام ہے' اس دوسرے نام کی وجہ تسمیہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے ان کے بارے میں فرمایا تھا کہ میں جنت میں داخل ہوا تو وہاں نعیم کی نحمہ (یعنی آواز سنی) ''اس مناسبت سے انہیں نحام کہا جانے لگا''۔

الفصل الثانی:

ذی رحم محرم ملکیت میں آتے ہی آزاد ہو جاتا ہے

۳۳۹۳: وَعَنِ الْحَسَنِ عَنْ سَمُرَةَ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ مَلَكَ ذَارَحِمٍ مَحْرَمٍ فَهُوَ حُرٌّ۔ (رواه الترمذی وابن ماجة)

اخرجه ابوداوٗد فی السنن ٢٥٩/٤ الحديث رقم ٣٩٤٩ والترمذی فی ٦٤٦/٣ الحديث رقم ١٣٦٥ وابن ماجه فی ٨٤٣/٢ الحديث رقم ٢٥٢٤ واحمد فی المسند ٢٠/٥۔

ترجمہ: ''حضرت حسن (بصری ؒ) حضرت سمرہ (بن جندب ؓ) سے اور وہ رسول اللہ ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص (خواہ خریدنے کی وجہ سے خواہ ہبہ یا وراثت کے ذریعہ) اپنے ذی رحم (قرابت دار) محرم کا مالک ہوگا تو وہ آزاد ہو جائے گا''۔ (ترمذی' ابن ماجہ)

تشریح: قولہ : مَنْ مَلَكَ ذَارَحِمٍ مَحْرَمٍ فَهُوَ حُرٌّ :

محرم : مجرور ہے، قیاس کا تقاضا ہے کہ منصوب ہوتا چونکہ ذا رحم کی صفت ہے نہ کہ '' رحم '' کی ، ممکن ہے کہ جر جوّار کے قبیل سے ہو جیسا کہ بیت ضب خرب اور ماء سن بارد . اگر مرفوع ہوتا تو بھی ایک توجیہ ہو سکتی تھی۔

مثلاً باپ نے اپنے اس بیٹے کو خریدا جو کسی دوسرے شخص کی غلامی میں تھا یا بیٹے نے اپنے غلام باپ کو خریدا یا بھائی نے غلام خریدا تو محض خرید لینے کی وجہ سے وہ غلام آزاد ہو جائے گا۔

''ذی رحم'' اس قرابت دار کو کہتے ہیں جو ولادت کی قرابت رکھے جس کا تعلق رحم سے ہوتا ہے ذی رحم میں بیٹا' باپ' بھائی' چچا' بھتیجا اور اسی قسم کے دوسرے قرابت دار شامل ہیں'' اور محرم'' اس قرابت دار کو کہتے ہیں جس سے نکاح جائز نہ ہو۔ اس سے معلوم ہوا کہ چچا کا بیٹا اور اسی قسم کے دوسرے رشتہ دار ذی رحم محرم کے زمرہ میں شامل نہیں ہیں۔

علامہ نوویؒ فرماتے ہیں کہ اس مسئلہ میں قرابت دار محض ملکیت میں آ جانے کی وجہ سے آزاد ہو جاتا ہے یا نہیں؟ علماء کے اختلافی اقوال ہیں چنانچہ اہل ظواہر کا قول تو یہ ہے کہ ان قرابت داروں میں سے کوئی بھی محض ملکیت میں آ جانے سے آزاد نہیں

ہو جاتا بلکہ آزاد کرنا ضروری ہے' ان کی دلیل حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کی روایت ہے جو پہلی فصل میں گزری ہے۔

جمہور علماء یہ فرماتے ہیں کہ محض ملکیت میں آ جانے کی وجہ سے اصول کے درجہ کے قرابت دار (جیسے باپ' دادا' پردادا وغیرہ) اور فروع کے درجہ کے قرابت دار (جیسے بیٹا' پوتا' پڑپوتا وغیرہ) آزاد ہو جاتے ہیں' البتہ اصول اور فروع کے علاوہ دوسرے قرابت داروں کے بارے میں جمہور علماء کے بھی مختلف اقوال ہیں' چنانچہ امام شافعیؒ کا مسلک تو یہ ہے کہ یہ خصوصیت صرف اصول وفروع کے قرابت داروں ہی کو حاصل ہے کہ وہ محض ملکیت میں آ جانے کی وجہ سے آزاد ہو جاتے ہیں جب کہ حضرت امام مالکؒ نے اس خصوصیت میں بھائی کو بھی شامل کیا ہے' ان کا دوسرا قول یہ ہے کہ تمام ذی رحم محرم آزاد ہو جاتے ہیں۔

نیز ان کی تیسری روایت امام شافعیؒ کے مسلک کے مطابق ہے۔ امام اعظم ابوحنیفہ رحمہ اللہ کا مسلک یہ ہے کہ ہر وہ قرابت دار جو ذی رحم محرم ہو محض ملکیت میں آ جانے کی وجہ سے آزاد ہو جاتا ہے۔

تخریج: اس حدیث کو امام احمدؒ نے سند صحیح کے ساتھ اور حاکم نے اپنی مستدرک میں مرفوعاً نقل کیا ہے۔ قاضیؒ نے فرمایا: ابوداؤد اپنی کتاب میں فرماتے ہیں' اس حدیث کو حماد بن سلمہ کے علاوہ کسی نے بھی مسنداً روایت نہیں کیا اور اس میں شک ہے، اس وجہ سے امام شافعی رحمہ اللہ اس کے قائل نہیں ہیں۔ اور اصول وفروع کے عتق پر اقتصار کیا ہے۔

شرح السنہ میں لکھا ہے، حضرت سمرہ کی حدیث کا مسنداً ہونا صرف حماد بن سلمہ کی حدیث سے معروف ہے، اس روایت کو بعض محدثین نے عن قتادۃ عن الحسن عن عمرو کے طریق سے بیان کیا ہے، اور بعض نے حسن کے طریق سے مرسلاً روایت کیا ہے۔

میں کہتا ہوں: یہ روایت مسند ہو تو اشکال کی کوئی بات نہیں، اور کسی ایک جانب میں شک مضر نہیں، اور حضرت عمر کی موقوف روایت حکماً مرفوع ہے، چونکہ اس میں عقل کا کوئی دخل نہیں۔ اور مرسل ہمارے ہاں اور جمہور کے ہاں بھی حجت ہے اور جب وہ مؤید ہو تو سب کے نزدیک حجت ہے۔

ابن ہمام فرماتے ہیں: امام نسائی عن حمزہ بن ربیعہ، عن سفیان الثوری، عن عبداللہ بن دینار، عن عبداللہ بن عمر روایت کرتے ہیں' قال: قال رسول الله صلى الله عليه وسلم، من ملك ذا رحم محرم عتق عليه۔

بیہقی اور نسائی نے اس کی تضعیف کی ہے۔ چونکہ سفیان سے روایت کرنے میں ضمرہ منفرد ہیں، اور عبدالحق نے اس کو صحیح قرار دیا ہے، فرماتے ہیں ضمرہ ثقہ ہیں، اور حدیث جب ثقہ راوی سے مسنداً مروی ہو تو اس راوی ثقہ کا منفرد ہونا مضر نہیں، اور نہ راوی مرسل کا ارسال مضر ہوتا ہے۔ اور نہ موقوف روایت کرنے والے راوی کا وقف۔ ابن القطان نے اس کی تصویب فرمائی ہے۔ ضمرہ کی توثیق کرنے والوں میں ابن معین وغیرہ شامل ہیں، اگرچہ صحیحین میں ان سے روایت نہیں کی گئی، البتہ اصحاب اربعہ نے ان سے روایت لی ہیں:

عن حماد بن سلمة، عن قتادة، عن الحسن، عن سمرة، عن النبي ﷺ: من ملك ذا رحم محرم منه فهو حر۔

ابوداؤد وغیرہ فرماتے ہیں:

انفرد به عن الحسن عن سمرة حماد، وقد شك فيه، فان موسى بن اسماعيل قال في موضوع

آخر، عن سمرة فيما يحسب حماد، وقد روای شعبة عن الحسن، عن النبي صلى الله عليه وسلم وشعبة أحفظ من حماد. اه۔

عبارت بالا میں مذکور نقد کا جواب ماقبل میں عبدالحق اور ابن القطان کے حوالہ سے دیا جا چکا ہے، أن رفع الثقة لا يضره ارسال غيره۔

امام طحاوی نے حدیث کو اسود عن عمر موقوفاً، اور ابن عمر سے موقوفاً۔ اور حضرت علیؓ سے اسانید ضعیفہ کے ساتھ روایت کیا ہے۔

امام طحاوی نے اپنی سند کے ساتھ ثوری عن سلمہ بن کھیل عن المستورد یوں روایت کیا ہے:

أن رجلا زوج ابن أخيه مملوكته، فولدت أولادا فأراد أن يسترق أولادها، فأتى ابن أخيه عبد الله بن مسعود، فقال: ان عمي زوجني وليدته، وانها ولدت لي أولادا، فأراد أن يسترق ولدي، فقال ابن مسعود: كذب وليس له ذلك۔

اور مبسوط میں ابن عباس سے مروی ہے:

قال: جاء رجل الى النبي صلى الله عليه وسلم وقال: يا رسول الله: اني دخلت السوق، فوجدت أخي يباع فاشتريته، واني أريد أن اعتقه، فقال عليه الصلوة والسلام، ان الله قد أعتقه

فرمایا: خطابیؒ نے معالم السنن میں ذکر کیا ہے کہ یہ قول اکثر علماء کا ہے اور فرمایا: یہ ابن عمر اور ابن مسعود سے مروی ہے، ان دونوں کی مخالفت صحابہ میں سے کسی سے بھی معروف نہیں اور حسن بصری، جابر بن زید، عطاء، شعبی، زہری، حماد، حاکم، ثور، ابن اُبی شیبہ، ابوسلمہ، لیث، عبداللہ بن وھب اور اسحاق بھی یہی فرماتے ہیں۔

مبسوط میں لکھتے ہیں، داؤد ظاہری نے فرمایا: قرابت داروں میں سے کوئی بھی محض ملکیت میں آجانے سے آزاد نہیں ہو جاتا، بلکہ آزاد کرنا ضروری ہوتا ہے۔ ان کی دلیل یہ حدیث ہے: لن يجزى ولدًا والده الا ان يجده مملوكا فيشتريه فيعتقه. اس سے استدلال یوں ہے کہ اگر نفس شراء سے عتق مان لیا جائے تو "فيعتقة" کا کوئی مطلب نہیں رہتا۔ چونکہ قرابت ابتداء ملک سے مانع نہیں تو بقاء بھی مانع نہ ہوگی۔ اور ہماری دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿وَمَا يَنۢبَغِي لِلرَّحْمٰنِ اَنْ يَّتَّخِذَ وَلَدًا اِنْ كُلُّ مَنْ فِي السَّمٰوٰتِ وَالْاَرْضِ اِلَّآ اٰتِي الرَّحْمٰنِ عَبْدًا﴾ [مریم: ۹۲۔ ۹۳] "کہ انہوں نے خدا کے لئے بیٹا تجویز کیا اور خدا کو شایاں نہیں کہ کسی کو بیٹا بنائے تمام شخص جو آسمانوں اور زمین میں ہیں سب خدا کے روبرو بندے ہو کر آئیں گے" اس سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ أبنيه، عبديت کے منافی ہے، چنانچہ جب أبنيه ثابت ٹھہری تو عبدیت کی نفی ہوگی۔ اور نص میں "فيعتقه" سے مراد فيعتقه بالشراء ہے، جیسا کہ آپ کا یہ قول، أطعمه فأشبعه وسقاه فأرواه اور تعقیب حاصل ہے، چونکہ عتق شراء کے بعد ہوتا ہے۔ اور ہم نے اس کے لئے ملک کو ابتداء اس لئے ثابت کیا کہ عتق قبل الشراء تو حاصل ہو نہیں سکتا، بخلاف ملک نکاح کے، کہ وہ ابتداءً ثابت نہیں ہوتا، چونکہ اس کے اثبات میں کوئی فائدہ نہیں ہے بوجہ استعقاب جیئونت

فرماتے ہیں: محدثین کا یہ کہنا درست نہیں کہ حدیث ثابت نہیں ہے چونکہ راوی ثقہ ہیں اور انفراد بالرفع کے علاوہ کوئی خالی نہیں ہے۔ درآنحالیکہ انفراد بھی غیر قادح ہے۔ چونکہ راوی کبھی سند متصل کے ساتھ روایت کرتا ہے اور بار بار ارسال کر دیتا ہے۔ اور یہ بات پہلے سے معلوم ہے کہ راوی جب ارسال کرتا ہے تو یقیناً وہاں کوئی ''واسطہ'' ہوتا ہے۔ اور غایت امر یہ ہے کہ راوی کبھی اس واسطہ کو متعین کر دیتا ہے اور کبھی چھوڑ دیتا ہے۔ اگر روایت مرسل ہے تو مرسل مقبول ہے۔ جمہور کے قول پر۔ اور یہی قول ہمارا، امام مالک، اور امام احمد کا ہے۔ لہٰذا صحت سند کے پائے جانے کے بعد روایت بغیر کسی شرط کے مقبول ہے۔ اور اس روایت کی صحت معلوم ہی ہے۔ البتہ امام شافعیؒ کے قول پر اس وقت درست ہے جب کہ صحابہ نے اس کے موافق عمل کیا ہو۔ اور یہ بات آپ جانتے ہی ہیں کہ بعض صحابہ کا قول ثابت ہے اور دوسرے صحابہ سے ان کی مخالفت ثابت نہیں۔ لہٰذا اس مسئلہ میں مشارکت ثابت ہوگئی۔ (اھ۔ کلام المحقق واللہ تعالی الموفق۔)

امّ ولد اپنے آقا کی وفات کے بعد آزاد ہو جاتی ہے

۳۳۹۴: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا وَلَدَتْ اَمَةُ الرَّجُلِ مِنْهُ فَهِيَ مُعْتَقَةٌ عَنْ دُبُرٍ مِنْهُ اَوْ بَعْدَهُ (رواه الدارمی)

اخرجه ابن ماجه فی السنن ۸٤١/٢ الحدیث رقم ٢٥١٥ والدارمی فی ٣٣٤/٢ الحدیث رقم ٢٢٧٤ واحمد فی المسند ٣٠٣/١۔

ترجمہ: ''اور حضرت عباس رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے فرمایا: ''جب کسی شخص کی لونڈی اس کے (نطفہ) سے بچہ جنے تو وہ لونڈی اس شخص کی موت کے پیچھے یا یہ فرمایا کہ اس شخص کے مرنے کے بعد آزاد ہو جائے گی''۔ (داری)

تشریح: قوله : اِذَا وَلَدَتْ اَمَةُ الرَّجُلِ مِنْهُ فَهِيَ مُعْتَقَةٌ عَنْ دُبُرٍ مِنْهُ اَوْ بَعْدَهُ :

دبر : صاحب قاموس لکھتے ہیں: دال کے ضمہ، اور بائے موحدہ کے سکون وضمہ ہر دو کے ساتھ۔

أو بعده : کسی راوی کو شک ہے۔

۳۳۹۵: وَعَنْ جَابِرٍ قَالَ بِعْنَا اُمَّهَاتِ الْاَوْلَادِ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ وَاَبِيْ بَكْرٍ فَلَمَّا كَانَ عُمَرُ نَهَانَا عَنْهُ فَانْتَهَيْنَا (رواه ابوداود)

اخرجه ابوداؤد فی السنن ٢٦٢/٤ الحدیث رقم ٣٩٥٤ وابن ماجه فی ٨٤١/٢ الحدیث رقم ٢٥١٧۔

ترجمہ: ''اور حضرت جابر رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ ہم نے رسول اللہ ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ام ولد (یعنی وہ لونڈی جس کے ساتھ اس کے آقا نے جماع کیا ہو اور اس سے اولاد پیدا ہوگئی) جب حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ کا دور آیا تو انہوں نے ہمیں اس سے منع کر دیا اور ہم اس سے باز رہے''۔ (ابوداؤد)

تشریح: ابن ہمام فرماتے ہیں: أم الولد تصدق لغة على ما اذا ثبت نسبه من له ولد ثابت النسب،

وغير ثابت النسب.

مزید تشریح اگلے باب میں آ رہی ہے۔

اور فقہاء کے اس لفظ کا اطلاق اس سے اُخص مفہوم پر ہوتا ہے، وہ یہ کہ وہ باندی جس سے اس کے مالک کی اولاد ہو چکی ہو، خواہ وہ مالک اس باندی کے کل کا مالک ہو، خواہ بعض کا، مالک اس لونڈی کو نہ فروخت کر سکتا ہے، نہ اس کی تملیک کر سکتا ہے، اور نہ ہبہ کر سکتا ہے، بلکہ وہ اپنے مالک کے مرنے کے بعد آزاد ہو جاتی ہے، اگر اس کا عتق منجز نہ ہو، اور مالک مرجائے تو مالک کے جمیع مال سے آزاد ہو گی، سعی غریم نہیں کرے گی، اگرچہ مالک مدیون مستغرق ہی کیوں نہ ہو۔ جمہور صحابہ، تابعین، فقہاء کا یہی مذہب ہے سوائے غیر معتد بہ لوگوں کے مثلاً بشر مریسی اور بعض ظاہریہ کا کہنا ہے کہ ام ولد کی بیع جائز ہے، ان کا استدلال حدیث جابر سے ہے، یہ مذہب منقول ہے ابوبکر صدیق، علی، ابن عباس، زید بن ثابت اور ابن الزبیر رضی اللہ عنہم سے۔ لیکن ابن مسعود سے سند صحیح کے ساتھ اور ابن عباس رضی اللہ عنہما سے مروی ہے کہ اپنے جثہ کے حصہ کے بقدر آزاد ہو گی۔ (ذكره ابن قيامة)

اگر پہلی روایت صحیح ہو تو اس دوسری روایت سے ان دونوں حضرات کا صریح رجوع ہے۔

امام نسائی عن زید العمی کے طریق سے ابو سعید خدری سے روایت کرتے ہیں:

كنا نبيعهن في عهد رسول الله صلى الله عليه وسلم. اس حدیث کو امام حاکم نے صحیح قرار دیا ہے، جب کہ عقیلی نے زید عمی کی وجہ سے معلول قرار دیا ہے۔ امام نسائی فرماتے ہیں: زید العمی قوی نہیں ہیں۔

بعض حضرات نے جمہور کے مذہب کے لئے استدلال ابوداؤد کی اس روایت سے کیا ہے جو محمد بن اسحاق کے طریق سے مروی ہے، امام بیہقی رحمہ اللہ فرماتے ہیں یہ اس باب کی سب سے بہترین روایت ہے۔ وہ روایت یوں ہے:

عن خطاب بن صالح، عن أمه، عن سلامة بنت معقل امرأة من خارجة بن قيس غيلان: قالت قدم ابن العمي في الجاهلية فباعني من الحباب بن عمر اخي ابي اليسر بن عمر فولدت له عبدالرحمن بن الحباب ثم هلك فقالت امرأته الآن والله تباعين في دينه فاتيت رسول الله ﷺ فقلت يارسول الله اني امرأة له خارجة بن قيس بن غيلان قدم بي عمي المدينة في الجاهلية فباعني من الحباب بن عمر اخي ابي اليسربن عمر فولدت له عبد الرحمن فمات فقالت امرأته الآن تباعين في دينه فقال عليه السلام: من ولي الحباب قيل اخوه ابواليسر كعب بن عمرو فبعث اليه اعتقوها فاذا سمعتم برقيق قدم علي فاتوني اعوضكم قالت فاعتقوني وقدم على رسول الله ﷺ رقيق فعوضهم عني غلاما.

اس کی دلیل وہ روایت ہے جو مصنف یعنی صاحب ہدایہ نے ذکر کی ہے کہ نبی کریم ﷺ نے ماریہ قبطیہ کے بارے میں فرمایا: أعتقها ولدها. اس حدیث کا طریق ابوبکر بن عبداللہ بن سیرین اور حسین بن عبداللہ بن عبیداللہ بن عباس کی وجہ سے معلول ہے۔ اس مسئلہ کی دلیل ایک روایت وہ بھی ہے جو ابن ماجہ اور ابن عدی نے روایت کی ہے، لیکن وہ روایت بھی ابن

سیرین کی وجہ سے معلول ہے۔

ابن ماجہ ہی کی ایک اور روایت ہے:

عن شريك عن حسين بن عبد الله عن عكرمة، عن ابن عباس قال :رسول الله صلى الله عليه وسلم، أيما أمة ولدت من سيدها فهي حرة بعد موته.

اس روایت کو امام حاکم نے اپنی مستدرک میں نقل کیا ہے اور صحیح الاسناد قرار دیا ہے۔اس سے حسین کی توثیق ہوتی ہے۔

ابویعلی موصلی نے اپنی مسند میں ذکر کیا ہے: حدثنا زهر، حدثنا اسماعيل بن أبي قيس، حدثنا أبو علي حسين بن عبد الله، عن عكرمة، عن ابن عباس عنه عليه الصلوٰة والسلام قال :أما رجل ولدت منه أمة فهي معتقة عن دبر منه. یہ مفہوم بہت سے طرق کے ساتھ مروی ہے۔اسی وجہ سے اصحاب فرماتے ہیں: یہ حدیث مشہور ہے اس کو تلقی بالقبول حاصل ہے۔

قصہ مختصر یہ کہ جب اس مفہوم کے طرق بکثرت ہیں، متعدد ہیں، مشہور ہیں تو کسی ضعیف راوی کا وقوع اس حدیث کی سند میں مصر نہیں۔مزید یہ کہ ابن قطان اپنی کتاب میں لکھتے ہیں: وقدروى باسناد جيد۔ قاسم بن اصبغ اپنی کتاب میں فرماتے ہیں: حدثنا معمر بن وضاح، ثنا مصعب بن سعيد أبو خيثمة المصيصي، ثنا عبد الله بن عمر، وهو الرقي، عن عبد الكريم الجزرى، عن عكرمة، عن ابن عباس قال لما ولدت مارية ابراهيم قال عليه الصلوٰة والسلام :أعتقها ولدها. ابن عبدالبر نے ابن اصبغ کے طریق سے تمہید میں ذکر کیا ہے أعتقها ولدها۔

حدیث کی صحت میں خطابی کا کلام ہے۔وہ فرماتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ کا یہ ارشاد مبارک ثابت ہے: "انا معاشر الأنبياء لا نورث ما تركناه صدقة" حضرت ماریہ قبطیہ اگر جاریہ ہوتیں، تو بیچ دی جاتیں، اور ان کی قیمت بھی صدقہ ہوتی۔ اور یہ کہ آنحضرت ﷺ نے اولاد اور امہات کے مابین تفریق سے منع فرمایا، اور امہات اولاد کی بیع کی صورت میں یہی تفریق لازم آتی ہے۔لہٰذا جب "أعتقها...... " ٹھہری، اور پہلے کو مجاز پر محمول کیا جائے گا۔ فيثبت في الحال بعض مواجب العتق من امتناع تمليكها.

دارقطنی عن یونس بن معمر، عن عبدالعزیز بن مسلم، عن عبداللہ بن یسار، عن ابن عمر روایت کیا ہے: انه عليه الصلوٰة والسلام نهي عن بيع أمهات الأولاد فقال : لا يعن۔ اور دارقطنی کی ایک روایت میں لا يسعين ہے۔اور ایک روایت میں الفاظ آئے ہیں: "لا يجعلن من الثلث ولا يوهبن ولا يورثن يستمتع بها سيدها ما دام حيًا، فاذا مات فهي مرة".

ایک اور سند سے روایت کیا ہے جس میں عبداللہ بن جعفر، عن عبداللہ بن دینار ہے، اور ابن عدی نے عبداللہ بن جعفر بن نجیح مدنی کی وجہ سے معلول قرار دیا ہے۔اور اس کی تضعیف کو نسائی وغیرہ کی طرف منسوب کیا ہے۔اور "لین" قرار دیتے ہوئے فرماتے ہیں: يكتب حديثه. اس روایت کو احمد بن عبداللہ عنزی، عن معمر، عن عبداللہ، عن ابن عمر موقوفاً روایت کیا ہے۔علاوہ ازیں عن فلیح بن سلیمان عن عبداللہ بن دینار عن عمر موقوفاً روایت کیا ہے۔ ابن القطان نے فرمایا: رواتهم ثقات اور میرے

نزدیک اس کو اسناداً روایت کرنے والا، موقوفاً روایت کرنے والے سے بہتر ہے۔

امام مالک مؤطا میں ابن عمر سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر بن خطاب نے فرمایا: أيما وليدة ولدت من سيدها فانه لا يبيعها ولا يهبها ولا يورثها وهو يتمتع منها، واذا مات فهي حرة، اسی طرح سفیان ثوری، سلیمان بن بلال وغیرہ نے حضرت عمر سے موقوفاً روایت کیا ہے۔

دار قطنی، عبدالرحمٰن افریقی کے طریق سے سعید بن میتب سے نقل کرتے ہیں کہ حضرت عمر نے امہات الأ ولاد کو آزاد قرار دیا، اور فرمایا 'أعتقهن رسول الله صلى الله عليه وسلم. افریقی اگرچہ حجت نہیں ہے، مگر ماقبل میں اس کے مرفوع ہونے کے مؤیدات گزر چکے ہیں۔ چنانچہ ہماری بات کے بموجب روایت کا مرفوع ہونا ثابت ہے۔ اور حضرت عمرؓ سے موقوفاً ثبوت ہونے میں کوئی شبہ نہیں۔

یہاں ایک اعتراض پیدا ہوتا ہے کہ جب آنحضرت ﷺ اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ میں ان لونڈیوں کو بیچا جاتا تھا تو حضرت عمر رضی اللہ عنہ نے اس سے کیوں منع کیا؟ اس کا جواب یہ ہے کہ اس بات کا قوی احتمال ہے کہ ان لونڈیوں کو بیچنے کی اجازت کی منسوخی کا حکم آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں عام لوگوں تک نہ پہنچا ہوگا اور ان لونڈیوں کو بیچے جانے کی خبر آنحضرت ﷺ تک نہیں پہنچی ہوگی۔ لہٰذا اس صورت میں حضرت جابر رضی اللہ عنہ کا یہ ارشاد ایسی لونڈیوں کے بیچنے کے جواز کی دلیل نہیں ہوسکتا۔ دلیل تو جب ہوتا ہے کہ آنحضرت ﷺ کو ان لونڈیوں کے بیچے جانے کی اطلاع ہوتی اور آپ ﷺ اس کو جائز رکھتے۔

نیز ایک احتمال یہ بھی ہے کہ آنحضرت ﷺ کے زمانہ میں ان لونڈیوں کو بیچے جانے کا واقعہ اس کی اجازت کی منسوخی سے پہلے کا ہوگا' اسی طرح حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ کے زمانہ کے بارے میں بھی یہ احتمال ہے کہ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کا زمانہ خلافت چونکہ بہت قلیل تھا اس میں بھی وہ دوسری مہمات میں مشغول رہے اس لئے انہیں اس کا علم نہ ہوا ہوگا' اگر ان کو اس کی خبر ہوتی تو وہ اس فعل سے ضرور باز رکھتے۔ حضرت ابوبکر رضی اللہ عنہ کے بعد جب عمر فاروق رضی اللہ عنہ خلیفہ ہوئے تو انہوں نے لوگوں کو اس سے روک دیا کیونکہ انہیں معلوم تھا کہ رسول کریم ﷺ نے اُم ولد کو بیچنے کی ممانعت فرمادی تھی۔

مزید تفصیل اگلے اگلی حدیث میں آرہی ہے۔

اگر آزادی کے وقت غلام کے پاس کچھ مال ہو تو آقا کی اجازت کے بعد ہی وہ اس مال کا مالک ہوگا

۳۳۹۶: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ اَعْتَقَ عَبْدًا وَلَهُ مَالٌ فَمَالُ الْعَبْدِ لَهُ اِلَّا اَنْ يَّشْتَرِطَ السَّيِّدُ. (رواه ابوداود وابن ماجة)

اخرجه ابوداؤد في السنن ٤/ ٢٧ الحديث رقم ٣٩٦٢ وابن ماجه في ٢/ ٨٤٥ ـ الحديث رقم ٢٥٢٩

ترجمہ: ''اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اگر کوئی شخص اپنے غلام کو آزاد کرے اور اس غلام کے پاس کچھ مال ہو تو غلام کا وہ مال اس کے مالک ہی کا ہے مگر یہ کہ مالک کوئی شرط طے کر لے (تو پھر وہ مال اس غلام کا ہو جائے گا''۔ (ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: قوله :مَنْ اَعْتَقَ عَبْدًا وَلَهُ مَالٌ فَمَالُ الْعَبْدِ لَهُ اِلاَّ اَنْ يَشْتَرِطَ السَّيِّدُ :

مال العبد :قاضیؒ فرماتے ہیں یہ اضافت اختصاص ہے نہ کہ اضافت تملیک۔

صاحب ہدایہ فرماتے ہیں: **لا ملك للمملوك** مطلب یہ ہے کہ کوئی بھی غلام کسی بھی مال کا مالک ہوتا ہی نہیں تو اس کے پاس مال کہاں سے ہوگا اور اس غلام کے پاس کچھ مال ہو سے مراد یہ ہے کہ اس غلام نے اپنے مالک کی اجازت سے جو محنت مزدوری یا تجارت وغیرہ کی ہے اور اس کے نتیجہ میں جو مال حاصل ہوا ہے اگر وہ مال اس غلام کے پاس ہو تو اس کے بارے میں بھی حکم یہ ہے کہ وہ دراصل اس غلام کے آقا ہی کی ملکیت ہے' کیونکہ غلام اور اس کے پاس جو کچھ ہوتا ہے سب کا مالک اس کا آقا ہی ہوتا ہے لہٰذا یہ گمان نہ کیا جائے کہ غلام جب آزاد ہو جانے کی وجہ سے ملکیت قائم کرنے کا اہل ہو گیا ہے تو وہ مال جو اس کے پاس پہلے سے موجود تھا وہ اس کی ملکیت میں آ گیا ہے کیونکہ وہ مال تو پہلے بھی اس کے آقا کی ملکیت تھا اور اب اس کے آقا کی ملکیت رہے گا۔ غلام کو اس سے کوئی سروکار نہیں ہوگا' ہاں اگر اس کا آقا اس کو آزاد کرتے وقت یہ کہہ دے کہ یہ مال غلام کی ملکیت ہے تو اس صورت میں وہ مال اس آقا کی طرف سے اس غلام کے لئے صدقہ اور ہبہ ہو جائے گا اور وہ آزاد ہونے کے بعد اس کا مالک ہو جائے گا۔

جمہور کا مذہب یہی ہے اور ظاہر یہ کے نزدیک اس صورت میں وہ مال غلام کا ہے۔ حسن عطاء، نخعی اور مالک بھی یہی فرماتے ہیں، ان کی دلیل ابن عمر رضی اللہ عنہما سے مروی آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے: "من أعتق عبدا وله مال فمال للعبد"۔ اس روایت کو امام احمد نے نقل کیا ہے۔

حضرت عمرؓ کے بارے میں مروی ہے کہ جب وہ اپنا کوئی غلام آزاد کرتے تو غلام کے پاس موجود مال سے کوئی تعارض نہ فرماتے۔ بعض کا کہنا ہے کہ یہ حدیث ''خطا'' ہے، اور جہاں تک تعلق ہے حضرت عمرؓ کے فعل کا سو وہ ''فضل'' کے قبیل سے ہے۔

جمہور کی دلیل یہ روایت ہے:

عن ابن مسعود أنه قال لعبده : يا عمير! اني أريد أن أعتقك هنيأ، فأخبرني بمالك، فاني سمعت رسول الله صلى الله عليه وسلم يقول، ايما رجل أعتق عبده أو غلامه فلم يجزه بما له فهو لسيده، رواه الأثرم، اه۔

الجامع الصغیر میں یوں ہے: **أيما رجل أعتق غلا ما ولم يسلم ماله فالمال له.**

آزادی جزوی طور پر واقع ہوتی ہے یا نہیں؟

۳۳۹۷: وَعَنْ اَبِی الْمَلِیْحِ عَنْ اَبِیْهِ اَنَّ رَجُلًا اَعْتَقَ شِقْصًا مِنْ غُلَامٍ فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ لَیْسَ لِلّٰهِ شَرِیْكٌ فَاَجَازَ عِتْقَهٗ. (رواہ ابوداود)

اخرجه ابوداوٗد فی السنن ٢٥١/٤ الحدیث رقم ٣٩٣٣ واحمد فی المسند ٧٤/٥۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابوملیح (تابعی) اپنے والد مکرم (حضرت اسامہ بن عمیر رضی اللہ عنہ) صحابی سے روایت کرتے ہیں کہ ایک شخص نے اپنے ایک غلام میں سے کچھ حصہ آزاد کیا' جب نبی کریم ﷺ سے اس کا ذکر کیا گیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اللہ کا کوئی شریک نہیں ہے'' پھر آپ ﷺ نے اس غلام کو مکمل طور پر آزاد کرنے کی ترغیب دلائی۔''۔ (ابوداؤد)

تشریح: قوله : اَعْتَقَ شِقْصًا مِنْ غُلَامٍ فَذُكِرَ ذٰلِكَ لِلنَّبِیِّ ﷺ فَقَالَ لَیْسَ لِلّٰهِ...... :

شقصا : شین کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

(فذکر : صیغہ مجہول کے ساتھ ہے۔

حدیث میں اس بات کی تصریح نہیں کہ غلام کا کتنا حصہ آزاد کیا تھا؟ وہ حصہ مبہم بھی ہو سکتا ہے، متعین بھی اور مشاع بھی۔

آنحضرت ﷺ کے ارشادِ گرامی کا حاصل یہ ہے کہ جو بھی کام اللہ تعالیٰ کے لئے کیا جائے اور وہ عبادت کی قسم سے ہو تو اس میں اپنے حصہ کو شریک نہ کرنا چاہیے۔ لہٰذا ایک غلام کے بعض حصوں کو آزاد کر دینا اور بعض حصوں کو بدستور غلام رکھنا مناسب نہیں ہے۔

حدیث کے آخری الفاظ سے بظاہر یہ ثابت ہوتا ہے کہ آزادی اور غلامی متجزی نہیں ہوتی' لیکن امام اعظم ابوحنیفہؒ چونکہ متجزی کے قائل ہیں اس لئے ان کے نزدیک ان الفاظ کے معنی یہ ہیں کہ آنحضرت ﷺ نے اس غلام کو بالکل آزاد کر دینے کا حکم دیا بایں طور کہ آپ ﷺ نے اس کے مالک کو اس کی ترغیب دلائی کہ وہ اس غلام کو بالکل آزاد کر دے۔

چونکہ یہ عتق تو اللہ کے لئے تھا، لہٰذا اگر بعض حصہ آزاد ہو گیا مگر باقی حصہ میں مالک کا حکم پھر بھی نافذ ہوگا تو یہ کیفیت صورۃً اللہ تعالیٰ کے ساتھ شریک ہونے کی ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: ماقبل میں یہ بات گزر چکی ہے کہ غلام اور اس کا مالک مخلوق ہونے میں دونوں برابر ہیں، ہاں البتہ اتنی بات ضرور ہے، کہ اللہ تعالیٰ نے بعض کو بعض پر رزق میں فضیلت دی ہے، اور دوسروں کو اس کے تابع فرمان بنایا تاکہ متبوع اس سے نفع اٹھائے، چنانچہ جیسا اس کا بعض حصہ اپنی اصل کی طرف لوٹا تو یہ لوٹنے والا حصہ دوسرے بعض حصہ میں سرایت کر جائے گا، چونکہ کسی بھی شیء میں اللہ کا کوئی شریک نہیں۔

تخریج: اس روایت کو احمد نے بھی روایت کیا ہے اور رزین کی روایت میں ''فی ماله'' کے الفاظ کا اضافہ بھی ہے، اور ایک روایت میں یہ الفاظ آئے ہیں: ھو حر کله لیس لله شریك.

مشروط آزادی کا ایک واقعہ

۳۳۹۸ :وَعَنْ سَفِيْنَةَ قَالَ كُنْتُ مَمْلُوْكًا لِاُمِّ سَلَمَةَ فَقَالَتْ اُعْتِقُكَ وَاَشْتَرِطُ عَلَيْكَ اَنْ تَخْدُمَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عِشْتَ فَقُلْتُ اِنْ لَّمْ تَشْتَرِطِيْ عَلَيَّ مَا فَارَقْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَا عِشْتُ فَاَعْتَقَتْنِي وَاشْتَرَطَتْ عَلَيَّ (رواه ابوداود وابن ماجة)

اخرجه ابوداوٗدفي السنن ٤/٢٥٠ الحديث رقم ٣٩٣٢وابن ماجه في ٢/٨٤٤ الحديث رقم ٢٥٢٦ واحمد في المسند ٥/٢٢١۔

ترجمہ: ''اور حضرت سفینہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ (ابتدأ) میں حضرت ام سلمہ رضی اللہ عنہا کی ملکیت میں تھا (ایک دن) انہوں نے مجھ سے فرمایا کہ ''میں تمہیں آزاد کرنا چاہتی ہوں' لیکن یہ شرط عائد کرتی ہوں کہ تم جب تک زندہ رہو رسول اللہ ﷺ کی خدمت کرتے رہو گے''۔ میں نے عرض کیا (کہ رسول اللہ ﷺ کی خدمت تو میرے لئے سعادت و خوش بختی کا سب سے بڑا ذریعہ ہے) اگر آپ یہ شرط عائد نہ کرتی تب بھی میں جب تک زندہ رہتا تو رسول اللہ ﷺ سے کبھی جدا نہ ہوتا''۔ چنانچہ انہوں (حضرت اُمّ سلمہ رضی اللہ عنہا) نے مجھے آزاد کر دیا اور مجھ پر شرط عائد کردی (یعنی رسول اللہ ﷺ کی خدمت کی مجھ پر شرط عائد کردی)''۔ (ابوداؤد' ابن ماجہ)

تشریح: قوله :اعتقك واشترط عليك......

تخدم :دال مہملہ کے ضمہ کے ساتھ اور ایک نسخہ میں کسرہ کے ساتھ ہے (اور فتحہ بھی درست ہے۔ قاموس میں لکھتے ہیں:

خدمه يخدمه ويخدمه خدمة ويفتح۔

(ما عشت :ما بمعنیٰ دام ہے۔أي :ما دمت تعيش في الدنيا.

خطابیؒ فرماتے ہیں :یہ وعدہ ہے، جس کو اسم شرط کے ساتھ تعبیر کیا ہے۔ اکثر فقہاء ''ابقاء الشرط بعد العتق'' کو درست نہیں مانتے۔ چونکہ یہ شرط ہے جو ملک کے ساتھ متصل وملاقی نہیں ہے، اور حر کے منافع کی ملکیت خود حر کے علاوہ کسی بھی شخص کو حاصل نہیں، الا یہ کہ عقد اجارہ ہو یا اس جیسا کوئی اور عقد ہو۔

شرح السنہ میں لکھا ہے: اگر کسی شخص نے اپنے غلام سے کہا: ''أعتقك على أن تخدمني شهرا!'' اور غلام نے قبول کر لیا تو فوری طور پر آزاد ہو جائے گا' اور اس پر ایک ماہ کی خدمت لازم ہوگی۔ اور اگر کہا: ''أعتقك على أن تخدمني أبدا'' یا مطلق کہا اور غلام نے قبول کر لیا، تو آزادی فی الفور واقع ہو جائے گی، اور غلام پر ایک غلام کی قیمت لازم ہوگی۔ اور یہی شرط اگر مقرون بالعتق ہو تو غلام پر صرف قیمت لازم ہوگی، خدمت لازم نہ ہوگی، اور اگر یہ (شرط) عتق کے بعد ہو تو غلام پر شرط کا بجالانا لازم نہیں، اور نہ کوئی شئے لازم ہوگی۔ اکثر فقہاء اسی کے قائل ہیں۔

ہدایہ میں لکھتے ہیں: جس شخص نے اپنے غلام کو اس شرط پر آزاد کیا کہ وہ اپنے مالک کی مثلاً چار سال یا اس سے کم یا اس سے زیادہ خدمت کرے گا، اور غلام نے یہ شرط قبول کر لی، تو غلام آزاد ہو جائے گا۔ چنانچہ آزادی واقع ہوتے ہی اگر اس لمحہ اس کا

مالک فوت ہوگیا، تو امام ابوحنیفہ کے نزدیک غلام پر غلام کی قیمت لازم ہوگی۔ امام ابوحنیفہ کا دوسرا قول یہی ہے، اور ابو یوسفؒ کا قول بھی یہی ہے۔ اور امام ابوحنیفہ کا قول اول، اور امام محمدؒ کا قول یہ ہے کہ غلام پر چار سال کی خدمت کی قیمت لازم ہوگی۔

(وتحقیق المقام فی شرح ابن الہمام)

مکاتب جب تک پورا بدل کتابت ادا نہ کر دے غلام ہی رہے گا

۳۳۹۹: وَ عَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَیْبٍ عَنْ اَبِیْهِ عَنْ جَدِّهٖ عَنِ النَّبِیِّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ قَالَ الْمُکَاتَبُ عَبْدٌ مَابَقِیَ عَلَیْهِ مِنْ مُکَاتَبَتِهٖ دِرْهَمٌ۔ (رواہ ابوداود)

اخرجہ ابوداوٗد فی المسند ٤/٢٤٢ الحدیث رقم ٣٩٢٦۔

ترجمہ: ''اور حضرت عمرو بن شعیبؒ اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا سے وہ نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مکاتب (اس وقت تک) غلام رہے گا جب تک کہ اس کے بدل کتابت میں سے ایک درہم بھی باقی رہے گا''۔ (ابوداؤد)

عرضِ مرتب:

مظاہر حق میں اس حدیث کے تحت لکھا ہے:

''مکاتب'' اس غلام کو کہتے ہیں جس کو اس کا مالک یہ لکھ کر دے دے کہ جب تم اتنے روپے ادا کرو گے آزاد ہو جاؤ گے' چنانچہ اسی کے بارے میں فرمایا گیا ہے کہ مالک نے اس کی آزادی کے لئے جتنے روپے مقرر کئے ہیں جب تک وہ پورے مالک کو ادا نہ ہو جائیں گے وہ مکاتب غلام ہی رہے گا اگر اس مقدار میں سے مثلاً ایک روپیہ بھی باقی رہ گیا تھا تو وہ آزاد نہیں ہوگا' یہ نہیں ہوگا کہ اس نے جتنا روپیہ مالک کو ادا کر دیا ہے اسکے حساب سے اس کا کچھ حصہ آزاد ہو جائے اور جو روپیہ باقی رہ گیا اس کے مطابق کچھ حصہ غلام رہے۔

اسنادی حیثیت: امام ابوداوٗدؒ نے اس حدیث کو ''سند حسن'' کے ساتھ روایت کیا ہے۔

عورتوں کو اپنے مکاتب غلام سے پردہ کا حکم

۳۴۰۰: وَعَنْ اُمِّ سَلَمَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا کَانَ عِنْدَ مُکَاتَبِ اِحْدَاکُنَّ وَفَاءٌ فَلْتَحْتَجِبْ مِنْهُ۔ (رواہ الترمذی وابوداود وابن ماجة)

اخرجہ ابوداوٗد فی السنن ٤/٢٤٤ الحدیث رقم ٣٩٢٨ والترمذی فی ٣/٥٦٢ الحدیث رقم ١٢٦١ وابن ماجہ فی ٢/٨٤٢ الحدیث رقم ٢٥٢٠۔

ترجمہ: ''اور حضرت اُم سلمہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (عورتوں) سے فرمایا کہ ''جب تم میں

سے کسی (عورت) کے مکاتب غلام کے پاس اتنا مال آ جائے کہ وہ (بدل کتابت) ادا کر سکے تو اس (مالکہ) کو چاہئے کہ وہ اس مکاتب سے پردہ کرے"۔ (ترمذی، ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: مسئلہ: مکاتب نے جب تک پورا بدل کتابت ادا نہ کیا ہو وہ غلام اور محرم ہے اس سے پردہ کرنا ضروری نہیں ہے۔

اگر اس کے پاس اتنا مال وزر ہو گیا ہے جس سے وہ اپنا پورا بدل کتابت ادا کر سکتا ہے تو از راہ تقویٰ واحتیاط اس سے پردہ کرنا چاہئے کیونکہ جب وہ پورا بدل کتابت ادا کرنے کی قدرت واستطاعت رکھتا ہے تو گویا اس نے واقعی اپنا بدل کتابت ادا کر دیا ہے۔

چونکہ مولیٰ کی ملکیت علی شرف الزوال ہے، اور جو شئے کسی دوسری شئے کے قریب ہوتی ہے اس کو بھی اس کا حکم دے دیا جاتا ہے۔ اور حاصل یہ ہے کہ یہ مکاتب اپنی سیدہ کے پاس آنا جانا بند کر دے۔

قاضیؒ فرماتے ہیں: جب تک وہ مکمل بدل کتابت ادا نہیں کرے گا، اس وقت تک وہ آزاد نہیں ہوگا۔ چنانچہ ارشاد نبوی ہے: "المکاتب عبد ما بقی علیه درهم"۔ اور ممکن ہے کہ حدیث باب کے ذریعے سے غلام کو ادائیگی میں تاخیر کرنے سے منع کرنا ہو تا کہ وہ غلام اپنی سیدہ کی طرف نگاہ اٹھا کر دیکھنے کا روادار نہ رہے۔ امام تورپشتی رحمہ اللہ فرماتے ہیں:

قالت ام سلمة لنبهان ماذا بقي عليك من كتابتك ؟ قال : الفا درهم ـ قالت : فهما عندك؟ فقال : نعم قالت : ادفع ما بقي عليك وعليك السلام ـ ثم القت دونه الحجاب فبكى وقال : لااعطيه ابدا ـ قالت : انك والله يا بني لن تراني ابدا ان رسول الله ﷺ عهد الينا اني اذا كان لعبد احدانا وفاء بما بقي عليه من كتابته فاضربن دونه الحجاب ـ اهـ

ظاہر یہ ہے کہ آنحضرتؐ نے یہ حکم مخصوص طور پر اپنی ازواج مطہرات کیلئے فرمایا تھا کیونکہ اللہ تعالیٰ کے اس ارشاد: [لَسْتُنَّ كَأَحَدٍ مِّنَ النِّسَاءِ] [الاحزاب: ۳۲] کے مطابق ازواج مطہرات رضی اللہ عنہن کا پردہ دوسری عورتوں کی بہ نسبت زیادہ سخت تھا۔ واللہ سبحانہ وتعالیٰ اعلم۔

مکاتب کی طرف سے بدل کتابت کی جزوی عدم ادائیگی کا مسئلہ

۳۳۰۱: وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ كَاتَبَ عَبْدَهٗ عَلٰى مِائَةِ اُوْقِيَّةٍ فَاَدَّاهَا اِلَّا عَشَرَةَ اَوَاقٍ اَوْقَالَ عَشَرَةَ دَنَانِيْرَ ثُمَّ عَجَزَ فَهُوَ رَقِيْقٌ

(رواه الترمذی وابوداود وابن ماجة)

اخرجه ابوداؤد فی ٢٤٤/٤ الحديث رقم ٣٩٢٧ والترمذی فی ٥٦٢/٣ الحديث رقم ١٢٦١ وابن ماجه فی ٨٤٢/٢ الحديث رقم ٢٥١٩ واحمد فی المسند ١٧٨/٢۔

ترجمہ: ''اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد (حضرت شعیبؒ) سے اور وہ اپنے دادا سے نقل کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اگر کسی شخص نے اپنے غلام کو سو اوقیہ کے بدلے مکاتب کیا اور اس غلام نے سوائے دس اوقیہ کے یا فرمایا دس دینار کے (تمام اوقیہ) ادا کر دیئے۔ (یہاں راوی کو شک ہوا ہے کہ آپ ﷺ نے دس اوقیہ فرمایا تھا یا دس دینار کا ذکر کیا تھا) اور پھر وہ اس باقی کی ادائیگی سے عاجز آ گیا تو وہ مکاتب (بدستور) غلام ہی رہے گا''۔ (ترمذی' ابوداؤد' ابن ماجہ)

تشریح: قوله :مَنْ كَاتَبَ عَبْدَهُ عَلٰى مِائَةِ اَوْقِيَّةٍ...... ثُمَّ عَجَزَ فَهُوَ رَقِيْقٌ :

أوقية :ہمزہ کے ضمہ، یائے تحتانیہ کی تخفیف وتشدید ہر دو کے ساتھ۔

عشر :شین کے سکون کے ساتھ اور ایک نسخہ میں شین کے فتحہ اور تاء کی زیادتی کے ساتھ ہے۔

أواق :ہمزہ کے فتحہ اور قاف کی تنوین کے ساتھ ہے، أوقية کی جمع ہے۔

أو قال :صحابی کے مابعد کے کسی راوی کو شک ہے۔

عشرة :تاء مدورہ کے ساتھ ہے۔

ابن ملکؒ فرماتے ہیں کہ یہ حدیث اس بات پر دلالت کرتی ہے کہ مکاتب کا اپنے بدل کتابت کے کچھ حصے کی ادائیگی سے قاصر رہنا پورے بدل کتابت کی ادائیگی سے قاصر رہنا ہے۔ لہٰذا ایسی صورت میں مالک کو اس کی کتاب فسخ کر دینے کا حق حاصل ہو جاتا ہے اور فسخ کتابت کے بعد وہ مکاتب بدستور غلام رہتا ہے' نیز حدیث کے الفاظ فَهُوَ رَقِيْقٌ سے یہ ثابت ہوتا ہے کہ اس مکاتب نے اپنے بدل کتابت کا جو کچھ حصہ مالک کو ادا کر دیا ہے وہ اس مالک ہی کی ملکیت میں رہے گا۔

۳۴۰۲:وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِذَا اَصَابَ الْمُكَاتَبُ حَدًّا اَوْ مِيْرَاثًا وَرِثَ بِحِسَابِ مَا عَتَقَ مِنْهُ (رواه ابوداود والترمذی وفی رواية له قال) يُؤْدِي الْمُكَاتَبُ بِحِصَّةِ مَا اَدّٰى دِيَةَ حُرٍّ وَمَا بَقِيَ دِيَةَ عَبْدٍ وَضَعَّفَهُ۔

اخرجه ابوداود فی السنن ٤/٧٠٦ الحديث رقم ٤٥٨٢ والترمذی فی ٣/٥٦٠ الحديث رقم ١٢٥٩ والنسائی فی ٨/٤٦ الحديث رقم ٤٨١١۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نبی کریم ﷺ سے روایت نقل کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جب کوئی مکاتب دیت یا میراث کا مستحق بنتا ہے تو وہ (اس دیت یا میراث کا) صرف اس قدر وارث بنے جس قدر وہ آزاد ہوا ہے۔ (ابوداؤد' ترمذی) اور ترمذی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''مکاتب کو دیت میں اس حصہ کے بقدر مال دیا جائے گا جو وہ اپنی آزادی کی قیمت (یعنی بدل کتابت) میں سے ادا کر چکا تھا اور جو بچ جائے وہ غلام کی دیت ہے۔ اس روایت کو ترمذی نے ضعیف کہا ہے''۔

تشریح: قوله :اِذَا اَصَابَ الْمُكَاتَبُ......مَا بَقِيَ دِيَةَ عَبْدٍ...... :

يؤدي :یاء کے ضمہ، واؤ کے سکون اور دال مخففہ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔

ما أدى :ہمزہ کے فتحہ ،اوردال کی تشدید کے ساتھ۔

بحصه ما أدى :ایک نسخہ میں **بحسب ما أدى** ہے۔

دية :منصوب ہے۔

اشرفؒ فرماتے ہیں: یؤدی دال کی تخفیف کے ساتھ، بصیغۂ مجہول ہے۔ودی یدی دیۃ بمعنی: **أعطى الدية** سے ماُخوذ ہے۔

دية حر :مفعول بہ ہے۔اور **ما أدى** کا مفعول محذوف ہے. **أي :من النجوم** یہ عائد الی الموصول ہے، **أي :بحصة ما أداه من النجوم يعطى دية حر، وبحصة ما بقى دية عبد.**

''دیت یا میراث کا مستحق ہو جائے'' کا مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی مکاتب کسی دیت یا کسی میراث کا حقدار ہو جائے تو اس دیت یا میراث میں سے اس کو اسی قدر ملے گا جس قدر وہ آزاد ہوا ہے اس کو مثال کے طور پر یوں سمجھا جاتا ہے کہ زید کسی شخص کا غلام تھا اس کے مالک نے اس کو مکاتب کیا اور زید نے ابھی اپنے بدل کتابت میں سے آدھا ہی حصہ اپنے مالک کو ادا کیا تھا کہ اس کا باپ مر گیا جو ایک آزاد شخص تھا لیکن اس نے اپنے اس مکاتب بیٹے یعنی زید کے علاوہ اور کوئی وارث نہیں چھوڑا تو اس صورت میں زید اپنے مرحوم باپ کی وراثت میں صرف آدھے حصہ کا حقدار ہوگا۔

یا مثلاً اس مکاتب نے اپنے بدل کتابت میں سے آدھا حصہ اپنے مالک کو ادا کیا تھا کہ کسی نے اس (زید) کو قتل کر دیا تھا' اس صورت میں قاتل اس مکاتب کے آدھے آزاد حصہ کی دیت تو اس کے ورثاء کو ادا کرے گا اور اس کے آدھے غلام حصہ کی دیت جو اس کی قیمت کا بھی آدھا حصہ ہے' اس کے مالک کو ادا کرے گا' مثلاً بکر نے اپنے غلام زید کو ایک ہزار کے بدلے مکاتب کیا ویسے زید غلام ہونے کی حیثیت سے سو روپے کی قیمت کا تھا' مکاتب ہونے کے بعد زید اپنے مالک بکر کو اپنے بدل کتابت کے مقررہ ایک ہزار روپے میں سے پانچ سو روپے ہی ادا کر پایا تھا کہ کسی شخص نے اس کو قتل کر دیا' اس صورت میں قاتل زید کے ورثاء کو پانچ سو روپے ادا کرے گا جو اس کی آزادی کی قیمت (یعنی بدل کتابت) کا نصف حصہ ہے اور اس کے ساتھ ہی اس کے مالک بکر کو پچاس روپے ادا کرے گا جو اس کی اصل قیمت کا نصف حصہ ہے۔

قاضیؒ فرماتے ہیں یہ حدیث دلیل ہے کہ مکاتب اپنے بدل کتابت میں سے جو مقدار مالک کو ادا کر دے گا اس کے بقدر وہ آزاد ہو جائے گا اور جو مقدار ادا نہیں کرے گا اس کے بقدر غلام رہے گا اور پچھلی حدیث اسی مفہوم پر دلالت کرتی ہے چنانچہ اس حدیث پر صرف امام نخعیؒ نے عمل کیا ہے باوجودیکہ یہ حدیث ضعیف ہے اور نا صرف یہ کہ اس کو کسی مسلک کی بنیاد نہیں بنایا جا سکتا بلکہ یہ ان دونوں صحیح حدیثوں کے معارض بھی ہے جو اس سے پہلے بروایت عمرو بن شعیب عن ابیہ عن جدہ نقل ہو چکی ہیں جن سے یہ بات بصراحت ثابت ہوتی ہے کہ مکاتب کے ذمہ جب تک بدل کتابت کا کچھ حصہ بھی باقی رہے گا وہ غلام ہی رہے گا۔

وفي رواية له قال :

عرضِ مرتب:

مرقات کی عبارت سے پتہ چلتا ہے کہ بعض نسخوں میں "قال" موجود نہیں ہے، اھ۔

الفصل الثالث:

مالی عبادت کا ثواب میت کو پہنچتا ہے

۳۴۰۳: عَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ اَبِیْ عُمْرَةَ الْاَنْصَارِیِّ اَنَّ اُمَّهٗ اَرَادَتْ اَنْ تُعْتِقَ فَاَخَّرَتْ ذٰلِكَ اِلٰی اَنْ تُصْبِحَ فَمَاتَتْ قَالَ عَبْدُ الرَّحْمٰنِ فَقُلْتُ لِلْقَاسِمِ بْنِ مُحَمَّدٍ اَیَنْفَعُهَا اَنْ اُعْتِقَ عَنْهَا فَقَالَ الْقَاسِمُ اَتٰی سَعْدُ بْنُ عُبَادَةَ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فَقَالَ اِنَّ اُمِّیْ هَلَكَتْ فَهَلْ یَنْفَعُهَا اَنْ اَعْتِقَ عَنْهَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ نَعَمْ (رواه مالك)

اخرجه مالك فی الموطأ ۷۷۹/۲ الحدیث رقم ۱۳ من كتاب العتق۔

ترجمہ: "حضرت عبدالرحمٰن بن ابو عمرہ انصاری (تابعی) کے بارے میں منقول ہے کہ ان کی والدہ نے (ایک دن) غلام کو آزاد کرنے کا ارادہ کیا مگر انہوں نے (اگلی) صبح تک اس ارادے (کی تکمیل) کو مؤخر کر دیا کہ (اچانک) اس دنیا سے رخصت ہو گئیں۔ عبدالرحمٰن کہتے ہیں کہ میں نے حضرت قاسم بن محمد سے (اس صورت حال کو ذکر کیا اور ان سے پوچھا کہ اگر میں اپنی والدہ کی طرف سے (غلام کو) آزاد کروں تو کیا اس سے ان کو فائدہ پہنچے گا؟ حضرت قاسمؒ نے فرمایا کہ (ایک مرتبہ) حضرت سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ میری والدہ کا (اچانک) انتقال ہو گیا ہے' اگر میں ان کی طرف سے غلام آزاد کروں تو کیا اس سے ان کو فائدہ پہنچے گا؟ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: "ہاں فائدہ پہنچے گا"۔ (مالک)

حالاتِ راوی:

عبدالرحمٰن بن ابی عمرة۔ نام عبدالرحمٰن بن ابی عمرہ ہے۔ ابو عمرہ کا نام "عمرو بن محصن" ہے۔ یہ انصاری اور بخاری ہیں۔ مدینہ کے قاضی تھے۔ ثقہ تابعین میں سے ہیں۔ بعض کہتے ہیں کہ "قرشی" ہیں "مضطرب الحدیث" ہیں۔ ان میں ان کی حدیثیں مشہور ہیں۔ انہوں نے اپنے والد عمرو ابن محصن، عثمان اور ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ سے روایت کی اور ان سے ایک جماعت نے روایت کی۔

تشریح: فاخرت ذلك: کا مشار الیہ "الا عتاق" ہے۔

أن أعتق ہمزہ کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ أى اعتاقى ("ان" نے فعل کو بتاویل مصدر کر دیا ہے)

اسنادی حیثیت: حدیث مرسل ہے۔

۳۴۰۴: وَعَنْ يَحْيَى بْنِ سَعِيْدٍ قَالَ تُوُفِّيَ عَبْدُالرَّحْمٰنِ بْنُ اَبِيْ بَكْرٍ فِيْ نَوْمٍ نَامَهٗ فَاَعْتَقَتْ عَنْهُ عَائِشَةُ اُخْتُهٗ رِقَابًا كَثِيْرَةً (رواه مالك)

اخرجه مالك فى الموطأ ۷۷۹/۲ الحديث رقم ۱۴ من كتاب العتق۔

ترجمہ: "اور حضرت یحیٰ بن سعید (تابعی) کہتے ہیں کہ حضرت عبدالرحمٰن بن ابوبکر رضی اللہ عنہ سوئے ہوئے تھے کہ اسی سونے کی حالت میں (اچانک) انتقال کر گئے' چنانچہ حضرت عائشہؓ جو اُن کی بہن تھیں ان کی طرف سے بہت سے بردے آزاد کئے"۔ (مالک)

تشریح: فى نوم نامه :جملہ محل جر میں "نوم" کی صفت مؤکدہ ہے۔

حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے جو بہت سے بردے آزاد کئے ان کا سبب یا تو یہ تھا کہ حضرت عبدالرحمٰن رضی اللہ عنہ پر کسی وجہ سے بردے آزاد کرنے واجب ہوں گے جس پر وہ اپنی زندگی میں عمل نہ کر سکے اور پھر ناگہانی موت کی وجہ سے اس کی وصیت بھی نہ کر سکے۔ چنانچہ حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا نے از خود ان کی طرف سے بردے آزاد کر دیئے' یا پھر یہ کہ بعض حالات میں ناگہانی موت کو اچھا نہیں سمجھا جاتا' ظاہر ہے کہ اس صورت میں عائشہ رضی اللہ عنہا بہت زیادہ غمگین ہوئی ہوں گی' اس لئے انہوں نے بہت سارے بردے آزاد کئے تاکہ اس صورت میں نقصان کا تدارک ہو سکے۔

غیر مشروط طور پر غلام خریدنے والا اس غلام کے مال کا حقدار نہیں ہوگا کا بیان

۳۴۰۵: وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ عُمَرَ رضی اللہ عنہما قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ مَنِ اشْتَرٰى عَبْدًا فَلَمْ يَشْتَرِطْ مَالَهٗ فَلَا شَيْءَ لَهٗ۔

(رواه الدارمى)

اخرجه الدارمى فى السنن ۳۳۰/۲ الحديث رقم ۲۵۶۱۔

ترجمہ: "اور حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جس شخص نے کوئی غلام خریدا' اس کے مال کی شرط (خریدتے وقت) قائم نہ کی تو اس (خریدنے والے) کو (اس غلام کے مال میں سے) کچھ بھی نہیں ملے گا"۔ (دارمی)

تشریح: قوله : مَنِ اشْتَرٰی عَبْدًا فَلَمْ یَشْتَرِطْ مَالَهٗ فَلَا شَیْءَ لَهٗ :

ما له : اضافت ادنیٰ ملابست کی وجہ سے ہے۔ ملابست بایں طور ہے کہ وہ مال غلام کے ہاتھ میں ہے، غلام کے تصرف میں ہے۔

مطلب یہ ہے کہ کسی شخص نے غلام کو خریدا اور خریداری میں اس مال کی شرط نہ لگائی جو غلام کے پاس ہے تو وہ اس مال کا حقدار نہیں ہوگا کیونکہ وہ مال تو دراصل اس مالک کی ملکیت ہے جس سے اس نے غلام کو خریدا ہے۔

كِتَابُ الْاَيْمَانِ وَالنُّذُوْرِ

قسموں اور نذروں کا بیان

یمین ونذر میں مشابہت:

"نذر" کو"ایمان" کے ساتھ ذکر کیا ہے، چونکہ بعض صورتوں میں یمین ونذر دونوں کا حکم ایک ہی ہوتا ہے۔ قال عليه الصلوة والسلام : من نذر نذرا ولم يسمه فكفارته كفارة يمين۔ اس حدیث کو امام ابو داوٗد رحمہ اللہ نے ابن عباس رضی اللہ عنہما کے حوالے سے نقل کیا ہے۔

لفظ"ایمان" کی لغوی تحقیق:

أيمان :ہمزہ کے فتح کے ساتھ ہے،"یمین" کی جمع ہے،"یسار" کا متضاد ہے۔لفظ یمین اپنے تمام معانی میں مؤنث مستعمل ہے۔اس کی ایک جمع أيمن آتی ہے،جیسا کہ"رغيف "اور"أرغف"۔ أيم اس کی مخفف حالت ہے،کوفیوں کا کہنا ہے کہ ہمزہ قطعی ہے،زجاج کا مذہب بھی یہی ہے۔سیبویہ کے نزدیک یہ ایک مستقل کلمہ ہے۔جس کی وضع قسم کے لئے ہے،یہ کسی کی جمع نہیں ہے،اور ہمزہ وصلی ہے۔

نذر کی اصطلاحی تعریف:

امام راغب" لکھتے ہیں:النذر أن توجب على نفسك ما ليس بواجب بحدوث أمر کہا جاتا ہے :نذرت لله نذرا، قرآن مجید میں ہے:[انى نذرت اللرحمٰن صوما [مریم:٢٦]

عرضِ مرتب:

صاحب"القاموس الفقهي " لکھتے ہیں:في الشرع :التزام المكلف شيئا لم يكن عليه منجزا أو معلقا.(ابن

حجر)۔

''یمین'' کی اصطلاحی تعریف:

تقوية أحد طرفي الخبر بذكر اسم الله تعالٰى أو التعليق. اليمين عبارة عن تاكيد الأمر وتحقيقه بذكر اسم الله، أو بصفة من صفاته عز وجل (طلبة الطلبه)۔

اليمين عبارة عن عقد قوى به عزم الحالف على الفعل، أو الترك (التمر تاشي) عند الفقهاء يشتمل التعليق أيضًا. وهو ربط حصول جملة بحصول مضمون جملة أخرى.(ابن عابدین)

قسم کی قسمیں اور ان کے احکام:

قسم کی تین قسمیں ہیں :(۱)غموس(۲)لغو۔(۳)منعقدہ۔

''یمین غموس'' اس قسم کو کہتے ہیں کہ کسی گزشتہ یا حالیہ بات پر جھوٹی قسم کھائی جائے' مثلاً یوں کہا جائے'' خدا کی قسم'' میں نے یہ کام کیا تھا' حالانکہ واقعتاً'' وہ کام نہیں کیا تھا یا یوں کہا جائے'' خدا کی قسم میں نے یہ کام نہیں کیا تھا'' حالانکہ واقعتاً وہ کام کیا گیا تھا! اسی طرح مثلاً زید نے یہ کہا کہ خدا کی قسم! خالد کے ذمہ میرے ہزار روپے ہیں یا خدا کی قسم! میرے ذمہ خالد کے ہزار روپے نہیں ہیں حالانکہ حقیقت میں خالد کے ذمہ اس کے ہزار روپے نہیں ہیں یا اس کے ذمہ خالد کے ہزار روپے ہیں۔

غموس کا حکم:

غموس کا حکم یہ ہے کہ اس طرح جھوٹی قسم کھانے والا شخص گناہ گار ہوتا ہے' لیکن اس پر کفارہ واجب نہیں ہوتا البتہ توبہ و استغفار ضروری ہوتا ہے۔

''لغو'' اس قسم کو کہتے ہیں جو کسی گزشتہ یا حالیہ بات پر کھائی جائے اور قسم کھانے والے کو یہ گمان ہو کہ وہ اسی طرح ہے جس طرح میں کہہ رہا ہوں لیکن واقعہ کے اعتبار سے وہ بات اس طرح نہ ہو جس طرح وہ کہہ رہا ہے۔ مثلاً کوئی شخص یوں کہے کہ'' واللہ! یہ کام میں نے نہیں کیا تھا'' حالانکہ اس شخص نے یہ کام کیا تھا مگر اس کو یہی گمان ہے کہ میں نے کام نہیں کیا ہے! یا اس شخص نے دور سے کسی شخص کو دیکھا اور کہا کہ خدا کی قسم! یہ زید ہے حالانکہ وہ زید نہیں تھا بلکہ خالد تھا لیکن یہ قسم اس شخص نے یہی گمان کر کے کھائی تھی کہ وہ زید ہے۔ قسم کی اس نوعیت کا حکم یہ ہے کہ اس طرح کھانے والے کے بارے میں امید یہی ہے کہ اس سے مواخذہ نہیں ہوگا۔

''منعقدہ'' اس قسم کو کہتے ہیں کہ کسی آئندہ کام کے کرنے یا نہ کرنے کے بارے میں قسم کھائی جائے' اس کا حکم یہ ہے کہ اگر قسم کے خلاف کیا جائے گا تو کفارہ واجب ہوگا۔ مثلاً زید نے یوں کہا کہ خدا کی قسم میں آنے والی کل میں خالد کو سو روپے دوں گا۔ اب اگر اس نے آنے والی کل میں خالد کو سو روپے نہیں دیئے تو اس پر قسم توڑنے کا کفارہ واجب ہوگا۔

یمین منعقدہ کی چند قسمیں:

منعقدہ قسم کی بعض صورتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں قسم کا پورا کرنا واجب ہوتا ہے' جیسے فرائض کے کرنے یا گناہ کو ترک کرنے کی قسم کھائی جائے' مثلاً یوں کہا جائے کہ خدا کی قسم! میں ظہر کی نماز پڑھوں گا یا خدا کی قسم میں زنا کرنا چھوڑ دوں گا ان صورتوں میں قسم کو پورا کرنا واجب ہے۔

بعض صورتیں ایسی ہوتی ہیں جن میں قسم کو پورا نہ کرنا واجب ہوتا ہے جیسے کوئی نادان کسی گناہ کو کرنے یا کسی واجب پر عمل نہ کرنے کی قسم کھائے تو اس قسم کو توڑنا ہی واجب ہے۔ اسی طرح منعقدہ قسم کی بعض صورتوں میں قسم کو توڑنا واجب تو نہیں ہوتا مگر بہتر ہوتا ہے جیسے کوئی یوں کہے کہ "خدا کی قسم! میں کسی مسلمان سے ملاقات نہیں کروں گا" تو اس قسم کو پورا نہ کرنا بہتر ہے ان کے علاوہ اور صورتوں میں محافظت قسم کے پیش نظر قسم کو پورا کرنا افضل ہے۔

وجوب کفارہ کے سلسلے میں یہ ذہن نشین رہنا چاہئے کہ "منعقدہ" قسم توڑنے پر بہر صورت کفارہ واجب ہوتا ہے۔ قسم خواہ قصداً کھائی گئی ہو اور خواہ قسم کھانے والے کو قسم کھانے یا قسم توڑنے پر زبردستی مجبور کیا گیا ہو۔

۲۔ قسم کا کفارہ۔

قسم توڑنے کا کفارہ یہ ہے کہ ایک غلام کو آزاد کیا جائے' یا دس مسکینوں کو کھانا کھلایا جائے۔ ان دونوں ہی صورتوں میں ان شرائط و احکام کو سامنے رکھا جائے جو کفارۂ ظہار میں بردہ کو آزاد کرنے یا مسکینوں کو کھانا کھلانے کے سلسلے میں منقول ہیں اور یا دس مسکینوں کو پہننے کا کپڑا دیا جائے اور ان میں سے ہر ایک کو ایسا کپڑا دیا جائے جس سے بدن کا اکثر حصہ چھپ جائے' لہٰذا اگر صرف پاجامہ دیا جائے گا تو یہ کافی نہیں ہوگا اور اگر کوئی شخص ان تینوں صورتوں میں سے کسی ایک صورت پر بھی قادر نہ ہو یعنی نہ تو غلام آزاد کر سکتا ہو' نہ دس مسکینوں کو کھانا کھلا سکتا ہو اور نہ دس مسکینوں کو لباس دے سکتا ہو تو پھر وہ تین روزے پے در پے رکھے۔

قسم توڑنے سے پہلے کفارہ دے دینا جائز ہے' کافر کی قسم میں کفارہ واجب نہیں ہوتا اگرچہ وہ حالت اسلام میں اس قسم کو توڑے۔ اسی طرح چونکہ بچے' سوئے ہوئے شخص اور دیوانے کی قسم' سرے سے صحیح ہی نہیں ہوتی اس لئے ان پر قسم توڑنے کا کفارہ بھی واجب نہیں ہوتا۔

امام شعبی اور مسروق رحمہ اللہ سے یمین لغو کی تعریف یوں مروی ہے، **لغو اليمين أن يحرم على نفسه ما أحل الله له من قول أو عمل.**

صاحب کشاف لکھتے ہیں: **اللغو: الساقط الذى لا يعتد به من كلام غيره. واللغو فى اليمين الذى لا عقد معه. والدليل عليه ﴿ولكن يؤاخذكم بما عقدتم الأيمان﴾**

عرضِ مرتب:

یہاں پر بندہ نے کچھ مزید تفصیل درج کرنا مناسب سمجھا' جو کہ درج ذیل ہے:

قسم تین طرح کی ہے:

① غموس:

کسی گزشتہ بات پر یا حالیہ بات پر قصداً جھوٹی قسم اٹھائے مثلاً کہے کہ اللہ کی قسم میں نے یہ کام کیا تھا یا نہ کیا تھا یا کہے کہ زید کے میرے ذمہ ایک ہزار درہم ہیں یا نہیں ہیں حالانکہ وہ جھوٹ بول رہا تھا۔

② یمین غموس کا حکم:

اس قسم کا اٹھانے والا گنہگار ہوگا۔ البتہ اس پر کفارہ وغیرہ کچھ بھی نہ ہوگا۔ البتہ گناہ ہونے کی وجہ سے توبہ لازم ہے۔

③ یمین لغو:

ماضی یا حال پر اپنے گمان کے مطابق قسم اٹھائے کہ اسی طرح ہے حالانکہ حقیقت میں اس طرح نہ ہو مثلاً کہے کہ اللہ کی قسم میں نے اس طرح کیا حالانکہ اس نے اس طرح نہ کیا تھا۔ اس کا اپنا گمان اس کے متعلق قسم کے مطابق ہے۔ یا اس نے دور سے ایک شخص کو دیکھا اور کہنے لگا اللہ کی قسم یہ زید ہے اس کو اپنے گمان میں زید سمجھا حالانکہ وہ عمرو ہے۔

حکم: اس کے متعلق امید ہے کہ وہ پکڑا نہ جائے گا اور گناہ نہ ہوگا۔

④ یمین منعقدہ:

یہ ہے کہ زمانہ مستقبل میں ایک کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم اٹھائے کہ میں آئندہ یہ کام کروں گا یا یہ کام نہیں کرونگا۔

حکم:

اگر قسم کے خلاف کرے گا تو کفارہ لازم ہوگا اور قسم پوری ہو جائے گی۔

یمین منعقدہ کی بعض اقسام کو پورا کرنا لازم ہے:

مثلاً کوئی آدمی قسم کھائے کہ وہ فرائض ادا کرے گا یا گناہوں کو ترک کرے گا یا زنا نہ کرے گا تو اس قسم کا پورا کرنا فرض ہے۔

جن کا توڑنا واجب ہے:

ان میں سے بعض قسموں کا توڑنا واجب ہے۔ مثلاً وہ قسم کھائے کہ وہ فلاں گناہ کرے گا یا فلاں واجبات کو ترک کرے گا تو ایسی قسموں کو توڑنا ضروری ہے۔

جن کا توڑنا بہتر ہے:

مثلاً کسی نے قسم کھائی کہ میں فلاں مسلمان سے ملاقات نہ کروں گا حالانکہ وہ شخص اچھا مسلمان ہے تو ایسی قسموں کا توڑنا بہتر ہے۔

جن کا پورا کرنا افضل ہے:

ان کے علاوہ باقی قسموں کا پورا کرنا افضل ہے تا کہ قسم کی حفاظت ہو اور اللہ تعالیٰ کے نام کی عظمت دل میں قائم رہے۔

کفارہ کا حکم:

قسم کھانے والا جان بوجھ کر قسم توڑے یا بھول کر یا زبردستی کی جائے خواہ قسم کھانے میں یا توڑنے میں کفارہ بہر صورت لازم ہوگا۔ قسم کا کفارہ یہ ہے کہ دس مساکین کو کپڑا دے ہر مسکین کو اتنا کپڑا دے جو اس کا تمام بدن ڈھانپ لے یہی صحیح ہے۔ فقط چادر دینا کافی نہیں ہے یا دس مساکین کو دو وقت کھانا کھلائے یا گردن آزاد کرے اگر ان تینوں سے عاجز ہو جائے تو پھر تین دن کے روزے رکھے جو کہ مسلسل ہوں۔

قسم کے توڑنے سے پہلے کفارہ دینا لازم نہیں' لہٰذا اگر کسی نے حانث ہونے سے پہلے کفارہ ادا کر دیا پھر وہ حانث ہوا تو اس کو نئے سرے سے کفارہ ادا کرنا لازم ہے۔ اگر کوئی کافر کفر کی حالت میں قسم اٹھائے پھر اسلام لے آئے اور قسم توڑ ڈالے تو اس پر کوئی کفارہ نہیں۔

جن کی قسم کا اعتبار نہیں ہے:

لڑکے (نابالغ) دیوانے' سونے والے کی قسم کا اعتبار نہیں۔

حروف قسم:

واؤ' باء' تاء ہیں مثلاً واللہ' باللہ' تاللہ۔

بعض اوقات حروف قسم مقدر ہوتے ہیں یعنی لفظوں میں موجود نہیں ہوتے مثلاً اللّٰہ افعله یعنی و اللّٰہ افعله۔

قسم کی شرط:

(۱) اللہ تعالیٰ اور اس کے اسمائے گرامی میں سے کسی کے ساتھ قسم ہوتی ہے۔ مثلاً رحمان' رحیم' حق وغیرہ۔ قسم میں نیت کی حاجت نہیں۔ (۲) البتہ جو نام اللہ تعالیٰ کی ذات کے سوا اوروں پر بھی بولے جاتے ہیں ان میں نیت کی ضرورت ہوگی مثلاً علیم' حکیم' رؤف رحیم۔ (۳) اسی طرح ایسی صفات باری تعالیٰ سے بھی قسم ہو جاتی ہے جو عرفاً قسم کے لئے استعمال ہوتے ہیں مثلاً

عزۃ اللہ' جلال اللہ' کبریائی باری تعالیٰ' عظمت اللہ' قدرت اللہ وغیرہ۔(۴) ان صفات سے قسم نہیں ہوگی جن سے عرفاً قسم نہیں کھائی جاتی مثلاً رحمت' علم' رضا' غضب' عذاب اللہ وغیرہ۔(۵) غیر اللہ کی قسم جائز نہیں مثلاً باپ' دادا' قرآن' انبیاء کرام' ملائکہ' کعبہ' نماز' روزہ' زمزم' تمام شرائع اور ان کی مانند۔

نوٹ: قرآن کے متعلق درمختار میں لکھا ہے کہ اگر عرف میں قرآن مجید کی قسم کھائی جاتی ہے تو صفت باری تعالیٰ (کلام اللہ) کی حیثیت سے قسم تسلیم کی جائے گی۔

چند الفاظ قسم:

لعمر اللہ: قسم ہے اسی طرح یوں کہا جائے سوگند خدا' یا خدا کی سوگند کھاتا ہوں یا یوں کہے عہد اللہ' میثاق اللہ کی قسم کھاتا ہوں۔ حلف اٹھاتا ہوں' حلف کرتا ہوں۔ اشہد کا لفظ خواہ لفظ اللہ کے بغیر بولے۔ مجھ پر نذر ہے' یمین ہے یا عہد ہے اگرچہ ان کی اضافت لفظ اللہ کی طرف نہ کرے۔ اگر کوئی اس طرح کہے کہ اگر یہ کام وہ کرے تو وہ کافر ہو یا یہودی ہو یا عیسائی یا وہ اللہ تعالیٰ سے بیزار و بری ہو۔ اگر اس قسم کی خلاف ورزی کرے گا تو کافر نہ ہوگا (اس مسئلہ کی تفصیل حدیث کے فوائد میں لکھی جائے گی) خواہ وہ زمانہ گزشتہ کی قسم اٹھائے یا آئندہ کی اور اگر وہ جانتا ہے کہ یہ قسم ہے اور وہ سمجھتا ہو کہ اس کا کھانا کفر ہے۔ پھر بھی اس نے اٹھالی تو پھر کافر ہو جائے گا کیونکہ وہ کفر پر راضی ہوا۔

یہ کہنا قسم نہیں:

(۱) اگر فلاں کام کرے تو اس پر اللہ تعالیٰ کا غضب ہے یا اللہ تعالیٰ کی لعنت ہے یا وہ زانی ہے یا چور ہے یا شراب پینے والا ہو یا سود خور ہو۔(۲) حقاً للہ یا حق اللہ یہ کام نہ کروں گا یہ قسم نہ بنے گا البتہ امام ابو یوسفؒ اس کو قسم مانتے ہیں۔(۳) یہ بھی قسم نہیں کہ جو کہے میں اللہ تعالیٰ کی قسم کھاؤں یا بیوی پر طلاق کی قسم ہے یہ قسم نہ بنے گی۔(۴) اگر کوئی شخص اپنی کسی مملوکہ چیز کو اپنے اوپر حرام کرلے تو وہ چیز حرام نہ ہوگی البتہ اس کو استعمال کرنے کی صورت میں اس پر کفارہ لازم ہو جائے گا مثلاً کسی نے کہا کہ میں نے اپنے اوپر روٹی حرام کرلی اس طرح کہنے سے روٹی تو حرام نہ ہوگی۔ لیکن اگر وہ روٹی کھائے گا تو قسم کا کفارہ لازم ہوگا۔(۵) اگر کوئی شخص اس طرح کہے کہ تمام حلال اشیاء مجھ پر حرام ہیں تو اس کا اطلاق کھانے پینے کی جملہ اشیاء پر ہوگا یعنی اگر وہ کوئی حلال چیز استعمال کرلے گا تو اس پر قسم کا کفارہ لازم ہو جائے گا۔(۶) اسی طرح کہنے سے اس کی بیوی کو طلاق ہو جائے گی۔ خواہ اس نے نیت نہ کی ہو۔ اسی پر فتویٰ ہے۔(۷) اس طرح کہنا کہ حلال چیز مجھ پر حرام ہے۔ یا اس طرح کہنا کہ میں اپنے دائیں ہاتھ میں جو چیز لوں وہ مجھ پر حرام ہے۔ اس کا بھی اوپر والا حکم ہے۔(۸) اگر کوئی شخص اپنی قسم کے ساتھ ان شاء اللہ کہے تو وہ قسم توڑنے والا نہ بنے گا یعنی وہ قسم ہی نہ بنی اس کی مخالفت سے قسم کا ٹوٹنا اور کفارہ لازم ہونا چہ معنی دارد۔ (ملتقی الابحر)

نذر کی حقیقت و حکم

معنی نذر:

نذر و منت ایک ہی چیز کے دو نام ہیں یعنی ایسی چیز کو اپنے اوپر واجب کر لینا جو واجب نہیں تھی مثلاً کوئی اس طرح کہے کہ اے اللہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں پانچ روزے رکھوں گا"۔ (اب کام ہونے کی صورت میں پانچ روزے لازم ہو جائیں گے)

بعض علماء کا قول:

اہل علم تمام کے تمام اس بات پر متفق ہیں کہ نذر ماننا درست ہے اور اس کا پورا کرنا واجب ہے۔ بشرطیکہ وہ کسی گناہ کی چیز کی نذر نہ ہو اور نہ کسی گناہ کی نذر ہو۔ اگر کسی نے گناہ کی نذر مانی تو وہ نذر امام شافعیؒ جمہور علماء کے ہاں درست نہیں۔

امام ابوحنیفہ واحمد رحمۃ اللہ علیہما کا قول:

گناہ کی نذر درست نہ ہوگی البتہ ایسی نذر ماننے والے پر قسم کا کفارہ لازم ہوگا کیونکہ آپ کا ارشاد گرامی ہے: **لا نذر فی معصیۃ و کفارتہ کفارۃ یمین**۔ معصیت کی نذر نہیں اور اس کا کفارہ قسم والا ہے۔

(کذا فی المرقات لعلی القاری)

صاحب ملتقی کا قول:

جس آدمی نے مطلق نذر مانی یعنی اپنی نذر کو کسی شرط سے مشروط نہیں کیا مثلاً اس طرح کہا "میں رضائے الٰہی کے لئے روزے رکھوں گا یا اس طرح کی نذر مانی جو کسی شرط سے معلق ہو اور وہ شرط بھی اس طرح کی ہو کہ وہ اس کے پورا ہونے کی تمنا اور خواہش رکھتا ہو اور اس کا ارادہ ہو کہ وہ پوری ہو مثلاً یوں کہے کہ اگر میں صحت یاب ہوا تو روزے رکھوں گا"۔ پھر ارادہ پورا ہو جائے یعنی اسے صحت حاصل ہو جائے تو ان دونوں صورتوں میں حکم یکساں ہے کہ نذر کا پورا کرنا لازم ہے۔ اگر اس نے اپنی نذر کو کسی ایسی شرط کے ساتھ معلق کیا ہے جس کے پورا ہونے کی وہ خواہش نہیں رکھتا مثلاً اس طرح کہتا ہے کہ اگر میں زنا کروں تو مجھ پر غلام آزاد کرنا لازم آئے۔ اس صورت میں اسے اختیار حاصل ہوگا کہ خواہ وہ قسم کا کفارہ ادا کرے یا نذر کو پورا کرے یعنی غلام آزاد کرے۔

نذر کے بقیہ مسائل واحکام تو کتب فقہ اور فتاویٰ جات میں ملاحظہ کئے جا سکتے ہیں خصوصاً فتاویٰ عالمگیریہ میں تفصیل سے مذکور ہیں۔

مائۃ مسائل کا شاندار اقتباس

اللہ تعالیٰ کے علاوہ اور کسی کی نذر ماننا جائز نہیں ہے نہ کسی نبی کی' نہ فرشتے کی اور نہ اولیاء کرام اور نہ کسی اور کی مثلاً اس طرح کہنا کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو مولود پڑھاؤں گا یا فلاں کام ہو گیا تو فلاں بزرگ کے مزار پر چادر چڑھاؤں گا یا اگر فلاں کام ہو گیا تو مولیٰ مشکل کشا کا روزہ رکھوں گا وغیرہ۔ غیر اللہ کی نذر ماننا بڑا گناہ ہے۔ اس اہمیت کے پیش نظر مولانا شاہ محمد اسحاق ؒ کی کتاب مائۃ مسائل کا ایک اقتباس ذیل میں زیب قرطاس کیا جا رہا ہے کیونکہ وہ اس سلسلہ میں نہایت جامع ہے۔

حضرت ارقام ؒ فرماتے ہیں کہ اس طرح نذر ماننا کہ اگر میرا فلاں کام پورا ہو گیا تو میں فلاں بزرگ کے مزار پر اتنے روپے یا اتنے کھانے چڑھاؤں گا یہ جائز نہیں کیونکہ اللہ تعالیٰ کی نذر ماننے میں چند شرائط کا پایا جانا ضروری ہے ورنہ وہ نذر شرائط کے پورا نہ ہونے کی وجہ سے صحیح نہ ہوگی۔

شرط اول:

وہ نذر ایسی چیز کی ہو جس کی جنس شرعی طور پر لازم ہو (مثلاً نماز' روزہ وغیرہ) چنانچہ اگر کوئی شخص عیادت مریض کی نذر مان لے (کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں فلاں' فلاں مریض کی عیادت کروں گا) تو اس کی یہ نذر درست نہ ہوگی کیونکہ مریض کی عیادت یہ ایسی جنس سے نہیں ہے جو شرعی طور پر واجب ہو۔

دوسری شرط:

جس چیز کی نذر مانی جائے وہ فی الحال بھی واجب نہ ہو اور نہ کسی دوسرے موقعہ پر واجب ہو مثلاً نماز پنجگانہ۔

تیسری شرط:

جس چیز کی نذر مانی جائے وہ عبادت مقصودہ سے ہو' صرف دوسری عبادت کا ذریعہ ہی نہ ہو مثلاً وضو کرنا اس کی نذر درست نہیں کیونکہ وضو عبادت مقصودہ نہیں ہے بلکہ عبادت مقصودہ کا ذریعہ ہے۔

چوتھی شرط:

جو چیز نذر کرے وہ گناہ نہ ہو۔ (فتاوی عالمگیری)

ان شرائط سے معلوم ہوا کہ (۱) اس طرح نذر کرنا کہ میں فلاں ولی کے مزار پر اتنی مقدار میں نقدی یا کھانا پکا کر پہنچاؤں گا یہ درست نہیں۔ اس لئے کہ نقد اور طعام کا کسی جگہ پہنچانا عبادت نہیں ہے۔ البتہ اگر اس طرح کہے گا کہ اگر اللہ تعالیٰ میری حاجت پوری کر دیں گے تو فلاں ولی کے خدام فقراء کو کھانا کھلاؤں گا تو اس صورت میں نذر صحیح ہوگی اور اس کا پورا کرنا لازم ہوگا لیکن ولی کے مزار کے خدام اور فقراء کی تخصیص لازم نہیں جس فقیر کو دے گا نذر ادا ہو جائے گی۔

(۴) اگر اس طرح کہے کہ اگر میری فلاں ضرورت پوری ہوگئی تو فلاں ولی کے نام پر یا فلاں بزرگ کے لئے اتنا نقد روپیہ یا اتنا کھانا دوں گا یہ نذر باطل ہے اور اس پر سب کا اجماع ہے اور اس کھانے کو استعمال کرنا حرام ہے چنانچہ صاحب بحرالرائق نے اس طرح تحریر فرمایا ہے جس کا ترجمہ تحریر کیا جاتا ہے:

اور جہاں تک نذر کا تعلق ہے جیسا کہ عام دیکھنے میں آیا عام طور پر نادان لوگ اس طرح نذر مان لیتے ہیں کہ اگر کسی شخص کا کوئی عزیز غائب ہو یا بیمار ہو یا اس کی کوئی خاص حاجت ہو تو وہ کسی نیک صالح آدمی کے مزار پر آتا ہے اور مزار کا پردہ اپنے سر پر ڈال کر یا قبر کی چادر پکڑ کر اس طرح کہتا ہے اے میرے فلاں بزرگ! اگر میرا فلاں عزیز جو کہ گم ہو گیا ہے واپس آ گیا یا بیماری سے صحت یاب ہو گیا یا میرا فلاں مقصد پورا ہو گیا تو میں آپ کے مزار پر بطور نذر اتنی مقدار میں سونا یا اتنی مقدار میں چاندی چڑھاؤں گا یا اتنی مقدار میں کھانا بطور چڑھاوے کے یا پانی بطور چڑھاوے کے یا اتنی مقدار میں شمعیں یا ان کا تیل بطور چڑھاوے کے دوں گا تو اس طرح کی نذر باتفاق باطل ہے اور اس کے باطل ہونے کے کئی اسباب ہیں۔

پہلا سبب:

یہ غیر اللہ کی نذر ہے اور غیر اللہ کی نذر جائز نہیں کیونکہ نذر تو عبادت ہے اور مخلوق عبادت کے لائق نہیں۔

دوسرا سبب:

جس کے نام کی نذر مانی گئی ہے وہ بے جان ہے اور بے جان مالک نہیں ہوتا۔

تیسرا سبب:

اگر ایسی نذر ماننے کے وقت یہ گمان تھا کہ اللہ کے علاوہ یہ صاحب مزار بندوں کے معاملات میں تصرف کا اختیار رکھتا ہے تو ایسا اعتقاد کفر ہے فلہٰذا اے اللہ! اس طرح نذر ماننے کی بجائے تو ہمیں اس طرح نذر ماننے کی توفیق دے کہ اے اللہ میں نذر مانتا ہوں کہ تو اگر میرے مریض کو شفا بخش دے گا یا گم ہونے والا عزیز واپس کرا دے گا یا میری فلاں مراد کو تو پورا کر دے گا تو میں ان فقراء و خدام کو جو سیدہ نفیسہ کے مزار پر رہتے ہیں یا ان فقراء و خدام کو جو امام شافعیؒ، امام ابواللیثؒ کی قبور کے پاس رہتے ہیں ان کو میں کھانا کھلاؤں گا یا ان کی مساجد کے لئے ٹاٹ' چٹائیاں' قالین یا ان کی مساجد کی روشنی کے لئے تیل خرید کر دوں گا یا میں ان لوگوں کو جو ان صالحین کی مسجدوں میں خدمت کرتے اور شعائر کو قائم رکھتے ہیں ان کو اتنے روپے دوں گا یا ان میں سے کسی ایسی چیز کا ذکر کرے جس میں فقراء اور مساکین کا نفع ہو وہ چیز میں فقراء و مساکین کو مہیا کروں گا۔ تو اس طرح کی نذر در حقیقت اللہ تعالیٰ کے لئے ہوگی اور بزرگ کا تذکرہ یا اس کے خدام کا تذکرہ نذر کے مصرف کے طور پر ہوگا۔

نذر کا مصرف وہ مستحق لوگ ہیں جو ان بزرگوں کی خانقاہ یا مسجد یا ان کی جامع مسجد میں رہتے ہیں۔ پس یہ نذر درست ہوگی کیونکہ نذر کا مصرف فقراء ہیں اور وہ مصرف یہاں موجود ہے۔

نذر کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا مصرف غیر محتاج لوگ نہ ہوں اور نہ ہی کسی قریشی ہاشمی پر خرچ کیا جائے کیونکہ جب تک وہ محتاج نہ ہوں اس وقت تک انہیں نذر کی چیز لینا جائز نہیں۔ نذر کے لئے یہ بھی ضروری ہے کہ اس کا مصرف منصب والا شخص نہ ہو۔ جب تک کہ وہ محتاج نہ ہو اسی طرح یہ بھی ضروری ہے کہ اسے اہل علم پر ان کے علم کی وجہ سے نہ خرچ کیا جائے جب تک کہ وہ مستحق اور محتاج نہ ہوں۔

شریعت اسلام نے نذر کی ہوئی چیز کا صاحب استطاعت پر خرچ کرنا جائز قرار نہیں دیا نذر کے سلسلے میں اس بات پر علماء امت کا اجماع اور اتفاق ہے کہ مخلوق کی نذر ماننا حرام ہے اگر کوئی شخص کسی مخلوق یعنی بزرگ وغیرہ کی نذر مانے گا تو نہ وہ نذر صحیح ہے اور نہ اس کا پورا کرنا لازم ہے اور ایسی نذر صرف حرام ہی نہیں بلکہ رشوت کے حکم میں ہے اس لئے اس بزرگ کے خدام اور مجاورین کے لئے اس نذر کا لینا اور اس کا کھانا یا کوئی اور تصرف کرنا جائز نہیں۔

البتہ اگر خادم یا مجاور محتاج ہو اور اپنے ان نادار بچوں کے لئے کفالت کرنے والا ہو جو کمائی کے لائق نہیں اور وہ حالت اضطرار میں ہوں تب ان کو نذر کا مال ابتداءً صدقے کے طور پر لینا جائز ہے مگر اس میں بھی اس بات کا خیال رکھنا ہوگا کہ اس مال کو اس وقت تک لینا مکروہ ہے جب تک نذر کرنے والے کی نیت اس بزرگ کی نذر سے قطع نظر تقرب الی اللہ اور فقراء پر خرچ کرنے کی نہ ہو۔

پس اس تفصیل سے یہ معلوم ہوا کہ اولیاء اللہ کے تقرب حاصل کرنے کی نیت سے جو روپے سے شمعیں اور تیل وغیرہ ان کی قبور پر چڑھایا جاتا ہے وہ تمام مسلمانوں کے ہاں متفقہ طور پر حرام ہے جب تک کہ نذر ماننے والے فقراء پر خرچ کرنے کی نیت نہ کریں النہر الفائق اور الدر المختار میں بھی یہ مضمون بالکل بحر الرائق کی طرح منقول ہے۔ حضرت شاہ اسحٰق رحمہ اللہ کے مائۃ مسائل کا اقتباس مکمل ہوا۔

بحر الرائق کی عبارت:

وَاَمَّا النَّذْرُ الَّذِیْ یَنْذُرُہٗ اَکْثَرُ الْعَوَامِ عَلٰی مَا ھُوَ مُشَاھَدٌ کَاَنْ یَکُوْنَ الْاِنْسَانِ غَائِبٌ اَوْ مَرِیْضٌ اَوْلَہٗ حَاجَۃٌ ضَرُوْرِیَّۃٌ فَیَاتِی فِیْ بَعْضِ مَزَارَاتِ الصُّلَحَا فَیَجْعَلُ سِتْرَۃً عَلٰی رَاْسِہٖ وَیَقُوْلُ یَا سَیِّدِیْ فُلَانٌ اِنْ رَدَّ غَائِبِی اَوْ عُوْفِی مَرِیْضِیْ اَوْ قَضَیْتَ حَاجَتِیْ فَلَکَ مِنَ الذَّھَبِ کَذَا اَوْ مِنَ الْفِضَّۃِ کَذَا اَوْ مِنَ الطَّعَامِ کَذَا اَوْ مِنَ الْمَاءِ کَذَا اَوْ مِنَ الْقَمْحِ کَذَا اَوْ مِنَ الزَّیْتِ کَذَا فَھٰذِہِ النُّذُرُ بَاطِلٌ بِالْاِجْمَاعِ لِوُجُوْہٍ مِنْھَا اَنَّہٗ نَذْرٌ لِمَخْلُوْقٍ وَالنَّذْرُ لِلْمَخْلُوْقِ لَا یَجُوْزُ لِاَنَّہٗ عِبَادَۃٌ وَالْعِبَادَۃُ لَایَکُوْنُ لِمَخْلُوْقٍ وَمِنْھَا اَنَّ الْمَنْذُوْرَ لَہٗ مَیِّتٌ وَالْمَیِّتُ لَا یَمْلِکُ وَمِنْھَا اِنْ ظَنَّ اَنَّ الْمَیِّتَ یَتَصَرَّفُ فِی الْاُمُوْرِ دُوْنَ اللّٰہِ فَاعْتِقَادُہٗ بِہٖ ذٰلِکَ کُفْرٌ اَللّٰھُمَّ اِلَّا اَنْ یُّقَالَ یَا اللّٰہُ اِنِّیْ نَذَرْتُ لَکَ اِنْ شَفَیْتَ مَرِیْضِیْ اَوْ رَدَدْتَ غَائِبِیْ اَوْ قَضَیْتَ حَاجَتِیْ اَنْ اُطْعِمَ الْفُقَرَاءَ الَّذِیْنَ بِبَابِ السَّیِّدَۃِ نَفِیْسَۃَ اَوِ الْفُقَرَاءَ الَّذِیْنَ بِبَابِ الْاِمَامِ الشَّافِعِیِّ اَوِ الْاِمَامِ اَبِی اللَّیْثِ

اَوِ اشْتَرَى حَصِيْرًا لِمَسَاجِدِ هِمْ اَوْ زَيْتًا بِوُقُوْدِهَا اَوْ دَرَاهِمَ لِمَنْ يَقُوْمُ بِشَعَائِرِهَا اِلٰى غَيْرِ ذٰلِكَ مِمَّا يَكُوْنُ فِيْهِ النَّفْعُ لِلْفُقَرَاءِ وَالنَّذْرُ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ وَذِكْرُ الشَّيْخِ اِنَّمَا هُوَ لِبَيَانِ مَحَلِّ تَصَرُّفِ النَّذْرِ لِمُسْتَحِقِّيْهِ الْقَاطِنِيْنَ بِرِبَاطِهٖ اَوْ مَسْجِدِهٖ اَوْ جَامِعِهٖ فَيَجُوْزُ بِهٰذَا الْاِعْتِبَارِ اِذْ مَصْرَفُ النَّذْرِ الْفُقَرَاءُ وَقَدْ وُجِدَ الْمَصْرَفُ وَلَا يَجُوْزُ اَنْ يُصْرَفَ ذٰلِكَ لِغَنِيٍّ غَيْرِ مُحْتَاجٍ وَلَا لِشَرِيْفِ النَّسَبِ لِاَنَّهٗ لَا يَحِلُّ لَهُ الْاَخْذُ مَالَمْ تَكُنْ مُحْتَاجًا وَلَا لِذِيْ مَنْصَبٍ لِاَجْلِ مَنْصَبِهٖ مَالَمْ يَكُلْ فَقِيْرًا وَلَا لِذِيْ عَلَمٍ لِاَجْلِ عِلْمِهٖ مَا لَمْ يَكُنْ فَقِيْرًا وَلَمْ يَثْبُتْ فِي الشَّرْعِ جَوَازُ التَّصَرُّفِ لِلْاَغْنِيَاءِ لِلْاِجْمَاعِ عَلٰى حُرْمَةِ النَّذْرِ لِلْمَخْلُوْقِ وَلَا يَنْعَقِدُ وَلَا يَشْتَغِلُ الذِّمَّةُ بِهٖ وَاَنَّهٗ حَرَامٌ بَلْ سُحْتٌ فَلَا يَجُوْزُ لِخَادِمِ الشَّيْخِ اَخْذُهٗ وَلَا اَكْلُهٗ وَلَا التَّصَرُّفُ فِيْهِ بِوَجْهٍ مِنَ الْوُجُوْهِ اِلَّا اَنْ يَكُوْنَ فَقِيْرًا وَلَهٗ عِيَالٌ فُقَرَاءُ عَاجِزُوْنَ عَنِ الْكَسْبِ وَهُمْ مُضْطَرُّوْنَ فَيَاْخُذُوْنَهٗ عَلٰى سَبِيْلِ الصَّدَقَةِ الْمُبْتَدَاَةِ وَاَخْذُهٗ اَيْضًا مَكْرُوْهٌ مَا لَمْ يَقْصُدْ بِهِ النَّاذِرُ التَّقَرُّبَ اِلَى اللّٰهِ تَعَالٰى وَصَرْفَهٗ اِلَى الْفُقَرَاءِ وَ يَقْطَعُ النَّظَرَ عَنْ نَذْرِ الشَّيْخِ فَاِذَا عَلِمْتَ هٰذَا فَمَا يُؤْخَذُ مِنَ الدَّرَاهِمِ وَالشَّمْعِ وَالزَّيْتِ وَغَيْرِهَا وَيُنْقَلُ اِلٰى ضَرَائِحِ الْاَوْلِيَاءِ تَقَرُّبًا اِلَيْهِمْ فَحَرَامٌ بِاِجْمَاعِ الْمُسْلِمِيْنَ مَا لَمْ يُقْصَدْ بِصَرْفِهَا الْفُقَرَاءُ الْاَحْيَاءُ قَوْلًا وَاحِدًا وَكَذَا فِي النَّهْرِ وَالدُّرِّ۔

''اور جہاں تک نذر کا سوال ہے تو جیسا کہ مشاہدہ ہے' عام طور پر (جاہل) لوگ اس طرح نذر مانتے ہیں کہ اگر کسی شخص کا (کوئی عزیز) غائب ہو جاتا ہے' یا بیمار ہو جاتا ہے اور یا اس کی ضروری مراد ہوتی ہے تو وہ کسی بزرگ کے مزار پر آتا ہے اور اس کا پردہ اپنے سر پر ڈال کر (یا قبر کی) چادر پکڑ کر یوں کہتا ہے کہ ''اے میرے فلاں سردار! اگر میرا وہ عزیز جو غائب ہو گیا ہے واپس ہو گیا' یا اس کو مرض سے صحت یابی ہو گئی اور یا میری فلاں مراد پوری ہو گئی تو میں آپ کے مزار پر اس قدر سونا چڑھاؤں یا اس قدر چاندی چڑھاؤں گا یا اس قدر کھانا چڑھاؤں گا یا اس قدر پانی چڑھاؤں گا یا اس قدر شمع یا زیت (یعنی تیل چڑھاؤں گا تو اس طرح نذر ماننا تمام علماء کے نزدیک باطل ہے اور اس کے باطل ہونے کے کئی سبب ہیں' اول تو یہ مخلوق (یعنی غیر اللہ) کی نذر ہے اور غیر اللہ کی نذر جائز نہیں ہے کیونکہ نذر (دراصل عبادت ہے) اور مخلوق کی عبادت جائز نہیں ہے' دوم یہ کہ جس کے نام کی (یعنی صاحب مزار) کی نذر مانی گئی ہے وہ ایک بے جان ہے اور بے جان مالک نہیں ہوتا۔ سوم یہ کہ اگر (اس طرح نذر ماننے کے وقت) یہ گمان کیا تھا کہ اللہ کے علاوہ یہ میت (یعنی صاحب مزار) بھی بندوں کے معاملات میں تصرف کرتا ہے تو ایسا اعتقاد رکھنا کفر ہے۔ لہٰذا اے اللہ (اس بات کی ہدایت دے کہ) اس طرح نذر ماننے کی بجائے یوں نذر مانی جائے کہ ''اے خدا میں تیری نذر مانتا ہوں کہ اگر تو میرے بیمار کو شفا بخشے گا یا میرے غائب عزیز کو واپس کرا دے گا یا میری مراد کو پوری کرے گا تو میں (مثلاً ان فقراء وخدام کو کھانا کھلاؤں گا' جو بی بی نفیسہ کے دروازے (یعنی مزار) پر ہیں' یا ان فقراء وخدام کو کھانا کھلاؤں گا جو حضرت امام شافعیؒ یا حضرت امام ابواللیثؒ کے دروازے (یعنی مزار) پر ہیں یا میں ان کی مسجدوں کے

لئے بورئے' یا ان کی مسجدوں کی روشنی کے لئے تیل خریدوں گا' یا میں ان لوگوں کو روپے دوں گا' جو ان بزرگوں کی مسجدوں کے شعائر قائم رکھتے ہیں (یعنی مؤذن اور ائمہ) یا ان کے علاوہ کسی بھی ایسی چیز کا ذکر کرے جس میں فقراء و مساکین کا نفع ہو۔ لہٰذا اس طرح نذر ماننے میں نذر تو دراصل اللہ عزوجل کے لئے ہوگی اور بزرگ کا ذکر کرنا محض نذر کے مصرف کو بیان کرنے کے پیش نظر ہوگا اور وہ مصرف نذر کے وہ مستحقین ہیں جو ان بزرگ کی خانقاہ یا ان کی مسجد اور یا ان کی جامع مسجد میں رہتے ہیں پس اس طرح نذر ماننی درست ہے' کیونکہ نذر کے مصرف فقراء ہی ہیں اور وہ مصرف یہاں پایا گیا' نیز نذر کی ہوئی چیز کو مستطیع (غیر محتاج) پر خرچ کرنا جائز نہیں ہے اور نہ کسی شریف النسب پر خرچ کرنا جائز ہے کیونکہ جب تک کہ وہ محتاج نہ ہو اس کیلئے نذر کی ہوئی چیز کا لینا درست نہیں ہے اور نہ کسی منصب والے پر خرچ کرنا جائز ہے اس کے منصب کی وجہ سے جب تک کہ وہ محتاج نہ ہو اور نہ کسی اہل علم پر خرچ کرنا جائز ہے' اس کے علم کی وجہ سے جب تک وہ مستحق نہ ہو اور شریعت میں نذر کی ہوئی چیز کا مستطیع لوگوں پر خرچ کرنے کا جواز ثابت نہیں ہے' نیز اس بات پر علماء امت کا اجماع و اتفاق ہے کہ مخلوق کی نذر ماننا حرام ہے اور اگر کوئی شخص کسی مخلوق (یعنی بزرگ) کی نذر مانے تو وہ نذر صحیح نہیں ہوتی اور نہ اس نذر کو پورا کرنا اس پر واجب ہوتا ہے اور وہ نذر نہ صرف حرام بلکہ رشوت کے حکم میں ہے لہٰذا اس بزرگ کے خادم اور مجاور کے لئے اس نذر کا لینا اس کا کھانا اور اس میں کسی طرح کا تصرف کرنا جائز نہیں ہے ہاں اگر کوئی خادم یا مجاور محتاج ہو اور اپنے ان نادار بچوں کا کفیل ہو جو کمانے سے معذور ہوں اور وہ حالت اضطرار میں ہوں تو ان کو اس نذر کا مال ابتدائی صدقہ کے طور پر لینا جائز ہے لیکن اس صورت میں بھی اس مال کو اس وقت تک لینا مکروہ ہوگا جب کہ نذر کرنے والے کی نیت اس بزرگ کی نذر سے قطع نظر تقرب الی اللہ اور فقراء پر خرچ کرنے کی نہ ہو! پس جب کہ تمہیں یہ تفصیل معلوم ہوگئی تو (جان لو کہ) اولیاء اللہ کے تقرب کی نیت سے جو روپے پیسے اور موم بتی و تیل وغیرہ ان کی قبروں پر چڑھایا جاتا ہے وہ تمام مسلمانوں کے نزدیک متفقہ طور پر حرام ہے جب تک کہ نذر کرنے والا اس کو فقیروں پر خرچ کرنے کی نیت نہ کرے۔ (النہر الفائق' اور الدر المختار میں بھی اسی طرح منقول ہے)۔

اب اس موقع پر مزید افادہ کیلئے مولانا رشید الدین خان رحمہ اللہ کا لکھا ہوا ایک فتویٰ کا جواب بمع سوال کے درج کیا جاتا ہے۔

سوال: وہ کھانا جو نذر و نیاز کے طور پر بزرگوں کے لئے مانا جاتا ہے اس کو کھانا اور ان کی نذر ماننا جائز ہے یا نہیں؟ اگر جائز ہے تو کس طرح؟ نیز بعض نذر اپنی ضرورت کو پورا کرنے کے لئے مانی جاتی ہے اور بعض نذر بلا شرط مانی جاتی ہے ان دونوں میں فرق ہے کہ نہیں؟

جواب: شریعت کی نگاہ میں نذر کا مطلب یہ ہے کہ اپنے اوپر کسی ایسی چیز کو لازم کرلیا جائے جو اس پر لازم نہیں' چنانچہ جامع الرموز میں اس کی تعریف اس طرح لکھی ہے: النذر ایجاب علی النفس ما لیس علیہ یعنی کسی ایسی چیز کو اپنے اوپر لازم کرلینے کو نذر کہتے ہیں کہ جس پر عمل پیرا ہونا اس پر لازم نہیں۔

امام رازی رحمہ اللہ کی بیان کردہ تعریف: تفسیر کبیر آیت: او نذر تم من نذر کے تحت امام رازی رحمہ اللہ لکھتے ہیں: النذر ما الزمهم الانسان علی نفسه۔ نذر وہ چیز ہے کہ جس کو انسان اپنے اوپر لازم کر لے۔

ان دونوں تعریفوں سے نذر کی مختصر وضاحت ہوگئی۔ بقیہ تفصیل اصولِ فقہ اور فقہ کی کتابوں میں ملاحظہ فرمائیں۔

نیاز: یہ فارسی کا لفظ ہے جو کئی معانی رکھتا ہے جن میں ایک معنی یہ بھی ہے تحفہ درویشاں (یعنی وہ چیز جو درویشوں کو بطور تحفہ کے دی جائے) کذافی البرہان القاطع۔ ان دونوں الفاظ کو اور ان کے لغوی اور اصطلاحی معنی کو سامنے رکھ کر ان کا شرعی حکم ماننا اور جاننا چاہئے کہ نذر اللہ کے علاوہ اور کسی کے لئے جائز نہیں اور اگر کوئی آدمی غیر اللہ کی نذر مان بھی لے تو وہ درست نہیں۔ ایسی نذر کی چیز کو لینا اور استعمال میں لانا صحیح پختہ فقہی روایات کے مطابق قطعاً ناجائز ہے یہ نذر کا حکم ہے۔

اب رہا نیاز کا معاملہ تو جب نیاز کا لغوی معنی تحفہ درویشاں ہے اور وہ بر وصلہ یعنی محض بخشش ہے تو اس سے یہ معلوم ہوا کہ کوئی شخص کسی زندہ بزرگ کی خدمت میں بطور نیاز یعنی ہدیہ اور عطیہ کے کوئی چیز پیش کرے تو وہ نیاز درست ہے اور اس بزرگ کو اس چیز کا استعمال کرنا اور کھانا جائز ہے۔ اسی طرح اگر کسی مرنے والے بزرگ کی نیاز یعنی فاتحہ وایصال ثواب وغیرہ کیا جائے تو یہ نیاز بھی جائز ہے لیکن اس نیاز کی چیز کے متعلق کچھ تفصیل ہے کہ اگر نیاز دینے والے شخص نے مرنے والے بزرگ کو کھانے کی چیز کا ثواب پہنچانے کی نیت سے دی ہے تو اسے صرف فقراء کھا سکتے ہیں' مالدار اور صاحب استطاعت کے لئے نیاز کا کھانا' کھانا جائز نہیں اور اگر نیاز دینے والے نے عام مسلمانوں کے لئے مباح کئے جانے والے کھانے کا ثواب اس بزرگ کو پہنچانے کی نیت کی ہے تو اس صورت میں بھی اس چیز کا کھانا ہر بھوکے کے لئے جائز ہے خواہ وہ مستطیع ہو یا فقیر۔ حاصل کلام یہ ہوا کہ کسی بزرگ کا قرب حاصل کرنے کی نیت سے یا اپنی ضرورت کی شرط پوری ہونے کے ساتھ اس بزرگ کے لئے جو نذر مانی جاتی ہے وہ مندرجہ بالا منقولات کی روشنی میں ناجائز ہے اور ایسی نذر کی چیز کو کھانا یا استعمال کرنا ناجائز ہے۔

البتہ جس نذر میں نہ بزرگ کا تقرب حاصل کرنے کی نیت ہو اور نہ کسی ضرورت کو پورا کرانے کی نیت ہو بلکہ پہلے وہ چیز اللہ تعالیٰ کی رضامندی کے لئے اور اس کا قرب حاصل کرنے کے لئے صدقہ کی جاتی ہے اور پھر اس بزرگ کو اس کا ثواب پہنچایا جاتا ہے تو ایسی چیز کا استعمال صاحب حیثیت لوگوں کے لئے تو جائز نہیں۔ لیکن اس میں بھی شرط یہ ہے کہ نذر ماننے والے نے اس بزرگ کو اس کھانے والی چیز کا ثواب پہنچانے کی نیت کی ہو۔

اور اگر نذر ماننے والے نے اس بزرگ کے لئے اس کھانے والی چیز کے مباح ہونے کا ثواب پہنچانے کی نیت کی ہے تو اس چیز کا اغنیاء کے لئے اور فقراء کے لئے استعمال کرنا جائز ہے۔

اس تفصیل سے یہ بات ظاہر ہوگئی کہ نیاز کا مسئلہ بھی اسی طرح ہے کہ اگر بزرگوں کی نیاز صرف ثواب پہنچانے کی غرض سے ہو تو جائز ہے البتہ ان کا قرب حاصل کرنے یا ان کی خوشنودی حاصل کرنے کی نیت سے کسی چیز کو بھی ان کے نام پر اپنے اوپر لازم کرنا جائز نہیں خواہ وہ لازم کرنا اپنی کسی ضرورت سے متعلق ہو یا اس کے بغیر' کیونکہ یہ نذر ہے اور نذر اللہ کے علاوہ کسی اور کے لئے جائز نہیں پس اس سے یہ بات واضح ہوگئی کہ خواہ حاجت پوری کروانے کے لئے یا اس کے بغیر کسی چیز کو اگر اللہ کے علاوہ کسی

اور کے نام پر واجب کیا جائے گا تو یہ دونوں صورتیں ناجائز ہوں گی۔

ہاں بزرگوں کی نیاز اس مفہوم میں تو جائز ہے کہ اس سے کسی بزرگ کا تقرب یا اپنی حاجت پوری کرانے کی نیت نہ ہو بلکہ اس کا مقصد اللہ کی خوشنودی کو حاصل کرنا اور ثواب اس بزرگ کو پہنچانا مقصود ہو۔ نیاز کے طور پر دی ہوئی چیزوں کو بھی مندرجہ بالا تفصیلات کے مطابق استعمال کرنا جائز ہے۔

چنانچہ صاحب دلیل الضالین نے لکھا ہے کہ نذر صرف اللہ کے لئے ہوتی ہے اور کسی کے لئے نہیں ہوتی۔ پس اگر کوئی شخص کسی پیغمبر یا نبی یا ولی کے لئے نذر مان لے تو اس پر کوئی چیز واجب نہیں ہوگی یعنی اس نذر کو پورا کرنا اس پر لازم نہیں ہوگا۔

نیز اگر وہ شخص اپنی اس نذر کی ہوئی چیز کو اپنی اسی نیت کے ساتھ کسی آدمی کو دے دے تو وہ چیز لینا اس کے لئے جائز نہیں اگر وہ کھانے کی چیز ہے تو اس کا کھانا حلال نہیں اور اگر وہ مذبوحہ جانور ہے تو وہ مردار کے حکم میں ہے اور اگر وہ بسم اللہ پڑھ کر کھا لیں گے تو وہ سب کافر ہو جائیں گے اور اس کے بالمقابل اگر وہ اللہ کی نذر ہے تو پھر لوگوں کے لئے اس کا کھانا اور اس کے ثواب کا بخشنا ہر کسی کے لئے جائز ہے۔

الفصل الاول:

۳۴۰۶: عَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ اَكْثَرُ مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْلِفُ لَا وَمُقَلِّبِ الْقُلُوْبِ.

(رواه البخاری)

اخرجه البخاری فی صحيحه ۵۱۳/۱۳ الحديث رقم ۷۳۹۱ وابوداوٗد فی السنن ۵۷۷/۳ الحديث رقم ۳۲۶۳ والدارمی فی السنن ۲۴۵/۲ الحديث رقم ۲۳۵۰ واحمد فی المسند ۲۶/۲۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ اکثر ان الفاظ کے ساتھ قسم کھایا کرتے تھے ''قسم ہے دلوں کو پھیرنے والے کی''۔ (بخاری)

تشریح: قوله : اَكْثَرُ مَا كَانَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَحْلِفُ لَا وَمُقَلِّبِ الْقُلُوْبِ :

اكثر ما :اس ''ما'' میں دو احتمال ہیں:

(۱) ''ما'' سے مراد ''یمین'' ہے۔ أی :أكثر يمين .(۲) ''ما'' موصولہ ہے۔ أی :اليمين الذی

امام طیبیؒ فرماتے ہیں' أكثر مبتدا ہے' ''ما'' مصدریہ ہے' اور وقت مقدر ہے' كان تامه ہے۔

يحلف :حال ساد مسد الخبر ہے۔

ومقلب القلوب :يحلف کا معمول ہے۔ أی :يحلف بهذا القول

لا :کلام سابق کی نفی کے لئے ہے۔

''مقلب القلوب'' انشاء کی قسم قسم ہے' اور اس کی نظیر یہ قول ہے: و أخطب ما يكون الأمير قائما. قسم کے موقع پر اس جملہ کے استعمال کی وجہ خصوصیت ماقبل میں ذکر کی جا چکی ہے۔

یہ حدیث اس بات کی دلیل ہے کہ اللہ تعالیٰ کی صفات میں سے کسی صفت کی قسم کھانا جائز ہے۔
تخریج: اس حدیث کو ترمذی، نسائی اور ابن ماجہ نے بھی روایت کیا ہے۔

غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت

۳۴۰۷: وَعَنْهُ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ يَنْهَا كُمْ اَنْ تَحْلِفُوْا بِآبَائِكُمْ مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ اَوْ لِيَصْمُتْ (متفق عليه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۵۳۰/۱۱ الحدیث رقم ٦٦٤٦ ومسلم ۱۲٦٦/۳ الحدیث رقم (۱٦٤٦/۳) وابوداوٗد فی السنن ۵٦۹/۳ الحدیث رقم ۳۲٤۹ والترمذی فی ۹۳/٤ الحدیث رقم ۱۵۳٤ والنسائی فی ٤/۷ الحدیث رقم ۳۷٦۷ وابن ماجه فی ٦۷۷/۱ الحدیث رقم ۲۰۹٤ والدارمی فی ۲٤۲/۲ الحدیث رقم ۲۳٤۱ ومالك فی الموطأ ٤۸۰/۲ الحدیث رقم ۱٤ من كتاب النذور واحمد فی المسند ۷/۲۔

ترجمه: "اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہیں اپنے باپ دادوں کی قسمیں کھانے سے منع فرماتا ہے۔ جس شخص کو قسم کھانی ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اللہ (کے نام یا اس کی صفات) کی قسم کھائے یا خاموش رہے"۔

تشریح: قوله : اِنَّ اللّٰهَ يَنْهَا كُمْ اَنْ تَحْلِفُوْا بِآ بَائِكُمْ مَنْ كَانَ حَالِفًا فَلْيَحْلِفْ بِاللّٰهِ اَوْ لِيَصْمُتْ:

ليصمت : یاء کے فتحہ اور میم کے ضمہ کے ساتھ ہے۔

باپ کی قسم کھانے سے منع کرنا مثال کے طور پر ہے' اصل مقصد تو یہ ہدایت دینا ہے کہ اللہ تعالیٰ کے علاوہ کسی اور کی قسم نہ کھائی جائے۔ بطور خاص "باپ" کو ذکر کرنے کی وجہ یہ ہے کہ لوگوں کی عادت ہے کہ وہ باپ کی قسم بہت کھاتے ہیں! نیز غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت کی وجہ یہ ہے کہ اللہ تعالیٰ کے کمال عظمت وجلالت کے سبب چونکہ قسم اللہ ہی کی ذات کے ساتھ مختص ہے' اس لئے کسی غیر اللہ کو اللہ کے مشابہ نہ قرار دیا جائے' چنانچہ حضرت ابن عباس رضی اللہ تعالیٰ عنہما کے بارے میں منقول ہے کہ وہ فرمایا کرتے تھے:

أن أحلف بالله مائة مرة فآثم خير من أن أحلف بغيره فأبر

"میں سو مرتبہ اللہ کی قسم کھاؤں اور پھر اس کو توڑ ڈالوں' اس کو اس سے بہتر سمجھتا ہوں کہ کسی غیر اللہ کی قسم کھاؤں اور اس کو پورا کروں۔"

ہاں جہاں تک حق تعالیٰ کی ذات پاک کا تعلق ہے تو اس کی مرضی ہے کہ وہ اپنی عظمت وجلالت کے اظہار کے لئے اپنی مخلوقات میں سے جس کی چاہے قسم کھائے۔

قاضیؒ فرماتے ہیں:

اگر یہ کہا جائے کہ یہ حدیث آپ ﷺ کے اس ارشادِ گرامی کے مخالف ہے کہ: **افلح وابيه**۔ یعنی آپ ﷺ نے باپ کی

قسم کھائی جب کہ یہ حدیث اس کے سراسر خلاف ہے' اس کا جواب یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کا باپ کی قسم کھانا اس ممانعت سے پہلے کا واقعہ ہوگا یا بیان جواز کے لئے فرمایا تا کہ لوگوں کو معلوم ہو جائے کہ یہ نہی تحریمی نہیں ہے۔

۳۴۰۸ :وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحْلِفُوْا بِالطَّوَاغِيْ وَلَا بِآبَائِكُمْ. (رواه مسلم)

اخرجه مسلم فى صحيحه۱۲۶۸/۳ الحديث رقم (۱۶۴۸/۶) والنسائى فى السنن ۷/۷ الحديث رقم ۳۷۷۴وابن ماجه فى ۶۷۸/۱ الحديث رقم ۲۰۹۵ واحمد فى المسند۶۲/۵۔

ترجمه:''اور حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: نہ بتوں کی قسم کھاؤ اور نہ اپنے باپ دادوں کی قسم کھاؤ''۔(مسلم)

حالاتِ راوی:

عبدالرحمٰن بن سمرۃ۔ یہ عبدالرحمٰن بن سمرہ قریشی ہیں۔ فتح مکہ کے دن ایمان لائے اور آنحضور ﷺ سے شرف صحبت حاصل کیا اور آنحضور ﷺ سے روایت کرتے ہیں۔ ان کا شمار اہل ''بصرہ'' میں ہوتا ہے اور ۵۱ھ میں ''بصرہ'' میں ہی انتقال فرمایا۔ ان سے ابن عباس، حسن رحمۃ اللہ علیہ اور بہت سے لوگ ان کے ماسوا روایت کرتے ہیں۔

تشریح: قوله : لَا تَحْلِفُوْا بِالطَّوَاغِيْ وَلَا بِآبَائِكُمْ :

الطواغی :طاغية (بروزن فاعله) کی جمع ہے، طغیان سے ماخوذ ہے۔ اور مراد اس سے اصنام ہیں۔ اصنام کو طواغی کہنے کی وجہ یہ ہے کہ اصنام سبب طغیان ہیں، یہ اس کے لئے بمنزلہ فاعل ہیں۔

بعض کا کہنا ہے کہ الطاغیه مصدر ہے، جیسا کہ عافية ،اور وجہ تسمیہ مبالغہ ہے، پھر اس کی جمع ''طواغی'' استعمال ہونے لگی۔

عرضِ مرتب:

امام نسفیؒ لکھتے ہیں: وقوله عليه الصلوة والسلام، لا تحلفوا بآبائكم ولا بالطواغيت. أى بالأ صنام، جمع طاغوت۔ اھ۔

ایام جاہلیت میں عام طور پر لوگ بتوں اور باپوں کی قسم کھایا کرتے تھے' چنانچہ آنحضرت ﷺ نے لوگوں کو اس سے منع فرمایا کہ وہ اس بارے میں احتیاط کریں اور قدیم عادت کی بنا پر اس طرح کی قسمیں ان کی زبان پر نہ جاری نہ ہوں۔

۳۴۰۹ :وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ عَنِ النَّبِيِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ فَقَالَ فِيْ حَلْفِهٖ بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰى فَلْيَقُلْ لَا اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِهٖ تَعَالَ اُقَامِرْكَ فَلْيَتَصَدَّقْ. (متفق عليه)

اخرجه البخارى فى صحيحه ۵۳۶/۱۱ الحديث رقم ۶۶۵۰ومسلم فى ۱۲۶۷/۳ الحديث رقم (۵-۱۶۴۷) وابوداؤد فى السنن ۵۶۸/۳ الحديث رقم ۱۲۴۷ والترمذى فى ۹۹/۴ الحديث رقم ۱۰۴۵ والنسائى فى ۷/۷

الحديث رقم ٣٧٧٥ واحمد فى المسند ٢/ ٣٠٩۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ نبی کریم ﷺ سے روایت کرتے ہیں کہ آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے قسم کھائی اور اپنی قسم میں یہ الفاظ ادا کئے'' میں لات وعزیٰ کی قسم کھاتا ہوں تو اس کو چاہئے کہ وہ لا الٰہ الا اللہ کہے اور جو شخص اپنے کسی دوست سے یہ کہے کہ آؤ میں تمہارے ساتھ جوا کھیلوں تو اس کو چاہئے کہ وہ صدقہ و خیرات کرے''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: قوله : مَنْ حَلَفَ فَقَالَ فِيْ حَلِفِهٖ بِاللَّاتِ وَالْعُزّٰى فَلْيَقُلْ لَآ اِلٰهَ اِلَّا اللّٰهُ

اللات والعزى :زمانہ جاہلیت کے دو مشہور معروف بتوں کے نام ہے۔

''وہ لا الٰہ الا اللہ کہے'' کا مطلب یہ ہے کہ وہ اللہ تعالیٰ سے توبہ واستغفار کرے۔ اس حکم کے دو معنی ہیں ایک تو یہ کہ اگر لات وعزیٰ کے نام کسی نو مسلم کی زبان سے سہواً نکل جائیں تو اس کے کفارہ کے طور پر کلمہ پڑھے کیونکہ اللہ تعالیٰ ارشاد فرماتا ہے:

﴿فَإِنَّ الْحَسَنَاتِ يُذْهِبْنَ السَّيِّئَاتِ﴾ (هود: ١١٤)

''بلاشبہ نیکیاں' برائیوں کو دور کر دیتی ہیں''۔

پس اس صورت میں غفلت سے توبہ ہوگی۔

دوسرے معنی یہ ہیں کہ اگر ان کی زبان سے لات وعزیٰ کے نام ان بتوں کی تعظیم کے قصد سے نکلے ہوں تو یہ کہ وہ تجدید ایمان کے لئے کلمہ پڑھے اس صورت میں معصیت سے توبہ ہوگی۔

شرح السنہ میں لکھتے ہیں: یہ حدیث دلیل ہے کہ غیر اسلام کے حلف پر کوئی کفارہ نہیں، بلکہ اس کی وجہ سے گناہ گار ہوگا۔ اس پر لازم ہے کہ وہ توبہ کرے، چونکہ نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام نے ایسے شخص کی عقوبت اس کے دین میں مقرر فرمائی ہے۔ اور اس کے مال میں سے کوئی شیء لازم نہیں فرمائی۔ اور اس کو صرف کلمۂ توحید کا حکم دیا، چونکہ یمین کا انعقاد تو معقود کے ذریعے ہوتا ہے، اور جب اس شخص نے لات وعزیٰ کی قسم کھالی، تو بلاشبہ اس شخص نے اس معاملہ میں کفار کی مشابہت اختیار کی، چنانچہ آپ علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اس کو حکم فرمایا کہ کلمہ توحید کے ذریعے سے اس کا تدارک کرے۔ اھ۔

اس حدیث سے بظاہر جو حکم مستفاد ہوتا ہے، وہ یہ ہے کہ بتوں کی قسم کھانا مذموم ہے، چنانچہ امر معلوم کے ذریعہ اس کا تدارک کیا جانا چاہئے۔ اس سے زیادہ پر حدیث کی کوئی دلالت نہیں۔ ہمارے مذہب کی دلیل عنقریب آئے گی۔

امام نووی کی شرح مسلم میں لکھا ہے: قاضیؒ فرماتے ہیں' یہ حدیث جمہور کے مذہب کی دلیل ہے کہ معصیت کا عزم، جب دل میں مستقر ہو جائے یا زبان سے اس کا تکلم کرے تو (اس کے نامۂ اعمال میں) لکھ لیا جاتا ہے۔

قوله :وَمَنْ قَالَ لِصَاحِبِهٖ تَعَالَ اُقَامِرْكَ فَلْيَتَصَدَّقْ :

تعال :لام کے فتحہ کے ساتھ، تعالیٰ، يتعالى سے امر کا صیغہ ہے۔

أقامرك :جواب امر ہونے کی وجہ سے مجزوم ہے۔

صدقہ وخیرات کرنے کا مطلب یہ ہے کہ اس نے اپنے دوست کو جوا کھیلنے کی دعوت دے کر چونکہ ایک بڑی برائی کی ترغیب دی ہے' لہٰذا اس کے کفارہ کے طور پر وہ اپنے مال میں سے کچھ حصہ خدا کی راہ میں خرچ کرے۔ بعض حضرات یہ کہتے ہیں کہ اس نے جس قدر مال کے ذریعہ جوا کھیلنے کا ارادہ کیا تھا اس قدر مال صدقہ وخیرات کر دے!

امام طیبیؒ فرماتے ہیں: اللہ جل شانہٗ نے اپنے اس فرمان: ﴿إِنَّمَا الْخَمْرُ وَالْمَيْسِرُ وَالْأَنْصَابُ﴾ [المائدۃ: ۹۰] میں ''قمار'' کا ذکر ''اصنام'' کے ساتھ فرمایا ہے۔ چنانچہ حضور ﷺ نے اس کلام باری تعالیٰ کی اقتداء کرتے ہوئے کلام میں یہ اسلوب اختیار فرمایا، لہٰذا جس نے بتوں کی قسم کھائی اس نے ''شرک فی التعظیم'' کیا۔ لہٰذا اس کا تدارک کلمۂ توحید کے ذریعہ ضروری ہے، اور جس شخص نے قمار کی دعوت دی، اس نے اہل جاہلیت کی موافقت اختیار کی، چنانچہ اس پر اسی قدر صدقہ واجب ہے، جس قدر پر اس نے جوا کھیلنے کا ارادہ کیا تھا یا جس قدر دیتاب ہو۔ اور اس قدر مال صدقہ کرے کہ جس پر لفظ ''صدقہ'' صادق آتا ہو۔

اسلام کے خلاف کسی دوسرے مذہب کی قسم کھانے کا مسئلہ

۳۴۱۰: وَعَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَّاكِ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ عَلٰى مِلَّةٍ غَيْرِ الْإِسْلَامِ كَاذِبًا فَهُوَ كَمَا قَالَ وَلَيْسَ عَلَى ابْنِ اٰدَمَ نَذْرٌ فِيْمَا لَا يَمْلِكُ وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهٗ بِشَيْءٍ فِي الدُّنْيَا بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ وَمَنْ لَعَنَ مُؤْمِنًا فَهُوَ كَقَتْلِهٖ وَمَنِ ادَّعٰى دَعْوٰى كَاذِبَةً لِيَسْتَكْثِرَ بِهَا لَمْ يَزِدْهُ اللّٰهُ اِلَّا قِلَّةً عُذِّبَ۔ (متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۱۰/۴۶۴ الحدیث رقم ۶۰۴۷ ومسلم فی ۱/۱۰۴ الحدیث رقم (۱۷۶-۱۱۰) والترمذی فی السنن ۴/۹۸ الحدیث رقم ۱۵۴۳ والنسائی فی ۷/۵ الحدیث رقم ۳۷۷۰ وابن ماجه فی السنن ۱/۶۷۸ الحدیث رقم ۲۰۹۸ واحمد فی المسند ۴/۳۳۔ (۲) راجع الحدیث رقم (۳۴۴۱) (۳) لم اقف علیه بهذا للفظ وانما (من ترك الصلاۃ معمدا فقد کفر جهادا)

ترجمه: ''اور حضرت ثابت بن ضحاک کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو شخص اسلام کے علاوہ کسی دوسرے مذہب کی جھوٹی قسم کھائے تو وہ ایسا ہی ہو جاتا ہے جیسا اس نے کہا اور کسی انسان پر اس چیز کی نذر پوری کرنا واجب نہیں جس کا وہ مالک نہ ہو اور جس شخص نے (دنیا میں) اپنے آپ کو کسی چیز (مثلاً چھری وغیرہ) سے قتل کر لیا تو قیامت کے دن اس کو اسی چیز کے عذاب میں مبتلا کیا جائے گا (یعنی اگر کسی شخص نے چھری گھونپ کر خودکشی کر لی تو قیامت میں اس کے ہاتھ میں وہی چھری دی جائے گی جس کو وہ اپنے جسم میں گھونپتا رہے گا اور جب تک کہ حق تعالیٰ کی طرف سے نجات کا حکم نہ ہوگا وہ مسلسل اسی عذاب میں مبتلا رہے گا) اور جس شخص نے کسی مسلمان پر لعنت کی تو وہ (اصل گناہ کے اعتبار سے) ایسا ہی ہے جیسا کہ اس نے اس مسلمان کو قتل کر دیا ہو اور اسی طرح جس شخص نے کسی مسلمان پر کفر کی تہمت لگائی تو گویا اس نے اس مسلمان کو قتل کر دیا (کیونکہ کفر کی تہمت لگانا اسباب قتل سے ہے لہٰذا کفر کی تہمت قتل کر دینے کے مانند ہے) اور جو شخص مال و دولت میں اضافہ کی خاطر جھوٹا دعویٰ کرے اللہ تعالیٰ اس

کے مال و دولت میں کمی کر دے گا''۔ (بخاری ومسلم)

حالاتِ راوی:

ثابت بن ضحاک۔ یہ ثابت بن ضحاک ''ابو یزید انصاری خزرجی'' ہیں۔ یہ ان اصحاب میں سے ہیں جنہوں نے (حدیبیہ) کے موقع پر درخت کے نیچے رسول اللہ ﷺ کے دست مبارک پر بیعت کی تھی یہ اس وقت کم عمر تھے۔ حضرت عبداللہ بن زبیر رضی اللہ عنہ کی آزمائش کے دور میں شہید ہوئے۔

تشریح: قوله :مَنْ حَلَفَ عَلٰى مِلَّةٍ غَيْرِ الْإِسْلَامِ كَاذِبًا فَهُوَ كَمَا قَالَ :

ملة غير السلام :غیر مجرور ہے، ملۃ کی صفت ہے۔

حدیث باب کے اس جزو کا مطلب یہ ہے کہ کسی شخص نے مثلاً یوں قسم کھائی کہ ''اگر میں فلاں کام کروں تو یہودی یا نصرانی ہوں یا دین اسلام سے یا پیغمبر اسلام سے اور یا قرآن سے بیزار ہوں اور پھر اس نے اس کے برخلاف کیا یعنی قسم کو جھوٹی کر دیا' بایں طور کہ اس نے وہ کام کر لیا جس کے نہ کرنے کی اس نے قسم کھائی تھی تو وہ ایسا ہی یہودی و نصرانی ہو گیا یا دین اسلام یا پیغمبر اسلام اور یا قرآن سے بیزار ہو گیا کیونکہ قسم دراصل اس کام کو روکنے کے واسطے ہوتی ہے جس کے لئے وہ قسم کھائی گئی ہے۔ لہٰذا قسم کا سچ ہونا تو یہ ہے کہ قسم کھانے والا وہ کام نہ کرے اور اگر وہ اس کام کو کرے گا تو اپنی قسم میں جھوٹا ہوگا اور اب جب جھوٹا ہوگا تو لامحالہ ویسا ہی ہوگا جیسا کہ اس نے کہا ہے۔

حدیث کے اس ظاہری مفہوم سے یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس طرح کی قسم کھانے والا محض قسم کھانے کی وجہ سے اس قسم کو توڑنے کے بعد کافر ہو جاتا ہے کیونکہ وہ اس طرح کی قسم کھا کر ایک صریح حرام فعل کا ارتکاب کرتا ہے اور پھر اس قسم کو جھوٹی کر کے گویا کفر کو برضا ورغبت اختیار کرتا ہے۔ لیکن یہ بھی احتمال ہے کہ اس ارشاد گرامی کی مراد یہ بتانا نہ ہو کہ اس طرح کی قسم کھانے والا واقعتاً یہودی وغیرہ ہو جاتا ہے بلکہ اس کی مراد بطور تہدید و تنبیہ یہ ظاہر کرنا ہو کہ وہ شخص یہودیوں کی مانند عذاب کا مستوجب ہوتا ہے' چنانچہ اس کی نظیر آنحضرت ﷺ کا یہ ارشاد گرامی ہے کہ مَنْ تَرَكَ الصَّلٰوةَ فَقَدْ كَفَرَ (یعنی جس شخص نے نماز چھوڑ دی وہ کافر ہو گیا) اس ارشاد کا بھی یہی مطلب ہے کہ نماز چھوڑنے والا کافروں کے سے عذاب کا مستوجب ہوتا ہے۔

اب رہی یہ بات کہ اس طرح قسم کھانا اگرچہ حرام ہے لیکن اگر کوئی شخص اس طرح قسم کھا ہی لے تو کیا شرعی طور پر اس کو قسم کہیں گے اور کیا اس قسم کو توڑنے کا کفارہ واجب ہوگا یا نہیں؟ تو اس بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں' حضرت امام اعظم ابو حنیفہؒ اور بعض علماء کا قول تو یہ ہے کہ یہ قسم ہے اور اگر اس قسم کو توڑا جائے گا تو اس شخص پر کفارہ واجب ہوگا' ان کی دلیل ہدایہ وغیرہ میں منقول ہے۔ حضرت امام مالکؒ اور حضرت امام شافعیؒ یہ فرماتے ہیں کہ اس طرح کہنے پر قسم کا اطلاق نہیں ہوگا یعنی شرعی طور پر اس کو قسم نہیں کہیں گے اور جب یہ قسم ہی نہیں ہے تو اس کو توڑنے پر کفارہ بھی واجب نہیں ہوگا' ہاں اس طرح کہنے والا سخت گناہ گار ہوگا خواہ وہ اپنی بات کو پورا کرے یا توڑ ڈالے۔

اہل مدینہ کا قول بھی یہی ہے۔ اور اس کی دلیل یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے گناہ کا ترتب تو فرمایا، لیکن کفارہ سے تعارض

نہیں فرمایا۔صاحب ہدایہ لکھتے ہیں: ولو قال :ان فعلت كذا فهو يهودى أو نصرانى أو كافر يكون يمينا. فاذا فعله لزمه كفارة يمين، قياساً على تحريم المباح، فانه يمين بالنص وذلك، فذلك أنه عليه الصلوٰة والسلام حرم مارية على نفسه، فانزل الله تعالٰى :﴿يا أيها النبىّ لم تحرم ما أحل الله لك﴾ ثم قال :﴿قد فرض الله لكم تحلة أيمانكم﴾۔ابن ہمامؒ فرماتے ہیں: گویا کہ اس نے یوں کہا،حرمت على نفسى فعل كذا،مثلاً دخولِ دار،اور اگر وہ یوں کہتا:دخول الدار على حرام تو یمین ہوتا۔فعل مباح کو کفر وغیرہ کے ساتھ معلق کرنا یمین ہے۔لہٰذا اب جب آپ نے یہ بات جان لی تو اگر وہ شخص یہ حلف کسی ایسے کام کے بارے میں اٹھاتا ہے، جو وہ پہلے کر چکا ہے،تو یہ یمین ہوتی ،مثلاً وہ یہ کام کر چکا ہے تو یہ یمین غموس ہوگی۔اس میں کوئی کفارہ نہیں ہوگا،مگر توبہ ضروری ہے۔سوال یہ پیدا ہوتا ہے کہ یہ توبہ کیسی ہے،توبہ کفر سے ہے؟ یا تجدید اسلام کے لئے ہے؟ بعض کا کہنا ہے کہ جی ہاں! چونکہ جب اس نے ایسے کام کے ساتھ معلق کر دیا جو وہ کر چکا ہے تو گویا اس شخص نے یہ جملہ: هو كافر ،ابتداءً ہی کہا ہے۔اور صحیح بات یہ ہے کہ اگر وہ جانتا ہے کہ یہ یمین ہے،اس میں کفارہ ہے۔جب یہ غموس نہ ہوئی تو تکفیر بھی نہ ہوگی۔اور اگر اس کا اعتقاد یہ تھا کہ وہ کافر ہوجائے گا،تو اس کے فعل کی وجہ سے اس کی تکفیر کی جائے گی، چونکہ وہ کفر پر راضی ہے،بایں طور کہ اس نے ایک ایسے فعل پر جرأت کی ہے کہ جس پر اس نے کفر کو معلق کیا ہے اور اس کا اعتقاد یہ ہے کہ جب وہ ایسا کرے گا تو کافر ہوجائے گا۔

قوله :وَلَيْسَ عَلَى ابْنِ اٰدَمَ نَذْرٌ فِيمَا لَا يَمْلِكُ

عرضِ مرتب:

اس ٹکڑے کی تشریح اگلے باب میں آئے گی۔

قوله :وَمَنْ قَتَلَ نَفْسَهُ بِشَيْءٍ فِي الدُّنْيَا عُذِّبَ بِهٖ يَوْمَ الْقِيَامَةِ

عذب به :صیغہ مجہول کے ساتھ ہے۔

قوله :وَمَنْ لَعَنَ مُؤْمِنًا فَهُوَ كَقَتْلِهٖ

قوله :وَمَنِ ادَّعٰى دَعْوٰى كَاذِبَةً لِيَسْتَكْثِرَ بِهَا لَمْ يَزِدْهُ اللّٰهُ اِلَّا قِلَّةً۔

ادعى :دال کی تشدید کے ساتھ۔

دعوى :بغیر تنوین کے ہے۔

كاذبة : دعوٰى کی صفت ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔اور ایک نسخہ میں مجرور ہے۔اس صورت میں دعویٰ کا مضاف الیہ ہوگا۔

ليستكثر بها :باب تفعّل سے ہے،اور لام تعلیلیہ ہے۔ایک نسخہ میں يستكثر ہے،یعنی حذف لام کے ساتھ ہے،اس صورت میں یہ حال ہوگا۔

لم یزده الله الا قلة :امام طیبیؒ فرماتے ہیں:اس جملہ کا استثناء اس ارشاد باری تعالیٰ کی مانند ہے:﴿لا یسمعون فیها لغوا ولا كذابا﴾ گویا عبارت کی معنوی تقدیر یوں ہے:ان کانت القلة زيادة فهو يزيده، والحال أن القلة ليست بزيادة فلا يزيده البتة.

تخریج: الجامع الصغیر میں یہ روایت ان الفاظ کے ساتھ مروی ہے:

لیس علی رجل نذر فيما لا يملك، ولعن المؤمن كقتله، ومن قتل نفسه بشيء عذب به يوم القيامة، ومن حلف بملة سوى الا سلام فهو كما قال، ومن قذف مؤمنا بكفر فهو كقتله.اس حدیث کو امام احمد، شیخین اور اصحاب سنن اربعہ نے ثابت بن ضحاک سے روایت کیا ہے۔

اگر قسم کو توڑ دینے ہی میں بھلائی ہو تو اس قسم کو توڑ دینا چاہیے

۳۴۱۱:وَعَنْ اَبِیْ مُوْسٰی قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِنِّیْ وَاللّٰهِ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ لَا اَحْلِفُ عَلٰی یَمِیْنٍ فَاَرٰی غَیْرَهَا خَیْرًا مِنْهَا اِلَّا کَفَّرْتُ عَنْ یَمِیْنِیْ وَاَتَیْتُ الَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ (متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۶۰۱/۱۱ الحدیث رقم ۶۷۱۸ومسلم فی صحیحه ۱۲۶۹/۳ الحدیث رقم (۷-۱۶۴۹)وابوداؤدفی السنن ۵۸۳/۳ الحدیث رقم ۳۲۷۶ والنسائی فی ۹/۷ الحدیث رقم ۳۷۸۰وابن ماجه فی ۶۸۱/۱ الحدیث رقم ۲۱۰۷ واحمد فی المسند ۳۹۸/٤۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابوموسیٰ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:''اللہ کی قسم اگر میں کسی چیز پر قسم کھاؤں اور پھر اس قسم کے خلاف کرنے ہی کو بہتر سمجھوں تو ان شاء اللہ میں اپنی قسم توڑ کر اس کا کفارہ ادا کر دوں گا اور اس بہتر چیز کو اختیار کر و نگا''۔(بخاری ومسلم)

تشریح: قوله : اِنِّیْ وَاللّٰهِ اِنْ شَآءَ اللّٰهُ......اِلَّا کَفَّرْتُ عَنْ یَمِیْنِیْ وَاَتَیْتُ الَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ :

كفرت : فاء کی تشدید کے ساتھ۔

والله :قسم ہے۔

لا أحلف على يمين :جواب قسم ہے۔

ان شاء الله :جملہ معترضہ ہے۔اور جملہ قسمیہ اِنّ کی خبر ہے۔صاحب کشاف لکھتے ہیں،تلبس بالیمین کی وجہ سے محلوف علیہ کو یمین قرار دیا۔(ذکرہ الطیبی رحمہ اللہ تعالیٰ)۔

فأری :ہمزہ کے ضمہ اور راء کے فتحہ کے ساتھ أی :فاظن،اور ایک نسخہ صحیحہ میں بضم الأ ل ہے. أی فأعلم۔

تُشتیؒ فرماتے ہیں:على يمين میں یمین سے مراد مقسم علیہ ہے۔یمین میں درحقیقت دو جملے ہوتے ہیں۔ایک مقسم بہ اور دوسرا مقسم علیہ۔ذکر کل ہے اور بعض مراد ہے اور بعض کا کہنا ہے،کہ''حال''بول کر''محل''مراد ہے،چونکہ محلوف علیہ،محل

یمین ہے۔

مطلب یہ ہے کہ اگر میں کسی کام کے بارے میں قسم کھاؤں کہ وہ کام نہ کروں گا مگر پھر سمجھوں کہ اس کام کو کرنا ہی بہتر ہے تو میں قسم کو توڑ کر کفارہ ادا کر دوں گا اور اس کام کو کر لوں گا' اس مسئلہ کی مثالیں آگے آنے والی حدیث کی تشریح میں بیان ہوں گی۔

۳۴۱۲: وَعَنْ عَبْدِ الرَّحْمٰنِ بْنِ سَمُرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَا عَبْدَ الرَّحْمٰنِ بْنَ سَمُرَةَ لَا تَسْأَلِ الْاِمَارَةَ فَاِنَّكَ اِنْ اُوْتِيْتَهَا عَنْ مَسْئَلَةٍ وُكِلْتَ اِلَيْهَا وَاِنْ اُوْتِيْتَهَا عَنْ غَيْرِ مَسْئَلَةٍ اُعِنْتَ عَلَيْهَا وَاِذَا حَلَفْتَ عَلٰى يَمِيْنٍ فَرَاَيْتَ غَيْرَهَا خَيْرًا مِنْهَا فَكَفِّرْ عَنْ يَمِيْنِكَ وَائْتِ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ وَفِيْ رِوَايَةٍ فَاْتِ الَّذِيْ هُوَ خَيْرٌ وَكَفِّرْ عَنْ يَمِيْنِكَ. (متفق عليه)

اخرجه البخاری فی صحيحه ١٢٣/١٣ الحديث رقم ٧١٤٦ومسلم فی صحيحه ١٢٧٣/٣ الحديث رقم (١٩-١٦٥٢) وابوداوٗد فی السنن ٥٨٤/٣ الحديث رقم ٣٢٧٧ والترمذی فی ٩٠/٤ الحديث رقم ١٥٢٩ والنسائی فی ١٠/٧ الحديث رقم ٣٧٩١ والدارمی فی ٢٤٤/٢ الحديث رقم ٢٣٤٦ واحمد فی المسند٦٢/٥۔

ترجمہ: ''اور حضرت عبدالرحمٰن بن سمرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے (ایک دن مجھ سے) ارشاد فرمایا کہ ''اے عبدالرحمٰن! سرداری کی خواہش نہ کرو (یعنی اس بات کی طلب نہ کرو کہ مجھے فلاں جگہ کا حاکم و سردار بنا دیا جائے) کیونکہ اگر تمہاری طلب پر تمہیں سرداری دی جائے گی تو تم اس سرداری کے سپرد کر دیئے جاؤ گے اور اگر بغیر طلب کے کہیں سرداری ملے گی تو اس میں تمہاری مدد کی جائے گی' نیز اگر تم کسی بات پر قسم کھاؤ اور پھر دیکھو کہ اس قسم کا خلاف کرنا ہی اس قسم کو پورا کرنے سے بہتر ہے تو تم اس قسم کا کفارہ ادا کر دو اور وہی کام کرو جو بہتر ہے اور ایک روایت میں یوں ہے کہ اس چیز کو عمل میں لاؤ جو بہتر ہے اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کر دو''۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: لا تسأل صیغہ نہی کے ساتھ ہے، اور صیغہ منفی کے ساتھ بھی مروی ہے۔

الامارة: ہمزہ کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

وکلت: ثلاثی مجرد ماضی مجہول سے واحد مذکر حاضر کا صیغہ ہے۔

یہاں ایک اشکال ہوسکتا ہے وہ یہ کہ یمین کو پورا کرنا بموجب اس آیت کریمہ ﴿واحفظوا أيما نكم﴾ [المائدة: ٨٩] واجب ہے۔ تو اس کا پسندیدہ جواب یہ ہے کہ اس آیت کا تعلق امکانی صورتوں کے ساتھ ہے۔

۳۴۱۳: وَعَنْ اَبِيْ هُرَيْرَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ فَرَاٰى خَيْرًا مِنْهَا فَلْيُكَفِّرْ عَنْ يَمِيْنِهٖ وَلْيَفْعَلْ. (رواه مسلم)

اخرجه مسلم فی صحيحه ١٢٧٢/٣ الحديث رقم (١٢-١٦٥٠) والترمذی فی السنن ٩٢/٤ الحديث رقم ١٥٣٢ ومالك فی الموطأ ٤٧٨/٢ الحديث رقم ١١من كتاب النذور۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''اگر کوئی شخص

کسی بات پر قسم کھائے اور پھر وہ اس سے بہتر چیز کو دیکھے تو اسے چاہیے کہ وہ اپنی قسم کا کفارا ادا کردے اور اس کام کو کر لے (یعنی قسم توڑ دے)''۔(مسلم)

تشریح:قولہ :''علی یمین'' سے مراد ''محلوف علیہ'' ہے۔

''ولیفعل'' کا مفعول محذوف ہے۔أی :المحلوف علیه.

۳۴۱۴:وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ وَاللّٰهِ لَاَنْ يَلَجَّ اَحَدُكُمْ بِيَمِيْنِهٖ فِيْ اَهْلِهٖ اٰثَمُ لَهٗ عِنْدَ اللّٰهِ مِنْ اَنْ يُعْطِيَ كَفَّارَتَهُ الَّتِيْ افْتَرَضَ اللّٰهُ عَلَيْهِ. (متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۵۱۷/۱۱ الحدیث رقم ۶۶۲۵ومسلم فی ۱۲۷۶/۳ الحدیث رقم (۲۶-۱۶۵۵) واحمد فی المسند ۳۱۷/۲۔

ترجمه:''اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''اللہ کی قسم! تم میں سے کسی شخص کا اپنی قسم پر اصرار کرنا (یعنی اس قسم کو پورا کرنے ہی کی ضد کرنا) جو اپنے اہل وعیال سے متعلق ہو اللہ تعالیٰ کے نزدیک قسم کھانے والے کو زیادہ گنہگار بناتا ہے بہ نسبت اس کے کہ وہ اس قسم کو توڑ دے اور اس کا کفارہ ادا کردے جو اس پر فرض کر دیا گیا ہے''۔(بخاری ومسلم)

تشریح:قوله :والله لأن يلج احدكم...... :

لأن یلج :قاضیؒ، صاحب قاموس اور صاحب مشارق عیاضؒ کے کلام کا حاصل یہ ہے کہ لج یلج لجاء ولجاجة از باب سمع اور باب ضرب مستعمل ہے۔

بیمینه :باء سببیہ ہے۔أی بسببها :

آثم :ہمزہ کے مد کے ساتھ اسم تفضیل ہے۔بمعنی اکثر اثما:

افترض :ایک نسخہ میں'' فرض '' ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں،کوئی بعید نہیں کہ یہ کلام نبوی ''الصیف أحر من الشتاء'' کے قبیل سے ہو۔یعنی اثم اللجاج فی بابه أبلغ من ثواب اعطاء الكفارة فی بابه.ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں:اس کے زیادہ ظاہر معنیٰ یہ ہیں:استمراره على عدم الحنث وادامة الضرر على أهله أكثر اثما من الحنث المطلق.

برماویؒ فرماتے ہیں: آثم، اسم تفضیل ہے،مشارکت کا مقتضی ہے، یہ اس بات کی طرف مشعر ہے کہ اعطاء الكفارة فيه اثم لما في الحنث من عدم تعظيم اسم الله تعالى. وبينه وبين الكفارة ملازمة عادة .

امام نوویؒ فرماتے ہیں:یہ کلام،حالف کے توہم پر مبنی ہے،بایں طور کہ حالف کو یہ وہم لگتا ہے کہ وہ گناہ گار ہوگا'اور اسی وجہ سے وہ اپنی بات پر اڑ جاتا ہے،بایں طور کہ کفارہ اداء کرکے حلال نہیں ہوتا،چنانچہ حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا:اس طرح کی صورتحال میں اڑ جانے پر زیادہ گناہ ہے۔اور''اہل'' کا ذکر فرمانا بطور مبالغہ کے ہے۔

قاضیؒ فرماتے ہیں:

مطلب یہ ہے کہ اگر قسم توڑنے میں بظاہر حق تعالیٰ کے نام کی عزت وحرمت کی ہتک ہے اور قسم کھانے والا بھی اس کو اپنے خیال کے مطابق گناہ ہی سمجھتا ہے لیکن اس قسم کو پوری کرنے ہی پر اصرار کرنا جو اہل وعیال کی کسی حق تلفی کا باعث ہوتی ہے زیادہ گناہ کی بات ہے بنسبت اس کے کہ وہ اپنی قسم میں حانث ہو جائے اور اس کا کفارہ دے۔

حالانکہ یہ ممنوع ہے، چنانچہ ارشاد باری تعالیٰ ہے ﴿ولا تجعلوا الله عرضة لأ يمانكم أن تبروا وتتقوا وتصلحوا بين الناس والله سميع﴾ أي :لأ قوالكم ﴿عليهم﴾أي :بنياتكم.

کسی تنازعہ کی صورت میں قسم دینے والے کی نیت کا اعتبار ہوگا

۳۴۱۵:وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَمِيْنُكَ عَلٰى مَا يُصَدِّقُكَ عَلَيْهِ صَاحِبُكَ.

(رواہ مسلم)

اخرجه مسلم فى صحيحه۱۲۷۴/۳ الحديث رقم (۲۰-۱۶۵۳)وابوداؤدفى السنن ۵۷۲/۳ الحديث رقم ۳۲۵۵ والترمذى فى ۶۳۶/۳ الحديث رقم ۱۳۵۴وابن ماجه فى ۶۸۶/۱ الحديث رقم ۲۱۲۱ والدارمى فى ۲۴۵/۲ الحديث رقم ۲۳۴۹ واحمد فى المسند ۲۲۸/۲۔

ترجمہ:''اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا:''تمہاری قسم اس وقت معتبر ہوتی ہے جب تمہارا ساتھی (یعنی قسم طلب کرنے والا) تمہیں سچا سمجھے''۔(مسلم)

تشریح: قوله :يمينك على ما يصدقك......:

يمينك : مبتدا ہے اور''على ما يصدقك الخ'' :خبر ہے۔

مطلب یہ ہے کہ قسم سچی ثابت ہونے کے سلسلے میں اس شخص کی نیت وارادہ کا اعتبار ہوگا جس نے تمہیں قسم دی ہے اس میں قسم کھانے والے کی نہ تو نیت کا اعتبار ہوگا اور نہ اس کے توریہ وتاویل کا اعتبار کیا جائے گا لیکن اس حکم کا تعلق کسی تنازعہ کی اس صورت سے ہے جب کہ قسم دینے والے کا کوئی حق ومطالبہ قسم کھانے والے پر ہو اور قسم کھانے والے کے توریہ وتاویل سے اس کا حق ساقط ہوتا ہو یہ ایسا ہی ہے جیسا کہ کسی مقدمہ کے سلسلہ میں اگر قاضی وحاکم مدعا علیہ کو قسم دلائے تو اس میں قاضی وحاکم کی نیت کا اعتبار ہوتا ہے' ہاں اگر کسی کی حق تلفی کا کوئی معاملہ نہ ہو یا کوئی قسم دینے والا نہ ہو تو پھر توریہ میں کوئی مضائقہ نہیں ہے۔ بطور خاص جب کہ اس توریہ کی وجہ سے کسی کا فائدہ ہوتا ہو جیسا کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کی مراد یہ تھی کہ یہ میری دینی بہن ہیں۔

چونکہ قاضی کو طلاق وعتاق کا حلف لینے کا حق حاصل نہیں، اس کو صرف اللہ کا حلف لینے کا حق ہے۔ یہ تفصیل امام شافعیؒ اور ان کے اصحاب کے نزدیک ہے۔ امام مالکؒ سے حکایت کیا جاتا ہے کہ مکر وفریب کی صورت میں حالف حانث بھی ہوگا، اور گناہ گار بھی۔ اور عذر کی صورت لا باس کے درجہ میں ہے۔ اھ۔

سوید بن حنظلہ سے مروی ہے:

"قال :خرجنا نريد رسول الله صلى الله عليه وسلم ومعنا وائل بن حجر الخضرمي، فأخذه عدو له فتحرج القوم أن يحلفوا وحلفت أنه أخي، فخلوا سبيله، فأتيت النبي ﷺ فأخبرته فقال :صدقت، المسلم أخو المسلم".

تخریج: حدیث باب کو امام احمد، ابوداؤد اور ابن ماجہ نے بھی ذکر کیا ہے۔

۳۴۱۶: وَعَنْهُ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَلْيَمِيْنُ عَلٰى نِيَّةِ الْمُسْتَحْلِفِ.

(رواه مسلم)

اخرجه مسلم في صحيحه ٢٧٤/٣ الحديث رقم (٢١-١٦٥٣)وابن ماجه في السنن ٦٨٥/١ الحديث رقم ٢١٢٠.

ترجمہ: ''اور حضرت ابوہریرہؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''قسم کا اعتبار قسم طلب کرنے والے کی نیت پر ہوتا ہے''۔

(صحیح مسلم)

عرضِ مرتب:

حلف میں مستحلف کا اعتبار ہے، یا حالف کا؟ یہ تفصیل پچھلی روایت کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

تخریج: اس حدیث کو امام ابن ماجہؒ نے بھی روایت کیا ہے۔

لغو قسم پر مواخذہ نہیں ہوگا

۳۴۱۷: وَعَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ اُنْزِلَتْ هٰذِهِ الْاٰيَةُ لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ فِيْ قَوْلِ الرَّجُلِ لَا وَاللّٰهِ وَبَلٰى وَاللّٰهِ۔ (رواه البخاري وفي شرح السنة لفظ المصابيح وقال رفعه بعضهم عن عائشة)

اخرجه البخاري في صحيحه ١١/ الحديث رقم٦٦٦٣ وابوداؤد في السنن ٥٧٣/٣ الحديث رقم ٣٢٥٤ ومالك في الموطأ ٢٧٧/٢ الحديث رقم ٩ من كتاب النذور.

ترجمہ: ''اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ یہ آیت لَا يُؤَاخِذُكُمُ اللّٰهُ بِاللَّغْوِ فِيْٓ اَيْمَانِكُمْ یعنی اللہ تعالیٰ تمہاری لغو قسموں پر تم سے مواخذہ نہیں کرتا۔ اس شخص کے حق میں نازل کی گئی ہے جو لَا وَاللّٰهِ وَبَلٰى وَاللّٰهِ کہتا ہے۔ (بخاری) شرح السنۃ میں یہ روایت بلفظ مصابیح نقل کی گئی ہے' نیز شرح السنۃ میں کہا گیا ہے کہ بعض راویوں نے یہ حدیث حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے مرفوعاً نقل کی ہے (یعنی ان روایتوں کے مطابق یہ حدیث آپ ﷺ کا ارشادِ گرامی ہے)''۔

تشریح: اہل عرب کی یہ عادت تھی کہ وہ آپس میں گفتگو کرتے وقت بات بات پر یہ کہا کرتے تھے کہ لا واللہ (خدا کی قسم

ہم نے یہ کام نہیں کیا) اور بلی و اللّٰہ (خدا کی قسم ہم نے یہ کام کیا ہے) ان الفاظ سے ان کا مقصود قسم کھانا نہیں ہوتا تھا بلکہ اپنی بات میں زور پیدا کرنے کے لئے یا بطور تکیہ کلام وہ ان الفاظ کو بیان کرتے تھے' چنانچہ اس صورت میں قسم واقع نہیں ہوتی اور اس کو "لغو قسم" کہتے ہیں۔ امام شافعیؒ نے اس پر عمل کیا ہے ان کے نزدیک "لغو قسم" اس قسم کو کہتے ہیں جو بلا قصد زمانہ ماضی یا زمانہ مستقبل زبان سے صادر ہو جب کہ امام اعظم ابو حنیفہؒ کے نزدیک "لغو قسم" اس قسم کو کہتے ہیں جو کسی ایسی بات پر کھائی جائے جس کے بارے میں قسم کھانے والے کا گمان تو یہ ہوگا کہ وہ صحیح ہے لیکن واقعتاً وہ صحیح نہ ہو' چنانچہ اس کی تفصیل ابتدا باب میں گزر چکی ہے۔

عرض مرتب: اس حدیث کے تحت ملا علی قاریؒ نے یمین کی مختلف اقسام کا ذکر کیا ہے۔ اس بحث کا معتد بہ حصہ ابتدائے باب میں ذکر کیا جا چکا ہے وہاں ملاحظہ فرمائیے۔

الفصل الثانی :

۳۴۱۸: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ لَا تَحْلِفُوْا بِآبَائِكُمْ وَلَا بِاُمَّهَاتِكُمْ وَلَا بِالْاَنْدَادِ وَلَا تَحْلِفُوْا بِاللّٰهِ اِلَّا وَاَنْتُمْ صَادِقُوْنَ. (رواه ابوداود والنسائی)

اخرجه ابوداوٗد فی السنن ۵۶۹/۳ الحدیث رقم ۳۲۴۸ والنسائی فی ۵/۷ الحدیث رقم ۳۷۶۹۔

ترجمہ: "اور حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "تم نہ تو اپنے باپ دادوں کی قسم کھاؤ اور نہ اپنی ماؤں کی اور نہ بتوں کی اور اللہ کی قسم بھی تم اسی صورت میں کھاؤ جب کہ تم سچے ہو (یعنی جھوٹی قسم نہ کھاؤ خواہ اس کا تعلق زمانہ ماضی سے ہو یا زمانہ مستقبل سے)"۔ (ابوداؤد' نسائی)

تشریح: روایت میں اگرچہ اصول کا ذکر ہے، فروع کا ذکر نہیں ہے، مگر جب اصول کا حلف ممنوع ٹھہرا تو فروع کا بطریق اولیٰ ممنوع ہوگا۔ علاوہ ازیں اگرچہ روایت میں آباء، امہات اور انداد کا ذکر ہے مگر مراد یہ ہے کہ غیر اللہ کی قسم نہ اٹھائی جائے۔

انداد بروزن اقلام ہے، نِدّ (بکسر الدال) کی جمع ہے۔ الند هو مثل الشیء یضاده فی أموره ویناده أی یخالفه .

غیر اللہ کی قسم کھانے کی ممانعت

۳۴۱۹: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَقُوْلُ مَنْ حَلَفَ بِغَیْرِ اللّٰهِ فَقَدْ اَشْرَكَ . (رواه الترمذی)

اخرجه ابوداوٗد فی السنن ۵۷۰/۳ الحدیث رقم ۳۲۵۱ والترمذی فی ۹۳/۴ الحدیث رقم ۱۵۳۰ واحمد فی المسند ۸۶/۲

ترجمہ: ''ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: جس نے اللہ کے غیر کی قسم کھائی اس نے شرک کیا۔ روایت کیا اس کو ترمذی نے''۔ (ترمذی)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ جس شخص نے غیر اللہ کی قسم اس کی تعظیم کے اعتقاد کے ساتھ کھائی اس نے شرک جلی یا شرک خفی کا ارتکاب کیا' کیونکہ اس طرح اس نے اس تعظیم میں غیر اللہ کو شریک کیا جو صرف اللہ تعالیٰ کے لئے خاص ہے۔

علی رازیؒ فرماتے ہیں: أخاف على من قال: وحياتي وحياتك أنه يكفر، ولو لا أن العامة يقولونه ولا يعصونه لقلت: انه شرك. ابن مسعودؓ سے مروی ہے: لأن أحلف با لله كاذبا أحب الي من أن أحلف بغير الله صادقا.

تخریج: اس حدیث کو احمد اور حاکم نے بھی روایت کیا ہے۔ امام احمد اور بیہقی نے ان الفاظ کے ساتھ (بھی) روایت کیا ہے: ''من حلف فليحلف برب الكعبة''.

ابن ہمام فرماتے ہیں أما الصفة، فالمراد بها اسم المعنى الذى يتصمن ذاتا ولا يحل عليها وهو كالعزة والكبرياء والعظمة، بخلاف نحو العظيم، فقيده بعضهم بكون الحلف بها متعارفا سواء كان من صفات الفعل أو الذات، وهو قول مشايخ ما وراء النهر.

امام محمدؒ لوگوں کے قول ''أمانة الله'' کے بارے میں فرماتے ہیں یہ ''یمین'' ہے۔ امام محمدؒ سے پوچھا گیا کہ اس کا معنیٰ کیا ہے؟ تو فرمایا: لا أدرى. چونکہ امام محمدؒ کا مشاہدہ یہی تھا کہ لوگ ان کلمات کے ذریعے قسم کھاتے ہیں، چنانچہ آپؒ نے ان کلمات کے بارے میں یہی حکم صادر فرمایا، کہ یہ یمین ہے۔ اور اس کی وجہ یہ ہے کہ انہوں نے اس کے معنیٰ ''واللہ الامین'' مراد لئے۔ چنانچہ امانت سے مراد وہ (معنی) ہیں جن کو لفظ یمین متضمن ہے، جیسا کہ عزۃ اللہ میں عزت سے مراد وہ عزت ہے جو ''عزیز'' کے ضمن میں ہے اور اسی طرح دوسری مثالوں میں۔ ہمارا مذہب یہ ہے کہ صفاتِ باری تعالیٰ نہ عین ذات ہیں' نہ غیر ذات ہیں، کیونکہ غیر اس کو کہتے ہیں کہ جس کا انفکاک باعتبار زمانہ، یا مکان یا وجود درست ہو۔

اور اگر (کسی نے) یوں کہا: بسم الله لأفعلن كذا، تو اس کے حکم کے بابت علماء میں اختلاف ہے، مختار یہی ہے کہ یہ یمین نہیں ہے کیونکہ (ان الفاظ کے ساتھ) یمین متعارف نہیں ہے۔

ہدایہ میں لکھتے ہیں: امام ابوحنیفہؒ نے فرمایا، اگر کسی شخص نے کہا' وحق الله، تو یہ حلف شمار نہ ہوگا۔ امام احمد کا ایک قول، اور ابو یوسفؒ سے ایک روایت بھی یہی ہے۔ البتہ امام ابو یوسف کی دوسری روایت کے مطابق یہ یمین ہے۔

ابن ہمامؒ فرماتے ہیں: يعني اذا أطلق، چونکہ ''حق'' صفات باری تعالیٰ میں سے ہے، اس کو اسماءِ حسنٰی میں شمار کیا گیا ہے۔ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿ولو اتبع الحق أهوائهم﴾ وهو حقيقة أى كونه تعالٰى ثابت الذات أى موجودها.

گویا کہ قائل کا کلام یوں ہے: و الله الحق. اور ان الفاظ کے ذریعے حلف متعارف ہے۔ لہٰذا ان کا یمین ہونا واجب ہے۔ ائمہ ثلاثہ کا قول بھی یہی ہے۔ ان دونوں حضرات کی دلیل یہ ہے کہ ''حق اللہ'' سے مراد ''طاعۃ اللہ'' ہے، چونکہ طاعات اللہ جل شانہٗ کا

حق ہیں، اور عرفاً وشرعاً متبادر بھی یہی ہے حتی کہ گویا حقیقت ہے کہ اس کے علاوہ کچھ بھی متبادر الی الذھن نہیں ہوتا۔ اور اگر قائل نے یوں کہا: والحق، تو یہ بالا جماع یمین ہے۔

وعهد الله وميثاقه مطلقاً بولا جائے تو حنفیہ، امام مالک اور امام احمد بن حنبل کے نزدیک یمین ہے، اور امام شافعیؒ کے نزدیک بھی یمین ہے بشرطیکہ نیت کے ساتھ ہو، چونکہ عہد ومیثاق میں عبادات کا احتمال ہے۔ لہٰذا بغیر نیت کے یمین نہ ہوگی۔ اور بعینہ یہی حکم ہے لفظ "امانة الله" کا۔

ہم یہ کہتے ہیں:

غلب ارادة اليمين اذ اذكرت بعد حرف القسم فوجب عدم توقفها على النية للعادة الغالبة.

۳۴۲۰: وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ حَلَفَ بِالْاَمَانَةِ فَلَيْسَ مِنَّا.

(رواہ ابوداود)

اخرجه ابوداوٗد فی السنن ۵۷۱/۳ الحدیث رقم ۳۲۵۳ واحمد فی المسند ۳۵۲/۵۔

ترجمہ: "اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جس شخص نے امانت کی قسم کھائی وہ شخص ہم میں سے نہیں ہے"۔ (ابوداؤد ونسائی)

اسلام سے بیزاری کی قسم کا مسئلہ

۳۴۲۱: وَعَنْ بُرَيْدَةَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مَنْ قَالَ اِنِّي بَرِيْءٌ مِنَ الْاِسْلَامِ فَاِنْ كَانَ كَاذِبًا فَهُوَ كَمَا قَالَ وَاِنْ كَانَ صَادِقًا فَلَنْ يَّرْجِعَ اِلَى الْاِسْلَامِ سَالِمًا.

(رواہ ابوداود والنسائی وابن ماجة)

اخرجه ابوداوٗد فی السنن ۵۷۴/۳ الحدیث رقم ۳۲۵۸ والنسائی فی ۶/۷ الحدیث رقم ۳۷۷۲ وابن ماجه فی ۶۷۹/۱ الحدیث رقم ۲۱۰۰ واحمد فی المسند ۳۵۵/۵۔

ترجمہ: "اور حضرت بریدہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جو شخص یوں کہے کہ (اگر میں نے ایسا کیا ہو یا ایسا نہ کیا ہو تو) میں اسلام سے بری ہوں' لہٰذا اگر وہ اپنی بات میں جھوٹا ہے تو وہ ایسا ہی ہو گیا جیسا کہ اس نے کہا اور اگر وہ اپنی بات میں سچا ہے تب بھی وہ اسلام کی طرف پوری طرح واپس نہ لوٹے گا"۔

(ابوداؤد ونسائی وابن ماجہ)

تشریح: مطلب یہ ہے کہ اگر کوئی شخص اس طرح قسم کھائے کہ "اگر میں نے فلاں کام کیا ہو یا اگر میں فلاں کام نہ کیا ہو تو میں اسلام سے بیزار ہوں' تو اگر وہ اپنی بات میں جھوٹا ہے (یعنی واقعتاً اس نے وہ کام کیا ہے) تو وہ اسلام سے بیزار ہو گیا۔ گویا یہ ارشاد اس طرح قسم کھانے کی شدید ممانعت کو ظاہر کرنے کے لئے بطور مبالغہ فرمایا گیا ہے۔ اگر وہ شخص اپنی بات میں سچا ہے (

یعنی واقعتاً اس نے وہ کام نہیں کیا ہے) تو اس صورت میں بھی اس کا اس طرح کہنا گناہ سے خالی نہیں ہے کیونکہ اس طرح کی قسم کھانے سے مسلمانوں کو منع کیا گیا ہے۔ یہ صورت یمین غموس ہے۔

ابن الملکؒ فرماتے ہیں: یہ صورت "یمین امانت" کے زیادہ قریب ہے۔ ابن ہمامؒ نے فرمایا: وھو بریء من الاسلام ان فعل کذا. ہمارے نزدیک یہ یمین ہے۔ اور ھو بریء من الصلاة والصوم کا حکم بھی یہی ہے۔

آنحضرت صَلَّی اللّٰہُ عَلَیْہِ وَسَلَّمْ بعض مواقع پر کس طرح قسم کھاتے تھے

۳۴۲۲: وَعَنْ اَبِیْ سَعِیْدِ الْخُدْرِیِّ قَالَ کَانَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا اجْتَهَدَ فِی الْیَمِیْنِ قَالَ وَالَّذِیْ نَفْسُ اَبِی الْقَاسِمِ بِیَدِهٖ. (رواہ ابوداود)

اخرجه ابوداؤد فی السنن ۵۷۷/۳ الحدیث رقم ۳۲٦٤ واحمد فی المسند ٤٨/٣۔

ترجمہ: "اور حضرت ابوسعید خدری رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب (بعض مواقع پر) اپنی قسم میں زور پیدا کرنا چاہتے تو اس طرح قسم کھاتے تھے: "قسم ہے اس ذات پاک کی جس کے ہاتھ میں ابوالقاسم کی جان ہے (یہ بات نہیں ہے بلکہ یہ بات ہے)"۔ (ابوداؤد)

تشریح: نفس سے مراد روح بھی ہوسکتی ہے، اور ذات بھی۔

بیدہ سے مراد تصرف باری تعالیٰ اور اس کی قدرت وارادہ ہے۔ اجتھد: صاحب النہایہ لکھتے ہیں: الاجتھاد، جھد بمعنی "طاقة" سے ماخوذ ہے، اجتہاد کا مطلب ہوتا ہے بذل الوسع فی طلب الأمر. کام کی طلب میں سردھڑ کی بازی لگا دینا۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کا یہ طرز قسم بڑا بلیغ تھا۔

آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی قسم کے ان الفاظ میں زور بیان اور شدت وتاکید بایں معنی ہے کہ یہ الفاظ اللہ تعالیٰ کے کمال قدرت اور آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم کی عبودیت کاملہ نیز آپ صلی اللہ علیہ وسلم کے نفس ذکیہ کے مسخر ومطیع ہونے اور اللہ جل شانہ کے ہاں معزز ترین ہستی ہونے پر دلالت کرتے ہیں۔ چنانچہ یہ قسم، قسم کی اقسام میں سے اشرف ترین قسم کا اظہار کرتے ہیں۔

تخریج: اس حدیث کو امام احمدؒ نے بھی روایت کیا ہے۔

۳۴۲۳: وَعَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ کَانَتْ یَمِیْنُ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اِذَا حَلَفَ لَا وَاَسْتَغْفِرُ اللّٰهَ. (رواہ ابوداود وابن ماجة)

اخرجه ابوداؤد فی السنن ۵۷۷/۳ الحدیث رقم ۳۲٦۵ وابن ماجه فی ٦٧٧/۱ الحدیث رقم ۲۰۹۳ واحمد فی المسند ۲۸۸/۲۔

ترجمہ: "اور حضرت ابوہریرہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم جب قسم کھاتے تھے تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی یوں کہتے: لا واستغفر اللہ۔ نہیں! میں اللہ تعالیٰ سے بخشش طلب کرتا ہوں۔" (ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: قاضیؒ فرماتے ہیں: ان الفاظ کو قسم کہنا بایں وجہ ہے کہ یہ الفاظ اپنے معنی ومفہوم کے اعتبار سے قسم ہی کے مشابہ ہیں، کیونکہ ان الفاظ کے معنی ہیں "اگر یہ بات اس کے برخلاف ہو تو میں اللہ سے بخشش چاہتا ہوں" اور ظاہر ہے کہ اس طرح کہنا اپنی بات اور اپنے مطلب کو مضبوط و مؤکد کرنا ہے اسی وجہ سے اس کو قسم کا نام دیا۔

امام طیبیؒ اس کی توجیہ کرتے ہوئے فرماتے ہیں: واستغفر اللّٰه کی واؤ عاطفہ ہے، یہ معطوف علیہ محذوف کی مقتضیٰ ہے اور اس کا قرینہ لفظ "لا" ہے۔ چونکہ یہ "لا" دو حال سے خالی نہیں، یا "توطئه للقسم" قسم کی تمہید ہے، جیسا کہ اس آیت کریمہ میں: ﴿لا أقسم﴾ کہ یہ کلام سابق کا ردّ اور انشاء قسم ہے۔ اور بہر دو تقدیر معنیٰ یہ ہوں گے، لا أقسم باللّٰه و أسغفر اللّٰه اور اس کی تائید مظہرؒ کے اس قول سے بھی ہوتی ہے: اذ احلف رسول ﷺ یمین لغو کأن یقول :واستغفر اللّٰه عیقبة تدارکا لما جری علی لسانه من غیر قصد، وان کان معفوا عنه لما نطق به القرآن، لیکون به دلیلا لأمته علی الا حتراز منه ـ

ابن الملکؒ بھی مظہرؒ کی اتباع میں فرماتے ہیں: أی :اذ أحلف فی أثناء المحاورات :لا واللّٰه، وبلی، واللّٰه، استدرکه بذلك نافیا کونه یمینا معقوداً علیه، اھ۔ آنحضرت ﷺ کے کلام مذکور کو لغو پر محمول کرنا مقامِ رسالت کے منافی ہے، مستزاد برایں یہ کہ اللہ جل شانہٗ نے مؤمنین کے بارے میں فرمایا: ﴿والذین هم عن اللغو معرضون﴾ [المؤمنون:۳]

اور یہ بھی ممکن ہے کہ عبارت کی تقدیر یوں ہو: کانت یمین رسول اللّٰه صلی اللّٰه علیه وسلم اذ احلف مقرونة لا، واستغفر اللّٰه یعنی جس وقت حلف اٹھاتے اور "لا" کے ذریعہ مبالغہ فرماتے تو "واستغفر اللّٰه" بھی فرماتے، أی :استغفر اللّٰه مما یعلم به اللّٰه علی خلاف ما وقع منی وصدر عنی، اگرچہ اس میں مؤاخذہ تو نہیں لیکن یہ پہلو "حسنات الأبرار سیئات المقربین" تو بہر حال ہے۔

یا تقدیری عبارت یوں ہے: واستغفر اللّٰه من الحلف، چونکہ ترک یمین افضل ہے، الا یہ کہ کسی موقع پر ضرورت آ جائے۔ اصل کے اعتبار سے یمین "عرضۃ" ہے۔ اور وہ "منهی عنه" ہے، اسی وجہ سے بعض لوگ حلف سے گریز کرتے ہیں اگرچہ سچے ہی کیوں نہ ہوں، لہٰذا آنحضرت ﷺ سے ثابت یمین تاکید حکم یا بیان جواز پر محمول ہے، چنانچہ بعض لوگوں کا کہنا ہے: اذا أراد الحلف ذکر هذا بدلاً عن الحلف ولم یحلف. واللّٰه تعالٰی أعلم ـ

قسم کے ساتھ ان شاء اللہ کہنے کا مسئلہ

۳۴۲۴: وَعَنِ ابْنِ عُمَرَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ حَلَفَ عَلٰى يَمِيْنٍ فَقَالَ اِنْ شَاءَ اللّٰهُ فَلَا حِنْثَ عَلَيْهِ (رواه الترمذی وابوداود والنسائی وابن ماجة والدارمی وذکر الترمذی جماعة وقفوه علی ابن عمر)

اخرجه ابوداوٗد في السنن ۵۷۵/۳ الحديث رقم ۳۲۶۱ والترمذي في ۹۱/۴ الحديث رقم ۱۵۳۱ والنسائي في ۲۵/۷ الحديث رقم ۳۸۳۰وابن ماجه في ۶۸۰/۱الحديث رقم ۲۱۰۵ والدارمي في ۲۴۲/۲ الحديث رقم ۲۳۴۲ ومالك في الموطأ۴۷۷/۲ الحديث رقم ۱۰من كتاب النذور واحمد في المسند ۱۰/۲۔

ترجمه: ''اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ''جو کسی بات پر قسم کھائے اور (قسم کے ساتھ ہی) ان شاء اللہ بھی کہہ دے تو اس پر حنث (کا اطلاق) نہیں ہوگا۔ (یعنی وہ شخص گنہگار نہیں ہوگا)۔ (ترمذی' ابوداؤد' نسائی' ابن ماجہ' دارمی) نیز امام ترمذیؒ نے کچھ محدثین کے بارے میں ذکر کیا ہے کہ انہوں نے اس روایت کو حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما پر موقوف کیا ہے (یعنی ان محدثین کے نزدیک یہ روایت حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما کا ارشاد ہے)''۔

تشریح: قوله :من حلف علي يمين ......:

جو شخص کسی بات یا کام کے کرنے یا نہ کرنے کی قسم کھائے اور قسم کے ساتھ متصلاً ہی ان شاء اللہ بھی کہہ دے، تو یہ قسم شمار نہ ہو گی اس پر حنث بھی نہیں ہوگا۔ حضرات حنفیہ، صحابہ میں سے ابن مسعود، ابن عباس اور ابن عمرؓ کا یہی موقف ہے۔ چنانچہ ملاحظہ ہوں فقہاء کی عبارات:

قال محمد رحمه الله في موطئه :وبه نأخذ، وهو قول أبي حنيفة رحمه الله، اذا قال :ان شاء الله وصلها بيمينه فلا شيء عليه قال ابن الهمام، قال محمد :بلغنا ذلك عن ابن مسعود وابن عباس وابن عمر رضوان الله عليهم أجمعين، وكذا قال موسى عليه الصلوٰة والسلام :﴿ستجدني ان شاء الله صابراً﴾ ولم يصر مخلفا لوعده وتقدم في الطلاق. امام مالکؒ کا کہنا ہے کہ اس پر یمین ونذر کے حکم کا اطلاق ہوتا ہے۔ چونکہ اشیاء ساری کی ساری اللہ کی مشیت ہی کے ساتھ ہیں، لہٰذا اس کے ذکر سے حکم بدلے گا نہیں۔ اور جمہور کی دلیل یہ حدیث ہے۔

استثناء منفصل ہو تو اس کا اعتبار ہے کہ نہیں؟ فقہاء کا اس میں اختلاف ہے۔

شرح السنہ میں لکھتے ہیں: اکثر اہل علم کا عمل اسی پر ہے کہ استثناء جب یمین سے متصل ہو، یا غیر متصل ہو بایں طور کہ درمیان میں معمولی سا وقفہ ہو، مثلاً یاد کرنے کیلئے، یا تھک جانے کی وجہ سے، یا سانس لینے کیلئے ہو تو اس سے حنث لازم نہیں آتا۔ قسم خواہ اللہ کی ہو، طلاق کی ہو، یا عتاق کی ہو۔ البتہ اس استثناء میں اختلاف ہے جو یمین سے منفصل ہو۔ اکثر اہل علم کا مذہب یہ ہے کہ اس پر عمل نہیں کیا جائے گا۔ اگر فصل طویل ہو یا درمیان میں کسی اور کلام میں مشغول ہو گیا اور پھر استثناء کیا تو کہا گیا ہے کہ جب تک حالف مجلس میں موجود ہے استثناء درست ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ جب تک وہ کلام نہ کرے۔ اور بعض کہتے ہیں کہ جب تک وہ اس معاملہ میں ہے۔ ابن عباس فرماتے ہیں ایک زمانہ گزر جانے کے بعد بھی استثناء درست ہے۔ اور مجاہد فرماتے ہیں کہ کئی سال (بعد) بھی درست ہے۔ اور سعید بن جبیر فرماتے ہیں چار مہینے بعد (تک) درست ہے۔

امام طیبیؒ فرماتے ہیں اللہ جل شانہ کے اس فرمان: ﴿فقال ان شاء الله﴾ میں موجود ''فاء'' اتصال کے معنیٰ کی طرف مشعر ہے۔ چونکہ یہ غیر تراخی کے لئے موضوع ہے۔ ''ان شاء الله تعالى'' کو استثناء کے قائم مقام قرار دینا مجازاً ہے۔ گویا کہ

حالف کے الفاظ حلف یوں ہیں: أحلف باللّٰہ تعالٰی انی أفعل کذا، ولا یمنعنی من مانع الا مشیئة اللّٰہ تعالٰی.

تخریج: الجامع الصغیر کے مطابق ابوداؤد اور نسائی کی روایت کے الفاظ یہ ہیں:

"من حلف علی یمین فقال: ان شاء اللّٰہ فقد استثنٰی".

الفصل الثالث:

۳۴۲۵: عَنْ اَبِی الْاَحْوَصِ عَوْفِ بْنِ مَالِكٍ عَنْ اَبِیْهِ قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ اَرَاَیْتَ ابْنَ عَمٍّ لِی اٰتِیْهِ اَسْاَلُهٗ فَلَا یُعْطِیْنِیْ وَلَا یَصِلُنِیْ ثُمَّ یُحْتَاجُ اِلَیَّ فَیَاْتِیْنِیْ فَیَسْاَلُنِیْ وَقَدْ حَلَفْتُ اَنْ لَا اُعْطِیَهٗ وَلَا اَصِلَهٗ فَاَمَرَنِیْ اَنْ اٰتِیَ الَّذِیْ هُوَ خَیْرٌ وَاُكَفِّرَ عَنْ یَمِیْنِیْ (رواہ النسائی وابن ماجة وفی روایة) قَالَ قُلْتُ یَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ یَاْتِیْنِیْ ابْنُ عَمِّیْ فَاَحْلِفُ اَنْ لَّا اُعْطِیَهٗ وَلَا اَصِلَهٗ قَالَ كَفِّرْ عَنْ یَمِیْنِكَ ۔

اخرجه النسائی فی السنن ۱۱/۷ الحدیث رقم ۳۷۸۸ وابن ماجه فی ۶۸۱/۱ الحدیث رقم ۲۱۰۹ واحمدی فی المسند ۱۳۶/٤ الحدیث رقم ۲۱۰۹ واحمد فی المسند ۱۳۶/٤۔

ترجمہ: "اور ابوالاحوص عوف بن مالک اپنے والد (حضرت مالک رضی اللہ عنہ) سے روایت کرتے ہیں کہ انہوں نے کہا کہ میں نے عرض کیا: "یارسول اللہ! آپ میرے چچا کے بیٹے کے بارے میں کیا حکم دیتے ہیں کہ جب میں (اپنی کسی ضرورت کے تحت) اس سے (کچھ مال واسباب) مانگتا ہوں تو وہ مجھ کو (کچھ) نہیں دیتا ہے اور نہ ہی میرے ساتھ صلہ رحمی کرتا ہے۔ لیکن جب خود اس کو مجھ سے کوئی ضرورت پیش آتی ہے تو وہ میرے پاس آتا ہے اور مجھ سے مانگتا ہے مگر میں نے (اس کو اس کے عمل کی سزا دینے کے لئے کہ خود تو مجھ کو کچھ دیتا نہیں، لیکن مجھ سے مانگنے کے لئے آجاتا ہے) اس بات پر قسم کھالی ہے کہ میں نہ تو اس کو کچھ دوں گا اور نہ اس سے صلہ رحمی کروں گا۔ آپ ﷺ نے (یہ سن کر) مجھے حکم فرمایا کہ "میں وہ کام کروں جو بہتر ہے (یعنی اس کی ضرورت پوری کروں اور اس کے ساتھ حسن سلوک کروں) اور قسم توڑنے کا کفارہ ادا کروں۔ (نسائی، ابن ماجہ) اور ابن ماجہ کی روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ "مالکؓ نے کہا کہ میں نے عرض کیا کہ "یارسول اللہ! میرے چچا کا بیٹا میرے پاس (کچھ مانگنے) آتا ہے تو میں یہ قسم کھالیتا ہوں کہ نہ تو میں اس کو کچھ دوں گا اور نہ اس کے ساتھ صلہ رحمی کروں گا"۔ آپ ﷺ نے (یہ سن کر) فرمایا: "تم اپنی قسم (توڑ دو اور اس) کا کفارہ ادا کرو"۔

حالاتِ راوی:

ابوالاحوص۔ یہ "ابوالاحوص" ہیں ان کا نام "عوف" ہے۔ مالک بن فضلہ کے بیٹے تھے مرتب عرض کرتا ہے کہ ملا علی قاری رحمۃ اللہ علیہ نے مالک کی "نضر" ذکر کی ہے اھ۔ انہوں نے اپنے والد سے اور ابن مسعود اور ابوموسیٰ رضی اللہ عنہم سے احادیث سنیں۔ اور ان سے حسن بصری، ابواسحٰق اور عطاء بن السائب نے روایات کی ہیں۔

تشریح: آتیه : اتیان سے مشتق ہے، رأیت بمعنیٰ علمت کا مفعول ثانی ہے۔

أسأله : جملہ حالیہ ہے یا مستانفہ بیانیہ ہے۔ اور اظہر یہ ہے کہ رأیت بمعنیٰ عرفت ہے، اور دونوں فعل حال مترادفہ یا متداخلہ ہیں۔

هو خير : امام طیبیؒ فرماتے ہیں: یہاں لفظ ''خیر'' تفضیل کے لئے نہیں ہے، چونکہ اصل معنیٰ قطع رحمی اور صلہ رحمی، منع المعروف اور اعطاء معروف کے بین دائر ہیں۔ اور ایک دوسری حدیث میں اسی بات پر ابھارا گیا ہے: صل من قطعك، وأعط من حرمك، واعف عمن ظلمك. اور ان دونوں عادتوں سے منع فرمانا، نہی ابلغ ہے۔

وابن ماجة : ایک نسخہ میں ''وفي رواية'' کے الفاظ ہیں۔

بَابُ فِي النُّذُوْرِ

نذر و منت کا بیان

لفظ نذور جمع لانا، نذر کی انواع کے اعتبار سے ہے۔

الفصل الاول:

نذر کی ممانعت

۳۴۲۶: عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ وَابْنِ عُمَرَ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا تَنْذِرُوْا فَاِنَّ النَّذْرَ لَا يُغْنِي مِنَ الْقَدَرِ شَيْئًا وَاِنَّمَا يُسْتَخْرَجُ بِهِ مِنَ الْبَخِيْلِ (متفق عليه)

اخرجه البخاری فی صحيحه ۴۹۹/۱۱ الحديث رقم ۶۶۰۹ومسلم فی ۱۲۶۱/۳ الحديث رقم (۵-۱۶۴۰) والنسائی فی ۱۶/۷ الحديث رقم ۳۸۰۵وابن ماجه فی ۶۸۶/۱ الحديث رقم ۲۱۲۳ واحمد فی المسند ۱۱۸/۲۔

ترجمه: ''حضرت ابو ہریرہ رضی اللہ عنہ اور حضرت ابن عمر رضی اللہ عنہما دونوں روایت کرتے ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: تم نذر نہ مانو کیونکہ نذر تقدیر کے معاملے میں کوئی فائدہ نہیں دیتی البتہ نذر کے ذریعہ بخیل کا (کچھ مال ضرور) نکالا جاتا ہے۔'' (بخاری ومسلم)

تشریح: قوله: لا تنذروا فان النذر ......:

لا تنذروا: قاموس، ضیاء اور ابن الملک کے مطابق یہ لفظ ذال کے ضمہ اور کسرہ ہر دو کے ساتھ مستعمل ہے۔ مرقاۃ کے نسخہ میں بالضم ہے، اور ایک نسخہ میں بالکسر ہے۔

فان النذر: مصابیح کی بعض شروح میں ''فانه'' ہے۔

القدر: پہلے دونوں حرف مفتوح ہیں۔

یستخرج به: باء سببیہ ہے۔

ان الفاظ کے ذریعہ خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرنے کے سلسلہ میں سخی و بخیل کے درمیان ایک بڑا لطیف فرق بتایا گیا ہے کہ سخی کی شان تو یہ ہوتی ہے کہ وہ بلا واسطہ نذر از خود خدا کی راہ میں اپنا مال خرچ کرتا ہے لیکن بخیل کو اس کی توفیق نہیں ہوتی اگر اسے کچھ مال خرچ کرنا ہوتا ہے تو اس کے لئے نذر کو واسطہ بناتا ہے اور یہ کہتا ہے کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا تو میں خدا کے نام پر اتنا مال خرچ کروں گا' اس طرح سخی تو ''ایثار'' کا وصف اختیار کرتا ہے اور بخیل ''غرض'' کی راہ اختیار کرتا ہے۔

اس حدیث کی بناء پر بعض علماء نے نذر کے ماننے کو بالکل مکروہ قرار دیا ہے' لیکن قاضی نے اس حدیث کی وضاحت کرتے ہوئے کہا ہے کہ عام طور پر لوگوں کی عادت ہے کہ وہ نذر (یعنی خدا کی راہ میں اپنا کچھ مال خرچ کرنے) کو کسی فائدہ کے حصول اور کسی مضرت کے دور ہونے پر معلق کر دیتے ہیں۔ چنانچہ آنحضرت صلی اللہ علیہ وسلم نے اس سے منع فرمایا کیونکہ یہ بخیلوں کا کام ہے' سخی تو جب اللہ تعالیٰ کا تقرب حاصل کرنا چاہتا ہے وہ اس میں جلدی کرتا ہے اور فوراً ہی اپنا مال خدا کی راہ میں خرچ کر دیتا ہے' لیکن اس کے برخلاف بخیل کا حال یہ ہوتا ہے کہ اس کا دل یہ گوارا نہیں کرتا کہ اپنے ہاتھ سے اپنا مال کسی کو دے ہاں اس کی کوئی غرض ہوتی ہے تو وہ اپنا مال خرچ کرتا ہے چنانچہ یا تو وہ اپنی حاجت پوری ہونے کے بعد اللہ کے نام پر اپنا کچھ مال نکال دیتا ہے یا خدا کی راہ میں اپنا کچھ مال نکالنے کو حصول نفع یا دفع مضرت پر معلق کر دیتا ہے (یعنی یہ نذر مانتا ہے کہ اگر میرا فلاں کام ہو گیا یا مجھے فلاں نقصان نہ پہنچا تو میں اپنا اتنا مال خدا کی راہ میں خرچ کروں گا) اور ظاہر ہے کہ اس بات سے تقدیر کا فیصلہ نہیں بدل جاتا لہٰذا اس صورت میں بھی اس کو مال خرچ کرنے کی نوبت نہیں آتی' ہاں کبھی اس کی نذر تقدیر کے فیصلہ کے موافق ہو جاتی ہے تو گویا وہ نذر اس بخیل کو اپنا وہ مال خرچ کرنے پر مجبور کر دیتی ہے جس کو وہ خرچ کرنے کا ارادہ نہیں رکھتا تھا۔

بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ اس حدیث میں نذر سے منع کرنے کا مقصد یہ ہے کہ نذر ماننے کے بعد اس کو پورا کرنے میں سستی وکاہلی نہ کی جائے کیونکہ جب کسی نے نذر مانی تو اس نذر کو پورا کرنا اس کے ذمہ واجب ہو گیا لہٰذا اس واجب کی ادائیگی میں تاخیر مناسب نہیں ہے اور بعض علماء کے نزدیک یہاں نذر کی ممانعت سے مراد یہ ہے کہ اس اعتقاد وخیال کے ساتھ نذر مانی جائے کہ اللہ تعالیٰ نے جس کام کو مقدر نہیں کیا ہے وہ نذر سے ہو جائے گا۔ لہٰذا نذر سے منع کرنا اس اعتبار سے ہے نہ کہ مطلق نذر سے منع کرنا مقصود ہے۔

۳۴۲۷: وَعَنْ عَائِشَةَ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَذَرَ اَنْ يُطِيْعَ اللّٰهَ فَلْيُطِعْهُ وَمَنْ نَذَرَ اَنْ يَعْصِيَهُ فَلَا يَعْصِهِ. (رواه البخاری)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۵۸۱/۱۱ الحدیث رقم ۶۶۹۶ وابوداؤد فی السنن ۵۹۳/۳ الحدیث رقم ۳۲۸۹ والترمذی فی ۸۸/٤ الحدیث رقم ۱۵۲۶ والنسائی فی ۱۷/۷ الحدیث رقم ۳۸۰۶ وابن ماجه فی ۶۸۷/۱ الحدیث رقم ۲۱۲۸ والدارمی فی ۲٤۱/۲ الحدیث رقم ۲۳۳۸ ومالك فی الموطأ ٤۷۶/۲ الحدیث رقم ۸ من کتاب النذور۔

ترجمہ: ''اور حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''جس شخص نے ایسی نذر مانی جس سے اللہ تعالیٰ کی اطاعت ہوتی ہو تو اسے چاہئے کہ وہ اس کی اطاعت کرے (یعنی اس نذر کو پورا کرے) اور جس شخص نے ایسی نذر مانی جس سے اللہ تعالیٰ کی معصیت (نافرمانی) ہوتی ہو تو وہ اس کی نافرمانی نہ کرے (یعنی ایسی نذر کو پورا نہ کرے)''۔ (بخاری)

تشریح: یعنی جو شخص ایسی نذر مانے جس میں اللہ کی اطاعت کا پہلو ہو تو اسے چاہئے کہ اس کی اطاعت کرے اور اس نذر کو پورا کرے۔ چونکہ اللہ تعالیٰ کی اطاعت تو بغیر نذر کے بھی واجب ہے اور جب نذر کے ساتھ مقید کر دیا، تو اطاعت بطریق

اولیٰ کی جانی چاہئے اور جو شخص ایسی نذر مانے جس میں اللہ تعالیٰ کی معصیت و نافرمانی کا پہلو ہو تو وہ اس کی معصیت نہ کرے، اور ایسی نذر کو پورا نہ کرے، اس صورت میں ہمارے نزدیک کفارہ لازم ہوگا۔ اگرچہ اس روایت میں وجوب کفارہ، یا عدم وجوب کفارہ کا ذکر نہیں ہے، مگر مسلم کی روایت میں موجود ہے۔ چنانچہ شرح السنہ میں لکھتے ہیں: یہ دلیل ہے کہ جس شخص نے طاعت کی نذر مانی اس کیلئے اس کو پورا کرنا لازمی ہے اگرچہ اس نے کسی شے کے ساتھ معلق نہ بھی کی ہو۔ نیز یہ دلیل ہے کہ جس شخص نے معصیت کی نذر مانی اس کے لئے اس نذر کو پورا کرنا جائز نہیں، اور نہ اس پر کفارہ آئے گا۔ چونکہ اگر اس پر کفارہ ہوتا تو آپ صلی اللہ علیہ وسلم اسے بیان فرماتے۔ اھ۔ ملا علی قاریؒ فرماتے ہیں: اس روایت سے استدلال کا مخفی ہونا (غیر واضح ہونا) کسی سے بھی چھپا ہوا نہیں۔

تخریج: اس حدیث کو امام احمد اور اصحاب اربعہ نے بھی ذکر کیا ہے۔

۳۴۲۸: وَعَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِيْ مَعْصِيَةٍ وَلَا فِيْ مَا لَا يَمْلِكُ الْعَبْدُ (رواه مسلم وفي رواية) لَا نَذْرَ فِيْ مَعْصِيَةِ اللّٰهِ۔

اخرجه مسلم في صحيحه ۱۲۶۲/۳ الحديث رقم ۱۶۴۱/۸ وابوداوٗد في السنن ۶۰۹/۳ الحديث رقم ۳۳۱۶ وابن ماجه في ۶۸۶/۱ الحديث رقم ۲۱۲۴ والدارمي في ۲۴۰/۲ الحديث رقم ۲۳۳۷ واحمد في المسند ۴۳۰/۴۔

ترجمہ: ''اور حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جو نذر (اللہ کی) نافرمانی کا باعث ہو اس کو پورا کرنا جائز نہیں ہے اور نہ ایسی چیز کی نذر پوری کرنا جائز ہے جو بندے کے بس میں نہ ہو۔ (مسلم) اور مسلم ہی کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: جس نذر سے اللہ تعالیٰ کی معصیت (نافرمانی) ہوتی ہو اس کو پورا کرنا جائز نہیں''۔

تشریح: قوله: لا وفا لنذر في معصية......:

''لفظ وفاء'' کی تفسیر ''جائز'' اور ''صحیح'' سے کی گئی ہے۔ اس تشریح پچھلی حدیث کے ذیل میں گزر چکی ہے۔

قوله: ولا فيما لا يملك العبد:

حدیث کے دوسرے جزو کا مطلب یہ ہے کہ کسی ایسی چیز کی نذر ماننا جو بوقت نذر ماننے اپنی ملکیت میں نہ ہو اس نذر کو پورا کرنا جائز نہیں۔ مثلاً اگر کوئی شخص کسی دوسرے شخص کے غلام یا کسی دوسرے شخص کی کسی چیز کے بارے میں یہ نذر مانے کہ میں خدا کی راہ میں اس غلام کو آزاد کرتا ہوں یا اللہ کے واسطے اس چیز کو دینا اپنے اوپر واجب کرتا ہوں تو اس صورت میں اس نذر کے صحیح نہ ہونے کی وجہ سے اس غلام کو آزاد کرنا یا اس چیز کو اللہ واسطے دینا اس کے ذمہ لازم نہیں ہوگا۔

وفي رواية سے مراد بظاہر مسلم کی روایت ہے۔

تخریج: الجامع الصغیر میں لکھتے ہیں:

لا وفاء لنذر في معصية الله رواه احمد بسند حسن عن جابر، ولا نذر في معصية وكفارته كفارة

يمين. رواه احمد والأربعة باسناد صحيح عن عائشة، والنسائي عن عمران بن حصين.

نذر کا کفارہ

۳۴۲۹: وَعَنْ عُقْبَةَ بْنِ عَامِرٍ عَنْ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ كَفَّارَةُ النَّذْرِ كَفَّارَةُ الْيَمِيْنِ.

(رواه مسلم)

اخرجه مسلم في صحيحه ۱۲۶۵/۳ الحديث رقم (۱۳-۱٦٤٥ والترمذي في السنن ۹۹/٤ الحديث رقم ۱۵۲۸ والنسائي في ۲٦/۷ الحديث رقم ۳۸۳۲۔

ترجمه: ''اور حضرت عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم سے روایت کرتے ہیں کہ ''آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: ''نذر کا کفارہ قسم کے کفارے کی مانند ہے''۔ (مسلم)

نذر کی جن باتوں کو پورا کرنا ممکن نہ ہو ان کو پورا نہ کرنے کی اجازت

۳۴۳۰: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ قَالَ بَيْنَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَخْطُبُ إِذَا هُوَ بِرَجُلٍ قَائِمٍ فَسَأَلَ عَنْهُ فَقَالُوْا اَبُوْ اِسْرَائِيْلَ نَذَرَاَنْ يَقُوْمَ وَلَا يَقْعُدَ وَلَا يَسْتَظِلَّ وَلَا يَتَكَلَّمَ وَيَصُوْمَ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ مُرُوْهُ فَلْيَتَكَلَّمْ وَلْيَسْتَظِلَّ وَلْيَقْعُدْ وَلْيُتِمَّ صَوْمَهُ. (رواه البخاری)

اخرجه البخاري في صحيحه ٥٨٦/١١ الحديث رقم ٦٧٠٤ وابوداوٗد في السنن ٥٩٩/٣ الحديث رقم ۳۳۰۱ وابن ماجه في ٦٩٠/١ الحديث رقم ٢١٣٦۔

ترجمه: ''اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما فرماتے ہیں کہ (ایک دن) نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم خطبہ ارشاد فرمارہے تھے کہ اچانک آپ صلی اللہ علیہ وسلم کی نظر ایک شخص پر پڑی جو کھڑا تھا' آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے اس شخص کے بارے میں دریافت فرمایا (اس کا نام کیا ہے اور یہ اس وقت کیوں کھڑا ہے؟) تو لوگوں نے بتایا کہ اس کا نام ابواسرائیل ہے اور اس نے یہ نذر مانی ہے کہ کھڑا رہے گا' نہ بیٹھے گا' نہ سائے میں آئے گا اور نہ (بالکل) بولے گا اور (ہمیشہ) روزے رکھے گا۔ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (یہ سن کر) فرمایا کہ اس کو حکم دو کہ وہ سایہ میں آئے' بیٹھے اور اپنا روزہ پورا کرے''۔ (بخاری)

تشریح: بينا :نون کے فتحہ کے اشباع کے ساتھ۔

فاذا :ایک نسخہ میں اذا ہے۔

هو :ضمیر کا مرجع حضور علیه الصلوٰۃ والسلام ہیں۔

قائم :''رجل'' کی صفت ہونے کی وجہ سے مجرور ہے، یہاں کچھ عبارت مقدر ہے، أي: هو بين يديه أو عنده برجل قائم.

عنه :کے مرجع کے بارے میں تین احتمال ہیں:

(۱) عن قيامه (۲) عن اسمه (۳) عن رسمه.

فقال النبی ﷺ مروه :ایک نسخہ میں "مره" ہے۔

اس شخص نے جن باتوں کی نذر مانی تھی ان میں سے جس بات پر عمل کرنا اس کیلئے ممکن تھا اس کو پورا کرنے کا حکم دیا گیا اور جن باتوں پر عمل کرنا کسی وجہ سے ممکن نہ تھا ان کو پورا نہ کرنے کا حکم دیا گیا' چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو حکم دیا کہ وہ روزے کو پورا کرے یعنی اپنی نذر کے مطابق ہمیشہ روزے رکھا کرے' کیونکہ طاعت وعبادات کی نذر کو پورا کرنا لازم ہے اور ہمیشہ روزے رکھنا اس شخص کے لئے ایک بہتر عمل ہے جو اس پر قادر ہو' لیکن واضح رہے کہ اس صورت میں وہ پانچ روزے مستثنیٰ ہوتے ہیں جو شرعاً وعرفاً ممنوع ہیں اور اگر وہ ان پانچ روزوں کی بھی نیت کرے گا تو ان روزوں کو توڑنا اس پر واجب ہوگا اور حنفیہ کے نزدیک روزہ توڑنے کا کفارہ اس پر واجب ہوگا۔

جن باتوں پر عمل کرنا ممکن نہ تھا ان میں سے ایک تو "بولنا" تھا کہ شرعی طور پر یہ ناممکن ہے کہ کوئی شخص بالکل ہی نہ بولے کیونکہ بعض موقع پر "بولنا" واجب ہے۔ جیسے نماز میں قرأت' سلام کا جواب دینا اور اس کو ترک کرنا گناہ ہے' چنانچہ آپ ﷺ نے اس کو بولنے کا حکم دیا' اسی طرح بالکل نہ بیٹھنا اور سایہ میں نہ آنا انسان کے بس سے باہر ہے' اس لئے آپ ﷺ نے اس کو بیٹھنے اور سایہ میں آنے کا حکم دیا۔

قاضیؒ فرماتے ہیں: آنحضرت ﷺ نے اس شخص کو روزہ کی منت پوری کرنے کا حکم دیا اور باقی امور میں مخالفت کا حکم دیا۔ اس سے معلوم ہوا نذر لا يصح الا فيما فيه قربة. میں کہتا ہوں: اس پر کوئی دلالت نہیں، عموم نذر کے ثبوت پر دلائل ماقبل میں گزر چکی ہے۔ وہ فرماتے ہیں: وما لا قربة فيه فنذره لغو لا عبرة به. ابن عمر اور دیگر صحابہ بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام مالکؒ اور شافعیؒ کا مذہب بھی یہی ہے۔ بعض کا کہنا ہے کہ "منذور" اگر مباح ہو تو اس کا بجالانا بھی واجب ہے۔ اور دلیل یہ روایت ہے: "أن امرأة قالت :يا رسول الله! ان نذرت أن أضرب على رأسك بدف. قال :أوفي بنذرك". اور اگر "منذور" حرام ہو تو کفارہ یمین واجب ہوگا۔ اس کی دلیل حدیث عائشہؓ کی روایت ہے کہ نبی کریم ﷺ نے فرمایا: "لا نذر في معصية و كفارته كفارة اليمين". اور ایک دوسری روایت میں ہے کہ "عن عقبة أنه عليه الصلوٰة و السلام قال : كفارة النذر كفارة اليمين"

پہلی روایت کا جواب تو یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ کی تشریف آوری پر اظہار مسرت کے قصد کے باعث یہ کام قربات میں سے تھا۔ اور دوسری روایت کا جواب یہ ہے کہ یہ حدیث ضعیف ہے، ثقات کے نزدیک ثابت نہیں ہے۔

میں کہتا ہوں: ماقبل میں یہ بات گزر چکی ہے کہ یہ حدیث صحیح ہے۔ فرمایا: تیسری روایت کا جواب یہ ہے کہ یہ روایت اس باب سے متعلق نہیں ہے، چونکہ روایت صحیحہ میں یوں مروی ہے: أنه ﷺ قال : كفارة النذر اذا لم يسم كفارة اليمين.

۳۴۳۱: وَعَنْ اَنَسٍ اَنَّ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ رَاٰى شَيْخًا يُهَادٰى بَيْنَ اِبْنَيْهِ فَقَالَ مَا بَالُ هٰذَا

قَالُوْا نَذَرَ اَنْ يَّمْشِيَ اِلٰى بَيْتِ اللّٰهِ قَالَ اِنَّ اللّٰهَ تَعَالٰى عَنْ تَعْذِيْبِ هٰذَا نَفْسَهٗ لَغَنِيٌّ وَاَمَرَهٗ اَنْ يَّرْكَبَ. (متفق عليه)

اخرجه البخاري في صحيحه ٧٨/٤ الحديث رقم ١٨٦٥ومسلم في ١٢٦٣/٣الحديث رقم (٩-١٦٤٢) والنسائي في السنن ٣٠/٧ الحديث رقم ٣٨٥٤ واحمد في المسند ١١٤/٣۔

ترجمہ: ''اور حضرت انس رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے (بیت اللہ کے سفر کے دوران) ایک بوڑھے شخص کو دیکھا جو (ضعف و کمزوری کی وجہ سے) اپنے دو بیٹوں کے درمیان (ان کے کاندھے پر ہاتھ رکھے) چلا جا رہا تھا۔ آپ ﷺ نے پوچھا کہ ''اسے کیا ہوا؟'' صحابہؓ نے عرض کیا کہ اس شخص نے (پیدل چل کر بیت اللہ جانے کی نذر مان رکھی ہے۔ آپ ﷺ نے فرمایا: ''اس طرح اپنے آپ کو عذاب (تکلیف) میں ڈالنے سے اللہ تعالیٰ بے نیاز ہے۔'' پھر آپ ﷺ نے اس شخص کو سوار ہونے کا حکم دیا۔ (بخاری و مسلم)

تشریح: قوله :ان النبی رأی شیخًا......:

یهادی :صیغہ مجہول کے ساتھ ہے۔ **نفسه** منصوب علی المفعولیۃ ہے۔

چونکہ وہ شخص اپنے بڑھاپے اور ضعف کی وجہ سے پیادہ پا چلنے سے عاجز و معذور تھا اس لئے آپ ﷺ نے اس کو سواری پر چلنے کا حکم فرمایا۔

ابن الملکؒ فرماتے ہیں امام شافعیؒ نے اس حدیث کے ظاہری مفہوم پر عمل کیا ہے۔ کہ ایسی منت کی صورت میں سواری پر چلنے کی وجہ سے منت ماننے والے پر (بطور کفارہ) کوئی چیز واجب نہیں ہوتی۔ امام اعظم ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں کہ اس پر دم واجب ہے۔ جانور (یعنی بکری یا اس کے مثل) ذبح کرنا واجب ہوتا ہے کیونکہ اس طرح ایک چیز کو اپنے اوپر لازم کر لینے کے بعد اس کو پورا کرنے سے قاصر رہنا ہے۔ امام شافعیؒ کا دوسرا قول بھی یہی ہے۔

مظہرؒ فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یہ نذر مانے کہ میں پیادہ پا بیت اللہ جاؤں گا تو اس کے بارے میں علماء کا اختلاف ہے چنانچہ امام شافعیؒ تو یہ فرماتے ہیں کہ اگر وہ شخص بیت اللہ کا سفر پا پیادہ کرنے کی طاقت رکھتا ہو تو وہ پیادہ پا جائے اور اگر اس کی طاقت نہ رکھتا ہو تو بطور کفارہ جانور ذبح کرے اور سواری پر سفر طے کرے امام اعظم ابوحنیفہؒ کے اصحاب یہ فرماتے ہیں کہ وہ شخص خواہ پیادہ پا چلنے پر قادر ہو یا نہ قادر ہو بہر صورت سواری کے ذریعہ سفر کرے اور جانور ذبح کرے۔ اھ

ہمارے حنفی علماء فرماتے ہیں کہ اگر کوئی شخص یوں کہے کہ ''میں پیادہ پا بیت اللہ جانا اپنے اوپر لازم کرتا ہوں'' تو اس پر حج یا عمرہ پیادہ پا واجب ہوتا ہے اب وہ اپنی نیت کے مطابق ان دونوں میں سے جس کو چاہے پورا کرے۔ (یعنی اگر اس نے یہ کہتے وقت حج کی نیت کی تھی تو حج کرے اور اگر عمرہ کی نیت کی تھی تو عمرہ کرے) اور اگر یوں کہے کہ ''میں پیادہ پا حرم جانا یا پیادہ پا مسجد حرام جانا اپنے اوپر لازم کرتا ہوں'' ۔ تو امام ابوحنیفہؒ کے نزدیک اس پر کچھ واجب نہیں ہوتا مگر صاحبین کے نزدیک اس پر حج یا عمرہ واجب ہو جاتا ہے اور اگر یوں کہے کہ ''میں بیت اللہ جانا اپنے اوپر لازم کرتا ہوں تو اس صورت میں متفقہ طور پر مسئلہ یہ ہے کہ اس کا کوئی اعتبار نہیں ہوگا (یعنی اس پر حج یا عمرہ واجب نہیں ہوگا۔)

اگر کوئی شخص پیادہ پا حج کو جانے کی نذر مانے تو اس پر واجب ہے کہ وہ گھر سے پیادہ پا روانہ ہو اور جب تک کہ طواف زیارت سے فارغ نہ ہو جائے کوئی سواری استعمال نہ کرے اور اگر پیادہ پا عمرے کو جانے کی نذر مانی ہو تو جب تک کہ سر نہ منڈا لے سواری پر نہ چڑھے اور اگر نذر ماننے والے نے کسی عذر کی وجہ سے یا بلا عذر پورا راستہ یا آدھے سے زیادہ سواری پر طے کیا تو جانور ذبح کرنا اس پر واجب ہوگا اور اگر آدھے راستہ سے کم سواری کا استعمال کیا تو اس کے بقدر ایک بکری کی قیمت صدقہ کرنا واجب ہوگا۔

۳۴۳۲: وَفِیْ رِوَایَةٍ لِمُسْلِمٍ عَنْ اَبِیْ هُرَیْرَةَ قَالَ اِرْکَبْ اَیُّهَا الشَّیْخُ فَاِنَّ اللّٰهَ غَنِیٌّ عَنْكَ وَعَنْ نَذْرِكَ۔

اخرجه مسلم فی صحیحه ۱۲۶۳/۳ الحدیث رقم (۱-۱۶۴۳) وابن ماجه فی السنن ۶۸۹/۱ الحدیث رقم ۲۱۳۵۔

ترجمه: اور مسلم کی ایک روایت میں یوں ہے کہ آپ ﷺ نے اس بوڑھے شخص سے فرمایا کہ ''بزرگوار! (سواری پر) سوار ہو جاؤ کیونکہ اللہ تعالیٰ تم سے اور (تمہیں تکلیف میں ڈالنے والی) تمہاری اس منت سے بے نیاز ہے''۔

ملاحظہ فرمایئے پچھلی حدیث۔

نذر ماننے والے کے ورثاء پر نذر پوری کرنا واجب ہے یا نہیں؟

۳۴۳۳: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ سَعْدَ بْنَ عُبَادَةَ اسْتَفْتَی النَّبِیَّ صَلَّی اللّٰهُ عَلَیْهِ وَسَلَّمَ فِیْ نَذْرٍ کَانَ عَلٰی اُمِّهٖ فَتُوُفِّیَتْ قَبْلَ اَنْ تَقْضِیَهٗ فَاَفْتَاهُ اَنْ یَّقْضِیَهٗ عَنْهَا۔ (متفق علیه)

اخرجه البخاری فی صحیحه ۵۸۳/۱۱ الحدیث رقم ۶۶۹۸ ومسلم فی ۱۲۶۰/۳ الحدیث رقم (۱-۱۶۳۸) والترمذی فی السنن ۸۹/۴ الحدیث رقم ۱۵۴۶ والنسائی فی ۲۰/۷ الحدیث رقم ۳۸۱۷ وابن ماجه فی ۶۸۹/۱ الحدیث رقم ۲۱۳۲ واحمد فی المسند ۳۷۰/۱۔

ترجمه: ''اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے روایت ہے کہ سعد بن عبادہ رضی اللہ عنہ نے نبی کریم ﷺ سے اس نذر کے بارے میں دریافت کیا جو ان کی ماں نے مانی تھی اور اس کو پورا کرنے سے پہلے وہ وفات پا گئی تھی۔ چنانچہ آپ ﷺ نے سعد رضی اللہ عنہ کو یہ فتویٰ دیا کہ وہ اپنی ماں کی طرف سے اس نذر کو پورا کریں''۔ (بخاری ومسلم)

تشریح: امام نوویؒ کی شرح مسلم میں ہے کہ قاضی فرماتے ہیں: حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ کی نذر کے بارے میں علماء کے مختلف اقوال ہیں' بعض حضرات تو یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے مطلق نذر مانی تھی' بعض یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے روزے کی نذر مانی تھی' بعض کا قول یہ ہے کہ ان کی نذر غلام کو آزاد کرنے کی تھی اور بعض یہ کہتے ہیں کہ انہوں نے صدقہ کی نذر مانی تھی۔ زیادہ صحیح بات یہ ہے کہ انہوں نے یا تو مالی نذر مانی تھی یا ان کی نذر مبہم تھی چنانچہ اس کی تائید دارقطنی میں مروی مالک کی روایت سے ہوتی ہے۔ فقال له يعني النبي ﷺ [redacted] الماء کہ آنحضرت ﷺ نے فرمایا کہ ''ان کی طرف سے پانی پلاؤ''۔

اگر کسی شخص نے کوئی نذر مانی ہو اور اس نذر کو پورا کرنے سے پہلے مر گیا ہو تو اس کے بارے میں جمہور علماء کا مسلک یہ ہے کہ اس شخص کے وارث پر اس نذر کو پورا کرنا واجب نہیں ہے جب کہ وہ نذر غیر مالی ہو' اسی طرح اگر نذر مالی ہو اور اس میت نے کچھ ترکہ نہ چھوڑا ہو تو اس صورت میں بھی اس کے وارث پر اس نذر کو پورا کرنا واجب نہیں ہوگا' البتہ مستحب ہوگا' لیکن علماء ظواہر اس حدیث کے ظاہری مفہوم کے بموجب یہ کہتے ہیں کہ وارث پر اس نذر کو پورا کرنا واجب ہوگا۔ جمہور علماء کی دلیل یہ ہے کہ اس نذر کو خود وارث نے اپنے اوپر لازم نہیں کیا ہے کہ اس کو پورا کرنا اس پر واجب ہو اور جہاں تک سعد کی روایت کا تعلق ہے تو اول تو یہ حدیث وجوب پر دلالت ہی نہیں کرتی دوسرے یہ کہ ہو سکتا ہے کہ حضرت سعد رضی اللہ عنہ کی والدہ نے ترکہ چھوڑا ہو اور اس ترکہ میں سے ان کی نذر پوری کرنے کا حکم دیا گیا ہو یا یہ کہ محض تبرعاً یہ حکم دیا گیا ہو۔

عرضِ مرتب......: (اختلافِ علماء):

علماء کا اس میں اختلاف ہے کہ سعد کی والدہ کی نذر کیا تھی؟ (۱) بعض نے کہا ان کی نذر مطلق تھی۔ (۲) بعض کے نزدیک روزے کی نذر مان رکھی تھی۔ (۳) بعض نے کہا غلام آزاد کرنے کی نذر تھی۔ (۴) جبکہ بعض نے کہا صدقہ کی نذر مانی تھی۔

راجح قول:

ظاہر یہ ہے کہ مالی نذر مانی تھی یا نذر مبہم مانی تھی اور اس کی تائید دارقطنی کی یہ روایت کرتی ہے کہ جناب رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا تم اس کی طرف سے پانی پلاؤ۔

مسلکِ جمہور:

یہ ہے کہ وارث پر واجب نذر کا ادا کرنا لازم نہیں جو کہ میت کے ذمہ ہے جبکہ نذر غیر مالی ہو اور اگر نذر مالی ہو اور میت نے کچھ مال بھی نہ چھوڑا ہو اس صورت میں بھی ورثاء پر اس کی ادائیگی لازم نہیں ہے۔ البتہ مستحب ہے۔

علماء ظاہریہ:

کے نزدیک اس روایت کی بناء پر نذر لازم ہے۔ اس سلسلہ میں ہماری دلیل یہ ہے کہ وارث نے نذر لازم نہیں کی کہ اس پر اس کی ادائیگی لازم ہو اور حدیث حضرت سعد رضی اللہ عنہ کا جواب یہ ہے کہ یہ احتمال ہے کہ ان کی والدہ نے ترکہ چھوڑا ہو اور اس میں سے انہوں نے ادا کیا ہو۔ (۲) یا حضرت سعد کو بطور تبرع ادائیگی کا حکم کیا گیا تھا کیونکہ اس حدیث میں وجوب پر کوئی دلالت نہیں پائی جاتی۔

اپنا سارا مال خیرات کردینے کی ممانعت

۳۴۳۴:وَعَنْ كَعْبِ بْنِ مَالِكٍ قَالَ قُلْتُ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ تَوْبَتِىْ اَنْ اَنْخَلِعَ مِنْ مَالِىْ صَدَقَةً اِلَى اللّٰهِ وَاِلٰى رَسُوْلِهٖ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَمْسِكْ بَعْضَ مَالِكَ فَهُوَ خَيْرٌ لَّكَ قُلْتُ فَاِنِّىْ اُمْسِكُ سَهْمِىَ الَّذِىْ بِخَيْبَرَ. (متفق عليه وهذا طرف من حديث مطول)

اخرجه البخارى فى صحيحه ۵۷۲/۱۱ الحديث رقم ۶۶۹۰ ومسلم فى ۲۱۲۷/۴ الحديث رقم (۵۳-۲۷۶۹) وابوداؤدفى السنن ۶۱۲/۳ الحديث رقم ۳۳۱۷ والترمذى فى ۲۶۳/۵ الحديث رقم ۳۱۰۲ والنسائى فى ۲۳/۷ الحديث رقم ۳۸۲۶ واحمد فى المسند ۴۵۴/۳۔

ترجمہ:''اور حضرت کعب بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے عرض کیا کہ یارسول اللہ! میری مکمل اور پوری طرح توبہ کا تقاضا تو یہ ہے کہ میں اپنے سارے مال سے علیحدہ ہو جاؤں اور اس کو اللہ اور اس کے رسول کے لئے صدقہ کردوں''۔ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا:''تمہارے حق میں بہتر یہ ہے کہ تم کچھ مال رکھ لو''۔ میں نے عرض کیا:''(اچھا) میں اپنا خیبر کا حصہ رکھ لیتا ہوں''۔(بخاری ومسلم) یہ روایت ایک طویل حدیث کا ٹکڑا ہے۔

الفصل الثانی:

گناہ کی نذر کو پورا کرنا جائز نہیں

۳۴۳۵:عَنْ عَائِشَةَ قَالَتْ قَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ لَا نَذْرَ فِىْ مَعْصِيَةٍ وَكَفَّارَتُهٗ كَفَّارَةُ الْيَمِيْنِ۔ (رواه ابوداود والترمذى والنسائى)

اخرجه ابوداؤد فى السنن ۵۹۵/۳ الحديث رقم ۳۲۹۲ والترمذى فى ۸۷/۴ الحديث رقم ۱۵۲۵ والنسائى فى ۲۶/۷ الحديث رقم ۳۸۳۴ واحمد فى المسند ۲۴۷/۶۔

ترجمہ:''حضرت عائشہ رضی اللہ عنہا کہتی ہیں کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم نے ارشاد فرمایا: معصیت (نافرمانی' گناہ) میں کوئی نذر نہیں ہے اور اس نذر کا کفارہ قسم کے کفارہ کی طرح ہے''۔(ابوداؤد' ترمذی' نسائی)

تشریح:امام طیبیؒ فرماتے ہیں اس کا مطلب یہ ہے کہ معصیت کی نذر میں وفا نہیں، اور اگر کسی نے معصیت کی نذر مان لی تو اس پر کفارہ لازم آئے گا اور اس کا کفارہ کفارہ یمین ہوگا۔ یہاں ''وفاء'' کو مقدر اس لئے مانا کہ ''لا'' نفی جنس کیلئے ہے۔ جو نفی ماہیت کا متقاضی ہے، جب ماہیت منتفی ہوگئی تو ماہیت سے متعلقہ چیز بھی منتفی ہوگئی، یہ بات صحیح نہیں ہے کیونکہ اس کے بعد ''وکفارته كفارة اليمين'' کے الفاظ ہیں۔ چنانچہ ''وفا'' کو مقدر ماننا ضروری ہے۔ اس کی تائید عمران کی حدیث سے بھی ہوتی ہے جو فصل ثالث میں آرہی ہے:

"عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ النَّذْرُ نَذْرَانِ فَمَنْ كَانَ نَذَرَ فِيْ طَاعَةٍ فَذٰلِكَ لِلّٰهِ فِيْهِ الْوَفَاءُ وَمَنْ كَانَ نَذَرَ فِيْ مَعْصِيَةٍ فَذٰلِكَ لِلشَّيْطَانِ وَلَا وَفَاءَ فِيْهِ وَيُكَفِّرُهُ مَا يُكَفِّرُ الْيَمِيْنَ ۔"

''حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''نذر دو قسم کی ہے (ایک تو یہ کہ) کوئی شخص طاعت (یعنی حق تعالیٰ کی بندگی) کی نذر مانے' یہ نذر خالص اللہ تعالیٰ کے لئے ہے' اس طرح کی نذر کو پورا کرنا واجب ہے اور دوسری یہ کہ کوئی شخص گناہ کی نذر مانے' یہ نذر شیطان کے لئے ہے' اس طرح کی نذر کو پورا کرنا واجب نہیں ہے' بلکہ ایسی صورت میں وہ کفارہ ادا کیا جائے' جو قسم توڑنے کی صورت میں دیا جاتا ہے''۔

قوله :رواه ابو داود والترمذى والنسائى :

بعض نسخوں میں لفظ ''نسائی'' موجود نہیں ہے۔ صحیح بات یہ ہے کہ یہ اضافہ ہونا چاہئے۔ چونکہ امام سیوطی الجامع الصغیر میں اس روایت کو انہی الفاظ کے ساتھ ذکر کرنے کے بعد فرماتے ہیں: أخرجه أحمد والأربعة، عن عائشة رضى الله عنها، والنسائى عن عمران بن حصين.

۳۴۳۶: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ قَالَ مَنْ نَذَرَ نَذْرًا لَمْ يُسَمِّهِ فَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا فِيْ مَعْصِيَةٍ فَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا لَا يُطِيْقُهُ فَكَفَّارَتُهُ كَفَّارَةُ يَمِيْنٍ وَمَنْ نَذَرَ نَذْرًا طَاقَةً فَلْيَفِ بِهِ. (رواه ابوداود وابن ماجة ووقفه بعضهم على ابن عباس)

اخرجه ابوداؤد فی السنن ۶۱۴/۳ الحديث رقم ۳۳۲۲ وابن ماجه فی ۶۹۷/۱ الحديث رقم ۲۱۲۸۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابن عباس ؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا: ''جس شخص نے کسی چیز کا نام لیے بغیر نذر مانی (یعنی صرف یہ کہے کہ ''میں نذر مانتا ہوں'' اور اس بات کا تعین نہ کرے کہ کس چیز کی نذر مان رہا ہے۔ مثلاً روزہ کی نذر مان رہا ہے یا صدقہ کی؟) تو اس نذر کا کفارہ قسم کے کفارہ کی مانند ہے (یعنی غیر معین نذر کی صورت میں اس کو وہ کفارہ ادا کرنا ہوگا جو قسم توڑنے کی صورت میں دیا جاتا ہے) اسی طرح جس شخص نے معصیت (یعنی گناہ) کی نذر مانی تو اس کا کفارہ قسم کے کفارہ کی طرح ہے۔ نیز جس شخص نے ایسی چیز کی نذر مانے جس کو پورا کرنے کی وہ طاقت نہ رکھتا ہو (جیسے کوئی شخص پہاڑ اٹھانے یا پیدل بیت اللہ جانے کی نذر مانے یا اسی طرح کی ناممکن العمل کسی بھی چیز کو اپنے اوپر بطور نذر واجب کرے) تو اسکا کفارہ قسم کے کفارہ کی طرح ہے اور جو شخص ایسی چیز کی نذر مانے جس کو پورا کرنے کی وہ طاقت رکھتا ہو تو اسکو چاہئے کہ اس نذر کو پورا کرے۔'' (ابوداؤد، ابن ماجہ)

تشریح: **قوله :فكفارته كفارة يمين......:**

من نذر نذرا لم يسمه : اس جملہ کی مختلف توضیحات کی گئی ہیں۔

امام نوویؒ فرماتے ہیں: جمله جمهور أصحابنا على نذر اللجاج وهو أن يقول الرجل مريدا الا متناع من كلام زيد مثلاً ان كلمت زيدا فلله على حجة أو غيرها ...... وحمله مالك وكثيرون على النذر المطلق كقوله :على نذر. (ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں: هذا القول حق) ...... وحمله أحمد وبعض أصحابنا على نذر المعصية، كمن نذر أن يشرب الخمر. (ملاعلی قاریؒ اس کی تردید کرتے ہوئے فرماتے ہیں: مع بعده يرده العطف عليه بقوله :ومن نذر نذرا فى معصية فكفارته كفارة يمين. فان الأ صل فى المغايرة بل لا يجوز غيرها فى الجملتين) ...... وحمله جماعة من فقهاء أصحاب الحديث على جميع أنواع النذر، وقالوا :هو مخير بين الوفاء لما التزمه وبين كفارة يمين. (ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں: اس توجیہ سے تو تخيير بين اتيان المعصية وبين الكفارة لازم آتی ہے۔ اور میرا گمان نہیں کہ کوئی ایک شخص بھی اس کا قائل ہو، چونکہ لا نذر فى معصية. أى لا وفاء به، كما سبق، اللهم الا أن يقال معناه أن ارتكاب المعصية حرام عليه، لكن لو فعل خروج عن العهدة ولا كفارة عليه.

ابن ہمام نذر مسمّی اور غیر مسمّی کے بارے میں لکھتے ہیں:

اذا قال ما على نذر أو از مرقاۃ ص۲۰۶، ج۶ تلك القربة.

صرف اُس نذر کو پورا کرو جو جائز ہے

۳۴۳۷: وَعَنْ ثَابِتِ بْنِ الضَّحَاكِ قَالَ نَذَرَ رَجُلٌ عَلٰى عَهْدِ رَسُوْلِ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ يَنْحَرَا بِلاًّ بِبُوَانَةَ فَاَتٰى رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ فَاَخْبَرَهٗ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ هَلْ كَانَ فِيْهَا وَثَنٌ مِنْ اَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ قَالُوْا لَا قَالَ فَهَلْ كَانَ فِيْهَا عِيْدٌ مِنْ اَعْيَادِهِمْ قَالُوْا لَا فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَوْفِ بِنَذْرِكَ فَاِنَّهٗ لَا وَفَاءَ لِنَذْرٍ فِي مَعْصِيَةِ اللّٰهِ وَلَا فِيْمَا لَا يَمْلِكُ ابْنُ اٰدَمَ ۔ (رواه ابوداود)

اخرجه ابوداوٗد فى السنن ۳/۶۰۷ الحديث رقم ۳۳۱۳۔

ترجمہ: ''اور حضرت ثابت بن ضحاکؓ کہتے ہیں کہ رسول اللہ ﷺ کے زمانے میں ایک شخص نے یہ نذر مانی کہ وہ بوانہ (جو مکہ کے نشیبی علاقہ میں واقع ایک جگہ کا نام تھا) اونٹ ذبح کرے گا' پھر وہ شخص رسول اللہ ﷺ کے پاس آیا اور آپ ﷺ کو (اپنی نذر سے) آگاہ کیا۔ رسول اللہ ﷺ نے (صحابہؓ سے) دریافت فرمایا کہ ''کیا زمانہ جاہلیت کے بتوں میں اس مقام پر کوئی بت ہے جس کی پرستش کی جاتی تھی؟'' صحابہؓ نے عرض کیا کہ ''نہیں''۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ کیا وہاں کفار کے میلوں میں سے کوئی میلا لگتا تھا؟'' صحابہؓ نے عرض کیا کہ نہیں۔ اس کے بعد رسول اللہ ﷺ نے (اس شخص کو مخاطب) کر کے فرمایا: تم اپنی نذر کو پورا کرو' کیونکہ اللہ کی نافرمانی میں اور اس چیز میں جس کا

انسان مالک نہ ہو نذر پوری کرنا ضروری نہیں ہے۔" (ابوداؤد)

تشریح: قوله :نذر رجل على عهد رسول الله ﷺ ......:

بوانة : بائے موحدہ کے ضمہ واؤ کی تخفیف اور تائے مدورہ کے ساتھ، حذف تاء کے ساتھ بھی پڑھا جاتا ہے۔ مکہ کے نشیبی علاقے میں، یلملم سے اِدھر واقع ایک جگہ کا نام ہے۔ بلادِ فارس میں واقع اس سے ہم نام جگہ، شعب بوان، یہ بائے موحدہ کے فتحہ اور واؤ کی تشدید کے ساتھ ہے۔

وثن پہلے دونوں لفظوں پر فتحہ ہے۔

اس جگہ کے بارے میں آپ ﷺ کے سوال کا مقصد یہ تھا کہ اگر وہاں زمانۂ جاہلیت میں کوئی بت تھا جس کی پرستش کی جاتی تھی یا وہاں کفار کا کوئی میلا لگتا تھا تو اس صورت میں اس شخص کو اپنی نذر پوری کرنے کی اجازت نہ دی جائے تا کہ اس طرح کفار کے ساتھ ان کے افعال میں مشابہت نہ ہو لیکن جب آپ کو معلوم ہوا کہ وہاں ان دونوں میں سے کوئی بھی چیز نہیں تھی تو آپ ﷺ نے اس شخص کو نذر پوری کرنے کا حکم دیا۔

دَف بجانے کی نذر کو پورا کرنے کا حکم

۳۴۳۸ :وَعَنْ عَمْرِو بْنِ شُعَيْبٍ عَنْ اَبِيْهِ عَنْ جَدِّهٖ اَنَّ امْرَاَةً قَالَتْ يَا رَسُوْلَ اللّٰهِ اِنِّی نَذَرْتُ اَنْ اَضْرِبَ عَلٰی رَأْسِكَ بِالدُّفِّ قَالَ اَوْفِیْ بِنَذْرِكِ (رواه ابوداود وزاد رزين) قَالَتْ وَنَذَرْتُ اَنْ اَذْبَحَ بِمَكَانِ كَذَا وَكَذَا مَكَانٌ يَذْبَحُ فِيْهِ اَهْلُ الْجَاهِلِيَّةِ فَقَالَ هَلْ كَانَ بِذٰلِكَ الْمَكَانِ وَثَنٌ مِنْ اَوْثَانِ الْجَاهِلِيَّةِ يُعْبَدُ قَالَتْ لَا قَالَ هَلْ كَانَ فِيْهِ عِيْدٌ مِنْ اَعْيَادِهِمْ قَالَتْ لَا قَالَ اَوْفِیْ بِنَذْرِكِ۔

اخرجه ابوداؤد فی السنن ۶۰۶/۳ الحديث رقم ۳۳۱۲۔

ترجمہ: "اور حضرت عمرو بن شعیب اپنے والد سے اور وہ اپنے دادا حضرت عبداللہ بن عمر رضی اللہ عنہما) سے روایت کرتے ہیں کہ ایک عورت نے عرض کیا کہ یا رسول اللہ! میں نے یہ نذر مانی ہے کہ (جب آپ ﷺ جہاد سے واپس تشریف لائیں تو) میں آپ ﷺ کے سامنے دف بجاؤں۔ آپ ﷺ نے فرمایا اپنی نذر پوری کرو"۔ (ابوداؤد) اور رزینؒ نے اس روایت میں یہ الفاظ مزید نقل کئے ہیں کہ اس عورت نے (یہ بھی) کہا کہ "اور میں نے یہ نذر مانی ہے کہ میں فلاں فلاں مقام پر جہاں زمانۂ جاہلیت میں لوگ (جانور) ذبح کرتے تھے جانور ذبح کروں"۔ آپ ﷺ نے دریافت فرمایا کہ "کیا وہاں زمانۂ جاہلیت کے بتوں میں سے کوئی بت تھا؟" اس عورت نے کہا کہ نہیں۔ پھر آپ ﷺ نے پوچھا کہ "کیا وہاں کفار کے میلوں میں سے کوئی میلہ لگتا تھا؟ عورت نے کہا کہ "نہیں" آپ ﷺ نے فرمایا: "اپنی نذر پوری کرو"۔

تشریح: قوله :يا رسول الله ﷺ انی نذرت ان اضرب......:

دف: دال کے ضمہ اور فاء کی تشدید کے ساتھ ہے، اور ایک نسخہ میں دال کے فتحہ کے ساتھ ہے۔ اکمل ؒ شرح المشارق میں لکھتے ہیں: **دف**: ضمہ کے ساتھ زیادہ مشہور اور زیادہ فصیح ہے اور فتحہ کے ساتھ بھی مروی ہے۔

امام خطابی فرماتے ہیں: کہ جس کا ساتھ نذر کا کوئی تعلق ہو: دف بجانے کی اچھی سے اچھی حالت یہ ہو سکتی ہے کہ یہ مباحات کے قبیل سے ہو لیکن اس عورت نے چونکہ آنحضرت ﷺ کے لئے اپنے جذبات عقیدت و محبت کی بنا پر یہ نذر مانی تھی کہ آنحضرت ﷺ جب جہاد کے معرکوں سے فارغ ہو کر خیر و عافیت کے ساتھ واپس تشریف لائیں گے تو میں دف بجاؤں گی لہٰذا اس اعتبار سے اس دف کا بجانا بھی گویا طاعت کی قسم سے ہوا۔

علاوہ ازیں اس میں کفار و منافقین کی رسوائی بھی ہے، لہٰذا یہ فعل دوسری بعض قربتوں کے مشابہ ہوگا۔ اور اسی وجہ سے نکاح کے موقع پر دف بجانا مستحب ہے۔ چونکہ اس موقع پر دف بجانے میں نکاح کا اظہار ہے اور دوسری طرف "سفاح" کی نفی ہے۔ کفار کی ہجو کے بارے میں آنحضرت ﷺ کا یہ فرمان بھی اس کے مشابہ ہے: "**اهجوا قريشا فانه أشد عليهم من رشق النبل**."

ونذرت: صیغہ متکلم کے ساتھ ہے، اس کا عطف پہلے "نذرت" پر ہو رہا ہے۔

كذا و كذا: کنایہ از تعیین ہیں۔

مكان يذبح: یہ "مکان" مرفوع ہے۔ مبتدا محذوف کی خبر ہے، أی: **هو أی المكان المعين مكان**. اور ایک نسخہ میں مجرور ہے ماقبل سے بدل ہونے کی بناء پر۔

بذلك: کاف کے کسرہ کے ساتھ ہے چونکہ مؤنث کو خطاب ہے، اور ایک نسخہ میں کاف کے فتحہ کے ساتھ ہے اس صورت میں خطاب عام ہوگا۔

يعبد: صیغہ مجہول ہے۔

تہائی مال سے زیادہ صدقہ کرنے کی ممانعت

۳۴۳۹: وَعَنْ اَبِیْ لُبَابَةَ اَنَّهٗ قَالَ لِلنَّبِیِّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ مِنْ تَوْبَتِیْ اَنْ اَهْجُرَ دَارَ قَوْمِیْ الَّتِیْ اَصَبْتُ فِيْهَا الذَّنْبَ وَاَنْ اَنْخَلِعَ مِنْ مَالِیْ كُلِّهٖ صَدَقَةً قَالَ يُجْزِئُ عَنْكَ الثُّلُثُ. (رواه رزين)

اخرجه ابوداؤد فی السنن ۶۱۳/۳ الحديث رقم ۳۳۱۹ ومالك فی الموطأ ۴۸۱/۲ الحديث رقم ۱۶ من كتاب النذور واحمد فی المسند ۵۰۲/۳۔

ترجمہ: "اور حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ سے روایت ہے کہ انہوں نے نبی کریم ﷺ سے عرض کیا کہ "میری توبہ کے اتمام میں سے یہ ہے کہ میں اپنے آبائی گھر سے ہجرت کر جاؤں جہاں مجھ سے گناہ سرزد ہوا ہے اور یہ کہ میں اپنے تمام مال کو صدقہ کرنے کے لئے اس سے علیحدہ ہو جاؤں"۔ آپ ﷺ نے فرمایا: "تہائی مال کا صدقہ تمہاری طرف

سے کافی ہے''۔(رزین)

تشریح:اهجر ہمزہ کے فتحہ اور جیم کے ضمہ کے ساتھ أی :أترك۔

یجزیء :یاء کے ضمہ کے ساتھ ہے'معنی ہے کافی ہونا۔

الثلث :پہلے دونوں حرفوں کے ضمہ کے ساتھ، نیز لام کے سکون کے ساتھ،أی :ثلث مال.

حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ کا واقعہ یہ ہے کہ نبی کریم ﷺ نے پچیس (۲۵) دن تک یہود کے قبیلہ بنو قریظہ کا محاصرہ کیا۔ بنو قریظہ نے یہ پیغام بھیجا کہ آپ ابولبابہ کو ہمارے پاس بھیج دیجئے تا کہ ہم اپنے بارے میں ان سے مشورہ کریں۔ آنحضرت ﷺ نے اس پیغام کو منظور فرمایا اور ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو ان کے پاس بھیج دیا' جب بنو قریظہ نے ابولبابہ رضی اللہ عنہ کو دیکھا تو وہ ان کے آگے روتے ہوئے کہنے لگے تمہاری کیا رائے ہے کیا ہم حکم محمدی کو مان لیں؟ اس کے جواب میں ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے اپنے حلق پر ہاتھ پھیر کر ظاہر کیا کہ تمہیں ذبح کر ڈالیں گے۔ ابولبابہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے اور اس بات پر نادم ہوا کہ تو نے خدا اور اس کے رسول کے بارے میں خیانت کی۔ اس کے بعد یہ آیت نازل ہوئی:

﴿يَاَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا لَا تَخُوْنُوا اللّٰهَ وَالرَّسُوْلَ وَتَخُوْنُوْا اَمٰنٰتِكُمْ﴾

''اے ایمان والو! نہ تو خدا اور رسول کی امانت (یعنی ان کے پیغام و احکام) میں خیانت کرو اور نہ اپنی امانتوں میں خیانت کرو''۔

اور اپنے آپ کو مسجد نبوی کے ستون سے باندھ دیا اور یہ اعلان کیا کہ جب تک کہ میں توبہ نہ کر لوں اور پھر جب تک اللہ تعالیٰ میری توبہ قبول نہ کر لے مجھ پر کھانا پینا حرام ہے! مسلسل سات دن تک اسی طرح اس ستون سے بندھے کھڑے رہے یہاں تک کہ غش کھا کر گر پڑے' آخر کار اللہ تعالیٰ نے ان کی توبہ قبول کی' اس کے بعد لوگوں نے کہا کہ اللہ تعالیٰ نے تمہاری توبہ قبول کر لی ہے اب تو اپنے آپ کو کھول ڈالو' انہوں نے کہا کہ خدا کی قسم! جب تک رسول کریم ﷺ اپنے دست مبارک سے مجھے نہیں کھولیں گے میں خود اپنے آپ کو ہرگز نہیں کھلوں گا' چنانچہ آنحضرت ﷺ تشریف لائے اور اپنے دست مبارک سے انہیں کھولا اسی موقع پر حضرت ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے عرض کیا:

گھر چھوڑنے کے لئے ابولبابہ رضی اللہ عنہ نے اس لئے کہا کہ وہ اس جگہ سے دور ہو جائیں جہاں شیطان نے ان پر غلبہ حاصل کر کے ان کو گناہ میں مبتلا کیا اور اس گناہ کا ظاہری سبب بنو قریظہ کے تئیں ان کا جذبہ ہمدردی تھا اور اس جذبہ ہمدردی کا اظہار انہوں نے اس لئے کیا کہ ان کے اہل و عیال اور مال و اسباب سب کچھ بنو قریظہ کے قبضہ میں تھا۔

ابن الملک فرماتے ہیں: یہ حدیث صوفیہ کی دلیل ہے، جس سے راہ طریقت میں کسی گناہ کا صدور ہو جائے اور وہ استغفار کرے اس شخص پر مالی جرمانہ کا ثبوت ہوتا ہے جس سے۔

کسی خاص جگہ نماز پڑھنے کی نذر مانی جائے اور پھر اس نماز کو دوسری جگہ پڑھ لیا جائے تو نذر پوری ہو جائے گی

۳۴۴۰: وَعَنْ جَابِرِ بْنِ عَبْدِ اللّٰهِ اَنَّ رَجُلاً قَامَ يَوْمَ الْفَتْحِ فَقَالَ يَا رَسُوْلَ للّٰهِ اِنِّى نَذَرْتُ لِلّٰهِ عَزَّوَجَلَّ اِنْ فَتَحَ اللّٰهُ عَلَيْكَ مَكَّةَ اَنْ اُصَلِّىَ فِىْ بَيْتِ الْمَقْدِسِ رَكْعَتَيْنِ قَالَ صَلِّ هٰهُنَا ثُمَّ اَعَادَ عَلَيْهِ فَقَالَ صَلِّ هٰهُنَا ثُمَّ اَعَادَ عَلَيْهِ فَقَالَ شَاْنُكَ اِذًا. (رواه ابوداود والدارمی)

اخرجه ابوداؤد فی السنن ۳/ ۶۰۲ الحديث رقم ۳۳۰۵ والدارمی فی ۲/ ۲۴۱ الحديث رقم ۲۳۳۹ واحمد فی المسند ۳/ ۳۶۳۔

ترجمہ: ''اور حضرت جابر بن عبداللہ رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ فتح مکہ کے دن ایک شخص (مسجد نبوی ﷺ میں) کھڑا ہوا اور عرض کرنے لگا کہ یا رسول اللہ! میں نے اللہ عزوجل سے یہ نذر مانی تھی کہ اگر اللہ تعالیٰ آپ ﷺ کو مکہ کی فتح عطا فرمائے گا تو میں بیت المقدس میں دو رکعت نماز ادا کروں گا''۔ آپ ﷺ نے فرمایا کہ تم اسی جگہ (مسجد حرام میں) نماز ادا کر لو (کیونکہ یہاں نماز پڑھنا افضل ہے باوجودیکہ بیت المقدس جا کر وہاں نماز پڑھنے کی بہ نسبت یہاں نماز پڑھ لینا زیادہ آسان و سہل ہے) اس شخص نے پھر یہی عرض کیا آپ ﷺ نے یہی جواب دیا کہ اس جگہ نماز پڑھ لو' جب اس نے (پھر تیسری مرتبہ) بھی یہی عرض کیا تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا کہ ''تب تمہاری مرضی ہے'' (یعنی اگر تم یہاں نماز پڑھنا نہیں چاہتے تو تم جانو' تمہیں اپنی نذر کے مطابق بیت المقدس میں نماز پڑھنے کا اختیار ہے)''۔ (ابوداؤد' دارمی)

تشریح: قوله: انى نذرت لله عزوجل......:

مقدس: میم کے فتحہ اور دال کے کسرہ کے ساتھ ہے۔

شانك: مفعول بہ ہونے کی وجہ سے منصوب ہے۔ أي الزم شأنك،

اذًا: تنوین کے ساتھ ہے، جواب بھی ہے۔ اور جزاء بھی ہے۔ أي: اذا أبيت أن تصلى ههنا فا فعل ما نذرت به من صلاتك فى بيت المقدس.

ہمارے علماء مذہب کا کہنا ہے کہ ہمارے نزدیک اگر کسی جگہ نماز پڑھنے کی نذر مانی جائے اور اس نماز کو کسی ایسی دوسری جگہ پڑھ لیا جائے جو اس جگہ سے کم فضیلت کی ہو تو تب بھی نذر پوری ہو جائے گی۔

مصفی میں (مختلف مساجد کے مراتب بیان کرتے ہوئے) لکھتے ہیں: اعلم أن أقوى الأ ماكن المسجد الحرام ثم مسجد النبى ﷺ ثم مسجد بيت المقدس، ثم الجامع، ثم مسجد الحى، ثم البيت، فلو نذر انسان أن يصلى ركعتين فى المسجد الحرام لا يجوز أداؤ هما الا فى ذلك الموضع عند زفر خلافا لأ صحابنا.

شرح الہدایہ میں لکھا ہے، اگر کوئی شخص مسجد نبوی میں نماز پڑھنے کی نذر مانے اور پھر اس نماز کو مسجد حرام میں پڑھ لے تو اس کی نذر پوری ہو جائے گی لیکن اگر اس نماز کو وہ مسجد اقصیٰ میں پڑھے گا تو نذر پوری نہیں ہوگی۔ اسی طرح اگر کوئی شخص مسجد اقصیٰ میں نماز پڑھنے کی نذر مانے اور پھر اس نماز کو مسجد حرام میں یا مسجد نبوی میں پڑھ لے تو اس کی نذر پوری ہو جائے گی! گویا اس کا مطلب یہ ہوا کہ اگر کسی جگہ نماز پڑھنے کی نذر مانی جائے اور اس نماز کو کسی ایسی دوسری جگہ پڑھ لیا جائے جو اس جگہ سے زیادہ فضیلت کی حامل ہو تو نذر پوری ہو جائے گی۔ لیکن حنفی علماء یہ فرماتے ہیں کہ اس بارے میں ہمارا یہ مسلک ہے کہ اگر کوئی شخص کسی جگہ نماز پڑھنے کی نذر مانے اور پھر اس نماز کو کسی ایسی دوسری جگہ پڑھے جو اس جگہ سے کم فضیلت کی حامل ہو تو بھی نذر پوری ہو جائے گی۔

چنانچہ ابن ہمام فرماتے ہیں؛

اذا نذر ركعتين في المسجد الحرام فأدائها في أقل شرفًا منه أو فيما لا شرف له أجزأه خلافا لزفر. له :انه نذر بزيادة قربة فليزمه، قلنا :عرف من الشرع أن التزامه ما هو قربة موجب، ولم تثبت عن الشرع اعتبار تخصيص العبد العبادة بمكان، بل انما عرف ذلك لله تعالى فلا يتعدى لزوم أصل القرابة بالتزامه الى التزام التخصيص بمكان، فكان ملغى، وبقي لازما بما هو قربة.

نذر کا کوئی جزو اگر نا ممکن العمل ہو تو اس کا کفارہ

۳۴۴۱: وَعَنِ ابْنِ عَبَّاسٍ اَنَّ اُخْتَ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ نَذَرَتْ اَنْ تَحُجَّ مَاشِيَةً وَاَنَّهَا لَا تُطِيْقُ ذٰلِكَ فَقَالَ رَسُوْلُ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَغَنِيٌّ عَنْ مَشْيِ اُخْتِكَ فَلْتَرْكَبْ وَلْتُهْدِ بَدَنَةً رَوَاهُ اَبُوْدَاوُدَ وَالدَّارِمِيُّ وَفِيْ رِوَايَةٍ لِاَبِيْ دَاوُدَ فَاَمَرَهَا النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اَنْ تَرْكَبَ وَتُهْدِيَ هَدْيًا (وَفِيْ رِوَايَةٍ) لَهُ فَقَالَ النَّبِيُّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ اِنَّ اللّٰهَ لَا يَصْنَعُ بِشِقَاءِ اُخْتِكَ شَيْئًا فَلْتَرْكَبْ وَلْتَحُجَّ وَتُكَفِّرْ يَمِيْنَهَا.

اخرجه ابوداؤد في السنن ۵۹۸/۳ الحديث رقم ۳۹۷ والدارمي في ۲۴۰/۲ الحديث رقم ۲۳۳۵ واحمد في المسند ۲۵۳/۱۔

ترجمہ: ''اور حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کہتے ہیں کہ عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ کی بہن نے یہ نذر مانی کہ وہ پیدل حج کریں گی لیکن وہ اس کی طاقت نہیں رکھتی تھی' چنانچہ نبی کریم صلی اللہ علیہ وسلم نے (حضرت عقبہ رضی اللہ عنہ سے) فرمایا کہ بلا شبہ اللہ تعالیٰ تمہاری بہن کے پیدل چلنے سے بے نیاز ہے' لہٰذا انہیں چاہئے کہ وہ (جب پیدل نہ چل سکیں تو سواری پر) سوار ہو جائیں اور ان کے مال کا کفارہ کے طور پر بدنہ ذبح کریں (حنفیہ کے نزدیک بدنہ سے مراد اونٹ

یا گائے ہے۔لیکن شوافع کے نزدیک بدنہ کا اطلاق صرف اونٹ پر ہوتا ہے) (ابوداؤد' دارمی) ابوداؤد ہی کی ایک روایت میں یہ الفاظ ہیں کہ نبی کریم ﷺ نے ارشاد فرمایا: اللہ تعالیٰ تمہاری بہن کو اس میں مبتلا کر کے کیا کرے گا؟ (یعنی تمہاری بہن جو اس طرح مشقت برداشت کریں گی اس کا انہیں کچھ ثواب نہیں ملے گا) لہٰذا انہیں چاہئے کہ وہ (جب پیدل نہ چل سکیں تو سواری پر) سوار ہو جائیں' حج پورا کریں اور اپنی قسم کا کفارہ ادا کریں''۔

تشریح: قوله :ان اخت عقبة بن عامر نذرت ان ......:

وانها لا تطيق ذلك :مصابیح کے ایک نسخہ میں یوں ہے:فسال النبی صلی اللہ علیه وسلم، وقیل :انها لا تطيق.

ولتهد :علامت مضارع کے ضمہ کے ساتھ۔

شقاء :شین کے فتحہ کے ساتھ۔

فلتحج :جیم کے فتحہ کے ساتھ ہے۔کسرہ بھی جائز ہے اور ضمہ بھی۔

راكبة :حال ہونے کی بناء پر منصوب ہے۔اور ایک نسخہ میں فلتركب ولتحج (واؤ کے ساتھ) ہے،اور ایک نسخہ میں فاء کے ساتھ ہے۔

وتكفر : مجزوم ہے۔ای فلتكفر۔

يمينها :منصوب ہے۔

''ہدی'' اس جانور کو کہتے ہیں جو ذبح کرنے کے لئے حرم بھیجا جائے۔ہدی کا کم سے کم درجہ بکری ہے اور اس کا اعلیٰ درجہ بدنہ یعنی اونٹ یا گائے ہے بعض کا کہنا ہے کہ اس پر کوئی بھی شے واجب نہیں ہے۔اس حدیث میں جو بدنہ ذبح کرنے کا حکم دیا گیا ہے وہ بطور استحباب ہے بطور وجوب نہیں ہے' قاضی کہتے ہیں کہ پیادہ پا حج کے لئے جانا چونکہ طاعات کی قسم سے ہے اس لئے اس کی نذر پوری کرنا واجب ہے اور اس کے ساتھ ہر وہ عمل لاحق ہو جاتا ہے جس کو ترک کرنا جائز نہیں ہے الا یہ کہ کوئی شخص اس کی ادائیگی سے عاجز ہو۔لہٰذا ترک کی صورت میں فدیہ (کفارہ) واجب ہوگا۔اب اس بارے میں اختلاف ہے کہ بطور کفارہ کس جانور کو ذبح کرنا واجب ہوگا؟

فرماتے ہیں چنانچہ حضرت علی رضی اللہ عنہ اس حدیث: ولتهد بدنة کے بموجب بدنہ واجب ہوگا' بعض حضرات یہ فرماتے ہیں کہ جس طرح میقات سے تجاوز کر جانے کی وجہ سے بکری واجب ہوتی ہے اسی طرح اس صورت میں بھی بکری واجب ہوگی' انہوں نے اس حدیث میں بدنہ ذبح کرنے کے حکم کو استحباب پر محمول کیا ہے' یہی قول امام مالکؒ کا بھی ہے۔امام شافعیؒ کا زیادہ واضح قول بھی یہی ہے۔

''اور اپنی قسم کا کفارہ دیں'' کے بارے میں ظاہر یہ ہے کہ اس حکم میں ''کفارہ'' سے مراد کفارہ جنایت ہے اور وہ ہدی ہے' یا روزہ ہے جو ہدی کا قائم مقام ہے اور جس کا ذکر بھی اگلی حدیث میں کیا گیا ہے

''کفارہ'' کے بارے میں یہ تاویل اس لئے کی جاتی ہیں تاکہ یہ روایت اس بارے میں منقول دوسری روایتوں کے مطابق ہو

جائے' حاصل یہ کہ یہاں "قسم کے کفارہ" سے وہ کفارہ مراد نہیں ہے جو قسم توڑنے کی صورت میں ادا کیا جاتا ہے۔

۳۴۴۲:وَعَنْ عَبْدِ اللّٰهِ بْنِ مَالِكٍ اَنَّ عُقْبَةَ بْنَ عَامِرٍ سَأَلَ النَّبِيَّ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ عَنْ اُخْتٍ لَهُ نَذَرَتْ اَنْ تَحُجَّ حَافِيَةً غَيْرَ مُخْتَمِرَةٍ فَقَالَ مُرُوْهَا فَلْتَخْتَمِرْ وَلْتَرْكَبْ وَلْتَصُمْ ثَلَاثَةَ اَيَّامٍ.

(رواہ ابوداود والترمذی والنسائی وابن ماجۃ والدارمی)

اخرجه ابوداوٗد فی السنن ۵۹۶/۳ الحديث رقم ۳۲۹۳والترمذی فی ۹۸/٤ الحديث رقم ١٥٤٤ والنسائی فی ۲۰/۷ الحديث رقم ۳۸۱۵وابن ماجه فی ٦٨٩/١ الحديث رقم ٢١٣٤والدار می فی ۲٤٠/۲ الحديث رقم ۲۳۳٤ واحمد فی المسند ١٤٩/٤۔

ترجمہ:"اور حضرت عبداللہ بن مالک رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ جب عقبہ بن عامر رضی اللہ عنہ نے (سفر حج کے دوران) اپنی بہن کے بارے میں نبی کریم ﷺ سے پوچھا جنہوں نے یہ نذر مانی تھی کہ وہ پیادہ پا' ننگے پاؤں اور ننگے سر حج کو جائیں گے' تو آپ ﷺ نے ارشاد فرمایا: ان کو حکم دو کہ وہ اپنا سر ڈھانکیں اور سواری پر بیٹھ جائیں' نیز انہیں چاہیے کہ وہ تین روزے رکھیں"۔ (ابوداؤد' ترمذی' نسائی' ابن ماجہ' داری)

حالاتِ راوی:

عبداللہ بن مالک۔ ان کا نام "عبداللہ بن مالک" اور کنیت "ابوتمیم جیشانی" ہے۔حضرت عمر بن الخطاب، ابوذر اور دوسرے صحابہ رضی اللہ عنہم سے روایت کرتے ہیں۔ ان کا شمار مصر کے تابعین میں ہے۔ان کی حدیثیں اہل مصر کے پاس ملتی ہیں۔

تشریح: قوله :سال النبی ﷺ عن ......:

مختمرة :پہلے میم کے ضمہ اور دوسرے میم کے کسرہ کے ساتھ. أی :غير مغطية راسها بخمارها.صاحب المغرب لکھتے ہیں:الخمار :ما تغطی به المرأة رأسها. وقد اختمرت وتخمرت اذا لبست الخمار.

مظہرؒ لکھتے ہیں: آنحضرت ﷺ نے انہیں سر ڈھانپنے اور استتار کا حکم اس وجہ سے صادر فرمایا تھا، چونکہ ان کی یمین منعقد نہیں ہوئی تھی، چونکہ یہ فعل معصیت تھا، اور عورتیں تو اختمار واستتار کے لئے مأمور ہیں۔

ملاعلی قاریؒ فرماتے ہیں: ماقبل میں یہ بات گزر چکی ہے، کہ نذرِ معصیت بھی منعقد ہو جاتی ہے' لیکن اس کو پورا نہیں کیا جاتا بلکہ حانث ہو کر کفارہ کی دائیگی واجب ہے۔ ہمارا مذہب یہی ہے۔فرمایا: جہاں تک تعلق ہے ننگے پاؤں چلنے کی نذر کا، تو یہ نذر درست ہے، اور اس "ناذر" پر لازم ہے کہ وہ ننگے پاؤں چلے جب تک قدرت رہے، اور جب عاجز آجائے تو سوار ہو جائے اور ہدی پیش کرے۔اور یہ بھی احتمال ہے کہ عقبہ کی بہن پیدل چلنے سے عاجز ہو، چنانچہ ابن عباس کی ایک روایت میں ایسا ہی وارد ہوا ہے۔

سر ڈھانکنے کا حکم اس لئے دیا گیا ہے کہ عورت کا سر اور بال ستر ہیں۔یعنی اس کے جسم کے یہ وہ حصے ہیں جس کو چھپانا اس پر واجب ہے اور اس کا کھلا رکھنا گناہ ہے اور سواری پر بیٹھنے کا حکم اس لئے دیا گیا کہ وہ پیدل چلنے سے عاجز تھیں اور اس کی وجہ سے وہ

سخت مشقت وتکلیف میں مبتلا تھیں۔

''وہ تین روزے رکھیں'' کا مطلب یہ ہوگا کہ اگر وہ ہدی (یعنی جانور ذبح کرنے) سے عاجز ہوں تو تین روزے رکھ لیں۔ یا پھر روزے رکھنے کا اس لئے فرمایا گیا کہ قسم کے کفارہ کی جو کئی قسمیں ہیں ان میں سے ایک یہ بھی ہے۔لہٰذا اگر کوئی شخص کفارہ کی قسموں سے عاجز ہو تو وہ تین روزے رکھے کہ اگر تین روزے قسم کے کفارہ کے طور پر رکھے جائیں تو تین دن پے در پے رکھنے واجب ہیں اس کے علاوہ کی صورت میں اختیار ہے کہ جس طرح چاہے رکھے۔

ناجائز نذر کا کفارہ دینا واجب ہے

۳۴۴۳: وَعَنْ سَعِيْدِ بْنِ الْمُسَيَّبِ اَنَّ اَخَوَيْنِ مِنَ الْاَنْصَارِ كَانَ بَيْنَهُمَا مِيْرَاثٌ فَسَاَلَ اَحَدُهُمَا صَاحِبَهُ الْقِسْمَةَ فَقَالَ اِنْ عُدْتَ تَسْاَلُنِي الْقِسْمَةَ فَكُلُّ مَالِيْ فِيْ رِتَاجِ الْكَعْبَةِ فَقَالَ لَهُ عُمَرُاِنَّ الْكَعْبَةَ غَنِيَّةٌ عَنْ مَالِكَ كَفِّرْعَنْ يَمِيْنِكَ وَكَلِّمْ اَخَاكَ فَاِنِّيْ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ لَا يَمِيْنَ عَلَيْكَ وَلَا نَذْرَ فِيْ مَعْصِيَةِ الرَّبِّ وَلَافِيْ قَطِيْعَةِ الرَّحِمِ وَلَافِيْمَا لَا يَمْلِكُ۔

(رواہ ابوداود)

اخرجه ابوداوٗد فی السنن ۵۸۱/۳ الحدیث رقم ۳۲۷۲۔

ترجمہ: ''اور حضرت سعید بن میتب کہتے ہیں کہ دو انصاری بھائیوں کے درمیان میراث تھی (جسے ان دونوں کے درمیان تقسیم ہوتا تھا) چنانچہ ان دونوں میں سے ایک نے ایک اپنے بھائی سے اس میراث کو تقسیم کرنے کا مطالبہ کیا تو اس دوسرے بھائی نے کہا کہ (میں یہ نذر مانتا ہوں کہ) اگر اب تم پھر مجھ سے تقسیم کا مطالبہ کرو گے تو میرا سارا مال کعبہ کے اخراجات کے لئے مختص ہے۔حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ (کے علم میں آئی تو انہوں) نے فرمایا کہ کعبہ تمہارے مال سے بے پرواہ ہے۔(یعنی کعبہ کو اس کی ضرورت نہیں ہے کہ تم اپنا مال اس کی نذر کر دو اور چونکہ تمہارے اوپر اس نذر کو پورا کرنا واجب نہیں ہے اس لئے) تم اپنی قسم کا (یعنی اس ناجائز نذر کا) کفارہ ادا کرو اور (جب تمہارا بھائی اس میراث کو تقسیم کرنے کا مطالبہ کرے تو اس معاملہ میں) اپنے بھائی سے بات چیت کرو (یعنی اس میراث کو تقسیم کر کے اس کا مطالبہ پورا کرو) کیونکہ میں نے رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا ہے کہ ''تم پر اس قسم (یعنی اس طرح کی نذر) کو پورا کرنا واجب نہیں ہے اور پروردگار کی معصیت کی نذر جائز نہیں ہے (یعنی جس نذر کا تعلق پروردگار کی نافرمانی اور کسی گناہ سے ہو اس کو پورا نہ کرنا چاہئے) اور نہ اس نذر کو پورا کرنا چاہئے جس سے قطع رحمی ہو اور اس نذر کو پورا کرنا بھی جائز نہیں۔جس چیز کا انسان مالک نہ ہو اس کی نذر پوری کرنا بھی جائز نہیں ہے (بلکہ جو نذر ناجائز ہونے کی وجہ سے پوری نہ کی جائے اس کا کفارہ دینا واجب ہے)۔'' (ابوداوٗد)

تشریح: قولہ: فسأل احدھا صاحبہ......:

یہ مال میراث کیا تھا؟ واللہ اعلم ممکن ہے کہ باغات واراضی ہوں، اور یہ بھی ممکن ہے کہ درہم ودینار ہوں۔

لا یمین علیك یعنی تم جیسے شخص کے بارے میں نبی کریم علیہ الصلوٰۃ والسلام کا فرمان یہی ہے کہ تم پر یہ یمین پوری کرنا لازم نہیں، البتہ کفارہ ہے۔ امام طیبیؒ فرماتے ہیں: **انی سمعت رسول اللہ ﷺ یقول، لا یمین علیك :أی سمعت ما یؤدی معناه الی قولی لك، لا یمین علیك.** یعنی تم نے جو نذر مانی ہے اس کا پورا کرنا واجب نہیں، اور نذر کو یمین کے لفظ سے تعبیر فرمایا، چونکہ اس سے بھی وہی چیز لازم ہوتی ہے جو یمین سے لازم آتی ہے۔

شرح السنہ میں لکھتے ہیں: اس سلسلہ میں فقہاء کا اختلاف ہے، کہ جب نذر کو یمین کی جگہ استعمال کیا مثلاً یوں کہا: **ان کلمت فلانا فللہ علی عتق رقبة. وان دخلت الدار فللہ علی صوم أو صلاة.** تو یہ نذر مقام یمین میں ہے۔ چونکہ ''ناذر'' نے ان الفاظ کے ذریعے اپنے نفس کو اس فعل سے روکنے کا قصد کیا ہے، جیسا کہ حالف اپنے الفاظ حلف کے ذریعے اپنے نفس کو کسی فعل سے روکنے کا قصد کرتا ہے۔ اکثر صحابہ اور ان کے بعد والے حضرات کا مذہب یہی ہے کہ اگر ''ناذر'' اس فعل کا مرتکب ہوا تو اس پر کفارہ یمین آئے گا، جیسا کہ حالف اگر اپنے حلف میں حانث ہو جائے، تو اس پر کفارہ یمین آتا ہے۔ امام شافعیؒ کا مذہب بھی یہی ہے۔ اس مسئلہ کی دلیل یہ حدیث ہے۔ اور بعض کا کہنا ہے کہ اس پر نذر کا پورا کرنا لازم ہے۔ دیگر نذور پر قیاس کرتے ہوئے۔ اھ۔ **(وقد سبق تحقیق ابن الهمام مما ینفعك فی هذا المقام.)**

قوله :ولا نذر فی معصية......:

و لا فی قطیعة الرحم یہ تخصیص بعد التعمیم ہے۔

لا یملك صیغہ مجہول کے ساتھ ہے۔ اور ایک نسخہ میں صیغہ معروف کے ساتھ ہے۔

مالی :''مال'' کی اضافت ہے ضمیر متکلم کی طرف۔ ''ما'' موصولہ یا موصوفہ ہے۔ أی :**فکل شئ لی من الملك.**

رتاج الکعبة بکسر أوله أی مصالحها أو زینتها. صاحب قاموس لکھتے ہیں: **الرتج محرکة الباب العظیم کالرتاج ککتاب.** اور صاحب النہایہ لکھتے ہیں: **الرتاج الباب وفی هذا الحدیث الکعبة، لأ نه أراد أن ما له هدی الی الکعبة لا الی بابها، فکنی بالباب لأ نه منه یدخل.** لیکن رتاج کعبہ سے کعبہ کا دروازہ مراد نہیں ہے بلکہ نفس کعبہ مراد ہے۔

رتاج الکعبۃ کا لفظی ترجمہ ہے ''کعبہ کا دروازہ'' کیونکہ ''رتاج'' بڑے دروازہ کو کہتے ہیں

الفصل الثالث :

۳۴۴۴:عَنْ عِمْرَانَ بْنِ حُصَيْنٍ قَالَ سَمِعْتُ رَسُوْلَ اللّٰهِ صَلَّى اللّٰهُ عَلَيْهِ وَسَلَّمَ يَقُوْلُ النَّذْرُ نَذْرَانِ فَمَنْ كَانَ نَذَرَ فِيْ طَاعَةٍ فَذٰلِكَ لِلّٰهِ فِيْهِ الْوَفَاءُ وَمَنْ كَانَ نَذَرَ فِيْ مَعْصِيَةٍ فَذٰلِكَ لِلشَّيْطَانِ وَلَا وَفَاءَ فِيْهِ وَيُكَفِّرُهٗ مَا يُكَفِّرُ الْيَمِيْنَ . (رواه النسائی)

اخرجه النسائی فی السنن ۲۸/۷ الحدیث رقم ۳۸۴۵۔

ترجمہ: ''حضرت عمران بن حصین رضی اللہ عنہ کہتے ہیں کہ میں نے رسول اللہ ﷺ کو یہ ارشاد فرماتے ہوئے سنا: ''نذر دو قسم کی ہے (ایک تو یہ کہ) کوئی شخص طاعت (یعنی حق تعالیٰ کی بندگی) کی نذر مانے' یہ نذر (خالص) اللہ تعالیٰ کے لئے ہے' اس قسم کی نذر کو پورا کرنا (واجب) ہے اور دوسری یہ کہ کوئی شخص گناہ کی نذر مانے' یہ نذر (خالص) شیطان کے لئے ہے' اس طرح کی نذر کو پورا کرنا واجب نہیں ہے' بلکہ ایسی صورت میں اس نذر کا کفارہ' قسم کے کفارہ کے مثل ادا کرے۔'' (نسائی)

تشریح: **فمن كان نذره في طاعة** : بظاہر یہ مباح کو بھی شامل ہے۔

ابن ہمامؒ فرماتے ہیں: اگر کسی کافر نے حلف اٹھایا اور پھر حالت کفر میں ہی حانث ہوگیا، یا اسلام قبول کرنے کے بعد حانث ہوگیا، تو اس پر کفارہ لازم نہیں۔ اور اگر کسی کافر نے کسی عبادت کی نذر مانی مثلاً صدقہ یا روزہ وغیرہ کی، تو قبول اسلام سے پہلے یا قبول اسلام کے بعد اس پر کوئی شے لازم نہیں۔ حنفیہ کا مذہب یہی ہے۔ امام مالک بھی یہی فرماتے ہیں۔ امام شافعیؒ اور امام احمدؒ کے نزدیک اس نذر کو پورا کرنا واجب ہے۔

دلائل:

ان حضرات کا استدلال صحیحین میں مروی حضرت عمر فاروقؓ کی روایت سے ہے: **أن عمر بن الخطاب رضي الله عنه قال: يا رسول الله! اني نذرت في الجاهلية أن أعتكف ليلة في المسجد الحرام، وفي رواية يومًا، فقال: "أوف بنذرك"**. اور مقاسمہ کے بارے میں ایک حدیث صحیحین میں مروی ہے: **"تبرئكم يهود بخمسين يمينا"**. اور ہماری دلیل یہ ارشاد باری تعالیٰ ہے: ﴿**لا أيمان لهم**﴾ اور جہاں تک بات ہے اس کے بعد کے الفاظ ﴿**ان نكثوا أيمانهم**﴾ کی، تو واضح رہے کہ اس سے مراد **"صور الأيمان"** ہیں، یعنی جو چیز یہ لوگ بطور ایمان کے ظاہر کر رہے ہیں' وہ مراد ہیں۔ اور حاصل یہ ہے کہ تأویل بہر حال ضروری ہے یا تو **لا أيمان لهم** میں تاویل کی جائے، جیسا کہ امام شافعیؒ فرماتے ہیں: **المراد لا يفاء لهم بها**، یا ﴿**نكثوا أيمانهم**﴾ میں تاویل کی جائے، جیسا کہ امام ابوحنیفہؒ فرماتے ہیں: **أن المراد ما هو صور الأيمان دون حقيقتها الشرعية.**

اور فقہی اعتبار سے اس کی تائید یوں ہوتی ہے، کہ ہم جانتے ہیں کہ جو اہل یمین ہوگا، وہ اہل کفارہ بھی ہوگا۔ اور کافر یمین کا اہل نہیں، چونکہ کفارہ کی مشروعیت بطور عبادت بایں طور ہے کہ حنث کی وجہ سے حالف پر اگر حنث کا گناہ لازم آرہا ہے، یا یہ کہ اقامت واجب کی خاطر اسم باری تعالیٰ کا اخلاف لازم آرہا ہے، تو اس کا انجبار ہوجائے، اور کافر تو اہل عبادت میں سے ہے ہی نہیں۔ اور جہاں تک تعلق ہے تحلیف القاضی کا اور آنحضرت ﷺ کے اس ارشاد گرامی: **"تبرئكم يهود بخمسين يمينا"** کا تو اس سے مراد 'صور الأیمان' ہیں۔ جیسا کہ ہم نے ماقبل میں بیان کیا، چونکہ ان سے مقصود **"رجاء النكول"** ہے۔ اور کافر کے بارے میں اگرچہ شرعاً ثابت نہیں، لیکن اپنے نفس میں اسم باری تعالیٰ کی تعظیم اور یمین کی حرمت کا اعتقاد تو رکھتا ہی ہے، تو وہ اس سے باز رہے، لہٰذا مقصود یعنی ظہور حق حاصل ہو جائے گا۔ صور الأیمان کے التزام کی مشروعیت اسی فائدہ کے پیش نظر ہے۔

عرضِ مرتب:

''تقریر ترمذی'' میں ''بابا فی وفاء النذر '' کے تحت حدیث عمرؓ کی تشریح میں عنوانِ ذیل کے تحت لکھتے ہیں:

حالتِ کفر کی مانی ہوئی نذر کا حکم:

ایک مسئلہ یہ ہے کہ اگر کوئی شخص مسلمان ہونے سے پہلے حالت کفر میں نذر مانے تو کیا اسلام لانے کے بعد اس نذر کو پورا کرنا واجب ہوگا یا نہیں؟

امام شافعیؒ فرماتے ہیں: اس نذر کو پورا کرنا واجب ہے، اور حدیث باب سے استدلال کرتے ہیں کہ اس میں حضور اقدس ﷺ نے حضرت عمرؓ کو زمانہ جاہلیت کی نذر کو پورا کرنے کا حکم دیا۔ لیکن فقہاء حنفیہ فرماتے ہیں، کہ زمانہ جاہلیت کی مانی ہوئی نذر اسلام لانے کے بعد واجب التعمیل نہیں ہوتی، اس حدیث سے استدلال فرماتے ہیں جس میں آپؐ نے فرمایا: ''الا سلام یجب ما کان قبله'' یعنی اسلام ان تمام التزامات کو ختم کر دیتا ہے جو اسلام سے پہلے تھے۔ اور اسلام لانے سے پہلے جب کسی شخص نے نذر مانی تھی تو اس وقت اس کا عقیدہ درست نہیں تھا، وہ توحید کا پورا قائل نہیں تھا۔ اس وقت اس نے جو نذر مانی تھی، العیاذ باللہ وہ اپنے بتوں کو خوش کرنے کے لئے مانی تھی۔ اس لئے درحقیقت وہ نذر شرعی نہیں تھی۔ اس لئے وہ منعقدہ ہی نہیں ہوئی۔ اب اسلام لانے کے بعد اس کو کیسے پورا کیا جائے گا؟ اور اگر بالفرض نذر صحیح بھی ہوگئی ہو، تو حدیث الا سلام یجب ما کان قبله کی وجہ سے وہ نذر واجب نہیں رہے گی۔ البتہ جب زمانہ جاہلیت میں ای نیکی کرنے کا ارادہ کیا تھا، تو مستحب یہ ہے کہ اسلام لانے کے بعد اس نیکی کے ارادہ کو پورا کر لے۔ لہٰذا حضرت عمرؓ کو آپؐ نے جو وفاءِ نذر کا حکم دیا، وہ حنفیہ کے نزدیک استحباب پر محمول ہے، واجب نہیں۔

جان قربان کرنے کی نذر کا مسئلہ

۳۴۴۵: وَعَنْ مُحَمَّدِ بْنِ الْمُنْتَشِرِ قَالَ اِنَّ رَجُلًا نَذَرَاَنْ يَنْحَرَ نَفْسَهُ اِنْ نَجَّاهُ اللّٰهُ مِنْ عَدُوِّهٖ فَسَئَلَ ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ لَهُ سَلْ مَسْرُوْقًا فَسَاَلَهُ فَقَالَ لَهُ لَا تَنْحَرْ نَفْسَكَ فَاِنَّكَ اِنْ كُنْتَ مُؤْمِنًا قَتَلْتَ نَفْسًا مُؤْمِنَةً وَاِنْ كُنْتَ كَافِرًا تَعَجَّلْتَ اِلَى النَّارِ وَاشْتَرِ كَبْشًا فَاذْبَحْهُ لِلْمَسَاكِيْنِ فَاِنَّ اِسْحَاقَ خَيْرٌ مِنْكَ وَفُدِیَ بِكَبْشٍ فَاَخْبَرَا ابْنَ عَبَّاسٍ فَقَالَ هٰكَذَا كُنْتُ اَرَدْتُّ اَنْ اُفْتِيَكَ ۔

اخرجه رزين

ترجمہ: ''اور حضرت محمد بن منتشر کہتے ہیں کہ ایک شخص نے یہ نذر مانی کہ اگر اللہ تعالیٰ نے اس کو دشمن سے نجات دلا دی تو وہ اپنے آپ کو ذبح کر (کے ہلاک کر) دے گا' چنانچہ (جب اس کو اپنے دشمن سے نجات مل گئی تو) اس نے

اس مسئلہ کے بارے میں حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما سے دریافت کیا گیا) حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے اس سے فرمایا کہ یہ مسئلہ مسروقؒ (تابعی) سے پوچھو' اس شخص نے مسروقؒ سے دریافت کیا تو انہوں نے فرمایا کہ ''تم اپنے آپ کو ذبح نہ کرو' کیونکہ اگر تم مسلمان ہو تو (اس صورت میں) تم ایک مسلمان کی جان کو قتل کرنے کے مرتکب ہوئے اور اگر تم کافر ہو تو (اس صورت میں گویا) تم ایک مسلمان جان کو قتل کرنے کے مرتکب ہوئے' دوزخ میں جانے میں جلدی کی' لہٰذا اگر (تمہارے بارے میں یہ حکم ہے کہ) تم دُنبہ خریدو اور مساکین کے لئے اس کو ذبح کرو' حضرت اسحٰق علیہ السلام تم سے بہتر تھے جن کا بدلہ ایک دنبہ کو قرار دیا گیا' جب اس شخص نے حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما کو (حضرت مسروقؒ کے اس فتویٰ سے) آگاہ کیا تو انہوں نے فرمایا کہ حقیقت یہی ہے' میں خود تمہیں یہی فتویٰ دینے کا ارادہ رکھتا تھا''۔ (رزین)

حالاتِ راوی:

محمد بن منتشر۔ یہ محمد ہیں۔ منتشر کے بیٹے ہیں۔ ''ہمدان'' کے رہنے والے۔ ''مسروق'' کے بھتیجے ہیں۔ ابن عمر رضی اللہ عنہ وعائشہ رضی اللہ عنہا وغیرہ صحابہ سے روایت کی اور ان سے ایک جماعت نے روایت کیا ہے۔ ''منتشر'' انتشار مصدر ہے اسم فاعل کا صیغہ ہے۔

تشریح: حدیث میں جس شخص کا ذکر کیا گیا ہے اس کو اپنے دشمنوں کے ہاتھوں مرنا نہایت شدید اور فضیحت ناک معلوم ہوتا تھا' چنانچہ اس نے التجا کی کہ ''پروردگار! اصل موت مجھ پر سخت نہیں ہے اور نہ میں اپنی زندگی کے خاتمہ سے گھبراتا ہوں' میں اپنی جان اپنے ہاتھوں تجھے سونپتا ہوں اور اپنے آپ کو تیرے نام پر قربان کرتا ہوں لیکن دشمن کے ہاتھوں مرنا مجھ پر سخت شاق ہے اس لئے اگر تو مجھے دشمن سے نجات دے گا تو میں اپنے آپ کو تیرے نام پر قربان کر دوں گا''۔ یہ تو گویا اس کا جذبہ اور اس کی ایک طبعی خواہش تھی لیکن اس نے یہ نہیں جانا کہ اپنے آپ کو ہلاک کر لینا اس سے کہیں زیادہ سخت اور حرام ہے' چنانچہ حضرت مسروقؒ نے اس کے سامنے اس مسئلہ کو بڑے لطیف انداز میں واضح کیا کہ اگر تم مسلمان ہو اور اپنے آپ کو قتل کر ڈالتے ہو تو اس طرح درحقیقت تم ایک مسلمان کو قتل کرنے کے مرتکب گردانے جاؤ گے اور یہ معلوم ہونا چاہئے کہ نفس مؤمن کو قتل کرنے والے کے بارے میں اس آیت کریمہ :وَلَا تَقْتُلُوْٓا اَنْفُسَكُمْ وَمَنْ يَّقْتُلْ مُؤْمِنًا مُّتَعَمِّدًا...... کے بموجب دوزخ کے دائمی عذاب کی وعید بیان کی گئی ہے اور اگر تم کافر ہو تو اس صورت میں تمہارا اپنے آپ کو قتل کر دینا' اس بات کے مترادف ہوگا کہ تم دوزخ میں جانے کی جلدی کر رہے ہو' کیونکہ اگر تم بقید حیات رہتے ہو تو عجب نہیں کہ حق تعالیٰ تمہیں راہِ ہدایت سے نوازے اور تم اسلام قبول کر کے دائمی نجات پاؤ۔ بہر حال کسی بھی صورت میں تمہارا اپنے آپ کو قتل کر دینا نہ صرف یہ کہ نا مشروع ہے بلکہ غیر معقول بھی ہے۔

حدیث کا یہ جملہ ''حضرت اسحٰق علیہ السلام تم سے بہتر تھے جن کا بدلہ ایک دنبہ کو قرار دیا گیا تھا'' بعض علماء کے اس قول پر مبنی ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام نے جو خواب دیکھا تھا کہ اپنے بیٹے کو ذبح کر رہا ہوں تو وہ بیٹے حضرت اسحٰق علیہ السلام تھے۔ لیکن

اس بارے میں مشہور و مختار اور صحیح قول یہ ہے کہ حضرت ابراہیم علیہ السلام کو خواب میں جس بیٹے کو ذبح کرنے کا حکم دیا گیا تھا وہ حضرت اسماعیل علیہ السلام تھے۔ چنانچہ جلال الدین سیوطی رحمہ اللہ نے وضاحت کی ہے کہ اس واقعہ میں اہل کتاب نے سخت تحریف و تکذیب سے کام لیا ہے، سابقہ آسمانی کتابوں میں اصل نام اسماعیل تھا جس کو اہل کتاب نے حذف کر کے اسحٰق بنا دیا۔

امام طیبی رحمہ اللہ فرماتے ہیں: ممکن ہے کہ حضرت ابن عباس رضی اللہ عنہما نے احتیاطاً سائل کو مسروق کی طرف روانہ کیا ہو۔ چونکہ مسروق رحمہ اللہ، حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا سے بھی علم حاصل کیا کرتے تھے، لہٰذا مفتی کو چاہیے کہ فتویٰ دینے میں جلد بازی سے کام نہ لے، بلکہ مشورہ کرے، یا نقل کی طرف رجوع کرے۔